خطباتِ مسرور

خطباتِ جمعہ

فرمودہ امام جماعت احمدیہ عالمگیر

حضرت مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

2023ء

جلد 21

ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD

خطباتِ مسرور

(جلد۲۱)

Khutbat-e-Masroor —Vol. 21 (Urdu)
A Collection of Friday Sermons delivered by
Hazrat Mirza Masroor Ahmad
Khalifatul-Masih V (may Allah be his Helper)
in 2023

First Published in the UK in 2024

© **Islam International Publications Ltd.**

Published by:
Islam International Publications Limited
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-716-7

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کی آواز

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ جس شخص کو خلافت پر کھڑا کرتا ہے وہ اس کو زمانہ کے مطابق علوم بھی عطا کرتا ہے..... اسے اپنی صفات بخشتا ہے۔" ("الفرقان" ربوہ، جون 1967ء صفحہ 37)

ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وقت کے امام کو پہچاننے کی توفیق دی، اس خدائے رب رحمٰن کا سراسر فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں خلافت کے نظام میں شامل کیا، ہمیں ایک خلیفہ عطا کیا جو ہمارے لئے درد رکھتا ہے، ہمارے لئے اپنے دل میں پیار رکھتا ہے، اس خوش قسمتی پر جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ اس شکر کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ جہاں ہم اپنے اس پیار کرنے والے کے لئے دن رات دعائیں کرتے رہیں وہاں ہم خدا کے اس خلیفہ کی آواز کو سنیں، اور اس کے فرمودات پر عمل کریں۔ کیونکہ اسکی آواز کو سننا باعثِ ثواب اور اس کی باتوں پر عمل کرنا دین و دنیا کی بھلائی کا موجب ہے۔ اس کی آواز وقت کی آواز ہے، زمانے کی ضرورت کے مطابق خدا کی خاص رہنمائی کے تابع یہ بندہ بولتا ہے۔ خدائی تقدیروں کے اشاروں کو دیکھتے ہوئے وہ دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔ الٰہی تائیدات و نصرت اس کے شامل حال ہوتی ہے اور خدائی صفات اس کے اندر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ خطباتِ مسرور کی اس جلد میں ہم اس امام ہمام کی قیمتی اور زریں نصائح ملاحظہ کر سکیں گے۔

اس جلد میں اخلاقی، روحانی تربیت اور ان کے علمی و عملی معیار کو بہتر سے بہتر کرنے کے لئے بہترین نصائح پر مشتمل تفصیلی رہنمائی پائیں گے۔ نئے سال کی مبارک باد دیتے ہوئے ہمارے پیارے امام نے ہماری ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس جلد میں وقف جدید اور تحریک جدید کے سالوں کے بابرکت اختتام اور سالِ نو کے اعلان کے موقع پر دنیا کے مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے مخلصین جماعت احمدیہ کی مالی قربانی کے ایمان افروز واقعات کا تذکرہ بھی ہے۔ یوم مصلح موعودؓ کے حوالہ سے "وہ علوم ظاہر و باطنی سے پر کیا جائے گا" کے مصداق کے طور پر حضرت مصلح موعودؓ کے حیرت انگیز علمی کارناموں کی کچھ تفصیل کا بیان ہے۔

مختلف مقامات پر قرآن کریم کی تفسیر، احادیث مبارکہ نبویہ کی تشریح اور سیدنا حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی شان و عظمت کا پاکیزہ و معطر تذکرہ بھی

ہے۔ اور خاص طور پر جنگ بدر میں شامل ہونے والے عشق وفا کے پیکر جاں نثار صحابہؓ کی سیرت وسوانح کے بیان کے تسلسل میں خلفائے راشدین کی تفصیلی سیرت وسوانح کا بیان ہے۔ جو کسی بھی خلیفہ کی جانب سے اتنی تفصیل کے ساتھ پہلی بار ہو رہا ہے۔ اور اس جلد میں بدری صحابہؓ کا یہ تاریخی بیان اختتام پذیر ہوتا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ہی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی مقدس ومطہر سیرت کا بیان شروع ہو چکا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا مقصد اور گزشتہ پیشگوئیوں کے مصداق آپ کی صداقت، اور خلافت کی نعمت اور تائیدات الٰہی کی ایک جھلک کی تفصیل بھی اس جلد میں موجود ہے۔ اس وقت ساری دنیا جس سیاسی ابتری کا شکار ہو کر تیسری عالمی جنگ کے دھانے پر کھڑی ہے بلکہ اس آگ میں کود چکی ہے اس کی ہولناک تباہی اور بھیانک انجام سے مسلسل خبردار کیا جارہا ہے اور دعاؤں کی تحریک بھی ہوتی رہی۔ یہ تمام تجزیات وحقائق بھی ان خطبات میں موجود ہیں۔

بڑے ہی سعید اور خوش نصیب ہیں جو خدا کی طرف سے قائم کردہ اس نمائندے کی باتوں کو سنیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ ہاں کچھ اور بھی خوش نصیب ہیں جن کا ان خطبات میں ذکر موجود ہے، اور وہ، وہ خوش بخت مرحومین ہیں کہ جن کا ذکر خیر خلیفۃ المسیح کی زبان مبارک سے ہوا۔

آخر پر خاکسار اپنے ان سب بزرگوں اور معاونین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جن کا پر خلوص تعاون حاصل رہا۔ جن کی محنت اور توجہ سے یہ جلد طباعت کے دیگر مراحل کے بعد قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

خلاصہ جات خطبات مسرور سال 2023ء

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
1	06 جنوری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	1-16

اللہ تعالیٰ نے مالی قربانی کو اس حد تک اہمیت دی ہے کہ حقیقی نیکی جس سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی جائے اس وقت نیکی شمار ہو گی جب اپنی محبوب چیز خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہمدردئ خلق میں خرچ کی جائے۔ یہ جو کاروبار ہے بِٹ کوائن(Bitcoin) وغیرہ کا میرے نزدیک تو یہ ایک قسم کا جوا بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جاری نظامِ خلافت میں بھی اللہ تعالیٰ ہر دَور میں قربانی کرنے والے عطا فرماتا چلا جارہا ہے۔ وقفِ جدید کے چھیاسٹھ ویں سال کے آغاز کا اعلان، دنیا بھر میں بسنے والے احمدیوں کی قربانی کے واقعات کا عمومی تذکرہ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
2	13 جنوری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	17-33

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آج کل کے مسلمانوں کے لیے بھی سبق ہے۔ اخلاص و وفا کے پیکر بعض بدری صحابہ حضرت عبد اللہ بن جحشؓ، حضرت صالح شقرانؓ، حضرت مالک بن دُخشمؓ، حضرت عکاشہؓ، حضرت خارجہ بن زیدؓ، حضرت خالد بن بُکیرؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی سیرت کے بعض پہلوؤں کا دلنشین تذکرہ۔ مہدی آباد برکینا فاسو میں 9/ احمدیوں کی افسوس ناک شہادت۔ شہداء کی بلندئ درجات نیز برکینا فاسو کے حالات کے لیے احبابِ جماعت کو دعا کی تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
3	20 جنوری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	34-48

براعظم افریقہ کے ملک برکینا فاسو میں عشق و وفا اور اخلاص اور ایمان اور یقین سے پُر افرادِ جماعت نے جو نمونہ مجموعی طور پر دکھایا ہے وہ حیرت انگیز ہے، اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہ صرف اپنے لیے بلکہ جماعت کی زندگی کا بھی باعث بن رہا ہے۔ یہی تو ہیں جو پیچھے رہنے والوں کی زندگی اور ترقیات کا بھی ذریعہ بن رہے ہیں۔ پھر وہ مردہ کس طرح ہو سکتے ہیں! برکینا فاسو کے نو(9) احمدی شہداء نیز ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب اور اُن کی اہلیہ محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ آف امریکہ کا ذکرِ خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
4	27 جنوری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	49-63

اخلاص و وفا کے پیکر بدری صحابہ حضرت ابو لُبابہ بن عبد المنذرؓ، حضرت ابو الہَیثَم بن ثابت بن نعمانؓ، حضرت اَنَسہ مَوْلیٰ رسول

اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، حضرت ابو مَرْثَد بن ابی مَرْثَدؓ، حضرت ابو مَرْثَد کَنَّازؓ، حضرت سَلِیط بن قیس بن عمروؓ، حضرت مُجَدَّر بن زیادؓ، حضرت رِفَاعَہ بن رَافِع بن مَالِک بن عجلانؓ، حضرت ابو اُسَید بن مَالِک رَبِیعہؓ، حضرت عبد اللہ بن عَبد الاَسَدؓ، حضرت خَلَّاذ بن رَافِعؓ، حضرت عَبَّاد بن بشرؓ اور حضرت حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعہؓ کی سیرت کے بعض پہلوؤں کا ایمان افروز تذکرہ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
5	03 فروری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	64-76

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں قرآن کریم کے فضائل، مقام و مرتبہ اور عظمت کے بارے میں بصیرت افروز بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
6	10 فروری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	77-87

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں قرآن کریم کے فضائل، مقام و مرتبہ اور عظمت کے بارے میں بصیرت افروز بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
7	17 فروری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	88-102

یومِ مصلح موعود کی مناسبت سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے علمی کارناموں کا اجمالی تذکرہ اور حضورؒ کے ترجمہ و تفسیر القرآن نیز بعض لیکچرز پر غیروں کے تأثرات۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
8	24 فروری 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	103-118

بدری صحابہ حضرت عامر بن ربیعہؓ، حضرت حَرَام بن مِلْحَانؓ، حضرت سعد بن خولہؓ، حضرت ابو الہیثم بن التیہانؓ، حضرت عاصم بن ثابتؓ، حضرت سَہْل بن حُنَیف انصاریؓ، حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ اور حضرت قُطبہ بن عامرؓ کے بارے میں بعض روایات کا بیان اس (خطبہ) کے بعد بدری صحابہ کے بارہ میں یہ سلسلہ یا جو مَیں بیان کرنا چاہتا تھا وہ ختم ہو جائے گا۔ پاکستان، برکینا فاسو اور الجزائر میں بسنے والے احمدیوں کے لیے دعائیں کرنے اور صدقات کی تحریک۔ مکرم محمد رشید صاحب شہید ضلع گجرات، مکرمہ امانی بسام مجلّاوِی صاحبہ اور عزیزم صلاح عبد المعین قُطَیْش آف اسکندرون (ترکی) اور مکرم مقصود احمد منیب صاحب (مربی سلسلہ، کوئٹہ) کی وفات پر ذکرِ خیر۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
9	03 مارچ 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	119-130

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و تحریرات کی روشنی میں قرآن کریم کی خصوصیات، مقام اور اہمیت کا ذکر۔ مخالفانہ حالات کے پیش نظر بنگلہ دیش، پاکستان، برکینا فاسو اور الجزائر میں بسنے والے احمدیوں کے لیے دعاؤں کی تحریک۔ اللہ تعالیٰ احمدیوں کو اُن کے شر سے بھی محفوظ رکھے اور ان کی پکڑ کے بھی سامان کرے۔ اب تو اِن کے لیے کوئی ہدایت کی دعا نہیں ہو سکتی۔

اَللّٰھُمَّ مَزِّقْھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَسَحِّقْھُمْ تَسْحِیْقًا والی دعا ہی ہے جو ان کے لیے ہمارے منہ سے نکلتی ہے، دل سے نکلتی ہے۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
10	10 مارچ 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	131-144

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و تحریرات کی روشنی میں قرآن کریم کی خصوصیات، مقام اور اہمیت کا ذکر۔ جلسہ سالانہ بنگلہ دیش پر بلوائیوں کے حملے میں جامِ شہادت نوش کرنے والے مکرم زاہد حسین صاحب کے علاوہ مکرم کمال بداح صاحب آف الجزائر، ڈاکٹر شمیم احمد ملک صاحب آف کینیڈا، مکرم فرہاد احمد امینی صاحب آف جرمنی اور مکرم چودھری جاوید احمد بسمل صاحب آف کینیڈا کا ذکرِ خیر۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
11	17 مارچ 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	145-158

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و تحریرات کی روشنی میں قرآن کریم کی خصوصیات، مقام اور اہمیت کا ذکر۔ رمضان میں جہاں خاص طور پر قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ دیں وہاں دعاؤں کی طرف بھی خاص توجہ دیں۔ پاکستان، برکینا فاسو اور بنگلہ دیش کے احمدیوں کے لیے دعا کی مکرر تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
12	24مارچ 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	159-171

یومِ مسیح موعود کی مناسبت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں سورۂ جمعہ کی آیات کی تفسیر، موعود مسیح کے زمانے کی مختلف نشانیوں، مختلف پیشگوئیوں نیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کا مختصراً تذکرہ۔ دنیائے احمدیت، پاکستان، برکینا فاسو اور بنگلہ دیش کے احمدیوں نیز دنیا کے تباہی سے بچنے کے لیے دعا کی تحریک۔ الفضل انٹرنیشنل کے روزنامہ ہونے پر اسے پڑھنے اور خریدنے کی تحریک نیز الفضل میں لکھنے والوں کے لیے دعائیہ کلمات۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
13	31مارچ 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	172-184

اگر ہم نے رمضان کا حقیقی فیض اٹھانا ہے تو ہمیں عبادتوں کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس پر غور کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیے۔ اس کی تفسیر پڑھنے سننے کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں قرآن کریم کے فضائل، مقام و مرتبہ اور عظمت کا بیان۔ مولانا منور احمد خورشید صاحب سابق مبلغ مغربی افریقہ، مکرم اقبال احمد منیر صاحب مربی سلسلہ پاکستان اور سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ قادیان کی وفات پر مرحومین کا ذکرِ خیر۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
14	07اپریل 2023ء	بیت الفتوح، مورڈن، یوکے	185-199

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں قرآن کریم کے کامل اور مکمل ہونے کا

بیان۔ مخالفین کے شر سے محفوظ رہنے، دنیا کے عمومی حالات اور فلسطین کے مسلمانوں کے لیے دعاؤں کی تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
15	14 اپریل 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	200-212

ان دنوں میں دینا کے عمومی امن و استحکام کے لئے بھی دعا کرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانیت ہت رحم فرمائے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں کلمہ طیبہ میں مذکور توحیدِ الٰہی کے کمالات اور نبی کریم ﷺ کی عالی شانِ رسالت کا بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
16	21 اپریل 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	213-223

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں تقویٰ کی تشریح اور اس کے حصول کی تلقین تین دن یا چار دن یا ہفتے کی دعائیں نہیں، مستقل دعائیں کریں (پاکستان اور دنیا بھر میں موجود احمدیوں کیلئے دعاؤں کی تلقین)۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
17	28 اپریل 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	224-235

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ارشادات مبارکہ کی روشنی میں مشکلات اور تکالیف پر صبر کرنے کی نصیحت۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
18	05 مئی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	236-250

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں سورۃ النحل کی آیت 91 میں مذکور نیکیوں یعنی عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ سے متعلق بصیرت افروز بیان۔ پاکستان کے احمدیوں کے لئے دعا کی مکرر تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
19	12 مئی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	251-260

مجلس شوریٰ خلافت کا مددگار ادارہ ہے، اس کی بہت اہمیت ہے۔ جہاں ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے وہاں عملی کوشش کی ضرورت ہے۔ اپنی عبادتوں کے معیار حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے عملی نمونے، لوگوں سے پیار محبت کا تعلق، ان کا درد دل میں رکھنا، ان کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی دعا کرنا، خلیفۂ وقت کی اطاعت کے معیار کو بلند کرنا ہر عہدیدار اور ہر ممبر شوریٰ کا خاص امتیاز ہو گا تو تبھی ایک انقلابی تبدیلی مجموعی طور پر ہم جماعت میں پیدا ہوتی دیکھیں گے۔ شوریٰ کی اہمیت اور نمائندگان کی ذمہ داریوں کے بارے میں بصیرت افروز بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
20	19 مئی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	261-273

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور جماعتی عالمگیر ترقیات کی عکاسی کرنے والے بعض ایمان افروز واقعات کا تذکرہ۔ پروین اختر صاحبہ اہلیہ غلام قادر صاحب آف سیالکوٹ، ممتاز وسیم صاحبہ اہلیہ چودھری وسیم احمد ناصر صاحب آف

گھٹیالیاں، بریگیڈیئر منوّر احمد رانا صاحب آف راولپنڈی اور عبد الشکور ملک صاحب سابق نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کی وفات پر ان کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
21	26 مئی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	274-284

خلافت حقہ اسلامیہ کی تائید کی عکاسی کرنے والے بعض ایمان افروز واقعات کا تذکرہ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
22	02جون 2023ء	مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے	285-296

(آنحضرت ﷺ کی ذات) ہماری زندگی کا محور ہے اور اس کے بغیر ہمارا دین، ہمارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت پر عمل بھی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے تناظر میں جنگِ بدر کے پسِ منظر کا بیان۔ مکرم خواجہ منیر الدین قمر صاحب آف یوکے کا جنازہ حاضر نیز مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب فضل عمر ہسپتال ربوہ، مکرمہ سیدہ امۃ الباسط صاحبہ آف اسلام آباد پاکستان اور مکرم شریف احمد بندیشہ صاحب ادھووالی ضلع فیصل آباد مرحومین کا ذکرِ خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
23	09جون 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	297-307

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے تناظر میں جنگِ بدر کے پسِ منظر کا بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
24	16جون 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	308-321

جنگِ بدر کے لیے کفارِ مکہ کی تیاری کی مزید تفصیلات نیز لشکرِ اسلامی کی مدینہ سے روانگی۔ مکرم شیخ غلام رحمانی صاحب آف یوکے کا جنازہ حاضر نیز مکرم طاہر آگ محمد صاحب آف مہدی آباد ڈوری برکینا فاسو، مکرم خواجہ داؤد احمد صاحب کینیڈا، مکرم سید تنویر شاہ صاحب اور مکرم رانا محمد ظفر اللہ خان صاحب مربی سلسلہ کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
25	23جون 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	322-334

جنگ بدر، حالات و واقعات اور صحابہ کرامؓ کی اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اطاعت اور محبت کا بیان۔ محترم قاری محمد عاشق صاحب سابق استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ و سابق پرنسپل و نگران مدرسۃ الحفظ ربوہ اور محترم نور الدین الحصنی صاحب آف شام کا ذکرِ خیر

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
26	30جون 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	335-344

جنگ بدر کی تیاری، صحابہ کرامؓ کی اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت نیز جنگِ بدر کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی متضرعانہ دعاؤں کا بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
27	07جولائی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	345-357

جنگِ بدر میں وقوع پذیر ہونے والے حالات وواقعات اور شہدائے بدر کا تذکرہ۔ نیز کتب احادیث وارشادات حضرت مسیح موعودؑ وخلفائے کرام کی روشنی میں بدر کے موقع پر نزولِ ملائکہ پر سیر حاصل گفتگو۔ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں، امّتِ مسلمہ، پاکستانی احمدیوں نیز دیگر اہم امور کے لیے دعاؤں کی تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
28	14جولائی 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	358-370

جنگِ بدر کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا تذکرہ۔ رؤسائے قریش کی تدفین، آنحضرت ﷺ کے معجزات، اموالِ غنیمت کی تقسیم کا تذکرہ نیز قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے کے بارے میں ایک مشہور روایت کا حل۔ مکرم رانا عبد الحمید خان صاحب کا ٹھگڑھی مربی سلسلہ ونائب ناظم مال وقفِ جدید پاکستان اور مکرمہ نصرت جہاں احمد صاحبہ اہلیہ مکرم مبشر احمد صاحب مربی سلسلہ کی وفات پر ان کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
29	21جولائی 2023ء	مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے	371-382

جنگِ بدر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ذکر جنگِ بدر کی اہمیت اور اس کے نتائج نیز بدری صحابہ کی فضیلت کا بیان۔ جلسہ سالانہ یوکے کے حوالے سے مہمان نوازی کی اہمیت کا بیان اور کارکنان اور مہمانوں کو زرّیں نصائح۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
30	28جولائی 2023ء	حدیقۃ المہدی، آلٹن، ہمپشئر، یوکے	383-392

جلسہ سالانہ برطانیہ، مہمان نوازی اور میزبانی وغیرہ اور دیگر اصولی ہدایات۔ جلسہ سالانہ کے کارکنان اور مہمانوں کو زرّیں نصائح۔ دس محرم بھی ہے، درود شریف پڑھنا چاہیے اور اس سوچ کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو بلند کرتا چلا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس امت کو ہر قسم کے بگاڑ سے پاک کر دے۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
31	04اگست 2023ء	مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے	393-404

جلسہ سالانہ برطانیہ 2023ء میں شامل ہونے والے مہمانوں کے تاثرات نیز وسیع پیمانے پر جلسہ سالانہ کی کوریج۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
32	11اگست 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	405-418

آخری شرعی کتاب قرآن کریم جس کا پڑھنا، سننا، رکھنا بھی پاکستان میں احمدیوں پر بین (Ban) ہے، ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وہی کتاب ہے جس کے ذریعے جماعت احمدیہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچا رہی ہے اور دنیا کی اصلاح کر رہی ہے۔ جماعت احمدیہ پر بارش

کی طرح نازل ہونے والی تائیدات و افضال الٰہیہ کے ایمان افروز واقعات کا روح پرور بیان۔ کووڈ (Covid) وبا کے حوالے سے احباب جماعت کو احتیاط برتنے کی تلقین۔ مکرمہ امۃ الہادی صاحبہ، مکرم ثاقب کامران صاحب نائب وکیل سمعی و بصری تحریک جدید، عزیزم آرب کامران اور مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق داؤد اصاحب آف بینن کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
33	18 اگست 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	419-428

عہدیداران کے فرائض اور ذمہ داریاں۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
34	25 اگست 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	429-442

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں استغفار اور توبہ کی حقیقت و افادیت پر بصیرت افروز بیان۔ مکرمہ آنسہ بیگم صاحبہ بنت حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ، مکرمہ بشریٰ اکرم صاحبہ آف سیالکوٹ، مکرمہ مسرت جہاں صاحبہ آف آسٹریلیا اور مکرم ناصر احمد قریشی صاحب آف امریکہ کی وفات پر ان کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
35	01 ستمبر 2023ء	جلسہ گاہ (Mess, Stattgart)، جرمنی	443-456

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُر معارف ارشادات کی روشنی میں جلسہ سالانہ میں شمولیت کے مقاصد اور جماعت احمدیہ جرمنی کے لیے نئی صدی کا ٹارگٹ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
36	08 ستمبر 2023ء	مسجد بیت السبوح، فرینکفرٹ، جرمنی	457-473

جماعت احمدیہ جرمنی کا جلسہ گذشتہ ہفتہ کامیابی سے منعقد ہوا۔ پس سب سے پہلے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایک وقفے کے بعد وسیع پیمانے پر عام حالات کے مطابق جلسہ منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس پر سب انتظامیہ کو بھی اور شاملین جلسہ کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جہاں جہاں مہمانوں کو تکلیف ہوئی ہے وہاں جلسے کی انتظامیہ کے افسران بھی ذمہ دار ہیں اور امیر صاحب کو اس بات کو خاص طور پر نوٹ کرنا چاہیے، دیکھنا چاہیے، کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے۔ باقی انتظامی معاملوں میں تو کمیاں برداشت ہو جاتی ہیں لیکن جلسہ سننے کے انتظامات میں کوئی کمی برداشت نہیں ہو سکتی میں نے یہی دیکھا ہے کہ جہاں افسر عاجزی سے اور محنت سے کام کرنے والا ہو وہ تمام شعبہ بہتر ہوتا ہے۔ ہر خادم، ہر ناصر اور لجنہ کی ہر ممبر کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی طرف سے بہت محنت کی لیکن افسران کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے ترقی کرنے والی قومیں اپنی کمزوریوں پر نظر رکھیں تو تبھی کامیاب ہوتی ہیں۔ جماعت احمدیہ جرمنی کو جلسہ سالانہ کے حوالے سے بعض نصائح، جلسے پر تشریف لانے والے مہمانوں کے تاثرات، نیز میڈیا کوریج کا تذکرہ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
37	15 ستمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	474-485

صاحبزادی سیدہ امۃ القدوس صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ، اہلیہ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ غائب۔ مکرم محمد ارشد احمدی صاحب (یوکے) اور مکرم احمد جمال صاحب (امریکہ) کی وفات پر ان کا ذکر خیر اور نمازِ جنازہ۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
38	22 ستمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	486-498

غزوۂ بدر اور غلبۂ روم کی پیشگوئی کا باہمی تعلق اور سورۂ روم میں بیان فرمودہ عظیم الشان پیشگوئی کے بارے میں ایمان افروز تفصیلی بیان۔ مکرم فراس علی عبدالواحد صاحب یوکے کی وفات پر ان کا ذکر خیر اور نمازِ جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
39	29 ستمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	499-512

توہین رسالت کی کسی قسم کی کوئی ایسی سزا شریعت اسلام میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کے واقعات کی کوئی حقیقت ہے۔ عَصْمَاء بنت مروان کے قتل کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ اور توہینِ رسالت کی سزا سے متعلق ایک مشتبہ روایت پر سیر حاصل بحث۔ شدت پسند ملاں نے ان واقعات کو اہمیت دے کر اسلام کی خوبصورت تعلیم کو بدنام کیا ہے اور آجکل اسی طرح من گھڑت کہانیاں بنا کر یہ مولوی احمدیوں کے خلاف بھی شدت پسندی کے اظہار کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ غزوۂ بدر کے بعد وقوع پذیر ہونے والے بعض واقعات بشمول غزوۂ بنو سُلَیم یا قَرَقَرَۃُ الْکُدْر کا بیان۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
40	06 اکتوبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	513-524

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اُکسانے والے دشمنِ اسلام ابو عَفَک یہودی کے قتل کے واقعات کا مطالعاتی جائزہ۔ پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد خان صاحب المعروف پرویز پروازی آف کینیڈا، مکرم شریف احمد بھٹی صاحب آف ربوہ، پروفیسر عبدالقادر ڈاہری صاحب سابق امیر جماعت ضلع نوابشاہ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب آف امریکہ کا ذکرِ خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
41	13 اکتوبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	525-535

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی شادی کی حکمت، شادی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ، حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے واقعہ کی تفصیلات۔ اسرائیل، فلسطین جنگ کے تناظر میں دعا کی تحریک اور عالمی راہنماؤں کو نصائح۔ مکرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب آف یوکے کی نماز جنازہ حاضر اور مکرمہ وسیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر شفیق سہگل صاحب (سابق امیر ضلع ملتان) کا جنازہ غائب، مرحومین کا ذکرِ خیر۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
42	20 اکتوبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	536-547

سیرت النبی ﷺ کے اہم واقعات کے تسلسل میں حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بصیرت افروز تذکرہ۔ سریہ زید بن حارثہؓ، غزوۂ سویق اور مسلمانوں کی پہلی عید الاضحی سے متعلق تاریخی واقعات کا پُر اثر بیان۔ مسلمان ممالک کو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے اپنا کردار ادا

کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں دعاؤں پر زور دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا خاتمہ کرے اور معصوم مظلوم فلسطینیوں کی حفاظت بھی فرمائے۔ حماس، اسرائیل جنگ کے پیش نظر دعا کی تحریک اور مسلم ممالک کو نصیحت۔ مسلمان ممالک کو دنیا میں قیام امن کے لیے بیک آواز ہو کر اپنا بھرپور اور مؤثر کردار ادا کرنے کی تلقین۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
43	27 اکتوبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	548-561

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کا بیان، غزوۂ بنو قینقاع کی تفصیلات۔ اور اسرائیل کی حکومت اور بڑی طاقتیں جس پالیسی پر عمل کرتی نظر آرہی ہیں اس سے تو عالمی جنگ اب سامنے کھڑی نظر آرہی ہے۔ مسلمانوں کی مشکلات دُور ہونے کے لیے ہمیں خاص درد رکھنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے بہت دعا کریں۔ نیز اسرائیل حماس جنگ کے پیش نظر دعا کی مکرر تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
44	03 نومبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	562-577

تحریکِ جدید کے نواسیویں (89) سال کے دوران افرادِ جماعت کی طرف سے پیش کی جانے والی مالی قربانیوں کا تذکرہ اور نوّے ویں (90) سال کے آغاز کا اعلان۔ خلافت خامسہ کے بابرکت دور میں دوسرے دفتر جبکہ مجموعی طور پر تحریکِ جدید کے دفتر ششم (6) کے اجرا کا اعلان۔ مظلوم فلسطینیوں کے لیے دعا کی مکرر تحریک۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
45	10 نومبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	578-592

غزوۂ بنی غطفان، غزوۂ بحران اور سریہ بنو حارثہ سمیت تاریخ اسلام سے سنہ دو اور تین ہجری کے بعض واقعات کا تذکرہ۔ فلسطین کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔۔ ہمیں بھی دعاؤں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ مکرمہ منصورہ باسمہ صاحبہ اہلیہ حمید الرحمان خان صاحب اور مکرم چودھری رشید احمد صاحب سابق ڈپٹی رجسٹرار زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
46	17 نومبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	593-604

فرات بن حیان کے قبولِ اسلام کی تفصیلات، کعب بن اشرف کا قتل، اس پر اٹھنے والے اعتراضات کے جوابات۔ فلسطین کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ یو این کے سیکرٹری جنرل کی آواز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ اس جنگ کے خاتمے کے بعد یا اگر یہ مزید پھیل گئی اور عالمی جنگ کی صورت اختیار کر لی تو یو این کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو عقل دے۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
47	24 نومبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	605-618

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تحریرات اور اپنے ارشادات میں بے شمار جگہ اپنے آنے کی غرض اور اس زمانے میں کسی مصلح کے آنے کی ضرورت کا بیان فرمایا ہے۔ مخالفین کی مخالفت کے باوجود افراد جماعت کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط فرمایا اور فرماتا چلا جارہا ہے۔ پرانے احمدیوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ ان کو بھی تبلیغ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ فلسطین

کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ مکرم عبد السلام عارف صاحب مربی سلسلہ، مکرم محمد قاسم خان صاحب آف کینیڈا، مکرم عبد الکریم قدسی صاحب، مکرم میاں رفیق احمد گوندل صاحب اور مکرمہ نسیمہ لئیق صاحبہ کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
48	01 دسمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	619-631

غزوۂ احد کے اسباب اور پس منظر کا تفصیلی تذکرہ۔ یہ جنگ بھی دشمن نے اپنی دشمنی کی آگ کی وجہ سے شروع کی تھی اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی جنگ کے لیے نکلنا پڑا۔ فلسطین کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ فلسطینیوں کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
49	08 دسمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	632-644

غزوۂ احد پر، واقعات کا تذکرہ۔ فلسطین کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بھی وحدت پیدا فرمائے۔ ہمیں دعا کے ساتھ اپنے حلقۂ احباب اور اپنے علاقے کے سیاست دانوں کو ظلم ختم کرنے کے لیے آواز اٹھانے کے لیے مسلسل توجہ دلانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ معصوموں کو ظلم سے بچالے۔ مکرمہ مسعودہ بیگم اکمل صاحبہ اور ماسٹر عبد المجید صاحب واقف زندگی کا ذکر خیر۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
50	15 دسمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	645-658

غزوۂ اُحد کے دوران پیش آنے والے حالات و واقعات کا پُر اثر تذکرہ نیز فلسطین کے مظلومین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ فلسطینیوں کے لیے بھی دعائیں کرتے رہیں۔ ظلم کی انتہا دن بدن ہوتی چلی جارہی ہے، بلکہ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اب ظالموں کی پکڑ کے سامان کرے اور مظلوم فلسطینیوں کے لیے بھی آسانیاں پیدا فرمائے۔ مسلمان ممالک کو بھی عقل اور سمجھ دے کہ ان کی آواز ایک ہو اور وہ مسلمان بھائیوں کے لیے ان کا حق ادا کرنے کے لیے کوشش کرنے والے ہوں۔

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
51	22 دسمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	659-671

غزوۂ اُحد کے دوران سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت نیز دیگر پیش آمدہ حالات و واقعات کا تذکرہ، مظلومینِ فلسطین کے لیے دعا کی مکرّر تحریک۔ مسلمان ملکوں کو ہی اللہ تعالیٰ ہمت دے کہ اپنی آواز میں زور پیدا کریں اور حقیقت میں ایک بن کے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں اور اس کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ مکرم شیخ احمد حسین ابو سردانہ صاحب شہید آف غزہ اور مکرم عثمان احمد گاکوریا صاحب آف کینیا کا ذکر خیر

خطبہ نمبر	تاریخ	مقام	صفحہ
52	29 دسمبر 2023ء	مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے	672-684

غزوۂ اُحد کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت، ثابت قدمی اور جرأت کا تذکرہ۔ مکرم ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب مربی سلسلہ و انچارج ٹرکش ڈیسک کا ذکر خیر نیز تین مرحومین مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بھامبڑی (ربوہ)، مکرم یوسف اجارے صاحب (گھانا) اور مکرم الحاج عثمان بن آدم صاحب (گھانا) کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

1

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 06 / جنوری 2023ء بمطابق 06 صلح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (آل عمران:93)

اس آیت کا ترجمہ ہے کہ تم ہر گز نیکی کو پا نہیں سکو گے یہاں تک کہ تم اُن چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت کرتے ہو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو تو یقیناً اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اس آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک جگہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"تم حقیقی نیکی کو جو نجات تک پہنچاتی ہے ہر گز پا نہیں سکتے بجز اس کے کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ مال اور وہ چیزیں خرچ کرو جو تمہاری پیاری ہیں۔" (فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 38)

پھر آپؑ نے فرمایا کہ: "تم حقیقی نیکی کو ہر گز نہیں پا سکتے جب تک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 358)

پس اللہ تعالیٰ نے مالی قربانی کو اس حد تک اہمیت دی ہے کہ حقیقی نیکی جس سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی جائے اس وقت نیکی شمار ہو گی جب اپنی محبوب چیز خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہمدردئ خلق میں خرچ کی جائے اور پھر یہ چیز نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی نیکی نہیں کہ کسی کی گائے بیمار ہو جائے اور بچنے کی کوئی امید نہ ہو تو کہہ دے کہ اسے خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں یا کوئی فقیر آئے اور اسے گھر کی باسی روٹیاں دے دی جائیں، پرانی روٹیاں جن کو گھر میں کوئی کھاتا نہیں۔ تو یہ چیزیں تو ویسے ہی اس کے کام کی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال وہ قبول ہوتا ہے جو کسی کا محبوب مال ہو اور پھر وہ قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دے۔ یہی حقیقی نیکی ہے۔ یہی بات ہمدردئ خلق کا صحیح پتہ دیتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دل میں دوسروں کے لیے کتنا درد ہے۔ ہمارے اندر دین کی خدمت کے لیے کیا شوق ہے اور اس بارے میں ہمارے جذبات کیا ہیں۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 8 صفحہ 19)

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں "دنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی واسطے علم تعبیر الرؤیاء میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اُس نے جگر نکال کر کسی کو

دے دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقاء اور ایمان کے حصول کے لئے فرمایا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران:93) حقیقی نیکی کو ہر گز نہ پاؤ گے جبتک تم عزیز ترین چیز نہ خرچ کرو گے کیونکہ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔ جس کے بدوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شئے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔

پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 95-96)

پس قربانی کے اور پسندیدہ مال کے پیش کرنے کے یہ وہ معیار ہیں جن کی اعلیٰ ترین مثال جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم فرمائی اور پھر صحابہؓ نے اپنی بساط کے مطابق حفظِ مراتب کے لحاظ سے قربانیوں کے یہ معیار قائم کیے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں تو آپؑ کے مشن کو پورا کرنے کے لیے جو اشاعتِ لٹریچر ہے اور اشاعتِ اسلام کے لیے ہے، اعلیٰ ترین مثال حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے قائم فرمائی۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپؓ نے لکھا جس کا ذکر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپؑ کا ہے۔ حضرت پیر و مرشد مَیں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا۔" پھر لکھا کہ "...مجھے آپ سے نسبتِ فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لئے طیّار ہوں۔ دعا فرماویں کہ میری موت صدّیقوں کی موت ہو۔" (فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 36)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے **بہت سے صحابہؓ تھے جنہوں نے اپنی اپنی استعدادوں** کے مطابق قربانیاں دیں اور ایسی ایسی قربانیاں دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ان کی قربانیاں دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ یہ قربانیاں کیوں دیں؟ اس لیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن جو اشاعتِ اسلام کا مشن ہے اس میں آپ کے مددگار بنیں۔ اس لیے کہ مخلوق سے ہمدردی کا درد رکھتے ہوئے انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کی جماعت میں شامل کرنے کے لیے قربانی پیش کریں۔ تکمیلِ ہدایت کے لیے اپنا کردار ادا کریں اور یہ قربانیوں کی جاگ افراد جماعت کو ایسی لگی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جاری نظامِ خلافت میں بھی اللہ تعالیٰ ہر دَور میں قربانی کرنے والے عطا

فرماتا چلا جارہا ہے جو قربانیاں کر کے اپنی ترجیحات کو پس پشت ڈال کر بڑھ بڑھ کر قربانیاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں پرانے احمدی بھی شامل ہیں اور نومبائعین بھی شامل ہیں جن کی قربانیوں کی مثالیں بھی مَیں پیش کروں گا۔

بہر حال آج کا جو خطبہ ہے، جنوری کا جو **پہلا خطبہ ہے عموماً وقفِ جدید کے نئے سال کے اعلان کے** بارے میں ہوتا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 1957ء میں اس تحریک کو شروع فرمایا جو دیہاتوں میں تربیت و تبلیغ کے لیے آپؓ نے شروع فرمائی جو پہلے صرف پاکستان تک ہی محدود تھی۔ پھر خلافتِ رابعہ میں اس کو وسعت دے کر تمام ممالک تک پھیلا دیا گیا اور جو ترقی یافتہ ممالک ہیں ان کی اس چندے کی رقم افریقہ کے ممالک میں تربیت و تبلیغ پہ خرچ کرنے کا ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا تھا اور عموماً یہی سلسلہ اب تک چل رہا ہے۔ اس چندے کی آمد کو افریقہ میں اور دوسرے غریب ممالک میں خرچ کیا جاتا ہے۔ احبابِ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ افریقہ کے اور دوسرے ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک کے احمدی اس میں حصہ نہیں لے رہے۔ ان لوگوں کی قربانیاں بھی ان کی آمد اور حالات کے مطابق قابلِ تعریف ہیں لیکن زائد اخراجات بہر حال امیر ملکوں کے چندوں سے پورے کیے جاتے ہیں، ترقی یافتہ ملکوں کے چندوں سے پورے کیے جاتے ہیں۔ ہر جگہ یہ قربانیاں کرنے والے اس بات کا کامل ادراک رکھتے ہیں جو بات ایک حدیثِ قدسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! تُو اپنا خزانہ میرے پاس جمع کر کے مطمئن ہو جا۔ نہ آگ لگنے کا خطرہ، نہ پانی میں ڈوبنے کا اندیشہ اور نہ کسی چور کی چوری کا ڈر۔ میرے پاس رکھا گیا خزانہ مَیں پورا تجھے دوں گا اُس دن جب تُو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہو گا۔

(کنز العمال جلد 6 صفحہ 352 حدیث نمبر 16021 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1985ء)

پس اللہ تعالیٰ کے راستے میں کی گئی قربانی نہ صرف اس دنیا میں فائدہ پہنچاتی ہے بلکہ آئندہ زندگی میں مرنے کے بعد بھی فائدہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرۃ:273) اور جو بھی تم مال میں سے خرچ کرو وہ تمہیں بھرپور واپس کر دیا جائے گا اور ہرگز تم سے کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ جب وعدہ کرتا ہے تو پورا بھی کرتا ہے۔ اس کے نمونے اس دنیا میں بھی ہمیں دکھا دیتا ہے تا کہ اس یقین پر قائم ہو جاؤ کہ اگلے جہان میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعاموں کے وارث بنو گے۔ دنیاوی اداروں کی طرح نہیں ہے کہ کاروباروں میں رقم لگاؤ اور نقصان ہو جائے یا کچھ عرصہ فائدہ ہو اور پھر صرف دنیاوی فائدہ ہو، آگے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے تو بعض ایسے کاروبار ہیں جو کچھ عرصہ تک تو فائدہ دیتے ہیں پھر ان کو چلانے والے ہی سب کچھ کھا جاتے ہیں اور وہ غریب لوگ جنہوں نے انویسٹمنٹ کی ہوتی ہے ان کا پیسہ ڈوب جاتا ہے جیسے آج کل بڑا شور مچا ہوا ہے کہ کئی بلین ڈالر لوگوں کے ڈوب گئے جنہوں نے بِٹ کوائن (Bitcoin) یا کرپٹو کرنسی (Cryptocurrency) میں اپنی

رقمیں لگائی ہوئی تھیں۔ ان کے چلانے والے کھا گئے۔ ختم ہو گیا سب کچھ۔ بہر حال یہ جو کاروبار ہے بِٹ کوائن وغیرہ کا میرے نزدیک تو یہ ایک قسم کا جوا بھی ہے۔ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی خاطر قربانی کرنے والوں کو نوازتا ہے اس کے عجیب نظارے ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ میں کچھ مثالیں پیش کروں گا۔ ایسی مثالیں ہیں کہ جہاں قربانی کرنے والے دنیاوی فائدہ اٹھا رہے ہیں وہاں ان کے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً لائبیریا کی ایک مثال ہے۔ وہاں بومی کاؤنٹی ہے۔ معلم کہتے ہیں کہ وقفِ جدید کی وصولی کے لیے نومبائعین کی ایک جماعت فومبا (Fomba) ہے۔ میں وہاں گیا۔ مقامی امام سے ملاقات کے بعد ایک اجتماعی پروگرام منعقد کیا جس میں گاؤں کی اکثریت شامل ہوئی۔ احباب کو وقفِ جدید کی اہمیت اور برکات کے حوالے سے بتایا گیا۔ پروگرام کے بعد احباب سے انفرادی طور پر اُن کے گھروں میں جا کر بھی وصولی کی۔ ایک خادم اس دوران میں گھر گیا۔ اس کے گھر پہ کچھ نہیں تھا۔ اس کی والدہ نے معذرت کی کہ ابھی چندے کے پیسے نہیں ہیں بعد میں کسی وقت دے دیں گے۔ کہتے ہیں ہم واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خادم دوڑتا ہوا آیا اور کہا یہ دو سو پچاس لائبیرین ڈالر ہیں جو مجھے میرے والد نے سکول کی فیس کے لیے دیے تھے یہ میں چندے میں دے دیتا ہوں تا کہ ہمارا گھر اس تحریک سے محروم نہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کچھ دنوں کے بعد وہی خادم میرے سینٹر میں آیا اور بتایا کہ آپ کے جانے کے دو دن بعد ہی مجھے پیغام ملا کہ میرے کسی رشتہ دار نے میری سکول کی ضروریات کے لیے پچیس سو لائبیرین ڈالر کی رقم بھیجی ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے اپنی فیس بھی ادا کر دی اور دوسری ضرورت کی اشیاء بھی خریدیں۔ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے میری قربانی سے دس گنا بڑھ کے نوازا ہے۔

تو اس طرح اللہ تعالیٰ دلوں میں ایمان اور یقین پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو یہاں نوازتا ہے تو اگلے جہان کے جو وعدے ہیں وہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ پورا کرے گا جہاں یہ حساب جمع ہو رہا ہے۔

پھر گنی کناکری کی ایک مثال ہے۔ وہاں کے ایک ریجن کی جماعت ہے منسایا (Mansaya) ۔ وہاں کے مشنری کہتے ہیں کہ عشرۂ وقفِ جدید منا رہے تھے۔ احباب جماعت کو مسجد میں اور انفرادی طور پر چندہ وقفِ جدید کی اہمیت اور برکت بتاتے ہوئے اس بابرکت تحریک میں شامل ہونے کی طرف توجہ دلا رہے تھے کہ گاؤں کے، مسجد کے امام ابو بکر کمارا صاحب جو حال ہی میں احمدی ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ پہلے میں چندہ ادا کروں گا کیونکہ ہمیں دوسروں کے لیے نمونہ بننا چاہیے۔ اب یہ حالت بھی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ خود تو تحریک میں حصہ نہ لیں اور دوسروں کو کہیں بلکہ خود بھی کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں تحریک کرنی چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی جیب میں موجود دس ہزار فرانک گنی چندے میں ادا کر دیا اور بعد میں یہ ملنے آئے اور انہوں نے بتایا کہ وہ چندہ تو مَیں نے دے دیا تھا لیکن کچھ دیر کے بعد ہی میرے ایک دوست نے مجھے پندرہ لاکھ فرانک تحفۃً بھجوائے اور کہتے ہیں جو مَیں سمجھتا ہوں میری اس قربانی کے نتیجے میں ہی اللہ تعالیٰ نے یہ مجھے عطا فرمایا۔ کہتے ہیں اب میں پہلے سے اَور بڑھ کر اور باقاعدگی سے چندوں میں حصہ لیا کروں گا۔ یہ ہے سلوک اللہ تعالیٰ کا نومبائعین کے ساتھ کہ میرے رستے میں خرچ کرو گے تو یہاں بھی نوازوں گا اور آئندہ کے وعدے تو پھر ان شاء اللہ پورے ہوں گے۔

پھر کیمرون کے معلم لکھتے ہیں کہ ایک نوجوان میرے ساتھ تحریک جدید کے چندے کے لیے دیہاتوں میں جاتے رہے۔ **بے روزگار تھے** اس لیے خود تحریک جدید کے چندے میں صرف انہوں نے ایک ہزار سیفا چندہ دیا اور کہا کہ دعا کریں مجھے ملازمت مل جائے تو میں اَور دوں گا۔ معلم نے کہا ٹھیک ہے میں بھی دعا کرتا ہوں۔ تم بھی اپنی ملازمت کے لیے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصہ بعد اُس کی دعا سنی۔ ایک ماہ کے بعد یو این او کی ایک تنظیم میں بطور ڈرائیور ان کو کام مل گیا اس طرح اُس نے وقفِ جدید کے وعدے میں دس ہزار سیفا چندہ ادا کر دیا کہ جب مَیں نے مشکل حالات میں دیا تھا تو اس کے بدلے میں یہ اللہ تعالیٰ نے میری آمد میں اضافہ کیا ہے۔

تنزانیہ کے امیر صاحب لکھتے ہیں۔ ایک جماعت کی ایک خاتون نے بتایا کہ ایک دن وہ گھر کی خریداری کے لیے بازار جا رہی تھیں۔ رستے میں معلم سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے چندہ وقفِ جدید کے بارے میں بتایا اور اس کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی تو کہتی ہیں میں نے اسے کہا کہ میرے پاس اس وقت دو ہزار شلنگ ہے۔ بازار سے میں سودا لینے جا رہی ہوں تو ایک ہزار شلنگ چندہ ادا کر دیا اور باقی ایک ہزار کا اپنا سامان خرید لوں گی۔ کہتی ہیں وہاں مجھے ایک خاتون نے پیچھے سے آواز دی جس نے کچھ عرصہ پہلے مجھ سے پانچ ہزار شلنگ لیے ہوئے تھے اور لمبا عرصہ گزر گیا تھا جس کی واپسی کی مجھے اب امید بھی نہیں تھی۔ اس خاتون نے آواز دے کر وہ پانچ ہزار شلنگ مجھے دیے کہ یہ تمہارا قرض تھا جو میں نے واپس کرنا تھا۔ پھر وہ دوبارہ معلم کے پاس واپس آئیں اور کہا کہ یہ تو چندے کی برکت سے مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا اس لیے مزید ایک ہزار شلنگ چندہ ادا کر دیا۔

لائبیریا کے معلم بیان کرتے ہیں کہ وہاں ایک گانٹا (Ganta) جماعت ہے۔ وہاں ایک ممبر عائشہ صاحبہ ہیں۔ وہ ان کے گھر گئے۔ وقفِ جدید کی تحریک میں شمولیت کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن آپ ذرا ٹھہریں میں کچھ انتظام کرتی ہوں تا کہ میرے گھر سے خالی ہاتھ نہ جائیں۔ یہ بھی فکر ہے کہ کوئی خالی ہاتھ نہ جائے۔ چنانچہ انہوں نے جلدی سے کسی سے ادھار لے کر سو لائبیرین ڈالر چندہ ادا کر دیا۔ معلم کہتے ہیں کہ ابھی میں ان کے گھر میں ہی تھا کہ اس خاتون کے فون پر میسج آیا کہ کسی نے ان کے اکاؤنٹ میں آن لائن کچھ پیسے ٹرانسفر کیے ہیں اور خاتون کہتی ہیں کہ یہ تو ابھی جو میں نے سو لائبیرین ڈالر چندہ دیا تھا **اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر مجھے نواز دیا۔**

پھر گنی کناکری کے مبلغ لکھتے ہیں کہ جماعت کے ایک ممبر سعید وبا (Saeedouba) صاحب ہیں۔ بے روزگار تھے اور مائننگ کمپنیز میں انہوں نے درخواستیں دی ہوئی تھیں لیکن کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ عشرۂ وقفِ جدید کے دوران انہیں جب چندے کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے کہا مَیں تو بے روزگار ہوں کچھ زیادہ تو نہیں دے سکتا۔ بہرحال جیب میں ہاتھ ڈالا انہوں نے اور پانچ ہزار فرانک نکال کر چندہ ادا کر دیا کہ اس وقت کُل رقم یہی میرے پاس ہے۔ کہتے ہیں چندے کی ادائیگی کے پانچ دن بعد انہیں ایک

اَور مائننگ کمپنی کی طرف سے ملازمت کی آفر ہوئی جہاں انہوں نے درخواست بھی نہیں دی ہوئی تھی اور اللہ کے فضل سے پانچ لاکھ فرانک ماہانہ تنخواہ پر ان کو ملازمت مل گئی۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مَیں نے معمولی قربانی دی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق کئی گنا بڑھا کے مجھے یہ عطا فرما دیا ہے۔

پھر نائیجیریا کے مبلغ ہیں انہوں نے بھی لکھا۔ کہتے ہیں کانو سٹیٹ کے ایک احمدی دوست ناصر صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تین سال سے بغیر جاب (job) کے پریشان تھا۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی استطاعت کے مطابق دوبارہ چندہ دینا شروع کر دوں۔ جاب نہیں تھا تو چندہ بھی بند کیا ہوا تھا۔ کہتے ہیں جو کچھ ہے اس کے مطابق چندہ تو دینا شروع کروں۔ مربی صاحب کہتے ہیں کہ پچھلے سال جون کے مہینے سے چندہ دینا شروع کیا اور وہ مربی صاحب کو بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں ابھی تین مہینے نہیں گزرے تھے کہ مجھ سے ایک دوست نے رابطہ کیا کہ ایک کمپنی کو مارکیٹنگ کے لیے ایک آسامی درکار ہے اور اس طرح اس کمپنی نے مجھے ہائر کر لیا اور اس کمپنی کا یہ اپنی طرز کا پہلا کانٹریکٹ تھا۔ کہتے ہیں مجھے یقین ہو گیا کہ یہ جو اتنے عرصہ کے بعد مجھے ملازمت ملی یا **مجھے کاروبار یا کام ملا یہ اس چندے کی برکت ہے۔**

پھر سینٹرل افریقہ کے مبلغ لکھتے ہیں جبریل صاحب ایک نومبائع ہیں انہوں نے کہا پچھلے سال جب میں جماعت میں داخل ہوا تو میری اخلاقی اور روحانی حالت میں تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ یہ بھی قابلِ غور چیز ہے کہ صرف جماعت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ دعا یقیناً انہوں نے کی ہو گی اور اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش بھی کی ہو گی اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اس پر ہوا کہ انہوں نے خود محسوس کیا کہ میری روحانی اور اخلاقی حالت میں تبدیلی آ رہی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ایک دن جب مبلغ نے وقفِ جدید چندے کی تحریک کی کہ سال ختم ہونے والا ہے اور چندہ دینا چاہیے، بے شک تھوڑا دیں تو کہتے ہیں مَیں نے چندے کی رسید کٹوا دی اور اس وقت سے لے کر آج تک میرے کام میں بہت برکت پڑی۔ خدا کا خاص فضل ہوا۔ اب میں کام سے فارغ نہیں بیٹھتا۔ پہلے کئی کئی دن گاہک نہیں آتے تھے اب روزانہ کی بنیاد پر آتے ہیں اور اللہ کے فضل سے اتنی اچھی رقم کما لیتا ہوں کہ **جس کا مَیں پہلے تصور نہیں کرتا تھا۔**

پھر ٹوگو سے مبلغ عارف صاحب لکھتے ہیں کہ کارار یجن میں آباکاجی (Abagagi) کے ایک صاحب ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرے مالی حالات کوئی اچھے نہیں تھے۔ وقفِ جدید کا آخری مہینہ چل رہا تھا۔ فکر تھی کہ وعدہ کیسے پورا کروں گا۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ گھر میں ایک چھوٹا سا بکرا ہے جو میں نے کسی اَور مقصد کے لیے رکھا ہوا ہے وہ بیچ کر چندہ ادا کر دیتا ہوں۔ ایک ہی چیز ہے گھر میں اَور کچھ ہے نہیں۔ وہی بیچ کے ادا کر دیتا ہوں۔ کہتے ہیں میں نے نیت ہی کی تھی کہ ایک دن مشنری صاحب چندہ لینے آ گئے۔ اسی روز ایک شخص نے مجھ سے ادھار پیسے لیے ہوئے تھے اس کی واپسی کی بھی کوئی امید نہیں تھی وہ بھی اسی وقت پیسے واپس کرنے آ گیا۔ چنانچہ وہ سارے پیسے کہتے ہیں میں نے وقفِ جدید میں ادا کر دیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے غیب سے میری مدد فرما دی۔ نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انتظام بھی فرما دیا۔ محبوب چیز قربان

کرنے کی طرف توجہ کی تو اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے نواز دیا کیونکہ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

مارشل آئی لینڈ کے ساجد اقبال صاحب کہتے ہیں یہاں ایک خاتون لورین (Loreen) صاحبہ ہیں۔ کہتی ہیں کہ مالی قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر بہت فضل فرمایا ہے۔ پہلے مالی قربانی میں حصہ نہیں لیتے تھے کیونکہ یقین نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ قربانی کے بدلے میں کتنی برکت فرماتا ہے اور اس وقت پیسوں کی کمی بھی تھی۔ کھانے پینے کا سامان لینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے اور گھر کے اخراجات پورے کرنے میں بہت پریشانیاں ہوتی تھیں لیکن جب مسجد سے مالی قربانی کی برکات کے بارے میں خطبات سنے تو سوچا کہ قربانی میں حصہ لینا چاہیے۔ چنانچہ کہتی ہیں ہم نے قربانی کرنی شروع کر دی، چندہ دینا شروع کر دیا اب اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل ہے کہ گھر کے اخراجات بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ کھانے پینے میں بھی کوئی تنگی نہیں ہوتی۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایسی ایسی جگہوں سے **ہمارے پاس رقمیں آجاتی ہیں جن کا ہمیں تصور بھی نہیں** ہوتا اور جتنا بھی ہم دیں اللہ تعالیٰ اتنا بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ نومبائعین کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اس طرح یہ سلوک فرماتا ہے۔

انڈیا سے انسپکٹر صاحب وقفِ جدید کہتے ہیں جماعت میلا پالم تامل ناڈو میں وقفِ جدید کے بجٹ اور وصولی کی غرض سے گیا تو وہاں ایک مخلص احمدی سے ملاقات ہوئی۔ موصوف نے انہیں کہا کہ 2014ء میں مَیں نے بیعت کی تھی اور جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کی مجھے توفیق ملی تھی۔ اس وقت یہ نومبائع یا اب تو نومبائع نہیں رہے بہرحال وہ احمدی کہتے ہیں کہ اس وقت جب میں نے بیعت کی تھی مَیں نے اپنا وقفِ جدید کا وعدہ چار ہزار روپے لکھوا کر ادائیگی کی تھی کیونکہ میرے پاس اتنی ہی گنجائش تھی اور ہر سال مَیں پھر اس کے بعد حسب توفیق بڑھاتا بھی چلا گیا اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے کاروبار میں بھی نمایاں ترقی دیتا چلا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد باقی گھر کے افراد نے بھی بیعت کر لی اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج میرا وقفِ جدید کا چندہ پانچ لاکھ روپے ہو گیا ہے اور اس گذشتہ سال انہوں نے رمضان کے مہینے میں اپنے پانچ لاکھ کی مکمل ادائیگی بھی کر دی تھی۔ کہتے ہیں کہ لاک ڈاؤن کے باوجود میرے چندوں کی برکت کی وجہ سے کاروبار میں مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ مزید بڑھتا چلا گیا اور اللہ کے فضل سے اب کاروبار انڈیا سے نکل کے تھائی لینڈ میں بھی پھیلا دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سب چندے کی برکات ہیں۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل۔ جوئے کی قسم کا کاروبار نہیں ہے۔ روپیہ لگایا، محنت کی، کاروبار کیا، اللہ تعالیٰ کی **راہ میں خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کئی گنا اضافہ بھی فرما دیا۔**

پھر انڈیا کی ایک اَور مثال ہے۔ وہاں کے مبلغ انچارج نے لکھا ہے کہ ناظم صاحب مال، انسپکٹر صاحب وقفِ جدید مالی سال کے اختتام کے پیش نظر مالاپورم کیرالہ کے دورے پر تھے۔ ہمارے علاقے میں بھی آئے تو وہاں ایک مخلص احمدی رحمان صاحب کا فون آیا جو بزنس کرتے ہیں کہ آپ پہلے میری کمپنی میں آجائیں۔ میں نے کمپنی اپنی بنائی ہے اس میں ایک نیا حصہ بنایا ہے وہاں دعا کروانی ہے۔ اور جب ہم وہاں گئے تو بغیر پوچھے دس لاکھ روپے کا چیک پیش کیا۔ نیز دورے کے لیے اپنی بڑی گاڑی پٹرول وغیرہ ڈلوا کر دی۔ انہوں نے کہا

بھی کہ ہمیں چھوٹی گاڑی ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ مرکزی نمائندوں کے لیے اچھی قابلِ اعتبار گاڑی ہونی چاہیے تاکہ آپ آرام سے سفر کر سکیں۔ کہتے ہیں یہ رقم میں نے اپنی ایک پراپرٹی کی رجسٹری کے لیے رکھی ہوئی تھی مگر آپ کے آنے کی وجہ سے وقفِ جدید میں ادائیگی کر دی ہے اور رجسٹری کی تاریخ آگے کروا لی ہے۔ چند دن کے بعد موصوف کہتے ہیں کہ ایک بڑی رقم ان کو بغیر کسی خاص کوشش کے مل گئی جو موصوف کی ضروریات سے کہیں زیادہ تھی۔ دس لاکھ سے بھی کہیں زیادہ رقم تھی۔

ماریشس سے ایک خاتون مس شبریز صاحبہ ہیں۔ کہتی ہیں مجھے اپنے والدین کی طرف سے سالگرہ کے تحفہ کے طور پر رقم ملی۔ میں نے وقفِ جدید اور تحریکِ جدید میں پانچ پانچ سو روپیہ دینے کا فیصلہ کیا جو مَیں نے ایک لفافے میں رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت بیماری کے دور سے گزر رہی تھی۔ اس دوران میرے ایک چچا اور میری کزن مجھے ملنے آئے، دونوں نے مجھے لفافے دیے اور ہر ایک میں پانچ پانچ ہزار تھے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ **اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے دس گنا زیادہ انعام دیا ہے۔**

پھر جارجیا کے صدر جماعت کہتے ہیں کہ ایک ممبر محمد ابو حماد صاحب ہیں فلسطین سے ان کا تعلق ہے۔ جارجیا میں بطور میڈیکل سٹوڈنٹ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تین سال قبل انہوں نے بیعت کی تھی۔ جماعت نے عشرہ وقفِ جدید پر سیمینار منعقد کیا کہ اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرنا چاہیے۔ تو کہتے ہیں اس وقت میرے پاس تقریباً تین سو ڈالر تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس میں سے نصف وقفِ جدید میں دے دوں گا کیونکہ مجھے وہ آیت یاد آ رہی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس: 10) یعنی یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہوا۔ چنانچہ چندے کی ادائیگی اور معمول کے اخراجات کے بعد میرے بینک اکاؤنٹ میں مہینے کے آخر میں صرف دو ڈالر رہ گئے۔ یہ سٹوڈنٹ ہی ہیں۔ دسمبر کے آخر پہ فلسطین سے میرے رشتہ دار جارجیا آ رہے تھے مجھے اس بات کی فکر تھی کہ ان کی مہمان نوازی کس طرح کر پاؤں گا لیکن جس دن مہمان آئے اسی دن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے بینک اکاؤنٹ میں کسی ذریعہ سے ایک ہزار ڈالر ٹرانسفر کروا دیے۔ کہتے ہیں اس پر میں اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرتا ہوں **اور اس کو بھی چندے کی برکات سمجھتا ہوں۔** سوچ کی بات ہے، دنیادار کچھ اور سوچتا ہے لیکن ایک دیندار انسان یہی سوچتا ہے کہ اللہ کے فضل اس کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔

کینیا کے معلم لکھتے ہیں ان کی جماعت میں ایک نومبائعہ خاتون خدیجہ صاحبہ نرسری سکول میں ٹیچر ہیں۔ وقفِ جدید کا وعدہ سال کے شروع میں انہوں نے پانچ سو شلنگ لکھوایا۔ ادائیگی بھی کر دی۔ کہتے ہیں میں ان کو رسید دینے کے لیے سکول گیا تو اگلے دن وہ میرے گھر آئیں اور اہلیہ کو بتایا کہ مزید پانچ سو چندہ اس مدّ میں ادا کرنا چاہتی ہوں۔ اور کہتی ہیں کُل ادائیگی ایک ہزار شلنگ ہو جائے۔ کہتی ہیں کہ اس سوچ کے ساتھ یہ کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مزید برکت عطا فرمائے۔ جب گھر آیا تو اہلیہ نے مجھے بتایا اور پھر مَیں نے رسید کاٹی۔ کہتے ہیں ان کو رسید دینے گیا تو انہوں نے بتایا کہ میرا ایک بیٹا ہے کالج میں پڑھتا ہے اس کے اخراجات کے لیے میں نے درخواست دی ہوئی تھی اور وہ منظور نہیں ہو رہی تھی لیکن آج ہی مجھے کالج سے فون آیا کہ اس کے

اخراجات جو تیس ہزار شلنگ تھے حکومت کی طرف سے سکول کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئے ہیں۔ کہتی ہیں اس بات پر مجھے بڑا سکون ملا ہے۔

انڈونیشیا کے امیر صاحب لکھتے ہیں کہ عبدالرحیم صاحب ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو چھوٹی سی جماعت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر سال وقفِ جدید کے وعدے کی ادائیگی کرتا ہوں۔ انیس اور بیس میرے لیے بہت مشکل سال تھے کیونکہ اس سال میں مجھے نوکری نہیں ملی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے کہتے ہیں مَیں نے کام سے استعفیٰ دے دیا اور کاروبار کرنے کی کوشش کی۔ اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ جو بچت تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ وقفِ جدید کا سال ختم ہو رہا تھا۔ چندے کا وعدہ میں نے کیا ہوا تھا۔ ادائیگی کی کوئی صورت نہیں بن رہی تھی۔ ملازمت ملنی بھی مشکل ہو رہی تھی کیونکہ میری عمر اکاون 51 سال ہے۔ اس عمر میں ملازمت مشکل سے ملتی ہے۔ کہتے ہیں ہر روز تہجد میں مَیں دعا کرتا تھا۔ اور یہاں مجھے بھی یہ خط لکھا کرتے تھے کہ وقفِ جدید کا چندہ میں نے ادا کرنا ہے اس کی مجھے سعادت مل جائے۔ کہتے ہیں چنانچہ وقفِ جدید کے سال کے اختتام تک اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی طرح مجھے وعدہ کے مطابق ادائیگی کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ بہرحال میں نے کسی طرح ادا کر دیا۔ کہتے ہیں ادائیگی کے چند دن بعد مجھے ایک سابق افسر جہاں میں کام کرتا تھا اس کا فون آیا کہ مجھے انٹرویو کے لیے آنے کا کہا گیا ہے۔ تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ مجھے نوکری مل گئی۔ میں حیران تھا کیونکہ جس شخص نے مجھے بلایا تھا وہ میرا ڈائریکٹ سپروائزر نہیں تھا۔ میرے دوست بھی اس الجھن میں ہیں کہ مجھے ہی کیوں بلایا گیا کیونکہ میں نے تو تقریباً سات سال پہلے وہاں سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کا فضل ہے **کہ میری مستقل آمدنی اس عمر میں شروع ہو گئی۔**

سینیگال میں تامبا کُنڈا (Tambacounda) جگہ ہے، وہاں کے مبلغ کہتے ہیں کہ میرے دورے کے دوران ایک جگہ جب چندے کی تحریک کی گئی اور میں نے جو پچھلے خطبے میں لوگوں کے واقعات سنائے تھے ان کو وہاں سنایا گیا تو ایک احمدی عثمان صاحب نے بتایا کہ جب انہوں نے بیعت کی تو ان کی مالی حالت نہایت کمزور تھی اور بیعت کے بعد اپنے بیگانے سب مخالف ہو گئے۔ چار مرتبہ مخالفین نے ان کے گھر کو جلانے کی کوشش کی۔ ہر مرتبہ گھر کا ایک حصہ جل جاتا مگر جب سے کہتے ہیں جماعتی چندوں میں حصہ لینا شروع کیا ان کے دن پھر گئے ہیں۔ **کہتے ہیں چندہ جات کی برکت سے اب انہوں نے اپنا پکا گھر تعمیر کر لیا ہے۔** پہلے تو کچھ تھوڑی بہت گھاس پھونس کا تھا جو جل جاتا تھا لیکن اب پکا تعمیر کر لیا ہے۔ بچے بھی شہر میں اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ہر سال دیگر چندوں کی طرح وقفِ جدید میں بھی قابلِ ذکر اضافہ کر کے ادائیگی کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو میرے مخالفین تھے وہ یا تو سب فوت ہو چکے ہیں اور اگر زندہ بھی ہیں تو انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔

تنزانیہ کے امیر صاحب ایک کسان کا واقعہ لکھتے ہیں۔ ان کے ٹماٹر کے کھیت ہیں اور لیک وکٹوریہ سے پانی لفٹ کر کے آبپاشی کی جاتی ہے اور اس کے لیے کرائے پہ مشینیں لینی پڑتی ہیں، پمپ لینے پڑتے ہیں۔

کہتے ہیں بارشیں اس سال کم ہوئیں۔ کھیتوں کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ قریبی کھیت والے جو تھے جو اپنے کھیتوں کو پانی لگاتے تھے ان پہ ہنستے تھے کہ تمہاری فصل کا یہ حال ہو رہا ہے۔ بہر حال کہتے ہیں معلم نے مجھے چندوں کی طرف توجہ دلائی تو ایک ہزار شلنگ تھا میرے پاس وہ مَیں نے ادا کر دیا۔ پھر معلم نے رسید کاٹ دی اور کہتے ہیں اگلے دن عاملہ کی میٹنگ میں یہ آئے تو انہوں نے معلم صاحب کو بتایا کہ جو **سودا کیا تھا مجھے اس کا اجر مل گیا ہے کیونکہ** اس موسم کی پہلی بارش میرے کھیت پر برسی ہے اور پانی بھر گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح مجھے نوازا۔

سیر الیون سے مبلغ لکھتے ہیں، کہ ایلکس ٹامو (Alex tamu) صاحب ٹیچر اور ریسرچر ہیں۔ سیر الیونی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے چندہ وصیت اور دیگر چندہ جات میں کچھ بقایا ہو گیا تھا کیونکہ گذشتہ سال بعض سرکاری مسائل کی وجہ سے ادارے نے تنخواہوں کی ادائیگی میں بہت تاخیر کی اور کچھ عرصہ کے لیے زندگی انتہائی مشکل ہو گئی۔ بہر حال انہوں نے کہیں سے رقم لے کر فوری بندوبست کیا اور اس تنگی کے دَور میں بھی چندہ وصیت اور دوسرے چندے ادا کر دیے۔ کہتے ہیں کہ چندوں کی ادائیگی کے بعد پہلے مجھے چاول کے ایک تحقیقی منصوبے کے لیے گنی کناکری کے وفد میں منتخب کیا گیا۔ پھر ایک بڑا فرنشڈ گھر بھی مل گیا۔ پھر یو کے کے جلسہ 2022ء سے پہلے مجھے گھر میں ٹی وی اور ایم ٹی اے لگانے کی بھی توفیق مل گئی۔ پھر سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا فضل یہ ہوا کہ جاپان کی کاگوشیما (Kagoshima) یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کرنے کے لیے سکالر شپ آئیں تو کہتے ہیں مَیں نے بھی اپلائی کر دیا تو ادارے کی جانب سے مجھے فوقیت دی گئی اور وہاں مجھے سلیکٹ کر لیا گیا اور کہتے ہیں کہ گذشتہ سال سے مَیں جاپان میں بیٹھا ہوں۔ جاپان میں بھی اللہ کے فضل سے جماعت کے ساتھ رابطہ ہے اور خدا کا یہ فضل ہوا کہ ادارے نے میری فیملی کو نہ صرف گھر دیا ہے بلکہ تنخواہ کا ایک حصہ بھی وہیں سیر الیون میں فیملی کے لیے جاری رکھا ہے۔ بہر حال کہتے ہیں یہ بات میرے لیے ایمان میں زیادتی کا باعث بنی ہوئی ہے **کہ چندے کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فضل فرمایا۔**

احمدیوں بلکہ نومبائعین میں اَور بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر مال کی محبت سے بے رغبتی کی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ سیر الیون کے میامبا (Moyamba) ریجن کے مبلغ لکھتے ہیں کہ خطبہ کے دوران وقفِ جدید کے حوالے سے توجہ دلائی گئی کہ ایک بار ایک صحابی کلہاڑا لے کر جنگل میں چلے گئے اور لکڑیاں کاٹ کر بیچیں اور کمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ کہتے ہیں قریب ایک گاؤں ڈوڈو (Dodo) ہے۔ وہاں سے احمدی نماز جمعہ کے لیے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک مخلص احمدی قاسم صاحب ایک دن تپتی دوپہر میں آئے اور ایک بڑی رقم پیش کی کہ یہ میری ساری کمائی ہے جو وقفِ جدید میں پیش کرتا ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ اس میں سے اپنے ماہانہ اخراجات کے لیے کچھ رقم رکھ لیں تو بڑے جوشیلے انداز میں کہنے لگے کہ جس دن آپ نے صحابی کا واقعہ سنایا تھا میں نے اسی روز تہیہ کر لیا تھا کہ **اس واقعہ پر عمل کرنا ہے اس لیے آپ ساری رقم رکھ** لیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے خود ہی نوازے گا۔

پھر تنزانیہ کے امیر صاحب لکھتے ہیں کہ شیانگاریجن کے معلم نے بتایا کہ وہاں ایک گاؤں سنباچائی (Simbachai) ہے۔ یہ نئی جگہ ہے۔ جماعت کا نیا پودا وہاں لگا ہے۔ نئی جماعت قائم ہوئی ہے۔ دسمبر تک انتالیس افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ پچھلے مہینے ہی یہ جماعت قائم ہوئی ہے۔ معلم صاحب کہتے ہیں کہ دسمبر میں اپنے حلقے کی جماعتوں کے دورے پر تھا۔ اس نئی جماعت سے بھی گزر ہوا۔ یہاں بیعت کرنے والے زیادہ تر لوگ پہلے لادین تھے۔ مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے ان کی تربیت کے لیے نماز اور قرآن کی طرف توجہ کی جا رہی ہے۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد تربیتی کلاس ہوئی۔ اس میں معلم صاحب نے نماز پڑھنے کا طریق اور دیگر فقہی مسائل بتائے۔ ایک بزرگ احمدی نے معلم صاحب کے بیگ میں رسید بُک دیکھی تو اس بارے میں سوال کیا۔ معلم صاحب نے بتایا کہ یہ چندہ وقفِ جدید کے سال کا آخری مہینہ ہے اور ہم نے اپنے وعدہ جات کے مطابق وصولی کر کے مرکز میں رپورٹ دینی ہے تا کہ خلیفۃ المسیح کے پاس ہماری رپورٹ پہنچے۔ جو احمدی بھی اس چندے میں شامل ہوتا ہے ان کو چندہ کی یہ رسید کاٹ کے دی جاتی ہے۔ اس پر ایک اَور احمدی نے پوچھا کہ ہمارا چندہ کب لینا ہے؟ معلم نے کہا کہ مَیں نے ان کو بتایا کہ میرا خیال تھا کہ آپ کے حالات تنگ ہیں اور نئے نئے ابھی احمدی ہوئے ہیں۔ تربیت کی ضرورت ہے۔ اگلے سال سے آپ کو چندے میں شامل کیا جائے گا جس پر تمام نومبائعین نے کہا کہ اس **سال پھر ہمارا نام خلیفۃ المسیح تک نہیں جائے** گا؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر وہاں موجود تمام افراد نے جو کچھ ان کے پاس تھا ادا کر دیا۔ جب جانے لگا تو انہوں نے کہا کہ معلم صاحب۔ ہمارے اگلے سال کے وعدہ جات بھی ابھی لے کر جائیں جس پر انہوں نے نئے سال کے چندہ وقفِ جدید کے وعدہ جات بھی لکھوائے۔ **تو نومبائعین میں بھی اللہ تعالیٰ اس طرح ایمان پیدا کر رہا** ہے۔ اس طرح ان کو ایمان سے بھر رہا ہے۔

گیمبیا کے امیر صاحب لکھتے ہیں۔ نارتھ بینک کی ایک جماعت دُوتَابالُو (Dutabulu) میں ایک احمدی دوست جالو (Jallow) صاحب ہیں۔ ان کے والد احمدی نہیں ہیں۔ وہ گاؤں کے چیف ہیں۔ بہت بوڑھے اور بیمار رہتے ہیں۔ اس لیے ان کی جگہ ان کے بیٹے گاؤں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں جو احمدی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک دن ایک اسلامی این جی او ان کے گاؤں آئی ان کے مطابق وہ مسلمانوں کی مدد صرف پندرہ ہزار ڈلاسی کی رقم سے کرتے تھے۔ کہتے ہیں انہوں نے مجھے فون کر کے کہا کہ ہم نے آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ بہت شریف اور اچھے آدمی ہیں۔ ہم آپ کو اور آپ کے والد کو مدد کے طور پر تیس ہزار ڈلاسی دینا چاہتے ہیں لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپ احمدی ہیں۔ اگر آپ جماعت چھوڑ دیں تو آپ کو یہ رقم مل جائے گی۔ اس پر جالو صاحب نے این جی او کو جواب دیا مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جماعت نے ہمیں سکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اور میں تو ہر سال جماعت کو پندرہ ہزار ڈلاسی سے زائد چندہ ادا کرتا ہوں۔ یہ سن کے وہ بہت حیران ہوئے **اور کہنے لگے کہ اتنی بڑی رقم جماعت کو کیوں دیتے ہو جبکہ تم** خود ایک غریب آدمی ہو۔ اس پر وہ احمدی کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اور خوشنودی میں حاصل کر رہا ہوں

اگر ان کا آپ کو علم ہو جائے تو آپ بھی امام مہدی علیہ السلام کی امت کا حصہ بن جائیں۔

تو یہ ایمانی حالت ہے جو اللہ تعالیٰ ان دور دراز رہنے والے لوگوں کے دلوں میں پیدا فرما رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کو ماننے کے بعد ایمان میں مضبوط سے مضبوط تر ہو رہے ہیں۔ کانگو کنشاسا کے امیر صاحب لکھتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران چندہ وقت جدید کے حوالے سے تحریک کی گئی۔ اسی روز ایک مخلص احمدی نورالدین صاحب جو کہ پولیس میں ملازم ہیں، انہوں نے ہمارے معلم کو فون کر کے بلایا اور کہا کہ میں کچھ عرصہ سے کچھ رقم اپنی ایمرجنسی ضرورت کے لیے اکٹھی کر رہا تھا مگر آج خطبہ جمعہ میں مربی صاحب نے چندہ وقفِ جدید کی طرف جو توجہ دلائی ہے تو اس لیے یہ رقم چندہ میں رکھ لیں۔ اور چندہ وقفِ جدید میں دو لاکھ دس ہزار فرانک کی ادائیگی کی جو ان کے لحاظ سے بہت غیر معمولی قربانی تھی۔ تو یہ ہے محبت کرنے والے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال۔

میسیڈونیا کے مبلغ لکھتے ہیں کہ احمدیوں کی اکثریت تو یہاں تقریباً بہت غریبوں پر ہی مشتمل ہے لیکن پھر بھی وہ مالی قربانیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک احمدی دوست فیصل صاحب ہیں جنہوں نے 1995ء میں جرمنی میں بیعت کی تھی۔ مختلف ممالک میں رہتے رہے۔ بعد میں میسیڈونیا واپس آ گئے۔ شروع میں ان کا جماعت سے رابطہ بھی کم تھا پھر ان سے رابطہ ہوا۔ گذشتہ عیدالاضحی کے موقع پر ان کا مشن میں دو تین دن قیام رہا۔ اس دوران انہیں جماعت کے مالی نظام کے بارے میں بتایا گیا۔ لازمی چندہ جات کے علاوہ دیگر مالی قربانیوں، تحریکِ جدید اور وقفِ جدید کے بارے میں بتایا گیا۔ کہتے ہیں کہ دس بارہ دن کے بعد میں ان سے ملنے شہر گیا تو واپسی پر انہوں نے مجھے دس ہزار دینار کی رقم چندہ میں دی جو اس لحاظ سے معمولی رقم ہے کہ تقریباً تریسٹھ یورو بنتی ہے۔ یہ دوست بیروزگار ہیں۔ کافی عرصہ سے کام نہیں کر رہے۔ مَیں نے کہا آپ اپنے حالات جانتے ہیں آپ اپنے حالات کے مطابق کچھ اپنے لیے رکھ لیں اور فیملی پر خرچ کریں کیونکہ میسیڈونیا کے حالات کے لحاظ سے یہ کافی بڑی رقم تھی۔ انہوں نے اصرار کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ یہ رقم اپنی اور اپنی فیملی کی طرف سے **وقفِ جدید کے چندہ میں ادا کر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کا انتظام کر دے گا۔**

تو بہرحال یہ لوگ ہیں جو قربانیاں کرنے والے ہیں۔ مال کی ان کو ضرورت ہے لیکن جو اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے والے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اس راہ میں مال خرچ کرے گا تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی۔ کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔ پس جو شخص خدا کے لئے بعض حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائے گا۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 323 نظارت نشرواشاعت قادیان 2019ء)

پس ہر قربانی کرنے والا احمدی اس بات کی سچائی پر گواہ ہے کہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ آپؑ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان قربانی کرنے والوں کے معیار کو بھی ان کو بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے اور جو زیادہ بہتر حالات میں لوگ ہیں، جن کے معیار قربانی کے اعلیٰ نہیں ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کو سمجھنے والے ہوں کہ جہاں آپؑ نے فرمایا کہ ”مَیں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں۔ ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقعہ دیتا ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 324 نظارت نشرواشاعت قادیان 2019ء)

وہ لوگ جو کنجوسی دکھاتے ہیں ان کو اس بارے میں غور کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے امراء کو بھی اس بات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب اس کے بعد میں گذشتہ سال کے چندہ وقفِ جدید کے اعداد و شمار بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وقفِ جدید کا پینسٹھواں سال 31/دسمبر کو ختم ہوا اور نیا سال یکم جنوری سے شروع ہو گیا ہے اور جماعت نے 12.2 ملین سے زیادہ یعنی ایک کروڑ بائیس لاکھ اور پندرہ ہزار (1,22,15,000) پاؤنڈز کی قربانی پیش کی۔ باوجود دنیا کے معاشی حالات کے بہتر نہ ہونے کے گذشتہ سال سے یہ قربانی نو لاکھ اٹھائیس ہزار (9,28,000) پاؤنڈز زیادہ ہے۔ الحمدللہ۔

برطانیہ اس سال بھی دنیا کی جماعتوں میں وصولی کے لحاظ سے پہلے نمبر پہ ہے اور برطانیہ کے بعد پھر نمبر دو پہ کینیڈا۔ پھر جرمنی نمبر تین پہ چلا گیا ہے۔ پھر امریکہ ہے نمبر چار پہ۔ نمبر پانچ پہ بھارت ہے۔ پھر چھ پہ آسٹریلیا۔ پھر ساتویں نمبر پہ مڈل ایسٹ کی ایک جماعت ہے۔ پھر آٹھویں پہ انڈونیشیا ہے۔ نویں پہ پھر مڈل ایسٹ کی ایک جماعت ہے۔ دسویں پہ بیلجیم ہے۔

فی کس ادائیگی کے لحاظ سے امریکہ نمبر ایک ہے۔ سوئٹزرلینڈ نمبر دو ہے۔ برطانیہ نمبر تین ہے۔ آسٹریلیا نمبر چار ہے اور کینیڈا نمبر پانچ ہے۔

افریقہ کی جماعتوں میں نمایاں وصولی کرنے والے جو ہیں ان میں نمبر ایک پہ گھانا ہے۔ نمبر دو پہ ماریشس ہے۔ نمبر تین پہ نائیجیریا ہے۔ نمبر چار برکینا فاسو۔ پانچ تنزانیہ۔ چھ لائبیریا۔ سات گیمبیا۔ آٹھ یوگنڈا۔ نو سیرالیون۔ دس بینن۔

شاملین کی تعداد کے لحاظ سے اس سال مخلصین میں 61 ہزار کا اضافہ ہوا ہے مجموعی تعداد 15 لاکھ 6 ہزار ہو گئی اور شاملین میں اضافہ کے لحاظ سے جن ممالک نے کام کیا ان میں یوگنڈا نمبر ایک پہ ہے۔ گنی بساؤ۔ پھر کیمرون۔ پھر کانگو برازاویل۔ پھر نائیجر۔ کانگو کنشاسا اور پھر آخر میں بنگلہ دیش، یہ قابل ذکر ہیں۔

وصولی کے لحاظ سے برطانیہ کی جو دس بڑی جماعتیں ہیں ان میں فارنہم (Farnham) نمبر ایک۔ ووسٹر پارک (Worcester Park) نمبر دو۔ والسال (Walsall) تین۔ اسلام آباد چار۔ جلنگھم (Gillingham) پانچ۔ ساؤتھ چیم (South Cheam) چھ۔ آلڈر شاٹ ساؤتھ (Aldershot south) سات۔ بریڈفورڈ آٹھ۔ چیم نو۔ یول (Ewell) دس۔

اور ریجنز جو ہیں ان میں بیت الفتوح ریجن نمبر ایک پہ ہے۔ اسلام آباد نمبر دو پہ۔ مسجد فضل تین پہ۔ مڈلینڈز (Midlands) چار اور بیت الاحسان پانچ۔

دفتر اطفال کے لحاظ سے دس جماعتیں جو ہیں ان میں نمبر ایک پہ آلڈرشاٹ ساؤتھ (Aldershot South)۔ پھر اسلام آباد۔ پھر والسال (Walsall) ۔ پھر فارنہم (Farnham) ۔ پھر روہیمپٹن ویل (Roehampton Vale)۔ آلڈرشاٹ نارتھ۔ پھر مچم پارک (Mitcham Park)۔ بورڈن۔ ساؤتھ چیم۔ بیت الفتوح (Baitul Futuh) ۔

چھوٹی جماعتوں میں وصولی کے لحاظ سے پانچ جماعتیں ہیں سپن ویلی۔ کیتھلی۔ نارتھ ویلز (North Wales)۔ نارتھ ہیمپٹن اور سوانزی۔

کینیڈا کی امارتیں جو ہیں ان میں نمبر ایک پہ وان۔ پھر وینکوور (Vancouver)۔ پھر کیلگری (Calgary)۔ پھر پیس ولیج (Peace Village)۔ پھر ٹورانٹو۔ برمپٹن ویسٹ (Brampton-West)۔

اور کینیڈا کی دس بڑی جماعتیں جو ہیں۔ پہلے جو تھیں امارتیں تھیں۔ یہ جماعتیں ہیں۔ ملٹن ویسٹ (Milton-West) نمبر ایک۔ حدیقہ احمد نمبر دو۔ ملٹن ایسٹ (Milton East) تین۔ وِنی پیگ (Winnipeg) چار۔ سسکاٹون بیت الرحمت پانچ۔ ڈرہم ویسٹ (Durham West) چھ۔ آٹوا ویسٹ (Ottawa-West) سات۔ اِنس فِل (Innisfil) آٹھ۔ رجائنا (Regina) نو اور ایبٹس فورڈ (Abbotsford) دس۔

اطفال میں وان (Vaughan) نمبر ایک پہ۔ پھر پیس ولیج (Peace Village) ۔ پھر ٹورانٹو ویسٹ (Toronto-West) ۔ پھر کیلگری (Calgary)۔ برمپٹن ایسٹ (Brampton-East) ۔

دفتر اطفال کی پانچ نمایاں جماعتیں جو ہیں، پہلے امارتیں تھیں اب جماعتیں ہیں۔ ایرڈری (Airdrie)۔ سینٹ کیتھرینز (Saint Catharines) ۔ حدیقہ احمد۔ اِنس فِل (Innisfil) ۔ بریڈفورڈ ایسٹ (Bradford East)۔

جرمنی کی پانچ امارات جو ہیں، نمبر ایک پہ ہیمبرگ (Hamburg) ۔ نمبر دو فرینکفرٹ (Frankfurt)۔ نمبر تین ویزبادن (Wiesbaden) ۔ پھر گروس گیراؤ (Gros Gerau) اور ریڈسٹڈ (Riedstadt)۔

اور دس جماعتیں جو ہیں ان میں رویڈرمارک (Rödermark)۔ روڈگاؤ (Rodgau)۔ پھر مائنز (Mainz)۔ حلقہ بیت الرشید۔ نوئس (Neuss) ۔ فلورس ہائم (Flörsheim)۔ نیدا (Nidda)۔ مہدی آباد۔ فریڈبرگ (Friedberg) ۔ اور کوبلنز (Koblenz)۔

اطفال میں پانچ ریجنز ہیسن مٹے (Hessen-Mitte)۔ ہیسن ساؤتھ ویسٹ (Hessen South West)۔ ہیمبرگ (Hamburg) ۔ تاؤنس (Taunus) اور ویزبادن (Wiesbaden) ۔

امریکہ کی دس جماعتیں جو ہیں ان میں نمبر ایک پہ میری لینڈ (Maryland)۔ پھر نارتھ ورجینیا۔

پھر لاس اینجلس (Los Angeles) ۔ پھر ڈیٹرائٹ (Detroit)۔ سیلیکون ویلی (Silicon Valley)۔ پھر بوسٹن (Boston) ۔ پھر آسٹن (Aston)۔ پھر اوش کوش۔ پھر روچسٹر۔ پھر فینکس (Phoenix)۔

اطفال کی دس جماعتیں جو ہیں ان میں ساؤتھ ورجینیا۔ نارتھ ورجینیا۔ میری لینڈ (Maryland)۔ سیئٹل (Seattle) ۔ اورلینڈو (Orlando) ۔ آسٹن (Aston)۔ سیلیکون ویلی (Silicon Valley)۔ اوش کوش۔ پورٹ لینڈ۔ زائن (Zion)۔

پاکستان کی پہلی تین جماعتیں پاکستان میں باوجود نامساعد معاشی حالات کے مقامی کرنسی میں انہوں نے اللہ کے فضل سے کافی اضافہ کیا ہے۔ پاؤنڈ کے مقابلے میں بھی ان کی کرنسی کی ویلیو بالکل ختم ہو گئی ہے اس کے باوجود ان کی اچھی آمد ہے۔

جماعتوں میں اوّل لاہور ہے۔ پھر ربوہ ہے۔ پھر سوم کراچی ہے اور اضلاع میں اسلام آباد نمبر ایک پہ ہے۔ پھر سیالکوٹ ہے۔ پھر فیصل آباد۔ گجرات۔ گوجرانوالہ۔ سرگودھا۔ عمرکوٹ اور ملتان۔ میرپور خاص اور ڈیرہ غازی خان۔ اور وصولی کے لحاظ سے دس جماعتیں اسلام آباد شہر۔ ڈیفنس لاہور۔ ٹاؤن شپ لاہور۔ دارالذکر لاہور۔ ماڈل ٹاؤن لاہور۔ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ راولپنڈی شہر۔ عزیز آباد کراچی۔ سمن آباد لاہور۔ مغل پورہ لاہور ہیں۔

دفتر اطفال میں جو تین بڑی جماعتیں ہیں ان میں اوّل لاہور ہے۔ دوم ربوہ۔ سوئم کراچی۔ اضلاع کی پوزیشن دفتر اطفال میں اسلام آباد نمبر ایک پہ۔ پھر سیالکوٹ۔ پھر فیصل آباد۔ سرگودھا۔ عمرکوٹ۔ میرپور خاص۔ نارووال۔ ننکانہ صاحب اور جہلم۔ پھر کوئٹہ۔

غیر معمولی مساعی کرنے والی چھوٹی جماعتیں بھی ہیں یہ۔ چھوٹی تو نہیں ان میں بڑے شہر بھی شامل ہیں۔ گوجرانوالہ شہر ہے۔ گلشن جامی کراچی۔ صدر کراچی۔ راولپنڈی کینٹ۔ بیت الفضل فیصل آباد۔ کریم نگر فیصل آباد۔ سیالکوٹ شہر۔ پشاور۔ سرگودھا۔ اوکاڑہ۔

بھارت کے پہلے دس صوبہ جات جو ہیں اس میں کیرالہ۔ تامل ناڈو۔ کرناٹکا۔ جموں کشمیر۔ تلنگانہ۔ اڑیشہ۔ پنجاب۔ ویسٹ بنگال۔ مہاراشٹرا۔ دہلی۔

پہلی دس جماعتیں جو ہیں ان میں کوئمبا ٹور۔ پھر حیدر آباد۔ پھر قادیان۔ پھر کیرولائی۔ پھر پاٹھا پریام۔ پھر بنگلور۔ پھر میلے پلایام (Melepalayam) ۔ پھر کلکتہ۔ پھر کالی کٹ۔ پھر کیرنگ۔

آسٹریلیا کی دس جماعتیں جو ہیں ان میں پہلے نمبر پر کاسل ہل (Castle Hill) ۔ پھر ملبرن لانگ وارن (Melbourne Langwarrin)۔ مارسڈن پارک (Marsden Park)۔ پھر لوگن ایسٹ (Logan East)۔ پھر میلبورن بیروک (Melbourne Berwick)۔ پینرتھ (Penrith) ۔ پرتھ (Perth)۔ ایڈیلیڈ ساؤتھ (Adelaide South)۔ ملبرن کلائیڈ۔ ایڈیلیڈ ویسٹ (Adelaide West)۔

بالغان میں ان کی جماعتیں جو ہیں۔ وہ کاسل ہل (Castle Hill) ۔ میلبورن لانگ وارن

(Melbourne Langwarrin)۔مارسڈن پارک(Marsden Park)۔میلبورن بیروک Melbourne) (Berwick۔ لوگن ایسٹ(Logan East)۔ پینرتھ(Penrith) ۔ پرتھ(Perth)۔ ایڈیلیڈ ساؤتھ (Adelaide South)۔ایڈیلیڈ ویسٹ(Adelaide West)۔میلبورن کلائیڈ۔

اطفال میں نمبر ایک پہ میلبورن لانگ وارن(Melbourne Langwarrin)۔ پھر لوگن ایسٹ (Logan East)۔ پھر پینرِتھ(Penrith)۔ پھر پرتھ(Perth)۔ پھر کاسل ہل(Castle Hill)۔ پھر ملبرن کلائڈ(Clyde) ۔ پھر ایڈیلیڈ ساؤتھ(Adelaide South)۔ پھر ملبرن بیروک Melbourne) (Berwick۔ پھر ماؤنٹ ڈروئٹ(Mount Druitt)۔ پھر ملبرن ویسٹ(Melbourne West) ۔

اللہ تعالیٰ سب شاملین کے اموال و نفوس میں بے انتہا برکت عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 27/ جنوری 2023ء جلد 30 شمارہ 08 صفحہ 05 تا 11)

2

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 13/ جنوری 2023ء بمطابق 13/ صلح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جیسا کہ میں نے گذشتہ ایک خطبہ میں بتایا تھا کہ **بعض صحابہؓ کے ذکر کا کچھ حصہ رہ گیا ہے وہ** بیان کروں گا تو آج اسی سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پہلے بیان ہو گا۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو اَسد سے تھا اور قبیلہ کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ آپ بنی عبد شمس کے حلیف تھے جبکہ بعض کے نزدیک حَرْب بن اُمَیَّہ کے حلیف تھے۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 3صفحہ195 عَبْدُاللّٰہ بِنْ جَحَش،دارالکتب العلمیة بیروت 2003ء)

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے قد و قامت کے بارے میں آتا ہے کہ نہ دراز قد تھے، نہ ہی پست قد تھے۔ آپ کے سر کے بال نہایت گھنے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ 67 عبداللہ بن جحش دارالکتب العلمیة بیروت 1990ء)

ایک مہم کے موقع پر آپ کو امیر مقرر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ آپ کی سخت جانی، مستقل مزاجی اور بے خوفی کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم پر ایک ایسے آدمی کو امیر مقرر کر کے بھیجوں گا جو اگرچہ تم سے زیادہ بہتر نہیں ہو گا لیکن بھوک اور پیاس کی برداشت میں تم سے زیادہ مضبوط ہو گا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی امارت میں مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ کی طرف گئے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد1 صفحہ 481-482مسند سعد بن ابی وقاص حدیث1539 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

(السیرۃ النبویة لابن کثیر جزء2صفحہ 365-366ذِكْرُ أَوَّلِ الْمَغَازِي وَهِيَ غَزْوَةُ الْأَبْوَاءِ مطبوعہ دارالمعرفة بیروت 1976ء)

اس مہم میں کامیابی کے بعد جو مالِ غنیمت ملا اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سریہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ **یہ پہلا مالِ غنیمت ہے جس کو مسلمانوں نے حاصل کیا۔** حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس مال غنیمت کو پانچ حصوں میں منقسم کر کے بقیہ چار حصوں کو تقسیم کر دیا اور ایک کو بیت المال کے لیے رکھ لیا۔ یہ پہلا خُمس تھا جو اسلام میں اس دن مقرر ہوا۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 3صفحہ195 عَبْدُاللّٰہ بِنْ جَحَش،دارالکتب العلمیة بیروت 2003ء)

امام شعبی سے روایت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جھنڈے کی ابتدا حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے کی۔ نیز سب سے پہلا مالِ غنیمت حضرت عبداللہ بن جحشؓ کا حاصل کیا ہوا تقسیم کیا گیا۔

(حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء جلد1 صفحہ 108 عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ جَحْشٍ۔دارالفکر بیروت 1996ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سیرت خاتم النبیینؐ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کُرز بن جابر یہ مکہ کا ایک رئیس تھا جس نے قریش کے ایک دستہ کے ساتھ کمال ہوشیاری سے مدینہ کی چراگاہ پر جو شہر سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھی اچانک چھاپہ مارا۔ (یہ اَور مہم ہے) اور مسلمانوں کے اونٹ وغیرہ ہانک کر لے گیا۔ اس کے اچانک حملے نے طبعاً مسلمانوں کو بہت متوحش کر دیا اور چونکہ رؤسائے قریش کی یہ دھمکی پہلے سے موجود تھی کہ ہم مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں گے، مسلمان سخت فکر مند ہوئے اور انہی خطرات کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ قریش کی حرکات و سکنات کا زیادہ قریب سے ہو کر علم حاصل کیا جاوے تا کہ اس کے متعلق ہر قسم کی ضروری اطلاع بروقت میسر ہو جاوے اور مدینہ ہر قسم کے اچانک حملوں سے محفوظ رہے۔ (ہاں یہ جو پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ اسی مہم کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں۔) پھر کہتے ہیں چنانچہ اس غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ مہاجرین کی ایک پارٹی تیار کی اور مصلحتاً اس پارٹی میں ایسے آدمیوں کو رکھا جو قریش کے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے تا کہ قریش کے مخفی ارادوں کے متعلق خبر حاصل کرنے میں آسانی ہو اور اس پارٹی پر آپؐ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو مقرر فرمایا۔ اور اس خیال سے کہ اس پارٹی کی غرض و غایت عامۃ المسلمین سے بھی مخفی رہے آپؐ نے اس سریہ کو روانہ کرتے ہوئے اس سریہ کے امیر کو بھی یہ نہیں بتایا کہ تمہیں کہاں اور کس غرض سے بھیجا جا رہا ہے بلکہ چلتے ہوئے اُس کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دے دیا اور فرمایا اس خط میں تمہارے لیے ہدایات درج ہیں۔ گو یہ حوالہ پہلے کچھ حد تک بیان ہو چکا ہے لیکن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حوالے سے نہیں بیان ہوا تھا۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ جب تم مدینہ سے دو دن کا سفر طے کر لو تو پھر اس خط کو کھول کر اس کی ہدایات کے مطابق عمل درآمد کرنا۔ چنانچہ عبداللہ اور ان کے ساتھی اپنے آقا کے حکم کے ماتحت روانہ ہو گئے اور جب دو دن کا سفر طے کر چکے تو عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کھول کر دیکھا تو اس میں یہ الفاظ درج تھے کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ میں جاؤ اور وہاں جا کر قریش کے حالات کا علم لو اور پھر ہمیں اطلاع لا کر دو اور چونکہ مکہ سے اس قدر قریب ہو کر خبر رسانی کرنے کا کام بڑا نازک تھا۔

آپؐ نے خط کے نیچے یہ ہدایت بھی لکھ دی کہ اِس مشن کے معلوم ہونے کے بعد اگر تمہارا کوئی ساتھی اس پارٹی میں شامل رہنے سے متأمل ہو اور واپس چلا آنا چاہے تو اسے واپس آنے کی اجازت دے دو۔ عبداللہ نے آپؐ کی یہ ہدایت اپنے ساتھیوں کو سنا دی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم بخوشی اس خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اس کے بعد یہ جماعت نخلہ کی طرف روانہ ہوئی۔ راستہ میں جب مقام بُحْرَان میں پہنچے تو سعد بن ابی وقاص اور عُتبہ بن غَزْوَان کا اونٹ کھو گیا اور وہ اس کی تلاش کرتے کرتے اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور باوجود بہت تلاش

کے انہیں نہ مل سکے اور اب یہ پارٹی صرف چھ کس کی رہ گئی۔ (سعد بن ابی وقاص کے ضمن میں اس کا کچھ حصہ بیان ہوا تھا۔) پھر لکھتے ہیں کہ مسٹر مارگولیس اس موقع پر لکھتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص اور عتبہ نے جان بوجھ کر اپنا اونٹ چھوڑ دیا اور اس بہانہ سے پیچھے رہ گئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ان جاں نثارانِ اسلام پر جن کی زندگی کا ایک ایک واقعہ ان کی شجاعت اور فدائیت پر شاہد ہے اور جن میں سے ایک غزوہ بئرِ معونہ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوا اور دوسرا کئی خطرناک معرکوں میں نمایاں حصہ لے کر بالآخر عراق کا فاتح بنا، اس قسم کا شبہ کرنا اور شبہ بھی محض اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر کرنا مسٹر مارگولیس ہی کا حصہ ہے۔ لکھتے ہیں کہ پھر لطف یہ ہے کہ مارگولیس صاحب اپنی کتاب میں دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ مَیں نے یہ کتاب ہر قسم کے تعصّب سے پاک ہو کر لکھی ہے۔ بہرحال یہ جملہ معترضہ تھا۔ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت نخلہ پہنچی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور ان میں سے بعض نے اخفائے راز کے خیال سے اپنے سر کے بال منڈوا دیے تا کہ راہگیر وغیرہ ان کو عمرہ کے خیال سے آئے ہوئے لوگ سمجھ کر کسی قسم کا شبہ نہ کریں لیکن ابھی ان کو وہاں پہنچے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اچانک وہاں قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ بھی آن پہنچا جو طائف سے مکہ کی طرف جا رہا تھا اور ہر دو جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے ہو گئیں۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خفیہ خفیہ خبر رسانی کے لیے بھیجا تھا لیکن دوسری طرف قریش سے جنگ شروع ہو چکی تھی اور اب دونوں حریف ایک دوسرے کے سامنے تھے اور پھر طبعاً یہ اندیشہ بھی تھا کہ اب جو قریش کے ان قافلہ والوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا ہے تو اس خبر رسانی کا راز بھی مخفی نہ رہ سکے گا۔ ایک دقّت یہ بھی تھی کہ بعض مسلمانوں کو خیال تھا کہ شاید یہ دن رجب یعنی شہر حرام کا آخری ہے جس میں عرب کے قدیم دستور کے مطابق لڑائی نہیں ہونی چاہیے اور بعض سمجھتے تھے کہ رجب گزر چکا ہے اور شعبان شروع ہے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ سریہ جُمَادَی الآخِر میں بھیجا گیا تھا اور شک یہ تھا کہ یہ دن جُمَادَی کا ہے یا رَجَبْ کا۔ لیکن دوسری طرف نخلہ کی وادی عین حرم کے علاقہ کی حد پر واقع تھی اور یہ ظاہر تھا کہ اگر آج ہی کوئی فیصلہ نہ ہوا تو کل کو یہ قافلہ حرم کے علاقہ میں داخل ہو جائے گا جس کی حرمت یقینی ہو گی۔ غرض ان سب باتوں کو سوچ کر مسلمانوں نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ قافلہ پر حملہ کر کے یا تو قافلہ والوں کو قید کر لیا جاوے اور یا مار دیا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کا نام لے کر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں کفّار کا ایک آدمی جس کا نام عمرو بن حضرمی تھا مارا گیا اور دو آدمی قید ہو گئے لیکن بدقسمتی سے چوتھا آدمی بھاگ کر نکل گیا اور مسلمان اسے پکڑ نہ سکے اور اس طرح ان کی تجویز کامیاب ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے قافلہ کے سامان پر قبضہ کر لیا اور چونکہ قریش کا ایک آدمی بچ کر نکل گیا تھا اور یقین تھا کہ اس لڑائی کی خبر جلدی مکہ پہنچ جائے گی۔ عبداللہ بن جحش اور اُن کے ساتھی سامان غنیمت لے کر جلدی جلدی مدینہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔

لکھتے ہیں کہ مسٹر مارگولیس اس موقع پر لکھتے ہیں کہ دراصل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دستہ دیدہ دانستہ اس نیت سے شہر حرام میں بھیجا تھا کہ چونکہ اس مہینہ میں قریش طبعاً غافل ہوں گے۔ مسلمانوں کو ان کے قافلوں کو

لُوٹنے کا آسان اور یقینی موقع مل جائے گا لیکن ہر عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مختصر پارٹی کو اتنے دُور دراز علاقہ میں کسی قافلہ کی غارت گری کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا خصوصاً جبکہ دشمن کا ہیڈ کوارٹر اتنا قریب ہو اور پھر یہ بات تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ پارٹی محض خبر رسانی کی غرض سے بھیجی گئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہوا کہ صحابہؓ نے قافلہ پر حملہ کیا تھا تو آپؐ سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب یہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ کو سارے ماجرا کی اطلاع ہوئی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ **میں نے تمہیں شہر حرام میں لڑنے کی اجازت نہیں دی** ہوئی۔ اور آپؐ نے مالِ غنیمت لینے سے انکار کر دیا۔

اس پر حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھی سخت نادم اور پشیمان ہوئے۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب ہم خدا اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ صحابہؓ نے بھی ان کو سخت ملامت کی اور کہا کہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم نے شہر حرام میں لڑائی کی حالانکہ اس مہم میں تو تم کو مطلقاً لڑائی کا حکم نہیں تھا۔ دوسری طرف قریش نے بھی شور مچایا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کو توڑ دیا ہے اور چونکہ جو شخص مارا گیا تھا یعنی عمرو بن حضرمی وہ ایک رئیس آدمی تھا اور پھر وہ عتبہ بن ربیعہ رئیسِ مکہ کا حلیف بھی تھا اس لیے بھی اس واقعہ نے قریش کی آتش غضب کو بہت بھڑکا دیا اور انہوں نے آگے سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ جنگ بدر زیادہ تر قریش کی اسی تیاری اور جوشِ عداوت کا نتیجہ تھا۔ الغرض اس واقعہ پر مسلمانوں اور کفار ہر دو میں بہت چہ میگوئیاں ہوئیں اور بالآخر ذیل کی قرآنی وحی نازل ہو کر مسلمانوں کی تشفی کا موجب ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۔ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔ (البقرہ:218) یعنی لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ شہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ تُو ان کو جواب دے کہ بے شک شہر حرام میں لڑنا بہت بری بات ہے لیکن شہر حرام میں خدا کے دین سے لوگوں کو جبراً روکنا بلکہ شہر حرام اور مسجد حرام دونوں کا کفر کرنا یعنی ان کی حرمت کو توڑنا اور پھر حرم کے علاقہ سے اس کے رہنے والوں کو بزور نکالنا جیسا کہ اے مشرکو! تم لوگ کر رہے ہو یہ سب باتیں خدا کے نزدیک شہر حرام میں لڑنے کی نسبت بھی زیادہ بری ہیں اور یقیناً شہر حرام میں ملک کے اندر فتنہ پیدا کرنا اس قتل سے بدتر ہے جو فتنہ کو روکنے کے لیے کیا جاوے۔ اور اے مسلمانو! کفار کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمہاری عداوت میں اتنے اندھے ہو رہے ہیں کہ کسی وقت اور کسی جگہ بھی وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے باز نہیں آئیں گے اور وہ اپنی یہ لڑائی جاری رکھیں گے حتیٰ کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں بشرطیکہ وہ اس کی طاقت پائیں۔

چنانچہ **تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام کے خلاف رؤسائے قریش اپنے خونی پراپیگنڈا کو اشہر حرام میں بھی برابر جاری رکھتے تھے** بلکہ اشہر حرم کے اجتماعوں اور سفروں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ان مہینوں میں اپنی مفسدانہ کارروائیوں میں اور بھی زیادہ تیز ہو جاتے تھے اور پھر کمال بے حیائی سے اپنے دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے وہ

عزت کے مہینوں کو اپنی جگہ سے ادھر ادھر منتقل بھی کر دیا کرتے تھے جسے وہ **نَسِیء** کے نام سے پکارتے تھے اور پھر آگے چل کر تو انہوں نے غضب ہی کر دیا کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں باوجود پختہ عہد وپیمان کے کفّارِ مکہ اوران کے ساتھیوں نے حرم کے علاقہ میں مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ کے خلاف تلوار چلائی۔ پھر جب مسلمان اس قبیلہ کی حمایت میں نکلے تو ان کے خلاف بھی عین حرم میں تلوار استعمال کی۔

پس اس جواب سے مسلمانوں کی تو تسلی ہونی ہی تھی قریش بھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے اوراس دوران میں اُن کے آدمی بھی اپنے دو قیدیوں کو چھڑوانے کے لیے مدینہ پہنچ گئے لیکن چونکہ ابھی تک سعد بن ابی وقاص اور عتبہ واپس نہیں آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق سخت خدشہ تھا کہ اگر وہ قریش کے ہاتھ پڑ گئے تو وہ قریش انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی واپسی تک قیدیوں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے آدمی بخیریت مدینہ پہنچ جائیں گے تو پھر میں تمہارے آدمیوں کو چھوڑ دوں گا۔

چنانچہ جب وہ دونوں واپس پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے فدیہ لے کر دونوں قیدیوں کو چھوڑ دیا لیکن ان قیدیوں میں سے ایک شخص پر مدینہ کے قیام کے دوران میں **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ اور اسلامی تعلیم کی صداقت کا اس قدر گہرا اثر** ہو چکا تھا کہ اس نے آزاد ہو کر بھی واپس جانے سے انکار کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آپؐ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا اور بالآخر بئرِ معونہ میں شہید ہوا۔ اس کا نام حَکَم بن کَیسَان تھا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 330 تا 334)

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار غزوہ احد کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عُرجون یعنی کھجور کی ایک شاخ مرحمت فرمائی۔ پس وہ آپؓ کے ہاتھ میں تلوار کی طرح ہو گئی۔ اسی دن سے آپؓ عُرجُون کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 3 صفحہ 196 عَبْدُاللّٰہ بِنْ جَحَش، دارالکتب العلمیة بیروت 2003ء)

ابو نعیم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش اپنے رب کی قسم اٹھانے والے اور محبتِ الٰہی کو قلب میں جگہ دینے والے اور **سب سے پہلے اسلامی جھنڈا قائم کرنے والے** تھے۔

(حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء جلد 1 صفحہ 108 عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ جَحْشٍ۔ دار الفکر بیروت 1996ء)

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ میرے پاس بنی عامر اور بنی اسد کے دو آدمی آپس میں فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہوئے آئے۔ بنی عامر کے شخص نے بنی اسد کے شخص کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اسدی کہہ رہا تھا کہ میرا ہاتھ چھوڑ دو جبکہ عامری کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا تو امام شعبی کہتے ہیں کہ مَیں نے اسے کہا کہ اے بنی عامر کے بھائی! اس کو چھوڑ دو اور اسدی سے کہا کہ **تمہاری چھ خوبیاں ایسی ہیں جو پورے عرب میں کسی میں نہیں ہیں**۔ وہ یہ ہیں۔ نمبر ایک: کہ تم میں سے ایک خاتون سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے کروا دیا اور ان دونوں کے درمیان سفیر حضرت جبرئیل تھے اور وہ خاتون حضرت زینب بنت جحشؓ تھیں اور یہ تمہاری قوم کے لیے فخر کی بات ہے۔ نمبر دو: تم میں سے ایک شخص تھا جو کہ جنتی تھا مگر پھر بھی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتا تھا اور وہ

حضرت عکاشہ بن محصنؓ تھے اور یہ تمہاری قوم کے لیے فخر کی بات ہے۔ نمبر تین: اور اسلام میں سب سے پہلا عَلَم یعنی جھنڈا جو دیا گیا وہ بھی تم میں سے ایک شخص حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو دیا گیا اور یہ تمہاری قوم کے لیے فخر کی بات ہے۔ نمبر چار: سب سے پہلا مالِ غنیمت جو اسلام میں تقسیم ہوا وہ عبداللہ بن جحش کا مالِ غنیمت ہے۔

نمبر پانچ: اور بیعتِ رضوان میں جس شخص نے سب سے پہلے بیعت کی وہ تمہاری قوم کا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا ہاتھ بڑھائیں تا کہ میں آپؐ کی بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کس بات پر میری بیعت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو آپؐ کے دل میں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میرے دل میں کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا فتح یا شہادت۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اَبُوسِنَانؓ نے بیعت کی۔ اس کے بعد لوگ آتے اور کہتے کہ حضرت اَبُوسِنَانؓ والی بیعت پر ہم بھی بیعت کرتے ہیں اور یہ تمہاری قوم کے لیے فخر کی بات ہے۔ نمبر چھ: اور جنگِ بدر کے دن سات مہاجرین تمہاری قوم کے تھے اور یہ تمہاری قوم کے لیے فخر کی بات ہے۔

(حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء جلد 4 صفحہ 315-316 عامر بن شراحیل الشعبی۔دارالفکر بیروت 1996ء)

پھر ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ جب اُحُد کے دن شہید ہوئے تو حضرت زینب بنت خُزَیْمَہؓ آپ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خُزَیْمَہؓ سے شادی کر لی۔ آپؓ آٹھ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو تین ماہ رہیں اور ماہ ربیع الآخر کے آخر میں آپؓ کی وفات ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا جنازہ پڑھا اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

(إمتاع الأسماع جلد 6صفحہ 52 ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ ،دارالکتب العلمیۃ بیروت1999ء)

باقی ذکر جیسا کہ میں نے کہا پہلے ہو چکا ہے۔

اگلا ذکر حضرت صالح شُقْرانؓ کا ہے۔ بعض کے نزدیک حضرت شُقْرانؓ اور حضرت ام ایمنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد کی طرف سے ورثہ میں ملے تھے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ الجزء الثالث صفحہ 284 ''شقران''۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1995ء)

غلام تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا تھا۔

(اسدالغابہ فی معرفۃالصحابہ جزء 2صفحہ 636شقران دارالکتب العلمیۃ بیروت2003ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن اشخاص کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں حضرت صالح شُقْرانؓ بھی تھے نیز ان کے علاوہ آٹھ اہل بیت اَور بھی تھے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ36-37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 1996ء)

مسند امام احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ حضرت صالح کو ایک سعادت اَور حاصل ہے۔ وہی جو غسل کے بارے میں ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا جا رہا تھا تو اس وقت جو اصحاب پانی انڈیل رہے تھے ان میں حضرت صالح شقرانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ تھے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ

سے مروی ہے کہ جب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لیے اکٹھے ہوئے تو گھر میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ ہی تھے۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قُثَم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت صالح شقرانؓ، آپؐ کے آزاد کردہ غلام۔ اسی دوران گھر کے دروازے پر کھڑے بنو عوف بن خزرج کے حضرت اوس بن خَوْلِی انصاریؓ جو بدر میں شامل تھے انہوں نے حضرت علیؓ کو پکار کر کہا اے علی! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا حصہ بھی رکھنا۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا: اندر آجاؤ۔ چنانچہ وہ بھی داخل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے موقع پر موجود تھے مگر انہوں نے غسل دینے میں شرکت نہیں کی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض آپ پر ہی تھی اور حضرت عباسؓ، فضل اور قُثَم حضرت علیؓ کے ساتھ پہلو مبارک بدل رہے تھے اور حضرت اسامہؓ اور صالح شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے اور حضرت علیؓ آپؐ کو غسل دینے لگے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ682-683 حدیث نمبر 2357 عالم الکتب بیروت لبنان مطبوعہ 1998ء)

علامہ بلاذریؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت شقرانؓ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن بن شُقران کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف روانہ کیا اور لکھا کہ میں تمہاری طرف ایک صالح آدمی عبد الرحمٰن بن صالح شُقران، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، کو بھیج رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے والد کے مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے سلوک کرنا۔

(الاصابة فی تمییز الصحابه الجزء الخامس صفحه 31، عبد الرحمان بن شقران۔ دارالکتب العلمیة بیروت 1995ء)

ایک روایت ہے کہ علامہ بَغْوِی کہتے ہیں کہ حضرت شُقرانؓ نے مدینہ میں رہائش اختیار کی تھی اور آپؓ کا ایک گھر بصرہ میں بھی تھا۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة الجزء الثالث صفحه 285 ''شقران'' دارالکتب العلمیة بیروت 1995ء)

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپؓ کی وفات ہوئی۔

(امتاع الاسماع جلد 6 صفحه 316 فصل فی ذکر موالی رسول الله ﷺ دارالکتب العلمیة بیروت 1999ء)

ان کے خاندان کا آخری فرد ہارون الرشید کے عہد میں مدینہ میں فوت ہوا۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ان کے خاندان کا ایک شخص رہتا تھا۔ مصعب کہتے ہیں کہ اس کی نسل آگے چلی یا نہیں اس کا مجھے علم نہیں۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 2 صفحه 636 ''شقران'' دارالکتب العلمیة بیروت 2003ء)

حضرت صالح شقرانؓ سے مروی ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گدھے پر سوار خیبر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ آپؐ اشارے سے نماز ادا فرما رہے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5صفحہ505-506 حدیث شقران مولیٰ رسول لله حدیث نمبر 16137 عالم الکتب بیروت 1998ء)

یعنی سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ سواری پر نماز ادا کی جا سکتی ہے کہ

نہیں؟ **حضرت مالک بن دُخشُمؓ یہ بھی ایک صحابی ہیں جن کے ذکر کا کچھ حصہ رہتا ہے۔** ان کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت مالک بن دُخشُم کا نام مالك بن دُخَيْشِنْ اور ابنِ دُخْشُنْ بھی بیان ہوا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب المساجد فی البیوت، حدیث نمبر 425)

(مطالع الانوار علی صحاح الآثار جلد3 صفحہ62 وزارۃ الاوقاف قطر 2012ز مکتبۃ الشاملۃ)

آپؓ کے والد کا نام دُخشُم بن مَرْضَخَه تھا جبکہ ان کا نام دُخشُم بن مالِك بن دُخشُم بن مَرْضَخَه بھی بیان ہوا ہے۔ آپؓ کی والدہ کا نام عُمَیرہ بنت سعد تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 3 صفحہ 414، مالك بن دخشم، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1990ء)

(سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 336، زیر عنوان من بنی دعد، دارالکتاب العربی بیروت لبنان، 1990ء)

حضرت مالکؓ کی شادی جمیلہ بنت اُبَیّ بنِ سَلُول سے ہوئی جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی ہمشیرہ تھیں۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جزء 7 صفحہ 52-53، جمیلہ بنت ابی بن سلول، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1994ء)

سُہَیل بن عَمرو کو قیدی بنانے کے موقع پر حضرت مالکؓ نے یہ اشعار کہے تھے:

اَسَرْتُ سُهَيْلًا فَلَا اَبْتَغِيْ اَسِيْرًا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْاُمَمْ

وَخِنْدَفُ تَعْلَمُ اَنَّ الْفَتٰى فَتَاهَا سُهَيْلٌ اِذَا يُظَلَّمْ

ضَرَبْتُ بِذِي الشَّفْرِ حَتّٰى انْثَنٰى وَاَكْرَهْتُ نَفْسِيْ عَلٰى ذِي الْعَلَمْ

کہ میں نے سُہیل کو قیدی بنایا اور اس کے بدلہ میں تمام اقوام سے کسی کو بھی قیدی نہیں بنانا چاہتا۔ بنو خِنْدَف جانتے ہیں کہ سُہَیل ہی اپنے قبیلہ کا جوانمرد ہے جب ان پر ظلم کیا جائے۔ مَیں نے جھنڈے والے پر وار کیا یہاں تک کہ وہ جھک گیا اور میں نے کٹے ہوئے ہونٹ والے سے، مراد سُہَیل بن عَمرو سے تھا، جنگ کرنے پر اپنے آپ کو مجبور کیا۔

(سیرت ابن ہشام جزء2 صفحہ 290-291، زیر عنوان امر سھیل بن عمرو و فداؤہ دار الکتاب العربی بیروت 1990ء)

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے حوالے سے اُسْدُ الْغَابَہ میں ایک روایت ہے کہ ابو صالح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یُسر مالک بن دُخشُم عَوْفِی اور طارق بن عُبَید انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو اِس جنگ میں کسی کو قتل کرے گا اسے اتنا ملے گا اور جو کسی کو قید کرے گا اسے اتنا ملے گا اور ہم نے ستّر لوگوں کو قتل کیا اور ستّر کو قید کیا۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بھی ان لوگوں کی طرح کر سکتے تھے مگر ہم نے صرف اس وجہ سے نہیں کیا کیونکہ ہم مسلمانوں کی پیچھے کی طرف سے حفاظت کر رہے تھے۔ غنیمتیں تھوڑی ہیں اور لوگ بہت ہیں۔ اگر آپؐ ان لوگوں کو اتنا دیں گے جس قدر آپؐ نے وعدہ کیا ہے تو بعض لوگوں کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آئے گا۔

پس یہ لوگ باتیں کرتے رہے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔ (الانفال:2) کہ اے رسول! لوگ تجھ سے اموال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تو

ان سے کہہ دے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہیں۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 3 صفحه 69-70، طارق بن عبيد، دارالكتب العلمية بيروت)

غزوۂ احد کے دن حضرت مالِک بن دُخشُمؓ حضرت خارِجہ بن زیدؓ کے پاس سے گزرے۔ حضرت خارجہؓ زخموں سے چُور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو تیرہ کے قریب مہلک زخم آئے تھے۔ حضرت مالکؓ نے ان سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ حضرت خارجہؓ نے کہا اگر آپؐ کو شہید کر دیا گیا ہے تو یقیناً اللہ زندہ ہے اور وہ نہیں مرے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ فَقَاتِلْ عَنْ دِينِكَ اس لیے تم بھی اپنے دین کے لیے قتال کرو۔

(کتاب المغازی للواقدی المجلد الاول صفحه 280 ''غزوة احد'' عالم الكتب۔ 1984ء)

ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ذکر یوں ملتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی افواہ پھیلی تو حضرت مالک بن دخشمؓ حضرت خارجہ بن زیدؓ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سینے پر تیرہ مہلک زخم آئے تھے۔ حضرت مالکؓ نے ان سے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ حضرت خارجہؓ نے جواب دیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو یقیناً اللہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ یقیناً انہوں نے پیغام یعنی اسلام کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ پس اپنے دین کی خاطر لڑو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت مالکؓ حضرت سعد بن ربیعؓ کے پاس سے گزرے اور ان کو بارہ مہلک زخم آئے تھے۔ حضرت مالکؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا ہے۔ پس اپنے دین کی خاطر لڑو کیونکہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

(امتاع الاسماع جلد 1 صفحه 165، غزوه احد، زير عنوان خبر خارجه بن زيد)

ایک روایت میں بیان ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ یعنی حضرت مالک بن دخشمؓ منافقین کی پناہ گاہ ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ تم کہتے ہو منافق ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتا؟ لوگوں نے عرض کیا جی۔ یارسول اللہؐ نماز تو پڑھتا ہے مگر وہ ایسی نماز ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اس پر **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔**

(المعجم الكبير للطبرانی باب العين، ما اسند عتبان بن مالك، روايت نمبر 44جزء 18 صفحه 26، مكتبه ابن تيميه قاهره)

یہ آج کل کے مسلمانوں کے لیے بھی سبق ہے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن دُخشُمؓ کے ساتھ حضرت مَعْن بن عَدِیؓ کے بھائی حضرت عاصم بن عدیؓ کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔

(المنتظم فی تاريخ الملوك والامم از علامه جوزی، جلد5 صفحه216، عاصم بن عدی، دارالكتب العلمية بيروت، لبنان)

حضرت مالکؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی نسل نہیں چلی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 3 صفحہ 415، مالك بن دخشم، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، 1990ء)

پھر حضرت عُکَّاشہ بن مِحْصَنؓ کا کچھ تھوڑا سا ذکر ہے۔ ان کا نام عکاشہ تھا۔ مِحْصَن بن حُرْثَان ولدیت تھی۔ ابو محصن ان کی کنیت تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں بارہ ہجری میں ان کی شہادت ہوئی۔

(اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد4 صفحہ 64-65، عکاشه بن محصن، دارالکتب العلمیة بیروت)

امام شعبیؒ نے عکاشہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ ایک شخص تھا جو کہ **جنتی تھا مگر پھر بھی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتا** تھا اور وہ عکاشہ بن محصن تھے۔

(حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء جلد 4 صفحہ 315-316 عامر بن شراحیل الشعبی۔ دار الفکر بیروت1996ء)

دو ہجری میں غزوۂ بدر کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ اس سریہ میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ بھی شامل تھے۔

(السیرة الحلبیة جز 3 صفحہ 219 سریه حضرت عبد الله بن جحش دارالکتب العلمیة بیروت 2002ء)

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اپنے کمان سے تیر اندازی فرماتے رہے جس کا نام کَتُوم تھا کیونکہ اس سے تیر اندازی کے وقت کوئی آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ آخر مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے اس کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہاں تک کہ آپ کی اس کمان کا ایک سرا ٹوٹ گیا جس میں تانت باندھی جاتی ہے۔ غرض مسلسل تیر چلانے سے وہ کمان ٹوٹ گئی۔ آپ کے ہاتھ میں کمان کی بالشت بھر ڈوری باقی رہ گئی۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے کمان کی ڈوری باندھنے کے لیے وہ آپ سے لی مگر وہ ڈور چھوٹی پڑ گئی اور انہوں نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ ڈور چھوٹی پڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے کھینچو پوری ہو جائے گی۔ حضرت عکاشہؓ کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم! جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے مَیں نے ڈور کھینچی تو وہ کھنچ کر اتنی لمبی ہو گئی کہ میں نے اس سے کمان کے سر پر دو تین بل بھی دیے اور اطمینان سے اس کو باندھ دیا۔

(السیرة الحلبیة جز 2 صفحہ 311 ''غزوہ اُحد'' دارالکتب العلمیة بیروت 2002ء)

ایک روایت ہے کہ چھ ہجری میں عُیَیْنَہ بن حِصْن نے غطفان کے گھڑ سواروں کے ساتھ غَابَہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ دینے والی اونٹنیوں پر حملہ کیا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کرتے تھے۔ چراگاہ تھی۔ غابہ میں بَنُو غِفَار کا ایک مرد اور ایک عورت بھی رہتے تھے۔ دشمنوں نے حملہ کر کے مرد کو قتل کر دیا اور عورت کو اونٹنیوں کے ساتھ لے گئے۔ اس واقعہ سے سب سے پہلے باخبر ہونے والے حضرت سَلَمہ بن اَکْوَعؓ تھے۔ وہ صبح کے وقت غابہ کے لیے نکلے اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا غلام اور اس کے ساتھ گھوڑا تھا۔ جب وہ ثَنِیَّۃ الْوَدَاع مقام پر چڑھے تو انہوں نے حملہ آوروں کے بعض گھوڑے دیکھے تو سَلْع پہاڑ کی ایک جانب سے اوپر چڑھے اور پیچھے اپنے لوگوں کو مدد کے لیے پکارا۔ پھر حملہ آور جماعت کے تعاقب میں یہ شکاری جانور کی مانند تیزی سے نکلے یہاں تک کہ ان لوگوں کو جا لیا اور ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ جب بھی گھڑ سوار اُن کی

طرف متوجہ ہوتے تو حضرت سَلَمہ بھاگ جاتے اور واپس لَوٹتے اور جب موقع ملتا تو وہ تیر برساتے۔ جب اس واقعہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے بھی مدینہ میں اعلان کیا کہ خطرہ ہے۔ گھڑ سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے۔ ان گھڑ سواروں میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ اور دیگر صحابہؓ شامل تھے۔ اس معرکہ میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے اَوْبَار اور اس کے بیٹے عَمرو بن اَوْبَار کو جالیا۔ وہ دونوں ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت عکاشہؓ نے ان کو ایک نیزے میں ہی پرو دیا اور دونوں کو قتل کر دیا اور چھینی ہوئی بعض اونٹنیاں واپس لے آئے۔

(سیر أعلام النبلاء جزء 2 صفحہ 5 تا 7 غزوہ ذی قرد مؤسسة الرسالة بیروت 1996ء)

پھر ذکر ہے حضرت خارجہ بن زیدؓ کا۔ ان کی کنیت ابو زید تھی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ 397 ''خارجہ بن زید''دارالکتب العلمیة بیروت 1990ء)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت سعد بن مُعَاذؓ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ نے یہود کے چند علماء سے تورات میں موجود چند باتوں کے متعلق پوچھا جن کا جواب دینے سے ان علماء نے انکار کر دیا اور سچ کو چھپایا، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرہ: 160) یقیناً وہ لوگ جو اسے چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح نشانات اور کامل ہدایت میں سے نازل کیا ہے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کتاب میں اس کو لوگوں کے لیے خوب کھول کر بیان کر دیا تھا۔ یہی ہیں وہ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور اس پر سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

(تفسیر طبری، الجزء 3 صفحہ 250 مکتبة ابن تیمیة القاهرة)

پھر حضرت زِیَاد بن لَبِیدؓ کا ذکر ہے۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو بَیَاضَہ بن عامر سے تھا۔ آپؓ کی نسل مدینہ اور بغداد میں مقیم تھی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء 3 صفحہ 448 زیاد بن لبید، دارالکتب العلمیة بیروت 1990ء)

ان کے بارے میں ضَحَّاکؒ بن نُعمان بیان کرتے ہیں کہ مسروق بن وائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وادیٔ عقیق سے مدینہ آئے۔ (عرب میں کئی وادیوں، کانوں اور دوسری جگہوں کا نام عقیق ہے۔ سب سے مشہور وہ وادیٔ عقیق ہے جو مدینہ کے عین مغرب سے گزرتی ہے۔ بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ سے مکہ جانے والی سڑک اسی عقیق سے ہوتی ہوئی ذُوالْحُلَیْفَہ پہنچتی تھی۔ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ آج کل کا راستہ بھی یہی ہے۔) اور اسلام قبول کیا اور اسلام پر عمدگی سے قائم رہے۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ آپؐ میری قوم میں ایک ایسے آدمی کو بھیجیں جو انہیں اسلام کی طرف بلائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت زِیَاد بن لَبِید انصاریؓ کو بھیجا۔

(المعجم الکبیر جزء 20 صفحہ 336 حدیث 795 من اسمہ مسروق۔ مسروق بن وائل الحضرمی۔ مکتبة ابن تیمیة القاهرة) (اردو دائرہ معارف اسلام جلد 13 صفحہ 414۔ دانش گاہ پنجاب لاہور 2005ء)

حضرت زیادؓ اکتالیس ہجری میں حضرت معاویہ کے دَور حکومت کے شروع میں فوت ہوئے۔ طبرانی کہتے

ہیں کہ حضرت زیادؓ کوفہ میں رہے اور مسلم اور ابنِ حَبَّان کہتے ہیں کہ آپ شام میں رہے۔ ابن حَبَّان کہتے ہیں کہ آپ فقہاء صحابہ میں سے تھے۔

(تهذيب التهذيب جزء1 صفحه 652-653 زياد بن لبيد بن ثعلبه۔مؤسسة الرسالة بيروت 2014ء)

حضرت زیاد بن لبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا ذکر فرمایا اور فرمایا یہ بات علم اٹھ جانے کے وقت ہو گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! علم کیسے چلا جائے گا اور ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو قیامت کے دن تک اسے پڑھائیں گے۔ جب قرآن جاری رہے گا تو پھر کس طرح علم اٹھ جائے گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تیرا بھلا کرے اے زیاد! میں تمہیں مدینہ کے سب سے زیادہ سمجھدار لوگوں میں سے سمجھتا تھا۔ کیا یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل نہیں پڑھتے جو ان دونوں میں ہے لیکن اس کی کسی بات پر عمل نہیں کرتے۔

(سنن ابن ماجه كتاب الفتن باب ذَهَابُ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ حديث: 4048)

علم اس وقت اٹھ جائے گا جب قرآن پڑھیں گے تو سہی لیکن مسلمان عمل نہیں کریں گے اور یہی کچھ ہم آج کل دیکھ رہے ہیں۔ پھر یزید بن عبداللہ بن قُسَیط سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عکرمہ بن ابوجہل کو پانچ سو مسلمانوں کے ساتھ حضرت زیاد بن لبیدؓ اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ کی مدد کے لیے بھیجا۔ وہ لشکر کے پاس اس وقت پہنچے جب انہوں نے نُجَیْر جو کہ یمن میں ہے اس کو فتح کر لیا تھا۔ پھر حضرت زیاد بن لبیدؓ نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔ فتح کے بعد یہ قافلہ پہنچا تھا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت زیادؓ نے اس معاملہ کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کو لکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو جواباً خط لکھا کہ مالِ غنیمت پر صرف اسی کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہے۔ اور ان کے خیال میں عکرمہ کا کوئی حصہ نہیں بنتا کیونکہ وہ اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ حضرت زیادؓ نے اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے عکرمہ اور اس کے لشکر کو دلی خوشی سے اس مالِ غنیمت میں شامل کر لیا۔

(كتاب السنن الكبرٰى ۔ جزء9صفحه 86 كتاب السير باب الغنيمة لمن شهد الوقعة۔ دارالكتب العلمية بيروت)

پھر ذکر ہے **حضرت خالد بن بُکیرؓ کا**۔ بُکَیر بن عبدِ یالیل ان کی ولدیت تھی۔ قبیلہ بنو سعد سے ہیں جو بنی عدی کے حلیف تھے۔ (اسد الغابة جلد2 صفحه 194 دارالكتب العلمية بيروت)

ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ ہمیں ایاس اور ان کے بھائیوں عاقل، خالد اور عامر کے علاوہ کوئی بھی چار ایسے بھائی معلوم نہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہوں۔ ان چاروں بھائیوں نے اکٹھی ہجرت کی اور مدینہ میں رِفَاعَہ بن عبد المنذِر کے ہاں قیام کیا۔

(الاصابه فی تمییزالصحابه الجزء الاول صفحه 310،ایاس بن ابی بکیر،دارالکتب العلمية بيروت)

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ جنگِ احد کے بعد قبائل عَضَل اور قَارَہ کے چند لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں اسلام کی رغبت ہو رہی ہے آپؐ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے چند لوگ روانہ فرمائیں تا کہ وہ ہماری قوم کو دین کی تعلیم دیں اور قرآن پڑھائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مَرْثَدْ بن ابی مَرْثَدْؓ کی امارت میں چھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھجوادیا جن میں حضرت خالد بن بُکَیرؓ بھی شامل تھے۔ ان کو ان لوگوں نے بعد میں دھوکے سے شہید بھی کر دیا تھا جو دین سیکھنے کے لیے لے کے گئے تھے۔

(السیرۃالنبویۃ لابن ھشام صفحہ591-592، ذکر یوم الرجیع فی سنۃ ثلاث، دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

پھر حضرت عمار بن یاسرؓ کا ذکر ہے۔ ان کی کنیت ابویَقْظَان تھی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ187 ”عمّار بن یاسر“۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

ان کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے تاریخ کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ:

”ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمارؓ نامی غلام کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ سسکیاں لے رہے تھے اور آنکھیں پونچھ رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا عمار! کیا معاملہ ہے؟ عمار نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! بہت ہی بُرا۔ وہ مجھے مارتے گئے“ یعنی دشمن مارتے گئے ”اور دکھ دیتے گئے اور اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میرے منہ سے آپؐ کے خلاف اور دیوتاؤں کی تائید میں کلمات نہیں نکلوا لئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا لیکن تم اپنے دل میں کیا محسوس کرتے تھے؟ عمار نے کہا دل میں تو ایک غیر متزلزل ایمان محسوس کرتا تھا۔“ گو منہ سے مَیں نے آپؐ کے خلاف کہہ دیا لیکن دل میں میرے ایمان تھا۔ ”آپؐ نے فرمایا اگر دل ایمان پر مطمئن تھا تو خدا تعالیٰ تمہاری کمزوری کو معاف کر دے گا۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد20 صفحہ 195)

حضرت عمار بن یاسرؓ کی ہجرتِ حبشہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ہجرت حبشہ ثانیہ میں شریک تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ 189 ”عمّار بن یاسر“۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ہونے والی شورش کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفہ ثانیؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

”جب یہ شورش حد سے بڑھنے لگی اور صحابہؓ کرام کو بھی ایسے خطوط ملنے لگے جن میں گورنروں کی شکایات درج ہوتی تھیں تو انہوں نے مل کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ کیا آپؓ کو معلوم نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جو رپورٹیں مجھے آتی ہیں وہ تو خیر وعافیت ہی ظاہر کرتی ہیں۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اس اس مضمون کے خطوط باہر سے آتے ہیں اس کی تحقیق ہونی چاہئے۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر ان سے مشورہ طلب کیا کہ تحقیق کس طرح کی جاوے اور ان کے مشورہ کے مطابق اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ کی طرف، محمد بن مسلمؓ کو کوفہ کی طرف، عبداللہ بن عمرؓ کو شام کی طرف، عمار بن یاسرؓ کو مصر کی طرف بھیجا کہ وہاں کے حالات کی تحقیق کر کے رپورٹ کریں کہ آیا واقع میں امراء رعیت پر ظلم کرتے ہیں اور تعدّی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مار لیتے ہیں اور ان چاروں کے علاوہ کچھ اَور لوگ بھی متفرق بلاد کی طرف بھیجے تا کہ وہاں کے حالات سے اطلاع دیں۔

(طبری جلدنمبر6صفحہ2943 مطبوعہ بیروت)

یہ لوگ گئے اور تحقیق کے بعد واپس آکر ان سب نے رپورٹ کی کہ سب جگہ امن ہے اور مسلمان بالکل آزادی سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کے حقوق کو کوئی تلف نہیں کرتا اور حکام عدل و انصاف سے کام لے رہے ہیں۔ مگر عمار بن یاسر نے دیر کی اور ان کی کوئی خبر نہ آئی... ان کی طرف سے خبر آنے میں اس قدر دیر ہوئی کہ اہلِ مدینہ نے خیال کیا کہ کہیں مارے گئے ہیں مگر اصل بات یہ تھی کہ وہ اپنی سادگی اور سیاست سے ناواقفیت کی وجہ سے اُن مفسدوں کے پنجہ میں پھنس گئے تھے جو عبد اللہ بن سبا کے شاگرد تھے۔

مصر میں چونکہ خود عبد اللہ بن سبا موجود تھا اور وہ اس بات سے غافل نہ تھا کہ اگر اس تحقیقاتی وفد نے تمام ملک میں امن و امان کا فیصلہ دیا تو تمام لوگ ہمارے مخالف ہو جاویں گے۔ اس وفد کے بھیجے جانے کا فیصلہ ایسا اچانک ہؤا تھا کہ دوسرے علاقوں میں وہ کوئی انتظام نہیں کر سکا تھا مگر مصر کا انتظام اس کے لئے آسان تھا۔ جونہی عمار بن یاسر مصر میں داخل ہوئے اس نے ان کا استقبال کیا اور والیٔ مصر "عمرو بن عاص" کی برائیاں اور مظالم بیان کرنے شروع کئے۔ وہ اس کے لسانی سحر کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ "ایسی باتیں کیں کہ ان پہ اس کی باتوں کا جادو چل گیا۔ بڑا بولنے والا تھا" اور بجائے اس کے کہ ایک عام بے لوث تحقیق کرتے۔ والیٔ مصر کے پاس گئے ہی نہیں اور نہ عام تحقیق کی بلکہ اسی مفسد گروہ کے ساتھ چلے گئے اور انہی کے ساتھ مل کر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔

صحابہؓ میں سے اگر کوئی شخص اس مفسد گروہ کے پھندے میں پھنسا ہؤا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے تو وہ صرف عمار بن یاسر ہیں۔ ان کے سوا کوئی معروف صحابیؓ اس حرکت میں شامل نہیں ہؤا اور اگر کسی کی شمولیت بیان کی گئی ہے تو دوسری روایات سے اس کا رد بھی ہو گیا ہے۔ عمار بن یاسر کا ان لوگوں کے دھوکے میں آجانا ایک خاص وجہ سے تھا۔ "یہ نہیں تھا کہ خدانخواستہ ان میں منافقت تھی بلکہ وجہ اَور تھی" اور وہ یہ کہ جب وہ مصر پہنچے تو وہاں پہنچتے ہی بظاہر ثقہ نظر آنے والے اور نہایت طرّار و لسّان لوگوں کی ایک جماعت ان کو ملی جس نے نہایت عمدگی سے ان کے پاس والیٔ مصر کی شکایات بیان کرنی شروع کیں۔ اتفاقاً والی مصر ایک ایسا شخص تھا جو کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف رہ چکا تھا اور اس کی نسبت آپؐ نے فتح مکہ کے وقت حکم دیا تھا کہ خواہ خانہ کعبہ ہی میں کیوں نہ ملے اسے قتل کر دیا جائے اور گو بعد میں آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے اسے معاف کر دیا مگر اس کی پہلی مخالفت کا بعض صحابہؓ کے دل پر جن میں عمار بھی شامل تھے اثر باقی تھا۔ پس ایسے شخص کے خلاف باتیں سن کر عمار بہت جلد متأثر ہو گئے اور ان الزامات کو جو اس پر لگائے جاتے تھے صحیح تسلیم کر لیا اور احساس طبعی سے فائدہ اٹھا کر سبائی یعنی عبد اللہ بن سبا کے ساتھی اس کے خلاف اس بات پر خاص زور دیتے تھے۔"

(اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد 4 صفحہ 280-281و283-284)

ان کے ساتھ یہ بھی مل گئے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ جنگ صِفِّیْن کے موقع پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والے اور مال اور اولاد کی طرف لوٹنے کی خواہش نہ رکھنے والے کہاں ہیں؟ تو آپؓ کے پاس لوگوں کی ایک جماعت آ گئی۔ حضرت عمارؓ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے لوگو! ہمارے ساتھ ان لوگوں کی طرف چلو جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ

سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کئے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان لوگوں نے دنیا کا مزہ چکھ لیا ہے، یہاں اب ان کو سمجھ آ گئی تھی کہ فتنہ والے کتنا فتنہ پیدا کر رہے ہیں اور پھر کہا کہ اب اس سے یعنی دنیا سے یہ لوگ محبت رکھتے ہیں اور اسی کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ انہوں نے جان لیا ہے کہ حق ان کے ساتھ چمٹ گیا ہے تو وہ حق ان کے اور ان کے دنیاوی امور کے درمیان حائل ہو جائے گا اور ان لوگوں کو اسلام میں کوئی سبقت حاصل نہیں جس کے باعث یہ لوگ لوگوں کی اطاعت اور امارت کے حقدار ہوں۔ ان لوگوں کو تو کوئی سبقت حاصل نہیں ہے کہ ان کو امیر بنایا جائے صرف فتنہ پیدا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے متبعین کو یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ ہمارے امام مظلوم قتل کر دیئے گئے ہیں تا کہ یہ جابر بادشاہ بن جائیں اور یہ ایسی چال ہے جس کے ذریعہ وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ لوگ حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ نہ کرتے تو لوگوں میں سے دو افراد بھی ان کی اتباع نہیں کرتے۔

پھر آپؓ نے کہا کہ اے اللہ! اگر تُو ہماری مدد فرمائے جیسا کہ تُو کئی مرتبہ مدد فرما چکا ہے اور اگر تُو ان کو ان کے مقصد میں کامیاب کرے تو ان کے لیے اس وجہ سے کہ انہوں نے تیرے بندوں میں نئی باتیں پیدا کر دی ہیں ایک دردناک عذاب جمع رکھ۔ (تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 98 دارالکتب العلمیۃ بیروت 1987ء)

محمد بن عمرو وغیرہ سے مروی ہے کہ جنگِ صِفّین میں خوب زوروں کی جنگ ہو رہی تھی اور قریب تھا کہ دونوں فریق فنا ہو جائیں۔ معاویہ نے کہا یہ وہ دن ہے کہ جس میں عرب فنا ہو جائیں گے سوائے اس کے کہ انہیں اس غلام یعنی عمار بن یاسر کی کمزوری پہنچے۔ یعنی حضرت عمّارؓ شہید کر دیے جائیں۔ تین دن اور رات شدید جنگ رہی۔ تیسرا دن ہوا تو حضرت عمارؓ نے ہاشم بن عُتبہ بن ابی وقاص سے کہا جن کے پاس اس روز جھنڈا تھا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں مجھے ساتھ لے چلو۔ ہاشم نے کہا اے عمار! آپؓ پر خدا کی رحمت ہو۔ آپ ایسے آدمی ہیں کہ جنگ آپ کو ہلکا اور خفیف سمجھتی ہے۔ مَیں تو جھنڈا اس امید پر لے کر چلوں گا کہ اس کے ذریعہ سے میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں۔ اگر مَیں کمزوری دکھاؤں گا تو پھر بھی موت سے امن میں نہیں ہوں۔ وہ برابر ان کے ساتھ رہے یہاں تک کہ انہوں نے سوار کیا۔ اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ پھر حضرت عمارؓ اپنے لشکر میں کھڑے ہوئے۔ ذُوالکَلَاع اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلے پر کھڑا ہوا۔ ان دونوں نے آپس میں جنگ کی اور قتل ہوئے۔ دونوں لشکر برباد ہو گئے۔

حضرت عمارؓ پر حوَیّ السَّکْسَکِیّ اور ابو غَادِیَہ مُزَنی نے حملہ کیا اور ان دونوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ اَبُو الغَادِیہ سے پوچھا گیا کہ انہوں نے قتل کیسے کیا؟ تو اُس نے کہا کہ جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے قریب ہوئے اور ہم ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے پکارا کہ کوئی مقابلہ کرنے والا ہے۔ سکاسک یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اس میں سے ایک شخص نکل کر آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار چلائی۔ پھر حضرت عمارؓ نے سکسکی کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے پکارا کہ اب کون مقابلہ کرنا چاہتا ہے؟ حمیر یمن کے ایک قبیلہ کا نام، اس میں سے بھی ایک شخص مقابلے کے لیے گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار چلائی۔ عمار نے حمیری کو قتل کر دیا۔ حمیری نے ان کو زخمی کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے پکارا کہ اَور کون مقابلہ کرنا چاہتا ہے؟ میں ان کی طرف نکلا۔ یعنی کہتا ہے غلام اور ہم دونوں

نے ایک دوسرے پر تلوار چلائی۔ ان کا ہاتھ کمزور ہو چکا تھا۔ میں نے ان پر خوب زور سے دوسرا وار کیا جس سے وہ گر پڑے۔ پھر میں نے ان پر تلوار سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمارؓ کو شہید کیا گیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کو غیر معمولی خیال نہیں کرتا اور اسے اس سے رنج نہیں وہ ضرور غیر ہدایت یافتہ ہے۔ عمار پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جس دن وہ اسلام لائے اور اللہ عمار پر رحم کرے جب چار اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تھا تو یہ چوتھے ہوتے تھے اور پانچ کے ذکر میں یہ پانچویں ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم اصحاب میں سے تھے۔ کسی ایک یا دو کو بھی اس میں شک نہ تھا کہ عمار کے لیے بہت سے موقعوں پر جنت واجب ہوئی۔ پس عمار کو جنت مبارک ہو اور ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عمار حق کے ساتھ اور حق عمار کے ساتھ ہے۔ عمار جہاں کہیں بھی جائیں گے حق کے ساتھ ہی جائیں گے اور عمار کا قاتل آگ میں ہے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 198-197 ،دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

سعید بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جُنبی ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا۔ تو حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا۔ کیا آپؓ کو یاد نہیں کہ ہم یعنی میں اور آپ ایک سفر میں تھے۔ آپؓ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں تو مٹی میں جانوروں کی طرح لوٹا اور نماز پڑھ لی۔ گویا پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو صرف اس طرح کافی تھا اور آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ پھر ان پر پھونکا اور اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

(صحیح بخاری کتاب التیمم باب المتیمم ھل ینفخ فیھما حدیث نمبر 338)

ابووائل کہتے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے ہمیں خطبہ دیا اور مختصر دیا اور بلیغ کلام کیا۔ جب وہ منبر سے نیچے اترے تو ہم نے کہا اے اَبُو یَقْظَان! آپؓ نے بہت بلیغ کلام کیا ہے لیکن مختصر کیا ہے۔ آپؓ نے اسے لمبا کیوں نہ کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کی عقلمندی کی نشانی ہے۔** پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو اور یقیناً بعض بیان تو جادو ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ حدیث نمبر 2009)

حسّان بن بلال کہتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنی داڑھی میں خلال کیا۔ یعنی انگلیاں داڑھی پہ پھیریں۔ اُن سے کہا گیا یا راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: کیا آپ اپنی داڑھی کا خلال کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں داڑھی کا خلال کیوں نہ کروں جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو داڑھی کا خلال کرتے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الطھارۃ حدیث نمبر 29)

عمرو بن غالب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس عائشہ رضی اللہ عنہا کی عیب جوئی کی تو انہوں نے کہا۔ دُور ہٹ مردود بدتر۔ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی کو اذیّت

پہنچا رہا ہے۔ (جامع ترمذی ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر 3888)

تو یہ تھے کچھ ذکر۔ باقی جو رہ گئے ہیں وہ ان شاء اللہ آئندہ ہوں گے۔

ایک افسوس ناک خبر بھی ہے۔ **برکینا فاسو میں ہمارے نو 9 احمدی پرسوں شہید کر دیے گئے۔** بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اور بڑے ظالمانہ طریقے سے ان کو شہید کیا گیا لیکن ان کے ایمان کا امتحان بھی تھا اور جس پر وہ ثابت قدم رہے۔ یہ نہیں کہ اندھا دھند فائرنگ کر کے بلکہ ہر ایک کو بلا بلا کر شہید کیا ہے لیکن بہرحال اس کی تفصیلات کچھ آئی ہیں، کچھ آ رہی ہیں۔ اس لیے مَیں ان شاء اللہ ان کا تفصیلی ذکر اگلے جمعہ میں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے رحم کا سلوک فرمائے۔ ان سب کے درجات بلند کرے۔ دعا بھی کرتے رہیں۔ وہاں کے حالات ابھی بھی ٹھیک نہیں۔ جو دہشت گرد آئے تھے وہ دھمکی دے کے گئے ہیں کہ اگر دوبارہ مسجد کھولی تو ہم دوبارہ آئیں گے اور حملہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے احمدیوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ بہرحال تفصیلی ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہفتہ کروں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 03/ فروری 2023ء جلد 30 شمارہ 10 صفحہ 05 تا 11)

3

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 20 / جنوری 2023ء بمطابق 20 / صلح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ۔ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۔ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ (البقرۃ:155 تا157)

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف اور کچھ بھوک اور کچھ اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے۔ اُن لوگوں کو جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہم یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ جماعتِ احمدیہ میں گذشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانیاں پیش کی جارہی ہیں۔ کیا ان کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟ نہیں! بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ ان شہداء کے مقام کو اپنے وعدے کے مطابق بلند کرتا رہا وہاں جماعت کو پہلے سے بڑھ کر ترقیات سے بھی نوازتا رہا۔ ان شہیدوں نے جہاں اگلے جہان میں وہ مقام پایا جو انہی کا حصہ ہے اور ان کے درجات ہمیشہ بڑھتے چلے جانے والے ہیں وہاں اِس دنیا میں بھی ہمیشہ کے لیے ان کے نام روشن ہوئے ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہ صرف اپنے لیے بلکہ جماعت کی زندگی کا بھی باعث بن رہا ہے۔ یہی تو ہیں جو پیچھے رہنے والوں کی زندگی اور ترقیات کا بھی ذریعہ بن رہے ہیں۔ پھر وہ مردہ کس طرح ہو سکتے ہیں! **یہ جان کی قربانی جو حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف شہید کی قربانی سے شروع ہوئی** جماعت احمدیہ میں عموماً افغانستان اور برصغیر کے احمدیوں کے حصہ میں رہی۔ افریقہ میں بھی ایک مخلص احمدی نے کانگو میں اپنی جان کا نذرانہ 2005ء میں خالصۃً جماعت کی خاطر پیش کیا تھا لیکن گذشتہ دنوں براعظم افریقہ کے ملک برکینا فاسو میں عشق و وفا اور اخلاص اور ایمان اور یقین سے پُر افرادِ جماعت نے جو نمونہ مجموعی طور پر دکھایا ہے وہ حیرت انگیز ہے، اپنی مثال آپ ہے۔ جن کو موقع دیا گیا کہ مسیح موعودؑ کی صداقت کا انکار کرو اور اس بات کو تسلیم کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور آسمان سے اتریں گے تو ہم تمہاری جان بخشی کر دیتے ہیں۔ لیکن ان ایمان اور

یقین سے پُر لوگوں نے جن کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط نظر آتا ہے جواب دیا کہ جان تو ایک دن جانی ہے، آج نہیں تو کل، اِس کے بچانے کے لیے ہم اپنے ایمان کا سودا نہیں کر سکتے۔ جس سچائی کو ہم نے دیکھ لیا ہے اسے ہم چھوڑ نہیں سکتے اور یوں ایک کے بعد دوسرا اپنی جان قربان کرتا چلا گیا۔ ان کی عورتیں اور بچے بھی یہ نظارہ دیکھ رہے تھے اور کوئی واویلا کسی نے نہیں کیا۔

پس یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے افریقہ میں بلکہ دنیائے احمدیت میں اپنی قربانیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی جو قربانی تھی اس کے بعد یہ اپنی دنیاوی زندگیوں کی قربانی دے کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے والے بن گئے جنہوں نے جان، مال، وقت کو قربان کرنے کا جب عہد کیا تو پھر نبھایا اور ایسا نبھایا کہ بعد میں آکر پہلے آنے والوں سے سبقت لے گئے۔ اللہ تعالیٰ اِن میں سے ہر ایک کو اُن بشارتوں کا وارث بنائے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کی راہ میں قربانیاں کرنے والوں کو دی ہیں۔

اب مختصراً ان شہداء کے حالات زندگی بیان کروں گا جن سے ان کے ایمان کی پختگی کا پتا چلتا ہے۔ تفصیلات کے مطابق برکینا فاسو کا شہر ڈوری ہے وہاں مہدی آباد جماعت ہے جہاں نئی آبادی ہوئی تھی وہاں 11/ جنوری کو عشاء کے وقت **9 احمدی بزرگوں کو مسجد کے صحن میں باقی نمازیوں کے سامنے اسلام احمدیت سے انکار نہ کرنے کی بنا پر ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا۔** اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

رپورٹ کے مطابق عشاء کے وقت چار موٹر سائیکلوں پر آٹھ مسلح افراد مسجد میں آئے۔ یہ مسلح افراد احمدیہ مسجد میں آنے سے پہلے قریب واقع مسجد، جو وہابیوں کی مسجد ہے وہاں موجود تھے جہاں انہوں نے مغرب سے عشاء تک کا وقت گزارا ہے لیکن وہاں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ آئے صرف احمدیوں کے لیے تھے۔ جب یہ دہشت گرد احمدیہ مسجد میں آئے تو اُس وقت مسجد میں عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اُس وقت تک کچھ نمازی بھی آچکے تھے اور باقی بھی آرہے تھے۔ اذان ختم ہونے کے بعد دہشت گردوں نے مؤذن سے اعلان کروایا کہ احباب جلدی مسجد میں آجائیں کچھ لوگ آئے ہیں انہوں نے بات کرنی ہے۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو پھر دہشت گردوں نے پوچھا بھی کہ یہاں امام مسجد کون ہے؟ الحاج ابراہیم بدیگا (Bidiga) صاحب نے بتایا کہ وہ امام مسجد ہیں۔ پھر انہوں نے یہ پوچھا کہ نائب امام کون ہے؟ تو آگ عمر آگ عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا کہ وہ نائب امام ہیں۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو امام ابراہیم صاحب نے دہشت گردوں سے کہا کہ ہمیں نماز پڑھ لینے دیں لیکن انہوں نے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

مسلح افراد نے امام سے جماعتِ احمدیہ کے عقائد کے متعلق کافی سوالات کیے جن کے جوابات امام صاحب نے تسلی اور بہادری سے دیے۔ امام صاحب نے بتایا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کا تعلق کس فرقے سے ہے؟ امام صاحب نے بتایا کہ ہمارا تعلق احمدیہ مسلم جماعت سے ہے۔ پھر دہشت گردوں نے پوچھا کہ کیا آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں؟ امام صاحب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ بہر حال اس پر دہشت گردوں نے

کہا کہ نہیں۔ عیسیٰ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور واپس آ کر دجال کو قتل کریں گے اور مسلمانوں کے مسائل حل کریں گے۔ (اسی امید پر یہ بیٹھے ہوئے ہیں۔) پھر انہوں نے پوچھا کہ امام مہدی کون ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام امام مہدی اور مسیح موعود کے طور پر آئے ہیں۔ یہ باتیں سن کے آخر پر مسلح افراد نے کہا کہ احمدی مسلمان نہیں بلکہ پکے کافر ہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ امام صاحب کو مسجد کے ساتھ ملحق احمدیہ سلائی سینٹر میں لے گئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ وہ تصاویر لے کر امام صاحب کے ساتھ واپس مسجد میں آ گئے اور پھر ان تصاویر کے حوالے سے امام ابراہیم سے سوالات کیے۔ امام صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے نام بتائے اور ایک ایک تصویر کا تعارف کروایا اور کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور امام مہدی اور مسیح موعود آئے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ نعوذ باللہ مرزا غلام احمد کا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ پھر دہشت گردوں نے مسجد میں موجود نمازیوں میں سے بچوں، نوجوانوں اور بزرگوں کے الگ الگ گروپ بنائے۔ اس وقت مسجد میں بچوں اور نوجوانوں، بزرگوں اور خواتین سمیت ساٹھ سے ستّر افراد موجود تھے۔ پردے کی دوسری طرف دس سے بارہ لجنہ اس وقت نماز کے لیے موجود تھیں۔ عمر کے لحاظ سے گروپس بنانے کے بعد دہشت گردوں نے بڑی عمر کے افراد سے کہا کہ وہ مسجد کے صحن میں آ جائیں۔ اس وقت کل دس انصار مسجد میں موجود تھے جن میں سے ایک معذور بھی تھے۔ جب وہ معذور دوست بھی باقی انصار بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر باہر جانے لگے تو انہوں نے یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ تم کسی کام کے نہیں، بیٹھے رہو۔ باقی نو (9) کو وہ لے کے صحن میں آ گئے۔ مسجد کے صحن میں کھڑا کر کے امام ابراہیم بدیگا صاحب سے کہا کہ اگر وہ احمدیت سے انکار کر دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ میرا سر قلم کرنا ہے تو کر دیں لیکن میں احمدیت نہیں چھوڑ سکتا۔ جس صداقت کو میں نے پالیا ہے اس سے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں۔ ایمان کے مقابلے میں جان کی حیثیت کیا ہے۔

دہشت گردوں نے امام صاحب کی گردن پر بڑا چاقو رکھا اور ان کو لٹا کر ذبح کرنا چاہا لیکن امام صاحب نے مزاحمت کی اور کہا کہ میں لیٹ کر مرنے کی نسبت کھڑے رہتے ہوئے جان دینا پسند کروں گا۔ اس پر انہوں نے امام صاحب کو گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ **سب سے پہلی شہادت امام الحاج ابراہیم بدیگا صاحب کی ہوئی۔** امام صاحب کو بے دردی کے ساتھ شہید کرنے کے بعد دہشت گردوں نے خیال کیا کہ باقی لوگ خوفزدہ ہو کر اپنے ایمان سے پھر جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اگلے احمدی بزرگ سے کہا کہ احمدیت سے انکار کرنا ہے یا تمہارا بھی وہی حشر کریں جو تمہارے امام کا کیا ہے؟ اس بزرگ نے بڑی دلیری سے اور بہادری سے کہا کہ احمدیت سے انکار ممکن نہیں۔ جس راہ پر چل کر ہمارے امام نے جان دی ہے ہم بھی اسی راہ پر چلیں گے۔ اس پر انہیں بھی سر میں گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔ پیچھے رہ جانے والے افراد سے بھی فرداً فرداً یہی مطالبہ کیا گیا کہ امام مہدی کا انکار کر دیں اور احمدیت چھوڑ دیں تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن سب احمدی بزرگوں نے پہاڑوں جیسی استقامت کا مظاہرہ کیا اور مظاہرہ کرتے ہوئے جرأت اور بہادری سے شہادت کو گلے لگانا قبول کر لیا۔ کسی ایک نے بھی ذرا سی

کمزوری نہ دکھائی اور نہ ہی احمدیت سے انکار کیا۔ ایک کے بعد ایک شہید گرتا رہا لیکن کسی کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ کر یقینِ محکم اور دلیری کا مظاہرہ کیا اور ایمان کا عَلم بلند رکھتے ہوئے اللہ کے حضور اپنی جانیں پیش کر دیں۔ ہر شہید کو کم و بیش تین گولیاں ماری گئیں۔ ان نو شہداء میں دو جڑواں بھائی بھی شامل تھے۔ جب آٹھ افراد کو شہید کیا جا چکا تو آخر پر آگ عمر آگ عبد الرحمٰن صاحب جن کی عمر چوالیس سال تھی وہ رہ گئے۔ عمر کے لحاظ سے سب شہداء سے چھوٹے تھے۔ دہشت گردوں نے ان سے پوچھا کہ **تم جوان ہو۔ احمدیت سے انکار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو تو انہوں نے بڑی شجاعت سے جواب دیا کہ جس راہ پر چل کر میرے بزرگوں نے قربانی دی ہے جو حق کی راہ ہے مَیں بھی اپنے امام اور بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ایمان کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔** اس پر انہیں بھی بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تذکرۃ الشہادتین میں ایک رؤیا کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا کہ:

"خدا تعالیٰ بہت سے ان کے قائم مقام پیدا کر دے گا۔"

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 76)

آپؑ نے اپنی رؤیا سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مجھے امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ بہت سے ان کے قائم مقام پیدا کر دے گا۔ **ہم گواہ ہیں کہ آج افریقہ کے رہنے والوں نے اجتماعی طور پر اس کا نمونہ دکھا دیا اور قائم مقامی کا حق ادا کر دیا۔** دہشت گردوں کے مسجد میں آنے سے لے کر سوال و جواب کرنے، عقائد پر تفصیلی بحث کرنے اور ساری کارروائی کر کے مسجد سے نکلنے تک کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے کا وقت بنتا ہے۔ اس دوران میں بچے اور باقی افراد جس کرب اور تکلیف سے گزرے ہوں گے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے سامنے ان کے بزرگوں کو شہید کیا جا رہا تھا۔ مسجد سے نکل کر دہشت گرد فوری طور پر فرار نہیں ہوئے بلکہ کافی دیر مہدی آباد میں ہی رہے اور مسلح افراد نے مسجد میں موجود لوگوں کو یہ دھمکی بھی دی کہ بہتر ہو گا کہ تم سب احمدیت چھوڑ دو۔ ہم دوبارہ آئیں گے۔ اگر تم لوگوں نے احمدیت ترک نہ کی یا کسی نے دوبارہ مسجد کھولنے کی کوشش کی تو تم سب کو ختم کر دیا جائے گا۔ اس مہدی آباد کی جماعت کا آغاز کب ہوا۔ اس کا تعارف کیا ہے؟ اس بارے میں یہ لکھتے ہیں۔ 1998ء کے آخر پر یہاں باقاعدہ مشن شروع کیا گیا تھا۔ جماعت نے تیزی سے ترقی کی۔ 1999ء میں ایک گاؤں تکنے ویل (Tickneville) کی بھاری اکثریت احمدی ہو گئی اور ایک مخلص جماعت اس جگہ قائم ہو گئی۔ اس گاؤں کے امام الحاج ابراہیم بدیگا احمدیت قبول کرنے سے پہلے اس علاقے کے سب سے بڑے وہابی امام تھے۔ آپ نے بہت تحقیق کے بعد بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے کے بعد ایک پُرجوش داعی، ایک نڈر مبلغ اور جری سپاہی کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا میں نے پہلے ذکر نہیں کیا کہ جب انہوں نے بیعت کی ہے تو ان کے ساتھیوں نے، بعض علماء نے ان کو کہا کہ تم کیوں ماننے لگے ہو؟ انہوں نے کہا جب سونا میں نے دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی دیا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی پوری ہو رہی ہیں، باتیں بھی پوری ہو رہی ہیں،

قرآن کریم اس کی گواہی دیتا ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ اب میں اس کا انکار کر دوں اور محروم رہوں۔

بہر حال امام صاحب ایک بہت صاحب علم آدمی تھے۔ اس گاؤں کے تمام لوگ تماشق قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور تماشق زبان بولتے ہیں۔ تماشق لوگوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ یہ برکینا فاسو، نائیجر، مالی اور الجیریا میں پائے جاتے ہیں۔ 99.9 فیصد مسلمان ہیں۔ زیادہ تر متشدّد وہابی عقائد رکھتے ہیں۔ تماشق لوگوں میں احمدی ہونے والے زیادہ نہیں ہیں تاہم برکینا فاسو میں مہدی آباد کے تماشق باشندے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے میں سبقت لے گئے اور اب اتنی بڑی قربانی دے کر اپنا ایک خاص مقام بھی حاصل کر چکے ہیں۔ 2004ء میں اس علاقے میں سونے کے بہت سے ذخائر دریافت ہوئے تو مائننگ کمپنی نے اس گاؤں کی آبادی کو قریب ہی ایک نئی جگہ پر مکانات بنا کر دیے اور کہا کہ وہاں منتقل ہو جائیں۔ ان منتقل ہونے والوں کی بھاری اکثریت احمدیوں کی تھی، چند ایک گھرانے دوسرے تھے۔ نیا گاؤں بنا تھا جو تقریباً احمدیوں کا ہی گاؤں تھا۔ ابراہیم صاحب نے یہ تجویز دی کہ اس گاؤں کا نام وہ پرانا نہیں رکھنا۔ چنانچہ **انہوں نے مجھے لکھا کہ اس گاؤں کا کوئی نام رکھیں اور پھر اس کا نام مہدی آباد رکھا گیا** اور 2008ء میں یہاں IAAAE کے تحت ماڈل ولیج بھی بنایا گیا۔ پانی، بجلی کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ یہ برکینا فاسو بلکہ دنیا بھر میں پہلا ماڈل ولیج پراجیکٹ تھا۔ اس کے تحت گاؤں میں بجلی، پانی، سلائی سکول وغیرہ کی سہولیات دی گئیں۔ ان کی تدفین کے بارے میں انہوں نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ دہشت گردوں نے مسجد میں ڈیڑھ گھنٹہ گزار کر اس قدر خوف کی فضا پیدا کی تھی کہ جس مقام پر شہادتیں ہوئیں شہداء کی لاشیں رات بھر اسی جگہ پڑی رہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ دہشت گرد گاؤں سے باہر نہیں گئے اور اگر کوئی لاش اٹھانے گیا تو اسے بھی مار دیا جائے گا۔ قریب ہی آرمی کیمپ تھا، اس واقعہ کی اطلاع ان کو دی گئی لیکن وہاں سے بھی کوئی نہیں آیا نہ ہی سیکیورٹی اداروں کا کوئی فرد صبح تک پہنچا۔ پھر شہداء کی تدفین بارہ جنوری کو صبح دس بجے مہدی آباد میں کر دی گئی۔

اب ہر ایک کا مختصر تعارف بیان کر دیتا ہوں۔ **الحاج ابراہیم بدیگا صاحب جو امام** ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر اٹھاسٹھ (68) سال تھی۔ تعلیم کے سلسلے میں سعودی عرب میں بھی مقیم رہے۔ تماشق زبان کے بہت بڑے عالم تھے اور اس زبان میں قرآن مجید کے مفسر بھی تھے۔ آپ نے 1999ء میں بیعت کی۔ قبولِ احمدیت سے قبل امام ابراہیم بدیگا صاحب کئی دیہات کے چیف امام تھے۔ اس زون کے دیگر علماء آپ کے پاس آ کر بیٹھنے اور اکتسابِ علم کرنے کو اپنی شان سمجھتے تھے چنانچہ ہر سال کم از کم ایک دفعہ علاقے بھر کے علماء، معلمین اور ائمہ آپ کے پاس آ کر قیام کرتے اور فیض پاتے۔ یہ تعداد پانچ سو تک بھی چلی جاتی اور قیام ایک ہفتہ تک ہوتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ علاقے کے علماء اور ائمہ کی سالانہ میٹنگ آپ کے پاس ہوا کرتی تھی۔ ان کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ اُن دنوں میں بھی امام صاحب اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ ابھی صداقت ظاہر نہیں ہوئی کیونکہ حق اور صداقت کو ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح سینکڑوں کی تعداد میں یہ ائمہ میرے پاس آ کر بیٹھتے ہیں اور بظاہر ایک دوسرے کو مسلمان خیال کرتے ہیں لیکن جب صداقت ظاہر ہو گی تو اس وقت ماننے والے تھوڑے رہ

جائیں گے۔ یہ لوگ میرے پاس سے بھی اٹھ کر چلے جائیں گے۔ نیکی تھی، تقویٰ تھا، علم تھا اس لیے زمانے کے حالات کے مطابق اندازہ لگا لیا کہ صداقت نے ظاہر ہونا ہے اور اس کے بعد جو ہمیشہ سے انبیاء کے مخالفین کا دستور رہا ہے یہ لوگ بھی مخالفت کریں گے۔

بہر حال جو انہوں نے دل میں مانا ہوا تھا کہ جب بھی حق پہنچا میں نے ماننا ہے۔ 1998ء میں ڈوری میں باقاعدہ احمدیہ مشن قائم ہوا تو امام ابراہیم صاحب تک بھی احمدیت کے پیغام کی بازگشت پہنچی۔ تبلیغی مہم کے دوران ایک مارکیٹ میں الحاج بدیگا صاحب نے احمدیت کا نام پہلی بار سنا تھا۔ انہیں پتہ چلا کہ احمدی وفات مسیح کے قائل ہیں اور مسیح اور مہدی کے آنے کی خبر دیتے ہیں تو ابراہیم بدیگا صاحب سات افراد کا ایک وفد لے کر تلاشِ حق کے لیے ڈوری مشن ہاؤس تشریف لائے۔ بہت تحقیق کے بعد آپ نے احمدیت قبول کی تھی۔ اپنی زون میں پہلا احمدی ہونے کا شرف پایا۔ یہ جو مخالفین کہتے ہیں ناں کہ غریب لوگ ہیں ان کو لالچ دے کر بیعت کروالیتے ہیں۔ ان کو دین کا کچھ پتا نہیں ہے۔ ان شہیدوں نے ان کے منہ بند کر دیے ہیں۔ سمجھ کر صداقت کو قبول کیا اور پھر قربانی کی بھی اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔

بہر حال ابراہیم صاحب کے بارے میں مزید لکھا ہے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ جماعت کے ایک نڈر سپاہی تھے۔ بے خوف داعی الی اللہ تھے اور حقیقی معنوں میں ایک فدائی احمدی تھے۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے علاقے بھر میں احمدیت کا پیغام پھیل گیا۔ کئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ آپ بڑھ چڑھ کر جماعتی پروگراموں میں حصہ لیتے۔ قبولِ احمدیت سے قبل ان کے عقائد کے مطابق وہابیوں کے علاوہ باقی سب فرقے کافر تھے۔ ٹی وی دیکھنا، فٹبال کھیلنا یا دیکھنا، سکول جانا، تصویریں بنانا یہ سب چیزیں ان کے نزدیک حرام تھیں جیسا وہابیوں کا عقیدہ ہے لیکن پھر جب انہوں نے احمدیت قبول کر لی تو پھر ان فرسودہ خیالات سے انہوں نے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا اور لوگوں کو بھی سمجھایا کہ حقیقت کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانے میں سنہ 2000ء میں انہیں یہاں یوکے میں جلسہ میں بھی شامل ہونے کی توفیق ملی۔

تبلیغ کا ان کو جنون تھا۔ قبولِ احمدیت سے قبل بھی صاحب اثر و رسوخ اور کئی گاؤں کے چیف امام تھے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ قبولِ احمدیت کے بعد آپ نے اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے وقف کر دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کسی اَور چیز کی پرواہی نہیں ہے۔ انہوں نے تبلیغ کے وٹس ایپ گروپ بنا رکھے تھے جس میں خاص طور پر تماشق لوگوں کے لیے ایک گروپ تھا۔ اس گروپ میں مالی، نائیجر، گھانا، سعودی عرب، لیبیا، تیونس، آئیوری کوسٹ وغیرہ ممالک سے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپ مسلسل ان کو تبلیغ کرتے۔ دن رات آڈیو پیغامات ریکارڈ کر کے بھجواتے رہتے۔ دن ہو کہ رات اسی کام میں مصروف رہتے۔ جواب میں بہر حال مخالفت ہوتی تھی۔ مخالفین آپ کو گالیوں کے پیغام بھی بھیجتے۔ وہ ان کو قتل کی دھمکیاں بھی دیتے تھے لیکن آپ کبھی کسی سے غصہ سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ قتل کی دھمکیاں دینے والوں کو آپ کہا کرتے تھے کہ میں تمہیں کرایہ بھیج دیتا ہوں آؤ اور مجھے قتل کرو۔ جب حالات خراب ہوئے ہیں تو آپ مبلغین کو بھی اور معلمین کو بھی کہا کرتے تھے کہ تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ

بہانہ ہے کہ حالات خراب ہیں اس لیے ہم تبلیغی دورے پر نہیں جاسکتے۔ کہتے ہیں میڈیا کے ذریعہ تبلیغ کریں اور اگر کسی کے پاس فون میں نیٹ پیکیج کرنے کے لیے رقم نہیں ہے تو مجھ سے لے لے۔ سوشل میڈیا گروپ بنائے اور گھر بیٹھ کر تبلیغ کے جہاد میں حصہ لے۔ ان کو ایک جنون تھا ایک شوق تھا۔

ناصر سدھو صاحب یہاں مربی رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ 1997ء میں برکینا فاسو آیا۔ خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے دعوت الی اللہ کا کام سپرد کیا۔ تو کہتے ہیں کہ مجھے زبان نہیں آتی تھی اس لیے تین ماہ کا عرصہ لگ گیا پلاننگ کرنے میں۔ اس کے بعد دیہاتوں کا دورہ کیا۔ ان کے اس گاؤں کے امام کے پاس بھی گیا۔ ان کو جب وفاتِ مسیح کی اور مسیح اور مہدی کی آمد کی خبر پہنچی تو کہتے ہیں کہ ابراہیم بدیگا صاحب سات افراد کے ساتھ ہمارے مشن ہاؤس ڈوری آگئے۔ وہاں سوال وجواب ہوئے۔ کہتے ہیں تین دن یہ میرے پاس رہے ہیں۔ نہ یہ تین دن خود سوئے نہ مجھے سونے دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے۔ روزانہ صبح سے لے کر شام تک گفتگو ہوتی تھی۔ اگلے ہفتے دوبارہ آئے اور اپنے نئے امام لے کر آئے اور تحقیق کا یہ سلسلہ تین ماہ تک جاری رہا۔ ان کے پاس اکثر سوالات کے جوابات تو آچکے تھے لیکن احمدیت میں داخل ہونے کا کبھی انہوں نے خیال ظاہر نہیں کیا تھا۔ بہرحال کہتے ہیں مَیں خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو دعا کے لیے لکھتا رہا۔ ایک دن امام صاحب آئے اور بیعت کا فارم پُر کیا اور کہتے ہیں کہ ان سے میں نے کہا کہ باقی بھی جو متواتر آتے رہے ہیں وہ کہاں ہیں؟ وہ کب قبول کریں گے؟ تو انہوں نے کہا وہ سب قبول کریں گے مگر سب سے پہلے مَیں احمدیت میں داخل ہونا چاہتا تھا اس لیے مَیں آگیا ہوں۔

خلافت سے بھی ان کو بے انتہا وفا کا تعلق تھا۔ امیر جماعت برکینا فاسو لکھتے ہیں کہ پینتالیس کے قریب گاؤں ان کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے حج کیے۔ وہاں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ بہت اچھی عربی جانتے اور بولتے تھے اور اس پورے علاقے میں بہت تبلیغ کی۔ سائیکل پر گاؤں جاتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس علاقے میں بہت لوگوں کو احمدیت کے نور سے منور کیا۔ ان کے ذریعہ اس علاقے کے بڑے بڑے علماء احمدیت میں داخل ہوئے اور علاقے کی اکثر جماعتیں ان کی تبلیغ کی وجہ سے قائم ہوئیں اور کہتے ہیں جب بھی لندن آنا ہوتا تو ہمیشہ یہ پوچھتے کہ خلیفہ وقت کا کیا حال ہے؟ بڑا محبت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں اس محبت کی ایک مثال یہی ہے کہ ایم ٹی اے پر جو میری بچوں کے ساتھ کلاس ہوتی تھی وہ اردو زبان سے بالکل ناواقفیت کے باوجود بڑے انہماک سے دیکھتے رہتے تھے جس طرح سمجھ آرہی ہوتی ہے اور صرف یہی کہتے تھے کہ میرے لیے اس مجلس میں یہاں بیٹھنا اس کو دیکھنا ہی بہت ایمان کا اور اس میں ترقی کا باعث بنتا ہے۔

مہمان نواز اور خاموش طبع تھے لیکن جب جماعت کی خاطر بولنا پڑتا تھا تو پھر بہت جذباتی ہو کے بولتے تھے۔ ایک مکمل مبلغ تھے۔ غیر احمدیوں سے انہوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر کافی مناظرے اور سوال جواب کیے۔ پھر وہاں کے ایک اور مربی محب اللہ صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان بزرگان کو ذاتی طور پر جانتا تھا کیونکہ وہاں مَیں اکثر جاتا رہتا تھا۔ خلافت سے بے انتہا پیار کرنے والے، مہمان نواز، وفادار لوگ تھے۔ کہتے ہیں جب سارے جوان سارا دن کام پر ہوتے تھے تو یہ بزرگان مسجد کے سامنے بنے ہوئے چھپر پر بیٹھ کر ایم ٹی اے دیکھتے رہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب اِن کی شہادت ہوئی ہے تو اس کے فوراً بعد مجھے ایک نوجوان کا فون آیا کہ اس طرح ہمارے بزرگوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا اگر آپ احمدیت سے پیچھے ہٹ جائیں تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے مگر انہوں نے شہادت کو ترجیح دی۔ اس نوجوان کا کہنا تھا کہ اگر یہ لوگ ہم سب کو شہید کر دیں تو بھی ہم احمدیت سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں یہ تو صرف نو(9) انصار تھے، اس نوجوان نے کہا یہ تو صرف نو 9 انصار تھے اگر ہم سب خدام لجنہ وغیرہ کو بھی شہید کر دیں تو بھی ہم احمدیت نہیں چھوڑیں گے ان شاء اللہ۔ یہ روح ہے ان مخلصین میں، اس جماعت میں جو انہوں نے پیدا کی۔ جب بڑوں کی تربیت ہو، ان کا نمونہ ہو تو تبھی نوجوانوں اور عورتوں میں یہ جذبہ اور ایمان پیدا ہوتا ہے۔

لوکل مبلغ مائیگا تیجان صاحب ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام ابراہیم صاحب کو قتل کی دھمکیاں دی جارہی تھیں۔ شہادت سے کچھ دن پہلے انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ مجھے قتل کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔ حسنِ خلق کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اپنی فیملی اور رشتہ داروں کے ساتھ بہت حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ سب سے ہمدردی کرنا آپ کی عادت تھی۔ دوسروں کی خاطر قربانی کرنا اور جذبۂ ایثار دکھانا نمایاں اوصاف تھے۔ علاقے کے بہت معزز فرد تھے۔ لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ابراہیم صاحب کوئی فیصلہ کرتے یا کوئی بات کہتے تو لوگ اس کی لاج رکھتے اور اسے مان لیتے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض دوسرے ہمسایہ ممالک میں امام اور معلم کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ برکینا فاسو میں بھی بہت سارے بطور معلم اور لوکل مشنری کام کر رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ **نیکی اور تقویٰ اور مسابقت بالخیر میں دوسروں کے لیے ایک نمونہ تھے**۔ جب بھی احبابِ جماعت کو کوئی تحریک کرتے تو سب سے پہلے خود اس میں حصہ لیتے۔ اگر کوئی مالی قربانی کی تحریک ہوتی تو سب سے پہلے خود شامل ہوتے۔ کبھی جماعتی کاموں میں، جلسہ جات میں، اجتماعات اور دیگر سرگرمیوں میں پیچھے نہیں رہے۔ پانچوں نمازوں کی ادائیگی مسجد میں کرتے۔ نماز تہجد کے پابند تھے۔ اگر کبھی کسی جماعتی سرگرمی میں موجود نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو بیمار ہیں یا سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ جماعتی کاموں میں شرکت کے لیے کبھی اخراجات کی پروانہ کرتے۔ ان کی دو شادیاں تھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو گیارہ بچے عطا کیے۔ خالد محمود صاحب مربی ہیں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اخلاص و وفا سے معمور تھے۔ خلافت کے شیدائی اور فدائی احمدی تھے۔ 2008ء میں جو خلافت جوبلی کا سال تھا جب مَیں نے گھانا کا دورہ کیا تھا، جلسہ پہ وہاں گیا تھا تو ہزاروں احمدی احباب برکینا فاسو اور مالی وغیرہ سے بھی مجھے ملنے کے لیے آئے تھے۔ اس موقع پر گھانا جماعت نے ضیافت اور رہائش کے انتظامات بھی اچھے کیے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود چند احباب جو ڈوری سے آئے تھے یہ لوگ بھی ان میں شامل تھے۔ ان کو کھانا ملنے میں دیر ہو گئی یا کھانا نہیں ملا۔ پھر کافی دیر سے رات کو بازار سے منگوایا گیا اور دیا گیا۔ اس پر مَیں نے ان مربی صاحب کو جب ان کی ملاقات ہوئی کہا تھا کہ ان کو میری طرف سے معذرت کر دیں اور دلداری کریں۔ تو کہتے ہیں مَیں ان کے پاس فوراً گیا، معذرت کی۔ آپ کا یہ پیغام جب دیا تو الحاج ابراہیم صاحب صدر جماعت تھے انہوں نے بیک وقت باقی لوگوں کے ساتھ کہا کہ خلیفۂ وقت کو ہم دیکھنے یہاں آئے تھے، ملنے

آئے تھے۔ جب دیکھ لیا اور مل لیا تو ہماری تھکان اور بھوک ختم ہو گئی ہے۔ کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو آپس میں بیٹھ کے اس ملاقات کا ہی ذکر کر رہے ہیں اور اس کا لطف لے رہے ہیں۔ بہر حال اس وقت مجھے بھی پریشانی تھی کہ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں، بہت سارے اس وقت سائیکلوں پر بھی آئے تھے اور ان کا انتظام نہیں ہوا۔ فوری انتظام کروانے کی کوشش کی گئی لیکن دوسری طرف ان کا اخلاص و وفا ایسا تھا کہ حیران ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی مجھے ان کا یہی پیغام ملا تھا اور مَیں اس وقت بھی حیران تھا کہ یہ کیسے مضبوط ایمان کے لوگ ہیں۔

الحاج محمود ڈیکو صاحب معلم ہیں یہ کہتے ہیں کہ شریف عودہ صاحب بینن کے دورے پر آئے تو امام صاحب نے برکینا فاسو سے بس پہ سوار ہو کے رات سارا سفر کیا اور ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کر کے صبح تین بجے وہاں پہنچے۔ تیس گھنٹے کا تھکا دینے والا سفر تھا۔ وہاں سڑکیں بھی اچھی نہیں ہیں اور بڑے ہشاش بشاش تھے۔ آگے پھر لمبا سفر کرنا تھا وہ بھی انہوں نے اُن کے ساتھ کیا اور سب پروگراموں میں شامل ہوئے۔

ان کو جماعتی خدمت کا ایک جوش تھا۔ بینن میں مساجد دیکھ کر بڑے خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے یہ دیکھو! یہ بھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کی دلیل ہے۔ اسی طرح غیر احمدیوں سے جو بحثیں ہوتی تھیں اس میں یہ عربی میں بڑی فصیح و بلیغ تقریریں کیا کرتے تھے۔ شریف عودہ صاحب کے ساتھ بھی مولویوں کی debate ہو رہی تھی۔ اس وقت انہوں نے کوئی غلط باتیں کیں تو غصہ میں آ کے انہوں نے اٹھ کے جواب دینا چاہا لیکن ان کو جب خاموش کرایا گیا تو فوراً بیٹھ گئے۔ پھر غیر احمدیوں نے کہا کہ اچھا اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں تو ہمارے پیچھے نماز پڑھو۔ تو انہوں نے اس وقت کھڑے ہو کے کہا کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں۔ ہمارے اور وقت کے امام کو قبول نہیں کرتے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ یا تو یہ مان لو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وقت کے امام ہیں تو ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔

بینن کے ایک ریٹائرڈ لوکل معلم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **خلیفہ وقت سے محبت کی ایک زندہ تصویر تھے**۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب مجھے احمدیت کا پیغام ملا جو پاکستانی مبلغ نے دیا تو میں اسی دن سے احمدی ہو چکا تھا۔ مَیں نے یہ سیکھا ہے کہ دنیا کی فلاح صرف نظام خلافت سے وابستہ ہے اور یہی اصل راستہ ہے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہوں گا۔

معلم صاحب کہتے ہیں کہ حقیقتاً جو انہوں نے کہا تھا وہ انہوں نے کر دکھایا۔ پھر بینن کے لوکل معلم عیسیٰ صاحب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا ایک لمبے عرصہ سے ان سے تعلق تھا۔ ایک ایسے احمدی تھے جن کو کسی سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ حقیقی احمدی تھے۔ ایسے احمدی جو ہر عمل میں آگے تھے، تبلیغ میں، چندے میں، ہر چیز میں اول تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وجہ سے باقی آٹھ انصار بھی ان کے پیچھے لبیک کہتے ہوئے اپنی جانیں خدا کے حضور قربان کرنے والے بن گئے۔ پرنسپل جامعہ برکینا فاسو لکھتے ہیں: کسی شخص نے ایک خواب دیکھی اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے امیر جماعت کو یہ لکھ کے بھیجا کہ: ”خواب مبارک ہے اور اس کا مطلب ہے کہ ملک کی مٹی قبولِ حق کے لیے زرخیز ہے اور میرے دورے کے بعد انشاء اللہ صداقت کو قبول کر کے نُور سے چمک اٹھے گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔“

(خط مکرم ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب۔ لندن T.3360 بتاریخ 19/ جون 1990ء)

میرا خیال ہے خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا وہاں دورہ تو نہیں ہوا۔ بہر حال میں دورے پہ 2004ء میں گیا تھا۔ اس کے بعد کہتے ہیں آپ نے بھی لکھا کہ اس کے بعد ”مجھے پورا یقین ہے کہ برکینا فاسو کی سرزمین پر احمدیت کا جو بیج بویا گیا وہ جلد دائمی پھل لائے گا۔

برکینا کے لوگ حقیقتاً بڑے عظیم لوگ ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ خدا نے ان کو احمدیت کے نور سے منور کیا ہے۔ میں نے جو بیداری جماعت برکینا کے افراد میں دیکھی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ امید ہے کہ اگلے دو تین سالوں میں اس دورے کے عظیم الشان نتائج ظاہر ہوں گے اور جماعت تیزی سے ترقی کرے گی ان شاء اللہ۔“

(زیر خط T.9653 بتاریخ یکم مئی 2004ء)

تو یہ مَیں نے اپنے دورے کے بعد ان کو لکھا تھا۔ افریقہ کی جماعتوں میں برکینا فاسو کے احمدیوں میں مَیں نے ایک خاص بات دیکھی ہے کہ ملاقات کے وقت ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مجھ سے گلے لگے۔ اور پھر ان لوگوں کی محبت جو تھی وہ بھی دیکھنے والی ہوتی تھی۔ پرنسپل صاحب لکھتے ہیں کہ آج مہدی آباد کے مخلصین نے غیر معمولی قربانی دے کر ’حقیقتاً بڑے عظیم لوگ ہیں‘ پر مہر تصدیق ثبت کر دی جو آپ نے لکھا تھا۔

دوسرے الحسن آگ مالی آئل صاحب (Alhassane Ag Maliel) ہیں۔ ان کی شہادت کے وقت عمر اکہتر (71) سال تھی۔ پیشے کے لحاظ سے کسان ہیں۔ 1999ء میں احمدیت قبول کی۔ گاؤں کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔ ابراہیم صاحب کے ساتھ مل کر ڈوری مشن میں جانے والے تحقیقاتی وفد میں شامل تھے۔ جب سے آپ نے بیعت کی اخلاص اور وفا میں ترقی کرتے چلے گئے۔ خلافت کے ساتھ بہت اخلاص کا تعلق رکھتے تھے۔ نماز باجماعت کے پابند، تہجد گزار، چندہ جات میں باقاعدہ، اپنی فیملی کے لیے اپنے پیچھے ایک نیک نمونہ قائم کیا۔ مجموعی طور پر آپ نے جماعت کے لیے جان، مال اور وقت کی جو قربانی کی وہ غیر معمولی ہے۔ آپ برکینا فاسو کی چار پانچ زبانیں بولتے تھے جو مختلف مقامی زبانیں ہیں جس کی وجہ سے آپ کا حلقۂ احباب پورے ملک کی جماعتوں میں تھا۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر دوسرے ریجن سے آنے والوں کے ساتھ ان کی زبان جاننے کی وجہ سے بہت گھل مل کر رہتے تھے۔ لوگ آپ کو بہت پسند کرتے۔ ان کی محفل میں بیٹھ کر محظوظ ہوتے۔ جب بھی جماعت کی طرف سے کوئی تحریک ہوتی اس میں آگے بڑھ کر حصہ لیتے۔ گذشتہ سال جماعت کی طرف سے وقفِ عارضی کرنے کی تحریک ہوئی تو مہدی آباد جماعت میں سے سب سے پہلے آپ نے نام لکھوایا۔ سانحہ مہدی آباد میں آپ کے جڑواں بھائی مکرم حسین آگ مالی آئل صاحب کی بھی شہادت ہوئی۔

حسین آگ مالی آئل صاحب یہ بھی جیسا کہ بتایا اِن کے جڑواں بھائی ہیں۔ ان کی عمر بھی اکہتر (71) سال تھی۔ انہوں نے بھی 1999ء میں بیعت کرنے کی توفیق پائی۔ اپنے گاؤں کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔ الحاج ابراہیم صاحب کے ساتھ ڈوری مشن میں جا کر تحقیق کرنے والے گروپ میں شامل تھے۔ اس وقت مہدی آباد میں بطور زعیم انصار اللہ خدمت کی توفیق پا رہے تھے۔ انصار بھائیوں کو بہت اچھے طریق سے منظم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کو جماعتی پروگراموں اور سرگرمیوں میں متحرک رکھتے اور تربیت کے متعدد پروگرام منعقد

کرواتے رہتے۔ مسجد کی صفائی اور دیگر مقامات پر وقارِ عمل کرواتے۔ چندہ جات میں باقاعدہ اور پانچوں نمازیں مسجد میں ادا کرنے کی پابندی کرتے۔ نمازِ تہجد باقاعدہ ادا کرنے والے تھے۔ سانحہ مہدی آباد میں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کے جڑواں بھائی بھی شہید ہوئے تھے۔ ایک دن دنیا میں آئے اور ایک ہی دن دنیا سے گئے۔

حمید و آگ عبدالرحمٰن صاحب۔ ان کی ستاسٹھ (67) سال عمر تھی۔ پیشے کے لحاظ سے یہ بھی کسان تھے۔ 1999ء میں انہوں نے بھی احمدیت قبول کی۔ دل کے بہت صاف، بہت حلیم طبع تھے۔ ہمیشہ جماعتی پروگراموں میں حصہ لینے والے صفِ اوّل میں شمار ہوتے تھے۔ کسی پروگرام سے غیر حاضر ہوتے تو یہ سمجھا جاتا یقیناً کوئی بہت اشد مجبوری یا بیماری ہو گی ورنہ غیر حاضر نہیں ہوتے تھے۔ امام ابراہیم صاحب کے مددگار ساتھیوں میں سے تھے۔ اپنی فیملی کو بھی نظام جماعت کے ساتھ جڑے رہنے اور جماعتی پروگرام میں شرکت کی تلقین کرتے رہتے۔ خلافتِ احمدیہ کے ساتھ وفا کا تعلق تھا۔ بہت سا وقت مسجد میں گزارتے۔ ایم ٹی اے پروگرام دیکھتے رہتے۔ خاص طور پر خطبہ بہت باقاعدگی سے اور توجہ سے سنتے۔

صُلح (Souley) آگ ابراہیم۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ستاسٹھ (67) سال تھی۔ پیشے کے اعتبار سے یہ بھی کسان تھے۔ نماز باجماعت کے بہت پابند، باقاعدگی سے چندہ جات ادا کرنے والے، مجلس انصاراللہ کے متحرک رکن تھے اور جماعت کے بہت مخلص تھے۔ ابراہیم صاحب کے دستِ راست اور مددگار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحبِ علم تھے۔ مذہبی اور علمی گفتگو کرنا آپ کی عادت تھی۔ جب بھی انصار ممبران جماعت میں علمی گفتگو ہو رہی ہوتی آپ ایسی محفل میں پائے جاتے۔ بہت حلیم اور شریف طبیعت کے مالک تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ حسن سلوک کرنا آپ کے اوصاف میں تھا۔ جلسہ سالانہ یا کسی اجتماع پر جاتے ہوئے اگر دیکھتے کہ کسی کے پاس کرایہ کی رقم نہیں ہے یا کم ہے تو اپنی طرف سے اس کی مدد کر دیتے تاکہ وہ بھی شامل ہو جائے۔ ان دنوں میں اس سال ڈوری کے علاقے سے نکل کر سفر کرنا بہت ہمت کا کام تھا کیونکہ ہر طرف دہشت گردوں نے اپنی دہشت پھیلائی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود تمام خطرات کو دیکھتے ہوئے بھی مہدی آباد سے دسمبر کے آخری ہفتہ میں ہونے والے جلسہ سالانہ برکینا فاسو میں شامل ہوئے۔

پھر عثمان آگ سُودے (Soudeye) صاحب ہیں۔ ان کی عمر انسٹھ (59) سال تھی۔ مخلص اور جاں نثار احمدی تھے۔ جماعت کے لیے مال اور وقت کی قربانی کرنے والے تھے اور آخر پر اللہ تعالیٰ نے جان کی قربانی کی بھی توفیق عطا فرما دی۔ مہدی آباد کی مسجد کی تعمیر کے وقت پانی لے کر آتے اور تعمیر کے کاموں میں مسلسل تعاون کرتے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ نمازوں کے بہت پابند تھے۔ چندہ دینے میں باقاعدہ تھے۔ جو کچھ کما کے لاتے پہلے اس سے چندہ کی رقم ادا کرتے۔ کیا ایسی سوچ رکھنے والے پیسے کی لالچ میں بیعت کرتے ہیں جیسا کہ مخالفین کہہ رہے ہیں؟ پیشے کے اعتبار سے آپ ایک تاجر تھے۔ جوتے فروخت کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔ کسی کے پاس اگر جوتا خریدنے کی استطاعت نہیں تھی یا رقم کم ہوتی تو پھر بھی اسے خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔ کسی کو ننگے پاؤں واپس نہیں جانے دیا۔ اگر رقم نہیں ہے یا کم ہے تو کہتے کوئی بات نہیں بعد میں دے دینا۔

پھر آگ علی آگ مگوئیل (Maguel) ۔ یہ 1970ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد صاحب کے ساتھ 1999ء میں احمدیت قبول کی۔ پیشے کے اعتبار سے کسان تھے۔ جماعت احمدیہ بیلارے (Belare) کے مؤذن تھے۔ جب کچھ عرصہ قبل دہشت گردی کی وجہ سے ان کو اپنے گاؤں سے نقل مکانی کرنی پڑی تو انہوں نے مہدی آباد میں سکونت اختیار کر لی۔ بہت مخلص احمدی تھے۔ نمازوں اور چندہ جات میں باقاعدہ تھے اور جماعت کی تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔

پھر موسیٰ آگ ادراہی (Idrahi)۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ترپن (53) سال تھی۔ یہ بھی کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور جماعت کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ احمدی ہونے سے قبل وہابیہ فرقہ کے بہت سرگرم رکن تھے۔ نمازوں کی بہت پابندی کرنے والے، تہجد باقاعدگی سے ادا کرنے والے۔ مغرب کی نماز پر مسجد میں آتے تو عشاء کی نماز پڑھ کر ہی واپس گھر جاتے۔ مغرب اور عشاء کا وقت مسجد میں گزارتے اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ ان کے متعلق ہر کوئی گواہی دیتا ہے کہ ایک حقیقی مومن اور مخلص فدائی احمدی ہونے کا عملی نمونہ تھے۔ مجھے دعائیہ خطوط بھی یہ باقاعدہ لکھتے تھے اور کہتے تھے مَیں بھی خلیفۂ وقت کے لیے باقاعدہ دعا کرنے والا ہوں۔

پھر **نویں ہیں آگ عمر آگ عبدالرحمٰن**۔ ان کی شہادت کے وقت عمر چوالیس (44) سال تھی۔ سب سے چھوٹی عمر کے تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ 1999ء میں بیس سال کی عمر میں انہوں نے احمدیت قبول کی۔ اس کے بعد جماعت کے ساتھ تعلق اور وفا میں ترقی کرتے چلے گئے۔ جماعت مہدی آباد کے بہت مخلص اور فدائی ممبر تھے۔ امام ابراہیم صاحب کے دستِ راست تھے۔ مہدی آباد کے نائب امام الصلوٰۃ بھی تھے۔ جب دہشت گرد مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے امام ابراہیم صاحب کا پوچھنے کے بعد پوچھا کہ نائب امام کون ہے؟ تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بتایا کہ مَیں ہوں۔ آپ ہمیشہ مسجد میں آنے والے اوّلین افراد میں سے ہوتے۔ بہت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ نمازِ تہجد کی پابندی کرنے والے تھے۔ مسجد میں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے کر آتے اور ان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے اور ان میں بھی مجھے خط لکھنے میں بڑی باقاعدگی تھی۔ سائیکل چلانے کے بہت ماہر تھے اور پورے علاقے میں لمبے لمبے سفر کیا کرتے تھے۔ چار دفعہ ڈوری سے 265 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے واگا ڈوگو خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں شامل ہوئے۔ 2008ء میں خلافت جوبلی کے جلسہ میں برکینا فاسو سے گھانا سائیکلوں پر جانے والے قافلے میں یہ شامل تھے۔ یہ جو ہر لفظ کے ساتھ 'آگ' کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ میں ان کی رپورٹوں سے جو سمجھا ہوں وہ یہی ہے کہ وہاں اس کا مطلب 'ابن' کے ہیں کہ فلاں کا بیٹا۔ آگ فلاں یا فلاں آدمی ابن فلاں۔ فلاں فلاں کا بیٹا ابن فلاں۔

بہرحال ان کے بارے میں مزید یہ لکھتے ہیں کہ جب آٹھ افراد کو شہید کیا جا چکا تو آخر پر آگ عمر آگ عبدالرحمٰن صاحب رہ گئے۔ اپنی عمر کے لحاظ سے یہ سب سے چھوٹے تھے۔ دہشت گردوں نے ان سے پوچھا کہ تم جوان ہو۔ احمدیت سے انکار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو تو انہوں نے بڑی شجاعت سے جواب دیا کہ جس راہ پر چل کر میرے بزرگوں نے قربانی دی ہے میں بھی اپنے امام اور بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ایمان کی خاطر اپنی جان

قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر آپ کو بہت بے دردی سے چہرے پر گولیاں مار کر شہید کیا گیا۔

برکینا فاسو میں عمومی طور پر حالات خراب ہیں۔ دہشت گرد بہت سارے علاقوں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ کچھ دن قبل قائد صاحب مجلس دینیا (Denea) مرکز میں، سینٹر میں، مشن ہاؤس میں آئے تھے اور انہوں نے بتایا کہ میری گاؤں میں پرچون کی دکان ہے۔ ایک دن دہشت گردوں میں سے ایک ان کی دکان پر آیا۔ یہ بالکل دوسرا علاقہ ہے اور کچھ خریدنے کے لیے آیا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی تصاویر وہاں ان کی دکان پہ لگی تھیں۔ اس نے قائد صاحب سے پوچھا یہ کون ہیں؟ یہ کن کی تصویر تم نے دکان پہ لگائی ہوئی ہے؟ تو قائد صاحب نے جواب دیا کہ یہ مسیح موعود اور ان کے خلفاء کی تصاویر ہیں۔

کہنے لگا کہ مسیح موعود نہیں بلکہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے اکٹھے ہو کر ایک گروپ بنا لیا ہے یہ وہی لوگ ہیں اور یہ لوگ کافر ہیں اور جانے سے پہلے قائد کو کہا، دھمکی دے کر گیا کہ یہ تصاویر یہاں سے اتار لو ورنہ اگلی دفعہ جب مَیں آؤں گا اور یہ موجود ہوئیں تو پھر تمہارا بہت برا حال ہو گا۔ لیکن بہر حال قائد صاحب نے وہ تصویریں ادھر لگی رہنے دیں۔ کچھ دن کے بعد وہ دوبارہ آیا کچھ خریدنے کے لیے تو دیکھا کہ تصاویر ادھر لگی ہوئی ہیں۔ دیکھ کے چلا گیا تو کہتے ہیں کہ قائد صاحب نے ہمیں یہ واقعہ بتایا اور ساتھ اَور تصاویر بھی طلب کی ہیں۔ اب ڈرنے کی بجائے انہوں نے یہ کہا کہ اب مَیں اَور جگہوں پہ بھی تصویریں لگاؤں گا۔ یہ سارا علاقہ ایک لمبے عرصہ سے ان دہشت گردوں کے کنٹرول میں ہے اور حکومت کا وہاں کنٹرول کوئی نہیں۔ اس علاقے کا بارڈر جو ہے وہ مالی سے ملتا ہے یا دوسری طرف سے ڈوری کا علاقہ نائیجر سے ملتا ہے تو ایک پورا علاقہ، بیلٹ جو ہے تقریباً اس طرح ان کے قبضہ میں ہے۔

بہر حال **یہ احمدیت کے چمکتے ستارے** ہیں، اپنے پیچھے ایک نمونہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں اور نسلوں کو بھی اخلاص و وفا میں بڑھائے۔ دشمن سمجھتا ہے کہ ان کی شہادتوں سے یہ اس علاقے میں احمدیت ختم کر دے گا لیکن ان شاء اللہ پہلے سے بڑھ کر احمدیت یہاں بڑھے گی اور پنپے گی۔ وہاں جو انتظامیہ ہے اس کو اور امیر صاحب کو بھی وہاں حکمتِ عملی کے ساتھ تبلیغی پروگرام بنانا چاہیے جہاں پہ ان لوگوں کی تسلی بھی کرانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لواحقین کو صبر اور حوصلہ بھی دیتا رہے اور ان کے بزرگوں نے جس مقصد کے لیے اپنی جان کے نذرانے پیش کیے ہیں اس کی اہمیت کو سمجھنے کی بھی ان کو توفیق عطا فرمائے۔ بہر حال ایک حکمت اور منصوبہ بندی سے اب ہمیں وہاں کام کرنا ہو گا۔ اس بارے میں پہلے ہی مَیں ان کو کہہ چکا ہوں کہ وہاں جائیں اور مقامی لوگوں سے مل کر جامع منصوبہ بندی حکمت سے کریں۔

شہداء کے خاندانوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے، ان کو پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے خلافتِ رابعہ سے ہی **ایک فنڈ سیدنا بلال فنڈ کے نام سے** قائم ہے جس میں سے شہداء کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ آج کل اس واقعہ کے بعد بعض لوگ انفرادی طور پر بھی اور تنظیمیں اور جماعت بھی یہ ضروریات پوری کرنے کے لیے کچھ رقمیں بھیج رہی ہیں یہ ان کے لیے ہے۔ حالانکہ جب فنڈ ایک قائم ہے تو سب کو چاہیے کہ اپنی رقمیں جو بھی دینا چاہتے ہیں

سیّدنا بلال فنڈ میں جمع کروائیں اور پھر بتادیں کہ ہم نے یہ رقمیں جمع کروائی ہیں اور خاص طور پر ہمارا مقصد جو ڈوری کے، مہدی آباد کے شہداء ہیں ان کے لیے خرچ کرنا ہے تو بہرحال مرکز اس کے مطابق فیصلہ کرلے گا۔ مرکز نے تو چاہے رقمیں آئیں یا نہ آئیں ان لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ہے اور پورا کرنا ہے اور کرے گا انشاء اللہ۔

لیکن لوگ جو دینا چاہتے ہیں وہ اس فنڈ میں، سیدنا بلال فنڈ میں رقمیں جمع کروائیں۔ اور یہ کوئی ان شہداء کے خاندانوں پر احسان نہیں ہے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ان کی ضروریات کا خیال رکھیں اور انہیں پورا کریں۔ آخر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں: ”یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔“ انشاء اللہ۔ ”پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے۔“

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

پس یہ قربانی کرنے والے تو اس آزمائش میں پورے اترے۔ اب پیچھے رہنے والوں کا بھی اپنے ایمان اور یقین میں بڑھنے کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی توفیق دے اور ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اپنے ایمان اور یقین میں کامل رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان شہداء کے مقام کو بلند تر فرماتا چلا جائے۔ ان کی قربانیوں کو وہ پھل پھول لگائے جس کے نتیجہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیم کو جلد از جلد دنیا میں ہم پھیلتا دیکھنے والے ہوں۔ جہالت دنیا سے ختم ہو اور خدائے واحد کی حقیقی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جائے۔ ان شہداء کے جنازوں کے ساتھ جو میں پڑھاؤں گا ابھی نمازوں کے بعد **دو اَور مخلصین کے ذکر**، جنازے بھی ہیں جن میں سے ایک **ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب** ہیں جو صوفی خدا بخش زیروی صاحب کے بیٹے تھے۔ یہ امریکہ میں رہتے تھے۔ چار جنوری کو ان کی تراسی سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ان کے والد صوفی خدا بخش صاحب نے سترہ سال کی عمر میں 1928ء میں قادیان جا کر خلیفہ ثانی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ کریم اللہ زیروی صاحب حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کے داماد بھی تھے۔ بڑے علمی آدمی تھے۔ بعض کتب بھی انہوں نے لکھی ہیں۔ جماعتی خدمت کی بھی انہیں بہت توفیق ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

دوسرا جنازہ زیروی صاحب کی اہلیہ امۃ اللطیف زیروی صاحبہ کا ہے جو کریم اللہ زیروی صاحب کی اہلیہ تھیں۔ امریکہ میں رہتی تھیں اور ملک سیف الرحمٰن صاحب کی یہ بیٹی تھیں۔ یہ 6؍ جنوری کو اپنے میاں کی وفات کے دو دن بعد اٹھہتر سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مرحومہ موصیہ تھیں اور جیسا کہ میں نے کہا ملک سیف الرحمٰن صاحب کی بیٹی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام امۃ الرشید شوکت تھا جو رسالہ مصباح ربوہ کی مدیر رہی ہیں۔ ان کی پیدائش قادیان کی ہے۔ بڑا علمی ذوق رکھنے والی

خاتون تھیں۔ پڑھی لکھی تھیں۔ ایم ایس سی کیا ہوا تھا۔ جماعتی خدمات کی بھی ان کو توفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے بھی مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کے بھائی ملک مجیب الرحمٰن صاحب اپنی بہن اور بہنوئی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بہت محبت کرنے والا جوڑا تھا۔ انہوں نے بہت مشقتیں برداشت کیں لیکن کبھی کسی چیز کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔ میں نے انہیں کبھی کسی کے بارے میں کوئی منفی گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔

دونوں علم کے گہرے سمندر تھے۔ زندگی کے آخری لمحات تک ہر کسی کے ساتھ محبت کرنے والے، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور بے پناہ پیار و محبت کرنے والے تھے۔ ماشاء اللہ بڑی بھرپور اور بہترین زندگی گزاری۔ اپنے معاشرہ اور ماحول میں دوسروں پر نہایت مثبت اثر ڈالنے والے اور اچھا اثر و رسوخ رکھنے والے بزرگ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 10/ فروری 2023ء جلد 30 شمارہ 12 صفحہ 05 تا 11)

4

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 27/ جنوری 2023ء بمطابق 27/ صلح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آج صحابہؓ کے ذکر میں سے ہی کچھ بیان کروں گا۔ پہلا جو ذکر ہے وہ **حضرت ابولُبَابَہ بن عبد المنذرؓ** کا ہے۔ ان کے بارے میں بعض اَور روایات ملی ہیں وہ بھی پیش کر دیتا ہوں۔ تفصیل تو پہلے بھی آچکی ہے۔ علامہ ابن عبدالبَر اپنی تصنیف الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید کی آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا (سورۃ التوبہ:102) کہ اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انہوں نے اچھے اعمال اور دوسرے بد اعمال ملا جلا لیے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولُبَابَہ اور ان کے ساتھ سات آٹھ یا نو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرات غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ بعد میں شرمسار ہوئے اور خدا کے حضور توبہ کی اور اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیا۔ ان کا اچھا عمل توبہ اور ان کا بُرا عمل جہاد سے پیچھے رہنا تھا۔

(الاستیعاب فی معرفة الأصحاب جلد 4 صفحه1741 ابو لُبَابَہ بن عبد المنذر دار الجیل بیروت)

مُجَمِّع بن جَارِیَہ سے روایت ہے کہ حضرت خَنْسَاء بنتِ خِدَام حضرت اُنیس بن قَتَادہؓ کی زوجیت میں تھیں جب آپؓ غزوہ احد کے دن شہید ہوئے۔ پھر حضرت خَنْسَاء بنتِ خِدَامؓ کے والد نے آپ کی شادی مُزَیْنَہ قبیلہ کے ایک آدمی سے کی جسے آپ ناپسند کرتی تھیں۔ حضرت خَنْسَاءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح فسخ کر دیا تو حضرت خَنْسَاءؓ سے حضرت ابولُبَابَہ نے شادی کی جس سے حضرت سَائِب بن ابولُبَابَہ پیدا ہوئے۔ (معرفة الصحابة لأبی نُعَیْم جلد 1 صفحه250، أُنَیس بن قَتَادَةؓ، دار الوطن للنشر)

عبدالجبار بن وَرْد سے روایت ہے کہ مَیں نے ابن ابی مُلَیْکہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ عبداللہ بن ابی یزید کا کہنا ہے کہ حضرت ابولُبَابَہؓ ہمارے پاس سے گزرے ہم ان کے ساتھ تھے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں گئے ان کے ساتھ ہم بھی گھر میں داخل ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے میں بیٹھا ہے۔ مَیں نے اُس سے سنا وہ کہتا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قرآن کو خوش آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ حدیث نمبر: 1471)

پھر ذکر ہے حضرت ابوالضَّیَّاحْ بن ثابِت بن نُعمانؓ کا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوالضَّیَّاحؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر کے لیے نکلے تھے لیکن پنڈلی پر پتھر کی نوک لگنے سے زخم آیا جس کی وجہ سے وہ واپس لَوٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں اُن کا حصہ رکھا۔

(البداية و النهاية جزء 5 صفحه 252 كتاب المغازی فصل غزوه بدر العظمیٰ دار الهجر بيروت 1997ء)

پھر حضرت اَنَسَہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ حضرت اَنَسَہؓ کی کنیت ابو مَسْرُوح اور بعض کے نزدیک ابو مِسْرَح بیان ہوئی ہے۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة جلد 1 صفحه 283، اَنَسَه مولی النبیؐ، دارالكتب العلمية بيروت لبنان، 1995ء)

حضرت اَنَسَہؓ سَرَاۃ میں پیدا ہوئے تھے۔ سَرَاۃ یمن اور حبشہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

(اُسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 1 صفحه 301، اَنَسَهؓ، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(روشن ستارے جلد 1 صفحہ 145)

ان کی ہجرت کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ جب آپؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ حضرت کلثوم بن ہِدْمؓ کے ہاں ٹھہرے جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ حضرت سعد بن خَیْثَمَہؓ کے ہاں ٹھہرے۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد جلد 3 صفحه 35، اَنَسَه مولیٰ رسول اللهﷺ، دارالكتب العلمية بيروت لبنان، 1990ء)

امام زُہریؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے بعد ملاقات کرنے والوں کو ملنے کی اجازت دے دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے لیے حضرت اَنَسَہؓ اجازت لیا کرتے تھے۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد جلد 3 صفحه 36، اَنَسَه مولیٰ رسول اللهﷺ، دارالكتب العلمية بيروت لبنان، 1990ء)

اندر گھر ملاقاتیوں کی اطلاع دینی آپؓ کا کام تھا۔

پھر ذکر ہے حضرت مَرْثَد بن ابی مَرْثَدؓ کا۔ عمران بن مَنَّاح کہتے ہیں کہ جب ابو مَرْثَد اور ان کے بیٹے مَرْثَد بن ابی مَرْثَد نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس وقت آپ دونوں حضرت کلثوم بن ہِدْمؓ کے ہاں ٹھہرے۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ آپؓ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے اور سریہ رَجیع والے دن آپؓ کی شہادت ہوئی۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد جزء3صفحه35 دارالكتب العلمية بيروت2017ء)

حضرت مَرْثَدؓ کے ایک بیٹے اُنَیس بن ابی مَرْثَد الغنوی کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کو انس بھی کہا جاتا ہے مگر اُنَیس اکثر ملتا ہے۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شامل تھے۔

(اسد الغابه جلد 1 صفحه 306 انيس بن مَرْثَد دارالكتب العلمية بيروت 2008ء)

ابن حجر نے حضرت مَرْثَدؓ کی شہادت صفر چار ہجری بیان کی ہے۔

(تهذيب التهذيب جلد 06 صفحه 642 مَرْثَد بن ابی مَرْثَد دارالحديث قاهره 2010ء)

پھر ذکر ہے حضرت ابومَرْثَد کَنَّاز بن الْحُصَیْن الغَنَوِیؓ کا۔ ان کا نام کَنَّاز تھا۔ ولدیت حُصَیْن بن یَرْبُوع۔ آپؓ کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک آپ کا نام کَنَّاز بن حُصَیْن جبکہ بعض کے نزدیک حُصَیْن بن کَنَّاز تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ایمن تھا مگر زیادہ مشہور کَنَّاز بن حُصَیْن ہی تھے۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر عسقلانی، باب الکنی۔ ابو مَرْثَد الغنوی، جزء7 صفحه305 دارالكتب العلمية بيروت)

حضرت ابو مَرْثَدؓ حضرت حمزہؓ کے ہم عمر اور ان کے حلیف تھے۔ آپؓ لمبے قد کے مالک تھے اور آپؓ کے سر کے بال گھنے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 34، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت ابو مَرْثَدؓ اور ان کے بیٹے حضرت مَرْثَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کو غزوۂ بدر میں شرکت کی توفیق ملی۔ آپؓ کے بیٹے حضرت مَرْثَدؓ واقعۂ رَجیع میں شہید ہوئے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر جزء 6 صفحہ 276-277، ابو مَرْثَد الغنوی، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابو مَرْثَدؓ کے ایک پوتے حضرت اُنَیس بن مَرْثَدؓ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ وہ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔

(اَسَد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ لابن اثیر جزء 1 صفحہ 306، اُنَیس بن مَرْثَد دارالکتب العلمیۃ بیروت)

بیان ہوا ہے کہ ربیع الاول دو ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس شتر سوار مہاجرین کا ایک دستہ اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کی قیادت میں مدینہ سے مشرق کی جانب سیف البحر علاقہ عِیص کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھی جلدی جلدی وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مکہ کا رئیسِ اعظم ابوجہل تین سو سواروں کا ایک لشکر لیے ان کے استقبال کو موجود ہے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرائی کرنے لگ گئیں اور لڑائی شروع ہونے والی ہی تھی کہ اس علاقے کے رئیس مَجْدِی بن عَمرو اَلْجُھَنِّی نے جو دونوں فریقوں کے ساتھ تعلق رکھتا تھا درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کروایا اور لڑائی ہوتے ہوتے رک گئی۔ یہ مہم **سریہ حمزہ بن عبد المطلب** کے نام سے مشہور ہے۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 329)

حضرت ابو مَرْثَدؓ بھی اس سریہ میں شامل تھے۔ روایت میں ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا لواء، جھنڈا حضرت حمزہؓ کو باندھا تھا اور اس سریہ میں حضرت حمزہؓ کا یہ جھنڈا حضرت ابو مَرْثَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 2 صفحہ 3-4 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

پھر ذکر ہے حضرت سَلِیط بن قیس بن عمرو کا۔ حضرت سَلِیطؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو عدی بن نَجَّار سے تھا۔

(اَسَد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد 2 صفحہ 538، سَلِیط بن قیس، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

حضرت سَلِیطؓ کی والدہ کا نام حضرت رُغیبہ بنت زُرَارَہؓ تھا جو حضرت اَسْعَد بن زُرارَہؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 388، سَلِیط بن قیس، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1990ء)

ایک روایت میں بیان ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی ولید بن ولید کو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سَلِیط بن قَیسؓ نے قید کیا تھا۔

(امتاع الاسماع جلد 6 صفحہ 248، اولاد عم ام سلمۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1999ء)

فتح مکہ کے موقع پر انصار کے قبیلہ بَنُومَازِن کا جھنڈا حضرت سَلِیط بن قیسؓ کے پاس تھا۔

(امتاع الاسماع جلد 7 صفحہ168– 169، و اما اللواءات والرأیات، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، 1999ء)

اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر بھی بنومازن کا جھنڈا حضرت سَلِیطؓ کے پاس تھا۔

(کتاب المغازی جلد 3 صفحہ 896، غزوہ حنین،مکتبہ عالم الکتب)

تیرہ ہجری میں جبکہ بعض کے مطابق چودہ ہجری کے آغاز میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ جسر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ جنگ مسلمانوں اور فارسیوں کے درمیان موجودہ عراق کے علاقے میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابوعُبَید بن مسعود ثَقَفِیؓ تھے اس لیے اس جنگ کو جنگِ جِسْرَ اَبِی عُبَید بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ کے مزید نام ہیں جنگِ مَرْوَحَہ جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ جنگ قُسُّ النَّاطِفْ۔ یہ بھی دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ اس جنگ میں دو ہزار ایرانی تہ تیغ ہوئے جبکہ بعض روایات کے مطابق چھ ہزار ایرانی مارے گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے بعض روایات کے مطابق اس جنگ میں اٹھارہ سو مسلمان شہید ہوئے جبکہ بعض کے مطابق چار ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں ستر انصار اور بائیس مہاجرین بھی شامل تھے۔ ان شہداء میں حضرت سَلِیط بن قیسؓ بھی شامل تھے۔ بعض کے نزدیک اس معرکہ میں سب سے آخر میں شہید ہونے والے حضرت سَلِیط بن قیسؓ تھے۔

(ماخوذ از الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء جلد 2 جزء 2 صفحہ 124 تا129، عالم الکتب بیروت) (ماخوذ از البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جلد 4 صفحہ 46، مکتبۃ المعارف بیروت) (ماخوذ از اٹلس فتوحات اسلامیہ از احمد عادل کمال حصہ دوم صفحہ 90، معرکہ جسر، مکتبہ دارالسلام)(البدایۃ والنہایۃ جلد 9 صفحہ 594 مطبوعہ دار ھجر بیروت) (معجم البلدان جلد 4 صفحہ 349، دارالصادر بیروت لبنان) (سیر اعلام النبلاء سیر الخلفاء الراشدون صفحہ 100 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1996ء)

بعض مؤرخین کے مطابق آپؓ کی نسل آگے نہیں چلی جبکہ بعض کے مطابق آپؓ کے بیٹے کا نام عبداللہ بن سَلِیط تھا جس نے آپ سے ایک روایت بیان کی ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سَلِیطؓ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ثُبَیْتَہ تھا جو حضرت سُخَیلہ بنتِ صِمَّہؓ کے بطن سے تھی۔ اسد الغابہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ آپؓ کی اولاد کی نسل آگے نہیں چلی۔ عبداللہ بن سَلِیط بن قیس اپنے والد حضرت سَلِیط بن قیسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص کا باغ تھا جس میں کسی دوسرے انصاری شخص کے کھجور کے درخت تھے اور وہ شخص اس باغ میں صبح و شام آیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اس کے درختوں میں سے جو باغ کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کی کھجوریں اس انصاری کو دیا کریں جس کا باغ تھا۔

(اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد 2 صفحہ 538، سَلِیط بن قیس، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان) (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 388، سَلِیط بن قیس، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1990ء)

پھر ذکر ہے حضرت مُجَذَّر بن زِیَادؓ کا۔ موسیٰ بن عُقْبہ نے بیان کیا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ابویَسَر نے ابوبَخْتَرِی کو قتل کیا اور بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ مُجَذَّر نے اسے قتل کیا تھا۔ حضرت مُجَذَّرؓ نے جاہلیت میں سُوَید بن صَامِت کو قتل کر دیا تھا اور اس قتل نے جنگِ بُعَاث کو برانگیختہ کیا تھا۔ بعد میں حضرت مُجَذَّرؓ اور

حضرت حارث بن سُوَید بن صامتؓ نے اسلام قبول کر لیا لیکن حارِث بن سُوَید موقع کی تلاش میں رہے کہ اپنے والد کے بدلہ میں انہیں قتل کریں۔ غزوۂ احد میں جب قریش نے مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کیا تو حارث بن سوید نے پیچھے سے ان کی گردن پر وار کر کے انہیں شہید کر دیا۔ غزوۂ حمراء الاَسَد سے واپسی پر حضرت جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ حارِث بن سُوَید نے مُجَذَّر بن زیاد کو دھوکے سے قتل کر دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ حارِث بن سُوَید کو مُجَذَّر بن زیاد کے بدلے میں قتل کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دن تشریف لے گئے جب قبا میں سخت گرمی تھی۔ حضرت عُوَیم بن سَاعِدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مسجد قبا کے دروازے پر حارث بن سُوَید کو قتل کیا تھا۔ طبقات الکبریٰ کی یہ روایت ہے غالباً۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الجزء الثالث صفحہ283، المُجَذَّر بن زیاد، داراحیاء التراث بیروت1996ء)

(الاصابہ فی تمییزالصحابہ الجزء الخامس صفحہ 572-573، المُجَذَّر بن زیاد، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2005ء)

(امتاع الاسماع جلد10 صفحہ10، فصل فی ذکر من کان یقیم الحدود بین یدی رسول اللّٰہ، دارالکتب العلمیۃ بیروت1999ء)

پھر حضرت رِفَاعَہ بن رَافِع بن مَالِک بن عَجلانؓ کا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت رِفَاعَہ بن رَافِعؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ مُعَاذ بنِ رِفَاعَہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت رِفَاعَہ بن رَافِع اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت معاذ بن عَفْراءؓ نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچے جب دونوں ثَنِیَّہ پہاڑی سے نیچے اترے تو انہوں نے ایک شخص کو درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا۔ راوی کے مطابق یہ واقعہ چھ انصاریوں کے نکلنے سے پہلے کا ہے یعنی بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے کا واقعہ ہے۔

کہتے ہیں کہ جب ہم نے، اُس شخص کو دیکھا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تو ہم نے کہا کہ اس شخص کے پاس چلتے ہیں اور اپنا سامان اس کے پاس رکھوا دیتے ہیں یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کر آئیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہلیت کے رواج کے مطابق سلام کیا مگر آپؐ نے اسلامی طریق کے مطابق سلام کا جواب دیا اور ہم کہتے ہیں کہ ہم نبی کے بارے میں سن تو چکے تھے کہ مکہ میں کسی نے دعویٰ کیا ہے مگر ہم نے آپؐ کو نہ پہچانا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپؐ نے کہا کہ نیچے اتر آؤ۔ پس ہم نیچے اتر آئے اور آپؐ سے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو نبوت کا دعویدار ہے اور وہ کہتا ہے جو بھی وہ کہتا ہے یعنی جو بھی اس کا دعویٰ ہے وہ اپنے دعویٰ کے متعلق کہتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مَیں ہی ہوں۔ پھر کہتے ہیں میں نے کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسلام کے بارے میں بتایا اور پوچھا کہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ بت کس نے پیدا کیے ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ ہم نے کہا یہ ہم نے خود بنائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پھر پیدا کرنے والا عبادت کا زیادہ حق دار ہے یا وہ جن کو پیدا کیا گیا ہے۔ پھر تو تم زیادہ حقدار ہو کہ تمہاری عبادت کی جائے کیونکہ تم بتوں کے پیدا کرنے والے ہو اور پھر آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی عبادت اور اس کی گواہی کی طرف بلاتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں اور یہ کہ مَیں اللہ کا رسول ہوں اور آپس میں صلہ رحمی کرنے اور دشمنی کو چھوڑ دینے کی طرف بلاتا ہوں جو لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ہو۔ ہم نے کہا کہ نہیں اللہ کی قسم! جس چیز کی طرف آپؐ بلاتے ہیں اگر جھوٹی ہوئی تو بھی یہ عمدہ باتیں ہیں اور اَحسن اخلاق ہیں۔ آپؐ ہماری سواری کو سنبھالیں یہاں تک کہ ہم طواف کر آئیں۔ مُعَاذ بن عَفْرَاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی بیٹھے رہے۔

رِفَاعَہ بن رَافِع کہتے ہیں پس میں بیت اللہ کا طواف کرنے گیا۔ میں نے سات تیر نکالے اور ایک تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقرر کر لیا جو اُن کا طریقہ تھا۔ دل کی تسلی کے لیے یہ تیروں سے شگون لیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں پھر بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا مانگی۔ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کی طرف بلاتے ہیں اگر وہ حق ہے تو ساتوں بار انہی کا تیر نکال۔ میں نے سات بار قرعہ ڈالا اور ساتوں بار آپؐ کا ہی تیر نکلا۔

میں زور سے بولا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه۔ پس لوگ میرے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے یہ شخص مجنون ہے، صابی ہو گیا ہے۔ میں نے کہا بلکہ مومن آدمی ہے۔ یعنی جس کی تم باتیں کر رہے ہو وہ تو مجنون ہے، صابی ہے لیکن میں نے کہا نہیں بلکہ مجھے تو لگتا ہے مومن آدمی ہے۔ پھر میں مکہ کے بالائی علاقے میں آ گیا۔ پس جب مُعاذ نے مجھے دیکھا تو کہا رِفَاعَہ ایسے نورانی چہرے کے ساتھ آ رہا ہے جیسا کہ جاتے وقت نہ تھا۔ یعنی کلمہ پڑھنے سے پہلے وہ نورانی چہرہ نہیں تھا جیسا کہ اب ہے۔ پس میں آیا اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورۂ یوسف اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھائی۔ پھر ہم واپس آ گئے۔

(المستدرك على الصحيحين جلد 4 صفحه165-166 كتاب البرّوالصّله حديث7241 مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت 2002ء)

حضرت رِفاعہ بن رَافِعؓ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا جس کی وجہ سے میری آنکھ پھوٹ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ پر اپنا لعاب لگایا اور میرے لیے دعا کی تو مجھے اس سے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

(سبل الهدٰى والرشاد جلد4 صفحه53 باب ذكر بركة اثر ريقه ويده صلى الله عليه وسلم دارالكتب العلمية بيروت1993ء)

ایک دوسری روایت کے مطابق جنگِ بدر کے دن تیر حضرت رِفَاعَہ بن رَافِعؓ کو نہیں بلکہ ان کے والد رَافِع بن مَالِک کی آنکھ میں لگا تھا۔

(المستدرك على الصحيحين كتاب البرّوالصّله صفحه1876 حديث نمبر5024 مكتبه نزار مصطفى البار2000ء)

بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے لیکن نتیجہ بہر حال وہی ہے کہ تکلیف دُور ہوئی۔ حضرت رِفَاعَہ بن رَافِعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ہم بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اسی دوران ایک شخص آپؐ کے پاس آیا جو بدوی لگ رہا تھا۔ اس نے آ کر نماز پڑھی اور بہت ہلکی پڑھی۔ پھر مڑا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو۔ واپس جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ پھر گیا اور نماز پڑھی۔ پھر وہ آیا اور آ کر اس نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا تم پر بھی سلامتی ہو اور فرمایا کہ واپس جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح اس نے دو بار یا تین بار

کیا۔ ہر بار وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپؐ کو سلام کرتا اور آپؐ فرماتے تم پر بھی سلام ہو۔ واپس جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تو لوگ ڈرے اور ان پر یہ بات گراں گزری کہ جس نے ہلکی نماز پڑھی ہے اس نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ وہاں جو لوگ، صحابہ ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے ان کو بڑا خوف محسوس ہوا کہ اس کا مطلب ہے کہ ہلکی نمازیں تو پھر نماز ہی نہیں ہے۔ ہمیں بھی اس لحاظ سے اپنا جائزہ لینا چاہیے۔

آخر اس آدمی نے عرض کیا کہ ہمیں پڑھ کر دکھا دیں اور مجھے سکھا دیں۔ میں انسان ہی تو ہوں میں صحیح بھی کرتا ہوں اور مجھ سے غلطی بھی ہو جاتی ہے تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو جیسے اللہ نے تمہیں وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اگر تمہیں کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھو ورنہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَر اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہو۔ پھر رکوع میں جاؤ اور خوب اطمینان سے رکوع کرو۔ اس کے بعد بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو اور خوب اعتدال سے سجدہ کرو۔ پھر بیٹھو اور خوب اطمینان سے بیٹھو پھر اٹھو۔ جب تم نے ایسا کر لیا تو تمہاری نماز پوری ہو گئی اور اگر تم نے اس میں کچھ کمی کی تو تم نے اتنی ہی اپنی نماز میں سے کمی کی۔

(سنن الترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی وصف الصلوٰۃ حدیث: 302)

حضرت رِفَاعَہ بن رَافِعؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ پوری طرح وضو کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور اپنے سر کا مسح کرے اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔

(سنن ابن ماجه کتاب الطهارة باب ما جاء فی الوضوء حدیث : 460)

ایک اَور روایت میں حضرت رِفَاعَہ بن رَافِعؓ سے اس واقعہ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب تم کھڑے ہو اور تم نے قبلہ کی طرف رخ کیا تو اللہ اکبر کہو اور سورہ فاتحہ پڑھو اور اس کے ساتھ جتنا قرآن اللہ چاہے، جتنا تمہیں یاد ہے یا جو پڑھنا چاہتے ہو تم پڑھو جب تم رکوع کرو تو اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو اور اپنی کمر سیدھی رکھو اور انہوں نے کہا جب تم سجدہ کرو تو اطمینان سے سجدہ کرو اور جب تم سر اٹھاؤ تو اپنے بائیں ران پر بیٹھو۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع و السجود حدیث نمبر859)

پھر ذکر ہے حضرت ابواُسَید مَالِک بن رَبِیعہؓ کا۔ عثمان بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ میں نے ابواُسَید کو دیکھا وہ اپنی داڑھی زرد رنگتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحه 421 دارالکتب العلمیة بیروت 2017ء)

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ اَبُو اُسَید مَالِك بن رَبِیعه غزوہ بدر میں شریک تھے جب ان کی اخیر عمر میں بینائی چلی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر آج میں بدر کے مقام پر ہوتا اور میری بینائی بھی ٹھیک ہوتی تو مَیں تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔ مجھے اس میں ذرا بھی شک اور وہم نہیں ہو گا۔

(السیرة النبویة لابن هشام صفحه 431 دارالکتب العلمیة بیروت 2001ء)

ابو اُسَید مَالِک بن رَبِیعہ سَاعِدی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران بنو سَلَمہ کا ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ کے

مر جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی کوئی صورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ ان کے لیے دعا کرنا اور ان کے لیے استغفار کرنا۔ ان کے بعد ان کے وعدوں کو پورا کرنا اور جو ان دونوں کے رشتہ دار ہیں ان سے صلہ رحمی کرنا، انہیں جوڑے رکھنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔

(سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی بر الوالدین حدیث: 5142)

اس طرح ان کو بھی ثواب پہنچتا رہے گا۔ ان کی روح کو بھی ثواب پہنچتا رہے گا۔ ان کی مغفرت کے سامان ہوتے رہیں گے۔ مَالِک بن رَبِیعہ سے مروی ہے کہ مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا: اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔ تو ایک شخص نے کہا اور بال کتروانے والوں کی؟ تو آپؐ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا اور بال کتروانے والوں کی بھی۔ مَیں بھی اس روز سر منڈائے ہوئے تھا مجھے اس سے جو مسرت ہوئی وہ مجھے سرخ اونٹ یا بہت زیادہ مال ملنے پر بھی نہ ہوتی۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 2 صفحہ 79-80 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

عثمان بن اَرْقَم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا: تمہارے پاس جو مالِ غنیمت ہے اسے چھوڑ دو تو حضرت ابو اُسَید السَّاعِدیؓ نے عَائِذ المرزبان کی تلوار رکھ دی تو حضرت ارقمؓ نے اسے اٹھالیا۔ اور کہا یا رسول اللہؐ! یہ مجھے دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ان کو عطا کر دی۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم جلد 1صفحہ 295 حدیث 1022 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

پھر حضرت عبداللہ بن عبدالاسدؓ کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ محمد بن عُمَارہ کہتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والوں میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت ابو سَلَمَہ بن عَبدالاَسَدؓ تشریف لائے۔ وہ دس محرم کو مدینہ آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول کو مدینہ میں تشریف لائے۔ وہ مہاجرین جو سب سے پہلے آئے اور بنو عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور جو مہاجرین آخر پر آئے ان کے درمیان دو مہینوں کا فرق ہے۔

حضرت ام سَلَمہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو سَلَمہؓ نے جب مدینہ ہجرت کی تو قبا میں حضرت مُبَشِّر بن عَبدِالمنذرؓ کے ہاں ٹھہرے۔ ہجرت کی تو وہ قبا میں حضرت مُبَشِّر بن عَبدِالمنذرؓ کے ہاں ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سَلَمہ بن عبدالاَسَدؓ اور حضرت سَعْد بن خَیْثَمَہ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جز 3 صفحہ 181 ومن بنی مخزوم :ابو سَلَمہ بن عبد الاَسَد دارالکتب العلمیۃ بیروت)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ بنو طے کے ایک شخص نے جو کہ اپنی بھتیجی سے ملنے کے لیے مدینہ آیا تھا یہ خبر دی کہ خُوَیلِد کے بیٹے طُلَیْحَہ اور سَلَمہ اپنی قوم اور اپنے حلیفوں میں گھوم رہے ہیں اور اپنی قوم اور ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکا کر جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اَبُو سَلَمہ یعنی حضرت عَبدُاللہ بن عَبدُالاَسَد کو بلا کر بنو اَسَد کی سرکوبی کے لیے ڈیڑھ سو مہاجرین اور انصار کی سرکردگی میں بھیجا اور ان کو لِوَاء یعنی ایک پرچم تیار کر کے دیا اور جس شخص نے بنو اَسَد کے متعلق یہ اطلاع دی تھی اس کو بطور رہبر ساتھ بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سَلَمہؓ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تم آگے بڑھتے رہو یہاں تک کہ بنو اَسَد کے علاقے میں جا کر پڑاؤ ڈالو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ تمہارا سامنا

کریں تم ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ اس حکم پر حضرت ابو سَلَمہؓ نہایت تیزی کے ساتھ رات دن سفر کرتے ہوئے عام راستوں سے ہٹ کر چلے تا کہ بنو اَسَد کو ان کی پیش قدمی کی خبر ہونے سے پہلے وہ ان کے سر پر اچانک پہنچ جائیں۔ آخر چلتے چلتے وہ بنو اَسَد کے ایک چشمے پر پہنچ گئے اور انہوں نے مویشیوں کے باڑے پر حملہ کر دیا اور ان کے تین چرواہوں کو پکڑ لیا۔ باقی تمام لوگ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت ابو سَلَمہؓ نے اپنے دستے کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ اپنے پاس رکھ کر باقی دو کو اِدھر اُدھر روانہ کر دیا۔ یہ لوگ کچھ اَور اونٹ اور بکریاں پکڑ لائے مگر کسی آدمی کو نہ پکڑ سکے۔ اس کے بعد حضرت ابو سَلَمہؓ واپس مدینہ لوٹ آئے۔ یہ سیرت الحلبیہ کا حوالہ ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جز ء ثالث صفحہ 231، باب سراياه و بعوثه، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

عمرو بن ابو سَلَمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو سَلَمہؓ غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور ابو اُسَامہ جُشَمِی نے غزوہ احد میں انہیں زخمی کیا۔ اس نے حضرت ابو سَلَمہؓ کے بازو پر برچھی سے وار کیا۔ حضرت ابو سَلَمہؓ ایک ماہ تک اس زخم کا علاج کرتے رہے جو بظاہر اچھا بھی ہو گیا۔ زخم مندمل ہو گیا جس کی خرابی کو کوئی نہ پہچانتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پینتیسویں مہینے محرم میں انہیں ایک سریہ میں قَطَن میں بنو اَسَد کی طرف بھیجا۔ قَطَن کے متعلق کہتے ہیں یہ عَنِیْزَہ (نجد) اور خیبر کے وسط میں ایک پہاڑی ہے جس کے شمال میں بنو اَسَد بن خزیمہ آباد تھے۔ بہر حال وہ دس سے زائد راتیں مدینہ سے باہر رہنے کے بعد واپس لوٹے تو ان کا زخم خراب ہو گیا اور وہ بیمار ہو گئے اور تین جمادی الآخر چار ہجری کو وفات پا گئے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جز 3 صفحہ 182 ومن بنی مخزوم: ابو سَلَمہ بن عبد الاَسَد دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(فرہنگ سیرت صفحہ 237 زوار اکیڈمی کراچی 2003ء)

اَبُو قِلَابَہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سَلَمہ بن عبد الاَسَدؓ کے پاس عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس پر وہاں عورتوں نے کچھ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُک جاؤ۔ اپنی جانوں کے لیے خیر کے سوا اَور کوئی دعا نہ کیا کرو کیونکہ فرشتے میت کے پاس یا فرمایا میت کے اہل کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ وہ ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ لہٰذا اپنے لیے سوائے خیر کے اَور کوئی دعا نہ کرو۔ یہ رونا پیٹنا جو ہے ناں جس کو ہمارے ہاں سیاپے کرنا بھی کہتے ہیں وہ نہیں ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا: اے اللہ! ان کے لیے ان کی قبر کو کشادہ کر دے اور ان کے لیے اس میں روشنی کر دے۔ ان کے نور کو بڑھا دے اور ان کے گناہ کو معاف کر دے۔ اے اللہ! ان کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند کر۔ اور ان کے پسماندگان میں تو ان کا قائمقام ہو جا۔ ہمیں اور ان کو بخش دے۔ اے رب العالمین! پھر فرمایا: جب روح نکلتی ہے تو نظر اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ کیا تم اس کی آنکھیں کھلی نہیں دیکھتے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جز 3 صفحہ 183 ومن بنی مخزوم: ابو سَلَمہ بن عبد الاَسَد دارالکتب العلمیۃ بیروت)

پھر ذکر ہے حضرت خَلَّاد بن رَافِع اَلزُّرَقِیؓ کا۔ یہ انصاری تھے۔ حضرت خَلَّاد بن رَافِعؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو خزرج کی شاخ عَجْلَان سے تھا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ 472 دارالکتب العلمیۃ بیروت مطبوعہ 2001ء)

ان کی والدہ کا نام ام مَالِک بنت اُبَی بن مَالِك تھا۔ حضرت خَلَّادؓ کے بیٹے کا نام یحییٰ تھا جو ام رَافِع بنت عثمان

بن خَلْدَہ کے بطن سے تھے۔ یہی لکھا ہے کہ ان کے تمام بچے شروع میں ہی وفات پا گئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ،الجزء الثالث صفحہ 447 خَلَّادْ بن رَافِع دارالکتب العلمیۃ1990ء)

جیسا کہ نماز پڑھنے کے بارے میں ایک روایت بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین دفعہ ایک شخص کو فرمایا کہ دوبارہ پڑھو۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی۔ پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو اور اسی طرح اس کو دوبارہ لوٹا دیا۔ پھر اس کو لوٹایا اور یہی کہا کہ واپس جاؤ اور نماز پڑھو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا اس لیے آپؐ مجھے سکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو۔ پھر قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو یعنی سورہ فاتحہ کے بعد جو میسر ہے۔ پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہو جائے۔ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تمہیں سجدے میں اطمینان ہو جائے۔ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ الغرض اپنی ساری نماز میں اسی طرح کرو۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 757)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ وہ شخص جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا وہ حضرت خَلَّادْ بن رَافِعؓ تھے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح جز 2 صفحہ 458 باب صفۃ الصلاۃ حدیث نمبر 790 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

پھر حضرت عَبَّاد بن بِشْرؓ کا ذکر ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر بھی حضرت عَبَّاد بن بشرؓ کو بھرپور خدمت کی توفیق ملی۔ چنانچہ حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مَیں خندق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور کسی جگہ بھی آپؐ سے الگ نہیں ہوئی۔ آپؐ خود بھی خندق کی نگرانی فرماتے تھے۔ ہم سخت سردی میں تھے میں آپؐ کو دیکھ رہی تھی کہ آپؐ اٹھے اور جس قدر اللہ نے چاہا آپؐ نے اپنے خیمے میں نماز پڑھی۔ پھر آپؐ باہر نکلے اور دیکھا۔ کچھ دیر کے لیے نظر دوڑائی پھر میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا یہ تو مشرکوں کے گھڑ سوار ہیں جو خندق کا چکر لگا رہے ہیں۔ انہیں کون دیکھے گا؟ پھر آپؐ نے آواز دی۔ اے عَبَّاد بن بِشْر! حضرت عَبَّادؓ نے عرض کی میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اَور بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ہوں۔ ہم آپؐ کے خیمے کے ارد گرد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاؤ اور خندق کا چکر لگاؤ۔ یہ ان مشرکین کے گھڑ سواروں میں سے کچھ گھڑ سوار ہیں جو تم پر چکر لگا رہے ہیں اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ تمہاری غفلت میں اچانک تم پر حملہ کر دیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم سے ان کے شر کو دُور کر دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما اور ان کو مغلوب کر دے۔ تیرے علاوہ کوئی انہیں مغلوب نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت عَبَّاد بن بِشْرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے اور دیکھا کہ ابوسفیان مشرکین کے چند گھڑ سواروں کے ساتھ تھا اور وہ خندق کی تنگ جگہ کا

چکر لگا رہا تھا اور مسلمان جو اس کنارے پر وہاں بیٹھے تھے، ان کے بارے میں آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے، مسلمانوں نے ان پر پتھر اور تیر برسائے۔ پھر ہم بھی ان کے ساتھ رک گئے اور ہم نے بھی ان پر تیر اندازی کی یہاں تک کہ ہم نے ان مشرکین کو تیر اندازی کرتے ہوئے اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنے ٹھکانوں کی طرف لَوٹ گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور مَیں نے آپؐ کو نماز کی حالت میں پایا۔ پھر مَیں نے آپؐ کو اس واقعہ کے بارے میں آگاہ کیا۔ حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کی سانس کی آواز سنی اور آپؐ اس وقت تک نہ اٹھے یہاں تک کہ مَیں نے حضرت بلالؓ کو صبح کی اذان دیتے ہوئے سنا اور فجر کی سفیدی نظر آگئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ **اللہ تعالیٰ عَبَّاد بن بِشْر پر رحم فرمائے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے سب سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے ساتھ چمٹے رہے اور ہمیشہ اس کی حفاظت کرتے رہے۔**

(کتاب المغازی للواقدی جزء1 صفحہ 396-397، غزوۃ الخندق، دارالکتب العلمیۃ بیروت مطبوعہ2013ء)

''حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ انصار میں سے تین اشخاص اپنی افضلیت میں جواب نہیں رکھتے تھے یعنی ''حضرت ''اُسَید بن الحُضَیر، ''حضرت ''سَعد بن مُعَاذ اور ''حضرت ''عَبَّاد بن بِشْر۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 229)

تحویلِ قبلہ کے متعلق روایت ہے۔ اس میں حضرت عَبَّاد بن بِشْر کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ حضرت تُوَیْلَہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم بنو حارِثہ میں ظہر یا عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں کہ ایک آدمی آیا اور اس نے آکر ہمیں بتایا کہ قبلہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ پھر ہم نے جگہ تبدیل کر لی اور مرد عورتوں کی جگہ کی طرف منتقل ہو گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ کی طرف۔ ایک روایت کے مطابق اس اطلاع دینے والے آدمی کا نام حضرت عَبَّاد بن بِشْر بن قَیْظِی تھا جو کہ قبیلہ بنو حَارِثہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق یہ شخص عَبَّاد بن بِشْر بن وَقْش تھے جو بَنُو عَبدِالاَشْهَل سے تعلق رکھتے تھے۔

(اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جزء3 صفحہ 148-149۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(سیر اعلام النبلاء لامام الذہبی جزء 1 صفحہ 339، عَبَّاد بن بشر، الرسالۃ العالمیۃ الطبعۃ الثانیۃ 2014ء)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریشِ مکہ کی طرف سے سُہَیل بن عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت کی غرض سے آیا تو اس وقت بھی حضرت عَبَّاد بن بشر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی خَود پہنے کھڑے تھے اور آپ کے ساتھ ایک اَور صحابی حضرت سَلَمہ بن اسلم بھی تھے۔ دورانِ گفتگو جب سہیل کی آواز بلند ہوئی تو حضرت عَبَّاد بن بِشْر نے اسے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آواز دھیمی رکھو۔

(سبل الھدٰی والرشاد جزء 5 صفحہ 52 باب ذکر الھدنۃ و کیف الصلح یوم الحدیبیۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت عَبَّاد بن بِشْر ہر غزوے کے موقع پر پیش پیش رہے چنانچہ جب عُیَیْنَہ بن حِصْن فَزَارِی،

بنو غَطْفَان کے چند سواروں کے ساتھ غابہ پر حملہ آور ہوا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھیل اونٹنیاں چرا کرتی تھیں تو انہوں نے اونٹنیوں کی نگرانیوں پر متعین آدمی کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کو ساتھ لے گئے۔ جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو گھڑ سوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ روایت میں ذکر ہے کہ انصار میں سے حضرت مِقْدَاد بن اَسْوَد رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے حضرت عَبَّاد بن بِشْر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جزء 3-4 صفحہ 174-175 غزوۃ ذی قرد، دارالکتاب العربی بیروت مطبوعہ 2008ء)

یہ مہم غزوہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری میں بھی آئی ہے۔ یَزِید بن ابی عُبَید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

مَیں نے حضرت سَلَمہ بن اکوعؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نماز فجر کی اذان سے پہلے مدینہ سے نکل کر غابہ کی طرف گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھیل اونٹنیاں ذی قرد مقام پر چَر رہی تھیں۔ کہتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک لڑکا مجھے رستے میں ملا۔ کہنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں لے گئے ہیں۔ میں نے کہا کون لے گئے ہیں؟ اس نے کہا غَطْفَان کے لوگ۔ کہتے تھے کہ یہ سنتے ہی میں نے یا صَبَاحَاہ کی آواز تین بار بلند کی اور ان کو پہنچا دی جو مدینہ کے دو پتھریلے میدانوں میں تھے۔ پھر اپنے سامنے بے تحاشا دوڑ پڑا یہاں تک کہ ان لٹیروں کو جالیا اور وہ جانوروں کو پانی پلانے لگے تھے۔ میں نے انہیں تیروں کا نشانہ بنایا اور میں اچھا تیر انداز تھا اور یہ رجز کہتا جاتا تھا۔ میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن وہ ہے جس میں معلوم ہو جائے گا کہ دودھ پلانے والیوں نے کسے دودھ پلایا ہے اور میں گرجتے ہوئے یہ رجزیہ شعر پڑھتا تھا یہاں تک کہ ان سے تمام دودھیل اونٹنیاں چھڑا لیں اور ان سے تیس چادریں بھی چھین لیں۔ کہتے تھے کہ میں اسی حال میں تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں سمیت آ پہنچے۔ مَیں نے کہا نبی اللہ! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا اور وہ پیاسے تھے۔ آپ ان کی طرف اس وقت دستہ بھیجیے۔ آپؐ نے فرمایا:

اکوع کے بیٹے! تم نے ان پر قابو پا لیا ہے اس لیے نرمی کرو۔ حضرت اکوعؓ کہتے تھے پھر ہم لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا اور ہم اسی حالت میں مدینہ میں داخل ہوئے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی بَاب غَزْوَةُ ذَاتِ قَرَدٍ روایت نمبر4194)

پھر ذکر ہے حضرت حَاطِبْ بن اَبِی بَلْتَعَہؓ کا۔ ان کی وفات تیس ہجری میں پینسٹھ سال کی عمر میں مدینہ میں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد3 صفحہ 84 و من حلفاء بنی اسد۔دارالکتب العلمیۃ 1990ء)

ان کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بھی آپ کو مُقَوقس کے پاس مصر بھیجا اور ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عَمرو بن عاصؓ کے حملہ مصر تک طرفین کے درمیان قائم رہا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ جلد1 صفحہ 314 حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعہ اللخمی۔دارالجیل بیروت1992ء)

حضرت حَاطِبؓ خوبصورت جسم کے مالک تھے۔ ہلکی داڑھی تھی۔ گردن جھکی ہوئی تھی۔ پست قامت کی

طرف مائل اور موٹی انگلیوں والے تھے۔ یعقوب بن عُتْبہ سے مروی ہے کہ حضرت حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعَہؓ نے اپنی وفات کے دن چار ہزار دینار اور دراہم چھوڑے۔ آپؓ غلّہ وغیرہ کے تاجر تھے اور آپؓ نے اپنا تر کہ مدینہ میں چھوڑا۔

(الطبقات الکبریٰ لا بن سعد الجزء الثالث صفحہ 85 و من حلفاء بنی اَسَد دارالکتب العلمیہ 1990ء)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حَاطِب کا غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپؓ کی شکایت لے کر آیا۔ غلام نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! حَاطِب ضرور جہنم میں داخل ہو گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُو نے جھوٹ بولا۔ وہ اس میں ہر گز داخل نہیں ہو گا کیونکہ وہ غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شامل ہوا تھا۔

(سنن ترمذی ابواب المناقب باب فیمن سب أصحاب النبی ﷺ حدیث نمبر 3864)

حضرت سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعَہؓ کے پاس سے گزرے وہ بازار میں کشمش بیچ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا تو اپنی قیمت زیادہ کریں یا پھر ہمارے بازار سے چلے جائیں۔ مزید لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ عید گاہ کے بازار میں حضرت حَاطِبؓ کے پاس سے گزرے۔ ان کے سامنے دو ٹوکریاں کشمش کی بھری پڑی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے ان کا نرخ پوچھا تو انہوں نے کہا دو مُدّ ایک درہم میں دے رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ مجھے طائف سے آنے والے قافلے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ آپؓ کے نرخ کا اعتبار کرتے ہیں۔ یا تو آپؓ نرخ زیادہ کریں یا پھر گھر میں بیٹھ کر جیسے چاہیں بیچیں۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ گھر آئے اور سوچ بچار کی تو پھر حضرت حَاطِبؓ کے گھر ان سے ملنے گئے اور ان سے کہا جو کچھ مَیں نے آپؓ سے کہا تھا وہ میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے اور نہ میری طرف سے وہ فیصلہ تھا۔ میں نے یہ بات صرف شہریوں کی بھلائی کے لیے کی تھی۔ آپؓ جہاں چاہیں بیچیں اور جتنے میں چاہیں بیچیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جزء6 حدیث11146۔ جماع ابواب السلم۔ باب التسعیر۔صفحہ48۔ دارالکتب العلمیۃ 2003ء)

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مدینہ منورہ میں قیمتوں پر اسلامی حکومت تصرف رکھتی تھی۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں پھر رہے تھے کہ آپؓ نے دیکھا ایک شخص حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعَہ اَلْمُصَلّٰی نامی بازار میں دو بورے سوکھے انگوروں کے رکھے بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بھاؤ دریافت کیا تو انہوں نے ایک درہم کے دو مُدّ بتائے۔ یہ بھاؤ بازار کے عام بھاؤ سے سستا تھا۔ اس پر آپؓ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے گھر جا کر فروخت کریں مگر بازار میں وہ اِس قدر سستے نرخ پر فروخت نہیں کرنے دیں گے کیونکہ اِس سے بازار کا بھاؤ خراب ہوتا ہے اور لوگوں کو بازار والوں پر بدظنی پیدا ہوتی ہے۔“

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ: ”فقہاء نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں کہ بعد میں حضرت عمرؓ نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا تھا مگر بالعموم فقہاء نے حضرت عمرؓ کی رائے کو ایک قابلِ عمل اصل کے طور پر تسلیم کیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ریٹ مقرر

کرے ورنہ قوم کے اخلاق اور دیانت میں فرق پڑ جائے گا مگر یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس جگہ انہی اشیاء کا ذکر ہے جو منڈی میں لائی جائیں۔ جو اشیاء منڈی میں نہیں لائی جاتیں اور انفرادی حیثیت رکھتی ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔

پس جو چیزیں منڈی میں لائی جاتی ہیں اور فروخت کی جاتی ہیں اُن کے متعلق اسلام کا یہ واضح حکم ہے کہ ایک ریٹ مقرر ہونا چاہئے تا کوئی دکاندار قیمت میں کمی بیشی نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض آثار اور احادیث بھی فقہاء نے لکھی ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔" (خطبات محمودؓ۔ جلد 19 صفحہ 307-308)

یہاں مقابلہ بازی میں پھر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے ایک ریٹ ہو۔ غزوۂ بنو مصطلق پانچ ہجری سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقیع کے مقام سے گزرے تو وہاں وسیع علاقہ اور گھاس دیکھی اور بہت سے کنویں دیکھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنوؤں کے پانی کے متعلق پوچھا تو عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم ان کنوؤں کی تعریف کرتے ہیں تو ان کا پانی کم ہو جاتا ہے اور کنویں بیٹھ جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعَہؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک کنواں کھود دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو چراگاہ بنانے کا حکم دیا۔ حضرت بلال بن حارث مُزَنِیؓ کو اس پر نگران مقرر فرمایا۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس زمین میں سے کتنے حصہ کو چراگاہ بناؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب طلوع فجر ہو جائے تو ایک بلند آواز شخص کو کھڑا کرو۔ رات کے اندھیرے میں تو دُور تک آوازیں جاتی ہیں اس لیے دن کے وقت جب دن چڑھ جائے تو اس وقت ایک شخص کو کھڑا کرو پھر اسے مُقَمَّلْ نامی پہاڑی پر کھڑا کر کے جہاں تک اس شخص کی آواز جائے اتنے حصہ کو مسلمانوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کی چراگاہ بنا دو جس کے ذریعہ سے وہ جہاد کر سکیں۔ یعنی جہاد کے لیے مسلمانوں کے جو گھوڑے اور اونٹ ہیں وہ وہاں چریں۔

حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مسلمانوں کے چرنے والے جانوروں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ مسلمانوں کے جو دوسرے جانور ہیں ان کے بارے میں (کیا رائے ہے؟)۔ آپؐ نے فرمایا: وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے صرف جہادی جو جہاد کے لیے استعمال ہونے والے ہیں وہی اس جگہ سے چر سکتے ہیں۔ باقی اپنی اپنی چراگاہوں پر جائیں۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اس کمزور مرد یا کمزور عورت کے بارے میں آپؐ کا کیا خیال ہے جس کے پاس قلیل تعداد میں بھیڑ بکریاں ہوں اور وہ انہیں منتقل کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو اور انہیں چرنے دو۔ جو غریبوں کا تھوڑا بہت مال ہے اسے بے شک چرنے دو۔

(سبل الھدیٰ و الرشاد جلد 4 صفحہ 352-353 غزوہ بنی المصطلق۔ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ لبنان 1993ء)

یہ جو ایک روایت آئی ہے پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ ایک انصاری تھا جس نے حضرت زبیرؓ سے حَرَّہ کی اس ندی کے بارے میں جھگڑا کیا جس سے لوگ کھجوروں کو پانی دیا کرتے تھے۔ انصاری نے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ پانی بہنے دو اور حضرت زبیرؓ نے نہ مانا تو وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: زبیر! تم اپنے درختوں کو سیر اب کر لو۔ پھر اپنے ہمسائے کے لیے پانی چھوڑ دو۔ انصاری کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا: آپؐ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپؐ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا: زبیر! اپنے درختوں کو پانی دو۔ پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک بھر آئے۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی تھی کہ تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ تجھے ان باتوں میں حکم نہ مانیں جو اُن کے درمیان اختلافی صورت اختیار کرتی ہے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المساقاۃ و السیر باب سکر الانہار حدیث نمبر2359-2360)

اس حدیث میں جن انصاری کا ذکر ہے ان کے بارے میں تفاسیر میں اختلاف ہے۔ تفسیر قرطبی میں مکی وَالنُّہَاس کے قول کے مطابق لکھا ہے کہ وہ انصاری حضرت حَاطِب بن اَبِی بَلْتَعہؓ تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن لقرطبی جزو6صفحہ 441 مؤسسۃالرسالۃبیروت2006ء)

تو یہ ہیں جن کا مَیں نے آج بیان کرنا تھا۔ کچھ تھوڑے سے رہ گئے ہیں وہ ان شاءاللہ آئندہ کبھی بیان کر دوں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 17/ فروری تا23/ فروری2023ء خصوصی اشاعت برائے یوم مصلح موعودؓ جلد30 شمارہ14-15 صفحہ05 تا10)

5

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 03/ فروری 2023ء بمطابق 03/ تبلیغ 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

قرآن شریف کے انوار و برکات:

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم کے فیوض بیان فرماتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"اس کے فیوض و برکات کا در ہمیشہ جاری ہے۔ اور وہ ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 57)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں۔ چنانچہ مَیں اس وقت اسی ثبوت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے اپنے وقت پر اپنے بندوں کو اس کی حمایت اور تائید کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10) یعنی بیشک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" (ملفوظات جلد 8 صفحہ 116-117)

پس اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کو قرآن کریم کی اشاعت کے لیے بھیجا ہے، قرآن کریم کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے۔ آپؑ کو وہ معارف سکھائے ہیں جو لوگوں سے پوشیدہ تھے۔ آپؑ کے ذریعے قرآن کریم کے فیض کا ایک چشمہ جاری فرمایا ہے۔ آپؑ تو آئے ہی قرآن کریم کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے نام نہاد علماء نے آپؑ کے دعوے کی ابتدا سے ہی آپؑ کی مخالفت اپنا مقصد بنایا ہوا ہے اور کوئی دلیل اور عقل کی بات سننا نہیں چاہتے اور عوام الناس کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ خود تو علم و معرفت سے نابلد ہیں لیکن جس کو خدا تعالیٰ نے اس کام کے لیے بھیجا ہے اس کے راستے میں روکیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اسے یہ لوگ قرآن کریم کی خدمت سمجھتے ہیں۔

پاکستان میں وقتاً فوقتاً ان علماء کو ابال اٹھتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ پھر بعض سستی شہرت حاصل کرنے والے سیاستدان اور سرکاری اہلکار بھی مل جاتے ہیں اور احمدیوں کو مختلف بہانوں سے ظلموں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے پھر یہ لوگ احمدیوں پر تحریف اور توہینِ قرآن کے من گھڑت مقدمے بنانے کی کوشش میں

لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے اور جو احمدی اس غلط اور ظالمانہ الزام میں انہوں نے پکڑے ہوئے ہیں ان کی جلد رہائی کے بھی اللہ تعالیٰ سامان پیدا فرمائے۔

بہر حال جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کی روشنی ہی ہے جس سے قرآن کریم کے علوم و معارف کا پتہ چلتا ہے اور جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس کام کو دنیا میں سرانجام دے رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں قرآن کریم کی عظمت و اہمیت، مقام و مرتبہ کے متعلق اپنے ارشادات اور تصنیفات میں جو عرفان بیان فرمایا ہے اور عطا فرمایا ہے وہ میں آج بیان کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ قرآن کریم کی تعلیم کامل اور مکمل ہونے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میرا مذہب یہی ہے کہ **قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں** کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: 90) یعنی ہم نے تیرے پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور پھر فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 39) یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی لیکن ساتھ اس کے" فرماتے ہیں کہ ساتھ اس کے "یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج و استنباط کرنا اور اس کی مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہونا ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں۔" ہر ایک کو اس کا ملکہ نہیں دیا گیا کہ اس کی تفصیل اور تفسیر بیان کرے اور گہرائی میں جا کر اس کے علم و عرفان کے موتیوں کو نکال کے لائے۔ فرمایا "بلکہ یہ خاص طور پر ان کا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمیٰ مدد دیئے گئے ہوں۔ سوا ایسے لوگوں کے لئے جو استخراج و استنباط معارف قرآنی پر بِعِلَّت غَیر مُلْہَم ہونے کے قادر نہیں ہو سکتے یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج و استنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ سے ملی ہیں بلا تامل و توقف قبول کر لیں۔"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیت ہی نہیں دی، علم ہی نہیں دیا، عرفان ہی نہیں دیا، ان کا یہ کام ہے کہ جو پرانے سابقہ مفسرین ہیں، ہمارے پرانے امام ہیں، بزرگ ہیں، جو تقویٰ پر چلنے والے لوگ تھے، جنہوں نے تفاسیر لکھی ہیں، ان کو سامنے رکھیں، ان پہ عمل کریں۔ اور قرآن کریم کا ظاہری علم جتنا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، بجائے اس کے کہ اپنے طور پہ غلط قسم کے نقطے نکالتے رہیں۔

فرمایا: "اور جو لوگ وحی ولایت عظمیٰ کی روشنی سے منور ہیں اور اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے۔" جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر قرآن کریم کے گہرے علم کھولتا رہتا ہے۔ "اور یہ بات ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔" بعض لوگ کہتے ہیں حدیث جو ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب قرآن کریم کا علم اور عرفان عطا فرماتا ہے تو اس سے پتا لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم سے باہر کوئی بات نہیں کی۔ فرمایا: "بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات و اشارات قرآن کریم کی تفصیل ہے سو اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن کریم ان پر کھل جاتا ہے۔" حدیثیں ہیں ان میں بعض اشارے ایسے ملتے ہیں جس سے

بعض آیتوں کی تفسیر ملتی ہے، تفصیل ملتی ہے اور قرآن کریم کا مضمون ان پر مزید کھلتا ہے۔ فرمایا: ''اور نیز ان آیاتِ بیّنات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے جو قرآن کریم سے کوئی چیز باہر نہیں۔''

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 80-81)

اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علم و معرفت کو عطا فرمانے کے لیے بھیجا ہے۔ پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ ہدایت کا اوّل ذریعہ قرآن ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اوّل قرآن ہے جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے جیسا کہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسیٰ بن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا اور وہ لعنتی ہوا اور دوسرے نبیوں کی طرح اُس کا رفع نہیں ہوا۔'' یعنی یہودیوں کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنے قرب سے نہیں نوازا لیکن فرمایا ''اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے۔'' ایک تو اس کی یہ نفی کر دی کہ حضرت عیسیٰ پہ جو الزام ہے وہ غلط ہے۔ دوسرا فرمایا قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے ''تم کسی چیز کی عبادت کرو، نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی نہ چاند کی اور نہ کسی اَور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی۔'' ہر قسم کے شرک سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مناہی فرمائی، اس کی تلقین فرمائی اور بڑا کھل کر فرمایا ''سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو (700) حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور **کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں** اور باقی سب اس کے ظل تھے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو'' قرآن کو تدبر سے پڑھو ''اور **اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو** کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا'' ہے۔

فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے الہاماً فرمایا ہے ''کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اَور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اَور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔'' جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ ہدایت کے لیے، دینی ہدایت کے لیے قرآن کا واسطہ بہرحال ضروری ہے۔ جس کی یہ تعلیم اور خیال ہوں، جو اپنے ماننے والوں کو اس طرح نصیحت کرے، کیا وہ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی تحریف کر سکتا ہے؟ ان کو کچھ تو عقل کے ناخن لینے چاہئیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا'': خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو

تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے، اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔" ایک خون کے لوتھڑے کی طرح تھی۔ "قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ انجیل کے لانے والا وہ روح القدس تھا جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہوا جو ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے" یہی کہا جاتا ہے ناں کہ کبوتر کی شکل میں حضرت جبرئیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئے۔ فرمایا یہ تو کمزور پرندہ ہے "جس کو بلی بھی پکڑ سکتی ہے۔ اسی لئے عیسائی دن بدن کمزوری کے گڑھے میں پڑتے گئے اور روحانیت ان میں باقی نہ رہی" اور اب تو یہ حال ہے کہ جو اعداد و شمار سامنے آرہے ہیں کہ عیسائیوں کی اکثریت ہے جو عیسائیت سے ہی انکاری ہو رہے ہیں اور عیسائیت کو چھوڑ رہے ہیں اس لیے کہ ان کو روحانیت نہیں مل رہی۔ اور مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ باوجود قرآن ہونے کے اس پر عمل نہ کر کے اس کی روحانیت سے فائدہ نہیں اٹھا رہے اور جس شخص کو اس علم و معرفت کے پھیلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کو ماننے سے انکاری ہیں۔

فرماتے ہیں "کیونکہ تمام ان کے ایمان کا مدار کبوتر پر تھا مگر قرآن کا روح القدس اس عظیم الشان شکل میں ظاہر ہوا تھا جس نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنے وجود سے تمام ارض و سما کو بھر دیا تھا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلی عظیم جس کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔" اگر صحیح طرح اس پہ، اس کے حکموں پر عمل کیا جائے تو ایک ہفتے میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ "اگر صُورِی یا معنوی اعراض نہ ہو قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔" یعنی اگر مکمل طور پر قرآن کریم کی تعلیم پر عمل ہو اور اس کے ہر حکم کی پابندی ہو تو نبیوں کے رنگ میں انسان رنگین ہو سکتا ہے۔ یہ ایک انتہائی مقام ہے جس سے انسان قرآن کریم کی برکات سے فیض پا سکتا ہے۔ فرمایا: "بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:6-7) یعنی ہمیں اپنی اُن نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تھے" فرماتے ہیں: "پس اپنی ہمتیں بلند کر لو اور قرآن کی دعوت کو ردّ مت کرو کہ وہ تمہیں وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی تھیں۔"
(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26-27)

اسی طرح **قرآن کے بعد دوسری ہدایت کا ذریعہ آپؐ نے فرمایا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تیسرا ذریعہ حدیث** ہے کیونکہ وہ بہت عرصے کے بعد، کئی سال کے بعد بلکہ سو سال سے زیادہ عرصے کے بعد آئیں۔ بشرطیکہ یہ حدیثیں قرآن اور سنت کے منافی نہ ہوں۔ قرآن کریم کی عزت و تکریم کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے آپؐ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔

اس کی تفصیل میں آپؐ نے فرمایا:

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے" قرآن کریم سے بالکل کنارہ کشی نہ کر لو۔

اس پہ عمل کرنا بالکل چھوڑ نہ دو۔ یہ نہ ہو کہ بالکل عمل ہی نہ کرو۔ اس کو پڑھو، باقاعدگی سے پڑھو۔ اس کی نصائح پر عمل کرو۔ کیونکہ ”**جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے**۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔“ ایمان میں ایسی مضبوطی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں انسان پر اس کی روشنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ہر ظلمت کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان تیار ہو جاتا ہے۔ جس کی تازہ مثال ہمیں گذشتہ دنوں ہمارے برکینا فاسو کے شہید بھائیوں میں ملتی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ”نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اَور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رتبہ کوئی اَور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-14)

ایک اَور الزام جو ہے اس کا بھی اس میں ردّ کر دیا کہ ہم نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں۔ پھر قرآن شریف کے خاتم الکتب ہونے کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اَور کلمہ یا کوئی اَور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اُس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس امّت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے، مخاطب ہوتا ہے۔ یہ دروازہ کھلا ہے، بند نہیں ہو گیا۔ ”اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ ہی میں یہ دعا سکھائی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحة: 7-6)“ فرمایا کہ ”اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ کے لئے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال تھا اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی، اسی کے تم بھی خواہاں رہو۔

پس اس نعمت کے لئے یہ خیال کرو کہ قرآن شریف اس دعا کی تو ہدایت کرتا ہے مگر اس کا ثمرہ کچھ بھی نہیں یا اس امت کے کسی فرد کو بھی یہ شرف نہیں مل سکتا۔“ ایک تو یہ دعا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ تم سب دعا کرو اور جو اس مقام تک پہنچے ہیں ان کو یہ مقام مل سکتے ہیں لیکن آپؑ فرماتے ہیں کہ عجیب حالت ہے مسلمانوں کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ دعا سکھلائی ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کسی ایک شخص کو بھی کجا یہ کہ بہت ساروں کو ملے، ایک شخص

کو بھی یہ مقام نہیں مل سکتا۔ ایک شخص بھی امّت میں ایسا نہیں جس کو یہ مقام مل سکے۔ فرمایا: ”اور قیامت تک یہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔“ ان لوگوں کے نزدیک۔ ”بتاؤ اس سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ثابت ہو گی یا کوئی خوبی ثابت ہو گی؟“ الزام تو ہمیں دیتے ہو۔ اب تم بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی دعا ہے اس کے باوجود تم جو دروازے بند کر رہے ہو تو اس کی ہتک کا مرتکب کون ہو رہا ہے؟ تم یا ہم؟ فرمایا: ”میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے اور اس نے مغز شریعت کو سمجھا ہی نہیں۔ **اسلام کے مقاصد میں سے تو یہ امر تھا کہ** انسان صرف زبان ہی سے وحدہٗ لاشریک نہ کہے بلکہ در حقیقت سمجھ لے اور بہشت دوزخ پر خیالی ایمان نہ ہو بلکہ فی الحقیقت اسی زندگی میں وہ بہشتی کیفیات پر اطلاع پالے۔“ ایسی نیکیاں ہوں کہ یہ زندگی بھی جنت بن جائے ”اور ان گناہوں سے جن میں وحشی انسان مبتلا ہیں نجات پالے۔“ فرمایا: ”یہ عظیم الشان مقصد اسلام کا تھا اور ہے اور یہ ایسا پاک مطہر مقصد ہے کہ کوئی دوسری قوم اس کی نظیر اپنے مذہب میں پیش نہیں کر سکتی اور نہ اس کا نمونہ دکھا سکتی ہے۔ کہنے کو تو ہر ایک کہہ سکتا ہے مگر وہ کون ہے جو دکھا سکتا ہو؟“

(لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 285-286)

پس آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کو اس معیار کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کو بتانے کی ضرورت ہے، ہم پر کفر کے فتوے لگانے والوں کو دکھانے کی ضرورت ہے کہ احمدی صرف پرانے قصوں ہی کو بیان نہیں کرتے بلکہ آج بھی زندہ کتاب اور زندہ رسول کے ماننے والوں پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے اترنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس بات پہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آج بھی بولتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”**ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ نبیؐ دیا جو خاتم المؤمنینؐ، خاتم العارفینؐ اور خاتم النبیینؐ ہے اور اسی طرح پر وہ کتاب اُس پر نازل کی جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی۔ تو یہ نبوت اس طرح پر ختم نہیں ہوئی جیسے کوئی گلا گھونٹ کر ختم کر دے۔ ایسا ختم قابل فخر نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے سے یہ مراد ہے کہ طبعی طور پر آپؐ پر کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ یعنی وہ تمام کمالات متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیحؑ ابن مریمؑ تک نبیوں کو دیئے گئے تھے کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے اور اس طرح پر طبعاً آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے۔ اور ایسا ہی وہ جمیع تعلیمات، وصایا اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں وہ قرآن شریف پر آکر ختم ہو گئے اور قرآن شریف خاتم الکتب ٹھہرا۔“ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 341-342)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ”خاتم النبیین کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی لفظ میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ بھی خاتم الکتب ہو اور سارے کمالات اس میں موجود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجود ہیں۔ کیونکہ کلام الٰہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر قوت قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے جس پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور کمال باطنی چونکہ

اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔" ایسا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے کہ نہ کبھی ہوا نہ آئندہ ہو گا۔ ہم پہ نعوذ باللہ الزام کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپؐ سے بڑا سمجھتے ہیں اور ہم توہینِ رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ان الفاظ کے بعد کوئی عقلمند اور انصاف پسند یہ نہیں کہہ سکتا کہ احمدی کسی بھی طرح توہین رسالت کے مرتکب ہیں۔

فرمایا "اس لئے قرآن شریف بھی تمام پہلی کتابوں اور صحائف سے اُس اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے جہاں تک کوئی دوسرا کلام نہیں پہنچا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقاماتِ کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس مقام پر قرآن شریف جو آپؐ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوت کے کمالات آپؐ پر ختم ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری۔"

فرمایا "جس قدر مراتب اور وجوہ اعجاز کلام کے ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے اعتبار سے آپ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔" جو بھی مرتبہ ہو، جو بھی وجوہات کسی کلام کی بڑائی کی اور اعجاز کی ہو سکتی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ "یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت، کیا باعتبار ترتیب مضامین، کیا باعتبار تعلیم، کیا باعتبار کمالات تعلیم، کیا باعتبارات ثمرات تعلیم، غرض جس پہلو سے دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر نہیں مانگی۔ بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے۔ یعنی جس پہلو سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت۔" خاص پہلو کو نہیں مانگا۔ کسی طرح آؤ قرآن شریف سے مقابلہ کر لو۔ قرآن شریف میں ہر قسم کے مضامین موجود ہیں۔ "خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت، خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد، خواہ بلحاظ تعلیم، خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو، یہ معجزہ ہے۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 36-37)

پھر ایک مجلس میں آپؑ نے فرمایا:

"یہ بات ہرگز ہرگز بھول جانے کے قابل نہیں ہے کہ قرآن شریف جو خاتم الکتب ہے دراصل قصوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اپنی غلط فہمی اور حق پوشی کی بناء پر قرآن شریف کو قصوں کا مجموعہ کہا ہے انہوں نے حقائق شناس فطرت سے حصہ نہیں پایا۔ ورنہ اس پاک کتاب نے تو پہلے قصوں کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا ہے" جو قصے بیان ہوئے ہیں وہ بھی اس طرح بیان کیے ہیں کہ وہ ایک فلسفہ ہے۔ ان میں ایک سبق ہے۔ ایک گہرائی ہے۔ فرمایا: "اور یہ اس کا احسانِ عظیم ہے ساری کتابوں اور نبیوں پر" کہ ان قصوں کو بھی اس نے فلسفہ بنا دیا "ورنہ آج ان باتوں پر ہنسی کی جاتی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس علمی زمانہ میں جبکہ موجوداتِ عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں اس نے آسمانی علوم اور کشفِ حقائق کے لئے ایک سلسلہ کو قائم کیا" ہے۔ بڑے بڑے علوم کے ماہرین پیدا ہو رہے ہیں، مختلف قسم کی سائنس کے مضامین ہیں۔ دوسرے مضامین ہیں۔ دنیا ترقی کر رہی ہے۔ مزید تحقیقیں ہو رہی ہیں۔ اس کے لیے سلسلہ قائم کر دیا اور اس سلسلہ میں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

اس کی تفسیر قرآن کریم کے علم سے ہی علم حاصل کر کے، اس کی تعلیم سے ہی علم حاصل کر کے بیان فرمائی ہے کہ کس طرح سائنس اور مذہب میں ایک یکجائی ہے۔ فرمایا "جس نے ان تمام باتوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں ایک معمولی قصوں سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتی تھیں اور اس سائنس کے زمانہ میں ان پر ہنسی ہو رہی تھی۔" فرمایا کہ "علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔" جو اندھیر ازمانہ تھا، ایک جہالت کا زمانہ تھا۔ اسلام میں اکا دکا علماء نظر آتے تھے۔ اس وقت کی یہ باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ ہنستے تھے، سائنسدان ہنستے تھے کہ یہ کیا ہے؟ لیکن آپؑ کو بھیج کر اور اس کی تفسیر جو آپؑ نے بیان کی، جو تشریح بیان فرمائی اور جس طرح اس کا عرفان بیان فرمایا۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 153)

مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اس زمانے میں اپنے وعدے کے مطابق قرآن کریم کی حقیقی تعلیم کو بیان کرنے کے لیے اپنے فرستادے کو بھیجا جس نے اسلام کی تعلیم کے اوپر جو جہالت کے الزامات تھے ان سب کو دُور کر دیا۔ پھر قرآن کریم پر ایمان اور اس کی پیروی کو آپؑ کس قدر ضروری خیال فرماتے تھے اور اس کو ایمان کا حصہ یقین رکھتے تھے اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔" فرمایا کہ میں نے "پھر اس عقیدہ کو نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے۔" (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 259)

آپؑ نے فرمایا کہ ہمارے مخالفین جھٹ کفر کا فتویٰ ہم پر لگا دیتے ہیں۔ اگر ہماری طرف سے کوئی بات سنتے ہیں تو انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے ہم سے پوچھتے کہ یہ بات تم نے کی ہے یا نہیں کی اور اگر کی ہے تو یہ تو اسلام کے مطابق نہیں ہے اس کی وضاحت کرو۔ لیکن نہیں۔ فرمایا کہ ان کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔ صرف کفر کے فتوے لگانے پر تلے ہوئے ہیں۔ (ماخوذ از لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 259)

قرآن شریف اور قانون قدرت کی ہم آہنگی:

پس ہم نے تو جو بیان کیا اسلام کی اور قرآن کی تعلیم کی روشنی میں کیا ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اسی کے مطابق ہم عمل کرتے ہیں۔ قرآن شریف اور قانون قدرت کی ہم آہنگی کو بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"پاک اور کامل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو انسانی درخت کی ہر ایک شاخ کی پرورش کرتی ہے اور قرآن شریف صرف ایک پہلو پر زور نہیں ڈالتا بلکہ کبھی تو عفو اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے مگر اس شرط سے کہ عفو کرنا قرینِ مصلحت ہو اور کبھی مناسب محل اور وقت کے مجرم کو سزا دینے کے لئے فرماتا ہے۔" کبھی معاف کرنے کی طرف فرماتا ہے اور کبھی سزا دینے کی طرف۔ "پس درحقیقت قرآن شریف خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کی تصویر ہے جو ہمیشہ ہماری نظر کے سامنے ہے۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ خدا کا قول اور فعل دونوں مطابق ہونے چاہئیں یعنی جس رنگ اور طرز پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب اپنے فعل کے مطابق تعلیم کرے۔" عام قانون قدرت ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے۔ کہیں سزا دیتا ہے۔ کبھی

چھوڑ رہا ہوتا ہے اور وہی جو اصول ہے وہ دینی تعلیم میں بھی ہونا چاہیے۔ اپنی اس مذہبی کتاب میں بھی ہونا چاہیے اور قرآن شریف میں ہے۔ فرمایا: ”نہ یہ کہ فعل سے کچھ اَور ظاہر ہو اور قول سے کچھ اَور ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی اور درگزر نہیں بلکہ وہ مجرموں کو طرح طرح کے عذابوں سے سزایاب بھی کرتا ہے ایسے عذابوں کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ ہمارا خدا صرف حلیم خدا نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے اور اس کا قہر بھی عظیم ہے۔ سچی کتاب وہ کتاب ہے جو اس کے قانون قدرت کے مطابق ہے اور سچا قولِ الٰہی وہ ہے جو اس کے فعل کے مخالف نہیں۔ ہم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ خدا نے اپنی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ حلم اور درگزر کا معاملہ کیا ہو اور کوئی عذاب نہ آیا ہو۔ اب بھی ناپاک طبع لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ایک عظیم الشان اور ہیبت ناک زلزلہ کی خبر دے رکھی ہے جو ان کو ہلاک کرے گا۔“

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 346-347)

یہ اس وقت تھا جب زلزلے کی آپؑ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”دنیا میں ایک قرآن ہی ہے جس نے خدا کی ذات اور صفات کو خدا کے اس قانون قدرت کے مطابق ظاہر فرمایا ہے جو خدا کے فعل سے دنیا میں پایا جاتا ہے اور جو انسانی فطرت اور انسانی ضمیر میں منقوش ہے۔ عیسائی صاحبوں کا خدا صرف انجیل کے ورقوں میں محبوس ہے اور جس تک انجیل نہیں پہنچی وہ اس خدا سے بے خبر ہے لیکن جس خدا کو قرآن پیش کرتا ہے اس سے کوئی شخص ذوی العقول میں سے بے خبر نہیں۔ اس لئے سچا خدا وہی خدا ہے جس کو قرآن نے پیش کیا ہے۔“ جو دنیا میں کہیں بھی رہنے والے ہیں، کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہیں، دہریہ بھی ہیں، وہ بھی دنیا کی بناوٹ دیکھ کے کچھ نہ کچھ حد تک یقین رکھتے ہیں کہ خدا ہے اور اکثریت تو اپنے اپنے قبائلی مذہب کے لحاظ سے بھی یقین رکھتی ہے۔ بہرحال آپؑ نے فرمایا کہ قرآن کریم کا خدا تو یہ ہے جو اپنے آپ کو خود ظاہر کرتا ہے۔ ”جس کی شہادت انسانی فطرت اور قانونِ قدرت دے رہا ہے۔“ عیسائیوں کی طرح نہیں ہے۔

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 350 حاشیہ)

فرماتے ہیں: ”سچا وہی مذہب ہے کہ جو اس زمانہ میں بھی خدا کا سننا اور بولنا دونوں ثابت کرتا ہے۔ غرض سچے مذہب میں خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ مخاطبہ سے اپنے وجود کی آپ خبر دیتا ہے۔ خدا شناسی ایک نہایت مشکل کام ہے دنیا کے حکیموں اور فلاسفروں کا کام نہیں ہے جو خدا کا پتہ لگاویں کیونکہ زمین و آسمان کو دیکھ کر صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِس ترکیب محکم اور ابلغ کا کوئی صانع ہونا چاہئے مگر یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے۔ اور ہونا چاہئے اور ہے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ پس اس وجود کا واقعی طور پر پتہ دینے والا صرف قرآن شریف ہے جو صرف خدا شناسی کی تاکید نہیں کرتا بلکہ آپ دکھلا دیتا ہے۔ اور کوئی کتاب آسمان کے نیچے ایسی نہیں ہے کہ اس پوشیدہ وجود کا پتہ دے۔“

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 352)

اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں قرآن شریف میں ثبوت موجود ہیں۔ **قرآن کریم کی انجیل اور دوسری مذہبی کتب پر برتری** ثابت کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

’’قرآن شریف ایک کامل اور زندہ اعجاز ہے اور کلام کا معجزہ ایسا معجزہ ہوتا ہے کہ کبھی اور کسی زمانہ میں وہ پرانا نہیں ہو سکتا اور نہ فنا کا ہاتھ اس پر چل سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اگر آج نشان دیکھنا چاہیں تو کہاں ہے؟ کیا یہودیوں کے پاس وہ عصا ہے اور اس میں کوئی قدرت اس وقت بھی سانپ بننے کی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض جس قدر معجزات کل نبیوں سے صادر ہوئے ان کے ساتھ ہی ان معجزات کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایسے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا اور ان پر موت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے اور کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ آپؐ کی تعلیم اس لئے زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجود ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر موجود تھے۔ دوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنے والا یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے دیا گیا ہے اور میں ایک آیۃ اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجود پاتے ہیں اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع سے ملتے ہیں اب بھی پاتے ہیں۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اس لئے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو اور ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ صدہا نشان اس وقت تک ظاہر ہو چکے ہیں اور ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعض کتب میں یہ نشانات ظاہر بھی فرمائے ہیں، لکھ کر بیان فرمائے ہیں اور جماعت پر چڑھنے والا ہر دن بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ جو پیشگوئیاں آپؑ نے فرمائیں وہ کس طرح پوری ہو رہی ہیں۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام آگے فرماتے ہیں: ’’ہر قوم، ہر مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت کی ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آکر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں۔ مگر ایک بھی ایسا نہیں کہ جن سے اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی نمونہ عملی طور پر دکھائے۔ ہم خدا تعالیٰ کے کلام کو کامل اعجاز مانتے ہیں اور ہمارا یقین اور دعویٰ ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کے مقابل نہیں ہے۔ **میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کا کوئی امر پیش کریں۔ وہ اپنی جگہ پر ایک نشان اور معجزہ ہے۔** مثلاً تعلیم ہی کو دیکھیں تو وہ عظیم الشان معجزہ نظر آتی ہے اور فی الواقع معجزہ ہے۔ ایسے حکیمانہ نظام اور فطری تقاضوں کے موافق واقع ہوئی ہے کہ دوسری تعلیم اس کے ساتھ ہر گز ہر گز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن شریف کی تعلیم پہلی ساری تعلیموں کی متمم اور مکمل ہے۔ اس وقت صرف ایک پہلو تعلیم کا دکھا کر مَیں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہے اور معجزہ ہے۔ مثلاً توریت کی تعلیم‘‘ فرمایا کہ ’’(حالات موجودہ کے لحاظ سے کہو یا ضروریات وقت کے موافق)‘‘ جو توریت کی تعلیم ہے اس ’’کا سارا زور قصاص اور بدلہ پر ہے۔ جیسے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت اور بالمقابل انجیل کی تعلیم‘‘ ہے جس ’’کا سارا زور عفو، صبر اور درگزر پر تھا اور یہاں تک اس میں تاکید کی کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی اس کی طرف پھیر دو۔ کوئی

ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ۔ کُرتہ مانگے تو چُغہ بھی دے دو۔

اسی طرح پر ہر باب میں توریت اور انجیل کی تعلیم میں یہ بات نظر آئے گی کہ توریت افراط کا پہلو لیتی ہے اور انجیل تفریط کا۔ مگر قرآن شریف ہر موقع اور محل پر حکمت اور وسط کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں دیکھو، جس بارہ میں قرآن کی تعلیم پر نگاہ کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ محل اور موقع کا سبق دیتا ہے۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نفسِ تعلیم سب کا ایک ہی ہے۔ لیکن اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ توریت اور انجیل میں سے ہر ایک کتاب نے ایک ایک پہلو پر زور دیا ہے مگر فطرت انسانی کے تقاضے کے موافق صرف قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ یہ کہنا کہ توریت کی تعلیم افراط کے مقام پر ہے۔ اس لئے وہ خدا کی طرف سے نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔" یہ بھی غلط ہے کہ ہم کہیں کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ وہ تعلیم توریت کی بھی خدا کی طرف سے ہے۔ "اصل بات یہ ہے کہ اس وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایسی تعلیم بے کار تھی اور چونکہ توریت یا انجیل قانون مختص المقام کی طرح تھیں۔" یعنی جو balanced تعلیم تھی اب ملی ہے وہ اس وقت بیکار تھی۔ اس زمانے میں ضرورت تھی اس تعلیم کی جو توریت میں دی گئی۔ اور چونکہ توریت یا انجیل قانون مختص المقام کی طرح تھیں۔ جو انجیل اور توریت کی تعلیم ہے وہ اس جگہ کے لیے تھیں، وہیں کے لیے مخصوص تھیں "اس لئے ان تعلیموں میں دوسرے پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ لیکن قرآن شریف چونکہ تمام دنیا اور تمام نوع انسان کے واسطے تھا اس لئے اس تعلیم کو ایسے مقام پر رکھا جو فطرت انسانی کے صحیح تقاضوں کے موافق تھی اور یہی حکمت ہے کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وَضْعُ الشیءِ فِی مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو اس کے اپنے محل پر رکھنا۔ پس یہ حکمت قرآن شریف نے ہی سکھلائی ہے۔ توریت جیسا کہ بیان کیا ہے ایک بے جا سختی پر زور دے رہی تھی اور انتقامی قوت کو بڑھاتی تھی اور انجیل بالمقابل بیہودہ عفو پر زور مارتی تھی۔ قرآن شریف نے ان دونوں کو چھوڑ کر حقیقی تعلیم دی۔ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ: 41) یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص معاف کر دے اور اس معاف کرنے میں اصلاح مقصود ہو۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 37 تا 40)

قرآن شریف کے وجود کی ضرورت:

یہ جرأت اور نشانات کے ساتھ آپؑ کا قرآن کریم کی تمام ادیان پر برتری ثابت کرنا اُس وقت تھا جب اس ملک میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ چرچ کا زور تھا۔ پھر بھی آپؑ نے قرآن کریم کی برتری کا کھلا کھلا چیلنج دیا اور کسی خوف کو قریب بھی نہ آنے دیا کیونکہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے وہ فرستادے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں بھیجا ہے اور اس مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ وہ تعلیم کو پھیلائیں۔ اور یہی چیز ہم آپؑ کے لٹریچر میں اور تعلیم میں دیکھتے ہیں اور اسی چیز کو آج ہم، جماعت احمدیہ بھی آگے پھیلا رہی ہے۔ اور جماعت احمدیہ پر الزام لگانے والے یہ کہتے ہیں کہ احمدی قرآن کریم کی تحریف اور توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ قرآن کریم کی ضرورت اور اہمیت بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"قرآن شریف کے **وجود کی ضرورت پر ایک اور بڑی دلیل یہ ہے** کہ پہلی تمام کتابیں موسیٰ کی کتاب

توریت سے انجیل تک ایک خاص قوم یعنی بنی اسرائیل کو اپنا مخاطب ٹھہراتی ہیں اور صاف اور صریح لفظوں میں کہتی ہیں کہ ان کی ہدایتیں عام فائدہ کے لئے نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے وجود تک محدود ہیں۔ مگر قرآن شریف کا مدنظر تمام دنیا کی اصلاح ہے اور اس کی مخاطب کوئی خاص قوم نہیں بلکہ کھلے کھلے طور پر بیان فرماتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے نازل ہوا ہے اور ہر ایک کی اصلاح اس کا مقصود ہے۔ سو بلحاظ مخاطبین کے توریت کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً توریت کہتی ہے کہ خون مت کر اور قرآن بھی کہتا ہے کہ خون مت کر اور بظاہر قرآن میں اسی حکم کا اعادہ معلوم ہوتا ہے جو توریت میں آچکا ہے۔ مگر دراصل اعادہ نہیں بلکہ توریت کا یہ حکم صرف بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہے اور صرف بنی اسرائیل کو خون سے منع فرماتا ہے دوسرے سے توریت کو کچھ غرض نہیں۔ لیکن قرآن شریف کا یہ حکم تمام دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور تمام نوع انسان کو ناحق کی خون ریزی سے منع فرماتا ہے۔ اسی طرح تمام احکام میں **قرآن شریف کی اصل غرض عامہ خلائق کی اصلاح ہے** اور توریت کی غرض صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے۔"

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 85)

پھر فرمایا: "یہ دعویٰ پادریوں کا سراسر غلط ہے کہ 'قرآن توحید اور احکام میں نئی چیز کونسی لایا جو توریت میں نہ تھی'۔ بظاہر ایک نادان توریت کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑے گا کہ توریت میں توحید بھی موجود ہے اور احکام عبادت اور حقوق عباد کا بھی ذکر ہے۔ پھر کونسی نئی چیز ہے جو قرآن کے ذریعہ سے بیان کی گئی۔ مگر یہ دھوکہ اسی کو لگے گا جس نے کلام الٰہی میں کبھی تدبر نہیں کیا۔ واضح ہو کہ الٰہیات کا بہت سا حصہ ایسا ہے کہ توریت میں اس کا نام و نشان نہیں۔ چنانچہ توریت میں توحید کے باریک مراتب کا کہیں ذکر نہیں۔ قرآن ہم پر ظاہر فرماتا ہے کہ توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ ہم بتوں اور انسانوں اور حیوانوں اور عناصر اور اجرام فلکی اور شیاطین کی پرستش سے باز رہیں بلکہ **توحید تین درجہ پر منقسم ہے** درجہ اوّل عوام کے لئے یعنی ان کے لئے جو خدا تعالیٰ کے غضب سے نجات پانا چاہتے ہیں۔ دوسرا درجہ خواص کے لئے یعنی ان کے لئے جو عوام کی نسبت زیادہ تر قرب الٰہی کے ساتھ خصوصیت پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ اور تیسرا درجہ خواص الخواص کے لئے جو قرب کے کمال تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اوّل مرتبہ توحید کا تو یہی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش نہ کی جائے اور ہر ایک چیز جو محدود اور مخلوق معلوم ہوتی ہے خواہ زمین پر ہے خواہ آسمان پر اس کی پرستش سے کنارہ کیا جائے۔ دوسرا مرتبہ توحید کا یہ ہے کہ اپنے اور دوسروں کے تمام کاروبار میں مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ کو سمجھا جائے اور اسباب پر اتنا زور نہ دیا جائے جس سے وہ خدا تعالیٰ کے شریک ٹھہر جائیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ زید نہ ہوتا تو میرا یہ نقصان ہوتا اور بکر نہ ہوتا تو میں تباہ ہو جاتا۔" لوگوں پر یہ انحصار بھی شرک ہے۔ یہ توحید کے خلاف ہے۔ "اگر یہ کلمات اس نیت سے کہے جائیں کہ جس سے حقیقی طور پر زید و بکر کو کچھ چیز سمجھا جائے تو یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم توحید کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس کے اغراض کو بھی درمیان سے اٹھانا اور اپنے وجود کو اس کی عظمت میں محو کرنا۔ یہ توحید توریت میں کہاں ہے۔ ایسا ہی توریت میں بہشت اور دوزخ کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا اور شاید کہیں کہیں اشارات ہوں۔ ایسا ہی توریت میں خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کا کہیں پورے طور پر ذکر

نہیں۔ اگر توریت میں کوئی ایسی سورۃ ہوتی جیسا کہ قرآن شریف میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:2تا5) ہے تو شاید عیسائی اس مخلوق پرستی کی بلا سے رک جاتے۔ ایسا ہی توریت نے حقوق کے مدارج کو پورے طور پر بیان نہیں کیا۔ لیکن قرآن نے اس تعلیم کو بھی کمال تک پہنچایا ہے۔ مثلاً وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:91) یعنی خدا حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تم احسان کرو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تم لوگوں کی ایسے طور سے خدمت کرو کہ جیسے کوئی قرابت کے جوش سے خدمت کرتا ہے۔ یعنی بنی نوع سے تمہاری ہمدردی جوش طبعی سے ہو کوئی ارادہ احسان رکھنے کا نہ ہو جیسا کہ ماں اپنے بچہ سے ہمدردی رکھتی ہے۔ ایسا ہی توریت میں خدا کی ہستی اور اس کی واحدانیت اور اس کی صفات کاملہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے نہیں دکھلایا۔ لیکن قرآن شریف نے ان تمام عقائد اور نیز **ضرورت الہام اور نبوت کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا** ہے اور ہر ایک بحث کو فلسفہ کے رنگ میں بیان کر کے حق کے طالبوں پر اس کا سمجھنا آسان کر دیا ہے اور یہ تمام دلائل ایسے کمال سے قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں کہ کسی کی مقدور میں نہیں کہ مثلاً ہستی باری پر کوئی ایسی دلیل پیدا کر سکے کہ جو قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔ ماسوا اس کے قرآن شریف کے وجود کی ضرورت پر ایک اور بڑی دلیل یہ ہے کہ پہلی تمام کتابیں موسیٰ کی کتاب توریت سے انجیل تک ایک خاص قوم یعنی بنی اسرائیل کو اپنا مخاطب ٹھہراتی ہیں اور صاف اور صریح لفظوں میں کہتی ہیں کہ ان کی ہدایتیں عام فائدہ کے لئے نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے وجود تک محدود ہیں۔ مگر قرآن شریف کا مدنظر تمام دنیا کی اصلاح ہے اور اس کی مخاطب کوئی خاص قوم نہیں بلکہ کھلے کھلے طور پر بیان فرماتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے نازل ہوا ہے اور ہر ایک کی اصلاح اس کا مقصود ہے۔"

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 83 تا 85)

قرآن کریم کے فضائل، مقام و مرتبہ اور برتری پر اَور بھی مختلف حوالے ہیں جو ان شاء اللہ آئندہ کبھی بیان ہوں گے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 24/ فروری 2023ء جلد 30 شمارہ 16 صفحہ 05 تا 10)

6

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 10/ فروری 2023ء بمطابق 10/ تبلیغ 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ خطبے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات قرآن کریم کی عظمت اور اہمیت کے بارے میں بیان کر رہا تھا۔ آج اس سلسلے میں مزید کچھ پیش کروں گا۔ **قرآن کریم کے فضائل اور اہمیت** کو بیان فرماتے ہوئے اپنی تصنیف تحفۂ قیصریہ میں جو ملکہ وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر آپؑ نے تصنیف فرمائی تھی جس میں ملکہ کو اسلام کا پیغام دیا تھا اور اسلام کی تبلیغ کی تھی اس میں تحریر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"قرآن عمیق حکمتوں سے پُر ہے اور ہر ایک تعلیم میں انجیل کی نسبت حقیقی نیکی کے سکھلانے کے لئے آگے قدم رکھتا ہے۔ بالخصوص سچے اور غیر متغیر خدا کے دیکھنے کا چراغ تو قرآن ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ دنیا میں نہ آیا ہوتا تو خدا جانے دنیا میں مخلوق پرستی کا عدد کس نمبر تک پہنچ جاتا۔ سو شکر کا مقام ہے کہ خدا کی وحدانیت جو زمین سے گم ہو گئی تھی۔ دوبارہ قائم ہو گئی۔" (تحفۂ قیصریہ، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 282)

اب کون تھا اُس زمانے میں جس نے اتنی جرأت سے قیصرۂ ہند کو اس طرح کا یہ پیغام بھیجا ہو، اسلام کی تبلیغ کی ہو۔ آج یہی لوگ جن میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اسلام اور قرآنِ کریم کی عظمت بیان کرتے، ہمیں یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا جماعتِ احمدیہ قرآن کریم کی توہین کر رہی ہے اور جو غیر مسلم ہیں وہ ان کی حرکتیں دیکھ کر اسلام کی مخالفت میں اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ قرآنِ کریم کی عظمت کا ردّ تو کر نہیں سکتے اس لیے دل کی تسکین کے لیے قرآنِ کریم کے نسخوں کو جلا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں جس طرح سویڈن میں یہ واقعات ہو رہے ہیں۔ سکینڈے نیوین ملکوں میں ہوتے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں بھی ہوا۔ اگر مسلمان زمانے کے امام کو مان لیں اور قرآنِ کریم کی تعلیم کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل کریں تو غیر مسلموں کو کبھی اس طرح قرآن کریم کی توہین کی جرأت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو عقل دے۔ پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآنِ کریم ہی صرف اب ہدایت کا ذریعہ ہے آپؑ فرماتے ہیں:

"اسلام ایک ایسا بابرکت اور خدا نما مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور پر اس کی پابندی اختیار کرے اور ان تعلیموں اور ہدایتوں اور وصیتوں پر کاربند ہو جائے جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں مندرج ہیں تو وہ اسی جہان میں خدا کو دیکھ لے گا۔" لوگ سوال کرتے ہیں کہ خدا کو اگلے جہان میں دیکھنا ہے تو کس طرح

دیکھیں گے؟ آپؑ فرماتے ہیں قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرو تو اسی جہان میں خدا کو دیکھ لو گے۔ ”وہ خدا جو دنیا کی نظر سے ہزاروں پردوں میں ہے اس کی شناخت کے لئے بجز قرآنی تعلیم کے اَور کوئی بھی ذریعہ نہیں۔ قرآن شریف معقولی رنگ میں اور آسمانی نشانوں کے رنگ میں نہایت سہل اور آسان طریق سے خدائے تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔“ اس کی تعلیم پر عمل کرو گے تو نشانات ایسے ظاہر ہوں گے کہ خدا کے وجود کا پتہ لگ جائے گا۔

فرمایا ”اور اس میں ایک برکت اور قوتِ جاذبہ ہے جو خدا کے طالب کو دمبدم خدا کی طرف کھینچتی اور روشنی اور سکینت اور اطمینان بخشتی ہے اور قرآن شریف پر سچا ایمان لانے والا صرف فلسفیوں کی طرح یہ ظن نہیں رکھتا کہ اس پُر حکمت عالم کا بنانے والا کوئی ہونا چاہئے بلکہ وہ ایک ذاتی بصیرت حاصل کر کے اور ایک پاک رؤیت سے مشرف ہو کر یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے کہ فی الواقع وہ صانع موجود ہے اور اس پاک کلام کی روشنی حاصل کرنے والا محض خشک معقولیوں کی طرح یہ گمان نہیں رکھتا کہ خدا واحد لاشریک ہے بلکہ صدہا چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ جو اس کا ہاتھ پکڑ کر ظلمت سے نکالتے ہیں واقعی طور پر مشاہدہ کر لیتا ہے کہ در حقیقت ذات اور صفات میں خدا کا کوئی بھی شریک نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ عملی طور پر دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ وہ ایسا ہی خدا کو سمجھتا ہے اور وحدتِ الٰہی کی عظمت ایسی اس کے دل میں سما جاتی ہے کہ وہ الٰہی ارادہ کے آگے تمام دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بلکہ مطلق لاشے اور سراسر کالعدم سمجھتا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 25-26)

پھر قرآن کریم میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت کا بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: ”یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآنِ کریم میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت ہے۔“ مکمل طور پر علم سے نوازا گیا ہے اور عملی ہدایات دی گئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ”چنانچہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ (الفاتحہ:6) میں تکمیلِ علمی کی طرف اشارہ ہے۔“ یعنی قرآن کریم ہی وہ مکمل کتاب ہے جس کی تعلیم صحیح راستے پہ راہنمائی کرتی ہے۔ ”اور تکمیلِ عملی کا بیان صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:7) میں فرمایا کہ جو نتائج اکمل اور اَتم ہیں وہ حاصل ہو جائیں۔“ عملی ترقی کے لیے ان لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعا ہے جو انعام یافتہ ہیں۔ جن کا گذشتہ جمعہ میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ کون لوگ انعام یافتہ ہیں۔ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں، صالحین ہیں۔ اور پھر ان کی مثالیں بھی موجود ہیں اور اس زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں جن کو انعامات سے اللہ تعالیٰ نوازتا ہے۔ فرمایا: ”جیسے ایک پودا جو لگایا گیا ہے جب تک پورا نشوونما حاصل نہ کرے اس کو پھل پھول نہیں لگ سکتے اسی طرح اگر کسی ہدایت کے اعلیٰ اور اکمل نتائج موجود نہیں ہیں وہ ہدایت مردہ ہدایت ہے جس کے اندر کوئی نشوونما کی قوت اور طاقت نہیں ہے۔ جیسے اگر کسی کو وید کی ہدایت پر پورا عمل کرنے سے کبھی یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمیشہ کی مکتی یا نجات حاصل کر لے گا اور کیڑے مکوڑے بننے کی حالت سے نکل کر دائمی سرور پالے گا تو اس ہدایت سے کیا حاصل۔ مگر قرآن شریف ایک ایسی ہدایت ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اعلیٰ درجہ کے کمالات حاصل کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے اس کا ایک سچا تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اعمالِ صالحہ جو قرآنی ہدایتوں کے موافق کئے جاتے ہیں وہ ایک شجرِ طیب کی مثال جو قرآن شریف میں دی گئی ہے بڑھتے ہیں اور

پھل پھول لاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی حلاوت اور ذائقہ ان میں پیدا ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 188-189)

پھر فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید ایک ایسی پاک کتاب ہے جو اس وقت دنیا میں آئی تھی جبکہ بڑے بڑے فساد پھیلے ہوئے تھے اور بہت سی اعتقادی اور عملی غلطیاں رائج ہو گئی تھیں اور تقریباً سب کے سب لوگ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں گرفتار تھے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ قرآن مجید میں اشارہ فرماتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) یعنی تمام لوگ کیا اہلِ کتاب اور کیا دوسرے سب کے سب بدعقیدگیوں میں مبتلا تھے اور دنیا میں فسادِ عظیم برپا تھا۔ غرض ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام عقائدِ باطلہ کی تردید کے لئے قرآنِ مجید جیسی کامل کتاب ہماری ہدایت کے لئے بھیجی جس میں کل مذاہبِ باطلہ کا ردّ موجود ہے..... اور خاص کر سورۂ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:2) یعنی ساری خوبیاں اُس خدا کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ الرَّحْمٰنِ وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔" اس کی رحمانیت کام کرتی ہے۔ "الرَّحِيْمِ اعمال کا پھل دینے والا۔" جو کام کرو اس کا پھل دیتا ہے، جو دعائیں کرو ان کو قبول کرتا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ:4) جزا سزا کے دن کا مالک۔" اور جزا سزا اس دنیا میں بھی ہے اور اگلے جہان میں بھی۔ فرمایا کہ "ان چار صفتوں میں کُل دنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 31-32)

اب غور سے اگر انسان پانچ وقت نمازوں میں یہ پڑھے تو بڑی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن ایک معجزہ ہے آپؑ فرماتے ہیں: "معجزہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ معجزہ ایسے امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ فریقِ مخالف اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آجائے۔" کوئی مثال پیش نہ کر سکے۔ "خواہ وہ امر بظاہر نظر انسانی طاقتوں کے اندر ہی معلوم ہو جیسا کہ قرآنِ شریف کا معجزہ جو ملک عرب کے تمام باشندوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ پس وہ اگرچہ بنظرِ سرسری انسانی طاقتوں کے اندر معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی نظیر پیش کرنے سے عرب کے تمام باشندے عاجز آگئے۔ پس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے قرآن شریف کا کلام نہایت روشن مثال ہے کہ بظاہر وہ بھی ایک کلام ہے جیسا کہ انسان کا کلام ہوتا ہے لیکن وہ اپنی فصیح تقریر کے لحاظ سے اور نہایت لذیذ اور مصفّٰی اور رنگین عبارت کے لحاظ سے جو ہر جگہ حق اور حکمت کی پابندی کا التزام رکھتی ہے اور نیز روشن دلائل کے لحاظ سے جو تمام دنیا کے مخالفانہ دلائل پر غالب آگئیں اور نیز زبردست پیشگوئیوں کے لحاظ سے ایک ایسا لاجواب معجزہ ہے جو باوجود گذرنے تیرہ سو برس کے اب تک کوئی مخالف اس کا مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ کسی کو طاقت ہے جو کرے۔ قرآن شریف کو تمام دنیا کی کتابوں سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ معجزانہ پیشگوئیوں کو بھی معجزانہ عبارات میں جو اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت سے پُر اور حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہیں بیان فرماتا ہے۔ غرض اصلی اور بھاری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ

یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے۔ نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس کے بغیر خدائے تعالیٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے کہ جو پورے یقین سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصلی سچائی خدائے تعالیٰ کی ہستی کی شناخت سے وابستہ ہے۔ **سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت کریں** اور وہ مذہب اپنے اندر ایسی زبردست طاقت رکھتا ہو جو اپنے پیرو کا خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے ہاتھ ملا دے..... "ایسا تعلق پیدا کر دے اللہ سے۔ "صرف مصنوعات پر نظر کر کے صانع کی فقط ضرورت ہی محسوس کرنا اور اس کی واقعی ہستی پر اطلاع نہ پانا یہ کامل خدا شناسی کے لئے کافی نہیں ہے۔ "صرف اتنا ہی پتا کرنا کہ کوئی بنانے والا ہے، اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ "اور اسی حد تک ٹھہرنے والے کوئی سچا تعلق خدائے تعالیٰ سے حاصل نہیں کر سکتے اور نہ اپنے نفس کو جذبات نفسانیہ سے پاک کر سکتے ہیں۔ "صرف اتنا علم ہو جانا کہ کوئی ہے، اس سے تو نفس کی صفائی نہیں ہو سکتی، نہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ "اس سے اگر کچھ سمجھا جاتا ہے تو صرف اس قدر کہ اس ترکیب محکم اور ابلغ کا کوئی صانع ہونا چاہیے نہ یہ کہ در حقیقت وہ صانع ہے بھی۔ "یعنی جو بھی کائنات میں اور دنیا میں ہمیں نظر آتا ہے اس کا کوئی بنانے والا بھی ہے۔ یہ اصل علم بھی ہونا چاہیے۔ اور جب اس کا علم ہو کہ کون ہے وہ؟ اور جس خدا کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ ہے وہ خدا تو پھر حقیقی تعلق بھی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کی طرف توجہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر انسان اپنے نفس کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرتا ہے۔

فرمایا: "اور ظاہر ہے کہ صرف ضرورت کو محسوس کرنا ایک قیاس ہے جو رؤیت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور نہ رؤیت کے پاک نتائج اس سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ "کسی کو قیاس کرنا اور دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ "پس جو مذہب انسان کی خدا شناسی کو صرف 'ہونا چاہئے' کے ناقص مرحلہ تک چھوڑتا ہے وہ اس کی عملی حالت کا چارہ گر نہیں ہے۔ پس در حقیقت ایسا مذہب ایک مردہ مذہب ہے جس سے کسی پاک تبدیلی کی توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔ ظاہر ہے کہ محض عقلی دلائل مذہب کی سچائی کے لئے کامل شہادت نہیں ہو سکتے اور یہ ایسی مہر نہیں ہے کہ کوئی جعلساز اس کے بنانے پر قادر نہ ہو بلکہ یہ تو عقل کے چشمۂ عام کی ایک گداگری متصور ہو سکتی ہے۔ "صرف عقلی دلیلیں تو دی جا سکتی ہیں یا عقل سے کوئی بہت بڑی باتیں بھی کر سکتا ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو انسان نہ جانے اور ان سے استفادہ نہ کرے۔ فرمایا: "پھر اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ عقلی باتیں جو ایک کتاب نے لکھیں در حقیقت وہ الہامی ہیں یا کسی اَور کتاب سے چرا کر لکھی گئی ہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ چرائی ہوئی نہیں ہیں تو پھر بھی ہستی باری تعالیٰ پر وہ کب دلیل قاطع ہو سکتی ہیں اور کب کسی طالبِ حق کا نفس اس بات پر پوری تسلی پا سکتا ہے کہ فقط وہی عقلی باتیں یقینی طور پر آیت خدا نما ہیں اور کب یہ اطمینان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ باتیں بکلی غلطی سے مبرا ہیں۔ "یعنی وہ ایسے نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے والے ہیں یا ہر قسم کی غلطی سے پاک ہیں۔ "پس اگر ایک مذہب صرف چند باتوں کو عقل یا فلسفہ کی طرف منسوب کر کے اپنی سچائی کی وجہ بیان کرتا ہے اور آسمانی نشانوں اور خارق عادت امور کے دکھلانے سے قاصر ہے تو ایسے مذہب کا پیرو فریب خوردہ یا فریب دہندہ

ہے اور وہ تاریکی میں مرے گا۔ غرض محض عقلی دلائل سے تو خدائے تعالیٰ کا وجود بھی یقینی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کسی مذہب کی سچائی اس سے ثابت ہو جائے اور جب تک ایک مذہب اس بات کا ذمہ وار نہ ہو کہ وہ خدا کی ہستی کو یقینی طور پر ثابت کر کے دکھلائے تب تک وہ مذہب کچھ چیز نہیں ہے اور بد قسمت ہے وہ انسان جو ایسے مذہب پر فریفتہ ہو۔ ہر ایک وہ مذہب لعنت کا داغ اپنی پیشانی پر رکھتا ہے جو انسان کی معرفت کو اس مرحلہ تک نہیں پہنچا سکتا جس سے گویا وہ خدا کو دیکھ لے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 59 تا 61)

پس یہ ہے وہ مقام جس کو حاصل کرنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔ خدا کو پہچانیں۔ نشانوں سے پہچانیں۔ ذاتی تعلق سے پہچانیں صرف عقلی دلائل نہیں اور پھر جو حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کی وہ حقیقت انسان پہ کھلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں ایسی مثالیں ہیں کہ غیر مذہب بلکہ لامذہب اور خدا کو نہ ماننے والوں کو بھی خدا کے وجود کا یقین دلایا گیا۔ عقلی دلائل دیے گئے اور پھر جب نشان دکھائے گئے اور واقعات بیان کیے گئے تو انہوں نے مذہب کو بھی مانا اور اسلام کو بھی مانا۔ یہاں مغرب میں بھی ایسے لوگ ہیں۔ مثلاً بیلجیم کے ایک بیلجین دوست تھے۔ دہریہ تھے۔ انڈونیشین اور یجن کے تھے پھر بیلجیم آ گئے اور وہیں کے ہو گئے۔ انہوں نے بیعت کی اور مجھے خود انہوں نے بتایا کہ میں نے جب خدا تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کر لیا نہ صرف عقل سے بلکہ واقعاتی دلائل سے اور نشانات سے تو پھر میرے لیے اَور کوئی چارہ نہ تھا کہ میں احمدیت اور حقیقی اسلام کو تسلیم کروں اور کہتے ہیں یہ راستہ کیونکہ مجھے احمدیت نے دکھایا تھا اس لیے میں احمدی مسلمان ہوا۔ پھر قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"ان آیات میں جو معرفت کا نکتہ مخفی ہے وہ یہ ہے کہ ..... خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ۔ فِيْهِ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:2-3) یعنی یہ وہ کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کے علم سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور چونکہ اس کا علم جہل اور نسیان سے پاک ہے۔" جہالت اور بھول چوک سے پاک ہے "اس لئے یہ کتاب ہر ایک شک و شبہ سے خالی ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم انسانوں کی تکمیل کے لئے اپنے اندر ایک کامل طاقت رکھتا ہے اس لئے یہ کتاب متقین کے لئے ایک کامل ہدایت ہے۔ اور ان کو اس مقام تک پہنچاتی ہے جو انسانی فطرت کی ترقیات کے لئے آخری مقام ہے۔ اور" پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ متقی کون ہیں جن کو ہدایت فرماتا ہے، فرماتے ہیں: "خدا ان آیات میں فرماتا ہے کہ متقی وہ ہیں کہ جو پوشیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور قرآن شریف اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں وہی ہدایت کے سرپر ہیں اور وہی نجات پائیں گے۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 136-137)

یہ متقی کی تعریف ہے۔

قرآن بطور دین کامل:

پھر قرآن بطور دین کامل ہونے کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ "یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قرآن شریف نے دین کے کامل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ:4) یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں اسلام کو تمہارا دین مقرر کر کے خوش ہوا۔ سو قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا اب صرف مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ کھلا ہے اور وہ بھی خود بخود نہیں بلکہ سچے اور پاک مکالمات جو صریح اور کھلے طور پر نصرت الٰہی کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں اور بہت سے امور غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں وہ بعد تزکیہ نفس محض پیروی قرآنِ شریف اور اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 80)

افسوس کہ ہمارے مخالفین یہ معرفت کی باتیں سننا نہیں چاہتے اور ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ہم نے قرآن کریم میں تحریف کر دی۔ قرآن کریم کے بطور طب روحانی کے بارے میں آپؑ اپنی تصنیف چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں کہ:

"قرآن شریف ایک ایسی پُر حکمت کتاب ہے جس نے طبِ روحانی کے قواعدِ کلیہ کو یعنی دین کے اصول کو جو دراصل طبِ روحانی ہے طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ کے ساتھ تطبیق دی ہے۔" اس کے مطابق ٹھہرایا ہے۔ "اور یہ تطبیق ایک ایسی لطیف ہے جو صدہا معارف اور حقائق کے کھلنے کا دروازہ ہے اور سچی اور کامل تفسیر قرآن شریف کی وہی شخص کر سکتا ہے جو طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ پیش نظر رکھ کر قرآن شریف کے بیان کردہ قواعد میں نظر ڈالتا ہے۔" فرمایا کہ "ایک دفعہ مجھے بعض محقق اور حاذق طبیبوں کی بعض کتابیں کشفی رنگ میں دکھلائی گئیں۔" اللہ تعالیٰ نے خود راہنمائی فرمائی۔ بعض طبیبوں کی کشفی رنگ میں کتابیں دکھلائی گئیں "جو طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ اور اصول علمیہ اور ستّہ ضروریہ وغیرہ کی بحث پر مشتمل اور متضمن تھیں۔" اس تعلق میں تھیں "جن میں طبیب حاذق قرشی کی کتاب بھی تھی۔" ان میں سے ایک کتاب قرشی جو حکیم ہیں ان کی بھی تھی "اور اشارہ کیا گیا کہ یہی تفسیر قرآن ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم الابدان اور علم الادیان میں نہایت گہرے اور عمیق تعلقات ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں اور جب میں نے ان کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو طب جسمانی کی کتابیں تھیں قرآنِ شریف پر نظر ڈالی تو وہ عمیق در عمیق طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ کی باتیں نہایت بلیغ پیرایہ میں قرآن شریف میں موجود پائیں۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 102-103)

یعنی جسمانی اور روحانی علاج کے لیے بھی قرآن کریم سے ہی صحیح مدد ملتی ہے اور اس میں غور کرنے کے لیے، معرفت حاصل کرنے کے لیے زمانے کے امام کی باتوں کو سننے کی ضرورت ہے، اس کے لٹریچر کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ **تعلق باللہ کا اصل ذریعہ قرآن کریم** ہی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ انسان اُس خدائے غیب الغیب کو ہرگز اپنی قوت سے شناخت نہیں کر سکتا جب تک وہ خود اپنے تئیں اپنے نشانوں سے شناخت نہ کراوے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جب تک وہ تعلق خاص خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے پیدا نہ ہو اور نفسانی آلائشیں ہرگز نفس میں سے نکل نہیں سکتیں جب تک خدائے قادر کی طرف سے ایک روشنی دل میں داخل نہ ہو اور دیکھو کہ میں اس شہادتِ رویت کو پیش کرتا ہوں کہ وہ

تعلق محض قرآن کریم کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے دوسری کتابوں میں اب کوئی زندگی کی روح نہیں اور آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے جو اس محبوب حقیقی کا چہرہ دکھلاتی ہے یعنی قرآن شریف۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 2)

پس قرآن کریم کے حکموں پر عمل کرنے سے خدا تعالیٰ کا چہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم احمدیوں کے لیے بھی یہ غور کا مقام ہے۔ ہم میں کتنے ہیں جو قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں، غور سے دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بھی دے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہمارا اور ان راستبازوں کا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں یہ چشم دید واقعہ اور ذاتی تجربہ ہے کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی میں جو اخلاص اور صدق قدم سے ہو یہ خاصیت ہے کہ آہستہ آہستہ خدائے واحد لاشریک کی محبت دل میں بیٹھتی جاتی ہے اور کلام الٰہی کی روحانی طاقت انسانی روح کو ایک نور بخشتی ہے جس سے اس کی آنکھ کھلتی ہے اور انجام کار عالم ثانی کے عجائبات اس کو دکھائی دیتے ہیں۔ پس اس دن سے اس کو علم الیقین کے طور پر پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور پھر وہ یقین ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ علم الیقین سے عین الیقین تک پہنچتا ہے اور پھر عین الیقین سے حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ جو شخص قرآنِ شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے پہلے اس کو کوئی تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوتا اور کئی قسم کے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے پھر خدا کی رحمت اس کی دستگیری کرتی ہے اور خارق عادت طریقوں سے اس کے ایمان کو قوت دی جاتی ہے اور جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس:65) یعنی ایمانداروں کو خدا کی طرف سے بشارتیں ملتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی وہ بھی اپنی ذات کے متعلق کئی قسم کی بشارتیں پاتا رہتا ہے اور جیسے جیسے بذریعہ ان بشارتوں کے اس کا ایمان قوی ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ گناہ سے پرہیز کرتا اور نیکیوں کی طرف حرکت کرتا ہے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 423-424)

اسلام کی برتری پر ایک مضمون میں جو آریہ سماج کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا اس میں **قرآن شریف کی امتیازی خصوصیات** کا ذکر فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"وہ امتیازی نشان کہ جو الہامی کتاب کی شناخت کے لئے عقل سلیم نے قرار دیا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور اس زمانہ میں وہ تمام خوبیاں جو خدا کی کتاب میں امتیازی نشان کے طور پر ہونی چاہئیں دوسری کتابوں میں قطعاً مفقود ہیں ممکن ہے کہ ان میں وہ خوبیاں پہلے زمانہ میں ہوں گی مگر اب نہیں ہیں اور گو ہم ایک دلیل سے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں ان کو الہامی کتابیں سمجھتے ہیں مگر وہ گو الہامی ہوں لیکن اپنی موجودہ حالت کے لحاظ سے بالکل بے سود ہیں اور اس شاہی قلعہ کی طرح ہیں جو خالی اور ویران پڑا ہے اور دولت اور فوجی طاقت سب اس میں سے کوچ کر گئی ہے۔" پھر امتیازی خوبیوں کا مزید ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اب میں قرآن شریف کی امتیازی خوبیاں جو انسانوں کی طاقت سے برتر ہیں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔"

فرمایا: "اوّل یہ کہ اس میں ایک زبردست طاقت ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں کو ظنی معرفت سے

یقینی معرفت تک پہنچا دیتی ہے۔ ''صرف ظن نہیں ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اور یقینی معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ''اور وہ یہ کہ جب ایک انسان کامل طور پر اس کی پیروی کرتا ہے تو خدائی طاقت کے نمونے معجزہ کے رنگ میں اس کو دکھائے جاتے ہیں اور خدا اس سے کلام کرتا ہے اور اپنے کلام کے ذریعہ سے غیبی امور پر اس کو اطلاع دیتا ہے اور میں اِن قرآنی برکات کو قصہ کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہ معجزات پیش کرتا ہوں کہ جو مجھ کو خود دکھائے گئے ہیں۔ **وہ تمام معجزات ایک لاکھ کے قریب ہیں بلکہ غالباً وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں** خدا نے قرآن شریف میں فرمایا تھا کہ جو شخص میرے اس کلام کی پیروی کرے وہ نہ صرف اس کتاب کے معجزات پر ایمان لائے گا بلکہ اس کو بھی معجزات دیئے جائیں گے۔ سو میں نے بذاتِ خود وہ معجزات خدا کے کلام کی تاثیر سے پائے جو انسانوں کی طاقت سے بلند اور محض خدا کا فعل ہیں۔ وہ زلزلے جو زمین پر آئے اور وہ طاعون جو دنیا کو کھا رہی ہے وہ انہیں معجزات میں سے ہیں جو مجھ کو دیئے گئے۔'' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 402–403)

فرمایا کہ یہ معجزات میرے نہیں بلکہ قرآن شریف کے ہیں کیونکہ ہم اُسی کی طاقت اور اسی کی عطا کردہ روح سے یہ کام کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''غرض قرآن شریف کی زبردست طاقتوں میں سے ایک یہ طاقت ہے کہ اس کی پیروی کرنے والے کو معجزات اور خوارق دیئے جاتے ہیں اور وہ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں یہی دعویٰ رکھتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا کے تمام مخالف کیا مشرق کے اور کیا مغرب کے ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور نشانوں اور خوارق میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہیں تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اور توفیق سے سب پر غالب رہوں گا اور یہ غلبہ اس وجہ سے نہیں ہو گا کہ میری روح میں کچھ زیادہ طاقت ہے بلکہ اس وجہ سے ہو گا کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس کے کلام قرآن شریف کی زبردست طاقت اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اور اعلیٰ مرتبت کا میں ثبوت دوں اور اُس نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھے یہ توفیق دی ہے کہ میں اس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاقت کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے جو ربانی طاقتوں کا مظہر ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ (یونس:65) اور یہ وعدہ ہے کہ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ:23) اور یہ وعدہ ہے کہ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال:30) اس وعدہ کے موافق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے اور ترجمہ اِن آیات کا یہ ہے کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے ان کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جائیں گے یعنی بکثرت دیئے جائیں گے ورنہ شاذ و نادر کے طور پر کسی دوسرے کو بھی کوئی سچی خواب آسکتی ہے مگر ایک قطرہ کو ایک دریا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں اور ایک پیسہ کو ایک خزانہ سے کچھ مشابہت نہیں اور پھر فرمایا کہ کامل پیروی کرنے والے کی روح القدس سے تائید کی جائے گی یعنی ان کے فہم اور عقل کو غیب سے ایک روشنی ملے گی اور ان کی کشفی حالت نہایت صفا کی جائے گی اور ان کے کلام اور کام میں تاثیر رکھی جائے گی اور ان کے ایمان نہایت مضبوط کئے جائیں گے اور پھر فرمایا کہ خدا ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرق بیّن رکھ دے گا یعنی بمقابل ان کے

باریک معارف کے جو اُن کو دیئے جائیں گے اور بمقابل ان کی کرامات اور خوارق کے جو ان کو عطا ہوں گی دوسری تمام قومیں عاجز رہیں گی۔" فرمایا "چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم سے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آتا ہے اور اس زمانہ میں ہم خود اس کے شاہدِ رویت ہیں۔" کاش! کچھ مسلمان بھی اس کو سمجھیں اور ہمیں بھی اس کا صحیح ادراک حاصل ہو کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نشانات کے ساتھ بھیجا ہے اور ان نشانات کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کی صحیح طرح پیروی کرے اللہ تعالیٰ اس کو بھی کچھ نہ کچھ اس کا مزا چکھاتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا:

"یہ تو ہم نے قرآن شریف کی اس زبردست طاقت کا بیان کیا ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں پر اثر ڈالتی ہے لیکن وہ دوسرے معجزات سے بھی بھرا ہوا ہے۔ اس نے اسلام کی ترقی اور شوکت اور فتح کی اُس وقت خبر دی تھی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے جنگلوں میں اکیلے پھرا کرتے تھے اور ان کے ساتھ بجز چند غریب اور ضعیف مسلمانوں کے اور کوئی نہ تھا اور جب قیصر روم ایرانیوں کی لڑائی سے مغلوب ہو گیا اور ایران کے کسریٰ نے اس کے ملک کا ایک بڑا حصہ دبالیا تب بھی قرآن شریف نے بطور پیشگوئی کے یہ خبر دی کہ نو (9) برس کے اندر پھر قیصر روم فتحیاب ہو جائے گا اور ایران کو شکست دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ایسا ہی شق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفار نے اِس معجزہ کو دیکھا۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 409 تا 411)

یہ سب تفصیل آپؑ کی کتاب چشمہ معرفت میں موجود ہے۔ مختصر میں نے بیان کیا ہے۔ پھر چشمہ معرفت میں ہی اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کے قصے دراصل پیشگوئیاں ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"جس قدر قرآن شریف میں قصے ہیں وہ بھی **درحقیقت قصے نہیں بلکہ وہ پیشگوئیاں** ہیں جو قصوں کے رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ ہاں وہ توریت میں تو ضرور صرف قصے پائے جاتے ہیں مگر قرآن شریف نے ہر ایک قصہ کو رسول کریم کے لئے اور اسلام کے لئے ایک پیشگوئی قرار دے دیا ہے اور یہ قصوں کی پیشگوئیاں بھی کمال صفائی سے پوری ہوئی ہیں۔ غرض قرآن شریف معارف و حقائق کا ایک دریا ہے اور پیشگوئیوں کا ایک سمندر ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی انسان بجز ذریعہ قرآن شریف کے پورے طور پر خدا تعالیٰ پر یقین لاسکے کیونکہ یہ خاصیت خاص طور پر قرآن شریف میں ہی ہے کہ اس کی کامل پیروی سے وہ پردے جو خدا میں اور انسان میں حائل ہیں سب دُور ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک مذہب والا محض قصہ کے طور پر خدا کا نام لیتا ہے مگر قرآن شریف اس محبوبِ حقیقی کا چہرہ دکھلا دیتا ہے اور یقین کا نور انسان کے دل میں داخل کر دیتا ہے اور وہ خدا جو تمام دنیا پر پوشیدہ ہے وہ محض قرآن شریف کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے۔" (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 271-272)

بشرطیکہ حقیقی طور پر قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ قصے اور دوسرا احکام۔ فرماتے ہیں:

"**قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔** کوئی بات قصہ کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں..... جو لوگ قصص اور ہدایات میں تمیز نہیں کرتے ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور گویا اپنی عملی صورت میں قرآن کریم کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء:83)" کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اَور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پایا جاتا۔ فرماتے ہیں کہ "اور عدم اختلاف اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ٹھہرائی گئی ہے" کہ اختلاف نہیں ہے اس لیے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ "لیکن یہ ناعاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے اس کو مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ ٹھیراتے ہیں۔ افسوس ان کی دانش پر!!!" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 83)

جیسا کہ بیان ہوا تھا قصص پیشگوئیوں کے رنگ رکھتے ہیں اور جو دوسرے احکامات ہیں۔ ان کو اگر ملا کے بعض لوگ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں۔ خود عرفان نہیں ان کو سمجھنے کا اور جو تفسیر کی جائے اس پر تحریف کا الزام لگا دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں میں سے اس کی تعلیم بھی ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت اور انسانی مصالح کے سراسر مطابق ہے۔ مثلاً توریت کی یہ تعلیم ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اور انجیل یہ کہتی ہے کہ بدی کا ہرگز مقابلہ نہ کر بلکہ اگر کوئی تیری دائیں گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دے مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:41) یعنی بدی کا بدلہ تو اسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور اس گناہ کے بخشنے میں وہ شخص جس نے گناہ کیا ہے اصلاح پذیر ہو سکے اور آئندہ اپنی بدی سے باز آ سکے تو معاف کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہوگا ورنہ سزا دینا بہتر ہوگا۔ کیونکہ طبائع مختلف ہیں۔ بعض ایسی ہی ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے پھر اس گناہ کا نام نہیں لیتے اور باز آ جاتے ہیں ہاں بعض ایسے بھی ہیں کہ قید سے بھی رہائی پا کر پھر وہی گناہ کرتے ہیں۔ سو چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اس لئے یہی تعلیم ان کے مناسب حال ہے جو قرآن شریف نے پیش کی ہے اور انجیل اور توریت کی تعلیم ہرگز کامل نہیں ہے بلکہ وہ تعلیم انسانی درخت کی شاخوں میں سے صرف ایک شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور وہ دونوں تعلیمیں اس قانون کے مشابہ ہیں جو مختص القوم یا مختص المقام ہو مگر قرآنی تعلیم تمام طبائع انسانیہ کا لحاظ رکھتی ہے۔"

یہ مثال میں نے پہلے پچھلے جمع بھی بیان کی تھی لیکن اَور پہلو سے کی تھی۔ اب قرآن کریم کے اوصاف کے لحاظ سے یہ مثال پیش کی جا رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ "انجیل کا حکم ہے۔" اس حوالے سے پھر ایک اَور دوسری مثال دیتے ہیں۔ صرف یہی مثال نہیں ہے اور مثالیں بھی دیتے ہیں مثلاً فرمایا کہ انجیل کا ایک حکم ہے "کہ تُو غیر عورت کو شہوت کی نظر سے مت دیکھ مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ تو ہرگز نہ دیکھ۔" عورتوں کو نہ دیکھو۔ "نہ شہوت کی نظر سے نہ بے شہوت کہ یہ کبھی نہ کبھی تیرے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگا۔" یہ کہہ دیتے ہیں جی ہم تو بڑی پاک نظر

سے دیکھ رہے ہیں۔ پاک نظر سے بھی نہیں دیکھنا کیونکہ تمہارے لیے ٹھوکر کا باعث ہو گا ”بلکہ ضرورت کے وقت خوابیدہ چشم سے (نہ نظر پھاڑ کر) رفع ضرورت کرنا چاہئے۔“ یعنی اگر ضرورت پڑے بھی تو پھر آدھ کھلی، نیم وَا آنکھوں سے دیکھو تا کہ پوری طرح نظر نہ آئے۔ اور اگر دیکھنے کی ضرورت ہے بھی تو اپنی نظریں پھاڑ پھاڑ کے نہ دیکھو۔ پھر فرمایا ”اور انجیل کہتی ہے کہ اپنی بیوی کو بجز زنا کے ہر گز طلاق نہ دے مگر قرآنِ شریف اس بات کی مصلحت دیکھتا ہے کہ طلاق صرف زنا سے مخصوص نہیں بلکہ اگر مرد اور عورت میں باہم دشمنی پیدا ہو جاوے اور موافقت نہ رہے یا مثلاً اندیشۂ جان ہو یا اگرچہ عورت زانیہ نہیں مگر زنا کے مقدمات اس سے صادر ہوتے ہیں اور غیر مردوں کو ملتی ہے تو اِن تمام صورتوں میں خاوند کی رائے پر حصر رکھا گیا ہے کہ اگر وہ مناسب دیکھے تو چھوڑ دے۔ مگر پھر بھی تاکید ہے اور نہایت سخت تاکید ہے۔“ یہ آرام سے طلاق نہیں دے دینا۔ فرمایا: ”تاکید ہے اور نہایت سخت تاکید ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے۔“ یہاں اس بات کا بھی جواب مل گیا کہ مرد کو طلاق کا کلّی اختیار ہے۔ بعض مردوں کا یہ خیال ہے اور وہ استعمال کر جاتے ہیں اور زیادتی بھی کرتے ہیں۔ فرمایا کہ بغیر جائز وجہ کے ایک تو ویسے ہی جائز نہیں لیکن اس میں بھی یہی ہے کہ کوشش کرو کہ نہ دی جائے۔ پھر فرمایا: ”اب ظاہر ہے کہ قرآنِ شریف کی تعلیم انسانی حاجات کے مطابق ہے اور ان کے ترک کرنے سے کبھی نہ کبھی کوئی خرابی ضرور پیش آئے گی۔ اسی وجہ سے بعض یورپ کی گورنمنٹوں کو جوازِ طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 413-414)

اب قانون میں بھی یہ لکھا جاتا ہے کہ وجہ جواز کیا ہے؟ کافی مقدموں میں وہ پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے؟ کیوں طلاق ہو رہی ہے؟ کیوں علیحدگی ہو رہی ہے؟ سارے ثبوت دینے پڑتے ہیں۔ تو بہرحال فرمایا کہ یہ آسانی سے نہیں ہو جاتی۔ اس لیے انہیں بھی اپنا قانون بنانا پڑا۔ دنیا کے قانون تو بہرحال بنتے بھی ہیں ٹوٹتے بھی ہیں۔ ان میں مزید بہتری پیدا کرنے کے لیے یہ لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں پھر بھی کوئی نہ کوئی سقم رہ جاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کا قانون ایسا ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے۔ دوبارہ یہاں یہ واضح کر دوں کہ صرف مرد کو ہی طلاق کا حق نہیں ہے بلکہ عورت بھی پسند ناپسند یا کسی بھی وجہ سے خلع لے سکتی ہے اور اگر مرد قصوروار ٹھہرے اور بعض زیادتیاں کرے جو ثابت ہو جائیں تو پھر یہ خیال مردوں کا کہ حق مہر نہیں ادا ہو گا وہ حق مہر بھی ان کو ادا کرنا پڑتا ہے اور حقوق بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس لیے کسی لڑکی یا عورت کے ذہن میں یہاں یہ خیال نہ آئے کہ صرف مرد کو حق دیا گیا ہے۔ جب عورت کے حوالے سے بات ہو گی تو وہاں اس کی تفصیل بھی بیان ہو جائے گی۔ بہرحال یہ مضمون جاری ہے۔ اس حوالے سے اَور بھی آپؑ کے ارشادات ہیں جو وقتاً فوقتاً بیان کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کی صحیح تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 03/ مارچ 2023ء جلد 30 شمارہ 18 صفحہ 05 تا 10)

7

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 17/ فروری 2023ء بمطابق 17/ تبلیغ 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جیسا کہ ہر احمدی جانتا ہے کہ 20/ فروری کا دن جماعت میں پیشگوئی مصلح موعود کے حوالے سے یاد رکھا جاتا ہے اور اس مناسبت سے جماعتوں میں جلسے بھی ہوتے ہیں۔ 20/ فروری تو اس دفعہ تین دن کے بعد آنا ہے لیکن مَیں نے مناسب سمجھا کہ آج کے خطبہ میں اس حوالے سے کچھ باتیں کروں۔ یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت کی تھی جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت اسے حاصل ہو گی۔

پیشگوئی مصلح موعودؓ:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو، پیشگوئی کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ فرمایا:

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزوجل خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہ وعزّ اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ **اے مظفر! تجھ پر سلام**۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عَنَائُوایل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رِجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اُس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس

اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا..... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"۔ تین کو چار کرنے کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ "(اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے۔)" بہر حال آگے فرمایا "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَ الْآخر، مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رَستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 647)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق اُس مدت کے اندر جو آپؑ نے بیان فرمائی تھی بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسیح الثانی کے مقام پر بھی بٹھایا۔ پھر ایک لمبے عرصے بعد خلیفہ ثانیؓ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر یہ اعلان فرمایا کہ جس بیٹے کی مصلح موعود ہونے کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خبر دی تھی وہ مَیں ہی ہوں۔ اس بیٹے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیے جانے، ذہین و فہیم ہونے اور دوسری خصوصیات کے اپنے بھی اور غیر بھی معترف ہیں اور خوب جانتے ہیں اور اس کا اعتراف غیروں نے کھل کر کیا ہے۔

اس وقت میں **حضرت مصلح موعودؓ کے علمی اور متفرق کارناموں میں سے بعض کا ذکر** پیش کروں گا۔ ان باتوں کے سننے سے پہلے جو پیش کرنے لگا ہوں اس بات کو سامنے رکھنا چاہیے کہ آپؓ کا بچپن صحت کے لحاظ سے نہایت کمزوری میں گزرا، بیماری میں گزرا۔ آنکھوں کی تکلیف وغیرہ بھی رہی۔ نظر بھی ایک وقت میں ایک آنکھ سے جاتی رہی۔ پھر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے بھی آپؓ کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ آپؓ نے خود فرمایا کہ مشکل سے میری پرائمری تک تعلیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا آپؓ کو دینی و دنیوی علوم سے پُر کرنے کا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے زبردست اور عقل کو دنگ کر دینے والے خطابات اور خطبات آپؓ سے کروائے اور ایسے ایسے مضامین آپؓ نے لکھے کہ جو اپنی مثال آپ ہیں اور غیر بھی ان کے معترف ہیں۔ آج کچھ حوالے میں پیش کروں گا۔

مَیں یہ حوالے پیش کرنے سے پہلے **آپؓ کی تصنیفات، تقاریر، مضامین، خطبات اور مجالس عرفان وغیرہ کی تعداد اور حجم کا ایک جائزہ** پیش کرتا ہوں۔ جو کتب، خطابات، لیکچرز، مضامین پیغامات وغیرہ کی شکل میں شائع ہوئے یا اب تقریباً مکمل ہیں اور وہ جو تقاریر، خطابات وغیرہ انوار العلوم کی شکل میں شائع ہونے کے لیے تیار ہیں۔ ان کی کل اڑتیس (38) جلدیں بن جائیں گی اور ان کی تعداد چودہ سو چوبیس (1424) ہے اور اس کے کُل صفحات بیس ہزار تین سو چالیس (20340) ہیں۔ اتنے ہو جائیں گے اندازاً۔

تفسیر کبیر، تفسیر صغیر سمیت دیگر تفسیری مواد کے صفحات اٹھائیس ہزار سات سو پینتیس (28735) ہیں۔ 1808 خطبات جمعہ ہیں جن کے صفحات اٹھارہ ہزار سات سو پانچ (18705) ہیں۔ اکاون (51) خطباتِ عید الفطر ہیں جن کے صفحات پانچ سو تین (503) ہیں۔ بیالیس (42) خطباتِ عید الاضحی ہیں جن کے صفحات چار سو پانچ (405) ہیں۔ 150 خطباتِ نکاح ہیں جن کے صفحات چھ سو چوراسی (684) ہیں۔ خطاباتِ شوریٰ جلد اوّل تا سوم بھی شائع ہوئی ہے اس کے صفحات دو ہزار ایک سو اکتیس (2131) ہیں یہ سارے اور جو مختلف اور بھی ہیں ان صفحات کو اکٹھا کیا جائے، جمع کیا جائے تو کُل تقریباً پچہتر ہزار (75000) صفحات بنتے ہیں۔ ریسرچ سیل نے الحکم اور الفضل کے 1913ء سے 1970ء تک کے شماروں کو دیکھا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کچھ مزید مواد سامنے آیا ہے جو ابھی تک انوار العلوم یا کسی کتاب میں شائع نہیں ہو سکا۔ اس تفصیل کے مطابق پچپن (55) مضامین، ستائیس (27) تقاریر، ایک سو تینتالیس (143) مجالس عرفان، دو سو بائیس (222) عناوین ملفوظات اور ایک سو اکتیس (131) مکتوبات ابھی تک مل چکے ہیں۔ ایک بڑا وسیع علمی ذخیرہ ہے۔

اس وقت میں پہلے آپؓ کے **علمی کارناموں میں سے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کے کچھ کوائف اور غیروں کے اس بارے میں آراء، تبصرے** پیش کرتا ہوں۔ تفسیر کبیر میں حضرت مصلح موعودؓ نے اُنسٹھ (59) سورتوں کی تفسیر بیان فرمائی ہے جو کہ دس جلدوں اور پانچ ہزار نو سو سات (5907) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے تفسیری نوٹ بھی آپؓ کے ملے ہیں جن کے صفحات کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے اور امید ہے کسی وقت یہ بھی شائع ہو جائے گی۔ بامحاورہ ترجمہ قرآن کا ایک بہت بڑا کام آپؓ کا تفسیرِ صغیر کی صورت میں ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی عمر کے آخری دَور میں سب سے بڑی یہ خواہش تھی کہ آپؓ کی زندگی میں آپؓ کے ذریعہ پورے قرآنِ مجید کا ایک معیاری اور بامحاورہ اردو ترجمہ مع مختصر مگر جامع نوٹوں کے شائع ہو جائے۔

سفر یورپ 1955ء سے واپسی کے بعد اگرچہ حضورؓ کی طبیعت اکثر ناساز رہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ موعود کی روح القدس سے ایسی زبردست تائید فرمائی کہ جون 1956ء میں گرمیوں میں مری کے پہاڑوں پر گئے تو وہاں آپؓ نے ترجمہ قرآن املاء کرانا شروع کیا جو خدا کے فضل سے 25/ اگست 1956ء کی عصر تک مکمل ہو گیا اور یہ نخلہ ایک جگہ تھی جو کلر کہار کے قریب چھوٹا سا پُر فضا مقام ہے وہاں آپؓ نے چھوٹی سی ایک بستی بنائی تھی جہاں یہ کام کیا۔ اس کے بعد پھر اس کی نظر ثانی ہوئی۔ پھر نظر ثالث ہوئی۔ کتابت ہوئی۔ پروف ریڈنگ وغیرہ ہوئی۔ اس کے بہت سارے کام ہوئے اور تفسیر صغیر 15/ نومبر 1957ء کو طبع ہو کر مکمل تیار ہو گئی۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 522 تا 531)

حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر صغیر کے بارے میں ایک جگہ فرمایا کہ:

”میری رائے یہ ہے کہ اس وقت تک قرآن کریم کے جتنے ترجمے ہو چکے ہیں ان میں سے کسی ترجمہ میں بھی اردو محاورے اور عربی محاورے کا اتنا خیال نہیں رکھا گیا جتنا اس میں رکھا گیا ہے۔“ عام طور پر دیکھیں اور خصوصاً اس کے نوٹس میں بھی نظر آجاتا ہے کہ آپؓ نے ترجمہ میں محاورے کا خیال رکھا ہے۔ ”یہ محض اللہ تعالیٰ کا

فضل ہے کہ اس نے اتنے تھوڑے عرصہ میں ایسا عظیم الشان کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمادی....." فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ نے اس بڈھے اور کمزور انسان سے وہ عظیم الشان کام کروالیا جو بڑے بڑے طاقتور بھی نہ کر سکے۔" فرماتے ہیں "گذشتہ تیرہ سو سال میں بڑے بڑے قوی نوجوان گزرے ہیں مگر جو کام اللہ تعالیٰ نے مجھے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس کی ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں ملی۔ درحقیقت یہ کام خدا کا ہے اور وہ جس سے چاہتا ہے کروالیتا ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 525-526)

پھر ایک اَور جگہ آپؓ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے..... قرآنِ شریف کا سارا ترجمہ مکمل ہو گیا۔ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے وَالنَّاسِ تک مع تفسیر صغیر کے جس کے متعلق تفسیر کبیر سے مقابلہ کرنے سے یہ پتہ لگا ہے کہ کئی مضامین اختصاراً اس میں ایسے آئے ہیں کہ تفسیر کبیر میں بھی نہیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 530)

پھر تفسیر القرآن انگریزی کا بھی ایک اہم کام ہوا جسے ہم فائیو والیم کمنٹری (Five Volume Commentary) کہتے ہیں۔ اس تفسیر کے شروع میں حضرت مصلح موعودؓ کے قلم سے لکھا ہوا ایک نہایت پُرمعارف دیباچہ بھی شامل ہے جس میں دوسرے صحفِ سماوی کی موجودگی میں قرآن مجید کی ضرورت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور جمع القرآن اور قرآنی تعلیمات پر بالکل اچھوتے اور دلآویز پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس دیباچے کے آخر میں شکریہ و اعتراف کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ مَیں اس دیباچے کے آخر میں مولوی شیر علی صاحب کی ان بے نظیر خدمات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے باوجود صحت کی خرابی کے قرآن کریم کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے متعلق کی ہیں۔ اسی طرح ملک غلام فرید صاحب، خان بہادر چودھری ابوالہاشم خان صاحب مرحوم اور مرزا بشیر احمد صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ترجمے پر تفسیری نوٹ میری مختلف تقریروں اور کتابوں اور درسوں کا خلاصہ نکال کر درج کیے ہیں۔ پھر اس میں آپؓ نے یہ بھی لکھا کہ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کا شاگرد ہونے کی وجہ سے کئی مضامین میری تفسیر میں لازماً ایسے آئے ہیں جو مَیں نے اُن سے سیکھے۔ اس لیے اس تفسیر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر بھی، حضرت خلیفہ اوّلؓ کی تفسیر بھی اور میری تفسیر بھی آجائے گی اور چونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی روح سے ممسوح کر کے ان علوم سے سرفراز فرمایا تھا جو اس زمانے کے لیے ضروری ہیں اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ یہ تفسیر بہت سے بیماروں کو شفا دینے کا موجب ہو گی۔ بہت سے اندھے اس کے ذریعہ سے آنکھیں پائیں گے۔ بہرے سننے لگ جائیں گے۔ گونگے بولنے لگ جائیں گے۔ لنگڑے اور اپاہج چلنے لگ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے مضامین کو برکت دیں گے اور یہ اس غرض کو پورا کرے گی جس غرض کے لیے یہ شائع کی جارہی ہے۔ اللّٰھم آمین۔

(ماخوذ از دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 507-508)

اور اَب تک جو لوگ بھی اس کو پڑھتے ہیں تو بعض غیر بھی، عیسائی بھی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ **علامہ نیاز فتح پوری صاحب** جو کہ مشہور اہلِ قلم ہیں، محقق ہیں، ادیب تھے۔ ماہنامہ نگار کے مدیر تھے۔ احمدی نہیں ہیں۔ انہوں نے تفسیر کبیر کا

مطالعہ کیا تو حضرت مصلح موعودؓ کو ایک خط میں لکھا کہ ”تفسیرِ کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپ کی تبحرِ علمی، آپ کی وسعتِ نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حسنِ استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ مَیں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا.....“ یہ بڑے پڑھے لکھے اور عالم آدمی ہیں جو بات کر رہے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ”کل سورۃ ہود کی تفسیر میں حضرت لوط پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ (ھود:78) کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔“

(تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 157-158)

پھر ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ ”رات کو تو بالالتزام اسے دیکھتا ہوں... میرے نزدیک یہ اردو میں بالکل پہلی تفسیر ہے جو بڑی حد تک ذہنِ انسانی کو مطمئن کر سکتی ہے.....“ پھر کہتے ہیں کہ ”اس تفسیر کے ذریعہ سے جو خدمت اسلام کی انجام دی ہے وہ اتنی بلند ہے کہ آپ کے مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔“

(تفسیر کبیر جلد 7 تعارفی صفحہ)

پھر سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی ہیں۔ یہ احمدی تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ:

”برصغیر ہندو پاکستان کی **معروف شخصیت نواب بہادر یار جنگ** (جن سے سیٹھ صاحب کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے)..... “ یہ بہادر یار جنگ صاحب احمدی نہیں تھے۔ ان کے ان سے تعلقات تھے۔ ”سیٹھ صاحب کہتے ہیں کہ نواب بہادر یار جنگ اپنی صحبتوں میں تفسیرِ کبیر کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور اس کی عظمت کا ہمیشہ اعتراف کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اس کے بیان کردہ معارف سے انہوں نے بہت استفادہ کیا ہے۔“

(تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 158)

پھر جناب اختر اورینوی صاحب ایم اے صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: ”میں نے یکے بعد دیگرے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تفسیرِ کبیر کی چند جلدیں **پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج**، پٹنہ وحال پرنسپل شبینہ کالج پٹنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ اور وہ ان تفسیروں کو پڑھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے مدرسہ عربیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شیوخ کو بھی تفسیر کی بعض جلدیں پڑھنے کے لئے دیں اور ایک دن کئی شیوخ کو بلوا کر انہوں نے ان کے خیالات دریافت کئے۔ ایک شیخ نے کہا کہ فارسی تفسیروں میں ایسی تفسیر نہیں ملتی۔ پروفیسر عبدالمنان صاحب نے پوچھا کہ عربی تفسیروں کے متعلق کیا خیال ہے؟ شیوخ خاموش رہے۔ کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک نے کہا۔ پٹنہ میں ساری عربی تفسیریں ملتی نہیں ہیں۔ مصر و شام کی ساری تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے قدیم عربی تفسیروں کا تذکرہ شروع کیا اور فرمایا۔ **مرزا محمود کی تفسیر کے پایہ کی ایک تفسیر بھی کسی زبان میں نہیں ملتی۔** آپ جدید تفسیریں بھی مصر و شام

سے منگوالیجئے اور چند ماہ بعد مجھ سے باتیں کیجئے۔ عربی و فارسی کے علماء "جو بیٹھے ہوئے تھے "مبہوت رہ گئے۔"

(تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 158-159)

متعدد کتب کے مصنف اور **اخبار صدق جدید لکھنؤ کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی** نے حضرت مصلح موعودؓ کے انتقال پر لکھا کہ "کراچی سے خبر شائع ہوئی ہے کہ جماعت احمدی (قادیانی) کے امام مرزا بشیر الدین محمود کا 8/ نومبر کو ربوہ میں انتقال ہو گیا....." کہتے ہیں دوسرے عقیدے ان کے جیسے بھی ہوں قرآن وعلومِ قرآنی کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا صلہ اللہ انہیں عطا فرمائے۔ اور ان خدمات کے طفیل میں ان کے ساتھ عام معاملہ درگذر کا فرمائے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح تبیین و ترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔"

(صدق جدید لکھنو جلد 15 نمبر 51۔18 نومبر 1965ء بحوالہ الفضل ربوہ 22/ مارچ 1966ء صفحہ 8)

پھر ایک **مشہور احراری لیڈر تھے مولوی مظہر علی صاحب اظہر** اپنی کتاب "ایک خوفناک سازش" میں لکھتے ہیں کہ: "مولوی (ظفر علی خاں) نے... کہا۔ احمدیوں کی مخالفت کی آڑ میں احرار نے خوب ہاتھ رنگے۔ احمدیوں کی مخالفت کا احرار نے محض جلب زر کے لئے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔" پیسے اکٹھے کرنے کے لئے۔ کہتے ہیں "قادیانیت کی آڑ میں غریب مسلمانوں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی ہڑپ کر رہے ہیں۔ کوئی ان احرار سے پوچھے بھلے مانسو! تم نے مسلمانوں کا کیا سنوارا۔ کون سی اسلامی خدمت تم نے سرانجام دی ہے۔ کیا بھولے سے بھی تم نے تبلیغ اسلام کی؟" کہتے ہیں "احراریو! کان کھول کر۔" خود بھی احراری ہیں کہہ رہے ہیں "احراریو! کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے۔ تم میں ہے کوئی جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے؟ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔ تم خود کچھ نہیں جانتے تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔ مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے گالیاں اور بدزبانی۔ تف ہے تمہاری غداری پر....." پھر لکھتے ہیں کہ "مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں۔ مختلف علوم کے ماہر ہیں۔ دنیا کے ہر ایک ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے... مَیں حق بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہ میں ضرور کہوں گا کہ اگر تم نے مرزا محمود کی مخالفت کرنی ہے تو پہلے قرآن سیکھو۔ مبلغ تیار کرو۔ عربی مدرسہ جاری کرو... اگر مخالفت کرنی ہے تو پہلے مبلغ تیار کرو۔ غیر ممالک میں ان کے مقابلہ میں تبلیغ اسلام کرو... یہ کیا شرافت ہے کہ... مرزائیوں کو گالیاں دلوا دیں کیا یہ تبلیغ اسلام ہے؟ یہ تو اسلام کی مٹی خراب کرنا ہے۔"

(تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 513)

پھر **اخبار امروز لاہور** نے 30/ مئی 66ء کی اشاعت میں تفسیر صغیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ: "قرآن حکیم پوری بنی نوع انسان کے لئے رشد و ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے۔ ازل سے رہتی دنیا تک یہ کتاب مبین انسانوں کو دینی اور دنیوی معاملات میں عدل کا راستہ دکھاتی رہے گی اور بھولے بھٹکوں کو صراط مستقیم پر لاتی رہے گی۔" کاش کہ آج

کے علماء بھی یہ سمجھیں۔ ”قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔“ لکھتا ہے ”قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ، کوئی سا گوشہ اور کوئی سا مرحلہ ایسا نہیں ہے جہاں ہم قرآن سے استمداد نہ کر سکتے ہوں لیکن ظاہر ہے کہ اس کے لئے مطالبِ قرآن پر حاوی ہونا لازم ہے۔ جب تک قرآن میں منضبط احکام خداوندی کے مفاہیم کا انشراح ہی نہ ہو گا رشد و ہدایت کا سلسلہ کیسے شروع ہو گا۔“ اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ پھر ہی پتہ لگے گا کہ کیا لکھا ہے۔ ”اسی ضرورت کے پیشِ نظر قرآنی مطالب کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ شروع ہوا اور نزولِ قرآن سے لے کر اَب تک اور پھر ابد تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ جن لوگوں نے قرآن فہمی عام کرنے کے سلسلہ میں کوئی سا حصہ بٹایا ہو یقیناً تشکر کے سزاوار ہیں۔“ ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

”مفسرین نے اپنے اپنے دَور میں قرآنی بصیرت کو عام کرنے میں جو کاوشیں کیں وہ اس لحاظ سے بھی مستحسن قرار پائیں گی کہ اس طرح تفسیر قرآن نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی اور مطالب و معانی کے ابلاغ کے باب میں تفحص کی ایک پختہ روایت قائم ہو گئی۔ بحمد للہ۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور رہے گا۔“ آگے پھر تفسیر صغیر کے بارے میں کہتا ہے کہ ”اس وقت تفسیر صغیر پیش نظر ہے۔ یہ تفسیر احمدیہ جماعت کے پیشوا الحاج مرزا بشیر الدین محمود مرحوم کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔ قرآن کے عربی متن کے اردو ترجمے کے ساتھ کئی مقامات کی تشریح کے لئے حواشی اور تفصیلی نوٹ دیئے گئے ہیں۔ ترجمے اور حواشی کی زبان نہایت سادہ اور آسان فہم ہے۔“

(تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 541-542)

پھر ایک **ہفت روزہ قندیل** ہوتا تھا۔ وہ 19/ جون 1966ء میں لکھتا ہے کہ ”انجمن حمایت اسلام لاہور اور تاج کمپنی لمیٹڈ کی طرف سے قرآنِ حکیم کی طباعت میں جو خوش ذوقی کا ثبوت دیا جاتا رہا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔“ پھر کہتا ہے تفسیر صغیر کے بارے میں کہ ”تفسیر صغیر کی اشاعت سے اس روح آفرین سعی میں اضافہ ہوا ہے... تفسیر صغیر میں ترجمہ اور تفسیر امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ اور حواشی کی زبان عام فہم ہے تا کہ ہر علمی استعداد کا آدمی اس سے مستفید ہو سکے۔ ترجمہ اور تفسیر میں یہ التزام بھی ہے کہ جملہ تفاسیر متقدمین آخر تک پیشِ نظر رکھی گئی ہیں.....“ پھر کہتا ہے کہ ”قرآنِ مجید کو اس خوبصورتی سے طبع کرا کے شائع کرنا ایک بہت بڑی خدمت اسلام ہے۔“ (الفضل 23 جون 1966ء صفحہ 5)

آج کل کے علماء پاکستان میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں تحریف کی گئی ہے اس لیے بین (ban) کی جاتی ہے۔ تفسیر صغیر پاکستان میں بین (ban) کی ہوئی ہے۔ اس کو کوئی اپنے گھر میں بھی نہیں رکھ سکتا اور ان کے اپنے جو ہیں انصاف پسند لوگ، پرانے لوگ وہ کہتے ہیں کہ اس جیسی کوئی چیز ہی نہیں۔ قابل تعریف چیز ہے اور اس سے آدمی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آج کل کے علماء کو بھی انصاف کی نظر سے دیکھنے کی توفیق دے۔ پھر انگریزی تفسیر قرآن کے دینی اور ادبی محاسن نے یورپ و امریکہ کے چوٹی کے اہل علم کو متاثر کیا ہے۔ انہوں نے اس پر شاندار ریویو کیے۔

مثلاً **اے جے آربری (A.J.Arberry) ایک مشہور سکالر** ہیں۔ کہتے ہیں کہ ”قرآن شریف کا یہ نیا ترجمہ اور تفسیر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ موجودہ جلد اس کارنامہ کی گویا پہلی منزل ہے۔“ جو ان کو ایک جلد پہنچی

تھی۔ کہتے ہیں "کوئی پندرہ سال کا عرصہ ہوا جماعت احمدیہ قادیان کے محقق علماء نے یہ عظیم الشان کام شروع کیا اور کام حضرت اقدس مرزا بشیر الدین محمود احمد کی حوصلہ افزاء قیادت میں ہوتا رہا۔ کام بہت بلند قسم کا تھا یعنی یہ کہ قرآن شریف کے متن کی ایک ایسی ایڈیشن شائع کی جائے جس کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت صحیح صحیح انگریزی ترجمہ ہو اور ترجمہ کے ساتھ آیت آیت کی تفسیر ہو....." پھر کہتا ہے "شروع میں ایک طویل دیباچہ ہے جو خود حضرت مرزا بشیر الدین نے رقم فرمایا ہے....." اور پھر اس نے دیباچہ کی باتیں لکھی ہیں کہ اس میں کیا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ "اگر ہم اس کام کو اسلام کے ذوقِ علم تحقیق کی عظیم یادگار کہہ کر پیش کریں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔" ذوق علم تحقیق کی عظیم یادگار کہہ کر پیش کریں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ "اس کی تیاری کے ہر مرحلہ پر مستند کتب تفسیر ولغت و تاریخ وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتب کی طویل فہرست پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمہ و تفسیر کے تیار کرنے والوں نے نہ صرف تمام مشہور عربی تفسیروں کو زیر مطالعہ رکھا ہے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ یورپین مستشرقین نے تنقیدی رنگ میں جو کچھ لکھا ہے اسے بھی مد نظر رکھا ہے۔ اگر صرف ترجمہ پر نظر ڈالی جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ ترجمہ کی انگریزی، غلطیوں سے پاک اور بڑی پُر وقار ہے....." پھر کہتا ہے کہ "غیر مسلم معترضین کے اعتراضوں کا ردّ بھی اس میں ہے اور دوسرے مذاہب پر مناسب تنقید بھی، غیر مسلم پڑھنے والوں کو اس کے کئی حصے یک طرفہ اور معترضانہ رنگ لئے ہوئے معلوم ہوں گے لیکن یاد رہے یہ حصے بھی خلوص نیت سے لکھے گئے ہیں اور نہایت توجہ سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ متقی اور اہل علم مسلمان جب دوسرے مذاہب کی روایتی تعلیموں پر اعتراض کرتے ہیں تو ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 672-673)

پھر ایک **ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن (Charles.S. Braden) صدر شعبہ تاریخ وادب مذہبیات نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی ایونسٹن (Evanston) امریکہ** نے لکھا "کتاب کی طباعت نہایت عمدہ ہے، ٹائپ بھی اعلیٰ ہے اور سہولت سے پڑھا جا سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی انگریزی زبان کے اسلامی لٹریچر میں یہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے جس کے لئے دنیا جماعت احمدیہ کی از حد ممنون ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 674)

پھر ایک **مشہور مسیحی اخبار النصر** نے لکھا کہ "جماعت احمدیہ نے امریکہ اور یورپ کے براعظموں میں ثقافت اسلامیہ کی اشاعت کا نمایاں کام کیا ہے اور یہ کام لگاتار مبلغین کی روانگی سے ہو رہا ہے اور مختلف کتب و اشتہارات کی اشاعت سے بھی جن کے ذریعہ فضائل اسلام اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بیان کیا جاتا ہے۔ ہمیں قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ دیکھ کر بہت ہی خوشی ہوئی ہے۔ یہ ترجمہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن مجید جاذب نظر اور ناظرین کے لئے قرۃ العُیون ہے۔ یہ ترجمہ بلند پایہ خیالات کا حامل ہے... قرآنی آیات ایک کالم میں درج ہیں اور دوسرے کالم میں بالمقابل ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بعد ازاں مفصل تفسیر کی گئی ہے۔ مطالعہ کرنے والا ان تفاسیر جدیدہ میں مستشرقین اور یورپین معاندین کے اعتراضات کے مفصل جوابات پاتا ہے... یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود

احمد صاحب نے اس ترجمہ کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی تحریر فرمائی ہے اور یہ سیرت و ترجمہ بے نظیر ہیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 675-676)

بہرحال تفسیرِ کبیر، تفسیر صغیر اور فائیو والیم کمنٹری (Five Volume Commentary) پر یہ تبصرے ہیں۔ اَب مَیں **بعض تقاریر کے متعلق بھی بیان** کرتا ہوں۔ حضرت مصلح موعودؓ کے علمی خزانے کو جو آپؓ نے تقاریر وغیرہ میں ہمارے سامنے رکھا اس کی غیروں نے بھی تعریف کی اور ان کو کس نظر سے دیکھا اس بارے میں عرض کرتا ہوں کہ آپؓ کا ایک خطاب **'نظامِ نَو'** تھا جو آپؓ نے غیروں کے سامنے کیا تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے۔ "مصر کے مشہور ادیب الاستاذ عباس محمود العقاد نے اس عظیم الشان لیکچر کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر مصر کے مشہور ادبی مجلہ "الرسالۃ" میں حسب ذیل تبصرہ کیا۔" کہتے ہیں کہ "اس لیکچر کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ فاضل لیکچرار (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) عالمگیر نظام کی توجہ اس طرف پھیرتے ہیں کہ فقر اور غربت کی مصیبت کو دُور کیا جائے یا بالفاظ دیگر جمع شدہ اموال کو تمام دنیا کی قوموں اور لوگوں میں بحصّہ رسدی تقسیم کیا جائے۔ بلاشک آپ نے (لیکچرار صاحب نے)" مرزا بشیر الدین محمود نے "تمام دنیا کے جملہ نئے نظاموں پر جنہوں نے اس مصیبت اور مشکل کو دُور اور حل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی فیسی ازم، نازی ازم اور کمیونزم اور بعض دیگر جمہوری نظام اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کو ان سب نظاموں کے متعلق ہر جہت سے مکمل اطلاع اور علم حاصل ہے۔" یونہی نہیں لکھ دیا۔ یہ سارے جو نئے ازم ہیں ان کا آپ کو علم بھی تھا اور بڑا گہرائی میں علم تھا۔ پھر ساتھ کہتا ہے "لیکن ساتھ ہی آپ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں جو بالکل صحیح اعتقاد ہے کہ سیاست دان اور پارٹی لیڈرز اور حکومتیں اس مشکل کو حل نہیں کر سکتیں اس لئے ایسی مشکلات کو حل کرنے کے لئے روحانی قوت کی ضرورت ہے کیونکہ ہر ایسی مشکل جو تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اس کا حقیقی حل اور علاج تمام کے تمام انسان مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے بڑی چیز جو اطمینان پیدا کرتی ہے اور نیک کاموں اور اصلاح کے لئے دلیری پیدا کرتی ہے یعنی اعتقاد اور ایمان، اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان میں موجودہ بڑے بڑے مذاہب پر خصوصاً اور دنیا کے دوسرے مذاہب پر عموماً ایک محققانہ نظر ڈالی ہے تا ان سے وہ علاج دریافت کیا جائے جو اس مشکل کے دور کرنے کے لئے جسے دنیا بری نظر سے دیکھتی ہے وہ پیش کرتے ہیں اور تا ان سے نیا نظام دریافت کیا جائے جو وہ موجودہ نظام کی بجائے پیش کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اس مشکل کو حل کریں اور اس مصیبت کو دور کریں۔"

اس کے بعد لکھتا ہے کہ "اس کے بعد آپ نے بہت سے دلائل اس بات کے لئے پیش کئے ہیں کہ ان سب مذاہب میں سے" پہلے تو یہ ہے کہ ٹھیک ہے مذاہب اپنے اپنے نظام پیش کریں اگر ان کے پاس کچھ ہے لیکن کر نہیں سکتے۔ پھر لکھتا ہے کہ "آپ نے بہت سے دلائل اس بات کے لئے پیش کئے ہیں کہ ان سب مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے اندر ان مشکلات کو حل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور تمام اقوام اور تمام

لوگ پہلے بھی اس پر عمل کر سکتے تھے اور اب اس موجودہ زمانہ میں بھی عمل کر سکتے ہیں۔"

پھر "(اس کے بعد ... محمود العقاد" صاحب "نے "نظام نو" کے اس حصے کا خلاصہ اپنی زبان میں دیا ہے)....." کہتے ہیں کہ "بالفاظ دیگر فاضل لیکچرار صاحب نے صرف ان مذہبی عقائد کا ہی جن کا ہم نے مذکورہ بالا سطور میں نہایت مختصر طور پر اشارۃً ذکر کیا ہے مقابلہ اور موازنہ کرنے میں ہی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔" انہوں نے لمبی چوڑی تفصیل دی تھی جو مَیں نے نہیں پڑھی۔ بہر حال کہتے ہیں "بلکہ آپ نے خاص طور پر ان پر گہری نظر ڈالی ہے اور خاص اہتمام سے کام لیا ہے کیونکہ صرف عقیدہ ہی جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک ایسی چیز ہے جس سے اصلاح کی امید رکھی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی آپ نے ان عقاید کا مقابلہ اور موازنہ کرنے کے علاوہ ان تمام سیاسی اور سوشل نظاموں کا بھی مقابلہ اور موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سب کے سب عملی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے ہیں....." (اس کے بعد اس نے "نظامِ نو" کے اس حصہ کا خلاصہ دیا ہے۔ جو سیاسی اور سوشل نظاموں پر مشتمل ہے)۔ پھر یہ کہتا ہے کہ "اگر یہ آواز یورپ اور امریکہ کے انگریزی خوان طبقہ میں پھیلائی جائے بلکہ خود اہلِ ہندوستان اور اہل مشرق کے درمیان بھی پھیلائی جائے تو یقیناً اپنا اثر دکھلائے گی۔"

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 369–370)

پھر **اسلام میں اختلافات کا آغاز**۔ یہ آپؓ کا ایک لیکچر ہے جو مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی (Martin Historical Society) کے اجلاس میں اسلامیہ کالج لاہور میں آپؓ نے دیا۔ ایسا عالمانہ اور تاریخ اسلام پر مکمل عبور رکھتے ہوئے یہ لیکچر تھا کہ بڑے بڑے تاریخ دان بھی آپ کے سامنے اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھنے لگے۔ حضورؓ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔ یہاں خلاصہ بیان کرتا ہوں کہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ ہر ایک فتنہ سے یا عیب سے پاک تھے بلکہ ان کا رویہ نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظہر تھا اور ان کا قدم نیکی کے اعلیٰ مقام پر قائم تھا۔ کسی کو ہم الزام نہیں دے سکتے، نہ حضرت عثمانؓ کو نہ صحابہ کو۔

پھر فرمایا اور یہ کہ صحابہ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ آخر دم تک وفاداری سے کام لیتے رہے۔ اور آپ نے یہ ثابت کیا کہ صحابہ پر یہ غلط الزام ہے کہ انہوں نے بغاوت کی۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے۔ (یہ بھی اس میں ثابت کیا۔) انصار پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے وہ غلط ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انصار کے سب سردار اس فتنہ کے دور کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ بہر حال اس پہ جو تاثرات ہیں غیروں کے وہ یہ ہیں۔

سید عبد القادر صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور لکھتے ہیں کہ "فاضل باپ کے فاضل بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے نام نامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ یہ تقریر نہایت عالمانہ ہے" کہتے ہیں "مجھے بھی اسلامی تاریخ سے کچھ شدبد ہے اور مَیں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مؤرخ ہیں جو حضرت عثمانؓ کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں اور اس مہلک اور پہلی خانہ جنگی کی اصلی وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے

میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ انہوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرائے میں ان واقعات کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے ایوان خلافت مدت تک تزلزل میں رہا۔ میرا خیال ہے کہ ایسا مدلل مضمون اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہو گا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد کی جس قدر اصلی اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر یہ مضمون سبق آموز اور قابلِ قدر معلوم ہو گا۔"

(اسلام میں اختلافات کا آغاز صفحہ تمہید مطبوعہ نومبر 1930ء)

پھر اَور بھی بہت سے تبصرے ہیں لیکن وقت نہیں کہ سب کو بیان کیا جائے۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ کا ایک خطاب **اسلام کے اقتصادی نظام** سے متعلق تھا جو لاہور میں احمدیہ ہاسٹل میں ہوا۔ "یہ تقریر تقریباً اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ اس تقریر میں احمدی احباب کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مسلم اور غیر مسلم معززین بھی شامل تھے۔" پڑھے لکھے لوگ تھے۔ غیر احمدی مسلمان اور دوسرے غیر مسلم لوگ بھی "جن کی اکثریت اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ اور پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسرز اور طلباء سے تعلق رکھتی تھی۔ تقریر کے دوران پروفیسرز، وکلاء اور دیگر اہل علم دوست کثرت سے نوٹس لیتے رہے۔"

(انوار العلوم جلد 18 تعارف کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" تعارفی صفحہ 1)

اسلام کے اقتصادی نظام کا لب لباب بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ:

"اسلامی اقتصاد نام ہے فردی آزادی اور حکومتی تداخل کے ایک مناسب اختلاط کا۔" آزادی بھی ہو اور حکومت کا دخل بھی ہو لیکن یہ آپس میں مناسب طور پہ ملے ہوں، کو آرڈی نیٹ کرتے ہوں۔ "یعنی اسلام دنیا کے سامنے جو اقتصادی نظام پیش کرتا ہے اس میں ایک حد تک حکومت کی دخل اندازی بھی رکھی گئی ہے اور ایک حد تک افراد کو بھی آزادی دی گئی ہے۔ اِن دونوں کے مناسب اختلاط کا نام اسلامی اقتصاد ہے۔ فردی آزادی اِس لئے رکھی گئی ہے تاکہ افراد آخرت کا سرمایہ اپنے لئے جمع کر لیں اور ان کے اندر تسابق اور مقابلہ کی روح ترقی کرے۔" صرف دنیا کے مقابلے میں نہیں بلکہ آخرت کے لیے بھی جو نیکیاں کر کے آگے بڑھنے، نیکیوں میں بڑھنے کا مقابلہ ہے وہ بھی جاری رہے۔ پھر فرمایا "اور حکومت کا تداخل اِس لئے رکھا گیا ہے کہ امرا کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کو اقتصادی طور پر تباہ کر دیں۔ گویا جہاں تک بنی نوع انسان کو تباہی سے محفوظ رکھنے کا سوال ہے حکومت کی دخل اندازی ضروری سمجھی گئی ہے اور جہاں تک تسابق اور اخروی زندگی کے لئے زاد جمع کرنے کا سوال ہے حریتِ شخصی کو قائم رکھا گیا ہے اور فردی آزادی کو کچلنے کی بجائے اس کی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔ پس اسلامی اقتصادیات میں فردی آزادی کی بھی پوری حفاظت کی گئی ہے تاکہ انسان طوعی خدمات کے ذریعہ سے آئندہ کی زندگی کے لئے سامان بہم پہنچا سکے اور تسابق کی روح ترقی پا کر ذہنی ترقی کے میدان کو ہمیشہ کیلئے وسیع کرتی چلی جائے اور حکومت کا دخل بھی قائم رکھا گیا ہے تاکہ فرد کی کمزوری کی وجہ سے اقتصادیات کی بنیاد ظلم، بے انصافی پر قائم نہ ہو جائے اور بنی نوع انسان کے کسی حصہ کے راستہ میں روک نہ بن جائے۔" (اسلام کا اقتصادی نظام، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 35)

"حضور نے اپنی تقریر کے دوسرے حصے میں کمیونزم کی تحریک کا مذہبی، اقتصادی، سیاسی، نظریاتی اور عملی لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا اور آخر میں اس کے متعلق بائبل کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کا اردو متن سنانے کے علاوہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا۔ الغرض حضرت مصلح موعود کے اس لیکچر نے چوٹی کے علمی طبقوں میں ایک تہلکہ مچادیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ہر سطح پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔"

(انوار العلوم جلد 18 تعارف کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ 3)

"اس تقریر کو حاضرین نے ایسے شوق سے سنا کہ اتنے لمبے عرصہ تک لوگ اس طرح بیٹھے رہے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔" اڑھائی گھنٹے تک لگاتار تقریر تھی۔ "ایک پروفیسر تو اِس تقریر کو سن کر رو پڑے اور بعض کمیونزم کے حامی طلباء نے اِس خیال کا اظہار کیا کہ وہ اسلامی شوشلزم کے قائل ہوگئے ہیں اور اب اسے صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔ یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے ایم۔ اے کے بعض طلباء نے حضور کی اس تقریر کے متعلق یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کا انگریزی ترجمہ چھپوا کر یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کے پاس بھیجا جانا چاہئے۔" اس زمانے میں انگریزوں کی حکومت تھی اکثر انگریز پروفیسر ہوا کرتے تھے۔ "نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ جہاں مختلف سکیمیں ہندوستان کی آئندہ ترقی اور بہبودی کیلئے دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش ہو رہی ہیں وہاں یہ اسلامی نظام جو حضور نے پیش فرمایا ہے مسلمانوں کے خیالات کی نمائندگی کرے گا۔"

(انوار العلوم جلد 18 تعارف کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ 2-3)

اس تقریر کی صدارت مسٹر رامچند مچندہ صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے کی تھی۔ لکھنے والا یہ لکھتا ہے کہ اس پر شوکت تقریر کے بعد صدر جلسہ جناب لالہ رامچند مچندہ صاحب نے ایک مختصر تقریر کی۔ کہتے ہیں کہ "میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سننے کا موقعہ ملا اور مجھے اِس بات سے خوشی ہے کہ تحریک احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ جو تقریر اِس وقت آپ لوگوں نے سنی ہے اس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضور نے بیان فرمائی ہیں۔ مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی اِن قیمتی معلومات سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بھی بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس جلسہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوئے ہیں....."

پھر کہتے ہیں کہ "پہلے تو میں سمجھتا تھا اور یہ میری غلطی تھی کہ اسلام صرف اپنے قوانین میں مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا مگر آج حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں غیر مسلم دوستوں سے کہوں گا کہ اس قسم کے اسلام کی عزت و احترام کرنے میں آپ لوگوں کو کیا عذر ہے؟ آپ لوگوں نے جس سنجیدگی اور سکون سے اڑھائی گھنٹہ تک حضور کی تقریر سنی ہے اگر کوئی یورپین اس بات کو دیکھتا تو وہ حیران ہوتا کہ ہندوستان نے اتنی ترقی کر لی ہے....."

پھر یہ تبصرہ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ "تقریر سننے کے بعد اکثر کی زبان پر تعریفی کلمات تھے بلکہ ایک کثیر طبقہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ عقاید کے میدان میں گو ہم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں۔" عقیدہ ہمارا مختلف ہے۔ ہم یہ نہیں مانتے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ عقیدے کے اختلاف کے باوجود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں "مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آپ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے

بہترین عالم ہیں اور حقیقت بھی یہی تھی کہ علم اقتصاد کے متعلق قرآنی حقائق و معارف کا انکشاف اور یورپ کے اقتصادی فلسفہ کا ردّ آج تک کسی انسان کی طرف سے ایسے رنگ میں پیش نہیں ہوا کہ خود منکرینِ اسلام ایسے نظام کی فضیلت کا اقرار کریں اور خود اشتراکیت کے حامی اشتراکیت کی خامیاں تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ چنانچہ حضرت مولانا شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے تقریر کے بعد بعض غیر احمدی نوجوانوں کو آپس میں یہ گفتگو کرتے سنا کہ اگر اَب بھی تم نے کمیونسٹ کی تائید کی تو تم پر لعنت ہے....." اسی طرح ایک پروفیسر صاحب پہلے بھی ذکر آیا پڑا ہے یہ سن کر روپڑے "تقریر کے اختتام پر غیر احمدی پروفیسر صاحبان اور طلباء کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ چونکہ وقت کی قلت کی وجہ سے حضور اپنی تقریر میں مضمون کے تمام پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں فرما سکے اس لئے ایک اَور تقریر فرمائی جائے جس میں مضمون کے باقی حصص کی وضاحت ہو جائے تا لوگ علوم کے اس چشمہ سے سیر اب ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور کو عطا فرمایا ہے۔"

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 495 تا 497)

کہ علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا گیا ہے۔ سید عبد القادر صاحب ایم اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور یہ صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج ہیں۔ انہوں نے اسلام اور اشتراکیت کے عنوان پر اخبار سن رائز لاہور میں ایک نوٹ دیا جس کا کچھ حصہ یہ ہے۔ لکھتے ہیں کہ "اسلام کا اقتصادی نظام اور کمیونزم کے موضوع پر (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کا لیکچر سننے کا مجھے بھی فخر حاصل ہوا۔ یہ لیکچر بھی آپ کے دوسرے لیکچروں کی طرح جو مجھے سننے کا اتفاق ہوا ہے عالمانہ خیالات میں جلا پیدا کرنے والا اور پُر از معلومات تھا۔ مرزا صاحب خداداد قابلیت کے مالک ہیں اور اس موضوع کے ہر پہلو پر آپ کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔" کوئی ڈگری نہیں لی ہوئی۔ کوئی ریسرچ نہیں کی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ "اس وجہ سے آپ کے خیالات اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان پر توجہ کریں۔"

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 499)

پھر مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے۔ اس کے تراجم پڑھ کر غیر ملکی پریس اور پڑھے لکھے طبقہ نے بھی سراہا۔ چنانچہ **سپین کے سپریم ٹریبیونل کے پریذیڈنٹ ایس وائی ڈی جوس کاسٹن (S.Y.D.Jose Castan) نے یہ پڑھ کے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کو لکھا** کہ "میں آپ کے نوازش نامہ کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس کے ساتھ ایک بہترین کتاب ہے جس کے مطالعہ نے میری طبیعت پر نہایت شاندار اور اعلیٰ تاثرات پیدا کئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ (اللہ تعالیٰ) آپ کو اس ملک (سپین) میں اور اس کے باہر بھاری کامیابی عطا کرے گا۔ کتاب حالات حاضرہ کے متعلق نہایت دلچسپ ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 35)

پھر **حضرت مصلح موعودؓ کی وفات پر اخبار روشنی سری نگر نے 11/نومبر 1965ء میں لکھا** کہ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اولین صدر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی وفات حسرت آیات....." کہتے ہیں کہ "ایک جید عالم اور مفکر تھے۔ تقریر کرنے میں شاید ہی کوئی آپ کا ثانی تھا۔ یہاں تک کہ "اسلام کا اقتصادی نظام" اور "اسلام کا نظام نو" جیسے دقیق موضوعات پر ایک ایک ہی صحبت میں جو تقاریر ہوئیں وہ کتابی صورت میں شائع ہو

کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ آپ کے عالم و فاضل ہونے کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انٹر نیشنل کورٹ آف جسٹس" کے جج جسٹس "سر ظفر اللہ خاں صاحب بھی آپ کے مریدوں میں سے ہیں اور انہی کے الفاظ میں آپ کی ذات صفات حسنہ کا ایک ایسا دلکش مجموعہ پیش کرتی ہے جس کا ایک شخص کے وجود میں ہونا بہت نادر ہے..... ظاہری اور باطنی علوم کا سرچشمہ بھی ہیں۔" اب غیر یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ظاہری اور باطنی علوم کا سرچشمہ بھی ہیں۔ "آپ تخیل اور عمل کے میدانوں کے یکساں شہسوار ہیں۔ آپ کی زندگی کا بہت سا حصہ ذکر و فکر میں گزرتا ہے لیکن میدان عمل میں آپ ایک اولوالعزم اور جری قائد بھی ہیں۔" پھر کہتے ہیں "...جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا ہر کشمیری دل سے مداح ہے کیونکہ تحریک حریت کشمیر میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ 1931ء میں جب تحریک کشمیر شروع ہوئی تو آپ ہی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اولین صدر تھے اور یہ آپ ہی کی کوششوں کا ثمرہ تھا کہ تحریک پروان چڑھی اور اس کا غلغلہ چار دانگ عالم میں ہوا۔"

(تاریخ احمدیت جلد 23 صفحہ 184-185)

پھر ویمبلے کانفرنس تو جماعت کی تاریخ میں کافی مشہور ہے۔ اس میں آپؓ کا جو مضمون پڑھا گیا اس میں غیروں کے تاثرات کیا تھے۔ مضمون کے خاتمے پر پریذیڈنٹ نے مختصر الفاظ میں ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ "مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مضمون کی خوبی اور لطافت کا اندازہ خود مضمون نے کرا لیا ہے۔" اب انگریز ہیں یہ۔ "میں صرف اپنی طرف سے اور حاضرینِ جلسہ کی طرف سے مضمون کی خوبی ترتیب، خوبی خیالات اور اعلیٰ درجہ کے طریقِ استدلال کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حاضرین کے چہرے زبانِ حال سے میرے اس کہنے کے ساتھ متفق ہیں اور مَیں یقین کرتا ہوں کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ مَیں ان کی طرف سے شکریہ کرنے میں حق پر ہوں اور ان کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہوں۔ پھر حضرت صاحب کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا کہ مَیں آپ کو لیکچر کی کامیابی پر مبارک باد عرض کرتا ہوں آپ کا مضمون بہترین مضمون تھا جو آج پڑھے گئے....."

رپورٹ لکھنے والے لکھتے ہیں "ایک صاحب حضرت کے حضور حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ہندوستان میں تیس سال کام کیا ہے اور مسلمانوں کے حالات اور دلائل کا مطالعہ کیا ہے۔ کیونکہ میں ایک مشنری کی حیثیت سے ہندوستان میں رہا ہوں مگر جس خوبی، صفائی اور لطافت سے آپ نے آج کے مضمون کو پیش کیا ہے مَیں نے اس سے پہلے کبھی کسی جگہ بھی نہیں سنا۔ مجھے اس مضمون کو سن کر کیا بلحاظ خیالات، کیا بلحاظ ترتیب اور کیا بلحاظ دلائل بہت گہرا اثر ہوا ہے۔"

(الفضل 23 اکتوبر 1924ء جلد 12 نمبر 45 صفحہ 4)

بہر حال اس طرح کے بیشمار تاثرات ہیں۔ مختلف موضوعات پر آپؓ کے مضامین اور خطابات کی تعداد بیشمار ہے جیسا کہ میں شروع میں بتا چکا ہوں۔ چند نمونے میں نے پیش کیے ہیں۔ **اخبار فَتَی الْعَرَب دمشق کا ایک حوالہ پیش** کر دیتا ہوں۔ 1924ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب یورپ تشریف لے گئے تو راستہ میں عرب ممالک میں بھی قیام فرمایا اور اس دوران عرب ممالک کے پریس نے بھی آپؓ کے متعلق اپنے تاثرات شائع کیے۔ چنانچہ اخبار فَتَی الْعَرَب دمشق اپنی دس اگست 1924ء کی اشاعت میں لکھتا ہے "یہ خلیفہ صاحب اپنی عمر کے چالیسویں سال

میں ہیں۔ منہ پر سیاہ کشادہ داڑھی رکھتے ہیں۔ چہرہ گندم گوں ہے اور جلال و وقار چہرہ پر غالب ہے۔ دونوں آنکھیں ذکاء و ذہانت اور غیر معمولی علم و عقل کی خبر دے رہی ہیں۔ آپ ان کے چہرہ کے خدوخال میں جبکہ وہ اپنی برف کی مانند سفید پگڑی پہنے کھڑے ہوں یہ دماغی قابلیتیں دیکھیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ آپ ایک ایسے شخص کے سامنے ہیں جو آپ کو قبل اسکے کہ آپ اسے سمجھیں خوب سمجھتا ہے۔" وہ آپؓ کو دیکھ لیتا ہے اپنی نظروں سے "اور آپ کے لبوں پر تبسم کھیلتا رہتا ہے۔" پھر حضرت مصلح موعودؓ کے متعلق فرمایا کہ ان کے لبوں پر تبسم کھیلتا رہتا ہے "جو کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے" ہمیشہ مسکراہٹ رہتی ہے۔ پھر وہ پڑھنے والوں کے لیے کہتا ہے کہ "اور اگر آپ اس کیفیت کو دیکھیں تو آپ اس تبسم کے نیچے جو معنی ہیں اور جو اس میں جلال ہوتا ہے اس سے حیران ہو جائیں گے۔"

(ماہنامہ خالد سیدنا مصلح موعود نمبر جون، جولائی 2008ء صفحہ 320)

اس طرح کے غیروں کے بے شمار تاثرات ہیں ان لوگوں کے جنہیں تھوڑا عرصہ یا زیادہ عرصہ صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ مواد تو بہت سا تھا جیسا کہ میں نے کہا، مَیں نے جمع کروایا تھا لیکن وقت کی وجہ سے مَیں نے کچھ پیش کیا ہے اور وہ بھی خلاصۃً پیش کیا ہے۔ وہ بھی ساری باتیں نہیں لکھیں۔ جو باتیں پیشگوئی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی تھیں یا کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بتائی تھیں وہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد مصلح موعودؓ میں پوری ہوئیں۔ آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم اور عرفان عطا فرمایا تھا اس کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپؓ کا دیا ہوا لٹریچر ایک جماعتی خزانہ ہے۔ آپؓ کے خطابات، خطبات، مضامین اکثر شائع ہو چکے ہیں کچھ ہو رہے ہیں۔ انہیں ہمیں پڑھنا چاہیے اور اب ترجمے کا کام بھی خاصی تیزی سے ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی وہ بھی مہیا ہو جائے گا۔ انگریزی میں تو کافی کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ میرا مطلب ہے چھوٹی چھوٹی کچھ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس علم و عرفان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 10/مارچ 2023ء جلد 30 شمارہ 20 صفحہ 05 تا 11)

8

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 24/ فروری 2023ء بمطابق 24/ تبلیغ 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

بدری صحابہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے حوالے سے بعض باتوں کا ذکر رہ گیا تھا جو میں بیان کر رہا تھا۔ اس حوالے سے آج بھی بیان کروں گا۔ جس کے بعد بدری صحابہ کے بارے میں یہ سلسلہ یا جو مَیں بیان کرنا چاہتا تھا وہ ختم ہو جائے گا۔ **حضرت عامر بن ربیعہؓ کے بارے میں** لکھا ہے کہ آپؓ کے والد کا نام ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ تھا۔ آپؓ سے بعض روایات بھی ملتی ہیں۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنی والدہ حضرت ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابو حَثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم حبشہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے اور عامر بن ربیعہ ہمارے کسی کام کے سلسلہ میں کہیں گئے ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ جو کہ ابھی حالتِ شرک میں تھے وہاں آ نکلے اور میرے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہمیں ان سے سخت تکلیف اور سختیاں پہنچی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا۔ اے ام عبداللہ! کیا روانگی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اللہ کی قسم! ہم اللہ کی زمین میں جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ ہمارے لیے کشادگی پیدا کر دے۔ تم لوگوں نے ہمیں بہت دکھ دیا ہے اور ہم پر بہت سختیاں کی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو! وہ کہتی ہیں کہ میں نے اس دن حضرت عمرؓ کی آواز میں وہ رقّت دیکھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ وہاں سے چلے گئے اور ان کو ہمارے کوچ کرنے نے غمگین کر دیا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ اتنے میں حضرت عامرؓ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آ گئے تو میں نے ان سے کہا اے ابو عبداللہ! کیا آپ نے ابھی عمر اور ان کی رقّت اور دکھ کو دیکھا۔ بتایا ہو گا انہوں نے۔ حضرت عامرؓ نے جواب دیا کہ کیا تُو اس کے مسلمان ہونے کی خواہشمند ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت عامرؓ نے کہا۔ خطاب کا گدھا مسلمان ہو سکتا ہے مگر وہ شخص جس کو تُو نے ابھی دیکھا ہے یعنی حضرت عمرؓ وہ اسلام نہیں لا سکتا۔ حضرت لَیلیٰ کہتی ہیں کہ حضرت عامرؓ نے یہ بات اُس ناامیدی کی وجہ سے کہی تھی جو ان کو حضرت عمرؓ کے اسلام کی مخالفت اور سختی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔

(اسد الغابہ جزء 3 صفحہ 118 عامر بن ربیعہ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2003ء) (فضائل الصحابۃ لامام احمد بن حنبل جزء 1 صفحہ 279، جامعہ ا لقریٰ 1983ء) (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جزء 1 صفحہ 370، دارالکتاب العربی بیروت لبنان، 1990ء)

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیں سَریہ نخلہ جس کا نام سریہ عبداللہ بن جحش بھی ہے، یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے اس پر روانہ فرمایا اور ہمارے ساتھ حضرت عمرو بن سراقہ بھی تھے اور وہ ہلکے پیٹ والے اور لمبے قد والے تھے۔ راستے میں ان کو شدید بھوک لگی جس کی وجہ سے وہ دہرے ہو گئے اور ہمارے ساتھ چلنے کی استطاعت نہ رکھ سکے اور گر پڑے۔ بھوک کی یہ حالت تھی۔ ہم نے ایک پتھر کا ٹکڑا لے کر ان کے پیٹ پر رکھ کر ان کی کمر کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ پھر وہ ہمارے ساتھ چل پڑے۔ ہم ایک عرب قبیلے کے پاس پہنچے جنہوں نے ہماری ضیافت کی۔ اس کے بعد آپؓ چل پڑے اور کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ انسان کی ٹانگیں اس کے پیٹ کو اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں حالانکہ اصل میں انسان کا پیٹ اس کی ٹانگوں کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔

(معرفة الصحابة از علامه ابو نعيم جزء 1 صفحه 2004-2005، عمرو بن سراقه، دارالوطن للنشر)
(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 330)

جب بھوک کی حالت ہو، فاقہ زدگی ہو، کمزوری ہو پھر انسان چل بھی نہیں سکتا۔ حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سَہْلِ بن حُنَیفؓ کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا۔

(ماخوذ از کنز العمال جزء 4 صفحه 470 حديث 11399، مؤسسة الرسالةبيروت لبنان، 1985ء)

8/ ہجری میں جنگِ ذاتُ السَّلَاسِل میں حضرت عامر بن ربیعہؓ بھی شامل تھے اور اس میں آپؓ کے بازو پر تیر لگا جس کی وجہ سے آپؓ زخمی ہو گئے۔

(سير اعلام النبلاء سيرت النبى جزء 2 صفحه 149، غزوه ذات السلاسل، الرسالة العالمية 1985ء)

عبداللہ بن عامر اپنے والد حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے استفسار فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں عورت کی قبر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ سو رہے تھے ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپؐ کو جگائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ایسا نہ کرو۔ مجھے اپنے جنازوں کے لیے بلایا کرو۔** پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں صفیں بنوائیں اور اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ وہیں قبر کے اوپر۔

(مسند احمد بن حنبل، جلد 24 صفحه 443 حديث 15673 مؤسسة الرسالة بيروت)

عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عامر بن ربیعہؓ نے بتایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی سریہ میں روانہ فرماتے تھے تو ہمارے پاس زادِ راہ صرف کھجور کا ایک تھیلا ہوتا تھا۔ امیر لشکر ہمارے درمیان ایک مٹھی بھر کھجور تقسیم کر دیتے تھے اور آہستہ آہستہ ایک ایک کھجور کی نوبت آ جاتی تھی پھر آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہونے لگتی تھی تو سفر میں پھر ایک کھجور ایک آدمی کو ملا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ ابا جان! ایک کھجور کیا کفایت کرتی ہو گی؟ اس سے پیٹ کیا بھرتا ہو گا؟ انہوں نے کہا پیارے بیٹے! ایسا نہ کہو کیونکہ اس کی اہمیت ہمیں اس وقت معلوم ہوتی جب ہمارے پاس وہ بھی نہ ہوتی تھی۔

(ماخوذ از حلية الاولياء و طبقات الاصفياء جزء 1 صفحه 179، دارالفكر بيروت لبنان، 1996ء)

یہ تو جو فاقے میں ہو اس سے پوچھو کہ ایک کھجور کی بھی کیا اہمیت ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں خیبر کے علاقے سے یہود کو نکال دیا تو وادیٔ قریٰ کی زمینیں آپؓ نے جن لوگوں میں تقسیم فرمائیں ان میں حضرت عامر بن ربیعہ بھی تھے۔

(کتاب اخبار المدینة النبویة از ابو زید عمر بن شبة، جلد 1 صفحہ 181، امر خیبر مطبوعہ دارالعلیان)

حضرت عمرؓ جب جَابِیَہ تشریف لے گئے، یہ دمشق کے مضافات کی ایک بستی ہے، تو حضرت عامرؓ آپؓ کے ساتھ تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس میں حضرت عمرؓ کا جھنڈا حضرت عامرؓ کے پاس تھا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ جب حج پر تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت عامرؓ کو مدینہ میں اپنا قائمقام مقرر فرمایا۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة جلد 3 صفحہ 469، عامر بن ربیعہ، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، 1995ء)
(معجم البلدان جلد 2 صفحہ 91، زیر لفظ الجابیة، دارصادر بیروت لبنان)(سیر اعلام النبلاء جلد 2 صفحہ 334، عامر بن ربیعہ، الرسالة العالمیة، 1985ء)

امیر مقامی مقرر فرمایا۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ کی وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک آپؓ کی وفات حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور بعض کے مطابق 32/ ہجری میں ہوئی جبکہ بعض کے نزدیک 33/ ہجری میں ہوئی۔ بعض کے نزدیک 36/ ہجری میں اور بعض کے نزدیک 37/ ہجری میں ہوئی۔ علامہ ابن عساکر کے نزدیک 32/ ہجری والی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر از ابن عساکر جزء 27 صفحہ 229، عامر بن ربیعہ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، 2001ء)

آپؓ کی وفات کے بارے میں روایت میں یہ بھی بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپؓ اپنے گھر میں رہا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کو آپؓ کے بارے میں کوئی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ جب آپؓ کا جنازہ گھر سے نکلا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 296، عامر بن ربیعہ، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، 1990ء)

عبداللہ بن عامر اپنے والد حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے بنو فزارہ کی ایک عورت سے دو جوتے حق مہر پر نکاح کر لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ یعنی یہ معمولی سا جو حق مہر تھا وہ مقرر کیا تو وہ بھی جائز ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 24 صفحہ 445 روایت نمبر 15676 مؤسسة الرسالة بیروت)

عبداللہ بن عامر اپنے والد حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے سفر میں اپنی اونٹنی کی پیٹھ پر رات کو نفل پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف منہ کیے ہوئے تھے جس طرف اونٹنی آپؐ کو لیے جا رہی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب تقصیر الصلوٰة باب من تطوع فی السفر..... حدیث 1104)

سفر میں جدھر بھی سواری کا منہ ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اندھیری رات میں سفر میں تھا۔ ہم ایک مقام پر اترے تو ایک شخص نے پتھر اکٹھے کیے اور نماز کے لیے جگہ بنائی اور اس میں نماز پڑھی۔ صبح معلوم ہوا کہ ہمارا رخ غیر قبلہ کی طرف تھا۔ قبلے سے الٹا تھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم نے

رات کو قبلے سے ہٹ کر نماز پڑھی ہے۔ اس پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (البقرہ:116) کہ اور اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ پس جس طرف بھی تم منہ پھیرو وہیں خدا کا جلوہ پاؤ گے۔

(حلية الاولياء و طبقات الاصفياء جلد 1 صفحه 179-180، دارالفكر بيروت لبنان، 1996ء)

یعنی اگر غلط فہمی سے ہو گیا تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کے لیے ویسے پڑھ کر سنائی ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ اس وقت نازل ہوئی ہو۔ بہر حال یہ روایت حلیۃ الاولیاء کی ہے۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجتا ہے۔ پس اب تمہاری مرضی ہے کہ مجھ پر کم درود بھیجو یا زیادہ درود بھیجو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بندہ مجھ پر سلامتی کی دعا کرتا ہے تو جب تک وہ اسی حالت میں ہوتا ہے فرشتے اس پر سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ پس بندے کے اختیار میں ہے چاہے تو زیادہ مرتبہ سلامتی کی دعا کرے اور چاہے تو کم۔

(حلية الاولياء و طبقات الاصفياء جلد 1 صفحه 180، دارالفكر بيروت لبنان، 1996ء)

پھر **اگلا ذکر ہے حضرت حَرَام بن مِلْحَانؓ کا۔** حضرت حَرَام بن مِلْحَانؓ کے بارے میں آیا ہے، ان کی نسل آگے نہیں چلی۔

(الطبقات الكبرىٰ الجزء الثالث صفحه 266 حَرَام بن مِلْحَان مطبوعه دار احياء التراث بيروت)

حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت انسؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ماموں حضرت حَرَام بن مِلْحَانؓ کو جو اُمّ سُلَیم کے بھائی تھے ستّر سواروں کے ساتھ بنو عامر کی طرف بھیجا اور عامر بن طفیل مشرکوں کا سردار تھا۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا تھا۔ اس نے کہا تھا قصباتی لوگ آپؐ کے ہوں گے اور دیہاتی میرے یا یہ کہ میں آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا جانشین ہوں گا ورنہ میں دو ہزار غطفان کے آدمیوں کو لے کر آپؐ پر حملہ کر دوں گا۔ تو عامر کسی عورت کے گھر طاعون میں مبتلا ہوا۔ کہنے لگا یہ ویسے ہی گلٹیوں کی بیماری ہے جو آلِ سَلُول کی ایک عورت کے گھر میں جوان اونٹ کو ہوئی تھی۔ میرا گھوڑا لاؤ۔ وہ اس پر سوار ہوا اور اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی مر گیا۔ آخر یہ اس کا انجام ہوا۔ اس کے بارے میں انہوں نے شروع میں ذکر کر دیا۔

پھر روایت میں اس کا بھی اور اس کے قبیلے کا بھی ذکر یہ ملتا ہے کہ حضرت اُمّ سلیمؓ کے بھائی حضرت حَرَام بن مِلْحَانؓ، ایک لنگڑے آدمی اور ایک اَور آدمی کو جو فلاں قبیلہ سے تھا اپنے ساتھ لے کر بنو عامر کے پاس گئے۔ حَرَام نے ان دونوں سے کہا۔ تم قریب ہی رہنا۔ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ اگر انہوں نے مجھے امن دیا تو تم آجانا اور اگر مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں بتانا۔ حضرت حَرَامؓ نے عامر کے پاس جا کر کہا کیا تم مجھے امن دیتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دوں۔ یہ کہہ کر وہ اس سے باتیں کرنے لگے۔ قبیلے کے لوگوں نے ایک شخص کو اشارہ کیا وہ ان کے پیچھے سے آیا اور ان کو تاک کر نیزہ مارا جو اُن کے جسم سے آر پار ہو گیا۔

حضرت حَرَام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخموں سے نکلنے والا خون ہاتھ میں لیا اور اپنے منہ پر ملتے ہوئے کہا **اللّٰهُ اَكْبَرُ! فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ**۔ اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں نے اپنی مراد پالی۔

پھر وہ لوگ دوسرے آدمی کے پیچھے چلے اور اسے مار ڈالا اور پھر باقی قاریوں پر جا کر حملہ کر دیا اور وہ سارے کے سارے مارے گئے سوائے اس لنگڑے آدمی کے جو پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا تھا۔ اللہ نے ہم پر وہ بات نازل کی۔ پھر اس کا ذکر اذکار موقوف ہو گیا یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو کہہ دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ وہ ہم سے خوش ہوا اور ہمیں خوش کر دیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیس دن ہر صبح ان کے خلاف یعنی رِعْل، ذَکْوَان، بَنُو لَحْیَان اور عُصَیَّہ کے خلاف دعا کرتے رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کی تھی۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع و رِعْل و ذَکْوَان... حدیث 4091)

بخاری کی ایک اَور روایت جو حضرت انسؓ سے ہے اس کے مطابق نیزے کے بجائے ان کو برچھا مارا گیا تھا۔

(صحیح البخاری کتاب الجهاد باب من ینکب أو یطعن فی سبیل اللّٰه حدیث 2801)

ایک اَور روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک صبح کی نماز میں ان یعنی بنی سُلیم کے دو قبیلوں رِعْل اور ذَکْوَان کے خلاف دعا کرتے رہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ قنوت کی ابتدا تھی۔ اس سے قبل ہم قنوت نہیں کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورِعْل وذَکْوَان ... حدیث 4088)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفاظ کی شہادت کے واقعے کو بیان فرماتے ہوئے صحابہ کی قربانیوں کے جذبہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

”ہمیں تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جنگوں میں اس طرح جاتے تھے کہ ان کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ میں شہید ہونا ان کے لئے عین راحت اور خوشی کا موجب ہے اور اگر ان کو لڑائی میں کوئی دکھ پہنچتا تھا تو وہ اس کو دکھ نہیں سمجھتے تھے بلکہ سکھ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہؓ کے کثرت کے ساتھ اس قسم کے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں کہ انہوں نے خدا کی راہ میں مارے جانے کو ہی اپنے لئے عین راحت محسوس کیا۔ مثلاً وہ حفاظ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط عرب کے ایک قبیلہ کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجے تھے ان میں سے حَرَام بن مِلْحَان اسلام کا پیغام لے کر قبیلۂ عامر کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس گئے اور باقی صحابہؓ پیچھے رہے۔ شروع میں تو عامر بن طفیل اور اس کے ساتھیوں نے منافقانہ طور پر ان کی آؤ بھگت کی لیکن جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور تبلیغ کرنے لگے تو ان میں سے بعض شریروں نے ایک خبیث کو اشارہ کیا اور اس نے اشارہ پاتے ہی حَرَام بن مِلْحَان پر پیچھے سے نیزہ کا وار کیا اور وہ گر گئے، گرتے وقت ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ یعنی مجھے کعبہ کے رب کی قسم! میں نجات پا گیا۔ پھر ان شریروں نے باقی صحابہؓ کا محاصرہ کیا اور ان پر حملہ آور ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فُهَيْرَةؓ جو ہجرت کے سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ان کے متعلق ذکر آتا ہے بلکہ خود ان کا قاتل جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ ہی یہ بیان کرتا تھا کہ

جب میں نے عامر بن فُھَیرہؓ کو شہید کیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا فُزْتُ وَاللّٰہِ۔ یعنی خدا کی قسم! میں تو اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ صحابہؓ کے لئے موت بجائے رنج کے خوشی کا موجب ہوتی تھی۔"

(ایک آیت کی پُر معارف تفسیر، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 612-613)

پھر حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ نجد کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اسے مَیں چھوڑتا ہوں۔ اور اس ضمن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا حوالہ پیش کر دیتا ہوں۔ یہ ذرا زیادہ تفصیلی ہے۔ وہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ایک شخص اَبُوبَرَاء عَامِرِی جو وسط عرب کے قبیلہ بنو عامر کا ایک رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ آپؐ نے بڑی نرمی سے اور شفقت کے ساتھ اسے اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اس نے بھی بظاہر شوق اور توجہ کے ساتھ آپؐ کی تقریر کو سنا مگر مسلمان نہیں ہوا۔ البتہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ آپؐ میرے ساتھ اپنے چند اصحاب نجد کی طرف روانہ فرمائیں جو وہاں جا کر اہلِ نجد میں اسلام کی تبلیغ کریں اور مجھے امید ہے کہ نجدی لوگ آپؐ کی دعوت کو رد نہیں کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے تو اہلِ نجد پر اعتماد نہیں ہے۔ ابوبَراء نے کہا کہ آپؐ ہرگز فکر نہ کریں۔ میں ان کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہوں۔ چونکہ ابوبَراء ایک قبیلہ کا رئیس اور صاحبِ اثر آدمی تھا آپؐ نے اس کے اطمینان دلانے پر یقین کر لیا اور صحابہ کی ایک جماعت نجد کی طرف روانہ فرما دی۔

یہ تاریخ کی روایت ہے۔ بخاری میں آتا ہے کہ قبائل رِعْل اور ذَکْوَان وغیرہ (جو مشہور قبیلہ بنو سُلَیم کی شاخ تھے) ان کے چند لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار کر کے درخواست کی کہ ہماری قوم میں سے جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں ان کے خلاف ہماری امداد کے لئے (یہ تشریح نہیں کی کہ کس قسم کی امداد، آیا تبلیغی یا فوجی) چند آدمی روانہ کئے جائیں۔ جس پر آپؐ نے یہ دستہ روانہ فرمایا..... ان دونوں روایتوں کی مطابقت کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ رِعْل اور ذَکْوَان کے لوگوں کے ساتھ ابوبَراء عامری رئیس قبیلہ عامر بھی آیا ہو اور اس نے ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کی ہو۔ چنانچہ تاریخی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مجھے اہلِ نجد کی طرف سے اطمینان نہیں ہے اور پھر اس کا یہ جواب دینا کہ آپؐ کوئی فکر نہ کریں۔ میں اس کا ضامن ہوتا ہوں کہ آپؐ کے صحابہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابوبَرَاء کے ساتھ رِعْل اور ذَکْوَان کے لوگ بھی آئے تھے جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند تھے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفر 4/ ہجری میں مُنذِر بن عَمرو انصاری کی امارت میں صحابہ کی ایک پارٹی روانہ فرمائی۔ یہ لوگ عموماً انصار میں سے تھے اور تعداد میں ستر تھے اور قریباً سارے کے سارے قاری یعنی قرآن خوان تھے جو دن کے وقت جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے ان کی قیمت پر اپنا پیٹ پالتے اور رات کا بہت سا حصہ عبادت میں گزار دیتے تھے۔ جب یہ لوگ اس مقام پر پہنچے جو ایک کنویں کی وجہ سے بئرِ معونہ کے نام سے مشہور تھا تو اُن میں سے ایک شخص حَرَام بن مِلْحَان جو انس بن مالک کے ماموں

تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوتِ اسلام کا پیغام لے کر قبیلہ عامر کے رئیس اور ابوبَرَاء عامری کے بھتیجے عامر بن طُفیل کے پاس آگے گئے اور باقی صحابہ پیچھے رہے۔ جب حَرَام بن مِلْحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے طور پر عامر بن طُفیل اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے شروع میں تو منافقانہ طور پر آؤ بھگت کی لیکن جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے تو ان میں سے بعض شریروں نے کسی آدمی کو اشارہ کر کے اس بے گناہ ایلچی کو پیچھے کی طرف سے نیزہ کا وار کر کے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس وقت حَرَام بن مِلْحان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ! فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ یعنی "اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔" عامر بن طُفَیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے قتل پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے بعد اپنے قبیلہ بنو عامر کے لوگوں کو اکسایا کہ وہ مسلمانوں کی بقیہ جماعت پر حملہ آور ہو جائیں مگر انہوں نے اس بات سے انکار کیا اور کہا کہ ہم ابوبَرَاء کی ذمہ داری کے ہوتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس پر عامر نے قبیلہ سُلَیم میں سے بنورِعْل اور ذَکْوَان اور عُصَیَّہ وغیرہ کو (وہی جو بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد بن کر آئے تھے) اپنے ساتھ لیا اور یہ سب لوگ مسلمانوں کی اس قلیل اور بے بس جماعت پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمانوں نے جب ان وحشی درندوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان سے کہا کہ ہمیں تم سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک کام کے لئے آئے ہیں اور ہم تم سے لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ان صحابیوں میں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے صرف ایک شخص بچا جو پاؤں سے لنگڑا تھا اور پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا ہوا تھا۔ اس صحابی کا نام کعب بن زید تھا اور بعض روایات سے پتہ لگتا ہے کہ کفار نے اس پر بھی حملہ کیا تھا جس سے وہ زخمی ہوا اور کفار اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے مگر دراصل اس میں جان باقی تھی اور وہ بچ گیا۔

صحابہ کی اس جماعت میں سے دو شخص یعنی عمرو بن اُمَیَّہ ضَمْرِی اور مُنذِر بن محمد اس وقت اونٹوں وغیرہ کے چرانے کے لئے اپنی جماعت سے الگ ہو کر ادھر ادھر گئے ہوئے تھے انہوں نے دُور سے اپنے ڈیرہ کی طرف نظر ڈالی تو کیا دیکھتے ہیں کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ وہ ان صحرائی اشاروں کو خوب سمجھتے تھے۔ فوراً تاڑ گئے کہ کوئی لڑائی ہوئی ہے۔ واپس آئے تو ظالم کفار کے کشت وخون کا کارنامہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ دُور سے ہی یہ نظارہ دیکھ کر انہوں نے فوراً آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ایک نے کہا کہ ہمیں یہاں سے فوراً بھاگ نکلنا چاہئے اور مدینہ میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینی چاہئے مگر دوسرے نے اس رائے کو قبول نہ کیا اور کہا کہ میں تو اس جگہ سے بھاگ کر نہیں جاؤں گا جہاں ہمارا امیر مُنذِر بن عمرو شہید ہوا ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر لڑا اور شہید ہوا اور دوسرے کو جس کا نام عمرو بن اُمَیَّہ ضَمْرِی تھا کفار نے پکڑ کر قید کر لیا اور غالباً اسے بھی قتل کر دیتے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ قبیلہ مُضَر سے ہے تو عامر بن طفیل نے عرب کے دستور کے مطابق اس کے ماتھے کے چند بال کاٹ کر اسے رہا کر دیا اور کہا کہ میری ماں نے قبیلہ مُضَر کے ایک غلام کے آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی ہے میں تجھے اس کے بدلے میں چھوڑتا ہوں۔ گویا ان ستر صحابہ میں صرف دو

شخص بچے۔ ایک یہی عمرو بن اُمَیَّہ ضَمْرِی اور دوسرے کعب بن زید جسے کفار نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

بئر معونہ کے موقعہ پر شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام اور اسلام کے دیرینہ فدائی عامر بن فُہَیْرہ بھی تھے۔ انہیں ایک شخص جَبَّار بن سَلْمٰی نے قتل کیا تھا۔ جَبَّار بعد میں مسلمان ہو گیا اور وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بیان کرتا تھا کہ جب میں نے عامر بن فُہَیرہ کو شہید کیا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا فُزْتُ وَاللّٰہِ۔ یعنی 'خدا کی قسم میں تو اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوں۔' جَبَّار کہتے ہیں کہ میں یہ الفاظ سن کر متعجب ہوا کہ میں نے تو اس شخص کو قتل کیا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں مراد کو پہنچ گیا ہوں۔ یہ کیا بات ہے۔ چنانچہ میں نے بعد میں لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان لوگ خدا کے رستے میں جان دینے کو سب سے بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں اور اس بات کا میری طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آخر اسی اثر کے ماتحت میں مسلمان ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو واقعہ رجیع اور واقعہ بئر معونہ کی اطلاع قریباً ایک ہی وقت میں ملی اور آپؐ کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔ حتیٰ کہ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایسا صدمہ نہ اس سے پہلے آپؐ کو کبھی ہوا تھا اور نہ بعد میں کبھی ہوا۔ واقعی قریباً اسّی صحابیوں کا اس طرح دھوکے کے ساتھ اچانک مارا جانا اور صحابی بھی وہ جو اکثر حفاظِ قرآن میں سے تھے اور ایک غریب بے نفس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب کے وحشیانہ رسم و رواج کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو یہ خبر گویا اسّی بیٹوں کی وفات کی خبر کے مترادف تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ ایک روحانی انسان کے لئے روحانی رشتہ یقیناً اس سے بہت زیادہ عزیز ہوتا ہے جتنا کہ ایک دنیادار شخص کو دنیاوی رشتہ عزیز ہوتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حادثات کا سخت صدمہ ہوا مگر اسلام میں بہرصورت صبر کا حکم ہے آپؐ نے یہ خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور پھر یہ الفاظ فرماتے ہوئے خاموش ہو گئے کہ ھٰذَا عَمَلُ اَبِیْ بَرَّاءَ وَقَدْ کُنْتُ لِھٰذَا کَارِھًا مُتَخَوِّفًا۔ یعنی 'یہ ابوبَرَاء کے کام کا ثمرہ ہے ورنہ میں تو ان لوگوں کے بھجوانے کو پسند نہیں کرتا تھا اور اہل نجد کی طرف سے ڈرتا تھا۔'"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے۔ صفحہ 517 تا 520)

پھر ذکر ہے **حضرت سعد بن خولہؓ کا**۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ بنو مالک بن حسل بن عامر بن لوئی سے تھا۔ بعض کے نزدیک آپ بنو عامر کے حلیف تھے۔ آپ اہل فارس میں سے ہیں جو کہ یمن میں آکر آباد ہوئے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ۔ جزء 2 صفحہ 427 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2003ء)

عامر بن سعد اپنے والد سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میری اس بیماری میں عیادت فرمائی جس میں مَیں موت کے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میری تکلیف جس حد تک پہنچ چکی ہے وہ آپؐ دیکھ رہے ہیں۔ میں مالدار ہوں اور میرا وارث سوائے میری اکلوتی بیٹی کے کوئی نہیں ہے۔ کیا میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: کیا میں اس کا نصف صدقہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ تیسرا حصہ کر دو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔ پھر فرمایا کہ:

تمہارا اپنے وارثوں کو اچھی حالت میں چھوڑنا انہیں محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ

پھیلاتے پھریں اور تم اللہ کی رضا چاہتے ہوئے جو بھی خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ ایک لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس کا بھی اجر ہے۔

وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے چھوڑا جاؤں گا؟ یہاں فوت ہو جاؤں گا مَیں؟ آپ نے فرمایا تم پیچھے چھوڑے نہ جاؤ گے مگر جو نیک عمل کرو گے جس کے ذریعہ تم اللہ کی رضا چاہو تو تم اس کے ذریعہ درجہ اور رفعت میں زیادہ ہو گے اور بعید نہیں کہ تم پیچھے چھوڑے جاؤ۔ یعنی لمبی عمر دیے جاؤ گے یہاں تک کہ قومیں تجھ سے فائدہ اٹھائیں اور کچھ دوسری نقصان بھی اٹھائیں۔ پھر فرمایا کہ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت پوری فرما اور انہیں ان کی ایڑھیوں کے بل نہ لوٹانا۔ لیکن بیچارہ سعد بن خَولہ۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دکھ کا اظہار فرمایا کیونکہ وہ ہجرت کے بعد مکے میں فوت ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ کے لیے افسوس کرتے تھے کہ وہ مکے میں مر گئے۔ یہ اس لیے کہ جس نے مکے سے ہجرت کی اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے کہ وہ وہاں واپس آئے یا اس میں حج اور عمرہ ادا کرنے سے زیادہ قیام کرے۔ (صحیح مسلم کتاب الوصیة باب الوصیة بالثلث حدیث 4209)

(الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 312 سعد بن خولہؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیة بیروت 1990ء)

اسماعیل بن محمد بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائب بن عمیر القاری کو حکم فرمایا کہ اگر سعد بن خولہ مکہ میں وفات پا جائیں تو انہیں مکے میں دفن نہ کیا جائے۔

(الاصابہ جلد 3 صفحہ 21 مطبوعہ دارالکتب العلمیة بیروت 1995ء)

اور ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مکے میں وفات پا جائیں تو انہیں مکے میں دفن نہ کیا جائے۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جزء 8 صفحہ 485 دارالکتب العلمیة بیروت 1993ء)

حضرت سعد بن خولہؓ جب حجۃ الوداع کے موقع پر فوت ہوئے تو ان کی زوجہ حاملہ تھیں۔ ان کی وفات پر زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ان کا وضع حمل ہو گیا۔ بچے کی پیدائش ہونے والی تھی۔ وفات سے کچھ عرصہ کے بعد بچہ کی پیدائش ہو گئی۔ روایات میں آتا ہے کہ پچیس راتوں یا اس سے بھی کم وقت کے بعد وضع حمل ہو گیا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے نکاح کا پیغام دینے والوں کے لیے سنگھار کیا۔ ان کے پاس ابوسَنَابِلْ بن بَعْکَکْ جو بنی عبد الدار کے ایک شخص تھے آئے۔ بَعْکَکْ نے ان سے کہا کہ کیا بات ہے میں تمہیں بناسنورا دیکھتا ہوں۔ شاید تمہارا ارادہ نکاح کرنے کا ہے۔ اللہ کی قسم! تم نکاح نہیں کر سکتی جب تک تم پر چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں۔ سُبَیْعَہ کہتی ہیں جب اس نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے شام کے وقت کپڑے پہنے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے مجھے فتویٰ دیا کہ:

جب میں نے وضع حمل کیا تو حلال ہو گئی اور مجھے ارشاد فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو شادی کر سکتی ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق باب انقضاء عدۃ المتوفی عنھا ..... حدیث 3722)

(استیعاب جلد 4 صفحہ 1859 مطبوعہ دارالجیل بیروت 1992ء)

بعض مسائل کا بھی ان سے پتا لگ جاتا ہے۔ **پھر حضرت اَبُوالْھَیْثَمْ بن اَلتَّیِّھَانؓ ہیں۔ ان کا ذکر یہ ہے کہ** ان کے بھائی کا نام حضرت عُبَید بن عُبید یا حضرت عَتِیک بن اَلتَّیِّھَان تھا۔ جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 341 تا 343 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

ایک روایت میں آتا ہے حضرت ابوالہیثمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں سب سے پہلے بیعت کرنے والا ہوں۔ ہم کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس بات پر بیعت کرو جس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ کی بیعت کی۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم جلد4صفحہ 196 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالھیثمؓ اور حضرت اُسَید بن حُضَیرؓ کو قبیلہ بنی عبدالاشْہَلُ پر نقیب مقرر فرمایا تھا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ جزء 7 صفحہ 365 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1995ء)

آپؓ جنگ میں دو تلواریں لٹکایا کرتے تھے اس وجہ سے آپؓ کو ذوالسیفین بھی کہا جاتا ہے۔

(الاستیعاب جزء 2 صفحہ 477 دارالجیل بیروت 1992ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ ”جنگ صِفِّیْن میں حضرت علیؓ کی طرف سے ہو کر لڑے اور شہادت پائی۔“ (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 230)

پھر ذکر ہے حضرت عَاصِم بن ثابتؓ کا۔ حضرت عاصمؓ کے ایک بیٹے محمد تھے جو کہ ہند بنت مالک کے بطن سے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء 3 صفحہ352 عاصم بن ثابت،دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

جنگِ احد میں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے ان کے بارے میں ایک آیت کی تشریح میں حضرت خلیفہ رابعؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت امام رازی چودہ آدمیوں کے متعلق قطعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ نام بنام وہ لوگ موجود تھے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کسی حالت میں نہیں چھوڑا۔ ان کے ناموں میں جو نام درج ہیں ان میں سے مہاجرین میں سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ..... شیعہ یہی کہتے ہیں صرف حضرت علیؓ تھے لیکن حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ تھے۔ انصار میں سے خباب بن منذرؓ، حضرت ابودُجانہؓ، حضرت عاصم بن ثابتؓ، حضرت حارث بن صِمَّہؓ ہیں شاید حضرت سَہْل بن حُنَیفؓ اور اسی طرح اُسَید بن حُضَیرؓ بھی۔ حضرت سعد بن معاذؓ وغیرہ بھی تھے۔ یہ بھی ذکر آتا ہے کہ آٹھ وہ تھے جنہوں نے موت پر قسم کھائی تھی۔ تین مہاجرین میں سے تھے اور پانچ انصار میں سے تھے اور یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے خدام کی ضرورت تھی اس لئے آٹھ کے آٹھ جنہوں نے موت پر قسم کھائی تھی ان میں سے ایک بھی شہید نہیں ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان کی غیر معمولی طور پر حفاظت کا نظارہ تھا۔

(ماخوذ از درس القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ 20/ فروری 1994ء زیر آیت انما استزلھم الشیطان)

پھر اگلا ذکر ہے حضرت سَہْلِ بنِ حُنَیف انصاریؓ کا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جنگِ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سو اونٹ اور اونٹنیاں اور دو گھوڑے تھے ان میں سے ایک پر

حضرت مقداد بن اسودؓ سوار تھے اور دوسرے پر حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سَہْلِ بن حُنَیفؓ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ راستے میں ان اونٹنیوں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت مَرْثَد بن ابی مَرْثَد غنویؓ جو حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کے حلیف تھے یہ سب باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔

(معجم الاوسط للطبرانی جزء 5 صفحہ 324 حدیث 5438 دارالحرمین بیروت 1995ء)

احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہنے والوں میں حضرت سَہْلِ بنِ حُنَیفؓ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ یُسَیر بن عَمْرو سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت سَہْلِ بن حُنَیفؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنایئے جو فرقہ حَرُوْرِیَّہ یعنی خارجی کے متعلق آپؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے صرف اتنا بیان کرتا ہوں کہ جو میں نے سنا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کروں گا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قوم کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے جو یہاں سے نکلے گی اور انہوں نے عراق کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لوگ قرآن تو پڑھتے ہوں گے لیکن وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوئی علامت بھی ذکر فرمائی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا میں نے جو سنا تھا وہ یہی ہے۔ میں اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔

(مسند احمد جلد 25 صفحہ 351 حدیث سَہْلِ بن حُنَیف روایت 15977 مؤسسة الرسالة بیروت)

جو بات سنی تھی وہ بتا دی اب خود اندازہ لگا لو۔ عُمَیر بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت سَہْلِ بن حُنَیفؓ کی نماز جنازہ پڑھی اور اس پر پانچ تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسی تکبیر ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ سَہْلِ بن حُنَیف ہیں جو اہلِ بدر میں سے ہیں اور اہلِ بدر کو غیر اہلِ بدر پر فضیلت ہے۔ میں نے چاہا کہ تمہیں ان کی فضیلت سے آگاہ کر دوں۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 360 و من بنی حنش بن عوف...سَهْلِ بن حُنَیف، دارالکتب العلمیة بیروت 1990ء)

زائد تکبیریں پڑھ کے۔ **پھر حضرت جَبَّار بن صخرؓ کا ذکر ہے۔** سریہ حضرت علیؓ بطرف بنو طَیِّئ جو ربیع الآخر نو ہجری میں ہوا تھا، اس کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو افراد کے ہمراہ بنو طَیِّئ کے بت فُلْس کو گرانے کے لیے روانہ فرمایا۔ بنو طَیِّئ کا علاقہ مدینہ کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ آپ نے اس سَریّے کے لیے حضرت علیؓ کو ایک کالے رنگ کا بڑا جھنڈا دیا اور سفید رنگ کا چھوٹا پرچم عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ صبح کے وقت آلِ حاتم پر حملہ آور ہوئے اور ان کے بت فُلْس کو منہدم کر دیا۔ حضرت علیؓ بنو طَیِّئ سے بہت سارا مال غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ واپس آئے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء 2 صفحہ 124 سریه علی بن ابی طالب الی الفلس صنم طیّء لیهدمه، دارا لکتب العلمیة بیروت 1990ء) (موسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم جلد 1 صفحہ 19 مکتبة لبنان ناشرون بیروت۔ از مکتبة الشاملة)

اس سَریّے میں لواء حضرت جَبَّار بن صَخْرؓ کے پاس تھا۔ اس سریے میں حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے رائے مانگی تو حضرت جبار بن صخرؓ نے کہا کہ رات ہم اپنی سواریوں پر سفر کرتے ہوئے گزاریں اور صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیں۔ حضرت علیؓ کو آپ کی یہ بات پسند آئی۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد 73صفحہ146، سفانہ بنت حاتم الطائیہ۔ داراحیاءالتراث العربی، بیروت2001ء)

(امتاع الاسماع جزء 2 صفحہ 45-46 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1999ء)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر حضرت جبار بن صخرؓ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب جلد 2صفحہ 302۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت2010ء)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عُمَیر بن ابی وقاصؓ کو عمرو بن عبدودّ نے شہید کیا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3صفحہ 110-111 دارالکتب العلمیۃ بیروت1990ء)

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ کو عاص بن سعید نے شہید کیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ جزء 5 صفحہ252 مطبوعہ دار ھجر بیروت 1997ء)

ہاں یہ ذکر جو ہو گیا حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ کا ذکر ہے۔ صَخْر کا تو ختم ہو گیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ روایت ہے جو رہ گئی تھی کہ ان کو عمرو بن عبدودّ نے شہید کیا اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ کو عاص بن سعید نے شہید کیا تھا۔

پھر حضرت قُطْبَہؓ ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ صفر 9ر ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیس آدمیوں کے ہمراہ قبیلہ خَثْعَم کی ایک شاخ کی طرف بھیجا جو تَبَالَہ کے نواح میں تھے۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک دم سے ان پہ حملہ کریں۔ یہ اصحاب دس اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے جنہیں باری باری استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ کر اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ ان کے سامنے گونگا بن گیا اور پھر موقع پا کر چیخ چیخ کر اپنے قبیلہ والوں کو متنبہ کرنے لگا۔ اس پر انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

پھر حضرت قُطْبَہؓ اور آپؓ کے ساتھیوں نے انتظار کیا اور جب وہ لوگ، قبیلہ والے سو گئے تو ان پر بھرپور حملہ کیا۔ شدید لڑائی ہوئی۔ دونوں فریقوں میں سے کئی افراد زخمی ہو گئے۔ حضرت قطبہؓ نے کئی لوگوں کو قتل کیا۔ پھر ان کے چوپائے، بکریاں اور عورتیں مدینہ لے آئے۔ خُمس نکالنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں چار چار اونٹ آئے اور تب ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہوتا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد2 صفحہ 122-123 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

امام بغوی کہتے ہیں کہ حضرت قُطْبَہ بن عامرؓ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

(معجم الصحابہ للبغوی جلد5 صفحہ 66، مکتبۃ دار البیان کویت)

بہرحال صحابہ کا یہ ذکر جو مَیں کرنا چاہتا تھا وہ یہاں ختم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک تو یہ ہے کہ **پاکستان**

کے احمدیوں کے لیے دعا کے لیے کہنا چاہتا ہوں۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ ان پہ جو سخت حالات ہیں وہاں آسانیاں پیدا کرے اور انصاف کرنے والوں، قانون نافذ کرنے والوں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے نام پر ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عقل دے یا ان پر پکڑ کے سامان کرے۔ دوسرے برکینا فاسو کے لیے بھی دعا کریں وہاں بھی ابھی سختیاں ہیں اور جو دہشت گرد ہیں، شدّت پسند ہیں ان کے وہی عمل ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر ظلم کر رہے ہیں۔

پھر الجزائر کے لوگوں کے لیے بھی، وہاں بھی بعض حکومتی کارندے یا عدالتیں جو ہیں احمدیوں سے غلط قسم کے ظلم روا رکھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ خاص طور پر دعاؤں اور صدقات پر بہت زیادہ زور دیں۔ اللہ تعالیٰ مخالفین کے شر سے ہر ایک کو بچائے۔ مَیں جمعہ کی نماز کے بعد **بعض جنازے غائب** بھی پڑھاؤں گا۔ اس کے بعد ان کا ذکر کر دیتا ہوں۔

پہلا ذکر ہے مکرم محمد رشید صاحب شہید کا جو چودھری بشارت احمد صاحب گوٹریالہ ضلع گجرات کے بیٹے تھے۔ ان کو دو معاندین احمدیت نے ان کے گھر آ کر 19 ر فروری کو فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ بوقت شہادت مرحوم کی عمر 70 سال سے زائد تھی۔

تفصیلات کے مطابق مکرم محمد رشید صاحب اپنے گھر گوٹریالہ ضلع گجرات میں اکیلے رہائش پذیر تھے جہاں انہوں نے علاقے کے لوگوں کی سہولت کے لیے فری ہومیو پیتھک ڈسپنسری بنا رکھی تھی جس سے گاؤں اور ارد گرد کے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ گاؤں کے دو مقامی نوجوان دوائی لینے کے بہانے ان کے گھر میں قائم ڈسپنسری میں داخل ہوئے اور فائرنگ کر دی۔ بتایا جاتا ہے گولی چلانے والا حملہ آور حافظ قرآن بھی تھا جس کی ایک گولی شہید مرحوم کے ماتھے پر لگی جس سے مکرم محمد رشید صاحب کی موقع پر ہی وفات ہو گئی۔ وقوعہ کے بعد حملہ آور فرار ہو گئے۔ شہید مرحوم کے ایک ملازم کے چند منٹ بعد موقع پر پہنچنے پر وقوعہ کا علم ہوا۔ وقوعہ کا مقدمہ متعلقہ پولیس سٹیشن میں درج کیا گیا۔ بعد میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ان دو حملہ آوروں میں سے ایک کی نعش قریبی کھیتوں سے ملی جو حافظ قرآن تھا جس کی موت کے بارے میں پولیس الگ سے تحقیق کر رہی ہے جبکہ دوسرے حملہ آور کو پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔ یہاں کم از کم یہ ہوا ہے کہ پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔

شہید مرحوم کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ حضرت منشی سلطان عالم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے سے ہوا جو گوٹریالہ ضلع گجرات کے ہی رہنے والے تھے اور مقامی سکول میں بطور مدرس تعینات تھے۔ آپ نے گوٹریالہ سے 1906ء میں قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت پائی تھی۔ شہید مرحوم میٹرک کے بعد آرمی میں چلے گئے۔ چند سال بعد آرمی چھوڑ دی اور کچھ عرصہ بعد 84ء، 85ء میں فیملی سمیت ناروے منتقل ہو گئے۔ ناروے کی سٹیزن شپ (citizenship) کے باوجود 2008ء میں ناروے سے واپس آبائی گاؤں میں چلے گئے اور ناروے آنا جانا رہتا تھا۔ آبائی گاؤں میں زمیندارہ کے ساتھ علاقے کے لوگوں کی خدمت کے لیے فری ہومیو پیتھک ڈسپنسری شروع کی تھی۔ یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ شہید مرحوم اللہ کے فضل سے موصی تھے۔ بوقتِ شہادت بحیثیت

سیکرٹری اصلاح و ارشاد گوٹریالہ خدمت کی توفیق پا رہے تھے۔ نہایت ملنسار، محبت کرنے والے تھے۔ ہر ایک سے اپنائیت اور دوستی کا تعلق تھا۔ خدمتِ خلق کا جذبہ نمایاں تھا۔ بلا تمیز مذہب ضرورت مندوں کی مالی اور اخلاقی معاونت کرتے تھے۔ خلافت سے عشق تھا۔ مہمان نوازی نمایاں وصف تھا۔ بالخصوص مرکزی مہمانان کی خدمت میں پیش پیش رہتے۔ نمازوں کے پابند اور گاہے بگاہے علاقے میں فری میڈیکل کیمپ کا انتظام کرتے تھے۔

ان کے بھتیجے رافع احمد صاحب مربی آئیوری کوسٹ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شہید مرحوم ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہونے کے علاوہ اچھے داعی الی اللہ اور نہایت غریب پرور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفار کھی تھی۔ خطباتِ جمعہ باقاعدگی سے سنتے اور سیکیورٹی کے حوالے سے بڑے محتاط بھی تھے۔ کچھ عرصہ قبل شہید مرحوم کی اہلیہ پروین اختر صاحبہ نے ناروے میں ایک خواب دیکھی کہ شہید مرحوم پر حملہ ہوا ہے اور کوئی جان لینے کی کوشش کرتا ہے۔ تو انہوں نے بہرحال ان کو احتیاط کرنے کے لیے کہا تھا۔ شہید مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ پروین اختر صاحبہ حال مقیم ناروے اور دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں شامل ہیں جن میں سے ایک بیٹی پاکستان میں ہے اور باقی مختلف ملکوں میں مقیم ہیں۔

مبلغ انچارج ناروے شاہد محمود کاہلوں صاحب لکھتے ہیں کہ انتہائی شریف النفس اور سادہ انسان تھے۔ ناروے میں ہومیو پیتھک دوائیوں کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرتے رہے اور اب ریٹائرمنٹ کے بعد تقریباً بارہ تیرہ سال سے پاکستان میں اپنے گاؤں میں مقیم تھے۔ لوگوں کی خدمت کر رہے تھے۔ اس دوران وقتاً فوقتاً ناروے بھی آتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفار کھی تھی۔ مریضوں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے اور گھر جا کر بھی دوائی دے آتے تھے۔ ان کی اہلیہ آپ کے عزیزوں میں سے تھیں۔ انہوں نے پہلے بیعت نہیں کی تھی لیکن اپنے میاں کی مخالفت بھی نہیں کی بلکہ سب بچوں کی شادیاں احمدی گھروں میں کیں۔ آخری مرتبہ جب اکتوبر 2018ء میں ناروے آئے تو اہلیہ کی بیعت بھی کروائی اور کہتے تھے کہ میں اسی غرض سے آیا ہوں تا کہ اہلیہ کی بیعت کروا سکوں۔ کہتے کہ وہاں پاکستان میں مخالفت بہت زیادہ ہے۔ دھمکیاں بھی ملتی ہیں لیکن وہاں غربت بہت ہے اور لوگ دوائیاں نہیں خرید سکتے۔ میری وجہ سے غریبوں کو فری علاج میسر ہے اور ان کی مدد ہو رہی ہے اور مجھے موت کا ڈر نہیں وہ تو ایک دن آنی ہے۔ احمدی تو پھر بھی خدمت کر رہے ہیں (اور چاہتے ہیں) کہ انسانیت کی خدمت کرتے رہیں اور بے دھڑک ہو کے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکرم محمد رشید صاحب شہید سے مغفرت کا اور رحمت کا سلوک فرمائے اور شہید مرحوم کے پسماندگان کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔

دوسرا جو ذکر ہے بلکہ دو لوگ ہیں اس میں مکرمہ آمانی بَسّام مَجْلاوِی صاحبہ اور عزیزم صلاح عبدالمعین قُطَیْش اسکندرون ترکی سے ہیں۔ مربی سلسلہ و صدر جماعت صادق صاحب لکھتے ہیں کہ 6/ فروری 2023ء کو ترکی میں جو دو بڑے زلزلے آئے تھے ان میں دو احمدیوں کی بھی وفات ہوئی ہے جو کہ ماں بیٹا تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اس کے علاوہ زلزلے سے عمومی طور پر سب احمدی اللہ کے فضل سے محفوظ رہے ہیں تاہم بعضوں کو چھوٹی موٹی چوٹیں لگی ہیں۔ وفات پانے والوں میں سے ایک تیئس سالہ Syrian احمدی خاتون مکرمہ آمانی بسام

مجْلَاوِی صاحبہ کا تعلق جماعت اسکندرون سے تھا۔ یہ عبد المعین قُطَیْش صاحب کی اہلیہ اور اسکندرون جماعت کے صدر جماعت مکرم صلاح قُطَیْش ابو خالد صاحب کی بہو تھیں۔ امانی صاحبہ نے عرصہ تقریباً دو ماہ قبل اپنے خاوند کے ساتھ بیعت کی تھی۔ ان کے سسر مکرم صلاح قُطَیْش صاحب نے بتایا کہ زلزلے سے ایک دن پہلے ہی انہوں نے اَمانی سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا ہے کہ تم نے بیعت کر لی ہے؟ تو امانی صاحبہ نے کہا کہ جی ہاں! اب میں نے اپنی امی ابا کو اپنے احمدی ہونے کی اطلاع دے دی ہے۔ صلاح صاحب کا کہنا ہے کہ امانی صاحبہ اس بات پر بہت خوش تھیں کہ ان کے والدین نے ان کے احمدیت قبول کرنے پر کوئی شدید ردّعمل نہیں دکھایا اور مخالفت نہیں کی۔ ان کے ساتھ تین سالہ بیٹا عزیزم صلاح بھی وفات پا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ دونوں ملبے کے نیچے دب گئے تھے اور انہیں دو دن بعد نکالا جا سکا۔ تب تک ان کی وفات ہو چکی تھی۔ اَمانی صاحبہ نے اپنے پیچھے خاوند مکرم عبد المعین قُطَیْش صاحب کے علاوہ چھ سالہ بیٹی عبیرہ بھی یادگار چھوڑے ہیں۔

شمس الدین مالا باری صاحب مربی سلسلہ کبابیر ہیں، کہتے ہیں کہ امانی صاحبہ اور ان کے میاں عبد المعین قُطَیْش صاحب کی فیملی سیریا سے ہجرت کر کے ترکی آئی تھی۔ امانی صاحبہ نہایت مخلص خدمت گزار اور قناعت پسند خاتون تھیں۔ بیعت کی اہمیت پر آگاہی حاصل کرنے کے بعد بیعت کرنے میں تاخیر نہیں کی بلکہ اپنے خاوند اور بھائیوں کو بھی حوصلہ دیتی رہیں۔ کہتے ہیں کہ میری اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے یہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ مرحومہ اپنے سسرال کے تمام افراد کو ساتھ لے کر چلتی تھیں اور سب کے ساتھ ان کا نہایت پیار اور محبت کا سلوک تھا۔ بیعت والے دن بہت خوش تھیں اور ہمیں انہوں نے بہت اخلاص کے ساتھ الوداع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

تیسرا جو ذکر ہے جن کا جنازہ پڑھوں گا وہ ہیں مقصود احمد منیب صاحب مربی سلسلہ جو 15/ فروری کو ہارٹ اٹیک سے 53 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ان کے والد مکرم چودھری جان محمد صاحب نے 1974ء میں احمدیت قبول کی تھی۔ 1991ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے مبشر کی ڈگری لے کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد نظارت اصلاح و ارشاد مرکزیہ کے تحت پاکستان کے مختلف شہروں میں یہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1998ء سے 2006ء تک مشرقی افریقہ کینیا میں خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ اس کے بعد پھر پاکستان میں ہی آ گئے اور آجکل مربی ضلع کوئٹہ کے طور پر خدمت بجالا رہے تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ ناظر اصلاح و ارشاد صاحب نے بھی لکھا ہے کہ بڑے مخلص اور وفا سے کام کرنے والے بڑی محنت سے کام کرنے والے مربی تھے۔

مربی سلسلہ کوئٹہ عبد الوکیل صاحب لکھتے ہیں کہ واقفین کا بہت احترام کرنے والے تھے۔ مرحوم کو جس بات کا علم نہیں ہوتا تھا بلا ہچکچاہٹ میرے سے پوچھ لیتے تھے جبکہ خاکسار ان سے عمر میں کافی چھوٹا تھا۔ مرحوم نے ایک عرصہ کینیا میں گزارا اور ہمیشہ ان کی باتوں میں کینیا کا ذکر ضرور ہوتا اور کینیا اور کینیا کے لوگ گویا کہ ان کے دل میں گھر کر گئے تھے۔ مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ کینیا کے لوگ اخلاص میں بہت آگے ہیں اور بہت محبت

کرنے والے ہیں۔

فرید مبارک صاحب قائد مجلس ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انتہائی نفیس، پاکباز، دین کے فدائی، جماعت کی خاطر اپنے آپ کو قربان کرنے والے، خلافت سے بے انتہا محبت کرنے والے انسان تھے۔ کہتے ہیں جب مجھے معلوم ہوا کہ بہت سینئر مربی کا یہاں کوئٹے میں تبادلہ ہو گیا ہے تو میں بڑا خوش ہوا کہ کوئٹہ کی جماعت کو اس کی ضرورت تھی۔ کہتے ہیں پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے خاکسار کا دل موہ لیا۔ جس دن انہوں نے ضلع کوئٹہ کی مسجد میں پہلا خطبہ دیا تو ہر سننے والے نے ان کی تعریف کی۔ بہت مہمان نواز تھے۔ ہر ایک کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے۔ بھرپور خدمت کرتے۔ ان کے دل میں جماعت کے لیے جو درد تھا وہ ان کی آنکھوں سے عیاں تھا۔

جب تقریر کرتے تو ایسا جوش، ولولہ ان کے انداز میں ہوتا تھا کہ سننے والے کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ اجلاسات اور دورہ جات میں شامل ہوتے اور ہر ملنے والے کے دل میں جماعت کے لیے فکر پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے۔ ان کے پاس جماعتی علم کا بھی بے پناہ خزانہ تھا۔ عاجزی اس قدر تھی کہ ایسا عاجز انسان کہتے ہیں میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ پھر کہتے ہیں کہ گذشتہ جمعہ جس سے اگلے دن ان کی وفات ہوئی ہے ان کے چہرے پر ایک الگ طرح کا نور تھا۔ جب میری ان پر نظر پڑی تو میں نے ناظم عمومی صاحب کے سامنے مربی صاحب سے اظہار کیا کہ آج تو وہ بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کا آخری جمعہ ہے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ ان سب کے جنازے ان شاء اللہ ابھی پڑھاؤں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 23/مارچ 2023ء خصوصی اشاعت بر موقع یومِ مسیح موعودؑ بعنوان "براہینِ احمدیہ" جلد 30 شمارہ 24 صفحہ 05 تا 11)

9

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 03/مارچ 2023ء بمطابق 03/امان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی جو معرفت ہمیں عطا فرمائی ہے یا اپنی کتب اور ارشادات میں اس معرفت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے جس انداز میں اسے پیش فرمایا ہے اس حوالے سے میں نے گذشتہ جمعوں میں دو خطبات دیے ہیں۔ **قرآن کریم جو معرفت کا خزانہ ہمیں دیتا ہے حقیقت میں یہی ہے جو بندے کو خدا تعالیٰ سے ملاتا ہے۔** اس کے بغیر خدا تعالیٰ کو پانے کا، اس کا قرب حاصل کرنے کا کوئی اَور ذریعہ نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

"قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اُس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے"

(نصرۃ الحق براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 12)

پس یہ وہ نقطہ ہے جسے ہمیں ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا چاہتے ہیں، اگر ہم اپنی دنیا و عاقبت کو سنوارنا چاہتے ہیں تو یہ چیزیں یاد رکھنی چاہئیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم ہی وہ ذریعہ ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس معرفت کو سمجھنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے اور مقرر کردہ کسی راہنما کی ضرورت ہے جو اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپؑ نے قرآنِ کریم کے مختلف پہلوؤں پر جس طرح گہرائی میں جا کر روشنی ڈالی ہے اور اس کے حسن سے آگاہ فرمایا ہے جیسا کہ مَیں نے کہا کہ وہ گذشتہ دو خطبات میں مَیں نے بیان کیا تھا۔ آپ علیہ السلام کے بیان کردہ علم و معرفت کے اس خزانے اور قرآنِ کریم کی تعلیم کو سمجھنے کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی کافی مواد اس بارے میں بیان کرنے والا ہے۔ آج بھی اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے مَیں **قرآن کریم کی خصوصیات اور مقام اور اہمیت کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و تحریرات کی روشنی میں** کروں گا۔ جس گہرائی سے آپؑ نے ہمیں قرآن کریم کے مقام اور اہمیت سے آگاہی دی ہے وہی ہے جو ہمیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور قرآنی تعلیم پر عمل کرنے کا فہم و ادراک دیتی ہے۔

پس بڑے غور سے ہمیں ان باتوں کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم اپنی زندگی کے مقصد کو

حاصل کرنے والے ہوں۔ اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ قرآن خدا کا کلام ہے لالہ بھیم سین کے نام ایک خط میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا، قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے۔ قرآنِ شریف خدا کا کلام نہیں ہے۔ میں نے اُس کو کہا کہ چونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اُس کو اُس کی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اُس میں شرک کی تعلیم ہے۔" جس میں شرک کی تعلیم ہو وہ خدا کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے! اور اس کے علاوہ "اور کئی اَور ناپاک تعلیمیں ہیں۔ مگر میں قرآنِ شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ نہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اَور ناپاک تعلیم ہے۔ اور اُس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔" (مکتوباتِ احمدؑ جلد 1 صفحہ 90)

پس خدا تعالیٰ کے کلام ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شرک سے پاک ہو اور اس پر عمل کرنے سے خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آئے۔ قرآنِ کریم نے کس طرح خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس بات کو صحابہؓ کی زندگیوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ "قرآنی تعلیم کا صحابہ کرامؓ پر اثر" کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جو صدرِ اسلام کا وقت تھا اس زمانہ پر ایک وسیع نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیونکر ایمان لانے والوں کو مذکورہ بالا ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا کیونکہ ایمان لانے والے اپنی ابتدائی حالت میں اکثر ایسے تھے کہ جس حالت کو وہ ساتھ لے کر آئے تھے وہ حالت جنگلی وحشیوں سے بدتر تھی اور درندوں کی طرح اُن کی زندگی تھی اور اس قدر بد اعمال اور بد اخلاق میں وہ مبتلا تھے کہ انسانیت سے باہر ہو چکے تھے اور ایسے بے شعور ہو چکے تھے کہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم بد اعمال ہیں یعنی نیکی اور بدی کی شناخت کی حس بھی جاتی رہی تھی۔ پس قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے جو پہلا اثر اُن پر کیا تو وہ یہ تھا کہ اُن کو محسوس ہو گیا کہ ہم پاکیزگی کے جامہ سے بالکل برہنہ اور بد اعمالی کے گند میں گرفتار ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی پہلی حالت کی نسبت فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:180) یعنی یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت اور فرقانِ حمید کی دلکش تاثیر سے اُن کو محسوس ہو گیا کہ جس حالت میں ہم نے زندگی بسر کی ہے وہ ایک وحشیانہ زندگی ہے اور سراسر بد اعمالیوں سے ملوث ہے تو انہوں نے رُوح القدس سے قوت پا کر نیک اعمال کی طرف حرکت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ:23) یعنی خدا نے ایک پاک رُوح کے ساتھ ان کی تائید کی۔ وہ وہی غیبی طاقت تھی جو ایمان لانے کے بعد اور کسی قدر صبر کرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے۔ پھر وہ لوگ اس طاقت کے حاصل ہونے کے بعد نہ صرف اس درجہ پر رہے کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کو محسوس کرتے ہوں اور ان کی بدبو سے بیزار ہوں بلکہ اَب وہ نیکی کی طرف اس قدر قدم اٹھانے لگے کہ صلاحیت کے کمال کو نصف تک طے کر لیا اور کمزوریوں کے مقابل پر نیک اعمال کی بجاآوری میں طاقت بھی پیدا ہو گئی۔" نہ صرف کمزوریاں دُور کیں بلکہ

نیکیوں میں قدم بڑھتے گئے۔ ”اور اس طرح پر درمیانی حالت اُن کو حاصل ہو گئی اور پھر وہ لوگ رُوح القدس کی طاقت سے بہرہ وَر ہو کر اُن مجاہدات میں لگے کہ اپنے پاک اعمال کے ساتھ شیطان پر غالب آجائیں۔ تب اُنہوں نے خدا کے راضی کرنے کے لئے اُن مجاہدات کو اختیار کیا کہ جن سے بڑھ کر انسان کے لئے متصور نہیں۔ انہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کا خس و خاشاک کی طرح بھی قدر نہ کیا۔ آخر وہ قبول کئے گئے اور خدا نے اُن کے دلوں کو گناہ سے بکلی بیزار کر دیا اور نیکی کی محبت ڈال دی۔“ (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 424-425)

پس یہ ہے **قرآن کریم کا اُن پر اثر کہ وہ زمین سے اٹھے اور آسمان کے چمکدار ستارے بن گئے** جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک تمہارے لیے راہنما ہے۔

(المشکوٰۃ المصابیح جلد3 صفحہ1696 کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃؓ حدیث 6009 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت 1979ء)

قرآنِ کریم کی پیروی سے انسان خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ یہ بات بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: جو شخص قرآنِ شریف کا پیرو ہو کر محبت اور صدق کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے وہ ظلّی طور پر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ صرف پیرو ہونا شرط نہیں بلکہ محبت اور صدق کو انتہا تک پہنچانا شرط ہے یعنی اس کے احکامات پر مکمل عمل ہو تب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: یہ سب نتیجہ اُس زبردست طاقت اور خاصیت کا ہوتا ہے جو خدا کے کلام قرآن شریف میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ زبردست طاقت اور خاصیت کسی اَور کتاب میں نہیں جو کسی قوم کے نزدیک الہامی سمجھی جاتی ہے۔ شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ کتابیں بوجہ دُور دراز زمانوں کے محرف و مبدل ہو چکی ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ اگرچہ لفظ اُن کے محرف و مبدل نہیں ہوئے مگر معنے بگاڑ دیے گئے ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ خدا نے اس آخری زمانے میں تفرقہ دُور کرنے کے لیے اور دنیا کے تمام لوگوں کو صرف ایک کتاب پر جمع کرنے کے لیے ان تمام پہلی کتابوں کی برکتیں مسلوب کر لی ہیں ورنہ اس کا سبب کیا ہے کہ جس طرح قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی سے انسان جماعتِ اولیاء اللہ میں داخل ہو سکتا ہے، اُن کتابوں میں یہ خاصیت پائی نہیں جاتی اور یہی وجہ ہے کہ اُن کتابوں کے پیرو اُن کمالات سے منکر ہیں جو انسان کو قرب کے مکان میں حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ کرامات اور خرقِ عادات پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ معجزات کو نہ صرف مانتے نہیں بلکہ ان پر ہنسی ٹھٹھا بھی کرتے ہیں اور یہی آج وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو گئے ہیں، مذہب سے دُور ہو گئے ہیں۔ پھر فرمایا: مگر ہم ان پر کوئی ہنسی ٹھٹھا نہیں کرتے۔ کسی پر ہم ہنسی ٹھٹھا نہیں کرتے ہاں ان کی محرومی کو دیکھ کر رونا ضرور آتا ہے۔ اُن کی ہمدردی ہے ہمارے دل میں کہ اللہ تعالیٰ سے دُور جا کر، اُس کی صفات کو بھول کر نئے زمانے کی روشنی کا اپنے غلط رویوں کو نام دے کر دوبارہ جانوروں والی حرکتیں کرنے لگ گئے ہیں اور یہی کچھ ہمیں آج کل مادیت پرستوں میں نظر آتا ہے۔

بہرحال اپنی بات کے تسلسل میں آپؑ آگے فرماتے ہیں کہ میں اس جگہ کچھ گذشتہ قصوں کو بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہی باتیں کرتا ہوں جن کا مجھے ذاتی علم ہے۔ مَیں نے قرآن شریف میں ایک زبردست طاقت پائی

ہے۔ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ایک عجیب خاصیت دیکھی ہے جو کسی مذہب میں وہ خاصیت اور طاقت نہیں اور وہ یہ کہ سچا پیرو اس کا مقامات ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔ خدا اس کو نہ صرف اپنے قول سے مشرف کرتا ہے بلکہ اپنے فعل سے اس کو دکھلاتا ہے کہ مَیں وہی خدا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا تب اس کا ایمان بلندی میں دُور دُور کے ستاروں سے بھی آگے گذر جاتا ہے۔

چنانچہ میں اس امر میں صاحبِ مشاہدہ ہوں۔ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ میرے ہاتھ پر اس نے نشان دکھلائے ہیں۔ سو اگرچہ میں دنیا کے تمام نبیوں کا ادب کرتا ہوں اور ان کی کتابوں کا بھی ادب کرتا ہوں مگر زندہ دین صرف اسلام کو ہی مانتا ہوں کیونکہ اس کے ذریعہ سے میرے پر خدا ظاہر ہوا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ جس شخص کو میرے اس بیان میں شک ہو اس کو چاہیے کہ ان باتوں کی تحقیق کے لیے میرے پاس آ کے دو ماہ کے لیے ٹھہرے۔ میں اس کے تمام اخراجات کا جو اس کے لیے کافی ہو سکتے ہیں اس مدت تک متکفل رہوں گا۔ اور فرمایا کہ میرے نزدیک **مذہب وہی ہے جو زندہ مذہب ہے اور زندہ اور تازہ قدرتوں کے نظارے سے خدا کو دکھلاوے ورنہ صرف** دعویٰ صحت مذہب ہیچ اور بلا دلیل ہے۔ (ماخوذ از چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 427-428)

قرآن کریم کی اعجازی خوبیاں:

جنہوں نے آپؑ کی اس دعوت سے فیض پانا تھا انہوں نے فیض پایا اور کامیاب ہو گئے۔ آپؑ کے پاس رہے اور قبول کیا۔ آج بھی آپؑ کا علمِ کلام جو ہے اور خزائن جو ہیں بہت سوں کو خدا نما بنا رہا ہے۔ پس اس سے جہاں ہم غیروں کو آگاہ کریں ہمیں خود بھی پوری کوشش کرنی چاہیے اور آپؑ کے کلام سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تبھی ہم اپنی بیعت کے مقصد کو بھی پورا کر سکتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں، **قرآن کریم کی چار اعجازی خوبیاں** ہیں جن کی تفصیل یہ فرمائی کہ:

"قرآن شریف کی اعجازی خوبیوں میں سے ایک بلاغت فصاحت بھی ہے جو انسانی بلاغت فصاحت سے بالکل ممتاز اور الگ ہے کیونکہ انسانی بلاغت فصاحت کا میدان نہایت تنگ ہے اور جب تک کسی کلام میں مبالغہ یا جھوٹ یا غیر ضروری باتیں نہ ملائی جائیں تب تک کوئی انسان بلاغت فصاحت کے اعلیٰ درجہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔" اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بالکل پاک ہے، کوئی ملونی نہیں۔ "دوسرے قرآن شریف کی ایک معجزانہ خوبی یہ ہے کہ جس قدر اس نے قصے بیان کئے ہیں درحقیقت وہ تمام پیشگوئیاں ہیں جن کی طرف جابجا اشارہ بھی کیا ہے۔" یہ بھی قرآن کریم میں نظر آتا ہے۔ "تیسرے قرآنِ شریف میں یہ معجزانہ خوبی ہے کہ اس کی تعلیم انسانی فطرت کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لئے پورا پورا سامان اپنے اندر رکھتی ہے اور مرتبہ یقین حاصل کرنے کے لئے جن دلائل اور نشانوں کی انسان کو ضرورت ہے سب اس میں موجود ہیں۔ چوتھے ایک بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ وہ کامل پیروی کرنے والے کو خدا سے ایسا نزدیک کر دیتا ہے کہ وہ مکالمہ الٰہیہ کا شرف پالیتا ہے اور کھلے کھلے نشان اس سے ظاہر ہوتے ہیں اور تزکیہ نفس اور ایمانی استقامت اس کو حاصل ہوتی ہے اور قرآن شریف کا یہ نکتہ نہایت ہی یاد داشت کے لائق ہے کہ مومن کامل پر جو فیضان آسمانی نشانوں کا ہوتا ہے۔ وہ تو ایک خدا کا فعل ہے۔ اس کی وجہ سے کوئی

اپنی خوبی قرار نہیں دے سکتا۔ مومن کامل کی اپنی ذاتی خوبی تقویٰ طہارت اور قوت ایمان اور استقامت ہے مثلاً جیسے اگر کسی دیوار پر آفتاب کی روشنی پڑے تو وہ روشنی اس دیوار کی خوبیوں میں داخل نہیں کیونکہ وہ اس سے الگ بھی ہو سکتی ہے بلکہ دیوار کی خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایک مضبوط پتھر پر ہو اور ایسی پختہ اور ریختہ کی عمارت ہو کہ گو کیسے ہی سیلاب آویں اور تُند ہوائیں چلیں اور طوفان کی طرح مینہ برسیں اس دیوار میں جنبش نہ آوے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 268 حاشیہ)

پس ایمان کی بھی ایسی حالت ہونی چاہیے۔ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا مقدس کلام سمجھ کر اس پر عمل کی بھی ایسی حالت ہونی چاہیے کہ یہی ہے جو ہمارے ایمانوں کو مضبوط کرتا ہے، ہمیں خدا سے ملاتا ہے کہ **کوئی آندھی کوئی طوفان کوئی مخالفت انسان کو اپنے ایمان سے ہلا نہ سکے**۔ یہ ہے انسان کی خوبی کہ ہمیشہ اس پر خدا تعالیٰ کے کلام کی روشنی پڑتی رہے اور اس کو سمجھنے کی وہ کوشش کرتا رہے۔ پھر فرمایا کہ قرآنِ کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کی پیروی کے نتیجہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تفصیل بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"قرآن شریف کی معجزانہ تاثیرات سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی کامل پیروی کرنے والے درجہ قبولیت کا پاتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہو کر خدا تعالیٰ اپنی کلامِ لذیذ اور پُر رُعب کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دیتا ہے اور خاص طور پر دشمنوں کے مقابل پر ان کی مدد کرتا ہے اور تائید کے طور پر اپنے غیبِ خاص پر ان کو مطلع فرماتا ہے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 271 حاشیہ)

اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کریم میں سب ہدایتیں ہیں آپؑ فرماتے ہیں کہ "عرب کے مشرکوں کی طرح اس ملک کے اہل کتاب بھی جرائم پیشہ ہو گئے تھے عیسائیوں نے تو کفارہ کے مسئلہ پر زور دے کر اور اس پر بھروسہ کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم پر سب جرائم حلال ہیں اور یہودی کہتے تھے کہ ہم ارتکاب جرائم کی وجہ سے صرف چند روز دوزخ میں پڑیں گے اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ وَّ غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (آل عمران:25)..... یہ دلیری اور جرأت اِس سے اُن کو پیدا ہوئی کہ ان کا یہ قول ہے کہ دوزخ کی آگ "جو حرکتیں وہ کر رہے ہیں اس کی جرأت کیوں پیدا ہوئی؟ اس وجہ سے جیسا کہ یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے انہوں نے کہا کہ "دوزخ کی آگ اگر ہمیں چھوئے گی بھی تو صرف چند روز تک رہے گی اور جو افترا پردازیاں وہ کرتے ہیں انہیں پر مغرور ہو کر اُن کے یہ خیالات ہیں۔ پس جب کہ اہلِ کتاب اور مشرکین عرب نہایت درجہ بد چلن ہو چکے تھے اور بدی کر کے سمجھتے تھے کہ ہم نے نیکی کا کام کیا ہے اور جرائم سے باز نہیں آتے تھے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے تو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دے کر اُن کے ہاتھ سے غریبوں کو بچانا چاہا اور چونکہ عرب کا ملک مطلق العنان تھا اور وہ لوگ کسی بادشاہ کی حکومت کے ماتحت نہیں تھے اِس لئے ہر ایک فرقہ نہایت بے قیدی اور دلیری سے زندگی بسر کرتا تھا اور چونکہ اُن کے لئے کوئی سزا کا قانون نہ تھا اِس لئے وہ لوگ روز بروز جرائم میں بڑھتے جاتے تھے۔

پس خدا نے اس ملک پر رحم کر کے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک کے لئے نہ صرف رسول کر کے

بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا اور قرآنِ شریف کو ایک ایسے قانون کی طرح مکمل کیا جس میں دیوانی فوجداری مالی سب ہدایتیں ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب کے لوگ اپنے مقدمات آپ سے فیصلہ کراتے تھے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجناب کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجناب نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اُس کے دعوے کی ڈگری کی۔ پس بعض نادان مخالف جو غور سے قرآن شریف نہیں پڑھتے وہ ہر ایک مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نیچے لے آتے ہیں حالانکہ ایسی سزائیں خلافت یعنی بادشاہت کی حیثیت سے دی جاتی تھیں۔" (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 242-243)

پھر قرآنِ کریم کے ذریعہ پاکیزہ زندگی کے حصول کے مضمون کو بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک چیز کی بڑی خوبی یہی سمجھی جائے گی کہ جس غرض کے پورا کرنے کے لئے وہ وضع کی گئی ہے اُس غرض کو بوجہ احسن پوری کر سکے۔ مثلاً اگر کسی بیل کو قُلبہ رَانی کے لئے خریدا گیا ہے تو اُس بیل کی یہی خوبی دیکھی جائے گی وہ قُلبہ رانی کے کام کو بوجہ احسن ادا کر سکے۔" بیل ہل چلانے کے لیے لیتے ہیں تو اس کو ہل چلانے کے لیے ہی استعمال کیا جائے گا اور اچھا چلانے والے بیل کو اچھا سمجھا جائے گا۔ "اسی طرح ظاہر ہے کہ اصلی غرض آسمانی کتاب کی یہی ہونی چاہئے کہ اپنے پیروی کرنے والے کو اپنی تعلیم اور تاثیر اور قوتِ اصلاح اور اپنی روحانی خاصیت سے ہر ایک گناہ اور گندی زندگی سے چھڑا کر ایک پاک زندگی عطا فرماوے اور پھر پاک کرنے کے بعد خدا کی شناخت کے لئے ایک کامل بصیرت عطا کرے اور اُس ذاتِ بے مثل کے ساتھ جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے محبت اور عشق کا تعلق بخشے کیونکہ درحقیقت یہی محبت نجات کی جڑھ ہے اور یہی وہ بہشت ہے جس میں داخل ہونے کے بعد تمام کوفت اور تلخی اور رنج و عذاب دُور ہو جاتا ہے اور بلاشبہ زندہ اور کامل کتاب الہامی وہی ہے جو طالبِ خدا کو اِس مقصود تک پہنچاوے اور اُس کو سفلی زندگی سے نجات دے کر اس محبوب حقیقی سے ملاوے جس کا وصال عین نجات ہے اور تمام شکوک و شبہات سے مخلصی بخش کر ایسی کامل معرفت اس کو عطا کرے کہ گویا وہ اپنے خدا کو دیکھ لے اور خدا کے ساتھ ایسے مستحکم تعلقات اس کو بخش دے کہ وہ خدا کا وفادار بندہ بن جائے اور خدا اس پر ایسا لطف و احسان کرے کہ اپنی انواع و اقسام کی نصرت اور مدد اور حمایت سے اس میں اور اس کے غیر میں فرق کر کے دکھلائے اور اپنی معرفت کے دروازے اس پر کھول دے اور اگر کوئی کتاب اپنے اس فرض کو ادا نہ کرے جو اس کا اصلی فرض ہے اور دوسرے بیہودہ دعووں سے اپنی خوبی ثابت کرنی چاہے تو اس کی یہی مثال ہے کہ ایک شخص مثلاً طبیبِ حاذق ہونے کا دعویٰ کرے اور جب کوئی بیمار اس کے سامنے پیش کیا جائے کہ اس کو اچھا کر کے دکھلاؤ تو وہ یہ جواب دے کہ میں اس کو اچھا تو نہیں کر سکتا لیکن میں کُشتی کرنا خوب جانتا ہوں یا یہ کہے کہ علم ہیئت اور فلسفہ میں مجھے بہت دخل ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مسخرہ کہلائے گا اور عقلمندوں کے نزدیک قابل سرزنش ہو گا۔ خدا کی کتاب اور خدا کے رسول جو دنیا میں آتے ہیں بڑی غرض ان کی یہی ہوتی ہے جو دنیا کو پاپ اور گناہ کی زندگی سے چھڑاویں اور خدا سے پاک تعلقات قائم کریں۔ ان کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ دنیا کے

علوم ان کو سکھاویں اور دنیا کی ایجادوں سے ان کو آگاہ کریں۔

غرض ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے نزدیک اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ خدا کی کتاب کا فرض یہی ہے کہ وہ خدا کو ملاوے اور خدا کی ہستی کے بارہ میں یقین کے درجہ تک پہنچاوے اور خدا کی عظمت اور ہیبت دل میں بٹھا کر گناہ کے ارتکاب سے روک دے ورنہ ہم ایسی کتاب کو کیا کریں جو نہ دل کا گند دور کر سکتی ہے اور نہ ایسی پاک اور کامل معرفت بخش سکتی ہے جو گناہ سے نفرت کرنے کا موجب ہو سکے۔ یاد رہے کہ گناہ کی رغبت کا جذام نہایت خطرناک جذام ہے اور یہ جذام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی زندہ معرفت کی تجلیات اور اس کی ہیبت اور عظمت اور قدرت کے نشان بارش کی طرح وارد نہ ہوں اور جب تک کہ انسان خدا کو اس کی مہیب طاقتوں کے ساتھ ایسا نزدیک نہ دیکھے جیسے وہ بکری کہ جب شیر کو دیکھتی ہے کہ صرف وہ اس سے دو قدم کے فاصلہ پر ہے۔ انسان کو یہ ضرورت ہے کہ وہ گناہ کے مہلک جذبات سے پاک ہو اور اس قدر خدا کی عظمت اس کے دل میں بیٹھ جائے کہ وہ بے اختیار کرنے والی نفسانی شہوات کی خواہش کہ جو بجلی کی طرح اس پر گرتی اور اس کے تقویٰ کے سرمایہ کو ایک دم میں جلا دیتی ہے وہ دور ہو جاوے مگر کیا وہ ناپاک جذبات کہ جو مرگی کی طرح بار بار پڑتے ہیں اور پرہیز گاری کے ہوش و حواس کو کھو دیتے ہیں وہ صرف اپنے ہی خود تراشیدہ پرمیشر کے تصوّر سے دور ہو سکتے ہیں یا صرف اپنے ہی تجویز کردہ خیالات سے دب سکتے ہیں اور یا کسی ایسے کفارہ سے رک سکتے ہیں جس کا دکھ اپنے نفس کو چھوا بھی نہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ بات معمولی نہیں بلکہ سب باتوں سے بڑھ کر عقلمند کے نزدیک غور کرنے کے لائق یہی بات ہے کہ وہ تباہی جو اس بیباکی اور بے تعلقی کی وجہ سے پیش آنے والی ہے جس کی اصلی جڑھ گناہ اور معصیت ہے اس سے کیونکر محفوظ رہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان یقینی لذّات کو محض ظنّی خیالات سے چھوڑ نہیں سکتا۔ ''لذتیں جو ملتی ہیں ان میں بعض یقینی لذات ہیں اس کو اس بات سے صرف ظن کر کے یہ کہنا کہ ہو گا، یہ ہمیں انشاء اللہ ملے گا، بعد میں ملے گا، کب ملے گا؟ کس طرح ہو گا؟ اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ ''ہاں'' فرمایا کہ لیکن ''ایک یقین دوسرے یقینی امر سے دستبردار کرا سکتا ہے۔ مثلاً ایک بَن کے متعلق ایک ''یعنی جنگل ہے اس کے متعلق ''یقین ہے کہ اس جگہ سے کئی ہرن ہم بآسانی پکڑ سکتے ہیں اور ہم اس یقین کی تحریک پر قدم اُٹھانے کے لئے مستعد ہیں مگر جب یہ دوسرا یقین ہو جائے گا کہ وہاں پچاس شیر ببر موجود ہیں اور ہزارہا خونخوار اژدہا بھی ہیں جو منہ کھولے بیٹھے ہیں تب ہم اس ارادہ سے دستکش ہو جائیں گے۔ اسی طرح بغیر اس درجہ یقین کے گناہ بھی دور نہیں ہو سکتا۔''

گناہ دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ یہ یقین ہو کہ اگر ہم یہ گناہ کریں گے تو ہمیں ذاتی وقتی لذات تو ہیں لیکن اس کو کرنے سے اسی طرح ہے جس طرح ہم نے ایک جنگل میں جہاں ہم شکار کو چلے جائیں اور وہاں شیر ببر بھی ہو اور اژدھا بھی ہوں اور ان کا خوف ہمیں وہاں شکار نہ کرنے دے تو اسی طرح گناہوں سے بچا جا سکتا ہے کہ اگر یہ یقین پیدا ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ اور اگر ہم گناہ کریں گے تو اس کی پکڑ میں آسکتے ہیں۔

فرمایا کہ ''لوہا لوہے سے ہی ٹوٹتا ہے۔ خدا کی عظمت اور ہیبت کا وہ یقین چاہئے جو غفلت کے پردوں کو پاش پاش کر دے اور بدن پر ایک لرزہ ڈال دے اور موت کو قریب کر کے دکھلا دے اور ایسا خوف دل پر غالب کرے جس سے

تمام تار و پود نفس امارہ کے ٹوٹ جائیں اور انسان ایک غیبی ہاتھ سے خدا کی طرف کھینچا جائے اور اُس کا دل اس یقین سے بھر جائے کہ درحقیقت خدا موجود ہے جو بے باک مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ پس ایک حقیقی پاکیزگی کا طالب ایسی کتاب کو کیا کرے جس کے ذریعہ سے یہ ضرورت رفع نہ ہو سکے؟ اِس لئے میں ہر ایک پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ وہ کتاب جو ان ضرورتوں کو پورا کرتی ہے وہ قرآن شریف ہے اُس کے ذریعہ سے خدا کی طرف انسان کو ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت سرد ہو جاتی ہے اور وہ خدا جو نہایت نہاں در نہاں ہے اس کی پیروی سے آخر کار اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اور وہ قادر جس کی قدرتوں کو غیر قومیں نہیں جانتیں قرآن کی پیروی کرنے والے انسان کو خدا خود دکھا دیتا ہے۔" اور **یہ فقرہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کی پیروی کرنے والے انسان کو** خدا خود دکھا دیتا ہے "اور عالم ملکوت کا اس کو سیر کراتا ہے اور اپنے اَنَا الْمَوْجُوْد ہونے کی آواز سے آپ اپنی ہستی کی اس کو خبر دیتا ہے....."

پس یہ ہے وہ فہم و ادراک جو قرآن شریف کے بارے میں ہونا چاہیے۔ یہ اس تعلیم کا عملی پہلو ہے جس کا ہم سے اظہار ہونا چاہیے ورنہ دوسرے مذاہب کی طرح ہمارا ایمان کا دعویٰ صرف دعویٰ ہو گا۔ اب یہاں فرمایا کہ یہ کتاب اصلاح کرتی ہے دوسری کتابیں نہیں کرتیں۔ ان میں کیونکہ ان کی تعلیم کامل نہیں ہے۔ اس لیے نہیں کرتیں۔ اور اگر ہم قرآن کریم کو مانتے ہیں اور پھر اصلاح نہیں ہوتی تو اس میں ہمارا قصور ہے کیونکہ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا کامل پیروی ضروری ہے۔ کامل پیروی اگر نہیں کریں گے تو کس طرح اصلاح ہو گی۔ اس پر عمل نہیں کریں گے تو کس طرح اصلاح ہو گی۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم کامل پیروی کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارا مشاہدہ اور تجربہ اور ان سب کا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اس بات کا گواہ ہے کہ قرآن شریف اپنی روحانی خاصیت اور اپنی ذاتی روشنی سے اپنے سچے پیرو کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کے دل کو منور کرتا ہے اور پھر بڑے بڑے نشان دکھلا کر خدا سے ایسے تعلقات مستحکم بخش دیتا ہے کہ وہ ایسی تلوار سے بھی ٹوٹ نہیں سکتے جو ٹکڑہ ٹکڑہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ دل کی آنکھ کھولتا ہے اور گناہ کے گندے چشمہ کو بند کرتا ہے اور خدا کے لذیذ مکالمہ مخاطبہ سے شرف بخشتا ہے اور علوم غیب عطا فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے پر اپنے کلام سے اطلاع دیتا ہے اور ہر ایک جو اس شخص سے مقابلہ کرے جو قرآن شریف کا سچا پیرو ہے خدا اپنے ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اس بندہ کے ساتھ ہے جو اس کے کلام کی پیروی کرتا ہے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 305 تا 309)

تو سچا پیرو ہونا بنیادی شرط ہے۔ پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کریم شرک سے نجات کا ذریعہ ہے آپؑ فرماتے ہیں:

"جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلاد عرب، فارس، مصر، شام، ہند، چین، افغانستان، کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے اور اکثر بلاد سے بُت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔" (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 77)

یہ جو اسلام شروع میں پھیلا ہے اور ان ملکوں میں شرک ختم ہوا ہے تو یہ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا اور اسی لیے ہمارے آباؤ اجداد نے اسلام قبول کیا لیکن اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو پھر ہم واپس اسی جہالت میں جا رہے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ اس کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں:

"جو کتاب ابتدائے آفرینش کے وقت آئی ہو گی اس کی نسبت عقل قطعی طور پر تجویز کرتی ہے کہ وہ کامل کتاب نہیں ہو گی۔" جو کتابیں شروع میں آئی ہیں عقل تسلیم کرتی ہے کہ وہ کامل نہیں ہو سکتیں "بلکہ وہ صرف اس استاد کی طرح ہو گی جو ابجد خواں بچوں کو تعلیم دیتا ہے۔" بچوں کو اب پ سکھاتا ہے۔ "صاف ظاہر ہے کہ ایسی ابتدائی تعلیم میں بہت لیاقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔" پرائمری تعلیم بچوں کو دینی ہے، ABC سکھانی ہے، الف بے جیم سکھانی ہے تو بہت زیادہ لیاقت کی ضرورت نہیں ہے۔ "ہاں جس زمانہ میں انسانی تجربہ نے ترقی کی اور نیز نوع انسان کئی قسم کی غلطیوں میں پڑ گئی تب باریک تعلیم کی حاجت پڑی۔ بالخصوص جب گمراہی کی تاریکی دنیا میں بہت پھیل گئی اور انسانی نفوس کئی قسم کی علمی اور عملی ضلالت میں مبتلا ہو گئے تب ایک اعلیٰ اور اکمل تعلیم کی حاجت پڑی اور وہ قرآن شریف ہے۔ لیکن ابتدائے زمانہ کی کتاب کے لئے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ابھی انسانی نفوس سادہ تھے اور ہنوز ان میں کوئی ظلمت اور ضلالت جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اس کتاب کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت تھی جو انتہائی درجہ کی ضلالت کے وقت ظاہر ہوئی اور ان لوگوں کی اصلاح کے لئے آئی جن کے دلوں میں عقائد فاسدہ راسخ ہو چکے تھے اور اعمال قبیحہ ایک عادت کے حکم میں ہو گئے تھے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 70 حاشیہ)

قرآن شریف کی تعلیم اس وقت آئی جب انسان کا دماغ mature ہو گیا تھا، سمجھنے لگ گیا تھا۔ برائیاں بھی انتہا کو پہنچ گئی تھیں اور انسان ان میں ڈوب رہا تھا۔ اس وقت اس کے دماغ کے مطابق تعلیم بھی آ گئی۔ پھر قرآن کریم کے عالمگیر کتاب ہونے کے بارے میں فرمایا کہ یاد رکھو کہ:

"یہ بات فی الواقع صحیح اور **درست ہے کہ ابتدائے آفرینش میں بھی ایک الہامی کتاب نوع انسان کو ملی تھی**....." پھر فرمایا کہ "اس جگہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابتدائے زمانہ میں صرف ایک الہامی کتاب انسانوں کو کیوں دی گئی؟ ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا کتابیں کیوں نہ دی گئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اس تعداد سے بھی کمتر تھے جو ان کو ایک قوم کہا جائے۔ اس لئے ان کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامان میسر آ گئے اور اس بات کا علم ہو گیا کہ فلاں فلاں حصہ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور

بعد تفرقہ کے پھر ان کو جمع کیا جاوے تب خدا نے تمام ملکوں کے لئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے ان کا فرض ہو گا کہ ان کو قبول کر لیں اور اس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لئے آئی ہے۔ قرآن سے پہلی سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں۔ چنانچہ شامی، فارسی، ہندی، چینی، مصری، رومی یہ سب قومیں تھیں جن کے لئے جو کتابیں یا رسول آئے وہ صرف اپنی قوم تک محدود تھے۔ دوسری قوم سے ان کو کچھ تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا جو ایک عالمگیر کتاب ہے اور کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی امت کے لئے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔ سو اب زمانہ کے لئے ایسے سامان میسر آ گئے ہیں جو مختلف قوموں کو وحدت کا رنگ بخشتے جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات جو اصل جڑھ ایک قوم بننے کی ہے ایسی سہل ہو گئی ہے کہ برسوں کی راہ چند دنوں میں طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کے لئے وہ سبیلیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جو ایک برس میں بھی کسی دور دراز ملک کی خبر نہیں آسکتی تھی وہ اب ایک ساعت میں آسکتی ہے۔ زمانہ میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف رخ کر لیا ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنادے اور ہزار ہا برسوں کے بچھڑے ہوؤں کو پھر باہم ملادے اور یہ خبر قرآن شریف میں موجود ہے اور قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159) یعنی تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تم سب کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔

اور پھر فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:108) یعنی میں نے تمام عالموں کے لئے تجھے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان:2) یعنی ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈراوے لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اس کے منہ سے بھی یہی نکلا کہ 'میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔' حضرت عیسیٰ نے یہی کہا تھا بائبل میں۔ ''اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقعہ پر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت تبلیغ عام کا دروازہ کھل گیا تھا۔''

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 74 تا 77)

پھر یہ بیان فرماتے ہوئے کہ **قرآن کریم کی چار وجوہات، اسباب ہیں۔ علل اربعہ ہیں۔** آپؑ فرماتے ہیں:

''ہر شے کی چار علتیں ہوتی ہیں.....'' یعنی اسباب یا وجوہات ہوتے ہیں ''اور وہ علل اربعہ یہ ہوتی ہیں۔'' یہ کون سی علل اربعہ ہیں یعنی ''**علّتِ فاعلی۔**'' یعنی اس کو کرنے والا کون ہے اور اس کی وجوہات۔ ''**علّت صُوری۔**'' ظاہری اور عملی وجوہات اس کی کیا ہیں۔ ''**علّتِ مادی۔**'' اس کا مادی فائدہ بھی کیا ہے۔ ''**علّتِ غائی۔**'' اس کی اصل

وجہ اور ان سب چیزوں کی بنیادی اور مجموعی وجہ کیا ہے؟" اس مقام پر قرآنِ شریف کی چار علتوں کا ذکر کیا۔" فرمایا کہ "علّتِ فاعلی تو اس کتاب کی الٓمّٓ ہے۔ اور الٓمّٓ کے معنے میرے نزدیک اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی میں اللہ وہ ہوں جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔" یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے "اور علّتِ مادی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ہے یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔" اس پر عمل کر کے اس سے بڑے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ "اور علّتِ صُوری لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے یعنی اس کتاب کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ ہی نہیں۔" ایسی خوبصورت تعلیم ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ "جو بات ہے مستحکم اور جو دعویٰ ہے وہ مدلل اور روشن اور علّتِ غائی اس کتاب کی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے یعنی اس کتاب کے نزول کی غرض وغایت یہ ہے کہ متقیوں کو ہدایت کرتی ہے۔" (ملفوظات جلد 8 صفحہ 306-307)

اور یہی ایک حقیقی کتاب کا، دینی کتاب کا مقصد ہونا چاہیے۔ پھر آپؑ سورۂ بقرہ کی پہلی دوسری اور تیسری آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"تقویٰ ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شئے قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی علّت غائی اسی کو ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے تو یُوں ہی فرمایا ہے۔ الٓمّٓ ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:2-3) میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن کریم کی یہ ترتیب بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں علل اربعہ کا ذکر فرمایا ہے۔" یعنی چار اسباب اور وجوہات کا۔ "علت فاعلی، مادی، صوری، غائی۔ ہر ایک چیز کے ساتھ یہ چار ہی علل ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نہایت اکمل طور پر ان کو دکھاتا ہے۔ الٓمّٓ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت جاننے والا ہے۔ اس کلام کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ یعنی خدا اس کا فاعل ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یہ مادہ بتایا۔" یعنی قرآن کریم "یا یہ کہو کہ یہ علت مادی ہے۔" یعنی مادی حالت میں جو ہمارے پاس کتاب ہے وہ بھی ایک کتاب ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنے مقصد کو پا سکتا ہے۔ "علتِ صُوری لَا رَيْبَ فِيْهِ ہر ایک چیز میں شک وشبہ اور ظنون فاسدہ پیدا ہو سکتے ہیں مگر قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی رَیْبَ نہیں ہے۔" کوئی شک نہیں۔ "لَا رَيْبَ اسی کے لئے ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی شان یہ بتائی کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ تو طبعاً ہر ایک سلیم الفطرت اور سعادت مند انسان کی روح اچھلے گی اور خواہش کرے گی کہ اس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ قرآنِ شریف کی اجلیٰ اور اصفیٰ شان کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا ورنہ قرآن شریف کی خوبیاں اور اس کے کمالات، اس کا حسن اپنے اندر ایک ایسی کشش اور جذب رکھتا ہے کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اس کی طرف چلے آئیں۔

مثلاً اگر ایک خوشنما باغ کی تعریف کی جاوے اور اس کے خوشبودار درختوں اور دل کو تر و تازہ کرنے والی بوٹیوں اور روشوں اور مصفّا پانی کی بہتی ہوئی ندیوں اور نہروں کا تذکرہ کیا جاوے تو ہر ایک شخص دل سے چاہے گا کہ اس کی سیر کرے اور اس سے حظ اٹھاوے۔ اور اگر یہ بھی بتایا جاوے کہ اس میں بعض چشمے ایسے جاری ہیں جو امراض مزمنہ اور مہلکہ کو شفا دیتے ہیں تو اور بھی زیادہ جوش اور طلب کے ساتھ لوگ وہاں جائیں گے۔ اسی طرح پر قرآن شریف کی خوبیوں اور کمالات کو اگر نہایت ہی خوبصورت اور مؤثر الفاظ میں بیان کیا جاوے تو روح پورے جوش کے ساتھ اس

کی طرف دوڑتی ہے اور حقیقت میں روح کی تسلی اور سیری کا سامان اور وہ بات جس سے روح کی حقیقی احتیاج پوری ہوتی ہے قرآن کریم ہی میں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ "متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔" اور دوسری جگہ کہا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:80) "کوئی اسے نہیں چھو سکتا سوائے پاک کیے ہوئے لوگوں کے۔ فرمایا کہ "اس سے مراد وہی متقین ہیں جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں بیان ہوئے ہیں۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ قرآنی علوم کے انکشاف کے لئے تقویٰ شرط ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 424-425)

لیکن آج کل کے نام نہاد علماء نے جو تقویٰ سے عاری ہیں اس کی تعلیم کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے کہ مخالفینِ اسلام کو اس کی تعلیم پر مزید اعتراض کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ لیکن آج یہ ہم احمدیوں کا کام ہے کہ ہم اپنے اندر تقویٰ پیدا کرتے ہوئے اس تعلیم کی خوبیوں کو اپنے قول و فعل سے کر کے دکھائیں، عمل کر کے دکھائیں۔ دنیا کو بتائیں کہ قرآن کریم ہی ہے جو ہر قسم کی بیماریوں کا علاج ہے اور اس کو بھیجنے والا وہ خدا ہے جس نے اسے بامقصد بنا کر دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ پر چلتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بہت گہرے مضامین ہیں۔ بہت غور سے سننے والے ہیں۔ بہت غور سے اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کو بڑے غور سے ہمیں پڑھنا چاہیے۔

اب میں دعا کی تحریک بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بنگلہ دیش میں آج کل جلسہ سالانہ ہو رہا ہے۔ آج ہی ان کا پہلا دن تھا لیکن وہاں مخالفین نے حملہ کیا۔ جلسہ گاہ پر بھی حملہ کیا۔ کئی لوگ وہاں زخمی بھی ہوئے۔ میرا خیال ہے باہر سے کچھ اس طرح انہوں نے حملہ کیا کہ کچھ زخمی ہوئے ہیں۔ بعض شدید زخمی بھی ہیں۔ پھر کچھ لوگوں کے جو وہاں اس علاقے میں احمدی تھے ان کے گھروں کو بھی جلا رہے ہیں۔ ابھی تک کی جو خبر آئی ہے یہ اس کے مطابق ہے۔ اور کتنا نقصان ہوا ہے ابھی پورا اندازہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ احمدیوں کو ان کے شر سے بھی محفوظ رکھے اور ان کی پکڑ کے بھی سامان کرے۔ اب تو اِن کے لیے کوئی ہدایت کی دعا نہیں ہو سکتی۔ اَللّٰهُمَّ مَزِّقْهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيْقًا والی دعا ہی ہے جو ان کے لیے ہمارے منہ سے نکلتی ہے، دل سے نکلتی ہے۔

اسی طرح پاکستان کے حالات کے لیے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ وہاں بھی احمدیوں کے حالات ٹھیک رکھے۔

برکینا فاسو میں بھی خطرات ابھی منڈلا رہے ہیں وہاں کے لیے دعا کریں۔ اسی طرح **الجزائر میں بھی احمدیوں پہ بعض مقدمات ہیں** ان کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ احمدیوں کو محفوظ رکھے۔ بنگلہ دیش میں جیسا کہ میں نے کہا انتظامیہ نے ہمیں یہی کہا تھا کہ فکر نہ کرو۔ جلسہ کرو اور ہم پوری حفاظت کریں گے لیکن جب بلوائی اور دہشت گرد، شدت پسند ملاں اپنے ٹولوں کو لے کے آئے ہیں تو پولیس وہاں تماشائی بن کے بیٹھی ہوئی ہے اور کوئی اقدام نہیں کر رہی۔ بہرحال ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا چاہیے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کی مشکلات کو جلد دُور فرمائے۔

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 24/ مارچ 2023ء جلد 30 شمارہ 25 صفحہ 02 تا 07)

10

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 10 / مارچ 2023ء بمطابق 10 / امان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

قرآن کریم کے محاسن:

آج کل خطبات میں قرآن کریم کے محاسن کا ذکر کر رہا ہوں، خوبیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس کے محاسن اور خوبیاں بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قرآن کریم کامل کتاب ہے۔ اس سلسلہ میں آپؑ وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف ایسی کامل اور جامع کتاب ہے کہ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" آپؑ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ "کیا وید میں کوئی ایسی شرتی ہے جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مقابلہ کرے۔ اگر زبانی اقرار کوئی چیز ہے یعنی اس کے ثمرات اور نتائج کی حاجت نہیں تو پھر ساری دنیا کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کا اقرار کرتی ہے۔ اور بھگتی، عبادت، صدقہ خیرات کو بھی اچھا سمجھتی ہے اور کسی نہ کسی صورت میں ان باتوں پر عمل بھی کرتی ہے۔ پھر ویدوں نے آکر دنیا کو کیا بخشا؟" یہاں تک ہندوؤں کو یہ جواب دے رہے تھے۔ "یا تو یہ ثابت کرو کہ جو قومیں وید کو نہیں مانتی ہیں ان میں نیکیاں بالکل مفقود ہیں اور یا کوئی اور امتیازی نشان بتاؤ۔" فرماتے ہیں: "قرآنِ شریف کو جہاں سے شروع کیا ہے ان ترقیوں کا وعدہ کر لیا ہے جو بالطبع روح تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ:6) کی تعلیم کی اور فرمایا کہ تم یہ دعا کرو کہ اے اللہ! ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔" یہ دعا بھی دی اور ہدایت فرمانے کی جب دعا دی تو اس کا مطلب، وعدہ بھی کیا کہ میں صراط مستقیم پہ چلاؤں گا۔ پھر فرمایا کہ "وہ صراط مستقیم جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے انعام و اکرام ہوئے۔ اس دعا کے ساتھ ہی سورہ البقرہ کی پہلی ہی آیت میں یہ بشارت دے دی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:3)" اگر ہدایت کی دعا سکھائی تو اِس کے حصول کے لیے ایک لائحہ عمل بھی بتا دیا کہ اس پر عمل کرو۔ یہ کتاب ہے جس پر عمل کرنے سے تمہیں، متقیوں کو ہدایت ملے گی۔ "گویا روحیں دعا کرتی ہیں اور ساتھ ہی قبولیت اپنا اثر دکھاتی ہے اور وہ وعدہ دعا کی قبولیت کا قرآن مجید کے نزول کی صورت میں پورا ہوتا ہے۔ ایک طرف دعا ہے اور دوسری طرف اس کا نتیجہ موجود ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور کرم ہے جو اس نے فرمایا مگر افسوس دنیا اس سے بے خبر اور غافل ہے اور اس سے دور رہ کر ہلاک ہو رہی ہے۔"

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو ابتدائے قرآن مجید میں متقیوں کے صفات

بیان فرمائے ہیں ان کو معمولی صفات میں رکھا ہے لیکن جب انسان قرآنِ مجید پر ایمان لا کر اسے اپنی ہدایت کے لیے دستور العمل بناتا ہے تو وہ ہدایت کے اُن اعلیٰ مدارج اور مراتب کو پالیتا ہے جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:3) میں مقصود رکھے ہیں۔ قرآنِ شریف کی اس علت غائی کے تصور سے ایسی لذت اور سرور آتا ہے کہ الفاظ میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور قرآن مجید کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 317-318)

پھر اس بات کو کھولتے ہوئے کہ قرآن کریم کی تعلیم ایک کامل تعلیم ہے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"زمانہ ضرورت بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اَور دلیل ہے اور انجام اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ میں فرما دیا۔" یعنی زمانہ جو تھا، اس وقت حالات جو تھے دنیا کے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دلیل ہے کیونکہ ضرورت تھی اُس وقت اور پھر اس کا انجام کیا ہوا اس بعثت کا، تعلیم کیسی ہوئی مکمل وہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ میں فرما دیا۔ فرمایا کہ "گویا یہ بابِ نبوت کی دوسری فصل ہے۔ اکمال سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیر قلب کی۔" قرآن کریم اتار دیا، تعلیم دے دی، کتاب اتار دی۔ یہی کمال نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ انسان کے نفس کی حالت کو بھی مکمل کر دیا۔ جو عمل کرنے والے ہیں ان کو مکمل انسان بنا دیا۔ تطہیرِ قلب کی۔ اُن کے دلوں کو پاک کر دیا۔ فرمایا کہ "وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقلمند اور با اخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا اور تطہیر نفس، تکمیل اور تہذیبِ نفس کے مدارج طے کرا دیئے۔" انسان کو تہذیب کے بھی اعلیٰ مدارج سکھا دیے، نفس کے پاک کرنے کے بھی اعلیٰ مدارج سکھا دیے اور ان کی انتہا بھی کر دی۔ "اور اسی طرح پر کتاب اللہ کو بھی پورا اور کامل کر دیا۔" فرمایا کہ "یہاں تک کہ کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔ میں نے اگنی ہوتری کو بارہا کہا" یہ ہندوؤں کی مذہبی تنظیم کے ایک بانی تھے۔ پہلے ایک فرقے میں تھے پھر انہوں نے اپنا فرقہ شروع کیا یا تنظیم شروع کی۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کی کافی بحث چلتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بارہا کہا "کہ کوئی ایسی سچائی بتاؤ جو قرآن شریف میں نہ ہو مگر وہ نہ بتا سکا۔ ایسا ہی ایک زمانہ مجھ پر گذرا ہے کہ میں نے بائبل کو سامنے رکھ کر دیکھا۔ جن باتوں پر عیسائی ناز کرتے ہیں وہ تمام سچائیاں مستقل طور پر اور نہایت ہی اکمل طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہیں۔ وہ قرآن شریف پر تدبر ہی نہیں کرتے اور نہ ان کے دل میں کچھ عظمت ہے ورنہ یہ تو ایسا فخر کا مقام ہے کہ اس کی نظیر دوسروں میں ہے ہی نہیں۔"

فرمایا: "غرض اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ:4) کی آیت دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ تمہاری تطہیر کر چکا۔" پاک کر دیا تمہیں۔ "دوم کتاب مکمل کر چکا۔" مکمل شریعت تمہارے پہ اتار دی۔ فرماتے ہیں "کہتے ہیں جب یہ آیت اتری وہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔" ایسی کامل اور پُر اثر آیت ہے کہ اس دن تو خوشی میں عید ہونی چاہیے تھی۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو یہ کہا۔ "حضرت عمرؓ نے کہا کہ جمعہ عید ہی ہے۔" جمعہ والے دن یہ آیت اتری تو "جمعہ عید ہی ہے مگر بہت سے لوگ اس عید سے بے خبر ہیں۔ دوسری عیدوں کو کپڑے بدلتے ہیں لیکن اس عید کی پروا نہیں کرتے اور

میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ آتے ہیں۔'' جمعے کی اہمیت بھی آپؑ واضح فرمارہے ہیں کہ جمعہ پڑھنا کتنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ ''میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔'' یعنی جمعہ پہ بھی خاص اہتمام ہونا چاہیے۔ جمعہ پہ شامل ہونے کا انتظام ہونا چاہیے۔ صرف سال کے بعد عید پڑھنا نہیں۔ فرمایا کہ ''اسی عید کے لیے سورۂ جمعہ ہے اور اسی کے لیے قصر نماز ہے اور جمعہ وہ ہے جس میں عصر کے وقت آدم پیدا ہوئے۔ اور یہ عید اس زمانہ پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پہلا انسان اس عید کو پیدا ہوا۔ قرآن شریف کا خاتمہ اسی پر ہوا۔''

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 399)

قرآنِ کریم حدیث پر قاضی ہے:

پھر اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ قرآنِ کریم حدیث پر قاضی ہے آپؑ فرماتے ہیں:

''ایک اَور غلطی اکثر مسلمانوں کے درمیان ہے کہ وہ حدیث کو قرآن شریف پر مقدم کرتے ہیں حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ قرآن شریف ایک یقینی مرتبہ رکھتا ہے اور حدیث کا مرتبہ ظنی ہے۔'' قرآن کریم کی تعلیم تو ایک یقینی تعلیم ہے لیکن حدیث کو ہم یقینی نہیں کہہ سکتے۔ وہ بہت ساری روایتیں تو بعد میں اکٹھی ہوئیں۔ فرمایا کہ: ''حدیث قاضی نہیں بلکہ قرآن اس پر قاضی ہے۔'' فیصلہ کرنا قرآن کا کام ہے۔ ''ہاں حدیث قرآن شریف کی تشریح ہے۔'' بہت ساری حدیثیں ہیں جن سے آیت کی تشریح مل جاتی ہے۔ ''اس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا چاہئے۔ حدیث کو اس حد تک ماننا ضروری ہے کہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے اور اس کے مطابق ہو لیکن اگر اس کے مخالف پڑے تو وہ حدیث نہیں بلکہ مردود قول ہے۔ لیکن قرآنِ شریف کے سمجھنے کے واسطے حدیث ضروری ہے۔''

لیکن ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ حدیث میں بہت ساری حدیثیں ایسی ہیں جس سے بعض آیات کی وضاحت ہوتی ہے۔ بعض بزرگ صحابہ کی روایتیں ہیں اس لیے اس کو سمجھنا بھی چاہیے لیکن یہ خیال رکھو کہ حدیث قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ: ''قرآن شریف میں جو احکام الٰہی نازل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی رنگ میں کر کے اور کرا کے دکھا دیا اور ایک نمونہ قائم کر دیا۔ اگر یہ نمونہ نہ ہوتا تو اسلام سمجھ میں نہ آسکتا لیکن اصل قرآن ہے۔ بعض اہلِ کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ایسی احادیث سنتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں ہوئیں یا موجودہ احادیث کی تصدیق کر لیتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد 8 صفحہ 363-364)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بارے میں بھی لکھا ہوا ہے کہ میں نے بھی بعض احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنیں۔

(ماخوذ از سیرت المہدی جلد 1 حصہ سوم صفحہ 550 روایت نمبر 572)

پھر فصاحت قرآن کے بارے میں بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''قرآن شریف ... عبارت میں اس قدر فصاحت اور موزونیت اور لطافت اور نرمی اور آب و تاب رکھتا ہے کہ اگر کسی سرگرم نکتہ چین اور سخت مخالفِ اسلام کو کہ جو عربی کی املاء انشاء میں کامل دستگاہ رکھتا ہو حاکم باختیار کی طرف سے یہ پُر تہدید حکم سنایا جائے کہ اگر تم مثلاً بیس برس کے عرصے میں کہ گویا ایک عمر کی میعاد ہے۔ اس طور پر قرآن کی نظیر پیش کر کے نہ دکھلاؤ کہ قرآن کے کسی مقام میں سے صرف دو چار سطر کا کوئی مضمون لے کر اسی کے برابر یا اس سے بہتر کوئی نئی عبارت بنالاؤ۔

جس میں وہ سب مضمون معہ اپنے تمام دقائق حقائق کے آجائے اور عبارت بھی ایسی بلیغ اور فصیح ہو جیسی قرآن کی تو تم کو اس عجز کی وجہ سے سزائے موت دی جاوے گی تو پھر بھی باوجود سخت عناد اور اندیشہ رسوائی اور خوف موت کی نظیر بنانے پر ہرگز قادر نہیں ہو سکتا اگرچہ دنیا کے صدہا زبان دانوں اور انشاپردازوں کو اپنے مددگار بنالے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 286 تا 297)

اب ایک طرف خوف بھی ہے۔ فرمایا کہ حاکم کی طرف سے اس کو بیس سال کا عرصہ بھی دے دیا جائے کہ قرآن شریف جیسی کوئی نظیر بنا کر لاؤ، چند آیتیں ہی بنا کے لے آؤ، سطریں ہی بنا کے لے آؤ لیکن وہ اس کے باوجود نہیں لا سکتا۔ یہ ہے کمال قرآن کریم کا اور اس کی فصاحت کا۔

آپؑ نے فرمایا یہ کوئی خیالی یا فرضی بات نہیں ہے بلکہ جب سے کہ قرآن شریف نازل ہوا ہے یہ چیلنج دنیا کے سامنے ہے کہ تم لے کے آؤ۔ آج بھی بعض اسلام مخالف اس کی نظیر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مثال پیش کرتے ہیں لیکن قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے۔ صرف دعوے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"فصاحت، بلاغت میں (اس کا مقابلہ ناممکن ہے) مثلاً سورۂ فاتحہ کی موجودہ ترتیب چھوڑ کر کوئی اور ترتیب استعمال کرو تو وہ مطالبِ عالیہ اور مقاصدِ عظمیٰ جو اس ترتیب میں موجود ہیں ممکن نہیں کہ کسی دوسری ترتیب میں بیان ہو سکیں۔ کوئی سی سورت لے لو۔ خواہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص:2) ہی کیوں نہ ہو۔ جس قدر نرمی اور ملاطفت کی رعایت کو ملحوظ رکھ کر اس میں معارف اور حقائق ہیں وہ کوئی دوسرا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ بھی فقط اعجازِ قرآن ہی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض نادان مقاماتِ حریری یا سبع معلقہ" یہ دو کتابیں ہیں "کو بے نظیر اور بے مثل کہتے ہیں۔" کہ بہت اعلیٰ کتابیں ہیں۔ ان کی تو مثال ہی کوئی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ "اور اس طرح پر قرآن کریم کی بے مانندیت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اوّل تو حریری کے مصنف نے کہیں اس کے بے نظیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور دوم یہ کہ مصنف حریری خود قرآن کریم کی اعجازی فصاحت کا قائل تھا۔ علاوہ ازیں معترضین راستی اور صداقت کو ذہن میں نہیں رکھتے بلکہ ان کو چھوڑ کر محض الفاظ کی طرف جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا کتابیں حق اور حکمت سے خالی ہیں۔ اعجاز کی خوبی اور وجہ تو یہی ہے کہ ہر ایک قسم کی رعایت کو زیرِ نظر رکھے۔ فصاحت اور بلاغت بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ صداقت اور حکمت کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ معجزہ صرف قرآنِ شریف ہی کا ہے" کہ فصاحت و بلاغت بھی ہے، سچائی بھی ہے، حکمت کی باتیں بھی ہیں۔ "جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور ہر پہلو سے اپنے اندر اعجازی طاقت رکھتا ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 84-85)

پھر فرماتے ہیں کہ "قرآن شریف کے معجزہ فصاحت و بلاغت کے جواب میں ایک دفعہ پادری فنڈر نے حریری اور ابوالفضل اور بعض انگریزی کتابوں کو پیش کیا تھا۔ مدت کی بات ہے۔ ہم نے اس وقت بھی یہی سوچا تھا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اول تو ان مصنفین کو کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ ان کا کلام بے مثل ہے بلکہ وہ خود اپنی کم مائیگی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہے ہیں اور قرآنِ شریف کی تعریف کرتے ہیں۔ دوسرا ان لوگوں کی کتابوں میں معنی

الفاظ کے تابع ہو کر چلتا ہے۔ صرف الفاظ جوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ قافیہ کے واسطے ایک لفظ کے مقابل دوسرا لفظ تلاش کیا جاتا ہے اور کلام میں حکمت اور معارف کا لحاظ نہیں ہوتا اور قرآن شریف میں التزام ہے حق اور حکمت کا۔" **سچائی بھی ہے۔ حکمت بھی ہے۔ صرف الفاظ کا جوڑنا نہیں ہے**۔ اس میں خوبصورتی پیدا نہیں کی گئی۔ فرمایا کہ "اصل میں اس بات کا نباہنا کہ حق اور حکمت کے کلمات کے ساتھ قافیہ بھی درست ہو یہ بات تائید الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔" یہ اصل چیز ہے کہ حق اور حکمت بھی ہو اور قافیہ بھی درست ہو تب پتہ لگتا ہے تائید الٰہی ہے۔ "ورنہ انسانوں کے کلام ایسے ہوتے ہیں جیسا کہ حریری وغیرہ۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 205)

پھر آپؑ ایک مجلس میں اس بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ تفسیر اعجاز المسیح کے متعلق یہ ذکر تھا کہ مخالفین میں سے کسی کو خدا نے یہ طاقت نہیں دی کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ تفسیر کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "قرآن شریف کے ایک معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ نے مخالفین سے صَرفِ ہمت کر دیا۔ یعنی ان لوگوں کو توفیق نہ ہوئی کہ اس وقت مقابلہ میں کچھ کر کے دکھلاتے اور دوسرا مذہب جو کہ صحیح اور سچا اور پکا مذہب ہے اور ہمارا بھی وہی مذہب ہے۔ وہ یہ ہے کہ مخالف خود اس بات میں عاجز تھے کہ مقابلہ کر سکتے۔ اصل میں ان کے علم اور عقل چھینے گئے تھے۔ قرآن شریف کا معجزہ ہماری تفسیر القرآن کے معاملہ سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہزاروں مخالف موجود ہیں جو عالم فاضل کہلاتے ہیں۔ کئی غیرت دلانے والے الفاظ بھی اشتہار میں لکھے گئے ہیں مگر کوئی ایسا نہ کر سکا کہ اس نشان کا مقابلہ کرتا۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 217-218)

پس آپؑ کی کتب کو اس نظریے سے بھی ہمیں پڑھنا چاہیے کہ قرآن شریف کی سمجھ آئے۔ پھر ایک موقع پر آپؑ فرماتے ہیں کہ "خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصول تمدن کا ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان کر نہیں سکتا اور ایسا ہی معجزہ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانے کا کوئی شعبدہ بازی میں استاد ہرگز ایسا کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔" فصاحت و بلاغت بھی ہے اور غیب کی خبریں، پیشگوئیاں بھی موجود ہیں۔ یہ کوئی جادوگر تو نہیں دکھا سکتا۔ شعبدہ باز تو ایسی باتیں نہیں دکھا سکتا، نہ دعویٰ کر سکتا۔ فرمایا "اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک تمیز صاف عطا فرمائی ہے تا کہ کسی شخص کو حیلہ حجت بازی کا نہ رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھائے ہیں جن میں کوئی شک وشبہ اپنا دخل نہیں پیدا کر سکتا۔" (ملفوظات جلد 10 صفحہ 172)

پھر قرآن کریم کی فصاحت کے بارے میں آپؑ نے فرمایا: "لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے اور اس میں سوائے قافیہ بندی کے اَور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے ایک عرب نے لکھا ہے سَافَرْتُ اِلٰی رُؤْمَ وَ اَنَا عَلٰی جَمَلٍ مَالُوْمٍ۔ میں روم کو روانہ ہوا اور میں ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ یہ قرآن شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں **سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا**

اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا لیکن اس کے باوجود اس کے قافیہ بندی اور فصاحت وبلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں۔" (ملفوظات جلد 10 صفحہ 172-173)

پھر قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا حسن بیان فرماتے ہیں۔ ایک مجلس میں آپؑ نے فرمایا کہ "جس قدر یہ نشانات اور آیات یہاں ظاہر ہو رہی ہیں یہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خوارق اور معجزات اور یہ پیشگوئیاں قرآن شریف ہی کی پیش گوئیاں ہیں کیونکہ آپؐ ہی کے اتباع اور قرآن شریف ہی کی تعلیم کے ثمرات ہیں۔ اور اس وقت کوئی اَور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا پیرو اور متبع یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ وہ پیشگوئیاں کر سکتا ہے یا اس سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے اس پہلو سے قرآن شریف کا معجزہ تمام کتابوں کے اعجاز سے بڑھا ہوا ہے۔" آپ کے اپنے معجزات جو ہیں وہ بھی قرآن شریف کی وجہ سے ہی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی وجہ سے ہیں۔ پھر فرمایا کہ "پھر ایک اَور پہلو **فصاحت بلاغت ایسی اعلیٰ درجہ کی اور مُسلّم ہے کہ انصاف پسند دشمنوں کو بھی اسے ماننا پڑا ہے۔**

قرآنِ شریف نے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرۃ:24) کا دعویٰ کیا لیکن آج تک کسی سے ممکن نہیں ہوا کہ اس کی مثل لا سکے۔" یہ دعویٰ قرآن شریف کا ہے کہ اس جیسی سورت لے کے آؤ۔ "عرب جو بڑے فصیح و بلیغ بولنے والے تھے اور خاص موقعوں پر بڑے بڑے مجمع کرتے اور ان میں اپنے قصائد سناتے تھے وہ بھی اس کے مقابلہ میں عاجز ہو گئے۔ اور پھر قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت ایسی نہیں ہے کہ اس میں صرف الفاظ کا تتبع کیا جاوے" ان کی پیروی کرو، یعنی ان کو follow کرو "اور معانی اور مطالب کی پرواہ نہ کی جاوے بلکہ جیسا اعلیٰ درجہ کے الفاظ ایک عجیب ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں اسی طرح پر حقائق اور معارف کو ان میں بیان کیا گیا ہے اور یہ رعایت انسان کا کام نہیں کہ وہ حقائق اور معارف کو بیان کرے اور فصاحت و بلاغت کے مراتب کو بھی ملحوظ رکھے۔" فرمایا کہ "ایک جگہ فرماتا ہے يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البیّنہ:3-4) یعنی ان پر ایسے صحائف پڑھتا ہے کہ جن میں حقائق و معارف ہیں۔ انشاء والے جانتے ہیں کہ انشاء پردازی میں پاکیزہ تعلیم اور اخلاقِ فاضلہ کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے اور پھر ایسی مؤثر اور جاذب تعلیم دینا جو صفاتِ رذیلہ کو دور کر کے بھی دکھاوے اور ان کی جگہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پیدا کر دے۔

عربوں کی جو حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ سارے عیبوں اور برائیوں کا مجموعہ بنے ہوئے تھے اور صدیوں سے اُن کی یہ حالت بگڑی ہوئی تھی مگر کس قدر آپؐ کے فیوضات اور برکات میں قوت تھی کہ تیئس برس کے اندر کُل ملک کی کایا پلٹ دی۔ یہ تعلیم ہی کا اثر تھا۔" فرمایا کہ "ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی اگر قرآن شریف کی لے کر دیکھی جاوے تو معلوم ہو گا کہ اس میں فصاحت و بلاغت کے مراتب کے علاوہ تعلیم کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو اس میں بھر دیا ہے۔ سورۂ اخلاص ہی کو دیکھو کہ توحید کے کُل مراتب کو بیان فرمایا ہے۔" چھوٹی سی سورت ہے لیکن توحید کا پورا مضمون اس میں بیان کر دیا ہے "اور ہر قسم کے شرکوں کا رد کر دیا ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کو دیکھو کس قدر اعجاز ہے۔ چھوٹی سی سورۃ جس کی سات آیتیں ہیں لیکن دراصل سارے قرآن شریف کا فن اور

خلاصہ اور فہرست ہے اور پھر اس میں خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کے صفات، دعا کی ضرورت، اس کی قبولیت کے اسباب اور ذرائع، مفید اور سود مند دعاؤں کا طریق، نقصان رساں راہوں سے بچنے کی ہدایت سکھلائی ہے وہاں دنیا کے کل مذاہب باطلہ کا رد اس میں موجود ہے۔" اس سورۃ فاتحہ میں چھوٹی سی سورت میں ساری باتیں آ گئیں۔

"اکثر کتابوں اور اہل مذہب کو دیکھو گے کہ وہ دوسرے مذہب کی برائیاں اور نقص بیان کرتے ہیں اور دوسری تعلیموں پر نکتہ چینی کرتے ہیں مگر ان نکتہ چینیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ کوئی اہل مذہب نہیں کرتا کہ اس کے بالمقابل کوئی عمدہ تعلیم بھی پیش کرے اور دکھائے کہ اگر میں فلاں بری بات سے بچانا چاہتا ہوں تو اس کی بجائے یہ اچھی تعلیم دیتا ہوں یہ کسی مذہب میں نہیں، یہ فخر قرآن شریف ہی کو ہے کہ جہاں وہ دوسرے مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور ان کی غلط تعلیموں کو کھولتا ہے وہاں اصلی اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 46 تا 48)

یہ خوبصورتی ایسی ہے جسے آج کے نام نہاد پڑھے لکھے بھی ردّ نہیں کر سکتے۔ بہت سے مواقع پر میں نے دیکھا ہے کہ جب غیروں کے سامنے قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق کسی مسئلہ کا حل رکھا جائے تو وہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن ایک آسان فہم کتاب ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: "بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو نہیں سمجھ سکتے اس واسطے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔" بہانہ بنا دیا کہ بڑا مشکل ہے جی قرآن شریف کو سمجھنا۔ اس کو ہم سمجھ نہیں سکتے اس لیے زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں۔ بس پڑھ لیا تو کافی ہے۔ فرمایا کہ "قرآن شریف نے اعتقادی مسائل کو ایسی فصاحت کے ساتھ سمجھایا ہے جو بے مثل اور بے مانند ہے اور اس کے دلائل دلوں پر اثر ڈالتے ہیں۔" جہاں تک اعتقادی مسائل کا تعلق ہے بڑا کھل کے بتایا ہے۔ فرمایا کہ "یہ قرآن ایسا بلیغ اور فصیح ہے کہ عرب کے بادیہ نشینوں کو جو بالکل اَن پڑھ تھے سمجھا دیا تھا تو پھر اب کیونکر اس کو نہیں سمجھ سکتے۔" (ملفوظات جلد 9 صفحہ 228)

وہ اَن پڑھ لوگ جو تھے، گاؤں میں رہنے والے تھے بالکل جاہل تھے بلکہ انسانوں سے بھی نیچے گرے ہوئے تھے جن کو باخدا انسان بنایا۔ ان کو اگر سمجھ آ گئی تو اب کیوں نہیں تم لوگوں کو سمجھ آ سکتی جن میں اکثریت کچھ نہ کچھ پڑھے لکھوں کی ہے۔ فرمایا کہ:

"سیدھی اور سچی اور سادہ عام فہم منطق وہ ہے جو قرآن شریف میں ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ایک سیدھی راہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہم کو سکھلا دی ہے۔ چاہئے کہ آدمی قرآن شریف کو غور سے پڑھے۔ اس کے امر اور نہی کو جدا جدا دیکھ رکھے۔" جو باتیں کہنے والی، عمل کرنے والی ہیں ان کو دیکھے۔ جن سے منع کیا گیا ہے ان کو دیکھے، علیحدہ رکھے "اور ان پر عمل کرے اور اسی سے وہ اپنے خدا کو خوش کر لے گا۔" بڑا سادہ طریقہ ہے، جو احکامات کرنے کے ہیں، جو ظاہری احکام تمہیں نظر آ رہے ہیں ان پر عمل کرو، جن سے روکا گیا ہے ان سے رک جاؤ اسی سے خدا خوش ہو جائے گا۔ "باقی منطقیوں اور صوفیوں نے جو اصطلاحیں بنائیں ہیں وہ اکثر لوگوں کے واسطے ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہیں کیونکہ ان میں پیچیدگیاں اور مشکلات ہیں۔" منطقیوں اور صوفیوں کے پیچھے نہ چلو۔ انہوں نے تو

ایسی ایسی اصطلاحیں بنادی ہیں، ایسے ایسے مشکل رنگ میں قرآن شریف کو پیش کیا ہے کہ اس سے ٹھوکر ہی لگتی ہے اور کچھ نہیں سمجھ آتی۔ پس اگر دنیا میں لوگوں کو مشکل پیش آتی ہے تو منطقیوں اور صوفیوں کی وجہ سے یا نام نہاد علماء کی وجہ سے۔ ''فرمایا: ایک بزرگ نے جس پر ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ اس نے کسی نیک نیتی سے لکھا ہو گا۔ گو اس کا قول صحیح نہیں ہے۔ یہ لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی کامل نہ تھے کیونکہ ان کا پورے طور پر نزول نہ تھا صرف صعود تھا۔'' اوپر جانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی الہامات اس طرح نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ ''اسی وجہ سے ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ اگر نزول پورا ہوتا تو کوئی کرامت صادر نہ ہوتی۔'' یہ کہنے والے نے کہا۔ فرمایا کہ ''اس قول میں جس قدر تخالفِ قرآنی ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ ایسا قول ہے کہ قرآن اور حدیث سے سراسر مخالف ہے۔ درحقیقت شیخ عبد القادر جیلانیؒ خدا تعالیٰ کے کامل بندوں میں سے تھے۔ اگر ان پر معجزات کے متعلق اعتراض کیا جاوے تو پھر یہ اعتراض تمام انبیاء پر وارد ہوتا ہے۔'' لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے بارے میں بعض لوگوں نے، ان کے ماننے والوں نے کرامتوں کے بارے میں مبالغے سے بھی کام لیا ہے اور اس پر حاشیہ آرائی کر دی۔ یہ چیزیں جو ہیں وہ ان کے بارے میں غلط ہیں۔ ہاں معجزات ہوتے ہیں۔ وہ معجزات جو قانونِ قدرت اور شریعت کے تحت ممکن ہیں وہ ہوتے ہیں، انبیاء سے بھی ہوتے ہیں وہی ان سے بھی ہوئے۔ فرمایا کہ ''یہ ان صوفیوں کی غلط اصطلاحوں کی پیروی کا نتیجہ ہے جن کی تصدیق قرآن وحدیث سے نہیں ملتی۔''

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 5-6)

یہ یا تو ایک فریق ہے جو بالکل مانتا ہی نہیں یا دوسرا جو مانتا ہے وہ اتنا زیادہ مبالغے سے کام لیتا ہے کہ اس نے حد ہی کر دی ہے۔ تو جو نہ ماننے والے ہیں وہ صوفیوں کی وجہ سے ہیں اور جو ماننے والے ہیں وہ بھی غلط قسم کے لوگوں کی تشریحات کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے اس بات پر ہمیشہ غور کرتے رہنا چاہیے کہ اس کو قانونِ شریعت اور قانون قدرت کے تحت اور انبیاء کے معجزات کے تحت پرکھو۔ انبیاء سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ قرآن کریم حقیقی خدا کو پیش کرتا ہے اس بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف نے ایسا خدا پیش نہیں کیا جو ایسی ناقص صفات والا ہو کہ نہ وہ روحوں کا مالک ہے نہ ذرات کا مالک ہے نہ ان کو نجات دے سکتا ہے نہ کسی کی توبہ قبول کر سکتا ہے بلکہ ہم قرآن شریف کی رو سے اس خدا کے بندے ہیں جو ہمارا خالق ہے ہمارا مالک ہے۔ ہمارا رازق ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے۔ مومنوں کے واسطے یہ شکر کا مقام ہے کہ اس نے ہم کو ایسی کتاب عطا کی جو اس کی صحیح صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔'' (ملفوظات جلد 10 صفحہ 98)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم و معرفت اور قرآن کریم کی خصوصیات اور مقام و مرتبہ کی باتیں انشاء اللہ آئندہ بھی بیان ہوں گی۔ اس وقت مَیں یہاں ختم کرتا ہوں کیونکہ اب مَیں نے **بعض مرحومین کا بھی ذکر کرنا ہے۔** اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور عمل کرنے کی اور قرآن شریف کو پڑھنے کی اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب میں وہ ذکر کرتا ہوں خاص طور پر بنگلہ دیش کے شہید کا ذکر کرنا ہے۔ اس کے بعد میں نمازِ جنازہ بھی

پڑھاؤں گا۔ بنگلہ دیش میں جیسا کہ ہمیں پتہ ہے **گذشتہ جمعہ کو جلسہ ہو رہا تھا اور جلسے کے دوران بلوائیوں نے اور دہشت گردوں نے حملہ کیا۔** پولیس نے اور انتظامیہ نے پہلے یہی تسلی دلائی تھی کہ وہ کنٹرول کر لیں گے اور کچھ نہیں ہو گا اس لیے تم جلسہ کرو۔ جلسہ جاری رہا لیکن جب لوگ آ گئے تو پولیس وہاں تماشائی بنی کھڑی رہی یہاں تک کہ چند گھنٹے گزرنے کے بعد پھر اوپر سے جب ان کو حکم ملا تو تب انہوں نے ایکشن لیا لیکن اس وقت تک بہت کچھ ہو چکا تھا۔

بہر حال **اس فساد میں ہمارے ایک بھائی، بچہ زاہد حسن صاحب بھی شہید ہوئے** جو ابو بکر صدیق صاحب بنگلہ دیش کے بیٹے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

نیشنل امیر عبد الاوّل صاحب لکھتے ہیں کہ زاہد حسن صاحب 3/مارچ کو احمد نگر پنجو گڑھ ضلع میں منعقد ہونے والے جلسہ کے موقع پر گیٹ اور احاطے کا پہرہ دیتے وقت مخالفین کے حملوں کے نتیجے میں پچیس سال کی عمر میں شہادت پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم نے 2019ء میں بیعت کی تھی۔ تین ماہ بعد ہی وصیت کی درخواست جمع کروادی تھی۔ ان کا خاندان اہلِ حدیث فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد شہید مرحوم نے اپنے والدین کو تبلیغ کرنی شروع کر دی جس کے نتیجے میں 2020ء میں ان کے والدین نے بھی بیعت کرنے کی سعادت پائی۔ بیعت کے بعد شہید مرحوم باقاعدہ مجھے خط بھی لکھا کرتے تھے۔

ان کی بیعت اور احمدی ہونے کا واقعہ جو ہے یوں ہے کہ ان کے ایک کلاس فیلو محمد رفعت حسین تھے جو بوگرہ شہر میں پندرہ (Pundra) یونیورسٹی آف سائنس میں پڑھتے تھے یہ دونوں سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں بی ایس سی کر رہے تھے۔ اس احمدی دوست نے، بچے نے ان کو تبلیغ کی اور دو سال کی تبلیغ کے بعد جب ان پر احمدیت کی سچائی عیاں ہوئی تو انہوں نے بیعت کر لی۔ اوّل صاحب لکھتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے آغاز سے جلسہ گاہ کی چاروں اطراف سے ملاں لوگ اپنے ٹولوں کے ساتھ جلسہ گاہ کی دیوار اور مغربی حصے میں واقع گیٹ پر حملہ کرنے لگے۔ پتھراؤ کے علاوہ دیسی اسلحہ سے، کلہاڑوں سے، سریا وغیرہ سے یہ لوگ حملہ کر رہے تھے اور جہاں بھی موقع ملا وہ آگ لگاتے رہے۔ خدام بڑی دلیری سے اپنی ڈیوٹیاں بجالاتے رہے۔ عمومی طور پر تو باہر جانے کا موقع نہیں تھا سوائے ان کو جن کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ سب لوگ، خدام اندر ہی تھے، اندر سے ہی حفاظت کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ جلسہ شروع ہونے کے پونے دو گھنٹے کے بعد جب حملہ آور لوگ دیوار کا ایک حصہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر خدام کو ہر قیمت پر دیوار اور جلسہ گاہ کی حفاظت یقینی بنانے کے لیے کہا گیا۔ اس وقت گیٹ نمبر ایک پر متعین زاہد حسن شہید اپنے ساتھیوں کے ساتھ گیٹ سے نکل کر جلسہ گاہ کی دیوار پر حملہ کرنے والوں کو ہٹانے کے لیے نہایت سرعت اور بہادری سے جا پہنچے۔ اسی اثنا میں ایک موقع ایسا آیا کہ مقابلہ کرتے کرتے یہ ساتھیوں سے بچھڑ گئے۔ سو موقع پا کر اس اکیلے کو حملہ آوروں نے جا لیا۔ اس کے سر کے پیچھے کلہاڑی یا کوئی اَور تیز اسلحہ سے حملہ کر دیا اور موصوف کو گھسیٹتے ہوئے کچھ فاصلے پر لے گئے۔ ان کے چہرے اور جسم کے دیگر حصوں پر نہایت بے دردی اور سفاکی سے وار کرتے ہوئے درندہ ہونے کا ثبوت دیا۔

شہید مرحوم زاہد حسن کو اتنی بے دردی سے قتل کیا گیا کہ اسے شناخت کرنے میں دو گھنٹے کی تاخیر ہوئی۔

یہ ہے ان مسلمانوں کا حال۔ اللہ اور رسول کے نام پر ظلم و بربریت کی انتہا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کافروں سے جنگوں میں بھی دشمنوں کا مُثلہ کرنے سے منع فرمایا لیکن یہ لوگ اللہ اور رسول کا نام لینے والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ اللہ ہی ہے جو اُن کو پکڑے اور پھر اُن کی خاک اڑائے۔

یہ کہتے ہیں کہ ان کا ڈیوٹی identity card بھی قاتلوں نے الگ کر دیا، ان کے سینے سے اتار دیا لیکن کیونکہ خدام کی ڈیوٹی کے کپڑوں میں ملبوس تھے اس لیے کچھ نہ کچھ پہچان ہو گئی۔ پھر بہر حال جب ان کی لاش حاصل کر لی گئی تو پھر نماز تہجد اور فجر کے بعد موصوف کا جنازہ ادا کیا گیا۔ جلسے میں شامل ہونے والے ہزاروں کی تعداد میں ملک بھر سے آئے ہوئے احمدی اس میں شامل ہوئے۔ نمازِ جنازہ کے وقت سب حاضرین پر ایسی حالت طاری ہوئی جس کی کوئی مثال نہیں۔ بڑی رقت طاری تھی وہاں۔ سب کے سب خدا کے حضور بلبلا رہے تھے۔ اس کے بعد قانونی مجبوری کے تحت لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا اور بعد دوپہر قافلے کے ساتھ شہید مرحوم کا جسد خاکی ان کے آبائی گاؤں کے لیے بذریعہ ایمبولینس روانہ کر دیا گیا جہاں رات دس بجے انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

شہید مرحوم کے قریب ترین دوست عزیزم رفعت حسین صاحب کہتے ہیں کہ یونیورسٹی میں پڑھائی کے دوران ان سے بڑی دوستی ہوئی۔ موصوف فطری طور پر بہت شریف النفس تھے لیکن عبادات میں دلچسپی بہت کم تھی لیکن قبولیت احمدیت کے بعد ان کی کایا پلٹ گئی اور نماز باجماعت کے عادی ہو گئے۔ موصوف انتہائی عاجز، نرم خو اور منکسر المزاج نوجوان تھے۔ پانچ سال کے عرصے میں کہتے ہیں میں نے انہیں کبھی کسی سے اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے نہیں سنا۔ موصوف کی سعادت کا پتا اس بات سے بھی لگتا ہے کہ بیعت کرنے کے چند ماہ بعد ہی موصوف نے وصیت کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ پھر کہتے ہیں کہ عزیزم زاہد حسن شہید خدام الاحمدیہ کے فعال رکن تھے۔ بوقت شہادت موصوف ڈھاکہ اور بریسال کے علاقائی معتمد خدام الاحمدیہ کے طور پر خدمت بجا لا رہے تھے نیز ڈھاکے کے موتی جھیل حلقہ کے زعیم بھی تھے۔

اسی مجلس کے قائد اور مہتمم مقامی جناب ظہور الاسلام صاحب کہتے ہیں کہ موصوف مجلسی کاموں میں نہایت باقاعدہ اور اپنے سینئرز کے بہت مطیع تھے۔ مفوضہ ڈیوٹی اور خدمت پوری طرح بشاشت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ سلام میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سال یا سوا سال قبل موصوف نے بی ایس سی پاس کرنے کے بعد ایک کمپنی میں سروس کا آغاز کیا اور سروس کے سلسلے میں اگر کبھی ڈھاکے سے دور دراز کسی جگہ جانا ہوتا تو حسبِ موقع قریب ترین مجالس کا دورہ بھی کرتے۔ ان کے فیس بک اکاؤنٹ میں ذاتی پروفائل کے طور پر آیت وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:4) کا ترجمہ لکھا ہوا ہے۔

مربی شریف احمد صاحب کہتے ہیں میں اس وقت تے باڑیہ جماعت میں متعین تھا جبکہ شہید موصوف اپنے دوست رفعت حسین صاحب کے ساتھ بطور زیرِ تبلیغ دوست تشریف لائے۔ موصوف نے بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مزید وقت لے لیں، اچھی طرح چھان بین کر لیں۔ موصوف نے کہا کہ اگرچہ میں جماعت کی سچائی کا قائل ہو چکا ہوں پھر بھی میں آپ کے کہنے پر بعد میں آ کر بیعت کروں گا۔ چنانچہ اگلی دفعہ یا اس

کے بعد کی دفعہ موصوف نے بیعت کر لی تھی۔ بیعت کرنے کے بعد یہ مربی صاحب کہتے ہیں کہ موصوف نے احمدیت کو اور نظامِ خلافت کو سمجھنے کے لیے پوری کوشش شروع کر دی۔ بڑی گہرائی سے علم حاصل کیا۔ مجھے بھی خط لکھتے رہتے تھے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ آخری خط جو انہوں نے لکھا ہے وہ بھی انہوں نے جلسے پر جاتے ہوئے لکھا کہ ہم ٹرین پر جلسے پر جا رہے ہیں اور دشمن کے منصوبے بڑے خطرناک ہیں۔ بعض جگہ انہوں نے آگیں بھی لگائی ہیں لیکن ہم ان شاء اللہ تعالیٰ جلسہ کریں گے اور اپنا اظہار ایمان کا کیا۔ پھر یہ بھی اظہار کیا کہ میرے رشتہ دار اور گاؤں والے سب احمدی ہو جائیں۔ وہ سارا گاؤں احمدی ہو جائے۔ یہ ان کا آخری خط ہے جو انہوں نے لکھا۔

ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ شہید اتنے عاجز کارکن تھے کہ جب بھی انہیں کسی نے کوئی کام دیا، انہوں نے نہ نہیں کیا۔ کہتے ہیں کبھی کبھی میں ان سے مذاق میں کہتا تھا کہ زاہد بھائی اگر ہم اتنا کام کرتے رہے تو ختم ہو جائیں گے۔ یہ سن کر بھی ہمیشہ ہنس دیا کرتے تھے۔ شہید موصی بھی تھے۔ کہتے ہیں میں نے ان سے جاننا چاہا کہ آپ کی اتنی جلدی وصیت کرنے کی کیا وجہ ہے تو انہوں نے کہا کہ امام مہدی سچے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔ مسیح موعود نے وصیت کرنے کا ارشاد فرمایا اس لیے میں نے وصیت کر لی ہے۔ کہتے ہیں میں ان کی بات سن کر حیران رہ گیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اتنا گہرا ایمان رکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جب ایک دفعہ شہید مرحوم سے ان کی قبولِ احمدیت کی ایک بنیادی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ آج تک امام مہدی یا مسیح اور نبی کا دعویٰ کرنے والا نہ تو کوئی شخص کامیاب ہوا اور نہ ہی کوئی جماعت۔ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ہی ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام سچے نہ ہوتے تو آپ کا حال بھی جھوٹے مدعیوں جیسا ہوتا۔

شہید کے والدین زندہ ہیں۔ دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا۔ شہید مرحوم اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور ابھی غیر شادی شدہ تھے۔ دو بہنیں ہیں ان کی۔ دونوں شادی شدہ ہیں لیکن غیر احمدی ہیں۔ زیرِ تبلیغ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو بھی صبر عطا کرے، حوصلہ عطا فرمائے۔ جیسا کہ میں نے کہا اکلوتا بیٹا تھا بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی صدمہ برداشت کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ شہید کے بھی درجات بلند فرمائے۔ بہرحال یہ شہید تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہمیشہ کی زندگی پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان سے خاص سلوک فرماتا رہے اور ان ظالموں کی پکڑ کے بھی جلد سامان فرمائے۔ دشمن سمجھتا ہے کہ وہ جماعت کے افراد کو اس طرح آزما کر اور سختیاں وارد کر کے ان کے حوصلے پست کر دیں گے مگر یہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ وہاں سے بھی بعض خط مجھے آئے ہیں۔ بعض نوجوانوں نے بھی لکھا ہے کہ اگر مزید شہادتوں کی ضرورت ہے تو یہ دعا کریں کہ ہم بھی ان میں شامل ہو جائیں۔ پس ایسے لوگوں کا یہ کمینہ دشمن کیا بگاڑ سکتا ہے! بہرحال ہمیں دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے ہمیں بچائے اور ہم پر رحم اور فضل فرمائے۔ آج کل دعاؤں پر بہت زیادہ زور دیں۔

دوسرا جو جنازہ ہے جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ کمال بداح صاحب الجزائر کا ہے۔ 2؍فروری کو ستاون سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ صدر جماعت عبدالحلیم صاحب لکھتے ہیں کہ مرحوم ایک سچے مومن اور مخلص احمدی تھے۔ انہوں نے اپنا گھر جماعت کے اجلاسات اور نمازوں اور تبلیغی سرگرمیوں

کے لیے ہمیشہ کھلا رکھا۔ تمام احمدی ان کی قوتِ ایمانی، مہمان نوازی اور فراخ دلی کی گواہی دیتے ہیں۔ مرحوم نے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بچے یادگار چھوڑے ہیں جن میں دو بیٹے غیر احمدی ہیں اور ایک بیٹی احمدی ہے۔ ان کی اہلیہ مکرمہ کریمہ صاحبہ صدر لجنہ کے طور پر خدمت کی توفیق پا چکی ہیں۔

الجزائر سے حسان زمولی صاحب کہتے ہیں کہ کمال بداح صاحب بہت مخلص اور بڑی خدمت کرنے والے احمدی تھے۔ ہمسایوں کی طرف سے مختلف مشکلات کے باوجود آخری دم تک اپنا گھر نماز کے لیے کھلا رکھا۔ نماز جمعہ کے لیے آنے والے مہمانوں کے لیے کھانا بسا اوقات خود ہی پکاتے تھے۔ خدمتِ خلق کے مختلف کاموں اور خون کے عطیات دینے کے کاموں میں شریک ہوتے تھے۔ مرحوم کے گھر پر مختلف اجلاسات بھی ہوتے اور نماز عید بھی۔ حکومت کے پاس جانے والے جماعتی وفد میں بھی مرحوم شامل تھے۔ مرحوم کہا کرتے تھے کہ کیونکہ جو سختیاں آج کل جماعت الجزائر میں ہو رہی ہیں اس کی وجہ سے ہم جماعت کی تاریخ لکھ رہے ہیں اور اب مرحوم خود بھی اس تاریخ کا حصہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

اگلا جنازہ ہے، ڈاکٹر شمیم ملک صاحبہ کا ذکر ہے جو مکرم مقصود احمد ملک صاحب شہید لاہور کی اہلیہ ہیں جو 2010ء میں دارالذکر میں شہید ہوئے تھے۔ اپنے خاوند کی شہادت کے کچھ عرصے بعد یہ کینیڈا چلی گئی تھیں اور وہاں ان کی وفات ہوئی ہے۔ مرحومہ نے پی ایچ ڈی تک تعلیم حاصل کی۔ کالج میں پڑھاتی تھیں۔ پروفیسر ہوئیں۔ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے عہدے تک ترقی پائی لیکن اس کے ساتھ گھر، کام اور بچوں کی ذمہ داریاں ساروں کو بڑے احسن طریق سے نبھایا۔ بغیر تفریق ہر طبقے کے لوگوں کی فراخ دلی سے مہمان نوازی کرتیں۔ ضرورتمندوں کا خیال رکھنے والی ایک صائب الرائے خاتون تھیں۔ غیر از جماعت احباب اور غیر احمدی رشتہ داروں کو ہمیشہ دعوت الی اللہ کرتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب زیرِ مطالعہ رکھتی تھیں۔ زندگی میں ہی پنجاب یونیورسٹی میں ان پر ایک thesis بھی لکھا گیا۔ thesis بعد میں لکھے جاتے ہیں لیکن ان پر ان کی زندگی میں لکھا گیا۔ تعلیم کا ان کو بے حد شوق تھا۔ بہت سے لوگوں کو قرآنِ کریم پڑھایا۔ صوم و صلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کی پابند تھیں۔ تہجد باقاعدہ ادا کرنے والی تھیں۔ شعائرِ اسلام کی پابندی کرنے والی باپردہ خاتون تھیں۔ مخلص تھیں۔ باوفا تھیں۔ خلافت سے خاص عقیدت کا تعلق تھا۔ مرحومہ موصیہ بھی تھیں۔ پسماندگان میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ ملک طاہر احمد صاحب امیر جماعت لاہور کی یہ ہمشیرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کی اولاد کو بھی، نسل کو بھی خلافت اور جماعت سے ہمیشہ وابستہ رکھے۔

اگلا ذکر ہے عزیزم فرہاد احمد جو ارشاد احمد امینی صاحب جرمنی کے بیٹے تھے۔ یہ چھبیس سال کی عمر میں گذشتہ دنوں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ عزیزم فرینکفرٹ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ وقفِ نو کی بابرکت تحریک میں شامل تھے۔ وفات سے قبل مجلس خدام الاحمدیہ میں لوکل اور ریجنل سطح پر خدمت کی توفیق پائی۔ مرحوم انتہائی نیک، خوش مزاج، فرمانبردار اور ملنسار نوجوان تھے۔ جماعتی اور تنظیمی کاموں کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ وفات سے ایک دن قبل ایک جماعتی پروگرام میں سارا دن اور پھر رات کو بھی دیر تک خدمت بجالاتے

رہے۔ اگلے دن پھر صبح مسجد میں نماز فجر کی ادائیگی کے بعد خدام الاحمدیہ کی ایک میٹنگ میں شامل ہوئے اور میٹنگ کے اختتام پر اپنے گھر جانے لگے اور اپنی کار کے قریب پہنچے تو وہاں ان کی طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی۔ مربی صاحب نے ان کو اپنے مشن ہاؤس کی کھڑکی سے دیکھا۔ وہ ان کی مدد کے لیے آئے۔ اس عرصے میں یہ اپنی گاڑی میں بیٹھ تو گئے تھے لیکن طبیعت لگتا تھا بہت زیادہ خراب ہوئی۔ ڈاکٹروں نے یہی بتایا کہ اس وقت شدید ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ تین چار منٹ کے اندر ایمبولینس بھی آ گئی تھی۔ انہوں نے طبی امداد بھی شروع کر دی تھی۔ تقریباً پینتالیس منٹ انہوں نے کوشش بھی کی لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

عزیزم فرہاد اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے اور ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔

اگلا ذکر ہے چودھری جاوید احمد بسمل صاحب کا جو آج کل کینیڈا میں تھے۔ گذشتہ دنوں 72 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ کافی لمبا عرصہ بیمار رہے۔ تحریکِ جدید کی زمینوں پہ بڑا لمبا عرصہ ان کو مینیجر کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ چوبیس پچیس سال۔ پھر خدام الاحمدیہ اور دوسری جماعتی خدمات کی بھی ان کو توفیق ملتی رہی۔ امیر ضلع عمر کوٹ کے طور پر بھی ان کو خدمت کی توفیق ملی۔ اہلیہ اور چار بیٹے اور دو بیٹیاں ان کے پسماندگان میں شامل ہیں۔ ان کے بیٹے طاہر احمد صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ خادمِ دین تھے۔ نافع الناس تھے۔ خلافت سے گہری محبت تھی اور ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ خلافت کے ساتھ ان کا ایک خاص تعلق قائم رہے۔ غرباء کا بڑا خیال رکھنے والے تھے۔ زمیندار تھے۔ زمینیں بھی تھیں ان کی سندھ میں۔ تو جب بھی یہاں سے جاتے اپنے غریب ہاریوں کے لیے تحفے اور کپڑے وغیرہ لے کر جاتے تھے کہ ان کی شادیوں پہ کام آئیں گے۔ کہتے ہیں مہمان نوازی بہت زیادہ تھی۔ روزانہ ہمارے گھر مہمان آئے رہتے تھے اور بڑی سادگی سے ان کی تواضع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہادر بھی بہت بنایا تھا۔ جب بھی مخالفین کے ساتھ سامنا ہوا تو ہمیشہ جماعتی غیرت کو سامنے رکھا۔ بہت سے عدالتی معاملات میں بڑی بہادری سے جماعت کی پیروی کی۔ اس وجہ سے مخالفین نے دو مرتبہ آپ پہ حملہ بھی کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت وہاں سے بچا لیا۔ بہت انتھک محنت کی اور ہمیشہ جماعت کے پیسے کی بہت قدر کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ پر بہت توکل کرتے تھے۔ سادہ طبیعت کے مالک تھے اور سب سے بڑی خوبی ان کی یہ تھی کہ آخری بیماری جو بڑا لمبا عرصہ چلی ہے، اس کو انہوں نے بڑے صبر سے برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی رہے۔ وفات سے ایک دن قبل کہتے ہیں ان کے معالج نے کہا کہ میں نے ایسا صابر انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ جب ان کو بتایا گیا کہ ڈاکٹر نے لاعلاج کہہ دیا ہے تو اس وقت کچھ تھوڑے بہت ہوش و حواس میں تھے۔ بولتے نہیں تھے، سنتے تھے تو نہایت اطمینان سے اس بات کو سنا اور قبول کیا۔

بیٹا کہتا ہے کہ تہجد پڑھنے اور تسبیح کا بڑا شوق تھا اور ہمیشہ خلیفۂ وقت کے لیے سب سے پہلے دعا کیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی دعاؤں کی تلقین کرتے تھے۔

معاملہ فہم تھے۔ فراست تھی۔ بے انتہا شکر کرنے والے تھے۔ تنگی اور سختی کو بھی مسکراہٹ کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ بڑے صاف دل کے مالک تھے۔ پھر بیٹے نے لکھا ہے کہ ہمارے بہترین استاد بھی تھے۔ شفیق باپ بھی تھے اور تمام خواہشوں کو پورا کرنے والے، بہترین مشورہ دینے والے تھے۔ بڑی مضبوط شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ کے فضل سے ان کی اولاد بھی جماعت سے اچھی طرح منسلک ہے اور میرا بھی اِن سے پرانا تعلق تھا جو خوبیاں ان کے بیٹے نے بیان کی ہیں، اَور لوگوں نے بھی لکھی ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں لکھا لیکن میں نے بھی دیکھا ہے کہ یہ واقع میں ان خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 31/مارچ 2023ء جلد 30 شمارہ 31 صفحہ 02 تا 07)

11

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 17 / مارچ 2023ء بمطابق 17 / امان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

قرآنِ کریم کا مقام اور مرتبہ اور محاسن گذشتہ چند ہفتوں سے بیان ہو رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ قرآن کے نزدیک مذہب کا منصب کیا ہے اور انسانی قویٰ پر اس کا کیا تصرف ہے اور ہونا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ سوال کہ مذہب کا تصرف انسانی قویٰ پر کیا ہے انجیل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ انجیل حکمت کے طریقوں سے دور ہے۔ لیکن قرآنِ شریف بڑی تفصیل سے بار بار اس مسئلہ کو حل کرتا ہے کہ مذہب کا یہ منصب نہیں ہے کہ انسانوں کی فطرتی قویٰ کی تبدیل کرے اور بھیڑیئے کو بکری بنا کر دکھلائے۔" یعنی طاقتور کو بالکل ہی کمزور بنا کر دکھائے "بلکہ مذہب کی صرف علت غائی یہ ہے کہ جو قویٰ اور ملکات فطرتاً انسان کے اندر موجود ہیں۔" جو صلاحیتیں ہیں جو طاقتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہوئی ہیں "ان کو اپنے محل اور موقعہ پر لگانے کے لئے رہبری کرے۔ مذہب کا یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی فطرتی قوت کو بدل ڈالے۔ ہاں یہ اختیار ہے کہ اس کو محل پر استعمال کرنے کے لئے ہدایت کرے اور صرف ایک قوت مثلاً رحم یا عفو پر زور نہ ڈالے بلکہ تمام قوتوں کے استعمال کے لئے وصیت فرمائے۔" یہ نہ کہے کہ صرف رحم کرو اور معاف کرو بلکہ ضرورت کے مطابق جس چیز کی اس موقع پر ضرورت ہے اسے استعمال کرنے کی تلقین کرے۔ اصل غرض اصلاح اور بہتری ہے اور یہ مقصد جس طرح بھی پورا ہو اسے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ رحم یا عفو پر زور نہ ڈالے بلکہ تمام قوتوں کے استعمال کے لیے وصیت فرمائے "کیونکہ انسانی قوتوں میں سے کوئی بھی قوت بری نہیں بلکہ افراط اور تفریط اور بد استعمالی بری ہے اور جو شخص قابل ملامت ہے وہ صرف فطرتی قوی کی وجہ سے قابل ملامت نہیں بلکہ ان کی بد استعمالی کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔" (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 340-341)

اس کی ایک چھوٹی سی مثال یوں ہے کہ ایک جسمانی طور پر طاقتور آدمی ہے اگر اپنی طاقت کے اظہار کے لیے وہ ظلم ہی کرتا رہے یا صاحبِ اختیار ہے تو ظلم کرتا رہے۔ دوسروں کے لیے نرم دلی نہ ہو۔ موقع محل پر اپنے قوی کا اظہار نہ ہو بلکہ اپنی برتری ثابت کرنا اور رعب قائم کرنا ہی مقصد ہو تو پھر ایسا شخص برا کہلائے گا۔ اس کی صلاحیتیں جو ہیں وہ بری نہیں لیکن اس کا استعمال برا ہے، اس کا عمل برا ہے۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ

آپ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد صداقتِ قرآن کو ثابت کرنا اور قائم کرنا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنے قرآن کے ظاہر کرے۔ خدا نے مجھے اسی لئے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآنِ شریف کو سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف کی ایسی تعلیم ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا اور معقولات سے ایسی پُر ہے کہ ایک فلاسفر کو بھی اعتراض کا موقع نہیں ملتا۔" (ملفوظات جلد 6 صفحہ 167)

پھر عظمتِ قرآن بیان فرماتے ہوئے آپؑ جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں کہ:

"قرآن شریف پر تدبر کرو۔ اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اس کی تعلیم اس زمانہ کے حسبِ حال ہو تو ہو لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔" جس زمانے میں حضرت عیسیٰ آئے اس زمانے کے حسبِ حال تھی لیکن اب نہیں۔ "یہ فخر قرآنِ مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی ہے اُس کے دور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے۔ اس لئے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس کی تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔"

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 122)

قرآن کریم پر تدبر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؑ مزید فرماتے ہیں کہ:

"رسم اور بدعات سے پرہیز بہتر ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ شریعت میں تصرف شروع ہو جاتا ہے۔ بہتر طریق یہ ہے کہ ایسے وظائف میں جو وقت اس نے صرف کرنا ہے وہی قرآن شریف کے تدبر میں لگاوے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 266)

لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وظیفہ بتا دیں، چھوٹی سی بات بتا دیں تا کہ اسی پہ نظر ہو، ہم وقت لگائیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ نہیں قرآنِ شریف پر غور کرنے پر وقت لگاؤ۔ بعض لوگ وظائف میں ہی وقت صرف کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور جو وظائف اور ذکر کر رہے ہوتے ہیں ان کا مطلب ہی بعضوں کو نہیں آتا اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی روحانی بہتری کا واحد ذریعہ ہے۔ آپؑ نے فرمایا اس کے بجائے یہ وقت قرآن کریم پر غور پر خرچ کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ روحانی ترقی اسی سے حاصل کر سکتے ہو۔ غیر احمدی مسلمانوں میں تو بہت سی بدعات اس ذریعہ سے راہ پا گئی ہیں لیکن بعض احمدی بھی اس کے زیر اثر آ گئے ہیں اس لیے ہمیں بچنا چاہیے اور قرآن شریف کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

اگلے ہفتے جمعرات سے ان شاء اللہ یا بعض جگہ بدھ سے رمضان بھی شروع ہو رہا ہے تو اس رمضان میں ہمیں خاص طور پر قرآن کریم کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"دل کی اگر سختی ہو تو اس کو نرم کرنے کے لیے یہی طریق ہے کہ قرآن شریف کو ہی بار بار پڑھے۔ جہاں جہاں دعا ہوتی ہے وہاں مومن کا بھی دل چاہتا ہے کہ یہی رحمتِ الٰہی میرے بھی شامل حال ہو۔ قرآن شریف

کی مثال ایک باغ کی ہے کہ ایک مقام سے انسان کسی قسم کا پھول چنتا ہے۔ پھر آگے چل کر اَور قسم کا چنتا ہے۔ پس چاہیے کہ ہر ایک مقام کے مناسبِ حال فائدہ اٹھاوے۔" (ملفوظات جلد 6 صفحہ 266)

آپؑ نے فرمایا کہ اس سے روحانی ترقی ہوتی ہے کہ احکامات اور نواہی کو انسان اپنے اوپر لاگو کرے۔ جو اللہ تعالیٰ نے کرنے کے حکم دیے ہیں ان کو کرے۔ جن سے روکا ہے ان سے رکنے کی کوشش کرے۔ اس چیز کو دیکھے۔ یہی پھول ہیں جو اس باغ سے انسان چنتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: بعض لوگ تو اپنی علمیت کے زعم میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ قرآنِ کریم کی بعض سورتوں مثلاً آپؑ نے مثال دی سورۂ یٰسین کی کہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں طریق سے پڑھو تو برکت ہو گی ورنہ نہیں ہو گی۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 6 صفحہ 266)

یہ باتیں تو خدائی کے دعوے ہیں۔ پس اس قسم کی باتوں سے ہمیں خاص طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن سے اعراض کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ جو اِعراضِ صُوری کہلاتا ہے اور دوسرا اعراضِ معنوی اور اس سے مراد کیا ہے؟ اعراض سے مراد یہ ہے کہ جس سے عمل نہ کرنا یا تو صُوری طور پر انسان عمل نہیں کرتا یا معنوی طور پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی یہ وضاحت فرمائی کہ:

"**قرآنِ شریف سے اعراض کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔** ایک صُوری اور ایک معنوی۔ صُوری یہ کہ کبھی کلام الٰہی کو پڑھا ہی نہ جاوے۔ جیسے اکثر لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر وہ قرآن شریف کی عبارت تک سے بالکل غافل ہیں اور ایک معنوی" دوسری صورت ہے "کہ تلاوت تو کرتا ہے مگر اس کی برکات وانوار ورحمتِ الٰہی پر ایمان نہیں ہوتا۔ پس دونوں اعراضوں میں سے کوئی اعراض ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔" آپؑ نے فرمایا کہ "امام جعفرؒ کا قول ہے واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے کہ میں اس قدر کلام پڑھتا ہوں کہ ساتھ ہی الہام شروع ہو جاتا ہے مگر بات معقول معلوم ہوتی ہے" آپؑ نے فرمایا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ صحیح ہے کہ نہیں لیکن یہ بات معقول ہے۔ یعنی کہ انہوں نے یہ کہا یا نہیں کہا یہ تو پتا نہیں لیکن بات معقول ہے "کیونکہ ایک جنس کی شئ دوسری شئ کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ اب اس زمانہ میں لوگوں نے صدہا حاشئے چڑھائے ہوئے ہیں۔ شیعوں نے الگ، سنیوں نے الگ۔" حضورؑ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ ایک شیعہ نے میرے والد صاحب سے کہا کہ میں ایک فقرہ بتلاتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو تو پھر طہارت اور وضو وغیرہ کی ضرورت نہیں ہو گی۔" بس وہ فقرہ ہی کافی ہے آپ کے لیے۔ وہی وضو ہے۔ وہی طہارت ہے۔ فرمایا کہ "اسلام میں کفر وبدعت الحاد زندقہ وغیرہ اسی طرح سے آئے ہیں کہ ایک شخص واحد کی کلام کو اس قدر عظمت دی گئی جس قدر کہ کلام الٰہی کو دی جانی چاہئے تھی۔ صحابہ کرامؓ اسی لئے احادیث کو قرآن شریف سے کم درجہ پر مانتے تھے۔" واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ فیصلہ کرنے لگے تو ایک بوڑھی عورت نے اٹھ کر کہا کہ حدیث میں یہ لکھا ہے۔" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منسوب ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ حدیثیں گو بعد میں جمع کی گئی ہیں لیکن بعض دفعہ بعض صحابہ لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ "تو آپؓ نے فرمایا" حضرت عمرؓ نے فرمایا "کہ میں ایک بڑھیا کے لیے کتاب اللہ کو ترک نہیں کر سکتا۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 266-267)

یہ روایت ایک عورت کی ہے جو یہ کہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کلام تو اس سے مختلف ہے۔ جو اللہ کا کلام کہتا ہے وہی حقیقت ہے۔ پس حقیقت یہی ہے۔ اسی کو ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ اگر یہ نہیں ہو گا تو پھر بدعات پھیلتی چلی جائیں گی اور اسی وجہ سے بدعات مسلمانوں میں پھیلتی چلی جارہی ہیں اور اس طرح قرآن کریم کی اصل تعلیم سے دُور کر رہی ہیں۔ اکثر مسلمانوں میں یہ باتیں نظر آتی ہیں جیسا کہ ابھی میں نے مثال دی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ شیعہ عالم کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد کو یہ کہنا کہ ایک فقرہ ہے اس کو پڑھ لیا کریں تو پھر نہ وضو کی ضرورت نہ طہارت کی ضرورت۔ اکثریت تو عامۃ المسلمین کی جاہل ہے۔ نام نہاد علماء ان کو جس طرف لے جاتے ہیں وہ چل پڑتے ہیں اور بدعات پھیلتی چلی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود الزام ہم پر کہ ہم قرآنِ کریم کی تحریف کرتے ہیں۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ **مسلمانوں کی ترقی قرآن سے مشروط ہے** آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"جب تک مسلمان قرآن شریف کے پورے متبع اور پابند نہیں ہوتے وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے۔ جس قدر وہ قرآن شریف سے دور جارہے ہیں اسی قدر وہ ترقی کے مدارج اور راہوں سے دور جارہے ہیں۔ قرآنِ شریف پر عمل ہی ترقی اور ہدایت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت، زراعت اور ذرائع معاش سے جو حلال ہوں منع نہیں کیا مگر ہاں اس کو مقصود بالذات قرار نہ دیا جاوے بلکہ اس کو بطور خادمِ دین رکھنا چاہئے۔ زکوٰۃ سے بھی یہی منشا ہے کہ وہ مال خادمِ دین ہو۔" (ملفوظات جلد 8 صفحہ 29-30)

پس ایک مومن کو اپنی زندگی کا مقصد صرف دنیا کمانا نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا جو مقصدِ پیدائش بتایا ہے کہ صحیح عابد بن کے رہنا، اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنا ہمیں اس کی تلاش کرنی چاہیے۔ زکوٰۃ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم بھی اس لیے ہے کہ وہ مال صرف اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے ہی نہ ہو بلکہ اس کو دین کی ترقی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لیے بھی خرچ کیا جائے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ فرمایا کہ:

"افسوس ہے کہ لوگ جوش اور سرگرمی کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ دنیادار اپنی دنیاداری پر یا ایک شاعر اپنے اشعار پر غور کرتا ہے ویسا بھی قرآن شریف پر غور نہیں کیا جاتا۔" فرماتے ہیں کہ "بٹالہ میں ایک شاعر تھا۔ اس کا ایک دیوان ہے۔ اس نے ایک دفعہ ایک مصرعہ کہا" فارسی میں مصرعہ ہے کہ:

"صبا شرمندہ مے گردد بہ روئے گل نگہ کردن"

یعنی صبا پھول کے چہرے پر نظر کرنے سے شرمندہ ہو جاتی ہے۔ "مگر دوسرے مصرعہ کی تلاش میں برابر چھ مہینے سرگردان و حیران پھرتا رہا۔" تلاش کرتا رہا، سوچتا رہا۔ "بالآخر ایک دن ایک بزاز کی دوکان پر کپڑا خریدنے گیا۔ بزاز نے کئی تھان کپڑوں کے نکالے پر اس کو کوئی پسند نہ آیا۔ آخر بغیر کچھ خریدنے کے جب اٹھ کھڑا ہوا تو بزاز" کپڑا بیچنے والا جو دکاندار تھا وہ "ناراض ہوا کہ تم نے اتنے تھان کھلوائے اور بے فائدہ تکلیف دی۔ اس پر اس کو دوسرا مصرعہ سوجھ گیا اور اپنا شعر اس طرح سے پورا کیا صبا شرمندہ مے گردد بروئے گل نگہ کردن کہ رخت غنچہ راوا کردو نتوانست تہ کردن" کہ صبا پھول کے چہرے پر نظر کرنے سے شرمندہ ہو جاتی ہے کہ اس نے غنچے کے لباس کو وا کر دیا

مگر اس کو سمیٹ نہ سکی۔ آپؑ فرماتے ہیں ”جس قدر محنت اس نے ایک مصرعہ کے لئے اٹھائی“ اس شاعر نے ”اتنی محنت اب لوگ ایک آیت قرآنی کے سمجھنے کے لئے نہیں اٹھاتے۔“ فرمایا **”قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔“** (ملفوظات جلد 2 صفحہ 343-344)

پھر آپؑ نے فرمایا: ”جس قدر اسرار اور رموز قرآن شریف میں ہیں تورات اور انجیل میں وہ کہاں؟ پھر قرآن شریف تمام امور کو صرف دعویٰ ہی کے رنگ میں بیان نہیں کرتا جیسے کہ توریت یا انجیل جو دعویٰ ہی دعویٰ کرتی ہیں بلکہ قرآن شریف استدلالی رنگ رکھتا ہے۔“ دلیل کا رنگ رکھتا ہے۔ ”کوئی بات وہ بیان نہیں کرتا جس کے ساتھ اس نے ایک قوی اور مستحکم دلیل نہ دی ہو۔ جیسی قرآنِ شریف کی فصاحت وبلاغت اپنے اندر ایک جذب رکھتی ہے۔ جس طرح پر اس کی تعلیم میں معقولیت اور کشش ہے ویسے ہی اس کے دلائل مؤثر ہیں۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 243-244)

پس **کوئی اَور کتاب قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی** اور اس میں آگے آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم تمام کتابوں سے بڑھ کر ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بھی سب انبیاء سے بڑھ کر ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 3 صفحہ 244)

پس جب قرآن پڑھو تو پھر جو بات قرآن کریم میں دیکھو تو وہیں اس کی دلیل بھی تلاش کرو۔ پھر قرآن کریم کی اس خوبی کا ذکر فرماتے ہوئے کہ قرآن کے مقابل کوئی سحر نہیں ٹھہر سکتا آپؑ فرماتے ہیں:

”یاد رکھنا چاہیے کہ ہم تو قرآن شریف پیش کرتے ہیں جس سے جادو بھاگتا ہے اس کے بالمقابل کوئی باطل اور سحر نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں کیا ہے جس کو وہ لئے پھرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف وہ عظیم الشان حربہ ہے کہ اس کے سامنے کسی باطل کو قائم رہنے کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی باطل پرست ہمارے سامنے اور ہماری جماعت کے سامنے نہیں ٹھہرتا اور گفتگو سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ آسمانی ہتھیار ہے جو کبھی کند نہیں ہو سکتا۔“ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 27)

پس یہ بات ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہم قرآنِ کریم پر غور و تدبر کی طرف زیادہ توجہ دیں تاکہ اپنی روحانی اور علمی حالت بھی بہتر کریں اور مخالفین کا ردّ بھی کر سکیں۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کی تابعداری سے خدا تعالیٰ ملتا ہے اگر قرآن کریم کی کامل اطاعت کی جائے تو فرمایا:

”ہمارا صرف ایک ہی رسول ہے اور صرف ایک ہی قرآنِ شریف اس رسول پر نازل ہوا ہے جس کی تابعداری سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔ آج کل فقراء کے نکالے ہوئے طریقے اور گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کی سیفیاں“ سیفی کہتے ہیں منتر یا وظیفہ جو کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے چالیس دن تک مسلسل پڑھا جاتا ہے۔ فرمایا یہ سیفیاں جو ہیں ”اور دعائیں اور درود اور وظائف یہ سب انسان کو مستقیم راہ سے بھٹکانے کا آلہ ہیں۔ سو تم ان سے پرہیز کرو۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی مہر کو توڑنا چاہا گویا اپنی الگ ایک شریعت بنالی ہے۔ تم یاد رکھو کہ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پیروی اور نماز روزہ وغیرہ

جو مسنون طریقے ہیں ان کے سوا خدا کے فضل اور برکات کے دروازے کھولنے کی اور کوئی کنجی ہے ہی نہیں۔ بُھولا ہوا ہے وہ جو ان راہوں کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالتا ہے۔ ناکام مرے گا وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کا تابعدار نہیں بلکہ اور اور راہوں سے اسے تلاش کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 125)(جہانگیر اردو لغت صفحہ 923، جہانگیر بکس لاہور)

قرآن کریم کی ایک خوبی آپؑ نے یہ **بیان فرمائی کہ قرآن کریم نے ہر قوم کے نبی پر ایمان لانا ضروری** قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"قرآن وہ قابلِ تعظیم کتاب ہے جس نے قوموں میں صلح کی بنیاد ڈالی اور ہر ایک قوم کے نبی کو مان لیا اور تمام دنیا میں یہ فخر خاص قرآن شریف کو حاصل ہے جس نے دنیا کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (آل عمران:85)۔ یعنی تم اے مسلمانو! یہ کہو کہ ہم دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو ردّ کر دیں۔" آپ نے چیلنج فرمایا کہ "اگر ایسی صلح کار کوئی اور الہامی کتاب ہے تو اس کا نام لو۔"

(پیغام صلح، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 459)

قرآن کریم کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ قرآن کریم میں ظاہری ترتیب کا التزام ہے۔ اس بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"قرآنِ کریم ظاہری ترتیب کا اشد التزام رکھتا ہے۔ اور ایک بڑا حصہ قرآنی فصاحت کا اسی سے متعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کا ملحوظ رکھنا بھی وجوہِ بلاغت میں سے ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت یہی ہے جو حکیمانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس شخص کے کلام میں ترتیب نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے ایسے شخص کو ہم ہرگز بلیغ و فصیح نہیں کہہ سکتے۔" یعنی کہ بلیغ وہ ہے جو مضمون ایسا بیان کرنے والا ہو جو باموقع بھی ہو اور باتیں پوری طرح اس مضمون کا احاطہ کیے ہوئے بھی ہوں اور فصیح ایسے خوبصورت الفاظ استعمال کیے جائیں جو خوبصورت مطالب بھی بیان کر سکیں اور ترتیبِ الفاظ بھی ان میں ہو۔ پس آپؑ نے فرمایا ایسے شخص کو ہم ہرگز بلیغ و فصیح نہیں کہہ سکتے "بلکہ اگر کوئی شخص حد سے زیادہ ترتیب کا لحاظ اٹھادے تو وہ ضرور دیوانہ اور پاگل ہوتا ہے کیونکہ جس کی تقریر منتظم نہیں اس کے حواس بھی منتظم نہیں۔" اگر ترتیب نہیں، اُس میں کوئی ربط نہیں پایا جاتا تو پھر اس کا مطلب ہے وہ پاگل ہے، مجنون ہے۔ "پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا وہ پاک کلام جو بلاغت فصاحت کا دعویٰ کر کے تمام اقسام سچائی کے لئے بلاتا ہے ایسا اعجازی کلام اس ضروری حصہ فصاحت سے گرا ہوا ہو کہ اس میں ترتیب نہ پائی جائے۔"

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 456-457 حاشیہ)

پس قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور فصاحت و بلاغت سے پُر ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس میں ترتیب نہ ہو۔ جس طرح بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں اعتراض کرنے والے۔ **قرآن کریم کے دو معجزوں کا ذکر** فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"بجز قرآن شریف کے اَور کوئی ذریعہ آسمانی نوروں کی تحصیل کا موجود نہیں اور خدا نے اس غرض سے کہ حق اور باطل میں ہمیشہ کے لئے مابہ الامتیاز قائم رہے اور کسی زمانہ میں جھوٹ سچ کا مقابلہ نہ کر سکے امتِ محمدیہ کو انتہاء زمانہ تک یہ دو معجزے یعنے اعجاز کلام قرآن اور اعجاز اثر کلام قرآن عطا فرمائے ہیں۔" یعنی ایک قرآن کا، ایک کلام کا اعجاز ہے اور ایک اس کلام کے اثر کا اعجاز ہے۔ دو معجزے ہیں "جن کے مقابلہ سے مذاہب باطلہ ابتداء سے عاجز چلے آتے ہیں۔ اور اگر صرف اعجازِ کلام قرآن کا معجزہ ہوتا اور اعجازِ اثر قرآن کا معجزہ نہ ہوتا تو امت مرحومہ محمدیہ کو آثار اور انوار ایمان میں کیا زیادتی ہوتی کیونکہ مجرد زہد اور عفت اعجاز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 292-293 بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1)

قرآن کریم کی تعلیم سے اثر بھی ہوتا ہے اگر حقیقی طور پر اس کو اپنایا جائے۔ پھر قرآن کریم کی پیروی سے اس جہان میں آثارِ نجات کا ظہور اس بارے میں آپؑ نے فرمایا کہ:

"قرآن شریف جو آنحضرت کی اِتباع کا مدار علیہ ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کی متابعت سے اسی جہان میں آثار نجات کے ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ وہی کتاب ہے کہ جو دونوں طریق ظاہری اور باطنی کے ذریعہ سے نفوسِ ناقصہ کو بمرتبۂ تکمیل پہونچاتی ہے اور شکوک اور شبہات سے خلاصی بخشتی ہے۔" جن لوگوں میں نفوسِ ناقصہ ایسے ہیں جن میں کمی ہے۔ ان کی کمی کو، کمزوری کو نہ صرف یہ قرآن کریم دُور کرتا ہے بلکہ اعلیٰ معیار تک بھی لے کے جاتا ہے۔ فرمایا کہ "ظاہری طریق سے اس طرح پر کہ بیان اس کا ایسا جامع دقائق و حقائق ہے کہ جس قدر دنیا میں ایسے شبہات پائے جاتے ہیں کہ جو خدا تک پہنچنے سے روکتے ہیں جن میں مبتلا ہو کر صدہا جھوٹے فرقے پھیل رہے ہیں اور صدہا طرح کے خیالات باطلہ گمراہ لوگوں کے دلوں میں جم رہے ہیں سب کا رد معقولی طور پر اس میں موجود ہے۔" قرآن کریم اتنے واضح طور پر دلیلیں اور حقائق بیان کرتا ہے کہ سب شبہات جو ہیں ان کو دور کرتا ہے۔ ہاں شرط سمجھنے کی ہے اور سمجھنے کے لیے جو سمجھانے والے ہیں ان کے کلام سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ فرمایا "اور جو جو تعلیم حقہ اور کاملہ کی روشنی ظلمت موجودہ زمانے کے لئے درکار ہے وہ سب آفتاب کی طرح اس میں چمک رہی ہے۔" موجودہ زمانہ میں بھی جو اندھیرے پھیل رہے ہیں۔ مذہب سے دُوری ہے، بے حیائی ہے، لغویات ہیں اور خدا تعالیٰ سے دوری ہے، یہ سب جو اندھیرے ہیں ان کو دور کرنے کے لیے اور روشنی حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرو اس میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ فرمایا کہ یہ سب آفتاب کی طرح اس میں چمک رہی ہے۔ سورج کی طرح روشن ہے اس میں "اور تمام امراض نفسانی کا علاج اس میں مندرج ہے اور تمام معارف حقہ کا بیان اس میں بھرا ہوا ہے اور کوئی دقیقہ علم الٰہی نہیں کہ جو آئندہ کسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے اور اس سے باہر رہ گیا ہو۔ اور باطنی طریق سے اس طور پر کہ اس کی کامل متابعت دل کو ایسا صاف کر دیتی ہے۔" یہ شرط ہے کامل متابعت۔ متابعت ہو اور کامل ہو تو دل کو ایسا صاف کر دیتی ہے "کہ انسان اندرونی آلودگیوں سے بالکل پاک ہو کر حضرت اعلیٰ سے اتصال پکڑ لیتا ہے۔" اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ "اور انوارِ قبولیت اس پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور عنایاتِ الٰہیہ اس قدر اس پر احاطہ کر لیتی ہیں کہ جب وہ مشکلات کے وقت دعا کرتا ہے تو کمال رحمت

اور عطوفت۔ "یعنی بڑی مہربانی اور رحمت اور شفقت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔" سے خداوند کریم اس کا جواب دیتا ہے اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہزار مرتبہ ہی اپنی مشکلات اور ہجوم غموں کے وقت میں سوال کرے تو ہزار ہا مرتبہ ہی اپنے مولیٰ کریم کی طرف سے نہایت فصیح اور لذیذ اور متبرک کلام میں محبت آمیز جواب پاتا ہے اور الہام الٰہی بارش کی طرح اس پر برستا ہے اور وہ اپنے دل میں محبت الٰہیہ کو ایسا بھرا ہوا پاتا ہے جیسا ایک نہایت صاف شیشہ ایک لطیف عطر سے بھرا ہوتا ہے اور انس اور شوق کی ایک ایسی پاک لذت اس کو عطا کی جاتی ہے کہ جو اس کی سخت سخت نفسانی زنجیروں کو توڑ کر اور اس دخانستان سے باہر نکال کر۔ "یعنی گندی ہوا اور آلودہ ہوا ہے، دھواں ہے اس سے باہر نکال کر" محبوب حقیقی کی ٹھنڈی اور دلآرام ہوا سے اس کو ہر دم اور ہر لحظہ تازہ زندگی بخشتی رہتی ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 345 تا 349 بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2)

پھر آپؑ نے فرمایا کہ قرآن کریم یقینی اور قطعی کلام ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"قرآنِ شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 209)

اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ **قرآنِ کریم اقوامِ دنیا کو متحد کرنے آیا ہے** آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"خدا نے پہلے متفرق طور پر ہر ایک امت کو جدا جدا دستور العمل بھیجا اور پھر چاہا کہ جیسا کہ خدا ایک ہے وہ بھی ایک ہو جائیں تب سب کو اکٹھا کرنے کے لئے قرآن کو بھیجا اور خبر دی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ خدا تمام قوموں کو ایک قوم بنادے گا اور تمام ملکوں کو ایک ملک کر دے گا اور تمام زبانوں کو ایک زبان بنادے گا۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 428)

لوگ کہتے ہیں کہ مختلف مذاہب کیوں آئے؟ اس لیے کہ اس وقت تک ان کی عقل اور شعور اور جو وسائل تھے وہ اتنے تھے کہ اپنے زمانے میں محدود رہیں۔ پہلے زمانے میں الگ الگ بھیجے۔ اب ایک زمانہ ایسا آ گیا جب سب اکٹھے ہو سکتے ہیں تو ایک کامل شریعت قرآن کریم کی شکل میں ہمیں بھجوا دی اور فرمایا کہ تمام ملکوں کو ایک ملک بنادے گا اور تمام زبانوں کو ایک زبان بنادے گا۔ آج دنیا میں گلوبل ولیج کی ایک ٹرم (term) استعمال ہوتی ہے کہ دنیا ایک ہو چکی ہے، ایک شہر کی حیثیت بن چکی ہے۔ بہرحال قرآن کریم ہی وہ کلام ہے جو باوجود اس کے کہ دنیا میں مختلف زبانیں بولنے والے بھی ہیں اور بولی جاتی ہیں لیکن دنیا میں جہاں بھی مسلمان ہیں جس قوم کے بھی مسلمان ہیں وہ اسے عربی زبان میں پڑھتے ہیں اور اسی طرح پانچ نمازوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کریم کا پہلی کتب اور انبیاء پر احسان ہے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"**قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے جو ان کی تعلیموں کو جو قصہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دیدیا ہے۔** میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جب تک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وہ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۔ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الطارق:14-15) وہ

میزان، مہیمن، نور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اسے قصہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا بلکہ اس کی بے حرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوئے ہیں؟ صرف اسی لئے کہ ہم قرآن شریف کو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نور، حکمت اور معرفت ہے، دکھانا چاہتے ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے۔ اس لئے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پرواکریں۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 155)

قرآنِ کریم کی عظمت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

"قرآن کریم کی عظمت کے بڑے بڑے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عظیم الشان علوم ہیں جو توریت و انجیل میں تلاش کرنے ہی عبث ہیں۔" فضول ہیں۔ وہ وہاں مل ہی نہیں سکتے۔ "اور ایک چھوٹے اور بڑے درجہ کا آدمی اپنے اپنے فہم کے موافق ان سے حصہ لے سکتا ہے۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ 381)

قرآن کریم کے علوم سے۔ پس اس کے معانی اور مطالب پر غور کرنے کی ہر ایک کو عادت ڈالنی چاہیے تا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی خوبصورتی کا بھی ہمیں پتہ چلے۔ قرآن کریم کے اوامر اور نواہی کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں: "قرآن شریف میں اول سے آخر تک اوامر اور نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔" (ملفوظات جلد 8 صفحہ 374)

ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ تلاوت کرتے ہوئے انہیں تلاش کرنا چاہیے اور پھر ان کو زندگی کا حصہ بنانا چاہیے۔ تبھی ہم خدا تعالیٰ کے کلام سے حقیقی فیض پا سکتے ہیں۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 8 صفحہ 376)

قرآن کریم کے محاسن بیان کرتے ہوئے ایک جگہ آپؑ نے فرمایا:

"جاننا چاہئے کہ قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔" یعنی اس کے ماننے کے سوا چارہ نہیں۔ "اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے وہ وحی متلوّ ہے۔" یعنی ایسی وحی ہے جو بار بار پڑھی جانے والی وحی ہے "جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں۔ وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔" (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 384)

ان کی ترکیب ایسی ہے کہ یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ جو کرے گا وہ کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآنِ کریم میں تحریف کر لی ہے۔ قرآن کریم بگڑ تا تو اس کی اصلی حالت رہ ہی نہیں سکتی اور وہ نفس مضمون بھی رہ نہیں سکتا۔ پھر قرآن کریم کے الفاظ کی گہرائی اور مطالب کی خوبی بیان فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ "قرآنِ کریم کے دقائق و معارف و حقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔

مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارف فرقانیہ کے بمقابل دجالی فرقوں کی ہمیں اس وقت ضرورت آپڑی ہے وہ ضرورت ان لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے اِن دجالی فرقوں کا زمانہ نہیں پایا۔ سو وہ باتیں ان پر مخفی

رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔" (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 451)

مضمون موقع اور محل اور زمانے کے لحاظ سے اس میں سے نکلتا چلا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ضرورت نہیں تھی۔ اس زمانے میں جیسی جیسی تفسیریں ہوئیں اس زمانے کے حالات کی تھیں۔ آج جو ہو رہی ہیں وہ آج کے زمانے کے حالات کے لیے ہیں اور یہ سب قرآن کریم سے ہی استنباط ہوتی ہیں، اسی سے تفسیر ملتی ہے۔ انہی الفاظ کو غور کرنے سے ان کے معانی واضح ہوتے ہیں۔ پس جو ایسی کتاب ہے وہی تاقیامت رہنے والی کتاب ہو سکتی ہے کہ ضرورت کے مطابق الفاظ میں سے مطالب نکلتے چلے جائیں۔ پھر قرآن کریم کی خوبصورتی بیان فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ:

"بَطْنِی معارف قرآن کریم کے جن کا وجود احادیثِ صحیحہ اور آیات بینہ سے ثابت ہے فضول طور پر کبھی ظہور نہیں کرتے بلکہ یہ معجزہ فرقانی ایسے ہی وقت میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے جبکہ اس روحانی معجزہ کے ظہور کی اشد ضرورت پیش آتی ہے۔" (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 465)

معارف بھی ملتے ہیں اور صحیح احادیث سے بھی ان کا استنباط کیا جا سکتا ہے اور بَیِّن جو کھلی کھلی آیات ہیں وہ بھی اس کا ثبوت دیتی ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

"**قرآن شریف میں سب کچھ ہے مگر جب تک بصیرت نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔**" بصیرت شرط ہے۔ "قرآن شریف کو پڑھنے والا جب ایک سال سے دوسرے سال میں ترقی کرتا ہے تو وہ اپنے گذشتہ سال کو ایسا معلوم کرتا ہے کہ گویا وہ تب ایک طفل مکتب تھا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں ترقی بھی ایسی ہے۔" یہ نہیں کہ ہم نے ایک دفعہ پڑھ لیا تو اس کو سب کچھ علم حاصل ہو گیا بلکہ ایک سال غور کرنے کے بعد جب اگلے سال میں قدم رکھتا ہے، دوبارہ غور شروع کرتا ہے تو پھر سمجھتا ہے وہ جو پہلے میں پڑھ کے آیا ہوں وہ تو کچھ بھی نہیں تھا، وہ تو بچوں والی باتیں تھیں جو کہ ابتدائی چیزیں تھیں جو مجھے سمجھ آئی تھیں۔ اب میں اصل مقام پہ پہنچا ہوں اور پھر اس طرح ہر سال ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا "جن لوگوں نے قرآن شریف کو ذوالوجوہ کہا ہے میں ان کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے قرآن شریف کی عزت نہیں کی۔ قرآن شریف کو ذوالمعارف کہنا چاہئے۔" معارف سے پُر کہنا چاہیے۔ اس میں بے شمار معارف ہیں۔ "ہر مقام میں سے کئی معارف نکلتے ہیں اور ایک نکتہ دوسرے نکتہ کا نقیض نہیں ہوتا" اسے توڑنے والا نہیں ہوتا، اس کو ردّ کرنے والا نہیں ہوتا "مگر زود رنج، کینہ پرور اور غصہ والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت نہیں ہے اور نہ ایسوں پر قرآن شریف کھلتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 221)

یہ تو غور کرنے والوں اور پاک لوگوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے والے لوگوں، اس سے علم حاصل کرنے کی دعا کرنے والے لوگوں پر ہی اس کے حقائق کھلتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم بلاشبہ جامع حقائق و معارف اور ہر زمانہ کی بدعات کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ اس عاجز کا سینہ اس کی چشم دید برکتوں اور حکمتوں سے پُر ہے....." اس زمانے میں، ہمارے زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی

ہیں جنہوں نے اس کے معارف اور حقائق ہم پر ظاہر فرمائے اور آپؑ کے کلام سے اس کی مزید تشریح ہوتی ہے اور اس کو سمجھ کے اگر پڑھا جائے تو قرآنِ کریم کی خوبیوں کا اور تعلیم کا اور معارف کا علم مزید بڑھتا ہے۔

فرمایا "بلاشبہ ہماری بھلائی اور ترقی علمی اور ہماری دائمی فتوحات کے لئے قرآن ہمیں دیا گیا ہے اور اسکے رموز اور اسرار غیر متناہی ہیں جو بعد تزکیہ نفس اشراق اور روشن ضمیری کے ذریعہ سے کھلتے ہیں۔" فرمایا "خدا تعالیٰ نے جس قوم کے ساتھ کبھی ہمیں ٹکرا دیا اس قوم پر قرآن کے ذریعہ سے ہی ہم نے فتح پائی۔ وہ جیسا ایک اُمی دیہاتی کی تسلی کرتا ہے ویسا ہی ایک فلسفی معقولی کو اطمینان بخشتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ صرف ایک گروہ کیلئے اترا ہے دوسرا گروہ اس سے محروم رہے۔ بلاشبہ اس میں ہر یک شخص اور ہر یک زمانہ اور ہر یک استعداد کے لئے علاج موجود ہے۔ جو لوگ معکوس الخلقت اور ناقص الفطرت نہیں وہ قرآن کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں۔" یعنی اپنی پیدائش کو نہ سمجھنے والے جو کم عقل لوگ ہیں یا ترقی کی بجائے زوال کی طرف جانے والے لوگ ہیں، روحانی لحاظ سے کم عقل ہیں ایسے لوگوں کو تو قرآن فائدہ نہیں پہنچاتا لیکن اگر وہ ایسے نہیں ہیں تو عظمتوں پر ایمان لانا ان کے لیے لازمی ہے اور وہ ایمان لاتے ہیں "اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔" (الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 110)

فرماتے ہیں کہ "مجھے فرمایا گیا ہے کہ تمام ہدایتوں میں سے" یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ "تمام ہدایتوں میں سے صرف قرآنی ہدایت ہی صحت کے کامل درجہ پر اور انسانی ملاوٹوں سے پاک ہے۔"

(اربعین نمبر 1، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 345)

پھر آپؑ نے فرمایا۔ "ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ علوم طبعی جس قدر ترقی کریں گے اور عملی رنگ اختیار کریں گے قرآنِ کریم کی عظمت دنیا میں قائم ہو گی۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 87)

پس ہمارے دنیاوی علوم میں جو تحقیق کرنے والے ہیں ان کو بھی قرآن کریم سے مدد لینی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سارے ایسے ہیں جو لیتے ہیں۔ اپنے مضامین لکھتے بھی ہیں۔ اور قرآنِ کریم کی برتری ثابت کرنی چاہیے کہ کس طرح اس میں علوم چھپے ہوئے ہیں۔ **ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھی ہمیشہ اسی اصول پر کام کرتے رہے۔** پھر آپؑ نے فرمایا۔ "قرآن شریف بلاریب غیر محدود معارف پر مشتمل ہے اور ہر یک زمانہ کی ضرورتِ لاحقہ کا کامل طور پر متکفل ہے۔" (ازالہ اوہام حصہ اول، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 261)

فرماتے ہیں کہ "جو معارف و حقائق و کمالات حکمت و بلاغت قرآنِ شریف میں اکمل اور اتم طور پر پائے جاتے ہیں یہ عظیم الشان مرتبہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔" (توضیح مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 86)

فرمایا "قرآنِ شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ:270) پس قرآنِ شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 328)

پھر ایک تنبیہ کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ "یقیناً یاد رکھو جو گناہ سے باز نہیں آتا وہ آخر مرے گا اور ضرور مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کو اسی لئے بھیجا اور اپنی آخری کتاب قرآن مجید اس لئے نازل فرمائی کہ

دنیا اس زہر سے ہلاک نہ ہو بلکہ اس کی تاثیرات سے واقف ہو کر بچ جاوے۔" (ملفوظات جلد 7 صفحہ 185)

پس ہر احمدی کا یہ بھی کام ہے کہ جہاں وہ اپنی حالت قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے وہاں دنیا کو بھی اس تعلیم سے آگاہ کرے اور روحانی اور مادی تباہی سے انہیں بچائے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآنِ شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اَور کلمہ یا کوئی اَور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور **جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔**"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 252)

جو یہ عقیدہ رکھتا ہو وہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب کس طرح ہو سکتا ہے؟ کاش کہ یہ بات عامۃ المسلمین کو بھی سمجھ آ جائے اور وہ شر پسند علماء کے چنگل سے نکل کر زمانے کے امام کو پہچاننے والے بنیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ شناخت اصولِ حقہ کا اور ان سب عقائد کا کہ جن کے علم یقینی پر ہماری نجات موقوف ہے صرف قرآن شریف ہے۔

(ماخوذ از براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 77)

فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10) ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ یعنی جب اس کے معانی میں غلطیاں وارد ہوں گی تو اصلاح کے لئے ہمارے مامور آیا کریں گے۔ اور اپنے اس وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مامورِ زمانہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو بھیجا۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو اور دیکھو زمانے کی کیا حالت ہے۔ غیر مذاہب کے لوگ پکڑ پکڑ کر تمہیں اپنے دین سے ہٹا رہے ہیں، دجالی چالیں چل رہے ہیں لیکن تم آنے والے مسیح و مہدی کو دجال کہہ کر اس سے مسلمان دنیا کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم میرے اوپر مت خیال کرو۔ یہ نہ خیال کرو کہ میں آ گیا میں نے یہ دعویٰ کیا۔ زمانے کو دیکھو۔ صدی کی ابتدا اور بیرونی حملوں اور اندرونی اعمال کو دیکھ کر خود غور اور فکر کرو کہ آیا دجال کی ضرورت ہے اس زمانے میں یا مہدی اور مسیح کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ تعصّب بری بلا ہے۔ تعصّب والوں نے تو کسی رسول کو بھی نہیں مانا۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 7 صفحہ 230)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل دے اور یہ سمجھیں۔ قرآن کریم کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا: "**قرآن شریف میں دو امر کا التزام اول سے آخر تک پایا جاتا ہے۔** ایک عقلی وجوہ اور دوسری الہامی شہادت۔ یہ دونوں امر فرقان مجید میں دو بزرگ نہروں کی طرح جاری ہیں جو ایک دوسرے کے محاذی اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔" (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 81 حاشیہ نمبر 4)

یعنی برابر چل رہی ہیں۔ ایک دوسرے کے متوازی چل رہی ہیں اور اثر بھی دونوں ڈال رہی ہیں۔ فرمایا کہ:

"قرآنِ شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور

بااخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 329)

اور عربوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مقصد پورا ہوا اور کمال رنگ میں پورا ہوا۔ چند سال کی بات ہے کہ مجھ سے ایک یہودی نے خود یہ ذکر کیا کہ مَیں مسلمان تو نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ضرور مانتا ہوں کیونکہ اس زمانے کے جو عرب بدوؤں کی حالت تھی اور جس طرح انقلابی طور پر ان کو بدلا گیا ہے یہ ایک رسول کا ہی کام ہو سکتا ہے کوئی عام آدمی نہیں کر سکتا۔ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی تائیدات حاصل ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اسی اُمّی نے کتاب اور حکمت ہی نہیں بتلائی بلکہ تزکیہ نفس کی راہوں سے واقف کیا اور یہاں تک کہ وَ اَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ (المجادلۃ:23) "یعنی اُن کی وہ اپنے امر سے تائید کرتا ہے۔ یہاں "تک پہنچا دیا۔ دیکھو اور پُرغور نظر سے دیکھو کہ قرآنِ شریف ہر طرز کے طالب کو اپنے مطلوب تک پہنچاتا اور ہر راستی اور صداقت کے پیاسے کو سیراب کرتا ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 122)

آپؑ فرماتے ہیں: "اگرچہ ہر یک الہامِ الٰہی یقین دلانے کے لئے ہی آیا تھا لیکن قرآنِ شریف نے اس اعلیٰ درجہ یقین کی بنیاد ڈالی کہ بس حد ہی کر دی۔" (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 80 حاشیہ نمبر 4)

افراد جماعت کو قرآن کریم کی تعلیم پر مکمل عمل کروانے کے لیے آپؑ نے فرمایا۔ اپنے شرائط بیعت میں بھی یہ رکھا۔ چنانچہ چھٹی شرط بیعت، ششم جو ہے وہ یہ ہے "کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرلے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔" (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

لیکن علمائے سوء جو عقل کے اندھے ہیں ان کے نزدیک ہم پھر بھی قرآن کریم میں تحریف کرنے والے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ "ہم الٰہی کلام کی کسی آیت میں تغیر اور تبدیل اور تقدیم اور تاخیر اور فقرات تراشی کے مجاز نہیں ہیں۔" نہ ہم تبدیلی کر سکتے ہیں۔ نہ کوئی تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ نہ اس میں کمی کر سکتے ہیں۔ نہ زیادتی کر سکتے ہیں۔ کسی قسم کے فقرے بنانے کے ہم مجاز نہیں ہیں "مگر صرف اس صورت میں کہ جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو۔" ہاں اگر کہیں ثابت ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے تو پھر ٹھیک ہے ہمیں بتاؤ۔ فرمایا اور یہ ثابت ہو جائے کہ ایسا کیا ہو "اور یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بذات خود ایسی تغیر اور تبدیل کی ہے اور جب تک ایسا ثابت نہ ہو تو ہم قرآن کی توسیع اور ترتیب کو زیر و زبر نہیں کر سکتے اور نہ اس میں اپنی طرف سے بعض فقرات ملا سکتے ہیں اور اگر ایسا کریں تو عند اللہ مجرم اور قابلِ مؤاخذہ ہیں۔" (اتمام الحجۃ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 291)

آپؑ نے فرمایا جب ایسا ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ہمیں مجرم کیوں ٹھہراتے ہو؟ اور اگر ہم نے ایسا کر دیا تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہیں۔ پس جب خود **حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم میں سے ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی کی نفی کر دی** اور قرآن کریم میں ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی کی نفی کر کے یہ اعلان فرما دیا کہ اگر ہم ایسا کرنے والے ہوں تو مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے قابل مؤاخذہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مؤاخذہ

ہیں لیکن ہم پر الزام لگانے والے جو یہ لوگ ہیں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی بڑا سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو بے شک ہمیں مجرم نہ بنائے لیکن ان لوگوں نے مجرم بنا کر ہمارا مؤاخذہ ضرور کرنا ہے جو آج کل یہ شور مچاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے شر سے ہر احمدی کو بچائے اور ان کے شر ان پر الٹائے۔ ہمیں حقیقی معنوں میں قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پاکستان کے احمدیوں کے لیے اور پاکستان میں ملک کے عمومی حالات کے لیے دعا کریں۔ برکینا فاسو میں احمدیوں کے لیے اور ملک کے عمومی حالات کے لیے دعا کریں۔ بنگلہ دیش کے احمدیوں کے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو بھی محفوظ رکھے۔ وہاں پھر آج شاید مولویوں نے کچھ شور شرابہ کرنا تھا۔ دنیا کے ہر ملک میں جہاں جہاں احمدی ہیں ان کے لیے دعا کریں۔ رمضان بھی اب شروع ہو رہا ہے جیسا کہ میں نے کہا تھا اس میں جہاں خاص طور پر قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ دیں وہاں دعاؤں کی طرف بھی خاص توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بھی عطا فرمائے اور رمضان کے فیض سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 07/ اپریل 2023ء جلد 30 شمارہ 37 صفحہ 02 تا 07)

12

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 24/ مارچ 2023ء بمطابق 24/ امان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (الجمعۃ: 3-4)

ان آیات کا ترجمہ ہے کہ وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ اور وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

23/ مارچ **کا دن جماعت احمدیہ میں یوم مسیح موعود کے نام سے جانا جاتا ہے**۔ کل تیئس مارچ تھی۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق بھیجے ہوئے زمانے کے امام، مسیح موعود اور مہدی معہود کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ 23/ مارچ 1889ء کو لدھیانہ میں آپؑ نے مخلصین سے پہلی بیعت لی اور یوں مخلصین کی ایک جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ قرآنِ کریم کی سورۂ جمعہ کی جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کے آنے اور اس کے ذریعہ سے ایک جماعت کے قیام کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں مسیح موعود کی آمد کے بارے میں اَور بھی آیات ہیں۔ اس کے علاوہ حدیثوں میں بھی آنے والے مسیح موعود اور مہدی معہود کے آنے کی پیشگوئیاں ہیں۔

اس وقت میں **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں سورۂ جمعہ کی ان آیات کی وضاحت** اور جو مختلف نشانیاں آنے والے کے زمانے کی بتائی گئی تھیں اور جو مختلف پیشگوئیاں تھیں اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا دعویٰ کیا تھا وہ مختصراً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں پیش کروں گا۔ آیت کی تفسیر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علومِ حکمیہ دینیہ جن سے تکمیلِ نفس ہو اور نفوسِ انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہنچیں بالکل گم ہو گئی تھی۔“ نفس کی اصلاح کے سارے پہلو ختم ہو گئے تھے۔ ”اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔ یعنی خدا اور

اس کی صراطِ مستقیم سے بہت دور جا پڑے تھے۔ تب ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول اُمّی بھیجا اور اس رسول نے ان کے نفسوں کو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے ان کو مملو کیا یعنی نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقینِ کامل تک پہنچایا اور خدا شناسی کے نور سے ان کے دلوں کو روشن کیا اور پھر فرمایا کہ ایک گروہ اَور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہو گا وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین سے دُور ہوں گے تب خدا ان کو بھی صحابہ کے رنگ میں لائے گا یعنی جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ ان کا صدق اور یقین بھی صحابہ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ یعنی اگر ایمان ثریا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہو گا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اس کو واپس لائے گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہو گا، اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ **قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔**" جب ایمان اٹھ گیا۔ قرآن آسمان پر اٹھ گیا مطلب یہ کہ اس پہ عمل ختم ہو گیا تو یہی زمانہ مسیح موعودؑ کی آمد کا زمانہ ہے" اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے کیونکہ صلیبی حملہ جس کے توڑنے کے لئے مسیح موعود کو آنا چاہئے وہ حملہ ایمان پر ہی ہے اور یہ تمام آثار صلیبی حملہ کے زمانہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں اور لکھا ہے کہ اِس حملہ کا لوگوں کے ایمان پر بہت برا اثر ہو گا۔ وہی حملہ ہے جس کو دوسرے لفظوں میں دجّالی حملہ کہتے ہیں۔

آثار میں ہے کہ اس دجال کے حملہ کے وقت بہت سے نادان خدائے واحد لاشریک کو چھوڑ دیں گے اور بہت سے لوگوں کی ایمانی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی اور مسیح موعود کا بڑا بھاری کام تجدید ایمان ہو گا کیونکہ حملہ ایمان پر ہے اور حدیث لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ سے جو شخص فارسی الاصل کی نسبت ہے یہ ثابت ہے کہ وہ فارسی الاصل ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے آئے گا۔ پس جس حالت میں مسیح موعود اور فارسی الاصل کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور کام بھی ایک ہی ہے یعنی ایمان کو دوبارہ قائم کرنا اس لئے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ مسیح موعود ہی فارسی الاصل ہے اور اُسی کی جماعت کے حق میں یہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:04)۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ کمال ضلالت کے بعد ہدایت اور حکمت پانے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور برکات کو مشاہدہ کرنے والے صرف دو ہی گروہ ہیں اوّل صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے سخت تاریکی میں مبتلا تھے اور پھر بعد اس کے خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے زمانہ نبوی پایا اور معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پیشگوئیوں کا مشاہدہ کیا اور یقین نے ان میں ایک ایسی تبدیلی پیدا کی کہ گویا صرف ایک روح رہ گئے۔

دوسرا گروہ جو بموجب آیت موصوفہ بالا صحابہ کی مانند ہیں مسیح موعود کا گروہ ہے۔ کیونکہ یہ گروہ بھی صحابہ کی مانند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھنے والا ہے اور تاریکی اور ضلالت کے بعد ہدایت پانے والا اور آیت اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ میں جو اس گروہ کو مِنْهُمْ کی دولت سے یعنی صحابہ سے مشابہ ہونے کی نعمت سے حصہ دیا گیا ہے۔ یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

معجزات دیکھے اور پیشگوئیاں مشاہدہ کیں ایسا ہی وہ بھی مشاہدہ کریں گے اور درمیانی زمانہ کو اس نعمت سے کامل طور پر حصہ نہیں ہو گا۔ چنانچہ آج کل ایسا ہی ہوا کہ تیرہ سو برس بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا دروازہ کھل گیا اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ **خسوف کسوف رمضان میں موافق حدیث دار قطنی** اور فتاوٰی ابن حجر کے ظہور میں آ گیا یعنی چاند گرہن اور سورج گرہن رمضان میں ہوا۔ اور جیسا کہ مضمون حدیث تھا۔ اسی طرح پر چاند گرہن اپنے گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں وقوع میں آیا۔ ایسے وقت میں کہ جب مہدی ہونے کا مدعی موجود تھا اور یہ صورت جب سے کہ زمین اور آسمان پیدا ہوا کبھی وقوع میں نہیں آئی کیونکہ اب تک کوئی شخص نظیر اس کی صفحۂ تاریخ میں ثابت نہیں کر سکا۔" کوئی ثابت نہیں کر سکتا تاریخ سے کہ کبھی ایسا ہوا ہو۔ "سو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا جو لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ **پھر ذُوالسِّنِیْن ستارہ بھی** جس کا نکلنا مہدی اور مسیح موعود کے وقت میں بیان کیا گیا تھا۔ ہزاروں انسانوں نے نکلتا ہوا دیکھ لیا۔" دمدار ستارہ۔ "ایسا ہی جاوا کی آگ بھی لاکھوں انسانوں نے مشاہدہ کی۔ ایسا ہی طاعون کا پھیلنا اور حج سے روکے جانا بھی سب نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا۔ ملک میں ریل کا طیار ہونا، اونٹوں کا بے کار ہونا، یہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے جو اس زمانہ میں اسی طرح دیکھے گئے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے معجزات کو دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ جلّ شانہٗ نے اس آخری گروہ کو **مِنْھُمْ** کے لفظ سے پکارا تا یہ اشارہ کرے کہ معائنہ معجزات میں وہ بھی صحابہ کے رنگ میں ہی ہیں۔ سوچ کر دیکھو کہ تیرہ سو برس میں ایسا زمانہ منہاجِ نبوت کا اَور کس نے پایا۔ اِس زمانہ میں جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اِس جماعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں۔" آج بھی دیکھتے ہیں۔ "جیسا کہ صحابہ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دلآزاری اور بدزبانی اور قطع رحم وغیرہ کا صدمہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہ نے اٹھایا۔" آج بھی یہی حالت ہے۔ "وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے جاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے حاصل کی۔" بیشمار مثالیں ہیں اس کی۔ "بہتیرے ان میں سے ہیں کہ نماز میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روتے تھے۔ بہتیرے ان میں سے ایسے ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔ بہتیرے ان میں ایسے ہیں کہ اپنے محنت سے کمائے ہوئے مالوں کو محض خدا تعالیٰ کی مرضات کے لئے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خرچ کرتے تھے۔ ان میں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقویٰ پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جن کو خدا آپ سنبھال رہا ہے اور دن بدن ان کے دلوں کو پاک کر رہا ہے اور ان کے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے اور آسمانی نشانوں سے ان کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کو کھینچتا تھا۔ غرض اس جماعت میں وہ ساری علامتیں پائی جاتی ہیں جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے لفظ سے مفہوم ہو رہی ہیں۔ اور ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کا فرمودہ ایک

دن پورا ہوتا!!!" فرمایا: "اور آیت اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ یہ جماعت مسیح موعود کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے مشابہ ہے ایسا ہی جو شخص اس جماعت کا امام ہے وہ بھی ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی موعود کی صفت فرمائی کہ وہ آپ سے مشابہ ہو گا اور دو مشابہت اس کے وجود میں ہوں گی۔ ایک **مشابہت حضرت مسیح علیہ السلام سے جس کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے گا اور دوسری مشابہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی وجہ سے وہ مہدی کہلائے گا۔** اِسی راز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لکھا ہے کہ ایک حصہ اس کے بدن کا اسرائیلی وضع اور رنگ پر ہو گا اور دوسرا حصہ عربی وضع اور رنگ پر۔ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے وقت میں آئے تھے جبکہ ملتِ موسوی یونانی حکماء کے حملوں سے خطرناک حالت میں تھی۔ اور تعلیم توریت اور اس کی پیشگوئیوں اور معجزات پر سخت حملہ کیا جاتا تھا اور یونانی خیالات کے موافق خدا تعالیٰ کے وجود کو بھی ایک ایسا وجود سمجھا گیا تھا کہ جو صرف مخلوق میں مخلوط ہے اور مدبر بالارادہ نہیں۔" یعنی عام مخلوق کی طرح ہی ہے اور تمام قدرتوں کا مالک نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ جو چاہے کر سکے۔ "اور سلسلہ نبوت سے ٹھٹھا کیا جاتا تھا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ کے مبعوث کرنے سے جو حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد آئے خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ موسوی نبوت کی صحت اور اس سلسلہ کی حقانیت پر تازہ شہادت قائم کرے اور نئی تائیدات اور آسمانی گواہوں سے موسوی عمارت کی دوبارہ مرمت کر دیوے۔ اسی طرح جو اس امت کے لئے مسیح موعود بھی چودھویں صدی کے سر پر بھیجا گیا اس کی بعثت سے بھی یہی مطلب تھا کہ جو یورپ کے فلسفہ اور یورپ کی دجالیت نے اسلام پر طرح طرح کے حملے کئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور پیشگوئیوں اور معجزات سے انکار اور تعلیم قرآنی پر اعتراض اور برکات اور انوارِ اسلام کو سخت استہزا کی نظر سے دیکھا ہے ان تمام حملوں کو نیست و نابود کرے اور نبوتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا اَلفُ الفِ سلام" ہزار ہزار سلام ہوں "کو تازہ تصدیق اور تائید سے حق کے طالبوں پر چمکاوے اور یہی سرّ ہے جو براہین احمدیہ..... میں آج سے سترہ برس پہلے ایک الہام اسی بارے میں ہوا۔ وہ الہام خدا تعالیٰ کا لاکھوں انسانوں میں شائع ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے:

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر مَنار بلند تر محکم افتاد۔"

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 304 تا 308)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا وضاحت کے ساتھ خود جو ترجمہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اب ظہور کر اور نکل کہ تیرا وقت نزدیک آ گیا اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ محمدی گڑھے میں سے نکال لئے جاویں گے۔" محمدی گڑھے میں سے نکالے جاویں گے یعنی مسلمان "اور ایک بلند اور مضبوط مینار پر ان کا قدم پڑے گا۔"

(ترجمہ الہام از نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 511)

پھر فرمایا کہ "پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ ربّ الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں..... اور خوب غور کرو کہ میرے نشانوں سے کیا مدعا ٹھہرایا گیا" یہ اللہ تعالیٰ آپؑ کو

الہاماً فرمارہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ اسی مطلب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے تا تکذیب کی حالت میں نئے نشانوں کے ساتھ توریت کی تصدیق کریں۔ اور اسی مطلب کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا نئے نشانوں کے ساتھ قرآنِ شریف کی سچائی غافل لوگوں پر ظاہر کی جائے۔ اِسی کی طرف الہامِ الٰہی میں اشارہ ہے کہ پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔ اور یہی اشارہ اِس دوسرے الہام براہین احمدیہ میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآ ؤُ هُمْ۔ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ “یعنی خدائے رحمان نے تجھے قرآن سکھلایا تا کہ تُو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے۔ مجرموں کی راہ کھل جائے کا مطلب مجرموں پر خدا کی حجت پوری ہو جائے۔ فرمایا کہہ میں خدا کی طرف سے مامور ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

فرماتے ہیں ”اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسیٰ نبی اللہ ہو کر توریت کی تصدیق کے لئے آئے۔ پس ان کے مقابل پر تمہاری گواہی کیا قدر رکھتی ہے۔“ وہ تو نبی اللہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کے بھیجا تھا توریت کی تصدیق کے لئے آئے تھے تم کس طرح، کس حیثیت سے قرآن کی گواہی کے لئے آئے ہو۔ فرمایا ”اس جگہ بھی تصدیق جدید کے لئے کوئی نبی ہی چاہئے تھا۔“ لوگ کہتے ہیں یہ کہ گواہی کیا تقاضا رکھتی ہے اس جگہ بھی تصدیقِ جدید کے لیے کوئی نبی ہی چاہیے تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ ”سو اِس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں اس نبوت کا دروازہ تو بند ہے جو اپنا سکہ جماتی ہو۔“ یعنی آزاد اور شریعت کے ساتھ آنے والی نبوت۔

آپؑ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:41) اور حدیث میں ہے لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ اور باایں ہمہ حضرت مسیحؑ کی وفات نصوص قطعیہ سے ثابت ہو چکی لہٰذا دنیا میں ان کے دوبارہ آنے کی امید طمع خام۔“ قرآن بھی کہتا ہے، حدیث بھی کہتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ مسیح کی وفات ہو گئی ہے اس لیے یہ تو بالکل غلط امید ہے کہ کوئی مسیح دوبارہ آئے گا۔ فرماتے ہیں ”اور اگر کوئی اَور نبی نیا یا پرانا آوے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء رہیں۔“ یعنی آپ کی ختم نبوت سے باہر نکل کر آئے۔ ”ہاں وحیٔ ولایت اور مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے جس حالت میں مطلب صرف یہ ہے کہ نئے نشانوں کے ساتھ دینِ حق کی تصدیق کی جائے اور سچے دین کی شہادت دی جائے تو جو نشان خدا تعالیٰ کے نشان ہیں خواہ وہ نبی کے ذریعہ سے ظاہر ہوں اور خواہ ولی کے ذریعہ سے وہ سب ایک درجہ کے ہیں کیونکہ بھیجنے والا ایک ہی ہے۔

ایسا خیال کرنا سراسر جہالت اور حُمق ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نبی کے ہاتھ سے اور نبی کے ذریعہ سے کوئی تائید سماوی کرے تو وہ قوت اور شوکت میں زیادہ ہے۔ اور اگر ولی کی معرفت وہ تائید ہو تو وہ قوت اور شوکت میں کم ہے بلکہ بعض نشان تو تائید اسلام کے ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ اس وقت نہ کوئی نبی ہوتا ہے اور نہ ولی جیسا کہ اصحاب الفیل کے ہلاک کرنے کا نشان ظاہر ہوا۔“ فرمایا ”یہ تو مسلّم ہے۔“ یہ اس بات کا جواب ہے کہ تم کہتے ہو نبی نہیں ہے تو اس لیے ہو نہیں سکتا۔ نبی نہ بھی ہو تو ولی کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اتنا تسلیم کرو اور ولی بھی نہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نشان دکھاتا ہے جس طرح اصحاب فیل کو نشان دکھایا۔ فرمایا ”یہ تو مسلّم ہے کہ ولی کی کرامت نبی متبوع کا معجزہ ہے۔“

جس نبی کی وہ اتباع کر رہا ہے اسی کا معجزہ ہے" پھر جبکہ کرامت بھی معجزہ ہوئی تو معجزات میں تفریق کرنا ایمانداروں کا کام نہیں۔ ماسوا اس کے حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ مُحَدَّث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔" اس کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں میں شامل ہے۔ "بخاری میں وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ کی قراءت غور سے پڑھو۔ اور نیز ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ۔" فرماتے ہیں کہ "صوفیا نے اپنے مکاشفات سے بھی اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تصحیح کی ہے۔" یعنی آپ سے اس کی تصدیق حاصل کی ہے۔ "یہ بھی یاد رہے کہ مُسْلِم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے۔" کہتے ہو وہ نبی نہیں تو یہ بھی یاد رکھو۔ ایک تو پہلے کہ ولی کی دلیل دی۔ دوسری یہ کہ مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ حدیث میں آیا ہے۔ "یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے۔ اِسی وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں..... یہ الہام ہے۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰي۔ اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے" یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ "اور پھر دیکھو..... براہین احمدیہ میں یہ الہام: **جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَآءِ** ۔ جس کا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔" تم کہتے ہو نبی نہیں۔ یہ تو حدیث میں بھی آ رہا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ میں نبی ہوں۔ "اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا اور نبی بھی۔ پس جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوخی ہے اور خدا کے نشانوں کی شہادتیں کسی طرح کمزور نہیں ہو سکتیں۔ خواہ نبی کے ذریعہ سے ہوں یا محدث کے ذریعہ سے۔ اصل تو یہ ہے کہ خود ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کا فیض ایک مظہر پیدا کر کے اپنی گواہی آپ دلاتا ہے اور ولی کو مفت کا نام حاصل ہوتا ہے۔" اصل تو جو نشانات ظاہر ہو رہے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے ظاہر ہو رہے ہیں۔ ولی کا نام یا جس کا بھی نام بیچ میں آیا جس کے ذریعہ سے ہو رہے ہیں اس کا نام مفت میں آ رہا ہے۔ فرمایا "سو درحقیقت ولی جو مُصَدَّق ہے وہ آپ سے زینت پاتا ہے آپ اس سے زینت نہیں پاتے۔"
(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 308 تا 310)

اپنے دعویٰ کے متعلق آپؑ بیان فرماتے ہیں کہ:

"جب خدا تعالیٰ نے زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور زمین کو طرح طرح کے فسق اور معصیت اور گمراہی سے بھرا ہوا پا کر مجھے تبلیغِ حق اور اصلاح کے لیے مامور فرمایا اور یہ زمانہ بھی ایسا تھا کہ..... اس دنیا کے لوگ تیرھویں صدی ہجری کو ختم کر کے چودھویں صدی کے سر پر پہنچ گئے تھے تب مَیں نے اس حکم کی پابندی سے عام لوگوں میں بذریعہ تحریری اشتہارات اور تقریروں کے یہ ندا کرنی شروع کی کہ اس صدی کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کے لئے آنے والا تھا وہ مَیں ہی ہوں تا وہ ایمان جو زمین پر سے اٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کروں اور خدا سے قوت پا کر اسی کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو اصلاح اور تقویٰ اور راستبازی کی طرف کھینچوں۔ اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیوں کو دور کروں اور پھر جب اس پر چند سال گزرے تو بذریعہ وحیٔ الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اس امت کے لئے ابتدا سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے

پھیلنے کے زمانہ میں براہِ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ مَیں ہی ہوں اور مکالماتِ الٰہیہ اور مخاطباتِ رحمانیہ اس صفائی اور تواتر سے اس بارے میں ہوئے کہ شک و شبہ کی جگہ نہ رہی۔ ہر ایک وحی جو ہوتی تھی ایک فولادی میخ کی طرح دل میں دھنستی تھی۔ اور یہ تمام مکالماتِ الٰہیہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے تھے کہ روزِ روشن کی طرح وہ پوری ہوتی تھیں۔"

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 3-4)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "ایسے وقت میں اور ایسے زمانہ میں جبکہ خدا شناسی کی روشنی کم ہوتے ہوتے آخر ہزارہا نفسانی ظلمتوں کے پردہ میں چھپ جاتی ہے بلکہ اکثر لوگ دہریہ کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور زمین گناہ اور غفلت اور بے باکی سے بھر جاتی ہے خدا تعالیٰ کی غیرت اور جلال اور عزت تقاضا فرماتی ہے کہ دوبارہ اپنے تئیں لوگوں پر ظاہر فرماوے سو جیسا کہ اس کی قدیم سے سنت ہے ہمارے اس زمانہ میں جو ایسے ہی حالات اور علامات اپنے اندر جمع رکھتا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے چودھویں صدی کے سر پر اس تجدیدِ ایمان اور معرفت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور اس کی تائید اور فضل سے میرے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے ارادہ اور مصلحت کے موافق دعائیں قبول ہوتی ہیں اور غیب کی باتیں بتلائی جاتی ہیں اور حقائق اور معارفِ قرآنی بیان فرمائے جاتے اور شریعت کے مُغْضِلَات و مشکلات حل کئے جاتے ہیں اور مجھے اس خدائے کریم وعزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک وہ اپنا تمام کام پورا نہ کر لے جس کا اس نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس نے مجھے چودھویں صدی کے سر پر تکمیل نور کے لئے مامور فرمایا اور اس نے میری تصدیق کے لئے رمضان میں خسوف کسوف کیا اور زمین پر بہت سے کھلے کھلے نشان دکھلائے جو حق کے طالب کے لئے کافی تھے اور اس طرح اس نے اپنی حجت پوری کر دی۔"

(اربعین نمبر 2، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 347-348)

پھر آپؑ فرماتے ہیں غیروں کی طرف سے جو اعتراض ہوتا ہے کہ یہ سوال کرنا ان کا حق ہے کہ ہم کیونکر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا قبول کر لیں۔ آپؑ کا یہ دعویٰ ہے کس طرح قبول کر لیں۔ پھر اس پر دلیل کیا ہے کہ وہ مسیح موعود تم ہی ہو؟ ٹھیک ہے زمانہ پہچان ہے، حالات بھی ایسے ہیں سب کچھ ہے اور نشانیاں بھی ظاہر ہیں لیکن یہ کس طرح پتہ لگے گا کہ مسیح موعود تم ہی ہو؟ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ جس زمانے اور جس ملک اور جس قصبے میں مسیح موعودؑ کا ظاہر ہونا قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور جن افعالِ خاصّہ کو مسیح کے وجود کی علت غائی ٹھہرایا گیا ہے اور جن حَوادِثِ ارضی اور سماوی کو مسیح موعودؑ کے ظاہر ہونے کی علامات بیان فرمایا گیا ہے اور جن علوم اور معارف کو مسیح موعودؑ کا خاصہ ٹھہرایا گیا ہے وہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے مجھ میں اور میرے زمانے میں

اور میرے ملک میں جمع کر دی ہیں۔ حادثات بھی ہو رہے ہیں، بیماریاں بھی آ رہی ہیں، زلازل بھی آ رہے ہیں، آسمانی نشانیاں بھی پوری ہو رہی ہیں، میرا دعویٰ بھی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے نشان بھی دکھا رہا ہے تو پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ میں نہیں ہوں۔ یہی تو دلیل ہے۔ وہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے مجھ میں اور میرے زمانے میں اور میرے ملک میں جمع کر دی ہیں اور پھر زیادہ تر اطمینان کے لیے آسمانی تائیدات میرے شامل حال کی ہیں۔

(ماخوذ از کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 254-255 بقیہ حاشیہ)

اور آسمانی تائیدات میں آپؑ نے بتایا کہ دمدار ستارے، سورج چاند گرہن، طاعون کا پھیلنا، زلزلے آنا بہت ساری چیزیں ہیں۔ **سلسلہ کی ترقیات کی قبل از وقت اطلاع اور نشانات اور تائیدات** کو بیان کرتے ہوئے آپؑ نے بہت ساری باتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپؑ نے بڑی کتب لکھی ہیں اس بارے میں جیسا کہ پہلے بھی میں نے کہا تھا۔ ایک دو باتیں پیش کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ آج سے تئیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ الہام موجود ہے کہ لوگ کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ کو مٹا دیں۔'' آج تک کوشش کر رہے ہیں، ایک سو تیس، بتیس سال گزر گئے۔ ''اور ہر ایک مکر کام میں لائیں گے مگر میں اس سلسلہ کو بڑھاؤں گا'' اللہ تعالیٰ کہتا ہے ''اور کامل کروں گا اور وہ ایک فوج ہو جائے گی اور قیامت تک ان کا غلبہ رہے گا اور میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک شہرت دوں گا اور جوق در جوق لوگ دور سے آئیں گے اور ہر ایک طرف سے مالی مدد آئے گی۔ مکانوں کو وسیع کرو کہ یہ طیاری آسمان پر ہو رہی ہے۔ اب دیکھو کس زمانہ کی یہ پیشگوئی ہے جو آج پوری ہوئی۔ یہ خدا کے نشان ہیں جو آنکھوں والے ان کو دیکھ رہے ہیں مگر جو اندھے ہیں ان کے نزدیک ابھی تک کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔''

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 384-385)

جیسا کہ میں نے کہا ان کی بہت تفصیل ہے۔ چند نشانات اَور یہاں بیان کر دیتا ہوں۔ علمی نشانات اور تائیدات کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ ایک ہندو صاحب قادیان میں میرے پاس آئے جن کا نام یاد نہیں'' پھر لکھا ہے کہ ''(یاد آیا اس کا نام سوامی شُوگن چندر تھا۔ منہ) رہا۔ اور کہا کہ میں ایک مذہبی جلسہ (اس جلسہ کا نام دھرم مَہُوتسَو جلسہ اعظم مذاہب مشہور کیا گیا تھا۔ منہ) کرنا چاہتا ہوں۔'' ایک مذہبی جلسہ کرنا چاہتا ہوں۔ ''آپ بھی اپنے مذہب کی خوبیوں کے متعلق کچھ مضمون لکھیں تا اس جلسہ میں پڑھا جائے۔ میں نے عذر کیا پر اس نے بہت اصرار سے کہا کہ آپ ضرور لکھیں۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنی ذاتی طاقت سے کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ مجھ میں کوئی طاقت نہیں۔ میں بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتا اور بغیر اس کے دکھانے کے کچھ دیکھ نہیں سکتا اس لئے **مَیں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ وہ مجھے ایسے مضمون کا القا کرے جو اس مجمع کی تمام تقریروں پر غالب رہے۔**

میں نے دعا کے بعد دیکھا کہ ایک قوت میرے اندر پھونک دی گئی ہے۔ میں نے اس آسمانی قوت کی ایک حرکت اپنے اندر محسوس کی اور میرے دوست جو اس وقت حاضر تھے جانتے ہیں کہ میں نے اس مضمون کا کوئی

مسودہ نہیں لکھا جو کچھ لکھا صرف قلم برداشتہ لکھا تھا اور ایسی تیزی اور جلدی سے میں لکھتا جاتا تھا کہ نقل کرنے والے کے لئے مشکل ہو گیا کہ اس قدر جلدی سے اس کی نقل لکھے۔ جب میں مضمون ختم کر چکا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے **یہ الہام ہوا کہ مضمون بالا رہا۔**

خلاصہ کلام یہ کہ جب وہ مضمون اس مجمع میں پڑھا گیا تو اس کے پڑھنے کے وقت سامعین کے لئے ایک عالم وجد تھا" ایک وجد کی کیفیت طاری تھی "اور ہر ایک طرف سے تحسین کی آواز تھی یہاں تک کہ ایک ہندو صاحب جو صدر نشین اس مجمع کے تھے۔" جن کی صدارت میں یہ جلسہ ہو رہا تھا۔ "ان کے منہ سے بھی بے اختیار نکل گیا کہ یہ مضمون تمام مضامین سے بالا رہا۔ اور سول اینڈ ملٹری گزٹ جو لاہور سے انگریزی میں ایک اخبار نکلتا ہے اس نے بھی شہادت کے طور پر شائع کیا کہ یہ مضمون بالا رہا۔ اور شائد بیس کے قریب ایسے اردو اخبار بھی ہوں گے جنہوں نے یہی شہادت دی اور اس مجمع میں بجز بعض متعصب لوگوں کے تمام زبانوں پر یہی تھا کہ یہی مضمون فتح یاب ہوا اور آج تک صدہا آدمی ایسے موجود ہیں جو یہی گواہی دے رہے ہیں۔" بلکہ آج بھی اس زمانے میں بھی اس کو پڑھ کر لوگ احمدیت قبول کر رہے ہیں۔ جو اسلامی اصول کی فلاسفی تھی۔ "غرض ہر ایک فرقہ کی شہادت اور نیز انگریزی اخباروں کی شہادت سے میری پیشگوئی پوری ہو گئی کہ مضمون بالا رہا۔ یہ مقابلہ اس مقابلہ کی مانند تھا جو موسیٰ نبی کو ساحروں کے ساتھ کرنا پڑا تھا کیونکہ اس مجمع میں مختلف خیالات کے آدمیوں نے اپنے اپنے مذہب کے متعلق تقریریں سنائی تھیں جن میں سے بعض عیسائی تھے اور بعض سناتن دھرم کے ہندو اور بعض آریہ سماج کے ہندو اور بعض برہمو اور بعض سکھ اور بعض ہمارے مخالف مسلمان تھے اور سب نے اپنی اپنی لاٹھیوں کے خیالی سانپ بنائے تھے لیکن جبکہ خدا نے میرے ہاتھ سے اسلامی راستی کا عصا ایک پاک اور پُر معارف تقریر کے پیرایہ میں ان کے مقابل پر چھوڑا تو وہ اژدہا بن کر سب کو نگل گیا اور آج تک قوم میں میری اس تقریر کا تعریف کے ساتھ چرچا ہے جو میرے منہ سے نکلی تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 291-292 مع حاشیہ)

"پھر ایک اور پیشگوئی" کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ "نشانِ الٰہی ہے جس کا ذکر براہین احمدیہ..... میں ہے اور وہ یہ ہے کہ **يَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ**۔ اے احمد فصاحت بلاغت کے چشمے تیرے لبوں پر جاری کئے گئے۔ سو اس کی تصدیق کئی سال سے ہو رہی ہے۔ کئی کتابیں عربی بلیغ فصیح میں تالیف کر کے ہزارہا روپیہ کے انعام کے ساتھ علماء اسلام اور عیسائیوں کے سامنے پیش کی گئیں مگر کسی نے سر نہ اٹھایا اور کوئی مقابل پر نہ آیا۔ کیا یہ خدا کا نشان ہے یا انسان کا ہذیان ہے۔"

(ضمیمہ رسالہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 290-291)

باتیں تو لوگ کرتے ہیں آج بھی کرتے ہیں لیکن اس وقت تو کوئی مقابلے پہ نہیں آیا۔ پھر دعا کی قبولیت کے نشان کے طور پر قبولیت دعا کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ بیشمار واقعات ہیں۔ میں یہ ایک پیش کرتا ہوں۔ فرمایا کہ "نشان جو ان دنوں میں ظاہر ہوا وہ ایک دعا کا قبول ہونا ہے جو درحقیقت احیائے موتیٰ میں داخل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبدالکریم نام ولد عبدالرحمٰن ساکن حیدرآباد دکھن ہمارے مدرسہ میں ایک لڑکا طالب العلم

ہے۔ قضاء قدر سے اس کو سگِ دیوانہ کاٹ گیا۔" پاگل کتے نے اس کو کاٹ لیا۔ "ہم نے اس کو معالجہ کے لئے کَسولی بھیج دیا۔ چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا پھر وہ قادیان میں واپس آیا۔ تھوڑے دن گذرنے کے بعد اس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے۔" دوبارہ ظاہر ہو گئے "جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہو گئی۔ تب اس غریب الوطن عاجز کے لئے میرا دل سخت بیقرار ہوا۔ "غریب الوطن ہے۔ بیچارا غریب آدمی وطن سے دُور ہے تو میرا دل بڑا سخت بے چین ہوا" اور دعا کے لئے ایک خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا۔ ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کے لئے دعا کرنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک برے رنگ میں اس کی موت شماتتِ اعداء کا موجب ہو گی۔" دشمن جو ہے وہ، مخالفین جو ہیں وہ شور مچائیں گے کہ قبولیت دعا کے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ "تب میرا دل اس کے لئے سخت درد اور بیقراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے۔" ایسی حالت دعا کی کیفیت "تو خدا تعالیٰ کے اذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جائے۔" اتنا اثر ہوتا ہے اس کا۔

"غرض اس کے لئے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آگئی اور جب وہ توجہ انتہا تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پورا تسلط میرے دل پر کر لیا۔" **دعا کی ایسی کیفیت ہو گئی، دل درد سے بھر گیا** "تب اس بیمار پر جو درحقیقت مردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یکدفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی اور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی یہاں تک کہ چند روز تک بکلّی صحت یاب ہو گیا۔" فرماتے ہیں کہ "میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہو گئی تھی یہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اس کو ہلاک کرے بلکہ اس لئے تھی کہ تا خدا کا نشان ظاہر ہو۔ اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے اور اس سے زیادہ اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو ماہر اس فن کے کَسولی میں گورنمنٹ کی طرف سے سگ گزیدہ کے علاج کے لئے ڈاکٹر مقرر ہیں انہوں نے ہمارے تار کے جواب میں صاف لکھ دیا ہے کہ اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 480 تا 481)

پھر ڈوئی کے نشان کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: "وہ ڈاکٹر ڈوئی جو امریکہ اور یورپ کی نگاہوں میں بادشاہوں کی طرح اپنی شوکت اور شان رکھتا تھا اس کو خدا نے میرے مباہلہ اور میری دعا سے ہلاک کیا اور ایک

دنیا کو میری طرف جھکا دیا۔ اور یہ واقعہ دنیا کے تمام نامی اخباروں میں شہرت پا کر ایک عالمگیر شہرت کے رنگ میں زبان زدِ عوام و خواص ہو گیا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 553)

پھر ایک اَور نشان کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ "**مولوی غلام دستگیر قصوری** نے اپنے طور پر مجھ سے مباہلہ کیا اور اپنی کتاب میں دعا کی کہ جو کاذب ہے خدا اس کو ہلاک کرے۔" یکطرفہ مباہلہ تھا۔ "پھر اس دعا سے چند دن بعد آپ ہی ہلاک ہو گیا" وہ مولوی۔ "یہ کس قدر مخالف مولویوں کے لئے نشان تھا اگر وہ سمجھتے۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 239)

پھر ایک اَور نشان کے بارے میں آپؑ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تائید کس طرح آپؑ کے ساتھ ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ہر ایک منصف مولوی غلام دستگیر قصوری کی کتاب کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے طور پر میرے ساتھ مباہلہ کیا اور اپنی کتاب فیضِ رحمانی میں اس کو شائع کر دیا۔" اسی مولوی کا ذکر ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔ "اور اپنی کتاب فیض رحمانی میں اس کو شائع کر دیا۔ اور پھر اس مباہلہ سے صرف چند روز بعد فوت ہو گیا اور **کس طرح چراغدین جموں والے نے اپنے طور سے مباہلہ کیا اور لکھا کہ** ہم دونوں میں سے جھوٹے کو خدا ہلاک کرے گا اور پھر اس سے صرف چند روز بعد طاعون سے مع اپنے دونوں لڑکوں کے ہلاک ہو گیا۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 71 حاشیہ)

ایک دوسرا مولوی تھا جونی۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"میرے پر جو میری قوم طرح طرح کے اعتراض پیش کرتی ہے مجھے ان کے اعتراضوں کی کچھ بھی پروا نہیں اور سخت بے ایمانی ہو گی اگر مَیں ان سے ڈر کر سچائی کی راہ کو چھوڑ دوں اور خود ان کو سوچنا چاہئے کہ ایک شخص کو خدا نے اپنی طرف سے بصیرت عنایت فرمائی ہے اور آپ اس کو راہ دکھلا دی ہے اور اس کو اپنے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے اور ہزار ہا نشان اس کی تصدیق کیلئے دکھلائے ہیں کیونکر ایک مخالف کی ظنیات کو کچھ چیز سمجھ کر اس آفتابِ صداقت سے منہ پھیر سکتا ہے۔" لوگوں کی باتوں سے متاثر ہو کے سچائی کو تو نہیں چھوڑ سکتا۔ فرمایا "اور مجھے اس بات کی بھی پروا نہیں کہ اندرونی اور بیرونی مخالف میری عیب جوئی میں مشغول ہیں کیونکہ اس سے بھی میری کرامت ہی ثابت ہوتی ہے۔" اگر عیب جوئی کر رہے ہیں تو یہ بھی میری کرامت ثابت ہو رہی ہے۔ "وجہ یہ" کس طرح ثابت ہو رہی ہے "کہ اگر میں ہر قسم کا عیب اپنے اندر رکھتا ہوں۔" جو کہتے ہیں فلاں فلاں عیب ہے۔ اگر ہر قسم کا عیب میں اپنے اندر رکھتا ہوں "اور بقول ان کے میں عہد شکن اور کذّاب اور دجّال اور مفتری اور خائن ہوں اور حرام خور ہوں اور قوم میں پھوٹ ڈالنے والا اور فتنہ انگیز ہوں اور فاسق اور فاجر ہوں اور خدا پر قریباً تیس برس سے افترا کرنے والا ہوں اور نیکوں اور راستبازوں کو گالیاں دینے والا ہوں اور میری روح میں بجز شرارت اور بدی اور بدکاری اور نفس پرستی کے اور کچھ نہیں اور محض دنیا کے ٹھگنے کے لئے میں نے یہ ایک دوکان بنائی ہے اور نعوذ باللہ بقول ان کے میرا خدا پر بھی ایمان نہیں اور دنیا کا کوئی عیب نہیں جو مجھ میں نہیں مگر باوجود اِن باتوں کے جو تمام دنیا کے عیب مجھ میں موجود ہیں اور ہر ایک قسم کا ظلم میرے نفس میں بھرا ہوا ہے اور

بہتوں کے میں نے بیجا طور پر مال کھالئے اور بہتوں کو میں نے" یہ لوگ کہتے ہیں ناں مال کھالئے "بہتوں کو میں نے (جو فرشتوں کی طرح پاک تھے) گالیاں دی ہیں" پاک لوگوں کو میں نے گالیاں دی ہیں "اور ہر ایک بدی اور ٹھگ بازی میں سب سے زیادہ حصہ لیا تو پھر اس میں کیا بھید ہے کہ بد اور بدکار اور خائن اور کذاب تو میں تھا مگر میرے مقابل پر ہر ایک فرشتہ سیرت جب آیا تو وہی مارا گیا۔ جس نے مباہلہ کیا وہی تباہ ہوا۔ جس نے میرے پر بد دعا کی وہ بد دعا اسی پر پڑی۔ جس نے میرے پر کوئی مقدمہ عدالت میں دائر کیا اسی نے شکست کھائی۔" سب کچھ تو میں ہوں، ساری باتیں، برائیاں میرے اندر ہیں لیکن میرے مقابلے پر جو بھی آتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ختم کر دیتا ہے اور مجھے کامیابی عطا فرماتا ہے۔ عجیب قسم کے یہ الزامات میرے پہ ہیں۔ فرماتے ہیں "چنانچہ بطور نمونہ اسی کتاب میں "حقیقۃ الوحی میں یہ آپؑ بیان فرما رہے ہیں۔ "ان باتوں کا ثبوت مشاہدہ کرو گے۔" اس کتاب میں بہت سارے نمونے آپؑ نے دیے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی پڑھے تو اس کو بیشمار باتیں نظر آئیں گی، نشانات نظر آئیں گے۔ فرمایا کہ "چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے مقابلہ کے وقت مَیں ہی ہلاک ہوتا۔ میرے پر ہی بجلی پڑتی۔" اصول تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مَیں ہلاک ہوتا۔ اگر میرے میں ساری برائیاں ہیں تو میرے پر بجلی پڑتی "بلکہ کسی کے مقابل پر کھڑے ہونے کی بھی ضرورت نہ تھی۔" اگر میں ایسا تھا تو کسی کو میرے مقابلے پہ آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی "کیونکہ مجرم کا خود خدا دشمن ہے۔" ایسا جرم کرنے والا ہوں مَیں تو خدا تو میرا دشمن خود ہی ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں فساد تو نہیں چاہتا۔ فرماتے ہیں "پس **برائے خدا سوچو کہ یہ الٹا اثر کیوں ظاہر ہوا کیوں میرے مقابل پر نیک مارے گئے "جو نام نہاد نیک تھے "اور ہر ایک مقابلہ میں خدا نے مجھے بچایا۔ کیا اس سے میری کرامت ثابت نہیں ہوتی؟**" یہ الزام جو تم لگا رہے ہو یہ بھی میری کرامت ہے اور اس سے بھی میری سچائی ثابت ہوتی ہے۔ "پس یہ شکر کا مقام ہے کہ جو بدیاں میری طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ بھی میری کرامت ہی ثابت کرتی ہیں۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 2)

بہر حال یہ چند مثالیں اور باتیں مَیں نے آپ علیہ السلام کے حوالوں سے مختصر بیان کی ہیں۔ کاش کہ مخالفین آپؑ کی کتب پڑھیں۔ آپؑ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائیدات و نشانات کو دیکھیں جو صفحات پر نہیں جیسا کہ میں نے کہا کئی کتابوں پر مشتمل ہیں۔ زمانے کی ضرورت کو بھی دیکھیں بلکہ زمانے کی ضرورت کے مطابق خود یہ اعتراض کرنے والے علماء بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ زمانہ کسی مصلح اور مہدی کو چاہتا ہے لیکن پھر بھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے اس کا خود بھی انکار کر رہے ہیں اور عامۃ المسلمین کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ آسمانی نشانیاں پوری ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں، لیکن پھر بھی یہ اپنی بد قسمتی کو ہی آواز دے رہے ہیں۔ اس طرف نہیں دیکھتے۔

آج مسلمان اگر اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ جو مسیح و مہدی آنے والا تھا وہ آ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی عاشق اور غلامِ صادق بھی یہی ہے اور اس کی بیعت میں آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب ضروری ہے اور کامل وفا کے ساتھ اس کی بیعت میں شامل ہو جائیں تو مسلمان ان کو ماننے کے بعد دنیا میں اپنی برتری منوا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والے بن سکتے ہیں ورنہ یہی ان کا حال رہنا ہے جو ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور سمجھ دے۔ رمضان کے مہینے میں احمدی جہاں اپنے لیے دعا کریں اور جماعت کے ہر قسم کے فتنے سے بچنے کے لیے بھی دعا کریں وہاں مسلم امہ کے لیے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور اندھیروں سے انہیں نکالے اور انہیں اس بات کا ادراک عطا فرمائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ختم نبوت کو حقیقی طور پر جاننے والے ہوں۔ اس بات کا ادراک ان کو حاصل ہو جائے کہ مقام ختم نبوت کو حقیقی طور پر جاننے والے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہود ہی ہیں اور آپؑ کی جماعت ہی ہے۔

پاکستان کے احمدیوں کو خاص طور پر اپنے ملک کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔ پاکستانی احمدیوں کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فتنہ پردازوں اور شر پسند اور خود غرض عناصر اور لیڈروں سے ملک کو بچائے۔ اسی طرح **برکینافاسو کے احمدیوں کے لیے** دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ **بنگلہ دیش کے احمدیوں کو خاص طور پر** دعاؤں میں یاد رکھیں۔ وہاں بھی ہر جمعے کوئی نہ کوئی خطرہ رہتا ہے۔ دنیائے احمدیت کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر شر سے ہر احمدی کو محفوظ رکھے اور ہر احمدی کو ثبات قدم عطا فرمائے اور ایمان اور یقین میں بڑھائے۔ دنیا کے تباہی سے بچنے کے لیے بھی دعا کریں۔ آج کل جو حالات ہیں کہ دنیا آگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ ظاہری جنگوں کی طرف بھی بڑھ رہی ہے اس کی وجہ سے بھی تباہی آنی ہے اور اخلاقی برائیاں بھی جو انتہا کو پہنچ چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جس طرح یہ لوگ چھوڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والے نہ یہ بن جائیں اور اس کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ان پر نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ احمدیوں کو ہر شر سے بچائے۔ احمدیوں کو اپنا فرض اور حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی آفات سے بچاتے ہوئے اپنی حفاظت اور پناہ میں لے لے۔

ایک یہ بھی اعلان کر دوں کہ کل **تیئیس مارچ سے الفضل انٹرنیشنل جو ہفتہ وار بلکہ ہفتہ میں دو دفعہ شروع ہو گیا تھا اب وہ روزنامہ الفضل کی صورت اختیار کر گیا** ہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ اردو جاننے والوں، پڑھنے والوں کو اس کو پڑھنا بھی چاہیے، خریدنا بھی چاہیے، سبسکرائب کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فیض اٹھانے کی سب کو توفیق دے اور الفضل میں لکھنے والوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اعلیٰ مضامین لکھنے والے ہوں۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 14 / اپریل 2023ء جلد 30 شمارہ 43 صفحہ 02 تا 07)

13

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 31 / مارچ 2023ء بمطابق 31 / امان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آجکل ہم رمضان کے مہینے سے گذر رہے ہیں۔ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ایک روحانی ماحول بن جاتا ہے اور مومنوں کی جماعت میں یہ ماحول بننا چاہیے۔ اس مہینے میں روزوں کے ساتھ عبادتوں کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ قرآن کریم پڑھنے، سننے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہوتی ہے اور اگر روزوں کا حقیقی فیض اٹھانا ہے تو عبادتوں کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سننے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہونی چاہیے اور رمضان کو تو قرآن کریم کے ساتھ خاص نسبت ہے یا قرآن کریم کو رمضان کے ساتھ نسبت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ۔ (البقرۃ:186) رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے۔ وہ قرآن جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے جو کھلے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے جو ہدایت پیدا کرتے ہیں اور الٰہی نشانات بھی۔ بعض معتبر روایات یہ بھی کہتی ہیں کہ چوبیسویں رمضان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی ہوئی۔

(سنن الکبریٰ للبیھقی کتاب الجزیہ جلد 9 صفحہ 317 حدیث 18649 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2003ء)
(الاتقان فی علوم القرآن (مترجم) جلد اول صفحہ 122 مکتبۃ العلم لاہور)

اسی طرح ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم کا دَور رمضان میں مکمل کیا کرتے تھے اور آخری سال میں دو مرتبہ یہ دَور مکمل ہوا۔

(صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبیﷺ حدیث 4998)

تو بہرحال قرآن کریم کی رمضان کے حوالے سے ایک خاص اہمیت ہے۔ پس ہمیں بھی اس مہینے میں خاص طور پر قرآن کریم کے پڑھنے سننے، اس کی تفسیر پڑھنے سننے کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ ایم ٹی اے پر بھی اس کے پروگرام آتے ہیں، درس بھی آتا ہے اس کی طرف بھی توجہ دیں۔ جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پڑھیں گے اور سنیں گے تب ہی ہم ان احکامات کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں جو اس میں بیان ہوئے ہیں انہیں اپنی زندگیوں کا حصہ بنا سکتے ہیں، اپنی زندگی کو قرآنی تعلیم کے مطابق ڈھال سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والے بن سکتے ہیں۔ پس **اگر ہم نے رمضان کا حقیقی فیض پانا ہے تو ہمیں قرآنِ کریم کی تلاوت**

اوراس پر غور کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیے۔ مساجد میں جہاں درسوں کا انتظام ہے وہاں درس بھی سننا چاہیے۔ قرآنِ کریم کی اہمیت، اس کے محاسن، اس کے روشن دلائل کے بارے میں اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوب کھول کر ہمیں بتایا ہے۔ کچھ عرصے سے خطبات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے سے مَیں مختلف اقتباسات میں یہ بیان کر رہا ہوں۔ پس انہیں بار بار سننے اور پڑھنے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے تا کہ صحیح طور پر اس کا فہم و ادراک ہم اپنے اندر پیدا کر سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے حوالے سے آج بھی میں کچھ اقتباسات پیش کروں گا۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن شریف مستقل اور ابدی شریعت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"**خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور احکام دو قسم کے ہوتے ہیں** بعض مستقل اور دائمی ہوتے ہیں، بعض آنی اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے صادر ہوتے ہیں اگرچہ اپنی جگہ ان میں بھی ایک استقلال ہوتا ہے۔" چاہے وقتی ضرورت کے لیے ہوں لیکن ہیں یہ مستقل۔ "مگر وہ آنی ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سفر کے لئے نماز یا روزہ کے متعلق اَور احکام ہوتے ہیں اور حالت قیام میں اَور۔" یعنی سفر میں مثلاً نماز ہے تو نمازوں کے جمع کرنے کے بارے میں یا قصر کرنے کے بارے میں اجازت ہے اور عام حالات میں نمازیں پوری پڑھنی چاہئیں۔ اسی طرح روزے ہیں سفروں میں نہیں رکھنے۔ عام حالات میں قیام میں روزے رکھنے ہر صحت مند کے لیے فرض ہیں۔ پھر فرمایا کہ مثلاً دوسرا ایک حکم یہ ہے کہ "باہر جب عورت نکلتی ہے تو وہ برقع لے کر نکلتی ہے۔" یہ ایک ایسا حکم ہے جو عورت کے لیے ایک خاص حالات میں ہے۔ "گھر میں ایسی ضرورت نہیں ہوتی کہ برقع لے کر پھرتی رہے....." پردے کا حکم ہے تو گھر سے باہر پردے کا حکم ہے۔ پھر یہ بھی کہ کن کن سے پردہ کرنا ہے اور کن سے نہیں کرنا۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں۔ "توریت اور انجیل کے احکام آنی" موازنہ کرتے ہوئے کہ وہ تو وقتی ہیں "اور وقتی ضرورتوں کے موافق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت اور کتاب لے کر آئے تھے وہ کتاب مستقل اور ابدی شریعت ہے اس لئے اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کامل اور مکمل ہے۔ قرآن شریف قانونِ مستقل ہے اور توریت انجیل اگر قرآن شریف نہ بھی آتا تب بھی منسوخ ہو جاتیں کیونکہ وہ مستقل اور ابدی قانون نہ تھے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 42)

پس قرآن کریم کی یہ اہمیت کہ قرآن کریم کی ہدایات ہر طرح کے حالات کے مطابق ہیں، بڑی مکمل تعلیم ہے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ اعتراض کرنے والے مثلاً پردے کی جو مثال دی ہے اس پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اس زمانے کے لحاظ سے پردہ ضروری نہیں ہے اور بعض دفعہ ہماری لڑکیاں بھی متاثر ہو جاتی ہیں لیکن خود ہی اس بات کو بھی یہ لوگ تسلیم کر رہے ہیں اور اس پہ بڑے بڑے مضامین لکھے جاتے ہیں کہ عورتوں کی تنظیموں نے بھی اب شور مچانا شروع کر دیا ہے، اخباروں میں بھی بعض دفعہ آنے لگ جاتا ہے کہ عورت مرد کا آپس میں جو اختلاط ہے یہ بسا اوقات بڑی قباحتیں پیدا کر رہا ہے اور اس کے لیے اب بعض لوگ سوچنے بھی لگ گئے ہیں کہ علیحدہ علیحدہ نظام ہونا چاہیے۔ پھر اپنے آنے کی غرض بیان فرماتے ہوئے اور قرآنِ کریم کی مستقل شریعت ہونے

کے بارے میں آپؑ مزید فرماتے ہیں کہ:

''اس بات کو بھی دل سے سنو کہ میرے مبعوث ہونے کی علّتِ غائی'' میرا مقصد ''کیا ہے؟ میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ کوئی نئی شریعت سکھاؤں یا نئے احکام دوں یا کوئی نئی کتاب نازل ہو گی۔ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ سخت گمراہ اور بے دین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوضات اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں اور انہی فیوضات اور برکات کے ثبوت کے لیے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے۔'' (ملفوظات جلد 8 صفحہ 245)

یعنی قرآنی تعلیم کو ہر ایک تو سمجھ نہیں سکتا۔ بعض باتیں ہیں جو تشریح طلب ہیں اور تفسیر چاہتی ہیں جن کو بیان کرنے کے لیے اس آخری زمانے میں آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''قرآن شریف ایسا معجزہ ہے کہ نہ وہ اوّل مثل ہوا اور نہ آخر کبھی ہو گا۔'' نہ پہلے اس کی کوئی مثال ہے نہ بعد میں کوئی مل سکتی ہے۔ ''اس کے فیوض و برکات کا دَر ہمیشہ جاری ہے اور وہ ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر شخص کا کلام اس کی ہمت کے موافق ہوتا ہے جس قدر اس کی ہمت اور عزم اور مقاصد عالی ہوں گے اسی پایہ کا وہ کلام ہو گا اور وحی الٰہی میں بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔'' جس طرح عام آدمی کے علم کے مطابق کلام کرتا ہے اسی طرح وحی الٰہی کا بھی ایک مقام ہے۔ ''جس شخص کی طرف اس کی وحی آتی ہے جس قدر ہمت بلند رکھنے والا وہ ہو گا اسی پایہ کا کلام اسے ملے گا۔'' یہاں بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وحی کے بھی معیار ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بھی معیار ہیں۔ پھر فرمایا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا اس لئے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رتبہ کا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس ہمت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہو گا۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 57)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ''تعلیم قرآنی کا دامن بہت وسیع ہے۔ وہ قیامت تک ایک ہی لا تبدیل قانون ہے اور ہر قوم اور ہر وقت کے لیے ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر:22)۔ یعنی ہم اپنے خزانوں میں سے بقدر معلوم نازل کرتے ہیں۔'' فرمایا کہ ''انجیل کی ضرورت (صرف) اسی قدر تھی اس لئے انجیل کا خلاصہ (صرف) ایک صفحہ میں آسکتا ہے لیکن قرآن کریم کی ضرورتیں تھیں سارے زمانہ کی اصلاح۔'' ہر زمانے کی اصلاح کرنا۔ ''قرآن کا مقصد تھا وحشیانہ حالت سے انسان بنانا، انسانی آداب سے مہذب انسان بنانا۔ تا شرعی حدود اور احکام کے ساتھ مرحلہ طے ہو۔ اور پھر باخدا انسان بنانا۔ گو یہ لفظ مختصر ہیں مگر ان کے ہزارہا شعبے ہیں۔ چونکہ یہودیوں، طبیعیوں، آتش پرستوں اور مختلف اقوام میں

بدروشی کی روح کام کر رہی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام الٰہی ''یعنی اللہ تعالیٰ سے جو علم دیا گیا اس کے مطابق ''سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159)۔ ''کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ''اس لئے ضروری تھا کہ قرآن شریف ان تعلیمات کا جامع ہوتا جو وقتاً فوقتاً جاری رہ چکی تھیں اور ان تمام صداقتوں کو اپنے اندر رکھتا جو آسمان سے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعے سے زمین کے باشندوں کو پہنچائی گئی تھیں۔ ''یعنی پرانی باتیں جو تھیں حالات کے مطابق ان کو بھی اپنے اندر رکھتا۔ یہ قرآنِ کریم میں ہے۔ اور فرمایا ''قرآن کریم کے مدنظر تمام نوع انسان تھا، نہ کوئی خاص قوم اور ملک اور زمانہ۔ اور انجیل کے مدنظر (صرف) ایک خاص قوم تھی اسی لئے مسیح علیہ السلام نے بار بار کہا کہ 'میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں'۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 86)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ اعلان کہ مَیں سب دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ قرآنِ کریم تمام دنیا کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ پرانی قوموں کے لیے بھی ان کے حالات کے مطابق ان کو بتا دیا، نئے آنے والوں کے لیے بھی اس میں احکام آ گئے اور یہی ایک ابدی شریعت ہے اس کے علاوہ اَور کوئی شریعت نہیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہو۔ اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن شریف ساری تعلیموں کا مخزن ہے، ایک خزانہ ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''قرآنِ شریف حکمت ہے اور مستقل شریعت ہے اور ساری تعلیموں کا مخزن ہے اور اس طرح پر قرآنِ شریف کا پہلا معجزہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور پھر دوسرا معجزہ قرآن شریف کا اس کی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں چنانچہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ تحریم اور سورۂ نور میں کتنی بڑی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ساری پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان پر اگر ایک دانشمند آدمی خدا سے خوف کھا کر غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ کس قدر غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہیں۔ کیا اس وقت جبکہ ساری قوم آپؐ کی مخالف تھی اور کوئی ہمدرد اور رفیق نہ تھا یہ کہنا کہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:46)۔ چھوٹی بات ہو سکتی تھی۔ ''یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کے بھاگ جائے گی۔ فرمایا یہ کوئی چھوٹی بات ہو سکتی ہے۔ ''اسباب کے لحاظ سے تو ایسا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ ان کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ ''اگر ایسے سامان موجود ہوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا خاتمہ ہو جائے گا ''مگر آپؐ ایسی حالت میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور نامرادی کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں اور آخر اسی طرح وقوع میں آتا ہے۔''

یہ پیشگوئی جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے یہ آپؐ کو خدا تعالیٰ نے مکہ میں عطا فرمائی تھی اور وہ بھی ابتدائی حالات میں جبکہ آپؐ کے مکہ مکرمہ میں انتہائی کمزوری کے حالات تھے اور پھر پیشگوئی پوری کس طرح ہوئی۔ جنگِ احزاب میں عام طور پر ہم دیکھتے ہیں اس کو وہیں منطبق کیا جاتا ہے، اَور جگہوں پہ بھی ہے کہ جب کفار کا بھاری لشکر مسلمانوں کو پیٹھ دکھا کے بھاگ گیا۔ پھر آپؐ فرماتے ہیں ''پھر تیرہ سو سال کے بعد قائم ہونے والے سلسلہ کی اور اس وقت کے آثار و علامات کی پیشگوئیاں کیسی عظیم الشان اور لانظیر ہیں۔ ''یعنی مسیح موعودؑ کے زمانے کی پیشگوئیاں۔ فرمایا کیسی

عظیم الشان ہیں۔ کئیوں کا مَیں پچھلے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں جو ابھی تک کس شان سے پوری ہو رہی ہیں۔ فرمایا ”دنیا کی کسی کتاب کی پیشگوئیوں کو پیش کرو۔ کیا مسیح کی پیشگوئیاں ان کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 43-44)

پھر قرآنِ کریم کے **محاسن بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کا ہر حکم معلل باغراض** ہے آپؑ فرماتے ہیں:

”یہ خوبی قرآنی تعلیم میں ہے کہ اس کا ہر ایک حکم مُعَلَّل بِاَغْرَاض وَمَصَالِح ہے۔“ یعنی اغراض اور مصالح سے پُر ہے۔ اس کا مقصد ہے۔ ”اور اس لئے جابجا قرآن کریم میں تاکید ہے کہ عقل، فہم، تدبر، فقاہت اور ایمان سے کام لیا جائے۔“ فقاہت یہ ہے کہ عقل اور سوچ سے کام لو اور ایمان سے کام لو۔ ایمان بھی ضروری ہے۔ ”اور قرآنِ مجید اور دوسری کتابوں میں یہی مابہ الامتیاز ہے اور کسی کتاب نے اپنی تعلیم کو عقل اور تدبر کی دقیق اور آزاد نکتہ چینی کے آگے ڈالنے کی جرأت ہی نہیں کی.....“ آپؑ نے انجیل کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ”انجیل خاموش کے چالاک اور عیّار حامیوں نے اس خیال سے کہ انجیل کی تعلیم عقلی زور کے مقابل بے جان محض ہے نہایت ہوشیاری سے اپنے عقائد میں اس امر کو داخل کر لیا کہ تثلیث اور کفارہ ایسے راز ہیں کہ انسانی عقل ان کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔“ بہت گہرا علم ہے اس تک تم پہنچ نہیں سکتے۔ اس لیے جہاں جس طرح کہا جاتا ہے اس کو قبول کر لو لیکن ”برخلاف اس کے فرقانِ حمید کی یہ تعلیم ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ۔ (آل عمران: 191-192) یعنی آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کا آگے پیچھے آنا دانشمندوں کو اس اللہ کا صاف پتہ دیتے ہیں۔ جس کی طرف مذہب اسلام دعوت دیتا ہے۔ اس آیت میں کس قدر صاف حکم ہے کہ دانشمند اپنی دانشوں اور مغزوں سے بھی کام لیں۔“

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 62-63)

غور کرو۔ پھر قرآن شریف کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے کہ ایک محفوظ کتاب ہے اور یہ بھی کہ تعلیمِ قرآن کی جو شہادت ہے وہ قانون قدرت کی زبان سے ادا ہوتی ہے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ۔ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: 78 تا 80)۔“ یقیناً یہ ایک عزت والا قرآن ہے ایک چُھپی ہوئی کتاب میں یعنی کہ اس میں محفوظ چیز ہے۔ کوئی اسے چھو نہیں سکتا سوائے پاک کیے ہوئے لوگوں کے۔ فرمایا ”بلکہ یہ سارا صحیفہ قدرت کے مضبوط صندوق میں محفوظ ہے۔ کیا مطلب کہ یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ اس کا وجود کاغذوں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے جس کو صحیفۂ فطرت کہتے ہیں۔ یعنی قرآن کی ساری تعلیم کی شہادت قانونِ قدرت کے ذرہ ذرہ کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ اس کی تعلیم اور اس کی برکات کتھا کہانی نہیں جو مٹ جائیں۔“

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 64-65)

بلکہ جو اسے سمجھے گا، عمل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل بھی کرے گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے اسرار، اس کی گہرائی پاک لوگوں پر ہی کھلتی ہے اور اس کے لیے پاک لوگوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی بھی ضرورت ہے اور اس زمانے میں یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے فیض پا کر آپ نے جو بیان فرمایا اس کو ہمیں دیکھنا چاہیے، غور کرنا چاہیے اور وہی تفسیریں جو ہیں وہ

آگے آپ کے علم کے مطابق ہی جماعت احمدیہ میں جو لٹریچر ہے اس میں بیان ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم کا نام ''ذکر'' کیوں رکھا گیا ہے اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''**قرآنِ کریم کا نام ذِکر رکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ انسان کی اندرونی شریعت یاد دلاتا ہے**.....''

پھر فرمایا'' قرآن کوئی نئی تعلیم نہیں لایا بلکہ اس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے جو انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہے۔ حلم ہے، ایثار ہے، شجاعت ہے، جبر ہے، غضب ہے، قناعت ہے وغیرہ۔ غرض جو فطرت باطن میں رکھی تھی قرآن نے اسے یاد دلایا۔ جیسے فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ۔(الواقعہ:79) یعنی صحیفۂ فطرت میں کہ جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا'' اس کو یاد دلایا۔ پس اس نظر سے بھی ہمیں قرآن پڑھنا چاہیے۔ قرآن شریف انسان کی جو فطرتی صلاحیتیں ہیں ان کی فطرت صحیحہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ پس اس حقیقی فطرت کو جس سے آجکل خاص طور پر انسان دُور ہٹ رہا ہے قرآن شریف اس کو نکال کے بیان کرتا ہے اور اس دور ہٹنے کی وجہ سے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں بعض غیر اخلاقی اور غیر فطری قانون بنانے کی طرف رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ انسان اسے بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پر غور کرو، تدبر کرو۔ اس پر عمل تمہیں انسانی فطرت کے اعلیٰ معیار دکھائے گا۔ پس اس پہ غور کرنا ضروری ہے اور اس نظر سے ہمیں قرآن کریم پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور پھر آزادی کے نام پر آجکل بچوں اور بڑوں کے ذہنوں کو جو زہر آلود کیا جا رہا ہے اس سے بھی ہم بچ سکیں گے۔ بہت سارے والدین بھی سوال کرتے ہیں کہ بچے سکولوں سے جو سیکھ کے آتے ہیں اس کا کس طرح جواب دیں؟ ہم اگر غور کر کے پڑھیں، تفسیر پڑھیں، جماعت کا لٹریچر پڑھیں جو قرآن کریم کے احکامات کی روشنی میں ہی ہے تو پھر بچوں کے جواب بھی والدین دے سکتے ہیں۔ پھر فرمایا:

''اسی طرح **اس کتاب کا نام ذِکر بیان کیا تا کہ وہ پڑھی جاوے تو وہ اندرونی اور روحانی قوتوں اور اس نورِ قلب کو جو آسمانی ودیعت انسان کے اندر ہے، یاد دلاوے**۔ غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھیج کر بجائے خود ایک روحانی معجزہ دکھایا۔'' بار بار پڑھو تو یہ تمہیں یاد دلاتا رہے گا۔ ''تا کہ انسان ان معارف اور حقائق اور روحانی خوارق کو معلوم کرے جن کا اسے پتہ نہ تھا مگر افسوس کہ قرآن کی اس علّتِ غائی کو چھوڑ کر جو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرۃ:3) ہے اس کو صرف چند قصص کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے اور نہایت بے پروائی اور خود غرضی سے مشرکینِ عرب کی طرح اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہہ کر ٹالا جاتا ہے۔'' فرمایا کہ ''وہ زمانہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اور قرآن کے نزول کا۔ جب وہ دنیا سے گمشدہ طاقتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ اب وہ زمانہ آگیا جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے قرآن نہ اترے گا۔'' یہی ہم دیکھتے ہیں بیشمار قاری ہیں بیشمار پڑھنے والے ہیں لیکن عمل کوئی نہیں۔ فرمایا: ''سو اب تم ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ لوگ قرآن کیسی خوش الحانی اور عمدہ قراءت سے پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں گزرتا۔'' عمل کوئی نہیں۔ ''اس لئے جیسے قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذِکر ہے اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش شدہ صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ واثقہ کی رو سے کہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10)۔ اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعہ:4) کا مصداق اور موعود ہے وہ وہی ہے جو

تمہارے درمیان بول رہا ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 96-97)

اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کاش کہ مسلمان عقل کریں اور اس شخص کی جسے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے بات سنیں۔ اپنے اندر رونے دیکھیں۔ زمانے کی ضرورت دیکھیں۔ مسلمانوں کے عمومی حالات دیکھیں۔ صرف ظاہری فتووں پر زور دے کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کریں۔ قرآن کریم کی حقیقت کو سمجھیں۔ بہر حال ہم احمدیوں کو اپنے ہر وقت جائزے لیتے رہنا چاہیے کہ ہم کس حد تک قرآن کریم کی تعلیم کی حقیقت کو سمجھتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا کر رہے ہیں۔ پھر یہ بات بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن شریف علوم حقّہ سے واقف کرنا چاہتا ہے آپؑ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جیسے یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے ڈریں ویسے ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگوں میں علوم کی روشنی پیدا ہووے" صرف ڈر نہیں بلکہ علوم کی روشنی بھی پیدا ہو "اور اس سے وہ معرفت کی منزلوں کو طے کر جاویں۔" کیوں پیدا ہو، تا کہ معرفت پیدا ہو۔ سوچیں وسیع ہوں "کیونکہ علومِ حقہ سے واقفیت جہاں ایک طرف سچی خشیت پیدا کرتی ہے وہاں دوسری طرف ان علوم سے خدا پرستی پیدا ہوتی ہے۔" ایک مومن جب اس طرح سوچتا ہے، قرآن شریف پہ غور کرتا ہے اور علوم حاصل جو دنیاوی علوم ہیں ان کو بھی قرآن کریم پر پرکھتا ہے تو معرفت بھی پیدا ہوتی ہے، خدا تعالیٰ کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ خشیت پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا لیکن "بعض بدقسمت ایسے بھی ہیں جو علوم میں منہمک ہو کر قضاء وقدر سے دُور جا پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ہی شکوک پیدا کر بیٹھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو قضاء وقدر کے قائل ہو کر علوم ہی سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔" یا تو ایک طرف یہ ہے کہ دنیاوی علم کے نام پر، نئے علم کے نام پر خدا تعالیٰ کو بھول گئے یا دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کے نام پہ علوم سے گھبرا گئے اور اسے چھوڑ دیا اور کہہ دیا یہ غلط ہے۔ فرمایا "مگر قرآنِ شریف نے دونوں تعلیمیں دی ہیں اور کامل طور پر دی ہیں۔ قرآن شریف علومِ حقہ سے اس لئے واقف کرنا چاہتا ہے اور اس لئے ادھر انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں جوں جوں ترقی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے اور انسان کو قضاء وقدر کے نیچے رہنے کی اس لئے تعلیم دیتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کی صفت پیدا ہو اور وہ راضی برضا رہنے کی حقیقت سے آشنا ہو کر ایک سچی سکینت اور اطمینان جو نجات کا اصل مقصد اور منشاء ہے حاصل کرے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 223-224)

پھر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے سچے علوم کا منبع اور سرچشمہ قرآن شریف میں اس امت کو دیا ہے۔ جو شخص ان حقائق اور معارف کو پالیتا ہے جو قرآنِ شریف میں بیان کئے گئے ہیں اور جو محض حقیقی تقویٰ اور خشیۃ اللہ سے حاصل ہوتے ہیں اسے وہ علم ملتا ہے جو اس کو انبیاء بنی اسرائیل کا مثیل بنا دیتا ہے۔ ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایک شخص کو جو ہتھیار دیا گیا ہے اگر وہ اس سے کام نہ لے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ اس ہتھیار کا۔ اس وقت دنیا کی یہی حالت ہو رہی ہے۔ مسلمانوں نے باوجود یکہ قرآنِ شریف جیسی بے مثل نعمت ان کے پاس تھی جو ان کو ہر گمراہی سے نجات بخشتی اور ہر تاریکی سے نکالتی ہے لیکن انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کی پاک تعلیموں کی کچھ پروانہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام سے بالکل دور جا پڑے ہیں۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 349)

پس جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا مسلمان قرآن کریم کی عظیم تعلیم سے دُور ہو کر فقط نام کے مسلمان ہیں۔ مختلف وقتوں میں لوگ سوشل میڈیا پر بعض چھوٹے چھوٹے پروگرام یا کلپ دکھاتے رہتے ہیں، جو لوگوں کا انٹرویو لیتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم اور تاریخ کا ان کو پتا ہی نہیں۔ پس مولوی کے کہنے پر ناموس رسالت یا قرآن یا صحابہ کے نام پر جماعت احمدیہ کے خلاف نعرے لگانے اور نقصان پہنچانے کی کوشش ہے۔ بنگلہ دیش سے مجھے کسی نے لکھا کہ جب جلوس آیا، انہوں نے حملہ کیا تو ایک لڑکا اٹھا کے شاید پتھر مار رہا تھا۔ اسے ہمارے احمدی نے کہا تم یہ کر کیا رہے ہو؟ یہ قرآن میں لکھا ہے؟ یہ اسلام کی تعلیم ہے؟ بتاؤ کہاں ہے؟ ہم تو کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ اس نے فوراً وہیں پتھر نیچے پھینک دیا۔ تو وہ تو مولوی جو جوش دلاتے ہیں اس کے مطابق وہ کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان شریروں کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اس رمضان میں بھی اور بعد میں بھی قرآن کریم کو سمجھنے، سیکھنے اور عمل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی غلاظتوں سے بھی بچا کے رکھے۔ رمضان میں دعاؤں کی طرف بھی خاص توجہ دیں پہلے بھی میں نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر احمدی کو ہر شر سے بچائے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو ناقابل اصلاح ہیں ان کو عبرت کا نشان بنائے تا کہ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے بن سکیں۔ دنیا کے لیے عمومی طور پر بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ جنگ کی آفت سے دنیا کو بچائے۔

اب میں **بعض مرحومین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں** جس میں سب سے پہلے ہمارے ایک مربی سلسلہ، مبلغ سلسلہ ہیں جو انتہائی وفا سے اپنے وقف کو نبھانے والے تھے۔ بڑے عاجز انسان تھے اور بڑا لمبا عرصہ ان کو خدمت کی توفیق ملی اور انہوں نے خدمت کا حق ادا کیا۔ **ان کا نام منور احمد خورشید صاحب ہے۔** مغربی افریقہ میں مبلغ سلسلہ تھے۔ گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ان کے خاندان میں احمدیت ان کے دادا حضرت میاں عبدالکریم صاحب کے ذریعے سے آئی تھی جنہوں نے 1903ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرم دین والے مقدمے میں جہلم تشریف لے گئے تھے اس وقت بیعت کی تھی۔ مولوی خورشید صاحب کے والدین کے ہاں جو بھی اولاد ہوتی تھی وہ بیمار ہو کے فوت ہو جاتی تھی۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو آپ بیمار ہو گئے۔ کوئی رستہ نظر نہیں آتا تھا تو ان کے دادا میاں عبدالکریم صاحب جو صحابی تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس بچے کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا جائے۔ کہتے ہیں اس لیے کہ اگر خدا کو ضرورت ہوئی تو خود ہی بچا لے گا۔ بہرحال اس دوران ایک طبیب گاؤں میں آیا جو کسی دُور کے گاؤں کا رہنے والا تھا اس نے علاج کیا اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں ان کو شفا دی۔ ان کے سسر محمد خان درویش صاحب نے بھی ان کے بارے میں خواب دیکھی تھی کہ آپ ایک بہت بلند اور روشن مینار پر ہیں اور ان درویش صاحب کو بتایا گیا کہ آپ احمدیت کے مینار کو بہت روشن کریں گے اور احمدیت کی خدمت کی بہت توفیق پائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی۔ جامعہ سے فارغ ہوئے، کچھ عرصے تک پاکستان میں رہے۔ پھر 1983ء میں یہ افریقہ چلے گئے۔ گیمبیا میں اور سینیگال وغیرہ میں ان کی لمبے عرصے کی خدمات ہیں۔ سینیگال میں، گیمبیا میں بطور امیر کے بھی ان کو خدمت کی

توفیق ملی۔ پھر بیماری کی وجہ سے 2005ء میں یہاں یوکے آ گئے تھے لیکن جب تک وہاں کوئی باقاعدہ مربی نہیں چلا گیا اور باقاعدہ نظام قائم نہیں ہو گیا یہ یہاں سے بھی سینیگال جماعت کا نظام چلاتے رہے۔ پھر اس عرصے میں یہ 2008ء سے 2012ء تک جامعہ یوکے میں بطور استاد کے بھی خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ جہاں بھی موقع ملا انہوں نے بڑا اعلیٰ کام کیا۔ بہت سی بیعتوں کی ان کو سعادت ملی۔ چالیس پارلیمانی ممبران نے ان کے ذریعے سے احمدیت قبول کی اور اس کامیابی پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کے خطاب میں ان کو "فاتح سینیگال" کے خطاب سے بھی نوازا۔ جلسہ سالانہ جرمنی میں ایک دفعہ یہ پندرہ ممبران اسمبلی کو لے کے آئے۔ پھر جو پاما (PAMA) ایوارڈ ہیں جو مختلف مربیان کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں وہ عبدالرحیم نیر صاحب کا ایوارڈ ان کو بھی ملا۔ میرے کہنے پہ یہ سپین بھی جاتے رہے۔ وہاں جو افریقی آباد ہیں ان میں تبلیغ کی اور بڑا اچھا کام کیا۔ بہت بیعتیں وہاں ہوئی ہیں۔ انصاراللہ برطانیہ کے تحت آن لائن تعلیم القرآن کلاس بھی لیتے رہے۔ وفات تک یہ کام جاری رہا۔ ان کے پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں اور اہلیہ ہیں۔ ایک بیٹے ان کے یہاں یوکے میں ہی مربی سلسلہ ہیں۔

داؤد حنیف صاحب جو آجکل جامعہ کینیڈا کے پرنسپل ہیں وہ بھی افریقہ میں گیمبیا میں امیر جماعت تھے جب یہ وہاں گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 1983ء سے 1994ء تک ان کے ساتھ خدمت کا موقع ملا اور مبلغ کے ساتھ ساتھ یہ سکول میں اسلامیات بھی پڑھاتے تھے۔ کہتے ہیں سینیگال میں تبلیغ کے جو حالات تھے وہ ایسے تھے کہ وہاں آسانی سے تبلیغ نہیں کی جاسکتی، بڑے مشکل حالات تھے۔ کہتے ہیں قصبہ فرافینی میں 1985ء کے آخر میں ان کو تبدیل کیا گیا جو سینیگال کے بارڈر پر واقع ہے۔ یہاں رہ کر سینیگال میں قیام احمدیت کا جو منصوبہ تھا اس کو کامیاب کرنا مقصد تھا۔ بڑا مشکل کام تھا۔ سینیگالی حکومت کسی پاکستانی کو ویزہ نہیں دیتی تھی لیکن مولوی منور خورشید صاحب میں یہ ملکہ تھا کہ لوگوں میں گھل مل جاتے تھے اور تعلقات بڑی اچھی طرح بناتے تھے۔ پھر ان کو فرانسیسی زبان بھی کسی قدر آتی تھی۔ اس لیے جب ان کا وہاں تعین کیا گیا تو جلد انہوں نے وہاں بارڈر پر افسران سے تعلقات قائم کیے۔ پھر ان تعلقات کی وجہ سے سینیگال آنا جانا شروع کر دیا اور پھر وہاں ایک پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر کے ذریعے سے انہوں نے مزید فرنچ زبان سیکھنی شروع کر دی کیونکہ انہوں نے وہاں کے لوکل افسران سے اجازت لے لی تھی کہ مَیں یہاں ان کے ہیڈ ماسٹر عبدالسلام باری صاحب کے ساتھ بیٹھ کے فرنچ سیکھ سکتا ہوں۔ بہرحال یہ ایک کامیابی تھی اور اس طرح وہ وقفے وقفے سے سینیگال جاتے رہے۔ پھر ایک خاص قسم کا پاس (pass) تھا وہ ان کو مل گیا جس کے تحت گیمبیا کی گاڑیوں میں سینیگال جایا جاسکتا تھا۔ اس میں یہ لٹریچر لے جاتے، وہاں تبلیغ کرتے اور اس کے ذریعے سے انہوں نے بہت ساری بیعتیں کروائیں۔ کاؤلک ریجن جو تھا وہاں مختلف احمدی پہلے ہی تھے۔ وہاں ایک لوکل مبلغ تھے حامد امبئ صاحب ان کے ساتھ مل کے پھر انہوں نے کام کیا اور مبلغین کے ذریعہ وہاں مزید جماعتیں پھیلیں۔ وہاں ایک تو سڑکیں نہیں تھیں ٹوٹی سڑکیں افریقہ میں یا کچی سڑکیں دوسرے بعض جگہ سڑکیں ہوتی نہیں تھیں لیکن یہ دُور دراز علاقوں میں موٹر سائیکل پہ پہنچ جاتے تھے اور موٹر سائیکل کا بھی راستہ ایسا تھا کہ جھاڑیاں ان پگڈنڈیوں کے اتنی قریب آئی ہوتی تھیں کہ ان کی ٹانگیں لہولہان ہو جاتی تھیں لیکن کبھی انہوں

نے پروا نہیں کی اور اپنے کام میں مگن رہتے تھے۔

پھر داؤد حنیف صاحب یہ لکھتے ہیں کہ شروع میں تو یہ بڑا مشکل کام تھا۔ بڑی احتیاط سے ہم تبلیغ کرتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ جب تعلقات بن گئے، جماعت کا تعارف ہو گیا اور یہ باتیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام احیائے اسلام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں لوگوں کو پہنچانی شروع کر دیں اور افسران کو بھی یہ پیغام پہنچنے لگا تو پھر کافی آزادی سے ان کا سینیگال میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ باقاعدہ دورے کرتے تھے اور پھر اسی طرح کاؤلک ریجن میں اکثر آبادیوں میں جماعت کا نفوذ ہو گیا۔ متعدد جماعتیں بن گئیں۔ ان میں اضافہ بھی ہونے لگا۔ اور موٹر سائیکل کا تو میں نے ذکر کیا ہے، بعض جگہ گاؤں ایسے بھی تھے جہاں موٹر سائیکل وغیرہ بھی کوئی available نہیں تھے تو ریڑھوں پہ، گدھا گاڑیوں پہ بیٹھ کے انہوں نے لمبا لمبا سفر کیا اور مختلف گاؤں میں پہنچے بلکہ آجکل کے بعض مبلغین نے لکھا ہے کہ اب ہم جب وہاں گئے تو وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہاں بہت پہلے مولانا منور خورشید صاحب ہمارے پاس آیا کرتے تھے اور بڑے مشکل حالات میں آیا کرتے تھے اور وہاں جا کے یہ رہتے تھے، تبلیغ کرتے تھے۔ راتیں بھی وہیں لوگوں میں گزارتے تھے اور خوراک بھی ان کی ابلی ہوئی چَری یا باجرہ ابال کے پانی کے ساتھ کھا لیا۔ بس یہی ان کی غذا ہوتی تھی اور پھر تبلیغ کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے۔ کبھی انہوں نے یہ پروا نہیں کی کہ رہائش کی کوئی اچھی جگہ ہے کہ نہیں۔ کھانا ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ جہاں جو جگہ میسر آئی رہ گئے اور جو کھانے کو ملا کھا لیا اور اس طرح لوگوں میں یہ بڑے ہر دلعزیز ہوئے۔ تبلیغ بھی بڑی اچھی طرح کی۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے یہ رؤیا دیکھی تھی کہ فرنچ سپیکنگ (French speaking) ملکوں میں جماعت کی ترقی ہو رہی ہے تو پھر وہاں جس ریجن میں یہ تھے وہاں سے نکل کے سینیگال کی طرف بھی انہوں نے توجہ کی۔ ان کو وہاں بھجوایا گیا، وہاں بااثر لوگوں کو تبلیغ کی اور اس طرح پھر ممبران پارلیمنٹ کو تبلیغ کی اور چودہ ممبران پارلیمنٹ کو بیعت کی توفیق ملی۔ اس کا اثر بھی جماعت پہ بڑا اچھا ہوا اور پھر وہاں بھی جماعت مضبوط ہونے لگی۔ نظام جماعت کو مضبوط کرنے کے لیے معلمین کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت اور ٹریننگ کی ضرورت تھی تو سالانہ بنیادوں پر یہ پروگرام جاری رکھا اور مولانا صاحب نے بڑی ہمت سے یہ کام بھی سرانجام دیا۔ 1997ء میں ان کو سینیگال کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ بڑی محنت سے انہوں نے آخری وقت تک اپنی خدمت کو نبھایا۔ خلیفۂ وقت کی اطاعت کا جذبہ انہوں نے لکھا ہے کہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا اور حقیقت میں یہی میں نے دیکھا ہے جب یہاں آئے ہیں۔ دس سال سے کافی بیمار تھے بیماری میں بھی جب بھی کوئی کام ان کو دیا گیا تو فوراً اس کو بجالانے کی کوشش کرتے۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ وہاں سینیگال میں وجیہ اللہ صاحب مبلغ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ جب میں یہاں آیا ہوں تو منور صاحب کا نام بہت سنا۔ اور جہاں بھی جاتا تھا لوگ بڑی محبت سے ان کا ذکر کرتے تھے۔

لوکل معلمین بعض واقعات بیان کرتے ہیں۔ محمد و تفسیر مارا صاحب لوکل معلم ہیں۔ وہ کہتے ہیں منور خورشید صاحب کے ذریعے مَیں نے احمدیت قبول کی اور انہوں نے مجھے اچھی تعلیم دی اور بہت محنت اور محبت سے میری تربیت کی جس کے نتیجے میں جامعہ احمدیہ گھانا سے تعلیم حاصل کی اور جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔ کہتے ہیں

میں نے بڑا لمبا عرصہ ان کے ساتھ گزارا ہے۔ یہ سینیگالین ہیں۔ لکھتے ہیں۔ خلافت سے عشق کی حد تک انہیں محبت تھی اور کہتے ہیں یہی خاص باتیں مجھے بھی کہا کرتے تھے کہ خلافت سے تعلق رکھنا۔ دوسرے یہ کہ مَیں نے ان میں دیکھا کہ کبھی انہوں نے تہجد نہیں چھوڑی اور ہمیں بھی یہ تلقین کرتے تھے کہ ہمیشہ تہجد پڑھو اور تہجد میں خاص طور پر خلیفۃ المسیح کے لیے دعائیں کیا کرو۔ یہی معلم صاحب لکھتے ہیں کہ بڑے متقی شخص تھے، بڑی محنت کرنے والے تھے، پورے سینیگال کے انہوں نے دورے کیے۔ ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہر گاؤں میں جائیں اور مسیح محمدی کا پیغام پہنچا کے آئیں۔ کہتے ہیں خاکسار اس بات کا شاہد ہے کہ **جب منور صاحب جماعتی کام میں مشغول ہوتے تو آپ کو دن رات کی یا کھانے پینے کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی**۔ خدا تعالیٰ سے بہت قریبی تعلق تھا۔ اکثر مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ایک جماعتی فنکشن تھا وہاں لوگ آئے ہوئے تھے۔ ایک احمدی وہاں بیمار ہو گئے انہوں نے واپس جانا چاہا۔ انہوں نے ان کو اجازت دے دی لیکن جب بس پہ جگہ مل گئی اور بس پہ بٹھانے لگے تو منور صاحب نے ان کو روک دیا کہ اس پہ نہ بیٹھیں۔ دوسری بس پہ بیٹھیں۔ اور کہتے ہیں میرے دل میں اس وقت یہ خیال آیا تھا کہ اس بس کو کوئی حادثہ پیش آجانا ہے اور اگر یہ اس طرح ہوا تو لوگ کہیں گے کہ دیکھو جماعتی فنکشن پہ گیا تھا اور وہاں یہ حادثہ کی وجہ سے فوت ہو گیا۔ بہر حال ہوا وہی، جس بس سے روکا تھا اس کو حادثہ پیش آ گیا۔ دوسری بس میں بیٹھے تھے تو خیریت سے وہ شخص اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس سے بھی لوگوں کا بڑا ایمان بڑھا اور لوگوں میں وہاں محبت کا یہ حال ہے کہ سینیگال میں مختلف جگہوں پر ان کی نماز جنازہ غائب ادا کی گئی۔ غیر احمدی بھی اس میں بہت زیادہ شامل ہوئے۔

پھر فاٹک کے صدر جماعت روگن فائی صاحب کہتے ہیں کہ جس فدائیت سے منور خورشید صاحب کام کرتے تھے کسی اَور کے لیے کرنا بہت مشکل ہے۔

پھر جالو صاحب لوکل معلم ہیں کہتے ہیں جب وہ پہلی دفعہ سینیگال آئے تو ایک لمبا عرصہ مجھے منور صاحب کے ساتھ کام کرنے کی توفیق ملی۔ بڑے متقی اور بہادر شخصیت کے مالک تھے۔ جماعتی دَوروں کے دوران بہت حکمت اور بہادری سے تبلیغی سرگرمیاں سرانجام دیا کرتے تھے۔ اسی طرح انصاف پسند تھے۔ جماعت کے ساتھ بہت محبت اور انصاف کا سلوک کرتے۔

راجہ برہان صاحب کہتے ہیں کہ آخری دنوں میں جب یہ بیمار ہوئے تو ان کا ڈائیلیسز (Dialysis) روزانہ ہوتا تھا۔ ایک دن ایک شادی پہ ملے تو کہتے ہیں میں نے دکان کھول لی ہے۔ میں نے کہا دکان کھولنے سے کیا مطلب؟ تو کہنے لگے گھر میں ہوتا ہوں تو میں نے گھر کے باہر میز لگالی ہے وہاں گرمیوں میں پانی رکھ لیتا ہوں لٹریچر رکھ لیتا ہوں اور آنے جانے والوں کو پانی کی ضرورت ہو تو پانی پلا دیتا ہوں اور لٹریچر دے دیتا ہوں۔ تو اس طرح فارغ نہیں بیٹھے، اس بیماری میں بھی نیا رستہ انہوں نے تلاش کر لیا۔ اس لیے وہ لوگ جو کہتے ہیں ناں کہ تبلیغ کس طرح کریں۔ تبلیغ کرنے کے راستے اگر تلاش کیے جائیں تو مل جاتے ہیں، صرف جوش ہونا چاہیے، شوق ہونا چاہیے۔

اور پھر منور خورشید صاحب کا ایک ملکہ یہ بھی تھا کہ زبان جلدی سیکھ لیتے تھے۔ گیمبیا میں بھی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان کو زبانیں آتی تھیں اور یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے تین گیمبین مبلغین جو یہاں سے پڑھ

کے گئے ہیں، عبد اللہ صاحب اور عبد الرحمٰن صاحب اور محمد مبائع صاحب۔ یہ تینوں مختلف قبیلوں کے ہیں، یہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکتے لیکن میں ان تینوں قبیلوں کی زبان جانتا ہوں۔

ان کی اہلیہ نصرت جہاں صاحبہ کہتی ہیں۔ بچوں کی تربیت میں بہت توجہ دی۔ بڑا پیار کرنے والے وجود تھے۔ خلافت سے بے پناہ محبت تھی۔ وقف کا حق ادا کیا۔ اختلافات کو مٹانے اور صلح کروانے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ مہمان نوازی بہت تھی۔ افریقہ میں دورے پہ جاتے تو ہمیں کہہ دیتے تھے تم بس میری یہ نہ فکر کرنا کہ میں کب آؤں گا۔ بس جب میں فارغ ہو جاؤں گا تو میں گھر واپس آ جاؤں گا۔ تبلیغ کا کہتی ہیں جنون تھا۔ سپین میں بھی ان کو تبلیغ کا بہت موقع ملا۔ بیماری کے باوجود وہاں جاتے رہے۔ اس طرح سے پرانے رابطے انہوں نے بحال کیے۔

ان کے بیٹے محمد احمد خورشید مربی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ یہ نصیحت کرتے کہ لوگوں کے کام آنا چاہیے کیونکہ یہ بھی ایک خوبصورت عبادت ہے، خدا اس سے راضی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ہم نے ان میں ہمیشہ اسلامی تعلیم کا ایک عملی نمونہ دیکھا۔

سپین سے سلمان سلمی صاحب کہتے ہیں کہ سپین میں قیام کے دوران کئی بار ان کے ساتھ تبلیغ پر نکلنے کا موقع ملا۔ حیرت انگیز بات بار بار دیکھی کہ آپ کسی افریقن راہگیر سے سلام دعا کرتے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے رام کر لیتے اور کچھ ہی وقت میں اس سے ایک مستحکم تعلق پیدا ہو جاتا اور ساتھ ساتھ بتاتے جاتے کہ اس کا تعلق فلاں گاؤں سے ہے اور اس کے ارد گرد کے علاقے یہ ہیں۔ مَیں وہاں گیا ہوں اور اس علاقے کے لوگ بہت مخلص ہیں۔ وہاں کے بااثر لوگوں کو بھی جانتے تھے کیونکہ افریقن زبان میں بات کر رہے ہوتے تھے اس لیے وہ شخص بھی ان کی باتیں سنتا۔ اسے حیرت بھی ہوتی خوشی بھی ہوتی اور دو تین ملاقاتوں کے بعد پھر وہ جماعت کے قریب آ جاتا تو پھر اس کو پیغام پہنچاتے۔

کہتے ہیں ان کا یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلی دفعہ ہی پیغام پہنچائیں۔ پہلے ذاتی تعلقات بناتے تھے پھر دوسری تیسری ملاقات میں تبلیغ کرتے تھے اور احمدیت کا پیغام دیتے تھے۔ کہتے ہیں اس وقت تک ان کے ذاتی تعلق کی وجہ سے اخلاق کی وجہ سے زمین تیار ہو چکی ہوتی تھی اور پھر لوگ فوری طور پر بیعت بھی کر لیتے تھے۔ بہر حال انہوں نے سپین میں کافی کام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں انہوں نے جماعت بھی قائم کر دی۔ ایک جنون تھا ان کو احمدیت اور حقیقی اسلام کا پیغام پہنچانے کا اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس کے ساتھ عاجزی بھی ان کی انتہا کی تھی۔ سپین جانے کا جب میں نے ان کو کہا ہے تو بغیر کسی عذر کے تیار ہو گئے اور باوجود اس کے کہ بیمار تھے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو ایسے وفادار مبلغ مربی عطا فرماتا رہے جو بے نفس ہو کر کام کرنے والے ہوں۔ کام کو پورا کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بھی بلند فرمائے۔

دوسرا جنازہ اقبال احمد منیر صاحب مربی سلسلہ کا ہے چودھری منیر احمد صاحب کے بیٹے ہیں۔ یہ پاکستان میں تھے۔ گذشتہ دنوں ان کی بھی وفات ہوئی ہے۔ ان کے خاندان میں بھی احمدیت کا نفوذ ان کے دادا چودھری غلام حیدر صاحب کے ذریعے 1895ء میں ہوا تھا۔ انہوں نے 1983ء میں جامعہ سے تعلیم مکمل کی۔

پھر اصلاح وارشاد مرکزیہ کے تحت کام کیا۔ پھر 2001ء سے 2008ء تک سیرالیون میں رہے پھر واپس آ گئے۔ اس کے بعد پھر پاکستان کے مختلف ضلعوں میں کام کرتے رہے۔ دل کے مریض بھی تھے لیکن اس کے باوجود بڑی محنت سے کام کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ نہایت محنت اور توجہ سے خدمت بجالانے والے تھے اور لوگوں سے بڑا اچھا تعلق اور مخلص طبیعت کے مالک تھے۔ مرحوم کی اہلیہ اور تین بیٹے ہیں۔

مربی سلسلہ عبدالوکیل صاحب کہتے ہیں کہ بڑی ہر دلعزیز شخصیت تھے اور خلافت سے بڑا تعلق تھا۔ بڑے محبت کرنے والے تھے۔ بارعب شخصیت کے مالک تھے لیکن دل کے بہت ہی شفیق بھی تھے۔ تھوڑی سی ملاقات کے بعد اندازہ ہو جاتا تھا کہ انکساری ان میں کمال کی ہے۔

سید منیر احمد صاحب نائب امیر کراچی جن کے ساتھ انہوں نے کام کیا کہتے ہیں کہ نہایت محنتی اور مخلص شخصیت کے مالک تھے۔ جو کام بھی دیا جاتا فوری طور پر اس کو پہلی ترجیح میں کرتے۔ باقاعدہ دفتر آ کے اپنے بڑے صائب مشورے بھی دیتے۔ کہتے ہیں مجھے بھی ان سے حوصلہ ہوتا رہتا تھا۔ دل کے بہت صاف تھے۔ حلقے کے لوگوں سے ذاتی تعلق تھا جس کی وجہ سے ان کے کاموں میں بہت آسانیاں پیدا ہو جاتی تھیں اور اسی وجہ سے پھر چندوں کی طرف توجہ دلانے میں بھی ان کو ہی کہا جاتا تھا اور پھر ان کے یہ کہنے کا خاطر خواہ اثر بھی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔

تیسرا ذکر سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ اہلیہ میاں عبدالعظیم صاحب درویش مرحوم قادیان کا ہے۔ گذشتہ دنوں ان کی بھی وفات ہوئی ہے۔ کافی عرصے سے صاحبِ فراش تھیں۔ زمانہ درویشی میں صوبہ اڈیشہ سے شادی ہو کے آنے والی پہلی خاتون تھیں۔ مرحومہ نے اپنے خاوند کے ساتھ درویشی کا دَور صبر اور شکر سے گزارا۔ صوم وصلوٰۃ کی نہایت پابند، دعا گو، نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ باقاعدہ تلاوت کرنے والی اور قرآن کریم دوسروں کو پڑھانے والی تھیں۔ بہت سے بچوں اور عورتوں کو قرآن کریم پڑھنا سکھایا۔ درویشی کے دَور میں جب آمدن کم تھی تو اپنے گزارے کے لیے مرغیاں پال لیتی تھیں بجائے اس کے کہ دوسروں پر نظر رکھیں۔ خدمتِ خلق کا جذبہ نمایاں تھا۔ **قادیان میں عورتوں کی تجہیز و تکفین کے موقعے پر یہ بڑی خدمت کیا کرتی تھیں۔** غسل وغیرہ دینے میں بھی مدد کرتیں۔ خلیفۂ وقت سے خاص تعلق تھا۔ ہر تحریک میں حصہ لیتی تھیں۔ مرحومہ موصیہ بھی تھیں۔ ان کے پسماندگان میں چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ خورشید انور صاحب کی دوسری والدہ تھیں۔ دوست محمد شاہد صاحب مرحوم مؤرخ احمدیت کی یہ چچی تھیں۔

اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ نماز کے بعد میں ان کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھاؤں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 21/اپریل 2023ء جلد 30 شمارہ 49 صفحہ 02 تا 07)

14

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 07/ اپریل 2023ء بمطابق 07/ شہادت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دین اور شریعت کو کامل کیا، مکمل کیا تو قرآن کریم میں یہ اعلان فرمایا کہ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدۃ:4)۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم میں اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے مسلمانوں پر کہ ان کے لیے ایک کامل اور مکمل شریعت عطا فرمائی اور یہ دعویٰ صرف اسلام کا ہے کسی دوسرے مذہب کا نہیں کہ **اب آخری دین اسلام ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے** اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے تو اسلام قبول کیے بغیر، اس کی تعلیم پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ اعلان فرما رہا ہے کہ قرآنی تعلیم ہی ہے جو اب انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا واحد ذریعہ ہے بلکہ یہ تعلیم اس قدر کامل ہے کہ مادی ترقی کے راستوں کے لیے بھی اب یہی تعلیم ہے اور ان کی طرف لے کر جاتی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اس تعلیم کے متعلق اَکۡمَلۡتُ کا اعلان فرماتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انسان کی تمام تر صلاحیتیں اخلاقی ہوں، روحانی ہوں یا جسمانی، ان کا حصول قرآن کریم پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے اور اس کی کامل تعلیم جو ہے اگر اس پہ حقیقی عمل کرنا ہے تو صرف قرآنِ کریم سے مل سکتی ہے۔ اور اَتۡمَمۡتُ کہہ کر یہ اعلان فرمایا اور پوری قوت سے فرما دیا کہ جو کچھ بھی انسان کی ضروریات تھیں ان کو ہر لحاظ سے پورا کرنے والا صرف قرآن کریم ہے۔ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا قرآن کریم نے احاطہ نہ کیا ہو چاہے وہ انسان کی مادی ضروریات ہیں یا روحانی اور اخلاقی معیاروں کو حاصل کرنے کی ضروریات اور طریقے ہیں۔ جو بھی ایک انسان انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہے وہ قرآن کریم کی تعلیم میں موجود ہے۔ پس اس آیت کے ساتھ قرآن کریم نے یہ اعلان فرما دیا کہ اب انسان کی بقا اس تعلیم کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور یہ تعلیم کل زمانے اور تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے اور قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی تمام تعلیمات جو مختلف انبیاء پر اتریں وہ وقتی اور اس زمانے کے لحاظ سے تھیں تمام انسانیت کے لیے نہیں تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی وضاحت میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی پورا ہو گیا اور آپؐ ہی وہ کامل اور آخری نبی ہیں جن پر اس کمال درجہ کی شریعت نازل ہوئی۔ پس یہ ہمارا عقیدہ ہے اور اس پر ہمیں ایمان ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب یہ عقیدہ ہے اور **قرآن کریم کو آخری شریعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں تو پھر آپؑ کے دعوے کی کیا حیثیت** ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ پھر کیا ہے اور آپؑ کی پھر اس زمانے میں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کے مختلف جواب ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ اس کا جواب اس طرح بھی فرمایا ہے کہ اگر تم اسلامی تعلیم پر عمل کر رہے ہوتے تو پھر ٹھیک ہے میرے آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن زمانے کی عمومی حالت اور خاص طور پر مسلمانوں کی اپنی حالت اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ کسی معلم کی ضرورت ہے۔

پھر اس تعلیم کو بھول جانے کے بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور اس کی اصلاح کے لیے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہر صدی میں مجدد آئیں گے۔ یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسلمان قرآن کی تعلیم کامل ہونے کے باوجود اس تعلیم کو بھول جائیں گے، نئی بدعات ان میں پیدا ہو جائیں گی اس لیے تجدید دین کے لیے مجدد آتے رہیں گے اور آخری زمانے میں مسیح موعود اور مہدی معہود آئیں گے جو دین کو ثریا سے زمین پر لائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے لٹریچر میں، تحریرات میں، کتب میں، ہر جگہ یہ فرمایا ہے کہ **مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آپؐ کی شریعت اور دین اور قرآن کریم کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے آیا** ہوں اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اکمالِ دین ہو چکا ہے۔ اسے اور اسی تعلیم کو ہی دنیا کے ہر کونے میں پہنچانے آیا ہوں۔ تعلیم کی تکمیل قرآن کریم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے سے ہوئی اور اُس زمانے میں کیونکہ اشاعتِ ہدایت اور تعلیم کے وسائل نہیں تھے اس لیے اس کی اشاعت کے لیے اِس زمانے میں اپنے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کو بھیجا۔ پس یہی کام ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرانجام دیا اور اسی کے جاری رکھنے کے لیے جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور یہی کام ہے جو جماعت احمدیہ آپؑ کے دیے ہوئے لٹریچر اور آپؐ کی بیان کردہ قرآنی تفسیر کے مطابق کر رہی ہے اور اس بات پر ہر احمدی کو غور کرنا چاہیے کہ اس مقصد کو ہم کس حد تک پورا کر رہے ہیں۔ ایک تو مجموعی طور پر پروگرام ہیں اور ہو رہے ہیں لیکن انفرادی طور پر بھی ہونے چاہئیں۔

پس ہماری بیعت کا مقصد تبھی پورا ہو گا جب ہم اس مقصد کو اپنے سامنے رکھیں گے۔ اس کے لیے ہمیں قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف ہمیشہ توجہ رکھنی چاہیے۔ اس کے لیے بہترین ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور ارشادات ہیں۔ قرآن کریم کے محاسن و خوبیاں میں کچھ عرصہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی روشنی میں بیان کر رہا ہوں۔ آج بھی قرآن کریم کی تعلیم کی تکمیل کے بارہ میں آپ علیہ السلام کے کچھ ارشادات پیش کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قرآن شریف نے دین کے کامل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا

ہے اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدۃ:4)۔ یعنی آج مَیں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں اسلام کو تمہارا دین مقرر کر کے خوش ہوا۔ سو قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآنِ شریف بیان کر چکا اب صرف مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ کھلا ہے۔" ہاں مکالمات الٰہیہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے، اپنے خاص بندوں سے کلام کرتا ہے۔ کوئی نئی تعلیم نہیں ہے۔ "اور وہ بھی خود بخود نہیں" کھل گیا فرمایا "بلکہ سچے اور پاک مکالمات جو صریح اور کھلے طور پر نصرت الٰہی کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں اور بہت سے امور غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں وہ بعد تزکیہ نفس محض پیروی قرآنِ شریف اور اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں"۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 80)

قرآن کریم کیونکہ کامل کتاب ہے اس لیے اب اس کی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے ذریعہ سے ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق کے یہ راستے کھلے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی رستہ نہیں، کوئی ذریعہ نہیں اور آپؐ کو بھی جو مقام ملا آپؐ نے فرمایا مجھے اسی وجہ سے ملا ہے۔ پھر قرآن کریم کے کامل ہدایت ہونے کے بارے میں آپؑ ایک جگہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"قرآن شریف صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترکِ شر کر کے سمجھ لے کہ بس اب میں صاحبِ کمال ہو گیا۔" برائیاں چھوڑ دیں تو کمال نہیں حاصل ہو گیا" بلکہ وہ تو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے۔" تو قرآن کریم صرف برائیاں نہیں چھڑوانا چاہتا بلکہ اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاق فاضلہ انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے یعنی برائیاں بھی چھوڑنی ہیں اور پھر اس کی جگہ اعلیٰ اخلاق بھی اختیار کرنے ہیں "کہ اس سے ایسے اعمال و افعال سرزد ہوں جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مشتمل ہوں اور ان کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے۔" (ملفوظات جلد 7 صفحہ 270)

یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ پس یہ سوچ ہے جو ہم میں قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق پیدا ہونی چاہیے۔ ہم اپنے جائزے لیں کہ کیا یہ سوچ ہماری ہے۔ ہم صرف دوسروں کی طرح پڑھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں یا واقعی یہ تبدیلیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق بھی ہمارا پیدا ہو رہا ہے۔ رمضان میں بھی قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ درس بھی سنتے ہیں۔ پس اس کو زندگی میں لاگو کرنا بھی ضروری ہے۔ اور ہم نے تو اپنے عہد بیعت میں بھی یہ عہد کیا ہوا ہے دس شرائط ہیں ان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

پس اگر ہم میں سے ہر ایک اس رمضان میں اس پر عمل کرنے کا عہد کرلے اور قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرنے کا ایک پکا ارادہ کرلے تو جہاں ہم اپنی روحانیت میں ترقی کر رہے ہوں گے وہاں ہمارا معاشرہ بھی ایک

جنت نظیر معاشرہ بن رہا ہو گا۔ گھروں اور خاندانوں کے جھگڑے جو مختلف وقتوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں محبت اور پیار میں بدل سکتے ہیں۔ پھر اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ **الٰہی شریعت کا تخم قرآن کریم کے زمانے میں اپنے کمال کو پہنچ گیا** فرماتے ہیں:

"چونکہ قرآن شریف امر معروف اور نہی منکر میں کامل ہے۔" جو کام کرنے والے ہیں ان کی ہدایت دینے میں اور جن سے روکا گیا ہے ان کے بارے میں بتانے میں کامل ہے، مکمل طور پر بتا دیا ہے کہ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا" اور خدا نے اس میں یہی ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ انسانی فطرت میں انتہا تک بگاڑ ہو سکتا ہے اور جس قدر گمراہی اور بد عملی کے میدانوں میں وہ آگے سے آگے بڑھ سکتے ہیں ان تمام خرابیوں کی قرآن شریف کے ذریعہ سے اصلاح کی جائے اس لئے ایسے وقت میں اس نے قرآن شریف کو نازل کیا کہ جبکہ نوعِ انسان میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور رفتہ رفتہ انسانی حالت نے ہر ایک بد عقیدہ اور بد عمل سے آلودگی اختیار کر لی تھی اور یہی حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ ایسے وقت میں اس کا کامل کلام نازل ہو کیونکہ خرابیوں کے پیدا ہونے سے پہلے ایسے لوگوں کو ان جرائم اور بد عقائد کی اطلاع دینا کہ وہ ان سے بکلی بے خبر ہیں یہ گویا ان کو ان گناہوں کی طرف خود میلان دیتا ہے۔" پہلے ہی بتا دینا کہ یہ یہ گناہ ہیں اور جن کا ان کو پتا ہی نہیں، تصور ہی کوئی نہیں ہے تو اس چیز سے پھر گناہ پھیلتے ہیں۔ آجکل ہم یہی دیکھتے ہیں۔ نظامِ تعلیم میں بچوں کو جنسی تعلقات کے بارے میں ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں جن کا بچوں کو کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ وہ پریشان حیران ہوتے ہیں۔ اب تو والدین نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ کیا پڑھایا جا رہا ہے بلکہ اسی کا نوٹس لیتے ہوئے محکمہ تعلیم نے بھی نوٹس لیا ہے۔ بعض اساتذہ حد سے زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں کہ ایسی باتیں جن کا پتا ہی نہیں، تصور نہیں، جو ان کی بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک ان کو پتا ہونی چاہئیں وہ خود ان میں پیدا کی جا رہی ہیں تو یہی قانون شریعت اور انسانی قانون میں فرق ہے۔ یہی قانون اور قرآن کریم کی ہدایت میں فرق ہے کہ قرآن کریم ہدایت دیتا ہے اور واضح بھی کرتا ہے کہ اس عمر کی یہ ہدایت اور اس عمر کی یہ ہدایت ہے۔ یہ نہیں کہ ہر چیز کو کھول کے بیان کر دیا اور پھر تفسیریں جو ہیں وہ ہر ایک کی عقل اور سمجھ کے مطابق آہستہ آہستہ انہی الفاظ میں سے نکلتی چلی آتی ہیں۔ تو فرمایا "سو خدا کی وحی حضرت آدم سے تخم ریزی کی طرح شروع ہوئی اور وہ تخم خدا کی شریعت کا قرآن شریف کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچ کر ایک بڑے درخت کی طرح ہو گیا۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 219-220)

پس جس طرح برائیاں پھیلتی رہیں ان کا علاج بھی زمانے کے لحاظ سے ظاہر ہوتا رہا اور قرآن کریم کی تعلیم میں یہ خوبی بھی ہے کہ ہر زمانے کی جو برائیاں پیدا ہو رہی ہیں اس کا علاج اسی تعلیم میں مل جاتا ہے جو مفسرین کے ذریعہ سے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ذریعہ سے ہمیں پتہ لگتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ:

"چونکہ کامل کتاب نے آکر کامل اصلاح کرنی تھی۔ ضرور تھا کہ اس کے نزول کے وقت اس کے جائے نزول میں بیماری بھی کامل طور پر ہو تا کہ ہر ایک بیماری کا کامل علاج مہیا کیا جاوے۔ سو اس جزیرہ میں کامل طور سے بیمار تھے اور جن میں وہ تمام روحانی بیماریاں موجود تھیں۔" یعنی عرب میں "جو اس وقت یا اس کے بعد آئندہ نسلوں .....

کو لاحق ہونے والی تھیں" اس میں مزید وضاحت ہو گئی۔ جو اس وقت موجود تھیں یا آئندہ نسلوں میں لاحق ہونے والی تھیں ان کی تعلیم دے دی۔ کیونکہ زمانہ دور نہیں جانا تھا، شریعت کامل ہو رہی تھی اس لیے جو آئندہ ہو سکتی تھیں ان کی بھی وضاحت کر دی اور بتا دیا کس حد تک، کہاں تک تم نے کھولنا ہے۔ کس طرح تمہیں کھلتا جائے گا اور اس لیے مفسرین اسی طرح زمانے کے لحاظ سے تشریح کرتے چلے گئے۔ فرمایا کہ "یہی وجہ تھی کہ قرآن شریف نے کل شریعت کی تکمیل کی" اور کتابوں کے نازل ہونے کے وقت نہ یہ ضرورت تھی اَور "دوسری کتابوں کے نزول کے وقت نہ یہ ضرورت تھی۔ نہ ان میں ایسی کامل تعلیم ہے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 38)

آپؑ نے یہاں یہ ثابت فرمایا کہ خود عیسائی اور یہودی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمانہ ہر لحاظ سے انتہائی بگڑا ہوا تھا اور اس وقت ایک شریعت کی ضرورت تھی۔ یہ بیان فرماتے ہوئے کہ قرآن کریم ہرگز کسی انسانی کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتا آپؑ اس کو سمجھاتے ہوئے، مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جب چند متکلمین انشاء پرداز اپنی اپنی علمی طاقت کے زور سے ایک ایسا مضمون لکھنا چاہیں" اچھے بولنے والے، اچھے لکھنے والے اپنی علمی طاقت کے ذریعہ سے مضمون لکھنا چاہیں "کہ جو فضول اور کِذب اور حَشْو اور لغو اور ہَزْل اور ہر یک مہمل بیانی اور ژَولیدہ زبانی اور دوسرے تمام امور مخل حکمت وبلاغت اور آفات منافی کمالیت وجامعیت سے بکلّی منزہ اور پاک ہو۔" یعنی جو ہر قسم کے، فضول قسم کے جھوٹ، بنائی ہوئی باتیں، لغو باتیں، بیہودہ باتیں، ٹھٹھے ہنسی وغیرہ اور ہر ایک بیکار اور بیہودہ بات اور الجھی ہوئی پیچیدہ باتیں اور ایسی ساری باتیں جس میں حکمت بھی نہ ہو اور بلاغت بھی نہ ہو جن کی انسان کو سمجھ ہی نہ آئے اور اچھا لکھنے والا ان سب فضولیات سے پاک باتیں لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی ایک اچھے لکھنے والے کی نشانی ہے کہ ہر قسم کی بیہودگیوں سے وہ پاک ہو، اس کا کلام منزہ اور پاک ہو اور فرمایا کہ "اور سراسر حق اور حکمت اور فصاحت اور بلاغت اور حقائق اور معارف سے بھرا ہوا ہو تو ایسے مضمون کے لکھنے میں" نہ صرف وہ پاک ہو بلکہ معارف سے بھرا ہوا بھی ہو۔ تو ایسے مضمون کے لکھنے میں "وہی شخص سب سے اوّل درجہ پر رہے گا کہ جو علمی طاقتوں اور وسعت معلومات اور عام واقفیت اور ملکہ علوم دقیقہ میں سب سے اعلیٰ اور مشق اور ورزشِ املاء وانشاء میں سب سے زیادہ تر فرسودہ روزگار ہو" بڑا اچھا ہو، پڑھا لکھا ہو، عالم ہو، تجربہ کار ہو وہی ایسا مضمون لکھ سکتا ہے جو ان ساری چیزوں سے پاک ہو "اور ہرگز ممکن نہ ہو گا کہ جو شخص اس سے استعداد میں، علم میں، لیاقت میں، ملکہ میں، ذہن میں، عقل میں کہیں فروتر اور متنزل ہے۔" بہت نیچے گرا ہوا ہے۔ "وہ اپنی تحریر میں مِن حَیْثُ الکمالات اس سے برابر ہو جائے۔" جس میں یہ صلاحیتیں نہیں وہ اس کے برابر تو نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ "مثلاً ایک طبیبِ حاذق جو علمِ اَبدان میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔" ایک ڈاکٹر ہے، بڑا expert ڈاکٹر ہے جس کو بڑی مہارت ہے۔ "جس کو زمانہ دراز کی مشق کے باعث سے تشخیصِ امراض اور تحقیقِ عوارض کی پوری پوری واقفیت حاصل ہے۔" صحیح طرح وہ diagnose کر لیتا ہے، اس کے جو امراض ہیں ان کا بھی اس کو مکمل طور پہ علم ہے۔ "اور علاوہ اس کے فنِ سخن میں بھی یکتا ہے۔" ایک زائد چیز ہے اس میں کہ سخن دان بھی

ہے۔ ”اور نظم اور نثر میں سر آمد روز گار ہے۔“ بہت اچھا ہے، بہت ممتاز ہے ”جیسے وہ ایک مرض کے حدوث کی کیفیت اور اس کی علامات۔“ یعنی جب مرض پیدا ہوتا ہے اس کی کیفیت اور علامات ”اور اسباب فصیح اور وسیع تقریر میں بکمال صحت و حقانیت اور بہ نہایت متانت و بلاغت بیان کر سکتا ہے۔ اس کے مقابلے پر کوئی دوسرا شخص جس کو فنِ طبابت سے ایک ذرّہ مَس نہیں اور فن سخن کی نزاکتوں سے بھی ناآشنا محض ہے ممکن نہیں کہ مثل اس کے بیان کر سکے۔“ دوسرا شخص جس میں یہ خوبیاں پائی نہیں جاتیں وہ تو یہ ساری باتیں بیان نہیں کر سکتا جتنا کہ ایک علم رکھنے والا جو اپنے پیشہ میں بھی مہارت رکھنے والا ہے اور اس کے علاوہ بیان بھی اچھا کر لیتا ہے اور تحقیق بھی کرنے والا ہے وہ اس کی طرح نہیں ہو سکتا جس کا علم بہت محدود ہو۔ وہ بہر حال اس سے اوپر ہے۔ فرمایا ”یہ بات بہت ہی ظاہر اور عام فہم ہے کہ جاہل اور عاقل کی تقریر میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے اور جس قدر انسان کمالاتِ علمیہ رکھتا ہے۔ وہ کمالات ضرور اس کی علمی تقریر میں اس طرح پر نظر آتے ہیں جیسے ایک آئینۂ صاف میں چہرہ نظر آتا ہے۔ اور حق اور حکمت کے بیان کرنے کے وقت وہ الفاظ کہ جو اس کے مونہہ سے نکلتے ہیں اس کی لیاقتِ علمی کا اندازہ معلوم کرنے کے لئے ایک پیمانہ تصور کئے جاتے ہیں اور جو بات وسعت علم اور کمالِ عقل کے چشمہ سے نکلتی ہے اور جو بات تنگ اور منقبض اور تاریک اور محدود خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں طور کی باتوں میں اس قدر فرق“ ہے۔ ایک علم و عرفان کا چشمہ ہے ایک بالکل سطحی قسم کی باتیں ہیں تو ان میں واضح فرق پتا لگ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”فرق واضح ہوتا ہے کہ جیسی قوّتِ شامہ کے آگے بشرطیکہ کسی فطرتی یا عارضی آفت سے ماؤف نہ ہو خوشبو اور بدبو میں فرق واضح ہے۔ جہاں تک تم چاہو فکر کر لو اور جس حد تک چاہو سوچ لو کوئی خامی اس صداقت میں نہیں پاؤ گے۔“ یہ بڑی سچی بات ہے ”اور کسی طرف سے کوئی رخنہ نہیں دیکھو گے پس جبکہ من کل الوجوہ ثابت ہے کہ جو فرق علمی اور عقلی طاقتوں میں مخفی ہوتا ہے وہ ضرور کلام میں ظاہر ہو جاتا ہے اور ہرگز ممکن ہی نہیں کہ جو لوگ من حَیثُ العقل والعلم افضل اور اعلیٰ ہیں وہ فصاحت بیانی اور رفعت معانی میں یکساں ہو جائیں“ علم و عرفان والے بہر حال اوپر رہیں گے۔ وہ ایک عام آدمی کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ”اور کچھ مَابِہِ الامتیاز باقی نہ رہے۔ تو اس صداقت کا ثابت ہونا اس دوسری صداقت کے ثبوت کو مستلزم ہے کہ جو کلام خدا کا کلام ہو اس کا انسانی کلام سے اپنے ظاہری اور باطنی کمالات میں برتر اور اعلیٰ اور عدیم المثال ہونا ضروری ہے۔“

پس اس مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تو ان سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس جتنا علم تو کسی کو بھی نہیں ”کیونکہ خدا کے علم تام سے کسی کا علم برابر نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کی طرف خدا نے بھی اشارہ فرما کر کہا ہے۔ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ (ھود:15)..... یعنی اگر کفار اس قرآن کی نظیر پیش نہ کر سکیں اور مقابلہ کرنے سے عاجز رہیں تو تم جان لو کہ یہ کلام علم انسان سے نہیں بلکہ خدا کے علم سے نازل ہوا ہے۔“ جب مثال پیش ہی نہیں کر سکتے تو پھر ظاہر ہے کہ انسان کا کلام نہیں یہ خدا کا کلام ہے۔ ”جس کے علم وسیع اور تام کے مقابلہ پر علوم انسانیہ بے حقیقت اور ہیچ ہیں اس آیت میں برہانِ اِنّی کی طرز پر اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود کی دلیل ٹھہرائی ہے۔“ فرماتے ہیں ”جس کا دوسرے لفظوں میں خلاصہ مطلب یہ ہے

کہ علم الٰہی بوجہ اپنی کمالیت اور جامعیت کے ہر گز انسان کے ناقص علم سے متشابہ نہیں ہو سکتا بلکہ ضرور ہے کہ جو کلام اس کامل اور بے مثل علم سے نکلا ہے وہ بھی کامل اور بے مثل ہی ہو اور انسانی کلاموں سے بکلّی امتیاز رکھتا ہو۔ سو یہی کمالیت قرآنِ شریف میں ثابت ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 216 تا 240)

پس ہر لحاظ سے کامل ہونے کا **قرآن کریم کا دعویٰ ہے اور کوئی نہیں جو اس کے مقابلے پہ آسکے اور نہ اب تک آیا اور نہ آسکے گا۔** فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ہی مراتبِ علمیہ کے ساتھ مراتبِ عملیہ کے کمال تک پہنچاتا ہے، علمی اور عملی دونوں باتوں میں کمال تک پہنچاتا ہے۔ فرمایا "قرآن شریف جیسے مراتب علمیہ میں اعلیٰ درجہ کمال تک پہنچاتا ہے ویسا ہی مراتبِ عملیہ کے کمالات بھی اسی کے ذریعہ سے ملتے ہیں اور آثار و انوارِ قبولیت حضرت احدیت انہیں لوگوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ظاہر ہوتے ہیں جنہوں نے اس پاک کلام کی متابعت اختیار کی ہے۔ دوسروں میں ہر گز ظاہر نہیں ہوتے۔ پس طالبِ حق کے لئے یہی دلیل جس کو وہ بچشمِ خود معائنہ کر سکتا ہے کافی ہے یعنی یہ کہ آسمانی برکتیں اور ربّانی نشان صرف قرآن شریف کے کامل تابعین میں پائے جاتے ہیں"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 351-352 بقیہ حاشیہ نمبر 11)

قرآن کریم کی کامل اتباع کرو گے تو نشانات بھی نظر آئیں گے۔ لوگ نشانات کا پوچھتے ہیں کہ ہمیں تو نظر نہیں آیا یا اتنی دیر دعا کی تھی دعا قبول نہیں ہوئی۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری بات بھی تو سنو، میرے پہ ایمان بھی تو مکمل کرو۔ میری باتوں پہ عمل بھی تو کرو۔ جب یہ ہو گا تو پھر دعائیں بھی اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ پس یہ بھی قرآنی تعلیم کا خاصہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پر کامل عمل کرنے والے ہی غیر معمولی برکات حاصل کرنے والے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا قرآن کریم نے کمالِ ایجاز سے تمام دینی صداقتوں پہ احاطہ کیا ہے۔ ایجاز معجزہ نہیں ایجاز الف۔ ی۔ جیم کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ مختصر مضمون۔ اس کو بیان کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"فرقان مجید نے اپنی فصاحت اور بلاغت کو صداقت اور حکمت اور ضرورت حقّہ کے التزام سے ادا کیا ہے اور کمال ایجاز سے تمام دینی صداقتوں پر احاطہ کر کے دکھایا ہے۔ چنانچہ اس میں ہر یک مخالف اور منکر کے ساکت کرنے کے لئے براہین ساطعہ بھری پڑی ہیں اور مومنین کی تکمیلِ یقین کے لئے ہزارہا دقائق حقائق کا ایک دریائے عمیق و شفاف اس میں بہتا ہوا نظر آرہا ہے۔ جن امور میں فساد دیکھا ہے انہیں کی اصلاح کے لئے زور مارا ہے۔ جس شدت سے کسی افراط یا تفریط کا غلبہ پایا ہے اسی شدت سے اس کی مدافعت بھی کی ہے۔ جن انواع اقسام کی بیماریاں پھیلی ہوئی دیکھی ہیں ان سب کا علاج لکھا ہے۔ مذاہب باطلہ کے ہر ایک وہم کو مٹایا ہے۔" جھوٹے مذہب جو سوال اٹھاتے ہیں ان کے جو وہم تھے ان کو مٹایا، غلط باتوں کو مٹایا۔ "ہر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کوئی صداقت نہیں جس کو بیان نہیں کیا۔ کوئی فرقہ ضالّہ نہیں جس کا ردّ نہیں لکھا۔" گمراہ لوگ جو ہیں ان کے ردّ میں باتیں لکھیں، بڑا واضح طور پر ہر حکم ہے "اور پھر کمال یہ کہ کوئی کلمہ نہیں کہ بلا ضرورت لکھا ہو۔" بغیر ضرورت کے کوئی بات نہیں "اور کوئی بات نہیں کہ بے موقع بیان کی ہو اور کوئی لفظ نہیں کہ لغو طور پر تحریر پایا ہو اور پھر باوصف التزام

ان سب امور کے فصاحت کا وہ مرتبہ کامل دکھلایا جس سے زیادہ تر متصور نہیں" ہو سکتا۔ ساری باتیں کوَر (cover) کر لیں اور مختصر طور پر کہیں لیکن فصاحت و بلاغت اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی "اور بلاغت کو اس کمال تک پہنچایا کہ کمال حسن ترتیب اور موجز اور مدلل بیان سے علم اوّلین اور آخرین ایک ایک چھوٹی سی کتاب میں بھر دیا۔ "پہلوں کے لیے بھی علم تھا۔ پہلے بھی مثال دے چکا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ عرب کے جو بدّو تھے جو گاؤں کے رہنے والے تھے ان کو بھی قرآن کریم سمجھ آ گیا اور وہ باخدا انسان بن گئے، تعلیم یافتہ انسان بن گئے، اور جو علم رکھنے والے تھے، ان کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ آیا اور پھر ان تک نہیں اولین اور آخرین تک بھی سمجھ آ گیا۔ آخرین میں بھی قرآن کریم کی تعلیم ایسی ہے جس کی تفاسیر کے ہر لفظ سے ہر زمانے میں ایک نئے معنی نکلتے چلے جاتے ہیں جو اس زمانے کے لحاظ سے ہمیں پتا دیتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک چھوٹی سی کتاب میں بھر دیا "تا کہ انسان جس کی عمر تھوڑی اور کام بہت ہیں بیشمار درد سر سے چھوٹ جائے اور تا اسلام کو اس بلاغت سے اشاعت مسائل میں مدد پہنچے اور حفظ کرنا اور یاد رکھنا آسان ہو۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 451 تا 456 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

قرآن شریف حفظ بھی لوگ کر لیتے ہیں، بچے چھوٹی عمر میں کر لیتے ہیں۔ آپؑ نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ قرآن کریم ہی ہے جو اپنی عبارت کے لحاظ سے اور زبان کے لحاظ سے ایسی صداقتیں بیان فرماتا ہے جو کہیں اَور نہیں ہیں اور انجیل وغیرہ کتابیں تو انسانی دخل اندازی کی وجہ سے الٰہی کتابیں اب رہی ہی نہیں۔ پھر قرآن کریم کے ایجاز کلام کا کمال ایک جگہ اَور بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب منصف آدمی قرآن شریف کو دیکھے تو فی الفور اسے معلوم ہو گا کہ قرآن شریف میں ایجاز کلام اور قَلَّ وَ دَلَّ بیان میں جو لازمہ ضروریہ بلاغت ہے وہ کمال دکھلایا ہے۔" یعنی تھوڑے مختصر الفاظ میں اور واضح بیان میں کمال تک پہنچ گیا ہے "وہ کمال دکھلایا ہے کہ وہ باوجود احاطہ جمیع ضروریاتِ دین اور استِیفاء تمام دلائل و براہین کے اس قدر حجم میں قلیل المقدار ہے کہ انسان صرف تین چار پہر کے عرصہ میں ابتدا سے انتہا تک بفراغ خاطر اس کو پڑھ سکتا ہے۔" اتنے مختصر الفاظ ہیں کہ آرام سے انسان اس کو پڑھ سکتا ہے۔ "اب دیکھنا چاہئے کہ یہ بلاغت قرآنی کس قدر بھارا معجزہ ہے کہ علم کے ایک بحرِ ذخّار کو تین چار جُز میں لپیٹ کر دکھلا دیا ہے۔ اور حکمت کے ایک جہان کو صرف چند صفحات میں بھر دیا ہے۔ کیا کبھی کسی نے دیکھا یا سنا کہ اس قدر قلیل الحجم کتاب تمام زمانہ کی صداقتوں پر مشتمل ہو۔ کیا عقل کسی عاقل کی انسان کے لئے یہ مرتبہ عالیہ تجویز کر سکتی ہے کہ وہ تھوڑے سے لفظوں میں ایک دریا حکمت کا بھر دے جس سے علمِ دین کی کوئی صداقت باہر نہ ہو۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 526–527 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

آپؑ یہاں وید جو ہندوؤں کی کتاب ہے اس کا موازنہ کر رہے تھے اور ثابت فرمایا کہ وید میں تو ایسا بیان ہی نہیں جو قرآن کریم میں ہے۔ اور پھر لمبی عبارتیں ہیں اس کی جنہیں پڑھنا ہی مشکل ہے۔ آپؑ نے ہر مذہب کو چیلنج کیا تھا کہ آؤ میں یہ سب خوبیاں تمہیں قرآنِ کریم سے دکھاتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ اس

زمانے میں کوئی نہیں جس نے اس طرح دنیا کو چیلنج کیا ہو۔ پھر بھی ہم پر الزام کہ نعوذ باللہ ہم قرآن کریم کی توہین کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم کا زمانہ کامل تعلیم کا مقتضیٰ تھا فرماتے ہیں:

''قرآن شریف نے ہی کامل تعلیم عطا کی ہے اور قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی۔'' یہ کچھ ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ ''پس یہ دعویٰ کامل تعلیم کا جو قرآن شریف نے کیا یہ اسی کا حق تھا اس کے سوا کسی آسمانی کتاب نے ایسا دعوی نہیں کیا۔''

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 4)

فرمایا ''ہمارے نزدیک تو مومن وہی ہے جو قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور قرآن شریف ہی کو خاتم الکتب یقین کرے۔'' مومن کی یہ نشانی ہے ''اور اسی شریعت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے اسی کو ہمیشہ تک رہنے والی مانے اور اس میں ایک ذرہ بھر اور ایک شوشہ بھی نہ بدلے اور اس کی اتباع میں فنا ہو کر اپنا آپ کھو دے اور اپنے وجود کا ہر ذرہ اسی راہ میں لگائے عملاً اور علماً اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرے تب پکا مسلمان ہوتا ہے۔'' (ملفوظات جلد 10 صفحہ 267)

اب ہمیں یہ جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کے آخری کتاب ہونے کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف ایسے زمانے میں آیا تھا کہ جس میں ہر ایک طرح کی ضرورتیں تھیں جن کا پیش آنا ممکن ہے پیش آ گئی تھیں یعنی تمام امور اخلاقی اور اعتقادی اور قولی اور فعلی بگڑ گئے تھے اور ہر ایک قسم کا افراط اور تفریط اور ہر ایک نوع کا فساد اپنے انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے قرآن شریف کی تعلیم بھی انتہائی درجہ پر نازل ہوئی۔ پس انہی معنوں سے شریعت فرقانی مختتم اور مکمل ٹھہری اور پہلی شریعتیں ناقص رہیں کیونکہ پہلے زمانوں میں وہ مفاسد کہ جن کی اصلاح کے لیے الہامی کتابیں آئیں وہ بھی انتہائی درجہ پر نہیں پہنچے تھے اور قرآنِ شریف کے وقت میں وہ سب اپنے انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ بہت سے بچے یا نوجوانی میں قدم رکھنے والے لوگ سوال کرتے رہتے ہیں ان کے لیے جواب ہے کہ پہلے وہ باتیں انتہا کو نہیں پہنچی تھیں یہاں انتہا کو بھی پہنچ گئیں۔ اس لیے تعلیم بھی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس لیے قرآن کریم نازل ہوا اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کی بنیاد پڑی۔ پس اب قرآن شریف اور دوسری الہامی کتابوں میں فرق یہ ہے کہ فرمایا پہلی کتابیں اگر ہر ایک طرح کے خلل سے محفوظ بھی رہتیں پھر بھی وہ بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے ضرور تھا کہ کسی وقت کامل تعلیم یعنی فرقان مجید ظہور پذیر ہوتا۔ ان کے سامنے بعض باتیں آئی ہی نہیں تھیں تو وہ بیان کس طرح کرتے۔ اس کی تعلیم ناقص تھی اس لیے قرآن مجید کا ظہور ہونا ضروری تھا۔ فرمایا مگر قرآن شریف کے لیے اب یہ ضرورت پیش نہیں کہ اس کے بعد کوئی اَور کتاب بھی آوے کیونکہ کمال کے بعد اَور کوئی درجہ باقی نہیں۔ ہاں اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی وقت اصول حقہ قرآن شریف کے وید اور انجیل کی طرح مشرکانہ اصول بنائے جائیں گے اور تعلیم توحید میں تبدیل اور تحریف عمل میں آوے گی۔ قرآن کریم میں کوئی تحریف عمل میں آئے گی یا اگر ساتھ اس کے یہ بھی فرض کیا جائے جو کسی زمانے میں وہ کروڑہا مسلمان جو توحید پر قائم ہیں وہ بھی پھر طریقِ شرک اور مخلوق پرستی کا اختیار کر لیں گے تو بیشک ایسی

صورت میں دوسری شریعت اور دوسرے رسول کا آنا ضروری ہو گا۔ ہاں اگر یہ صورتحال پیدا ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے بلکہ ہو گا، ضرور ہو گا مگر دونوں قسم کے فرض ہیں یہ فرض کی گئی باتیں ہیں اور یہ محال ہے۔

(ماخوذ از براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 101-102 بقیہ حاشیہ نمبر 9)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں اس شریعت کو محفوظ رکھوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی مقصد کے لیے بھیجا اور یہی ہمارا کام ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"نجات کے واسطے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے وہی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی یقین کرے اور قرآن شریف کو کتاب اللہ سمجھے کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ قیامت تک اب اَور کوئی کتاب یا شریعت نہ آئے گی یعنی قرآنِ شریف کے بعد اب کسی کتاب یا شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔" (ملفوظات جلد 6 صفحہ 236)

قرآنی وحی کی شان کے متعلق آپؑ بیان فرماتے ہیں کہ "خدا کی لعنت ان پر جو دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لاسکتے ہیں قرآن کریم معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم جمع نہیں کر سکتا بلکہ وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی بھی نہیں اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اَور کوئی وحی بھی ہو۔ اس لئے کہ وحی رسانی میں خدا کی تجلیات ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ کبھی پیچھے ہو گی۔ اور جو شان قرآن کی وحی کی ہے وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں" اولیاء کو بھی وحی ہو سکتی ہے لیکن وہ شان نہیں ہو سکتی۔ "اگرچہ قرآن کے کلمات کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن کے معارف کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے اور اس میں سارے علوم اور ہر طرح کی عجیب اور پوشیدہ باتیں جمع ہیں اور اس کی دقیق باتیں بڑے اعلیٰ درجہ کے گہرے مقام تک پہنچی ہوئی ہیں اور وہ بیان اور برہان میں سب سے بڑھ کر اور اس میں سب سے زیادہ عرفان ہے اور وہ خدا کا معجز کلام ہے جس کی مثل کانوں نے نہیں سنا اور اس کی شان کو جن وانس کا کلام نہیں پہنچ سکتا۔ سو قرآن اور دوسرے کلام کی مثال اس رؤیا کی ہے جو دیکھی ایک بادشاہ عادل بلند ہمت اور پورے دانا نے۔" اگر مثال لینی ہے تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک خواب دیکھی جو بڑا عادل تھا، بڑا بلند ہمت تھا" اور وہی رؤیا دیکھی ایک دوسرے عامی کم فہم پست ہمت نے" اسی طرح کی ایک اَور خواب کسی اور آدمی نے دیکھی جس کا مقام ایسا نہیں تھا۔ عام آدمی تھا۔ عقل بھی کم تھی۔ پست ہمت تھا۔ "سو اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کا خواب اور اس عامی کا گو ظاہر میں ایک ہی ہیں" ملتے جلتے خواب ہیں "لیکن دانشمند اور تعبیر جاننے والے کے نزدیک ایک نہیں۔" عقلمند انسان جو تعبیر جاننے والا ہے وہ کہے گا یہ ایک خواب نہیں ہے "بلکہ عادل بادشاہ کی تعبیر بہت بلند اور عام اور نفع رسان اور سب لوگوں کے حق میں خیر و برکت اور بہت ہی درست اور صاف ہے۔" بڑا وسیع دائرہ ہے اس کی خواب کا۔ "مگر عامی کی رؤیا اکثر صورتوں میں آمیزش اور میل کچیل سے پاک نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس کا اثر بیٹوں اور باپوں یا تھوڑے سے دوستوں سے آگے نہیں جاتا۔" محدود دائرہ جو ہے اس کا خاندان کا، بیٹے ہیں، باپ ہے یا رشتہ دار ہیں یا دوست ہیں، اُن تک ہی وہ اگر کوئی ایسی

چیز ہے کہ فائدہ پہنچنے والا ہے تو ان تک ہی فائدہ پہنچے گا۔ اور فرمایا کہ "اور اگر اغیار سوار بھی ہوں" دوسروں کو سوار بھی کر لو، ان کے متعلق بھی کہہ رہے ہیں کہ لپیٹ لو کہ ہاں جی اس عامی کی جو خواب ہے اس میں دوسرے بھی شامل ہو سکتے ہیں "تو بھی بہت ہی نزدیک جگہ میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں" پھر بھی قریب قریب ہی رہے گا۔ اس کا اثر جس حد تک وہ ماحول جانتا ہے وہیں تک رہے گا "اور پالانوں سے اتر کر آشیانوں میں گھس جاتے ہیں" یعنی کہ محاورۃً آپؑ نے فرمایا کہ پھر وہ محدود ہو جاتے ہیں۔ ان کی وسعت جو ہے اس قدر ہو ہی نہیں سکتی "مگر قرآن کریم کے سواروں کا یہ حال ہے کہ وہ آبادی کے ہر دائرہ کو قطع کرتے ہیں" بڑے وسیع ہیں۔ "قرآن کریم ایک کتاب ہے جس کے نیچے عرفان کے دریا بہتے ہیں اور کسی گویائی کا پرندہ اس سے فوق اڑ نہیں سکتا۔" اس سے زیادہ کوئی اَور بیان کر ہی نہیں سکتا۔ "اور ہر پونجی والا اسی کے خزانوں اور دفینوں سے کچھ لیتا ہے اور میرے نزدیک ہر متکلم اس قرضہ میں مبتلا ہونے کے بغیر محض تہی دست ہے۔" اگر یہاں سے نہیں فائدہ اٹھایا تو کسی کا کلام صحیح کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ "اور قرضدار سے سخت تقاضا کیا جاتا اور سخت کوشش کی جاتی ہے کہ قاضی تک پہنچا کر اس سے روپیہ وصول کیا جائے۔ مگر قرآن کریم تنگ دستوں کو صدقات دیتا اور ساری تنگیاں دُور کرتا بلکہ اخلاص والوں کو سونے کی ڈلیاں دیتا ہے۔" دوسرے لوگ تو اگر کوئی چیز دے دیں تو اپنے قرضداروں سے مقدمے بازیاں کرتے ہیں لیکن قرآن کریم تو ایسا علم دیتا ہے جو اس کے علم و عرفان کے چشمے بہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اس طرح ہی ہے جس طرح سونے کی ڈلیاں مل رہی ہیں "اور اپنے قرضداروں کو مہلت دینے کا احسان نہیں جتاتا بلکہ ان کو سونا اکٹھا کرنے کی ترغیب دیتا ہے....." فرمایا "ہم تو **اوّل کوزے بنے پھر قرآن کے دریا سے لبالب** ہوئے۔"

(الھدیٰ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 275 تا 278)

میرا حال پوچھتے ہو تو میں تو پہلے ایک پیالہ بنا، کوزہ بنا اور پھر جو قرآن کریم کا دریا ہے اس کے پانی سے میں نے اپنے آپ کو بھرا۔ عربی عبارت میں کیونکہ یہ اس طرح ہے اس لیے اس کا اپنا ایک انداز ہے۔ ترجمہ بھی اسی طرح ہوا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک خدا کی لعنت اس پر جو قرآن کے اعجاز کا انکار کرتا اور اپنے کلام اور نظام کو بجائے خود کوئی مستقل شے سمجھتا ہے اور خدا کی قسم! ہم تو اسی چشمہ سے پیتے اور اس کی زینت سے آراستہ ہوتے ہیں اسی سبب سے تو ہمارے کلام میں نور اور صفا ہوتی اور ہماری گویائی میں روشنی اور شفا اور تازگی اور خوبصورتی چمکتی ہے اور مجھ پر قرآن کے سوا اَور کسی کا احسان نہیں اور اس نے میری ایسی پرورش کی ہے کہ ویسی ماں باپ بھی تو نہیں کرتے اور خدا نے مجھے اس سے خوشگوار پانی پلایا اور ہم نے اس کو روشن کرنے والا اور مددگار پایا۔"

(الھدیٰ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 279)

فرمایا کہ "اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شامل حال ہوتی اور مَیں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اَور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا

عذر معقول اور قابل قبول ہو تا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور قرآن شریف اور تعلیم قرآن کا منکر اور منسوخ کرنے والا ہے۔ ”اگر کوئی ایسی بات ہوتی جو میں نے قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے باہر کی ہے تو یقیناً تمہارا حق ہے کہ ضرور یہ بات کہتے کہ منسوخ کرنے والا ہے، فاسق ہے، یہ بھی بیشک کہہ دیتے تم لوگ مجھے کہ ”فاسق ہے، فاجر ہے، مرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکام قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگادی ہے۔ اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتارنے والے کو کافر اور مرتد یقین کرتا ہوں“ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے باہر نکلتا ہے، اتباع سے باہر نکلتا ہے، ان کا جُوا اپنی گردن سے اتارتا ہے تو وہ مرتد ہے اور کافر ہے۔ ”تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزار ہا نشان ظاہر ہو جانے کے۔“ صرف یہی بات نہیں ہے، میرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے نشانات بھی دکھائے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بھی مسیح موعود کے بارے میں پوری ہوئیں۔ قرآن کریم کی پیشگوئیاں بھی پوری ہوئیں۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئیاں فرمائیں وہ نشانات ظاہر ہو جانے کے ساتھ پوری ہوئیں اور ہو رہی ہیں ”جو کہ خدا تعالیٰ نے آج تک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مفتری اور دجال کے نام پکارتا ہے یا جو میری پرواہ نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 308-309)

کبھی نہ کبھی اس کا مواخذہ ضرور ہو گا۔ پس یہ دعویٰ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور اس پر ہی ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے ذریعہ ہی قرآنی علوم کے معارف ہم تک پہنچے ہیں اور آپؑ نے قرآن کریم کی مکمل پیروی کی ہے اور ہمیں قرآن کریم کا حقیقی عرفان عطا فرمایا ہے۔ فکر کرنی چاہیے ان لوگوں کو جو آپؑ پر الزام لگاتے ہیں یا آپؑ کی جماعت پہ الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ہم قرآن کریم کی توہین کرنے والے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے فرستادے کی باتیں ہیں۔ یہ لوگ جو اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے یا نہیں آ رہے خدا بغیر مواخذہ کے ان کو نہیں چھوڑے گا۔ کس طرح وہ پکڑے گا، کس طرح اس نے مواخذہ کرنا ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف جگہوں پر بعض احکامات سے متعلق باتیں بھی بیان فرمائی ہوئی ہیں چند ایک میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں انصاف قائم کرنے کی اعلیٰ تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”جو قومیں ناحق ستاویں اور دکھ دیویں اور خونریزیاں کریں اور تعاقب کریں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کریں جیسا کہ مکہ والے کافروں نے کیا تھا اور پھر لڑائیوں سے باز نہ آویں ایسے لوگوں کے ساتھ

معاملات میں انصاف کے ساتھ برتاؤ کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔" اتنے ظلم کر رہے ہیں لوگ پھر بھی ان سے انصاف کرنے کی تعلیم ہے۔ بڑا مشکل کام ہے۔ "مگر قرآنی تعلیم نے ایسے جانی دشمنوں کے حقوق کو بھی ضائع نہیں کیا اور انصاف اور راستی کے لئے وصیت کی۔"

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 409)

پس یہ وہ اصول ہے جو معاشرے کے امن کی ضمانت ہے۔ دنیا کے امن کی ضمانت ہے۔ اگر آج دنیاوی جنگوں میں ملوث یہ قومیں اس اصول کو سمجھ لیں تو دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے ورنہ جو حالات پیدا ہو رہے ہیں یہ خوفناک تباہی کی طرف لے کر جا رہے ہیں چاہے وہ ایک ملک کی کوشش ہو یا دوسرے ملک کی کوشش ہو۔ ایک ملک میں سربراہ جائیں یا دوسرے ملک میں جائیں۔ چین میں جائیں یا کہیں جائیں اگر انصاف قائم نہیں کریں گے تو تباہی یقینی ہے۔ پھر ایک جگہ ایک اَور مثال میں فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی قرآن کے زمانہ پر ایک نظر ڈال کر دیکھے کہ دنیا میں تعدد ازدواج کس افراط تک پہنچ گیا تھا۔" شادیاں ہوتی تھیں۔ بیویاں کتنی کتنی ہوتی تھیں سو سو اسّی اسّی بیویاں لوگ رکھ لیتے تھے۔ "اور کیسی بے اعتدالیوں سے عورتوں کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا۔" کتنے ظلم ہوتے تھے عورتوں پر۔ "تو اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن نے دنیا پر یہ احسان کیا کہ ان تمام بے اعتدالیوں کو موقوف کر دیا۔"

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 45)

یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، قرآن کریم کی تعلیم کا احسان ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ساری غلط قسم کی باتوں کو ختم کیا۔ عورت کی کوئی عزت نہیں تھی۔ شادیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ حقوق نہیں تھے۔ یہ ساری چیزیں قرآن کریم نے دلوائیں اور اسلام سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جس قدر عقائد اور اصول اور احکام اس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو....." جو بھی احکام ہیں ان میں زبردستی کوئی نہیں، تحکم کوئی نہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (البقرۃ:257)" یعنی دین میں کوئی بات جبر سے نہیں منوانا "یعنی یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 433)

اور دلائل پیش کر کے پھر سامنے رکھتا ہے اور ماننے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ پھر قرآن کریم کی کامل تعلیم کا اعلان کرتے ہوئے دنیا کو چیلنج دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارا خداوند کریم کہ جو دلوں کے پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے اس بات پر گواہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ذرہ کا ہزارم حصہ بھی قرآن شریف کی تعلیم میں کچھ نقص نکال سکے یا بمقابلہ اس کے اپنی کسی کتاب کی ایک ذرہ بھر کوئی ایسی خوبی ثابت کر سکے کہ جو قرآنی تعلیم کے برخلاف ہو اور اس سے بہتر ہو تو ہم سزائے موت

بھی قبول کرنے کو تیار ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 298 بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2)

پس یہ ایسا بڑا دعویٰ ہے جو کامل ایمان اور یقین کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن مجید میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ خدا تعالیٰ کا ہو جائے۔" (ملفوظات جلد 7 صفحہ 28)

اگر ایمان کامل ہو اور پھر قرآن کریم پر غور کرو تو پھر دنیاداری کے بجائے خدا تعالیٰ کی طرف ہر وقت توجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عرفان بھی عطا فرمائے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"آج رُوئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلام الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جس کے اصول نجات کے بالکل راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں" نجات کے جو اصول ہیں وضع فطرت پر مبنی ہیں۔ "جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں جس کی تعلیمات ہر یک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلی پاک ہیں جس میں توحید اور تعظیمِ الٰہی اور کمالات حضرتِ عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے جس میں یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیت جنابِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔" خدا تعالیٰ کی وحدانیت سے بھرا ہوا ہے۔ "اور کسی طرح کا دھبہ نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذاتِ پاک حضرت باری تعالیٰ پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا۔" یہ نہیں کہ اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرلو بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی دلیل دیتا ہے فرمایا "بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے۔ اور ہر یک اصول کی حقیت پر دلائل واضح بیان کرکے مرتبہ یقینِ کامل اور معرفتِ تام تک پہنچاتا ہے۔ اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں ان تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے۔" انسان بننے کے بھی تو آداب ہوتے ہیں وہ سارے آداب قرآن کریم میں ملتے ہیں "اور ہر یک فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔" یہ نہیں کہ ایک زمانے میں فساد کو رد کر رہا ہے بلکہ ہر فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے جس زور سے وہ آجکل پھیلا ہوا ہے۔ جس طرح آج پھیلا ہوا ہے اسی طرح اس کی مدافعت بھی وہیں سے نکل آتی ہے۔ اس کا علاج نکلتا ہے اس کا توڑ کرتا ہے۔ اور "اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے گویا احکام قدرتی کا ایک آئینہ ہے اور قانونِ فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے اور بینائی دلی اور بصیرتِ قلبی کے لئے ایک آفتابِ چشم افروز ہے۔" روشن کرنے والا سورج ہے۔ "اور عقل کے اجمال کو تفصیل دینے والا اور اس کے نقصان کا جبر کرنے والا ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 81-82)

جو عقل کی باتیں مختصر ہوتی ہیں ان کو تفصیلی طور پر بیان کرتا ہے اور نقصان کو پورا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں قرآن کریم پر حقیقی طور پر عمل کرنے والا اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے والا، اس کو سمجھنے والا اور اپنی زندگیاں اس کے مطابق گزارنے والا بنائے۔ رمضان کے بعد بھی اس نعمت سے فیض اٹھانے کی اسی طرح کوشش کرتے رہیں جس طرح رمضان میں کر رہے ہیں۔ رمضان میں جماعت کے مخالفین کے شر سے بچنے کے لیے بھی خاص طور پر دعائیں کریں اللہ تعالیٰ ہر شریر کے ہاتھ کو روکے اور ان کی پکڑ کے سامان فرمائے۔ دنیا کو فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے بھی عمومی طور پر بہت دعا کریں۔ اسی طرح فلسطین میں بھی آج کل بڑا فساد پیدا ہوا ہوا ہے **فلسطین کے مسلمانوں کے لیے بھی دعا کریں** اللہ تعالیٰ انہیں ظالموں کے ظلم سے بچائے اور مسلم دنیا کے لیڈروں کو بھی عقل دے کہ وہ اپنے مفادات سے باہر نکل کر مسلمانوں کے عمومی مفادات کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس رمضان میں ہمارے لیے رحمتوں اور برکتوں کے دروازے پہلے سے بڑھ کر کھولے۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 28/ اپریل 2023ء جلد 30 شمارہ 54 صفحہ 02 تا 07)

15

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 14/ اپریل 2023ء بمطابق 14/ شہادت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ وہ کلمہ ہے جو توحید کی بنیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو آگ پر حرام کر دیا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھا۔

(صحیح البخاری کتاب الصلاۃ باب المساجد فی البیوت ... الخ حدیث425)

پس جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اس کی توجہ چاہتے ہوئے، اس کی طرف جھکتے ہوئے، اپنی توجہ کو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے انسان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنتا ہے۔

اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کر دیا۔

(صحیح البخاری کتاب الرقاق باب العمل الذی یبتغی به وجه الله ...حدیث6423)

ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر اس کو حرام کر دے گا۔ اور یہی تعلیم تھی جو تمام انبیاء لے کر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے۔

(مؤطا امام مالك كتاب الصلاۃ باب ما جاء فی الدعاء حدیث 501 جلد 1 صفحہ 536 مطبوعہ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

پس یہ تعلیم ہے جو تمام انبیاء کی ہے لیکن بدقسمتی سے انہی انبیاء کی قوموں نے جنہوں نے یہ تعلیم دی تھی اس تعلیم کو براہِ راست یا بالواسطہ بھول کر شرک کا ذریعہ بنا لیا۔ اصل تعلیم کو بھول گئے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں شامل کر کے وہ کامل تعلیم دی جس نے شرک کا بکلی خاتمہ کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا حقیقی سبق دے کر ہماری دنیا و عاقبت سنوارنے کے سامان فرمائے۔

پس اب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیم پر عمل کرے گا اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار خالص ہو کر کرے گا وہی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بھی بنے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی حصہ پائے گا جس کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن **میری شفاعت کے اعتبار سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوش بخت شخص وہ ہو گا جس نے اپنے خالص دل یا اپنے**

خالص نفس کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کیا ہو گا۔

(صحیح البخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث حدیث 99)

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لیے خالص دل کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار ہے جس میں دنیا کی ملونی نہ ہو وہی آپ کی شفاعت کا حصہ دار ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری اور کامل نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اختیار دیا۔ آپ پر ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جو صدق دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کی گواہی دے مگر اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے۔

(صحیح البخاری کتاب العلم باب من خص بالعلم قومًا دون قوم... حدیث 128)

ایک جگہ خالی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے دوسری جگہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ بھی شامل ہے۔ پس اب توحید کا اقرار اور اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے آخری اور کامل نبی ہونے کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں۔ آپؐ ہی ہیں جنہوں نے اپنی امّت میں شرک کے مکمل طور پر ختم کرنے کا اعلان فرمایا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے اس شخص سے مکمل طور پر بیزاری کا اعلان فرمایا جو کسی بھی رنگ میں معمولی سے شرک کا بھی اظہار کرنے والا ہو۔ مگر باوجود اس کے مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اس قسم کے مخفی شرک کے مرتکب ہیں جن کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے مناہی فرمائی ہے۔

ہم احمدی خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے امام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کے ماننے کی توفیق عطا فرمائی جنہوں نے اسلامی احکام کو کھول کر ان کی گہرائی اور حکمت کے ساتھ ہمیں بتایا۔ جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی گہرائی کے بارے میں ہمیں بتایا وہاں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بارے میں بھی ہمیں بتایا۔ اس وقت میں اس سلسلے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اقتباسات پیش کروں گا جو اس مضمون پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالتے ہیں اور ہمیں بھی اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اس مضمون کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے ہمیں کس طرح اپنے جائزے لینے چاہئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ (المائدۃ:4) کی تشریح آپ ہی فرما دی کہ اس میں تین نشانیوں کا ہونا از بس ضروری ہے....." آپ نشانیاں بیان کر رہے تھے جس میں پہلا تھا اَصْلُهَا ثَابِتٌ (ابراھیم:25) جس کی جڑیں مضبوطی سے قائم ہوں۔ دوسری نشانی ہے وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ (ابراھیم:25) کہ اس کی شاخیں آسمان کی بلندی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ تیسری نشانی تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ (ابراھیم:26) ہر وقت تازہ پھل دیتی ہے۔ پس اسلام ہی وہ دین ہے جو اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ بہرحال اَصْلُهَا ثَابِتٌ کی وضاحت کرتے ہوئے جو پہلی نشانی ہے آپؑ فرماتے ہیں کہ "اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جس سے مراد کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔" یعنی اَصْلُهَا ثَابِتٌ کو اگر ثابت کرنا ہے تو اس کی پہلی نشانی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ فرمایا کہ "اس کو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اگر میں تمام دلائل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہوں گے۔" کتابیں لکھی جائیں گی۔ "مگر تھوڑا سا ان میں سے

بطور نمونہ کے ذیل میں لکھتا ہوں جیسا کہ ایک جگہ یعنی سیپارہ دوسرے سورۃ البقر میں فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرہ:165)۔ یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور ان کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لئے چلتی ہیں اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے الہام اور اس کے مُدَبِّرْ بِالْاِرَادَہْ ہونے پر نشانات ہیں۔'' فرمایا کہ ''اب دیکھئے اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانونِ قدرت سے کیا۔'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو ثابت کیا ہے، قانون قدرت سے یہ دلیل دی ہے۔ ''یعنی اپنی ان مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وَحْدَہٗ لَا شَرِیْك اور مُدَبِّرْ بِالْاِرَادَہْ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی تمام یہ مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر کے سامنے موجود ہے یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اس کا ایک موجد اور صانع ہے جس کے لئے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مُدَبِّرْ بِالْاِرَادَہْ بھی ہو اور مستجمع جمیع صفات کاملہ بھی ہو اور وحی کو نازل کرنے والا بھی ہو۔''

(جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 124-125)

پس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه صرف ایک معبود ہونے کا خیال ہی دل میں پیدا نہیں کرتا بلکہ اس بات کو بھی دل میں راسخ کرتا ہے اور کرنا چاہیے کہ ہمارا خدا وہ واحد خدا ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور ہر مخلوق کا خالق ہے اور اس کے اذن سے ہی یہ تمام نظامِ کائنات چل رہا ہے اور تمام حاجات کے لیے ہم نے اس کے حضور ہی جھکنا ہے۔ پس جب یہ ایمان کی حالت ہو جائے تو وہ کامل ایمان ہوتا ہے جس میں شرک کی ملونی ہو ہی نہیں سکتی اور یہی وہ ایمان ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالص ہو کر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پر ایمان لانے والوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''**استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔**'' جس سے مدد طلب کی جاتی ہے یا کوئی مدد دینے والا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا حق رکھتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ کامل ہستی ہے جس سے مدد چاہی جانی چاہیے۔ کوئی اَور اس طرح اس کا حق رکھ ہی نہیں سکتا نہ اس میں طاقت ہے۔'' اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ پہلے صفاتِ الٰہی رب، رحمٰن، رحیم، مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی

تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔" مدد بھی اس عبادت کرنے کے لیے تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔ تیری مدد کے بغیر ہماری عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ "اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ کسی انسان، حیوان، چرند پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر یہ حق نہیں ہے مگر ہاں دوسرے درجہ پر ظلی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردانِ خدا کو دیا گیا ہے۔" اللہ کے اذن سے ان کی دعاؤں سے مدد بھی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ "ہم کو نہیں چاہئے کہ کوئی بات اپنی طرف سے بنالیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اندر اندر رہنا چاہئے۔ اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے اور یہ امر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه سے بھی بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کے پہلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا محبوب و معبود اور مطلوب اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہئے۔ اور دوسرے حصے سے رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا اظہار ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 53-54)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اس وقت تک کہ نابود ہو جائے خدا کا قانونِ قدرت یہی ہے کہ وہ توحید کی ہمیشہ حمایت کرتا ہے۔ جتنے نبی اس نے بھیجے سب اسی لئے آئے تھے کہ تا انسانوں اور دوسری مخلوقوں کی پرستش دور کر کے خدا کی پرستش دنیا میں قائم کریں اور ان کی خدمت یہی تھی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا مضمون زمین پر چمکے جیسا کہ وہ آسمان پر چمکتا ہے۔ سو ان سب میں سے بڑا وہ ہے جس نے اس مضمون کو بہت چمکایا۔ جس نے پہلے باطل الٰہوں کی کمزوری ثابت کی۔" جھوٹے جو معبود تھے ان کی کمزوری ثابت کی "اور علم اور طاقت کے رو سے ان کا ہیچ ہونا ثابت کیا۔ اور جب سب کچھ ثابت کر چکا تو پھر اس فتح نمایاں کی ہمیشہ کے لئے یادگار یہ چھوڑی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه۔ اس نے صرف بے ثبوت دعویٰ کے طور پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه نہیں کہا بلکہ اس نے پہلے ثبوت دے کر اور باطل کا بطلان دکھلا کر پھر لوگوں کو اس طرف توجہ دی کہ دیکھو! اس خدا کے سوا اَور کوئی خدا نہیں جس نے تمہاری تمام قوتیں توڑ دیں اور تمام شیخیاں نابود کر دیں۔ سو اس ثابت شدہ بات کو یاد دلانے کے لئے ہمیشہ کے لئے یہ مبارک کلمہ سکھلایا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه۔"

(مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 65)

فتح مکہ کے موقع پر ہزاروں بت پرستوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی برتری دیکھی۔ ابوسفیان سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم پر ابھی بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی حقیقت روشن نہیں ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں بالکل سمجھ چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی معبود ہوتا تو ہماری کچھ تو مدد کرتا۔ یہ تین سو ساٹھ بت ہم نے رکھے ہوئے ہیں کچھ تو ہماری مدد کرتے جن کی ہم عبادت کرتے ہیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 739 اسلام ابی سفیان ... مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)
(صحیح البخاری کتاب المظالم باب ھل تکسر الدنان...الخ حدیث 2478)

ایک مخالف کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"آپ کا یہ کہنا کہ حضرت مقدس نبوی کی تعلیم یہ ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کہنے سے

گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے اور یہی واقعی حقیقت ہے۔ ”تم یہ کہتے ہو ناں گناہ ختم ہو جاتے ہیں ٹھیک ہے بالکل سچ ہے ”کہ جو محض خدا کو واحد لاشریک جانتا ہے اور ایمان لاتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی قادر یکتا نے بھیجا ہے تو بے شک اگر اس کلمہ پر اس کا خاتمہ ہو تو نجات پا جائے گا آسمانوں کے نیچے کسی کی خودکشی سے نجات نہیں ہر گز نہیں۔“ کسی کے مرنے سے نجات نہیں ہوتی۔ ہاں کوئی تمہاری خاطر مر جائے تو اس سے بھی نجات نہیں ہو گی۔ کلمہ سے نجات پائے گا ”اور اس سے زیادہ کون“ فرمایا کہ ”اس سے زیادہ کون پاگل ہو گا کہ ایسا خیال بھی کرے“ کہ کلمہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ مگر خدا کو واحد لاشریک سمجھنا۔ یہ غور کر لو۔ یہ سوچ لو۔ یہ simple کہہ دینا، سادہ رنگ میں کہہ دینا نہیں ہے۔ ”مگر خدا کو واحد لاشریک سمجھنا اور ایسا مہربان خیال کرنا کہ اس نے نہایت رحم کر کے دنیا کو ضلالت سے چھڑانے کے لئے اپنا رسول بھیجا جس کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ ایک ایسا اعتقاد ہے کہ اس پر یقین کرنے سے روح کی تاریکی دُور ہوتی ہے اور نفسانیت دُور ہو کر اس کی جگہ توحید لے لیتی ہے۔ آخر توحید کا زبردست جوش تمام دل پر محیط ہو کر اسی جہان میں بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔“ حقیقت جاننی چاہیے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مطلب کیا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کا مطلب کیا ہے تو پھر جنت اس دنیا میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ ”جیسا تم دیکھتے ہو کہ نور کے آنے سے ظلمت قائم نہیں رہ سکتی ایسا ہی جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا نورانی پرتو دل پر پڑتا ہے تو نفسانی ظلمت کے جذبات کالمعدوم ہو جاتے ہیں۔“ ختم ہو جاتے ہیں۔ ”گناہ کی حقیقت بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ سرکشی کی ملونی سے نفسانی جذبات کا شور و غوغا ہو جس کی متابعت کی حالت میں ایک شخص کا نام گناہگار رکھا جاتا ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی جو لغت عرب کے مَوارِدِ استعمال سے معلوم ہوتے ہیں۔“ لغت میں اس کا جو بہت زیادہ مطلب ہے ’وہ یہ ہیں کہ لَا مَطْلُوْبَ لِیْ وَ لَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَ لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَ لَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللہُ۔ یعنی بجز اللہ کے اَور کوئی میرا مطلوب نہیں اور محبوب نہیں اور معبود نہیں اور مطاع نہیں۔“

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 418-419)

جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو یقیناً پھر زندگی بھی جنت بن جاتی ہے اور بخشش کے سامان اس دنیا میں ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ ”اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کی بجاآوری ہر ایک کو میسر نہیں ہے۔ مثلاً حج۔ یہ اس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو۔“ ہر ایک پہ حج فرض نہیں ہے۔ ”پھر راستہ میں امن ہو۔“ یہ بھی ضروری ہے حج کے لیے۔ ”پیچھے جو متعلقین ہیں ان کے گزارہ کا بھی معقول انتظام ہو۔“ گھر والے جو پیچھے چھوڑ کے جا رہے ہو ان کے کھانے پینے کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ان کو بھوکا چھوڑ کے تو حج کرنے چلے جاؤ۔ ”اور اسی قسم کی ضروری شرائط پوری ہوں تو حج کر سکتا ہے۔ ایسا ہی زکوٰۃ ہے۔ یہ وہی دے سکتا ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔“ جس پر فرض ہو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ”ایسا ہی نماز میں بھی تغیرات ہو جاتے ہیں۔“ کبھی سفر میں بیماری میں قصر بھی ہو جاتی ہے جمع بھی ہو جاتی ہے ”لیکن ایک بات ہے جس میں کوئی تغیر نہیں اور وہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ۔ اصل یہی بات ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے مُکمِّلات ہیں۔

توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجا آوری نہ ہو۔" عبادات نہیں بجالاؤ گے تو توحید مکمل نہیں ہوتی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا حق ادا نہیں ہوتا۔ "اس کے یہی معنی ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کہنے والا اس وقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر عملی پہلو سے بھی وہ ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔" پس یہ شرط ہے ایمان کی۔ صرف زبانی اقرار نہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا ہے تو پھر اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کر کے، اس کی عبادات بجالا کر، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر کے ثابت کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ اللہ کے حکم ہیں اور اپنے محبوب کی خاطر اور جس کو حاصل کرنا مقصود ہے اس کی خاطر اور جس کی طلب کی جاتی ہے اس کی خاطر اس کے حکموں پر عمل کرنا ضروری ہے تب ایک انسان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا حقیقی عامل بنتا ہے۔ اس پر عمل کرنے والا بنتا ہے۔ ماننے والا بنتا ہے۔

فرمایا "جب اس کی یہ حالت ہو اور واقعی طور پر اس کا ایمانی اور عملی رنگ اس اقرار کو ظاہر کرنے والا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور اس اقرار میں جھوٹا نہیں۔" یہ بات ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے پھر جھوٹا نہیں ہے۔ "ساری مادی چیزیں جل گئی ہیں اور ایک فنا ان پر اس کے ایمان میں آگئی ہے۔" لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے تمام مادی چیزیں جل گئیں صرف اللہ تعالیٰ مطلوب اور مقصود اور محبوب ہو گیا۔ تو یہ ایمانی کیفیت آگئی۔ "تب وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ منہ سے نکالتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ جو اس کا دوسرا جزو ہے وہ نمونہ کے لئے ہے کیونکہ نمونہ اور نظیر سے ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نمونوں کے لئے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 82-83)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا حقیقی مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کے جو حکم تھے ان پر صحیح عمل اور ان کی تشریح اور ان کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور آپ ہی وہ کامل نمونہ تھے جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو کامل کر کے دکھایا، اس پر عمل کو کامل کر کے دکھایا۔ پھر ہمیں نصیحت کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"**بیعت رسمی فائدہ نہیں دیتی۔** ایسی بیعت سے حصہ دار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اسی وقت حصہ دار ہو گا جب اپنے وجود کو ترک کر کے بالکل محبت اور اخلاص کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جاوے۔" جس کی بیعت کی ہے پورے محبت اور اخلاص کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جاؤ تب بیعت فائدہ دے گی۔ فرمایا کہ "منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے آخر بے ایمان رہے۔" انہوں نے بھی ظاہری بیعتیں کی تھیں۔ "ان کو سچی محبت اور اخلاص پیدا نہ ہوا۔ اس لئے ظاہری لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ان کے کام نہ آیا۔" فرمایا "تو ان تعلقات کو بڑھانا بڑا ضروری امر ہے۔ اگر ان تعلقات کو وہ" یعنی "(طالب) نہیں بڑھاتا اور کوشش نہیں کرتا تو اس کا شکوہ اور افسوس بے فائدہ ہے۔ محبت و اخلاص کا تعلق بڑھانا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو اس انسان" یعنی "(مرشد) کے ہم رنگ ہو۔ طریقوں میں اور اعتقاد میں۔" فرمایا کہ "نفس لمبی عمر کے وعدے دیتا ہے۔" انسان سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بڑی لمبی

عمر پڑی ہے۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ ”یہ دھوکا ہے۔ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہئے اور **صبح سے لے کر شام تک حساب کرنا چاہئے۔**“ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 5)

اپنا، کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ کس حد تک میں نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر عمل کیا ہے۔ یہ آپؑ نے ہمیں نصیحت فرمائی ہے۔ پھر ایک جگہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو سمجھنے اور اس کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ”میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سست ہو جاویں۔“ کلمہ پڑھ لیا تو سست ہو جاؤ۔ ”اسلام کسی کو سست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لئے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔“ کہہ تو رہے ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ لیکن اللہ کا حق ادا کرنا ہے تو ان کو کوئی وقت ہی نہیں ملتا دنیا میں مصروف ہیں۔ ”ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کو اس وقت بھی مد نظر رکھیں تا کہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کر لے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔“ دین مقدم کرنا ضروری ہے۔ ہم اپنے عہد میں دنیا کے معاملوں میں یہ عہد بھی کرتے ہیں کہ دنیا کے مقابلے میں ہم دین مقدم کریں گے۔ فرمایا ”**دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔**“ دنیا نہ مقصود بالذات ہو۔ ”اصل مقصود دین ہو۔ پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اس کے تصور سے ہی انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے۔ نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں، بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں“ لوگ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی باتیں کرتے ہیں ”جلسے کرتے ہیں کہ مسلمان ترقی کریں مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پھر ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دنیا ہی کے لئے ہیں۔“ کوششیں دنیا کے لیے کر رہے ہیں۔ نام مسلمانوں کا استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ کے دین کا استعمال کر رہے ہیں۔ فرمایا ”یاد رکھو جب تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرے ذرے پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہو گی۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 158-159)

ترقی کرنی ہے تو پھر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے مفہوم کو سمجھنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کو مقصود بالذات بنانا ہو گا نہ کہ دنیا کو۔ پھر کلمہ طیبہ کی حقیقت اور اس کے معنی بیان کرتے ہوئے اور کس طرح ہمیں اسے سمجھ کر اس پہ عمل کرنا چاہیے آپؑ فرماتے ہیں: ”میں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہیں صرف اتنے پر خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہیں۔ جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف زبانی قِیل و قَال سے کبھی راضی نہیں ہوتا اور نہ نری زبانی باتوں سے کوئی خوبی انسان کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔“ زبانی باتیں تو کوئی چیز نہیں ہیں اصل میں عمل چیز ہے۔ ”جب تک عملی حالت درست نہ ہو کچھ بھی نہیں بنتا۔ یہودیوں پر بھی ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ ان میں نری زبان درازی ہی رہ“ گئی تھی ”اور انہوں نے

صرف زبانوں کی باتوں پر ہی کفایت کر لی تھی۔ زبان سے تو وہ بہت کچھ کہتے تھے مگر دل میں طرح طرح کے گندے خیالات اور زہریلے مواد بھرے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طرح طرح کے عذاب نازل کئے اور ان کو مختلف مصیبتوں میں ڈالا اور ذلیل کیا یہاں تک کہ انہیں سؤر اور بندر بنایا۔ ''فرمایا کہ ''اب غور کا مقام ہے۔ کیا وہ تورات کو نہیں مانتے تھے؟ وہ ضرور مانتے تھے اور نبیوں کے بھی ماننے والے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی بات کو پسند نہ کیا کہ وہ نرے زبان سے ماننے والے ہوں اور ان کے دل زبان سے متفق نہ ہوں۔'' زبان سے تو کہتے ہوں لیکن دل اس پر عمل نہ کر رہے ہوں جو زبان کہہ رہی ہے۔ فرمایا ''خوب یاد رکھنا چاہئے اگر کوئی شخص زبان سے کہتا ہے کہ میں خدا کو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ اور ایسا ہی اور ایمانی امور کا قائل ہوں لیکن اگر یہ اقرار صرف زبان ہی تک ہے اور دل معترف نہیں تو یہ زبانی باتیں ہوں گی۔'' منہ سے کہہ دینا کافی نہیں ہے جب تک دل سے آواز نہ اٹھے۔ ''اور نجات اس سے نہیں مل سکے گی جب تک انسان کا دل ایمان نہ لائے۔ اور اس کا ایمان لانا یہی ہو گا کہ وہ عملی حالت میں ان امور کو ظاہر کر دے اُس وقت تک کوئی بات بنتی نہیں۔'' عملی حالت کیا ہے؟ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل جو قرآن کریم میں وضاحت سے بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ ''میں سچ کہتا ہوں کہ اصل مراد تب ہی حاصل ہوتی ہے جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور در حقیقت دنیا پر دین کو مقدم کر دے۔'' صرف عہد کرنے سے نہیں ہو گا عملی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کرنا ہو گا۔ فرمایا ''یاد رکھو مخلوق کو انسان دھوکہ دے سکتا ہے اور لوگ یہ دیکھ کر کہ پنج وقت نماز پڑھتا ہے یا اور نیکی کے کام کرتا ہے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔'' لوگ دیکھنے والے ہیں کسی کے عمل کو نماز پڑھتے دیکھ کے، مسجد میں آ کے نفل پڑھتے دیکھ کے کہہ سکتے ہیں بڑا پنجوقتہ نمازی ہے، مسجد میں آتا ہے۔ کوئی اور نیکی کا کام کیا ہے۔ چندے دے رہا ہے۔ بڑا نیک آدمی ہے۔ لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں ''مگر خدا تعالیٰ دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اس لئے اعمال میں ایک خاص اخلاص ہونا چاہئے۔'' اعمال جو بجالانے ہیں ان میں بھی ایک اخلاص ہونا چاہیے اور اخلاص وہی ہو گا جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔ ''یہی ایک چیز ہے جو اعمال میں صلاحیت اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔'' فرمایا ''اب یاد رکھنا چاہئے کہ کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں؟ کلمہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کہ میرا معبود، محبوب اور مقصود خدا تعالیٰ کے سوا اَور کوئی نہیں۔''

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ''اِلٰہ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لئے آتا ہے۔'' سب سے زیادہ محبت اس سے ہو اور وہی مقصد ہو جس کو حاصل کرنے کی انسان کی غرض ہو نہ کہ دنیاوی چیزیں اور عبادت صرف اسی کی کی جائے کوئی مخفی شرک بھی نہ ہو۔ فرمایا کہ ''اِلٰہ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ چونکہ ایک بڑی اور مبسوط کتاب کا یاد کرنا آسان نہیں۔'' پورا قرآن شریف یاد کرنا تو آسان نہیں ہے ''اس لئے یہ کلمہ سکھا دیا گیا تا کہ ہر وقت انسان اسلامی تعلیم کے مغز کو مد نظر رکھے۔'' اور مغز کیا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ وہی میرا مطلوب ہے، وہی میرا مقصود ہے، وہی میرا محبوب ہے۔ ''اور جب تک یہ حقیقت انسان

کے اندر پیدا نہ ہو جاوے سچ یہی ہے کہ نجات نہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے..... یعنی جس نے صدق دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو مان لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔" اس کی وضاحت میں آپؑ فرماتے ہیں کہ "اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طوطے کی طرح لفظ کہہ دینے سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر اتنی ہی حقیقت اس کے اندر ہوتی تو پھر سب اعمال بے کار اور نکمے ہو جاتے۔" صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے جنت میں داخل ہو جاؤ پھر تو عمل سارے ختم ہو گئے۔ قرآنِ کریم میں جو اتنے بڑے احکامات ہیں ان کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "اور شریعت (معاذ اللہ) لغو ٹھہرتی۔ نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مفہوم جو اسی میں رکھا گیا ہے وہ عملی رنگ میں انسان کے دل میں داخل ہو جاوے۔ جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا انسان فی الحقیقت جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔" جب اس حقیقت کو انسان سمجھ لے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے مفہوم کو تو پھر جنت میں داخل ہوتا ہے۔ "نہ صرف مرنے کے بعد بلکہ اسی زندگی میں وہ جنت میں ہوتا ہے۔" ایک اور جگہ دوسری ایک مجلس میں آپؑ ذکر فرما رہے تھے۔ دوسرے اخبار نے اس کو زائد وضاحت سے اس طرح بھی لکھا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ:

"خدا تعالیٰ الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو اپنے دل میں داخل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا۔" سچے طور پر کلمہ پڑھ لیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پیارا رہ ہی نہیں سکتا "بجز خدا کے کوئی اس کا معبود نہیں رہتا" کوئی ایسا شخص ہو ہی نہیں سکتا جس کی مخفی طور پر بھی عبادت ہو۔ "اور بجز خدا کے کوئی اس کا مطلوب باقی نہیں رہتا۔" کوئی ایسی چیز رہتی نہیں جس کا وہ طالب ہو۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ "وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے اور وہ جو قطب کا مقام ہے اور وہ جو غوث کا مقام ہے وہ یہی ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر دل سے ایمان ہو اور اس کے سچے مفہوم پر عمل ہو۔" بہرحال پھر اسی تسلسل میں آگے فرمایا کہ "یہ سچی بات ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا کوئی محبوب اور مقصود نہ رہے تو پھر کوئی دکھ یا تکلیف اسے ستا ہی نہیں سکتی۔" اگر انسان یہ سمجھ لے کہ میری تکلیفیں بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی ہیں تو پھر وہ اسے ستا نہیں سکتیں۔ ان تکلیفوں سے پریشان نہیں ہوتا۔ اس کو پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی مدد کے لیے فوراً پہنچتا ہے اور اس کو بعض حالات میں بلکہ اکثر اوقات اس کو سکونِ قلب بھی عطا فرماتا ہے۔

فرمایا "یہ وہ مقام ہے جو ابدال اور قطبوں کو ملتا ہے۔" اگر مقصد خدا تعالیٰ کی ذات ہو، ذات کا حصول ہو، دنیا کی چیزیں نہ ہوں تو پھر فکر نہیں رہتی۔ صحابہؓ نے اس نقطے کو سمجھا۔ یہ نہیں کہ قطب اور ابدال اور خاص خاص لوگ ہیں صرف انہی کو ملتا ہے۔ صحابہؓ نے، اکثریت صحابہ نے اس مقام کو حاصل کیا۔ اس نقطے کو سمجھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کو ہمارے لیے اسوہ بھی بنا دیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ "آپ یہ خیال نہ کریں کہ ہم کب بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔" یہ کہنے کے بعد کہ بڑا مقام ہے عام آدمیوں کے لیے بھی فرما دیا کہ تم صرف یہ نہ کہو کہ بس ہم

بتوں کی پرستش نہیں کرتے اس لیے ہمارے لیے یہی کافی ہے "ہم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔" یہ کہہ دینا کافی ہے۔ فرمایا "یاد رکھو یہ تو ادنیٰ درجہ کی بات ہے کہ انسان بتوں کی پرستش نہ کرے۔ ہندو لوگ جن کو حقائق کی کوئی خبر نہیں اب بتوں کی پرستش چھوڑ رہے ہیں۔" یعنی توحید کی حقیقت کا ان کو علم نہیں ہے تب بھی وہ بتوں کی پرستش چھوڑ رہے ہیں۔ "معبود کا مفہوم اسی حد تک نہیں کہ انسان پرستی یا بت پرستی تک ہو۔" یہی معبود نہیں ہے کہ انسان انسانوں کو نہ پوجے یا بتوں کو نہ پوجے۔ "اور بھی معبود ہیں۔" اس کے علاوہ بھی معبود ہیں۔ صرف یہ ظاہری معبود نہیں۔ "اور یہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہوائے نفس اور ہوس بھی معبود ہیں۔" نفس کی خواہشات جو ہیں اور ہوس جو ہے وہ بھی معبود بن جاتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر کھڑے ہوں، جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے دُور لے جانے والے ہوں۔ فرمایا "جو شخص نفس پرستی کرتا ہے یا اپنی ہوا و ہوس کی اطاعت کر رہا ہے اور اس کے لئے مر رہا ہے وہ بھی بت پرست اور مشرک ہے۔" فرمایا "یہ لَا نفی جنس ہی نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے معبودوں کی نفی کرتا ہے۔" یعنی کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں یہ کہنا کہ صرف ظاہری معبود نہیں ہیں ایک مادی چیز کی نفی نہیں کر رہا بلکہ کوئی بھی چیز جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر لاؤ اور وہ اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ پس فرمایا ہر قسم کے معبودوں کی نفی کرتا ہے یہ سمجھنا چاہیے لَا اِلٰہَ سے۔ "خواہ وہ اَنْفُسِی ہوں یا آفاقی۔" اندرونی اور مادی ہوں یا ظاہری اور دنیاوی چیزیں ہوں۔ "خواہ وہ دل میں چھپے ہوئے بت ہیں یا ظاہری بت ہیں۔ مثلاً ایک شخص بالکل اسباب ہی پر توکل کرتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا بت ہے۔ اس قسم کی بت پرستی تپ دق کی طرح ہوتی ہے۔" ٹی بی کے مریض کی طرح ہوتی ہے "جو اندر ہی اندر ہلاک کر دیتا ہے۔ موٹی قسم کے بت تو جھٹ پٹ پہچانے جاتے ہیں اور ان سے مخلصی حاصل کرنا بھی سہل ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ لاکھوں ہزاروں انسان ان سے الگ ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ ملک جو ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا کیا سب مسلمان ان میں سے ہی نہیں ہوئے؟" یہ جو مسلمان ہوئے ہیں یہ بھی تو بت پرست تھے جو مسلمان ہوئے ہیں۔

"پھر انہوں نے بت پرستی کو چھوڑا یا نہیں؟ اور خود ہندوؤں میں بھی ایسے فرقے نکلتے آتے ہیں۔" پہلے بھی جیسا کہ ذکر فرمایا۔ "جو اب بت پرستی نہیں کرتے۔ لیکن یہاں تک ہی بت پرستی کا مفہوم نہیں ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ موٹی بت پرستی چھوڑ دی ہے مگر ابھی تو ہزاروں بت انسان بغل میں لئے پھرتا ہے اور وہ لوگ بھی جو فلسفی اور منطقی کہلاتے ہیں وہ بھی ان کو اندر سے نہیں نکال سکتے۔" فلسفی اور منطقی کہلاتے ہیں، بڑے فلسفے جھاڑتے ہیں، بڑی دلیلیں پیش کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بت ہیں۔ اپنے علم کے زعم ہیں، وہی ان کو بت بنائے ہوئے ہیں۔ اپنے نظریات ہیں، وہی ان کے بت بنے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں نہیں نکال سکتے۔ فرمایا "اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا یہ کیڑے اندر سے نکل نہیں سکتے۔ یہ بہت ہی باریک کیڑے ہیں اور سب سے زیادہ ضرر اور نقصان ان کا ہی ہے۔ جو لوگ جذباتِ نفسانی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حدود سے باہر ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر حقوق العباد کو بھی تلف کرتے ہیں وہ ایسے نہیں کہ پڑھے لکھے نہیں بلکہ ان میں ہزاروں کو مولوی فاضل اور عالم پاؤ گے اور بہت ہوں گے جو فقیہہ اور صوفی کہلاتے ہوں گے مگر باوجود ان باتوں کے وہ بھی ان امراض میں مبتلا نکلیں

گے۔ ”حقوق العباد اگر ادا نہیں کر رہے تب بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مفہوم بھول جاتے ہیں۔ ”ان بتوں سے پرہیز کرنا ہی تو بہادری ہے۔“ بڑے بڑے لوگ تم سمجھو گے بہت نیک لوگ ہیں لیکن نہیں، بت ان کے اندر بھی ہیں۔ ان بتوں سے پرہیز کرنا بہادری ہے۔ مکمل طور پر اللہ کا حق ادا کرنا، مکمل طور پر بندوں کے حق ادا کرنا تب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا صحیح مفہوم پتا لگتا ہے اور یہی بہادری ہے۔ ”اور ان کو شناخت کرنا ہی کمال دانائی اور دانشمندی ہے۔“ فرمایا ”یہی بت ہیں جن کی وجہ سے آپس میں نفاق پڑتا ہے اور ہزاروں کُشت وخون ہو جاتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے کا حق مارتا ہے اور اسی طرح ہزاروں ہزار بدیاں ان کے سبب سے ہوتی ہیں۔ ہر روز اور ہر آن ہوتی ہیں اور اسباب پر اس قدر بھروسہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محض ایک عضوِ معطل قرار دے رکھا ہے۔“ فرمایا ”بہت ہی کم لوگ ہیں جنہوں نے توحید کے اصل مفہوم کو سمجھا ہے اور اگر انہیں کہا جاوے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کیا ہم مسلمان نہیں اور کلمہ نہیں پڑھتے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ انہوں نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ منہ سے پڑھ دیا اور یہ کافی ہے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر انسان کلمہ طیبہ کی حقیقت سے واقف ہو جاوے اور عملی طور پر اس پر کاربند ہو جاوے تو وہ بہت بڑی ترقی کر سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ امر خوب سمجھ لو کہ میں جو اس مقام پر کھڑا ہوں میں معمولی واعظ کی حیثیت سے نہیں کھڑا ہوں اور کوئی کہانی سنانے کے لئے نہیں کھڑا ہوں بلکہ میں تو ادائے شہادت کے لئے کھڑا ہوں۔ میں نے وہ پیغام جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے پہنچا دینا ہے۔ اس امر کی مجھے پروا نہیں کہ کوئی اسے سنتا ہے یا نہیں سنتا اور مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ اس کا جواب تم خود دو گے۔ مَیں نے فرض ادا کرنا ہے۔ مَیں جانتا ہوں بہت سے لوگ میری جماعت میں داخل تو ہیں اور وہ توحید کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ مانتے نہیں۔ جو شخص اپنے بھائی کا حق مارتا ہے یا خیانت کرتا ہے یا دوسری قسم کی بدیوں سے باز نہیں آتا۔ میں یقین نہیں کرتا کہ وہ توحید کا ماننے والا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو پاتے ہی انسان میں ایک خارق عادت تبدیلی ہو جاتی ہے۔“

توحید کو ماننے والے میں تو ایک تبدیلی پیدا ہونی چاہیے۔ ”اس میں بغض، کینہ، حسد، ریا وغیرہ کے بت نہیں رہتے اور خدا تعالیٰ سے اس کا قرب ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے اور اسی وقت وہ سچا موحد بنتا ہے جب یہ اندرونی بت تکبر، خود پسندی، ریاکاری، کینہ وعداوت، حسد و بخل، نفاق و بدعہدی وغیرہ کے دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بت اندر رہی ہیں اس وقت تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے میں کیونکر سچا ٹھہر سکتا ہے؟“

پس اس رمضان میں ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے کہ ان بتوں سے بھی اپنے آپ کو پاک کریں تاکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے حقیقی مفہوم کو ہم سمجھ سکیں اور اس پر ایمان لانے والے ہوں۔ فرمایا ”کیونکہ اس میں توکّل کی نفی مقصود ہے۔ پس یہ پکی بات ہے کہ صرف منہ سے کہہ دینا کہ خدا کو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ مانتا ہوں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ ابھی منہ سے کلمہ پڑھتا ہے اور ابھی کوئی امر ذرا مخالفِ مزاج ہوا اور غصہ اور غضب کو خدا بنا لیا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ اس امر کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک یہ مخفی معبود موجود ہوں ہرگز توقع نہ کرو تم اس مقام کو حاصل کر لو گے جو ایک سچے موحد کو ملتا ہے جیسے جب تک چوہے زمین میں ہیں مت خیال کرو کہ طاعون

سے محفوظ ہو۔ اسی طرح پر جب تک یہ چوہے اندر ہیں" یعنی کہ برائیوں کے چوہے۔ "اس وقت تک ایمان خطرہ میں ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو خوب غور سے سنو اور اس پر عمل کرنے کے لئے قدم اٹھاؤ....." فرمایا "پس کلمہ کے متعلق خلاصہ تقریر کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا معبود اور محبوب اور مقصود ہو اور یہ مقام اسی وقت ملے گا جب ہر قسم کی اندرونی بدیوں سے پاک ہو جاؤ گے اور ان بتوں کو جو تمہارے دل میں ہیں نکال دو گے۔"

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 101 تا 108 معہ حاشیہ صفحہ نمبر 104)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ رمضان کے ان بقایا دنوں میں خاص طور پر کوشش اور دعا سے اپنے اندر کی تمام بدیوں کو نکالنے والے بن جائیں۔ ہر قسم کے مخفی سے مخفی شرک سے بھی بچنے والے ہوں۔ ہر قسم کے بتوں کو نکالنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی صرف ہمارا معبود اور مقصود اور محبوب بن جائے۔ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی حقیقت کو ہم سمجھنے والے ہوں اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا جب ہم اقرار کریں تو ہمارے سامنے عملی زندگی گزارنے کے لیے وہ حسین اسوہ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے قائم فرمایا۔ اور یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے لیے ہمیں ایک عملی جہاد اور روحانی جہاد کرنا ہو گا۔ رمضان کے آخری عشرے میں ہم لیلۃ القدر کی باتیں کرتے ہیں تو **لیلۃ القدر تو حقیقت میں اس وقت ملتی ہے جب ہم اپنا سب کچھ، اپنا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق کرنے کے لیے تیار ہو جائیں** اور اس پر عمل کرنے والے ہوں اور پھر اسے مستقل اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں اور یہی وہ حقیقی نشانی ہے جو لیلۃ القدر کے پانے کی ہے۔ یہ عارضی نشانیاں کہ ہم نے روشنی دیکھ لی، ہم نے فلاں چیز دیکھ لی، ہمیں اس طرح محسوس ہوا، بارش آگئی اور خوشبو آگئی، فلاں چیز آگئی یہ تو عارضی چیزیں ہیں اصل نشانی یہ ہے کہ کیا انقلاب ہمارے دلوں میں پیدا ہوا۔

بعض جماعتوں نے دعاؤں کے بھی خاص پروگرام میری اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے بنائے ہیں کہ اگر ہم خالص ہو کر تین دن دعائیں کریں تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ظاہر ہو سکتا ہے۔ اگر تو ہم نے یہ تین دن خاص طور پر اس لیے مقرر کیے ہیں کہ یہ تین دن دعاؤں میں لگالو اور پھر اپنی پرانی طرز زندگی پر آ جاؤ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے حقیقی مقصد کو بھول جاؤ تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال کو جانتا ہے، ہماری نیتوں کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

پس اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے یہ دن دعاؤں میں گزارنا چاہتے ہیں تو پھر اس عہد کے ساتھ گزارنے ہوں گے کہ اب یہ دن ہماری زندگیوں کا مستقل حصہ بن جائیں گے اور پھر یہ تکلیفیں جو مخالف ہمیں پہنچا رہا ہے ان کو دور کرنے کے لیے خدا تعالیٰ اپنی خاص تائید و نصرت ظاہر فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور اپنے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ ہمارا ولی بن جائے گا جب ہم اللہ تعالیٰ کے ہو جائیں گے۔ بہر حال میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ ہر فردِ جماعت بلا استثنا اپنی ایسی حالت پیدا کرے پھر یہ انقلاب ہو گا۔ پس یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی تو تین دن کے بعد یہ نہ سمجھ لیں جنہوں نے پروگرام بنائے ہوئے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو نہیں سنتا یا کوئی انقلاب پیدا نہیں ہونا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ ہے کہ آپ کو اور آپ کی

جماعت کو وہ جلد یا کچھ عرصہ بعد فتوحات عطا فرمائے گا۔ ہاں اگر ہم اپنی حالتوں میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر لیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اپنا معبود اور مقصود اور محبوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنالیں، دنیا سے زیادہ ہمیں خدا تعالیٰ سے محبت اور اس کو پانا ہمارا مقصود ہو تو یہ انقلاب جلدی بھی آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز بھی ہے۔ اس کی باتوں میں شرائط بھی ہوتی ہیں۔ پس ہمیں مستقل اپنی حالتوں میں تبدیلیاں پیدا کرنے کا عہد کرنا ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **رمضان کا آخری عشرہ جہنم سے نجات کا عشرہ** ہے۔

(الجامع لشعب الایمان جزو 5 صفحہ 223-224 فضائل شھر رمضان حدیث 3336 مکتبۃ الرشد الریاض 2003ء)

اور پھر، جیسا کہ بیان ہوا، یہ بھی فرمایا کہ جس نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ دل سے پڑھا اس پر جہنم کی آگ بھی حرام ہو گئی۔ تو یہ سب باتیں اس طرف توجہ دلاتی ہیں کہ انسان کے عمل ضروری ہیں اور مستقل عمل ضروری ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے اور اس کو تفصیل سے میں نے بیان کیا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہنے کے ساتھ عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ پس اس آخری عشرے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے، حقیقی طور پر لیلۃ القدر حاصل کرنے کے لیے ہمیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے کلمہ کو اپنے دل و دماغ کی آواز بنانا ہو گا، اپنے ہر عمل پر لاگو کرنا ہو گا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان دنوں میں دنیا کے عمومی امن و استحکام کے لیے بھی دعا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانیت پر رحم اور فضل فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 05/ مئی 2023ء جلد 30 شمارہ 60 صفحہ 02 تا 07)

16

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 21/ اپریل 2023ء بمطابق 21/ شہادت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج رمضان کا آخری جمعہ ہے۔ رمضان گذر گیا اور بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے رمضان میں عبادت اور اپنے اندر خاص تبدیلیاں پیدا کرنے کے لیے منصوبے بنائے ہوں گے لیکن ان پر جس طرح سوچا تھا عمل نہیں کر سکے۔ کئی لوگ اس طرح مجھے خط لکھتے ہیں۔ اور آج رمضان کا آخری دن بھی چند گھنٹوں بعد ختم ہونے والا ہے۔ **جمعہ کا دن وہ بابرکت دن ہے جس میں ایسی گھڑی آتی ہے جب دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہوتا ہے۔**

(صحیح البخاری کتاب الجمعة باب الساعة التی فی یوم الجمعة حدیث935)

پس اگر ہمارے رمضان کے دن اس طرح نہیں بھی گزرے جس طرح ہماری خواہش تھی یا جس طرح ایک مومن کے گزرنے چاہیے تھے تو پھر بھی ہمیں آج اس بقیہ وقت میں یہ عہد کرنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں سے صرفِ نظر فرماتے ہوئے، ہم پر رحمت فرماتے ہوئے ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی زندگیوں کو مستقل اُس طریق پر چلانے والے بن جائیں جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا مہربان ہے۔ اس نے ہماری دعاؤں کی قبولیت کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ رمضان کے مہینے میں جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں بلکہ یہ جمعہ کے دن کی عمومی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔ پس اگر آج ہم اپنی دعاؤں میں یہ عہد کریں کہ ہم اس رمضان کے بعد بھی اپنے تقویٰ کے معیار کو بڑھاتے رہیں گے، اس کے لیے کوشش کریں گے، اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے، آئندہ جمعہ تک اپنی عبادتوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے رہیں گے، پھر ہر جمعہ کے درمیانی عرصہ کو اپنی عبادات اور نیک اعمال سے سجانے کی کوشش کرتے رہیں گے، دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے، اگلے رمضان تک ہم اس پروگرام کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے جو ہم نے اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کے لیے رمضان کے مہینے کے لیے بنایا تھا اور کسی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر سکے تو یہ وہ عمل ہے جو حقیقی تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ اور جب ہم خالص ہو کر اپنی عبادات اور اپنے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بجالا رہے ہوں گے تو پھر اللہ تعالیٰ جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے، رحمان ہے، رحیم ہے وہ ہمیں ان برکات سے نوازتا رہے گا جن پر ہم نے اس رمضان میں بھی کچھ حد تک عمل کیا۔ پس اصل چیز تقویٰ ہے۔ اصل چیز مستقل مزاجی سے خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل ہے۔ اصل چیز خدا تعالیٰ کی خشیت اور اس کی رضا کا حصول

ہے۔ اگر یہ ہے اور ہم واپس اس دنیاداری کی زندگی میں نہیں چلے گئے جہاں دین دنیا پر مقدم ہونے کو ہم بھول جائیں تو جو بھی اور جیسی بھی ہم نے عبادتیں اور اپنی اصلاح کی کوشش اس رمضان میں کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرماتے ہوئے ہمیں نوازتا رہے گا۔

پس یہ بنیادی نکتہ ہے جو ہمیں ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے۔ اس مقصد کا حصول ہر احمدی کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور جب ہم خود اپنی زندگیوں کو تقویٰ پر چلانے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے گزار رہے ہوں گے تو ہم اپنے بچوں اور اپنی نسلوں کے سامنے بھی وہ نمونے پیش کر رہے ہوں گے جن سے نیکیوں کی جاگ ایک نسل سے دوسری نسل کو لگتی چلی جاتی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے زمانے کے امام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کی بیعت کی ہے اور جن شرائط پر بیعت کی ہے ان کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ ہمیشہ تقویٰ پیش نظر رہے گا اور اس کی بار بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں تلقین فرمائی ہے تاکہ ہماری زندگیوں میں وہ انقلاب پیدا ہو جائے جو ہر سال صرف ایک مہینے کا انقلاب نہ ہو یا سال میں صرف ایک مہینہ اس انقلاب کو پیدا کرنے کی کوشش نہ ہو۔ بے شک رمضان کے مہینے میں تقویٰ کے معیاروں کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تربیتی ماحول اور انتظام ہمارے لیے مہیا فرمایا ہے لیکن وہ اس لیے کہ ہر رمضان کے بعد ہم تقویٰ کے اگلے اور بلند معیاروں کو حاصل کرتے چلے جائیں۔ نہ اس لیے کہ رمضان کے بعد ہم واپس اپنے نچلے معیار پر چلے جائیں۔

پس جیسا کہ میں نے کہا **حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقویٰ کے معیاروں کو اونچا کرنے اور ہماری اصلاح کے لیے بھیجے گئے ہیں** اور اس کی بار بار آپؑ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”سو میں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سو یہی افعال میرے وجود کی علت غائی ہیں۔“ یہی میرے آنے کا مقصد ہے۔ فرمایا ”مجھے بتلایا گیا ہے کہ پھر آسمان زمین سے نزدیک ہو گا بعد اس کے کہ بہت دُور ہو گیا تھا۔“

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 293-294 حاشیہ)

پس یہ وہ باتیں ہیں جنہیں ہمیشہ ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ آپؑ کا زمانہ جو خلافت علیٰ منہاج نبوت پر قائم ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تا قیامت رہنے والا زمانہ ہے آپؑ کے ماننے والے ہی ہیں جنہوں نے سچائی پر قائم رہتے ہوئے اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنی ہے اور اس کے اونچے معیار حاصل کرنے ہیں اور یہ صرف ایک مہینے کی نیکیوں یا نیکیاں کرنے کی خواہش یا ایک مہینے کی عبادتوں اور عبادتوں میں خاص شغف یا مسجدوں کو ایک مہینے کے لیے خاص طور پر آباد کرنے سے حاصل نہیں ہو گا بلکہ جب سچائی کو مانا ہے، جب آپ علیہ السلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود مان کر بیعت کی ہے تو ایمان کے معیاروں کو اونچا کرنے کی ہمیں خاص کوشش کرنی چاہیے۔ اور جب ہم ایسے ہو جائیں گے تو ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جن کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خاص تعلق ہے، جنہوں نے بیعت کے مقصد کو سمجھا ہے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی اور یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ ”میں تیرے ساتھ اور تیرے تمام پیاروں کے ساتھ ہوں۔“ (تذکرہ صفحہ 630 ایڈیشن چہارم)

کسی کا پیارا ہونے کے لیے بنیادی شرط تو یہی ہے اور ہونی چاہیے کہ اس کی باتوں پر عمل کیا جائے اور اس کی خواہشات کے مطابق اپنی زندگی گزاری جائے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیاروں کے ساتھ ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ہو جائے تو پھر اسے اَور کسی چیز کی کیا حاجت رہ جاتی ہے۔

پس ہم میں سے وہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے اس معیار کو حاصل کر لیا جہاں ہمیشہ کے لیے ان کو اللہ تعالیٰ کا ساتھ مل گیا اور اس کی تو دنیا و عاقبت سنور گئی جس کو اللہ تعالیٰ کا ساتھ مل جائے۔ پس ہمیں اپنے اندر تقویٰ پیدا کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقصد کو پورا کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو گا جب ہم مستقل مزاجی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپؑ نے اس اقتباس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ **پھر آسمان زمین سے نزدیک ہو گا**۔ اور آسمان زمین سے نزدیک اس وقت ہو گا جب ہمیں اس کا فیض پہنچے گا۔ خدا تعالیٰ اس وقت ہمارے قریب آئے گا جب قرآن و سنت کی روشنی میں ہم اس طریق پر چلنے والے ہوں گے جس کو کھول کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ ہم ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش ہوتی ہے۔ جن کی دعاؤں کو خدا تعالیٰ سنتا ہے۔ جب یہ نظارے ہم اپنی زندگیوں میں دیکھیں گے تو دوسروں کو بھی اعتماد کے ساتھ یہ دعوت دیں گے کہ آؤ! اگر تم خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنا چاہتے ہو، اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتے ہو تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کو قبول کرو اور یہ صرف تقویٰ کے معیار حاصل کرنے سے ہو گا اور یہ اسی وقت ہو گا جب یہ معیار حاصل ہونے کے بعد ہم اس پر مستقل قائم ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نظارے بھی دیکھیں گے۔ پس ہم میں سے ایسے لوگ جو اس اصول کو سمجھ گئے ہیں اور زندگی کو نیکی اور تقویٰ کے معیار تک لے جانے والے بن گئے ہیں یا بننے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نظارے دیکھتے رہیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک یہ نظارہ دیکھ سکتا ہے اگر اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق تقویٰ کی راہوں پر چلنے والی بنا لے۔ حقیقی تقویٰ کیا ہے اور اس پر چلنے والا کیسا ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا سلوک ہوتا ہے، اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"حقیقی تقویٰ کے ساتھ جاہلیت جمع نہیں ہو سکتی۔" پس یہ بنیادی بات ہے کہ متقی جاہل نہیں ہو سکتا۔ حقیقی متقی عبادت گزار ہو گا اور ساتھ ہی بندوں کے بھی حق ادا کرنے والا ہو گا۔ پس یہ وہ بنیادی بات ہے جو ہمیں ہمیشہ سامنے رکھنی چاہیے۔ پھر فرمایا "حقیقی تقویٰ اپنے ساتھ ایک نور رکھتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (الانفال: 30) وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید: 29) یعنی اے ایمان لانے والو! اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ترجمہ تفسیری فرما رہے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ کے لیے اتقا کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ

تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا۔ وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا جس نور کے ساتھ تم اپنی تمام راہوں میں چلو گے۔ یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آ جائے گا۔ تمہاری عقل میں بھی نور ہو گا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہو گا اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہو گا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہو گا اور جن راہوں میں تم چلو گے وہ راہ نورانی ہو جائیں گی۔ غرض جتنی تمہاری راہیں، تمہارے قویٰ کی راہیں، تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلو گے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 177-178)

پس یہ وہ مقام ہے جو ایک مومن کو ایک متقی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رمضان گزر بھی گیا تو تب بھی ہم اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ خوش قسمت ہوں گے ہم میں سے وہ جو اس مقام کو حاصل کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہمارے ہر قول و فعل پر ہو۔ ہمارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ہو۔ ہمارا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا غرضیکہ ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو۔ جب یہ ہو گا تو پھر ہی ہم اللہ تعالیٰ کے نور سے حصہ لینے والے ہوں گے۔ دنیا کی چکاچوند کے بجائے ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو گا تب ہی ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے والے ہوں گے۔ ہم ایک کوشش کے ساتھ اپنا عہد نبھانے والے ہوں گے۔ اگر یہ پاک تبدیلی ہم اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی خواہش نہیں رکھتے اور اس کے لیے کوشش نہیں کرتے تو ہمارے دعوے غلط ہیں۔ ہمیں رمضان میں عارضی طور پر کی گئی نیکیاں بھی پھر کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔ پس ہمیں ہر وقت اس سوچ کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کیا ہم اس تقویٰ کے حصول کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں جس کا قرآن کریم کی آیت کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یقیناً ہم شیطان سے مقابلے کے لیے بھی تیار ہیں اور شیطان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ پھر ہماری مدد بھی فرمائے گا اور شیطان کے ہر حملے کو ناکام و نامراد کرے گا۔ شیطان نے تو فی زمانہ ہمیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس کے چنگل سے نکلنا ممکن نہیں اور خدا تعالیٰ کی مدد تقویٰ پر چلنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ زمانہ تو خاص طور پر شیطان کے حملوں کا زمانہ ہے۔ اپنے تمام تر حیلوں اور مکروں اور ہتھیاروں سے شیطان حملے کر رہا ہے۔ ایسے خوفناک حملے ہیں کہ جس کی مثال پہلے نہیں ملتی تھی۔ پس ایسے حالات میں خدا تعالیٰ کی طرف خاص طور پر جھکنے کی ضرورت ہے۔

ٹی وی ہو یا سوشل میڈیا ہو یا دوسرے پروگرام ہوں یا بچوں کے سکول ہوں یا ان کے پروگرام ہوں ہر جگہ شیطان نے دجال کے ذریعہ سے ایک ایسا خوفناک ماحول پیدا کر دیا ہے جس سے خدا تعالیٰ کی مدد کے بغیر نکلنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ فکر تو اپنے بچوں اور اگلی نسلوں کو دجال اور شیطان کے حملوں سے بچانے کی ہے اور اس کی بہت زیادہ ضرورت بھی ہے اور اس کے لیے ہر احمدی والدین کو، تمام احمدی والدین کو کوشش بھی کرنی چاہیے اور جماعتی نظام کو بھی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے ہر احمدی عاقل بالغ کو اللہ تعالیٰ کے

حضور جھکتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے تقویٰ کے اعلیٰ معیاروں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ اس طرح دجال کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کر سکیں۔ رمضان کے بعد بھی ہمیں relax نہیں ہو جانا چاہیے آرام سے بیٹھ نہیں جانا چاہیے بلکہ اپنے قرآن کریم کے علم کو، دین کے علم کو بڑھانے کی خاص کوشش کرنی چاہیے تا کہ ایک خاص ماحول ہمارے گھروں میں مستقل قائم رہے۔ اپنی عبادتوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ شیطان اور دجال کے حملوں سے بچنے کے لیے خاص دعاؤں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ شیطان کے حیلوں اور مکروں کے بارے میں بیان فرماتے ہوئے ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یاد رکھنا چاہئے کہ دجال اصل میں شیطان کے مظہر کو کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں راہ ہدایت سے گمراہ کرنے والا۔ لیکن آخری زمانہ کی نسبت پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس وقت شیطان کے ساتھ بہت جنگ ہوں گے لیکن آخر کار شیطان مغلوب ہو جائے گا۔" یہ امید بھی دلا دی۔ تقویٰ پر چلتے رہیں گے، مقابلہ کریں گے تو شیطان مغلوب ہو جائے گا۔

فرمایا "گو ہر نبی کے زمانہ میں شیطان مغلوب ہوتا رہا ہے مگر وہ صرف فرضی طور پر تھا۔ حقیقی طور پر اس کا مغلوب ہونا مسیح کے ہاتھوں سے مقدر تھا اور خدا تعالیٰ نے یہاں تک غلبہ کا وعدہ دیا ہے کہ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران:56) فرمایا ہے کہ تیرے حقیقی تابعداروں کو بھی دوسروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔" پس حقیقی تابعدار بننے کے لیے آپؑ کی تعلیم پر عمل کرنے کے لیے تقویٰ اختیار کرنا ہو گا۔ پس فرمایا: "غرض شیطان اس آخری زمانہ میں پورے زور سے جنگ کر رہا ہے مگر آخری فتح ہماری ہی ہو گی۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 60)

ان شاء اللہ۔ پس شیطان اور دجال کے حملوں سے بچانے اور فتح دینے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی فرمایا ہے۔ آپؑ کو بھی دو تین مرتبہ یہ الہام ہوا لیکن اس کا حقیقی فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوں گے جو آپؑ کی حقیقی اطاعت کرنے والے ہیں اور آپؑ کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ اس بارے میں ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ تو سچ ہے کہ وہ میرے متبعین کو" قیامت تک "میرے منکروں اور میرے مخالفوں پر غلبہ دے گا لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ متبعین میں..... ہر شخص محض میرے ہاتھ پر بیعت کرنے سے داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنے اندر وہ اتباع کی پوری کیفیت پیدا نہیں کرتا متبعین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پوری پوری پیروی جب تک نہیں کرتا ایسی پیروی کہ گویا اطاعت میں فنا ہو جاوے اور نقشِ قدم پر چلے اس وقت تک اتباع کا لفظ صادق نہیں آتا۔" فرمایا کہ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسی جماعت میرے لئے مقدر کی ہے جو میری اطاعت میں فنا ہو اور پورے طور پر میری اتباع کرنے والی ہو۔" (ملفوظات جلد 8 صفحہ 299)

اللہ تعالیٰ ایسی جماعت تو دے گا۔ وہ ہم ہوں یا دوسرے لوگ ہوں۔ آج ہوں یا کل ہوں یا پہلے گزر چکے ہیں یا ہم میں سے کچھ ہوں یا اکثریت ہو۔ یہ جماعت تو آپؑ کو ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ پس یہ الفاظ ہمارے لیے

بہت ہلا دینے والے ہیں۔ ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہماری اتباع کے معیار کیا ہیں۔ کیا ہم ان دعاؤں کے بھی وارث بن رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت اور اپنے حقیقی ماننے والوں کے لیے کی ہیں۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کو بھی حاصل کرنے والے بن رہے ہیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ماننے والوں کے لیے آپ علیہ السلام سے کیا ہے۔ کیا ہم تقویٰ کے ان معیاروں کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کے افراد میں دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر چند دن کی دعائیں ہیں۔ صرف رمضان کی دعائیں ہیں اور چند دن کی عبادت اور رونا ہمیں ان انعامات کا مستحق نہیں بنا دیتا جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فرمایا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں آپؑ کشتی نوح میں مزید فرماتے ہیں کہ:

''واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے جب تک دل کی عزیمت ''یعنی ارادہ اور دعا بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ عزیمت ''سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔'' ارادہ بھی ہو اور دعا بھی ہو اس کے ساتھ پھر پورا عمل ہو۔ فرمایا ''پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کی کلام میں یہ وعدہ ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 10)

پس ہر مشکل سے اور ہر بلا اور مصیبت سے بچنے کا یہ نسخہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں بتایا ہے کہ میری تعلیم کے مطابق خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرو اور پھر دیکھو اللہ تعالیٰ تمہیں کس طرح شیطان اور دجال کے حملوں سے بچاتا ہے بلکہ ہمیں اُن ہتھیاروں سے بھی اللہ تعالیٰ لیس کر دے گا جن کے استعمال سے ہم شیطان پر غلبہ پانے والے ہوں گے۔ نہ صرف بچنے والے ہوں گے بلکہ اس کو مارنے والے بھی ہوں گے اور شیطان کو ہمیشہ کے لیے دور کرنے والے اور دجال کے حملوں سے بچنے والے ہوں گے۔ اسے تباہ کرنے والے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا:

''مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا مارنا ''یعنی شیطان کا مرنا ''صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صرف زبان سے ہی کہہ دیا جائے کہ شیطان مر گیا ہے اور وہ مر جاوے بلکہ تم لوگوں کو عملی طور پر دکھانا چاہئے کہ شیطان مر گیا ہے۔ شیطان کی موت قال سے نہیں بلکہ حال سے ظاہر کرنی چاہیے۔'' شیطان کی موت کا صرف منہ سے اعلان نہ کرتے رہو بلکہ ہمارا ہر فعل، ہمارا ہر عمل، ہماری ہر حالت سے اس بات کا اظہار ہو رہا ہو کہ ہم اپنے شیطان کو مار رہے ہیں۔ فرماتے ہیں ''خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخری مسیح کے زمانہ میں شیطان بالکل مر جائے گا۔'' فرماتے ہیں ''گو شیطان ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتا ہے مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔'' ایک مثال ہے۔ سنت ہمارے سامنے بیان فرمائی اور اگر شیطان پہ قابو پانا ہے تو اس سنت پر چلنا ہمارا فرض ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں ''اسی طرح خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس زمانہ میں شیطان کی بالکل بیخ کنی کر دی جائے گی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شیطان لَاحَوْل سے بھاگتا ہے۔'' لَاحَوْل پڑھو شیطان بھاگتا ہے ''مگر وہ ایسا سادہ لوح نہیں کہ صرف زبانی طور پر لَاحَوْل'' پڑھنے سے ''کہنے سے بھاگ جائے۔'' لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہہ دیا تو شیطان دوڑ جائے گا۔'' اس

طرح سے تو خواہ سو دفعہ لَا حَوْل پڑھا جاوے وہ نہیں بھاگے گا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ذرہ ذرہ میں لَا حَوْل سرایت کر جاتا ہے اور جو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور استعانت طلب کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں وہ شیطان سے بچائے جاتے ہیں۔" دل سے آواز نکلنی چاہیے۔ مطلب پتا ہونا چاہیے۔ صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ "اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں۔" (ملفوظات جلد 10 صفحہ 61)

پھر اپنی ایک مجلس میں آپؑ نے فرمایا کہ "یاد رکھو کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتداء بھی دعا سے ہی کی ہے اور پھر اس کو ختم بھی دعا پر ہی کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایسا کمزور ہے کہ خدا کے فضل کے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا۔" مجلس میں یہ ذکر کیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں دوسری جگہ اس طرح بھی آگے فقرہ ہے کہ "تم اپنے تئیں پاک مت ٹھہراؤ کیونکہ کوئی پاک نہیں جب تک خدا پاک نہ کرے۔" بہرحال پھر آگے فرمایا "اور جب تک خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت نہ ملے یہ نیکی میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔" نیکی میں ترقی کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کی مدد چاہیے۔ "ایک حدیث میں آیا ہے کہ **سب مردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں مگر جس کو خدا ہدایت دے اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے۔** غرض یہ سچی بات ہے کہ جب تک خدا کا فیض حاصل نہیں ہوتا تب تک دنیا کی محبت کا طوق گلے کا ہار رہتا ہے اور وہی اس سے خلاصی پاتے ہیں جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کا فیض بھی دعا سے ہی شروع ہوتا ہے۔" اللہ کا فیض پانا ہے تو اس کے لیے بھی دعا ہی کرنی پڑے گی۔ "لیکن یہ مت سمجھو کہ دعا صرف زبانی بک بک کا نام ہے بلکہ دعا ایک قسم کی موت ہے جس کے بعد زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ پنجابی میں ایک شعر ہے جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا" یعنی مانگنے والے کو تو اپنے اوپر موت وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اگر موت وارد کرنے کا حوصلہ ہے تو پھر مانگنے والے بنو۔ اگر یہ کر سکتے ہو اور کرو گے تو پھر مانگنے والے بنو۔ فرمایا "دعا میں ایک مقناطیسی اثر ہوتا ہے وہ فیض اور فضل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ کیا دعا ہے" یہ تو کوئی دعا نہیں ہے "کہ منہ سے تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے۔" زبان کسی اَور طرف چل رہی ہے۔ دماغ اور دل کہیں اَور طرف جا رہا ہے۔ "فلاں چیز رہ گئی۔ یہ کام یوں چاہئے تھا اگر اس طرح ہو جائے تو پھر یوں کریں گے۔" دنیاوی باتیں زیادہ دماغ میں چل رہی ہیں اور زبان پہ بظاہر دعا نکل رہی ہو۔ فرمایا "یہ تو صرف عمر کا ضائع کرنا ہے۔ جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدم نہیں کرتا اور اسی کے مطابق عمل درآمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں جو احکام دیے ہیں ان کو پڑھو۔ رمضان میں ہم پڑھتے بھی رہے۔ درس بھی سنتے رہے۔ ان پر عمل کرو، دیکھو اور پھر جو زندگی گزارو گے وہ اصل زندگی ہے وہ وہ زندگی ہے، ان لوگوں کی زندگی ہے جن پر اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید میں تو صاف طور پر لکھا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون۔2-3) یعنی جب دعا کرتے کرتے انسان کا دل پگھل جائے اور آستانہ الوہیت پر ایسے خلوص اور صدق سے گر جاوے کہ بس اسی میں محو ہو جاوے اور سب خیالات کو مٹا کر اسی سے فیض اور استعانت طلب کرے اور ایسی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ ایک قسم کی رقّت اور گداز پیدا ہو جائے تب فلاح کا دروازہ کھل جاتا

ہے۔ ”فلاح پانے والے وہی مومن ہیں جن کی نمازیں خشیت سے بھری پڑی ہیں۔ تب فلاح کے دروازے کھلتے ہیں جب دل بالکل ہی گداز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فیض اور اس کی استعانت تب آتی ہے جب خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے ہو کے انسان دعائیں کر رہا ہو۔ فرمایا تب فلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے ”جس سے دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے کیونکہ دو محبتیں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتیں جیسے لکھا ہے:

ہم خدا خواہی وَہم دنیائے دُوں اِیں خیال است و مُحال است و جُنُوں“

یعنی تُو خدا کا طالب بھی بنتا ہے اور اس حقیر دنیا کا بھی۔ یہ محض وہم ہے۔ یہ تو خیالات ہی ہیں۔ ناممکن باتیں ہیں یہ تو۔ یہ دو چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ یہ دیوانگی والی باتیں ہیں۔ پاگل پن ہے۔ فرمایا ”اسی لیے اس کے بعد ہی خدا فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون:4) یہاں لغو سے مراد دنیا ہے یعنی جب انسان کو نمازوں میں خشوع اور خضوع حاصل ہونے لگ جاتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ پھر وہ کاشت کاری، تجارت، نوکری وغیرہ چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ دنیا کے ایسے کاموں سے جو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں اور جو خدا سے غافل کر دیتے ہیں اعراض کرنے لگ جاتا ہے۔“ دنیا کے ایسے کاموں سے پھر بچتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف ہیں۔ اس کی مزید وضاحت میں آگے ایک جگہ اس طرح بھی لکھا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مجلس کا ذکر ہے۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:38) یعنی ہمارے ایسے بندے بھی ہیں جو بڑے بڑے کارخانہ تجارت میں ایک دم کے لئے بھی ہمیں نہیں بھولتے۔ ”کام بھی کر رہے ہوتے ہیں لیکن اللہ کو نہیں بھولتے۔ فرمایا کہ ”خدا سے تعلق رکھنے والا دنیادار نہیں کہلاتا بلکہ دنیادار وہ ہے جسے خدا یاد نہ ہو۔“ بہرحال پھر خدا کے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ:

”اور ایسے لوگوں کی گریہ وزاری“ یعنی خدا کے بندوں کی گریہ وزاری ”اور تضرع اور ابتہال اور خدا کے حضور عاجزی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص دین کی محبت کو دنیا کی محبت، حرص، لالچ اور عیش و عشرت سب پر مقدم کر لیتا ہے۔“ یہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی تعریف ہے ”کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک نیک فعل دوسرے نیک فعل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ایک بد فعل دوسرے بد فعل کی ترغیب دیتا ہے۔ جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبعاً وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں اور اس گندی دنیا سے نجات پا جاتے ہیں اور اس دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر خدا کی محبت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 62 تا 64 مع حاشیہ)

نمازیں انہیں نیکیوں کی طرف ہی لے جاتی ہیں۔ دنیا کے کاروباروں کے باوجود دنیا ان کا مقصود نہیں ہوتی جیسا کہ گذشتہ خطبہ میں مَیں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی وضاحت کی تھی۔ مقصود مطلوب محبوب اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ پس یہ ہے وہ معیار جسے ہمیں اپنے شیطان کو مارنے کے لیے اپنانا ہو گا۔ شیطان کو بھگانے کے لیے اگر لَا حَوْل پڑھ رہے ہیں تو پھر ہر لحہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات راسخ رہنی چاہیے کہ سب قوتوں اور طاقتوں کا مالک خدا تعالیٰ

ہے۔ ایک پتہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں گر سکتا۔ کہنے کو تو ہم میں سے اکثر کہہ دیتے ہیں کہ یہی ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو مانتے ہیں لیکن جب عملی مظاہرے کا وقت آئے تو پھر دوسرے خوف جو ہیں، دنیاوی خوف جو ہیں اور محبتیں جو ہیں اور خواہشات جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آجاتی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ پر حقیقی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی عبادت تو ایسی ہونی چاہیے کہ اس کا اثر ہمارے جسم و روح دونوں پر پڑے اور جب عبادت کے یہ معیار ہوں تو ظاہری بنیادی اخلاق بھی بلندیوں کی طرف جاتے ہیں۔ دل و دماغ اور روح پاک ہوتی ہے۔ شیطان کے ہر حملے اور ہر قسم کے دجل سے انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی وجہ سے بچتا ہے۔ عبادت کے وہ معیار انسان حاصل کرتا ہے جس کے دوران کسی قسم کے غیر اللہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔ نماز اور عبادت کا حق ادا کرنے کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ حق ادا کرنے کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ نماز عبادت کا مغز ہے۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 7 صفحہ 367)

جب ہم اس مغز کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو نماز کا بھی حق ادا کرنے والے بنیں گے اور عبادت کا بھی حق ادا کرنے والے بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے والے بنیں گے۔ اپنی روح اور جسم پر بھی ایک انقلاب پیدا کرنے والے بنیں گے ورنہ ظاہری نمازیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ بے شمار نمازی ہیں جو مسجدوں میں جا کر نمازیں پڑھ کر پھر ظلم و تعدی کی انتہا کیے ہوئے ہیں۔ یہ دہشت گرد تنظیمیں جو ہیں، نام نہاد ملاں جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر کیا کچھ ظلم نہیں کر رہے۔ ان لوگوں نے دنیا کا امن برباد کیا ہوا ہے۔ یہ ان دنیاداروں سے زیادہ ظالم ہیں جو دنیاوی مقاصد کے لیے ظلم کر رہے ہیں۔ وہ تو دنیا کے مقاصد کے لیے ظلم کر رہے ہیں لیکن یہ تو رحمان اور رحیم خدا اور رحمۃ للعالمین رسولؐ کے نام پر ظلم کر رہے ہیں۔ پس ان کے بدنمونے ایک احمدی کو اسلامی تعلیم کے اعلیٰ نمونوں کو قائم کرنے والا بنانے والے ہونے چاہئیں۔ ہماری نمازیں اور ہماری عبادتیں اور ہماری دعائیں اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والی ہونی چاہئیں۔ اگر ہم نے اس مقصد کو پالیا تو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا بھی حق ادا کر دیا اور رمضان کی برکات سے بھی فیض پالیا۔ ہماری نمازیں کس قسم کی ہونی چاہئیں اور کس طرح ان کا حق ادا ہوتا ہے اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یاد رکھنا چاہئے کہ **نماز ہی وہ شئے ہے جس سے سب مشکلات آسان ہو جاتے ہیں۔**" نماز ہی وہ شئے ہے جس سے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں "اور سب بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ مگر نماز سے وہ نماز مراد نہیں جو عام لوگ رسم کے طور پر پڑھتے ہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے جس سے انسان کا دل گداز ہو جاتا ہے" پگھل جاتا ہے "اور آستانۂ احدیت پر گر کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ پگھلنے لگتا ہے۔ اور پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ نماز کی حفاظت اس واسطے نہیں کی جاتی کہ خدا کو ضرورت ہے۔" ہم نماز پڑھتے ہیں یا اس کی حفاظت کر رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ خدا کو ہماری عبادتوں کی ضرورت ہے۔ "خدا تعالیٰ کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں۔" فرمایا خدا کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ "وہ تو غنی عن العالمین ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ضرورت ہے اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ انسان خود اپنی بھلائی چاہتا ہے۔" انسان چاہتا ہے اپنی بھلائی۔ یہی حقیقت

ہے۔ ”اور اسی لیے وہ خدا سے مدد طلب کرتا ہے۔“ اپنی بھلائی کے لیے خدا سے مدد طلب کرتا ہے ”کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جانا حقیقی بھلائی کا حاصل کر لینا ہے۔ ایسے شخص کی اگر تمام دنیا دشمن ہو جائے اور اس کی ہلاکت کے درپے رہے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور خدا تعالیٰ کو ایسے شخص کی خاطر اگر لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہلاک کرنے پڑیں تو کر دیتا ہے اور اس ایک کی بجائے لاکھوں کو فنا کر دیتا ہے۔“ فرمایا ”یاد رکھو! یہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور دین بھی۔“ دونوں چیزیں اس سے ملتی ہیں اگر انسان اللہ کی خاطر نمازیں پڑھ رہا ہے۔ حقیقت میں اس کا حق ادا کرتے ہوئے نمازیں پڑھنے والا ہے۔ فرمایا ”لیکن اکثر لوگ جو نماز پڑھتے ہیں تو وہ نماز ان پر لعنت بھیجتی ہے۔“ (ملفوظات جلد 10 صفحہ 66)

اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کا حق ادا کرنے کی توفیق دے۔ کبھی ایسی نمازیں نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے انعاموں کا وارث بننے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتے ہوئے ان وعدوں سے حصہ لینے والے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فرمائے ہیں۔ ہم اپنی نسلوں کو بھی ایسی عبادت کی عادت ڈالنے والے بنیں جو اُن کی بقا اور آئندہ نسلوں کی بقا کی ضامن بن جائے۔ جب یہ ہو گا تو پھر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے دنیا کا کوئی دجل، شیطان کا کوئی حملہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ دنیا ہزار ہماری تباہی اور بربادی کے منصوبے باندھے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خاطر لاکھوں کروڑوں کو بھی ہلاک کر دیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا پیار اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنی عبادتوں کے معیار کو بہت بلند کرنا ہو گا۔ دجال نے تو اس زمانے میں تباہ ہونا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہو گی کہ ہم اپنی عبادتوں کے معیار اونچے کرتے ہوئے، اپنی حالتوں کو درست کرتے ہوئے ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شمولیت کا حق ادا کرنے والے ہیں اور یہ حق ادا کرنے کے لیے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک نسخہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ گریہ وزاری اور تضرع اور ابتہال (یعنی رونا اور بڑی بے انتہا زاری کرنا۔) خدا تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ پس یہ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرو اور کس طرح حاصل کرو۔ فرماتے ہیں:

”چاہیئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دعاؤں سے خالی نہ ہو“۔

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 67)

پس جب یہ حالت ہو گی تو ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنیں گے۔ ہر شیطانی حملہ اور دجالی حملہ ناکام و نامراد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر چلتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے مطابق گزارنے والے ہوں اور آپ علیہ السلام کی بیعت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ہمارا مقصود ہو۔ ہم یہ عہد کرنے والے ہوں کہ ہم اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم اپنے اندر ایسی پاک تبدیلیاں پیدا نہ کر لیں جو ہماری حالتوں کو اللہ تعالیٰ کی

رضا کے مطابق ڈھالنے والی ہوں۔ کبھی ہم اپنے اندر اور اپنی اولادوں اور نسلوں کے اندر شیطان کو داخل ہونے نہیں دیں گے۔ اس کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس کے لیے ہر وہ کوشش کریں گے جس کی تعلیم ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ بلکہ دنیا کو بھی شیطان اور دجال سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ پاکستان کے احمدیوں کے لیے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں مخالفین کے شر سے محفوظ رکھے۔ شریروں کے شر ان پر الٹائے۔ خود پاکستان میں رہنے والے احمدی بھی اپنے لیے خاص گریہ وزاری سے دعائیں کریں۔ **تین دن یا چار دن یا ہفتے کی دعائیں نہیں، مستقل دعائیں کریں** اور اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کا عہد کریں۔ برکینا فاسو کے احمدیوں، بنگلہ دیش کے احمدیوں، الجزائر اور دنیا کے ہر ملک کے احمدیوں کے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو دشمن کے شر سے بچائے اور ان کے ایمان اور ایقان میں مضبوطی پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کی اور پھر دعائیں کرنے کی توفیق دے اور انہیں قبول بھی فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 12/ مئی 2023ء جلد 30 شمارہ 66 صفحہ 02 تا 07)

17

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 28/ اپریل 2023ء بمطابق 28/ شہادت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں اور اس پر بڑی پُرزور اپنی دلیلیں بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جماعت کے حالات پر جیسا کہ پاکستان میں یا بعض اَور جگہ پر ہیں ہمیں صرف صبر دکھانے کی بجائے کچھ ردّعمل دکھانا چاہیے۔ بہت صبر ہو گیا۔ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثالیں دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے زمانے میں اس طرح جماعت نے ردّعمل دکھایا اور بعض جگہ جماعت کو ردّعمل کی آپؓ نے اجازت دی۔ یہ بالکل غلط باتیں ہیں جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ہاں ان باتوں کو غلط سمجھا گیا ہے۔ بعض واقعات شاید سامنے آئے ہوں، کسی نے پڑھے ہوں لیکن غلط سمجھا ہے۔ ہاں آپؓ نے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے بعض کارروائیاں کیں لیکن یہ نہیں کہ بلا سوچے سمجھے بلوائیوں کے جلوسوں کی طرح جلوس لے کر نکل آنے کی اجازت دے دی اور پھر اگر یہ کہیں کہ کوئی احتجاج کسی صورت میں ہوا تو وہ خلیفہ وقت کی اجازت کے ماتحت تھا، نہ کہ ہر افسر اپنے طور پہ اپنے لوگوں کو اکٹھا کر کے احتجاج شروع کر دے۔ بہرحال تقسیمِ ملک سے پہلے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور بعض انگریز افسروں نے اور دوسرے ہمارے مخالف افسروں نے بہت دفعہ کوشش کی کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریروں کو اشتعال انگیز تقریریں کہہ کر یا ان کا رنگ دے کر پھر آپؓ پر ہاتھ ڈالا جائے لیکن ہر دفعہ اس لیے ناکام ہوتے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ مخالفین اور حکومت کے افسران کو ان کا چہرہ دکھا کر ہمیشہ جماعت کو یہ آخر پر فرمایا کرتے تھے کہ **انبیاء کی جماعتوں کا کام صبر اور قانون کی پابندی ہے** اور اس کا اعتراف خود اس وقت کے مخالف افسران نے کیا کہ تقریر کے دوران جب ہم سمجھتے تھے کہ آج ہاتھ ڈالنے کا موقع آئے گا، بغاوت اور امن برباد کرنے کی دفعات لگا کر ہم پکڑنے کی کوشش کریں گے، لیکن جب تقریر کا اختتام ہوتا تھا تو بالکل اَور رنگ میں جماعت کو نصیحت فرماتے اور ان کاموں سے منع فرماتے تھے جو قانون کے دائرے سے باہر ہیں اور پھر ان مخالف افسران کے منصوبوں پر پانی پھر جاتا تھا اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ آپؓ کوئی ایسی بات کریں جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو جماعت کو بے شمار جگہ صبر کی تلقین فرمائی ہے، دعا کی تلقین فرمائی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ جن کے پاؤں نازک ہیں اور میرے ساتھ ان خاردار اور پتھریلے راستوں پر چل نہیں سکتے

اور صبر کی طاقت نہیں رکھتے وہ بے شک مجھے چھوڑ دیں۔

(ماخوذ از انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23-24)

یہ صبر ہی تو ہے جو دنیا میں جماعت کی انفرادیت قائم کیے ہوئے ہے۔ کئی سیاستدان اور میڈیا والے مجھ سے بھی پوچھتے ہیں۔ میں ان کو اکثر دفعہ یہ جواب دیتا ہوں کہ جو لوگ ہمیں تکلیف پہنچا رہے ہیں اور ظلم کر رہے ہیں ان لوگوں میں سے ہی ہم احمدی بھی آئے ہیں اور اس ظلم کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان لوگوں میں سے لوگ آ بھی رہے ہیں۔ ہمارے مزاج بھی ویسے ہی تھے جیسے ان لوگوں کے ہیں۔ ہم بھی ان جیسا ردّ عمل دکھا سکتے ہیں لیکن ہم نے زمانے کے امام کو مانا ہے جنہوں نے امن قائم رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بننے کے لیے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم نے صبر سے کام لینا ہے۔ ہاں قانون کے دائرے میں رہ کر اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی جو کوشش کر سکتے ہو وہ کرو۔ بعض دفعہ بعض معاملات کو بغیر کسی قانونی کارروائی کے بھی خدا تعالیٰ پر چھوڑنے کی تلقین فرمائی ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑو اور فرمایا خدا تعالیٰ خود ہماری مدد کو آئے گا اور وہ آیا۔ پس واضح ہونا چاہیے کہ یہ انبیاء کی تاریخ ہے اور یہی ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم ہے کہ ہم نے صبر سے کام لینا ہے۔ بہرحال اس جواب پر لوگ حیران بھی ہوتے ہیں اور سراہتے بھی ہیں کہ یہ امن سے رہنے والوں کا حقیقی ردّ عمل ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے حوالے سے بات کرنے والوں کے لیے مزید کھول کر آپؓ کے خطبہ کی روشنی میں بھی بتانا چاہتا ہوں۔ اس خطبہ میں آپؓ نے صبر کے معنی بڑی تفصیل سے بیان فرمائے، روشنی ڈالی بلکہ اس کے بعد ایک سلسلۂ خطبات اعلیٰ اخلاق کا بھی شروع کیا اور اس کو بھی صبر کے مضمون کے ساتھ جوڑا۔ بہرحال اس خطبہ سے استفادہ کرتے ہوئے میں بعض باتیں بیان کروں گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مواقع پر ارشادات جو آپؑ نے فرمائے جو صبر سے متعلق باتوں کے متعلق ہیں وہ حوالے پیش کروں گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر کو ایک انتہائی اہم چیز قرار دیا اور فرمایا کہ یہ انبیاء کی جماعتوں کے اہم ترین اور اوّلین فرائض میں سے ہے جس کے بغیر کوئی جماعت ترقی نہیں کر سکتی اور نہ دنیا کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر سکتی ہے اور کوئی جماعت ایسی نہیں گزری جس نے اس فرض کی ادائیگی کے بغیر کامیابی کا منہ دیکھا ہو۔ **صبر دو طرح کا ہوتا ہے۔** آپؓ نے تفسیر میں بھی یہ وضاحت فرمائی۔ آپؓ نے بعض آیات کی تفسیر میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ ایک صبر یہ ہے کہ انسان کو کسی ردّ عمل کی طاقت ہو اور پھر وہ صبر دکھائے اور دوسرے اس وقت کا صبر ہے جب اس کو مقابلے کی طاقت ہی نہ ہو۔ وہ صبر ہے مجبوری کا صبر۔ طاقت ہوتے ہوئے تو صبر یہی ہے کہ فتنہ و فساد کرنے والوں کا یا ظلم کرنے والوں کا جواب نہ دینا۔ جیسا مخالفین سلوک کر رہے ہیں اس طرح کا ردّ عمل نہیں دکھانا اور انتہائی صبر کا اللہ تعالیٰ کی خاطر مظاہرہ کرنا۔ اور طاقت نہ ہوتے ہوئے بھی صبر ہے جو آسمانی آفات پر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے صبر شکر کرنا ہے۔ بہرحال اردو میں تو صبر صرف یہی ہے کہ خاموش ہو جاؤ، صبر ہو گیا لیکن عربی میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں۔ جب ہم عربی میں معنی دیکھیں تو صحیح سمجھ آتی ہے کہ صبر کے حقیقی معنی کیا ہیں اور کس طرح کا صبر ایک مومن کو دکھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مختلف جگہوں پر صبر کی تلقین فرمائی ہے اور جو

صبر کے لفظ کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے لغت میں بیان ہوئے ہیں اس کے مطابق **صبر کے تین معنی ہیں**۔ نمبر ایک یہ کہ گناہ سے بچنا اور اپنے نفس کو اس سے روکنا۔ دوسرا یہ کہ نیک اعمال پر استقلال سے قائم رہنا اور تیسرے معنی یہ ہیں کہ جزع فزع سے بچنا۔ یہی معنی عموماً اردو میں لیے جاتے ہیں۔ پس پہلے معنی کی رو سے متواتر اور استقلال کے ساتھ ان بدیوں کا مقابلہ کرنا انسان کا کام ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور پھر ان بدیوں کے مقابلے کے لیے بھی تیار رہنا جو آئندہ اسے اپنی طرف کھینچ سکتی ہیں۔ پس یہ صبر اتنا ہی نہیں کہ یہ کہہ کر کہ ہم بڑے صابر ہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں بلکہ مستقل مزاجی سے اپنے اندرونے کی صفائی کرنا اصل صبر ہے اور جو ایسے لوگ ہوں پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے لیے ایسی جگہوں سے آتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مخالفین تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں اور ان جیسی حرکتیں کریں تا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں یہ کہتا ہے کہ تم نے عقل سے کام لینا ہے، اپنے اندر جھانکنا ہے کہ کیا تم جو باتیں کر رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہیں کہ نہیں اور اس کے مطابق کام کرنا ہے۔ دوسرے معنی کی رو سے یہ وضاحت ہو گی کہ انسان استقلال کے ساتھ اُن نیکیوں پر قائم رہے جو اسے حاصل ہو چکی ہیں اور اُن نیکیوں کے حصول کے لیے کوشش کرے جو اسے ابھی نہیں ملیں۔ یہ بھی صبر کی ایک قسم ہے۔ یہ بھی حقیقت میں ایک انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی ہے اور یہ قرب ظاہر ہے، ظاہری اظہار کے ساتھ دعاؤں سے مل سکتا ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (البقرۃ:46) اور صبر اور دعا کے ذریعہ سے اللہ سے مدد مانگو اور بے شک فروتنی اختیار کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے یہ امر مشکل ہے۔ جو اللہ کا خوف رکھنے والے ہوں، عاجزی دکھانے والے ہوں وہی ایسے صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا ہو۔

پھر آگے ایک دوسری جگہ فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:23) اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا کی طلب میں ثابت قدمی سے کام لیا ہے اور نماز کو عمدگی سے ادا کیا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے چھپ کر بھی اور ظاہر بھی ہماری راہ میں خرچ کیا ہے اور جو بدی کو نیکی کے ذریعہ سے دُور کرتے رہتے ہیں، انہی کے لیے اس گھر کا بہترین انجام مقدر ہے۔ اور یہ گھر، یہ دنیا تو عارضی ہے، یہاں تو مشکلات ہیں۔ جو انجام کار گھر ہے جو آخری گھر ہے وہ ایسے لوگوں کو ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔

پس صبر مستقل مزاجی، عاجزی اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کا نام ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب ہم اپنی حالتوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق کریں گے اور اپنی زندگیوں کو گزاریں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہمارا مقصود ہو گا۔ اور پھر جیسا کہ بیان ہوا ہے ایک مطلب صبر کا جزع فزع نہ کرنا بھی ہے۔ ظاہری ابتلا، بیماری یا مالی نقصان یا کوئی مشکل آئے تو نہ ہی گھبرانا ہے نہ شکوے کے رنگ میں شور مچانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیا کر دیا۔ یہ چیزیں بے صبری کی علامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر شکوہ بالکل غلط چیز ہے۔ ہمیشہ یہ سوچ رکھنی چاہیے

کہ جو کچھ میرے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کے رنگ میں ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے لیا ہے تو کل اَور دے دے گا۔ پس یہ سوچ رکھنے والے حقیقی مومن ہیں اور یہی صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں حقیقی صابر بھی ہیں۔

پس یہ تین معنی ہیں صبر کے۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ صبر کسی کمزوری کی وجہ سے نہ ہو، کسی دنیاوی خوف کی وجہ سے نہ ہو بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے ہو تو پھر ہی وہ حقیقی صبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو کھینچتا ہے۔ اگر کوئی شخص بڑے افسروں کے سامنے یا بادشاہ کے سامنے اس کے ظلم کی وجہ سے اس لیے خاموش رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صبر کر رہے ہیں تو یہ حقیقی صبر ہے اور اگر زندگی کے خوف سے ہے تو یہ غلط چیز ہے۔ ہم جو صبر کی تلقین کرتے ہیں صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ اگر بدلہ ہی لینا ہے تو کئی احمدی جوش میں بھرے بیٹھے ہوں گے کہ ہمیں اپنی جان کی بھی پروا نہیں ہے۔ ہم بدلہ لے کر ایک دفعہ ان ظالموں کو مزہ چکھا سکتے ہیں اور چکھا دیں گے لیکن یہ ہم نہیں کریں گے۔ یہ تعلیم کے خلاف ہے جو ہمیں دی گئی ہے اور ہم ایسی حرکت سے کراہت کرتے ہیں کیونکہ یہ انبیاء کی جماعتوں کا شیوہ نہیں ہے اور ہم نے بیعت کے عہد میں بنی نوع انسان کو ہر شر سے محفوظ رکھنے کا عہد بھی کیا ہوا ہے۔ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سختی سے ان باتوں سے روکا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر کے ضمن میں ایک یہ وضاحت بھی فرمائی کہ یہ یاد رکھو کہ تمہارے عمل سے صبر اور بے غیرتی میں فرق واضح نظر آنا چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے لیے کسی شخص سے رقم مانگنے جائے اور دوسرا شخص اُسے برا بھلا کہے اور بے حیا کہے اور بے شرم کہے، بہت بے عزتی کرے اور مانگنے والا ہنس کر اس کی بات کو ٹال دے اور خیال کرے کہ اس وقت میں ضرورت مند ہوں اس لیے مجھے اس کی گالیاں بھی سن لینی چاہئیں تو یہ بے حیائی اور بے غیرتی ہے لیکن کبھی قومی اور مذہبی اغراض کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے، خاموش بھی رہنا پڑتا ہے اور یہ صبر نفسانی اغراض کے لیے نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ حقیقی صبر ہے اور بے غیرتی نہیں ہے مثلاً کسی ایسی جگہ پر جہاں اس کے بدلہ لینے کی وجہ سے اس کی قوم پر کوئی مصیبت آتی ہے وہاں اگر وہ حملہ کرتا ہے اور صبر نہیں کرتا تو اسے بیوقوف کہیں گے کیونکہ اس طرح وہ اپنی قوم کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس جب وہ اپنی قوم کے نفع کے لیے بدلہ نہیں لیتا یا دنیا کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے صبر کرتا ہے تو اس کا یہ صبر، صبر کہلائے گا۔

پس یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے۔ بعض لوگ بڑے جوش میں آجاتے ہیں کہ فلاں شخص کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے تو اجتماع کرو اور جلوس نکالو۔ تو یہ سب چیزیں غلط ہیں۔ دشمن تو یہ چاہتا ہے کہ اس طرح کا ردّ عمل ہو تا کہ ہم مزید سختیاں کریں۔ ان افسران سے مل کر جو پہلے ہی ہمارے خلاف ہیں ان احمدیوں کو قابو میں کریں۔ ان کے نظام پر مزید پابندیاں لگانے کی کوشش کریں یا اس کا حکومت سے مطالبہ کریں جبکہ حکومت کے بعض افسران بھی خاص طور پہ بلکہ اکثریت خلاف ہو۔ اس وقت جبکہ حکومت کے بعض افسران ان کی پشت پناہی بھی کر رہے ہیں اور پھر ایسے موقعوں پر منافقین بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہاں ایسے موقعوں پر اس طرح کا ردّ عمل جب ہوا تو ہم نے دیکھا کہ حالات خراب ہوئے۔ ہوں گے بھی اور یہ تجربہ بھی ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر جب اس طرح

رد عمل ظاہر ہوا تو حالات خراب بھی ہوئے۔ بعض ایسے واقعات جماعت کی تاریخ میں ہیں جس کا فائدہ کے بجائے نقصان ہوا اور جب صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کو بہتر کرنے کی قانونی کوشش کی گئی، گو ہر جگہ تو سو فیصد نہیں لیکن بہت سی جگہوں پر اس کا فائدہ بھی ہوا۔ یہ پیغام ہم بہر حال پہنچا دیتے ہیں کہ ہم بھی اسی قوم کے ہیں اور غلط ردّعمل کا اظہار ہم سے بھی ہو سکتا ہے یا ہم میں سے کسی شخص سے ہو سکتا ہے لیکن ہم نہیں کرتے۔ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور آہستہ آہستہ بعض افسران پر اس کا مثبت اثر بھی ہوتا ہے اور ہوا ہے۔ بعض ایسی باتیں تجربہ میں آئی ہیں۔ اگر ہم گالیوں کے جواب گالیوں اور مار دھاڑ کے جواب مار دھاڑ سے دینا شروع ہو جائیں تو جو زیر تبلیغ ہیں ان پر تو ہم مثبت اثر ڈالنے کی بجائے منفی اثر ڈال رہے ہوں گے۔ پھر ان کو یہ کہنے کا حق ہے کہ مسیح موعودؑ نے آ کر ان میں کیا مثبت تبدیلی پیدا کر دی جو ہم ان میں شامل ہو جائیں۔ جیسے ان کے مخالفین کے رویے ہیں ویسے ہی مخالفین کے ساتھ ان کے بھی رویے ہیں۔ سنت انبیاء اور انبیاء کی جماعتوں کی سنت یہ ہے کہ وہ صبر اور دعا سے کام لیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے، رسول کا بھی حکم ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں تعلیم بھی یہ دی تھی۔ پس یہ بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ ہم نے جماعت کے وسیع تر مفادات کے لیے عارضی اور چھوٹی تکلیفوں کو صبر سے برداشت کرنا ہے بلکہ حضرت مصلح موعودؓ نے تو ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ہمیں بعض دفعہ قانون کا بھی دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سختیاں صبر سے برداشت کرنی چاہئیں۔

بہر حال حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ بات بیان فرماتے ہوئے کہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی کتب میں بعض سخت الفاظ استعمال کیے ہیں اس لیے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے انبیاء کی اَور شان ہوتی ہے۔ جیسے ہم دنیاوی مثال میں دیکھتے ہیں کہ ایک مجسٹریٹ ہے یا جج ہے جو ملزم کو چور کہتا ہے تو وہ اس کا کام ہے اور اس کا حق ہے اور اس بنیاد پر وہ اس کو سزا دیتا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے کوشش کرتا ہے لیکن ہر ایک کا کام نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو چور یا مجرم کہتا پھرے اور اگر وہ کہے گا تو فساد پیدا ہو گا۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام لوگوں کی کمزوریاں ظاہر کر کے ان کی نشاندہی فرماتے ہیں تو ان کی اصلاح کے لیے اور ان کے غلط نظریات سے لوگوں کو بچانے کے لیے یہ کرتے ہیں لیکن جہاں تک آپ علیہ السلام کی ذات کا سوال ہے اپنے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

گالیاں سن کر دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اور ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ دوسروں کی سختیوں کو صبر کے ساتھ جھیلو اور برداشت کرو۔ حضرت مصلح موعودؓ مثال دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور گاڑی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ شہر کے بدمعاش آپؑ پر پتھر پھینکتے جاتے تھے جو آپؑ کی گاڑی پر آ کر لگتے تھے۔ گھوڑا گاڑی تھی، بند تھی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماتھے پر بل تک نہ پڑتا تھا جو کچھ یہ کر رہے تھے۔ کھڑکی توڑ کے بعض پتھر اندر بھی آ جاتے تھے اور جو صبر تھا آپؑ کا، اسی کا اثر تھا کہ انہی لوگوں میں

سے سینکڑوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آ کر داخل ہو جاتے تھے۔ پس یہ اخلاق ہمیں آج بھی دکھانے ہوں گے۔ اگر کوئی مخالفت میں ذاتی مفاد اور دل کے کینوں اور بغضوں کی وجہ سے بڑھا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس سے انتقام لے گا بشرطیکہ ہم صبر کے ساتھ دعا سے بھی کام لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی لوگ آپؐ یا صحابہؓ کے صبر و حوصلہ کو دیکھ کر ہی اسلام لائے تھے اور اس زمانے میں بھی یہ مثالیں ہمیں ملتی ہیں جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں بھی آپؑ کے صبر کو دیکھ کر لوگ جماعت میں شامل ہوئے۔ (ماخوذ از خطباتِ محمودؓ جلد 9 صفحہ 130 تا 140)

اور آج بھی اور ابھی بھی ہم دیکھتے ہیں بعض خطوط مجھے مختلف ملکوں سے آتے ہیں کہ بہت سارے لوگ جماعت کی اسی تاریخ کو دیکھ کر جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ جماعت کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”صبر بڑا جوہر ہے۔ جو شخص صبر کرنے والا ہوتا ہے اور غصے سے بھر کر نہیں بولتا اس کی تقریر اپنی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ اس سے تقریر کراتا ہے۔ جماعت کو چاہئے کہ صبر سے کام لے اور مخالفین کی سختی پر سختی نہ کرے اور گالیوں کے عوض میں گالی نہ دے۔ جو شخص ہمارا مکذب ہے اس پر لازم نہیں کہ وہ ادب کے ساتھ بولے۔“ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ضروری نہیں کہ وہ ادب کے ساتھ لے۔ فرماتے ہیں کہ ”اس کے نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بہت پائے جاتے ہیں۔ صبر جیسی کوئی شئے نہیں مگر صبر کرنا بڑا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تائید کرتا ہے جو صبر سے کام لے۔“ (ملفوظات جلد 8 صفحہ 200)

پھر جماعت کی حالت کا نقشہ کھینچے ہوئے اور نئے آنے والوں کی مشکلات کا ذکر فرماتے ہوئے صبر کی تلقین کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

”ہماری جماعت کے لئے بھی اسی قسم کی مشکلات ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے تو معاً دوست رشتہ دار اور برادری الگ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ السلام علیکم تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے۔ اس قسم کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔“ فرمایا ”میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کی مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ تم انبیاء و رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ ان پر اس قسم کی مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لیے آتی ہیں کہ خدا تعالیٰ پر ایمان قوی ہو۔“ ایمان کی مضبوطی کے لیے یہ مشکلات آتی ہیں۔ ”اور پاک تبدیلی کا موقعہ ملے۔ دعاؤں میں لگے رہو۔

پس یہ ضروری ہے کہ تم انبیاء و رسل کی پیروی کرو اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست جو تمہیں قبول حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے وہ سچا دوست نہیں ہے ورنہ چاہئے تھا کہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ تمہیں چاہئے کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں کہ تم نے خدا تعالیٰ کے

قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کرلی ہے ان سے دنگہ یا فساد مت کرو بلکہ ان کے لئے غائبانہ دعا کرو۔ ''صرف یہ نہیں کہ لڑنا نہیں ہے بلکہ ان کے لیے دعا کرو'' کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی وہ بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے۔'' پس صرف دنگہ فساد سے نہیں روکا بلکہ دعا کرنے کے لیے کہا۔ ہمدردی دل میں رکھنے کے لیے کہا تا کہ وہ بھی حق کو پہچاننے والے بن سکیں۔ فرمایا ''تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔

دیکھو! میں اس امر کے لیے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ۔'' قرآن شریف کا بھی یہ حکم ہے کہ وہاں سے چلے جاؤ'' اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش کے ساتھ مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو۔'' ایسے مخالفت کرتا ہے جس سے فساد پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ ''جس سے سننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا تو خود اُسے شرم آجاتی ہے۔'' ٹھیک ہے بہت سارے لوگ اس زمانہ میں تو بے شرم ہیں، آگے سے الٹا ظلم بھی کرتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو شرم آجاتی ہے۔ ''اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔'' گذشتہ خطبوں میں میں نے بنگلہ دیش کے واقعات بیان کرتے ہوئے ایک مثال بھی دی تھی کہ بلوائیوں میں سے ایک لڑکے کو جب ہمارے لڑکے نے کہا کہ تمہیں پتہ بھی ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ کس نام پہ کر رہے ہو؟ پھر جب اس کو سمجھ آگئی تو اس نے اینٹ پیچھے پھینک دی یا پتھر جو اٹھایا ہوا تھا نیچے پھینک دیا۔ فرمایا ''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں یہ سنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ اس طریق کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے۔ بلکہ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں تک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا تو وہ یاد رکھے کہ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے۔'' بہت بڑی تنبیہ ہے۔ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ فرمایا ''نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مجھے گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔'' یہی تمہیں جوش آتا ہے ناں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے گندی گالیاں دیتے ہیں تو تمہیں جوش آجاتا ہے۔ فرمایا کہ ''تو اس معاملہ کو خدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ تم ان گالیوں کو سن کر بھی صبر اور برداشت سے کام لو۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ مَیں ان لوگوں سے کس قدر گالیاں سنتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے ہیں اور کھلے کارڈوں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ بیرنگ خطوط آتے ہیں جن کا محصول بھی دینا پڑتا ہے۔'' ٹکٹ لگائے بغیر خط بھیج دیتے ہیں تو وہ ڈاک کے ٹکٹ کے پیسے بھی دینے پڑتے ہیں ''اور پھر جب

پڑھتے ہیں تو گالیوں کا طومار ہوتا ہے۔ فحش گالیاں ہوتی ہیں کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ کسی پیغمبر کو بھی ایسی گالیاں نہیں دی گئی ہیں اور میں اعتبار نہیں کرتا کہ ابو جہل میں بھی ایسی گالیوں کا مادہ ہو۔" جیسی گالیاں یہ لوگ دیتے ہیں ایسی تو ابو جہل نے بھی نہیں دی ہوں گی "لیکن یہ سب کچھ سننا پڑتا ہے۔ جب میں صبر کرتا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی صبر کرو۔ درخت سے بڑھ کر تو شاخ نہیں ہوتی۔" اپنی ذات کے لیے آپؑ میں صبر کی انتہا تھی جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی فرمایا تھا کہ اپنی ذات کے لیے انتہا کا صبر ہے۔ اگر سختی کی ہے کہیں جو لوگوں نے کہا کہ جی حضرت مسیح موعودؑ سختی کرتے ہیں تو اصلاح کے لیے ہے اور یہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو ملا ہے۔ ہر ایک کو یہ حق نہیں ہے اور جب حق نہیں ہے تو پھر اگر ہم ایسی باتیں کریں گے تو اس سے اصلاح کی بجائے فساد پھیلنے کا، بڑھنے کا زیادہ امکان ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"تم دیکھو کہ یہ کب تک گالیاں دیں گے۔ آخر یہی تھک کر رہ جائیں گے۔ ان کی گالیاں ان کی شرارتیں اور منصوبے مجھے ہرگز نہیں تھکا سکتے۔" پس ہم نے بھی نہیں تھکنا۔ "اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو بے شک میں ان کی گالیوں سے ڈر جاتا لیکن میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھے خدا نے مامور کیا ہے۔ پھر میں ایسی خفیف باتوں کی کیا پروا کروں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم خود غور کرو کہ ان کی گالیوں نے کس کو نقصان پہنچایا ہے، ان کو یا مجھے؟ ان کی جماعت گھٹی ہے اور میری بڑھی ہے۔" جماعت جو بڑھ رہی ہے وہ انہی لوگوں میں سے تو آ رہے ہیں۔ "اگر یہ گالیاں کوئی روک پیدا کر سکتی ہیں تو دو لاکھ سے زیادہ جماعت کس طرح پیدا ہو گئی۔" اس زمانے میں جب آپؑ نے یہ بات فرمائی اس وقت جماعت کی تعداد آپؑ نے بتائی کہ دو لاکھ ہے اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے ہر ملک میں آپؑ کا پیغام پہنچ چکا ہے اور جماعت قائم ہے۔ کیا کسی ردّ عمل اور طاقت کے اظہار سے یہ ہوا ہے؟ نہیں بلکہ قربانیوں اور صبر اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ پس اس بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں صبر کا مظاہرہ کرتے رہنا ہو گا۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "یہ لوگ ان میں سے ہی آئے ہیں یا کہیں اَور سے؟ انہوں نے مجھ پر کفر کے فتوے لگائے لیکن اس فتویٰ کفر کی کیا تاثیر ہوئی؟ جماعت بڑھی۔ اگر یہ سلسلہ منصوبہ بازی سے چلایا گیا ہوتا تو ضرور تھا کہ اس فتویٰ کا اثر ہوتا اور میری راہ میں وہ فتویٰ کفر بڑی بھاری روک پیدا کر دیتا لیکن جو بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو انسان کا مقدور نہیں ہے کہ اسے پامال کر سکے۔ جو کچھ منصوبے میرے مخالف کئے جاتے ہیں پہچان کرنے والوں کو حسرت ہی ہوتی ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ایک عظیم الشان دریا کے سامنے جو اپنے پورے زور سے آ رہا ہے اپنا ہاتھ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے رک جاوے۔" پانی کا ایک flow آ رہا ہے دریا کی صورت میں۔ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے سمجھتے ہیں کہ پانی رک جائے گا "مگر اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ رک نہیں سکتا۔ یہ ان گالیوں سے روکنا چاہتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ کبھی نہیں رکے گا۔ کیا شریف آدمیوں کا کام ہے کہ گالیاں دے۔ میں ان مسلمانوں پر افسوس کرتا ہوں کہ یہ کس قسم کے مسلمان ہیں جو ایسی بیباکی سے زبان کھولتے ہیں۔" پاکستان میں تو ان کے جلوس عجیب عجیب گالیاں نکال رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا "**میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی گندی گالیاں میں نے تو کبھی کسی چوڑھے چمار سے بھی نہیں سنی ہیں** جو ان مسلمان کہلانے والوں

سے سنی ہیں۔ ''فرماتے ہیں ''ان گالیوں میں یہ لوگ اپنی حالت کا اظہار کرتے ہیں۔'' گالیوں سے صرف ان کی اپنی حالت کا اظہار ہو رہا ہے کہ ان کے ذہن کیسے ہیں، ان کے عمل کیسے ہیں۔ ''اور اعتراف کرتے ہیں کہ وہ فاسق و فاجر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور ان پر رحم کرے۔ (آمین)'' پھر فرمایا کہ ''ایسے گالیاں دینے والے خواہ ایک کروڑ ہوں خدا تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ جانتے ہیں کہ ایک پیسہ کا کارڈ ہی ضائع ہو گا مگر نہیں جانتے کہ اس پیسہ کے نقصان کے ساتھ نامۂ اعمال بھی سیاہ ہو جائے گا۔'' کارڈ میں جو گالیاں لکھتے ہیں تو اپنے نامۂ اعمال کو بھی سیاہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ''پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ گالیاں دی کیوں جاتی ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ میں کہتا ہوں کہ قرآنِ شریف کو نہ چھوڑو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہ کرو۔ غضب کی بات ہے کہ قرآنِ شریف میں لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور پھر زمین پر نہیں آئیں گے مگر یہ ماننے میں نہیں آتے اور اس عقیدۂ مخالفتِ قرآن پر اڑتے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا اور خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم نہ کیا ہوتا تو یہ جو کچھ چاہتے کہتے کیونکہ ان کو بیدار کرنے والا اور آگاہ کرنے والا ان میں موجود نہ تھا۔ لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے اور میں وہی ہوں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکَم قرار دیا ہے تو پھر میرے فیصلہ پر چون وچرا کرنا ان کا حق نہیں تھا۔ طریق تقویٰ تو یہ تھا کہ میری باتوں کو سنتے اور غور کرتے۔ انکار کے لئے جلدی نہ کرتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے آنے کے بعد ان کا حق نہیں ہے کہ یہ زبان کھولیں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں۔'' (ملفوظات جلد 7 صفحہ 203 تا 206)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس صبر کا معیار قائم کیا اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل نے ان کو فوراً فوراً قبول کر لیا تھا۔ اس لیے قوم کی طرف سے کوئی دکھ اور مصیبت یا روک ان کو پیش نہیں آئی۔'' حضرت موسیٰ کو اپنی قوم کی طرف سے تو کوئی دکھ نہیں پیش آیا۔ فرعون کی طرف سے آیا تھا ''لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی قوم سے مشکلات اور انکار کا مرحلہ پیش آیا۔

پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں کیسی اعلیٰ درجہ کی ثابت ہوئی ہیں جو آپؐ کے کمالات اور فضائل کا سب سے بڑھ کر ثبوت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے اِذن و امر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے ہی آپؐ کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ قوم نے انکار کیا۔ لکھا ہے کہ جب آپؐ نے قریش کی دعوت کی اور سب کو بلا کر کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔ یعنی میں اگر تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج پڑی ہوئی ہے اور وہ اس گھات میں بیٹھی ہوئی ہے کہ موقع پا کر تمہیں ہلاک کر دے تو کیا تم باور کرو گے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ بے شک ہم اس بات کو تسلیم کریں گے۔ اس لئے کہ تُو ہمیشہ سے صادق اور امین ہے۔ جب وہ یہ اقرار کر چکے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور تم کو آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اتنی بات کہنی تھی کہ سب آگ ہو گئے اور ایک شریر بول اٹھا۔ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ ''یعنی آپؐ کے لیے نعوذ باللہ ہلاکت کے الفاظ کہے۔ فرمایا کہ ''افسوس جو بات

ان کی نجات اور بہتری کی تھی ناعاقبت اندیش قوم نے اس کو ہی بُرا سمجھا اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اب اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھو۔ بنی اسرائیل باوجود یکہ ایک سخت دل قوم تھی لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ پر فوراً ہی اس کو قبول کر لیا اور اس طرف موسیٰ علیہ السلام سے افضل کو قوم نے تسلیم نہ کیا۔" آپؑ مزید آگے بیان کرنے کے لیے حضرت موسیٰ کی قوم کی مثال دے رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو تو انہوں نے تسلیم کر لیا لیکن حضرت موسیٰ سے جو افضل نبی تھے ان کو تسلیم نہیں کیا۔" اور مخالفت کے لئے تیار ہو گئے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ "مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ "آئے دن قتل کے منصوبے ہونے لگے اور یہ زمانہ اتنا لمبا ہو گیا کہ تیرہ برس تک برابر چلا گیا۔ 13 برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں آپؐ نے جس قدر دکھ اٹھائے ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جاتی تھی اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور استقلال کی ہدایت ہوتی تھی۔" ادھر تکلیفیں ہو رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے صبر کرو اور مستقل مزاجی سے قائم رہو۔ یہی صبر کے حقیقی معنی ہیں "اور بار بار حکم ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے تُو بھی صبر کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سست نہ ہوتے تھے بلکہ قدم آگے ہی پڑتا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر پہلے نبیوں کا سا نہ تھا کیونکہ وہ تو ایک محدود قوم کے لیے مبعوث ہو کر آئے تھے اس لیے ان کی تکالیف اور ایذا رسانیاں بھی اسی حد تک محدود ہوتی تھیں لیکن اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر بہت ہی بڑا تھا کیونکہ سب سے اوّل تو اپنی ہی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف ہو گئی اور ایذا رسانی کے درپے ہوئی اور پھر عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔

جب ان کو سنایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک خدا کے بندے اور رسول تھے تو ان کو آگ لگ گئی کیونکہ وہ تو ان کو خدا بنائے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر حقیقت کھول دی۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جس کو خدا بنا لیتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے اس کا ترک کرنا آسان نہیں ہوتا بلکہ پھر اس کو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا یہ اعتقاد پختہ ہو گیا ہوا تھا۔ اس لئے جب انہوں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مصنوعی خدا کو انسان بنا دیا تو وہ دشمن جان بن گئے۔" ایک طرف اپنی قوم دشمن، کافر دشمن، بت پرست دشمن پھر عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔" اور اسی طرح پر یہودیوں میں بہت سی مشرکانہ رسومات پیدا ہو گئی تھیں۔" پھر آگے یہودیوں کا ذکر آ گیا۔ ان میں مشرکانہ رسومات پیدا ہو گئی تھیں "اور وہ حضرت مسیح کا بالکل انکار کرتے تھے۔" حضرت عیسیٰؑ کے ماننے کے لیے تیار نہیں تھے "جب ان کو متنبہ کیا گیا تو وہ بھی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔" اب یہودی بھی، عیسائی بھی، مشرک بھی، دوسرے مذاہب والے بھی سب مخالف ہو گئے کیونکہ یہودی "وہ تو حضرت مسیح کو معاذ اللہ مکار اور کذاب کہتے تھے۔ بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ تم ان کو کذاب کہنے میں خود کذاب ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مخالفت کی ایک بڑی بھاری وجہ یہ ہوئی کہ وہ اپنی بے وقوفی اور کم فہمی سے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئے

گا کیونکہ توریت میں جیسا کہ سنت اللہ ہے۔ آخری نبی کے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ ایسے الفاظ میں ہے جس سے ان کو یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی لئے بیٹھے تھے حالانکہ اس سے مراد بنی اسماعیل تھی۔ پس جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سنا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں تو ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور جو کچھ وہ توریت کی اس پیشگوئی کے موافق سمجھے بیٹھے تھے وہ غلط قرار دیا گیا۔ اس سے ان کے آگ لگی اور وہ مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 198 تا 200)

ایک احمدی کسی گاؤں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گاؤں میں مولوی کی مخالفت کا ذکر کیا اور دعا کے لیے کہا اور یہ "عرض کی کہ میرے گاؤں میں ایک مولوی جو مدرسہ میں ملازم ہے سخت مخالف ہے اور مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔ حضور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس کی تبدیلی وہاں سے کر دے۔ حضرت اقدس نے اس موقعہ پر تبسم فرمایا" مسکرائے "اور پھر اسے اس طرح سمجھایا" فرمایا "کہ اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ برس دکھ اٹھائے۔ تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں مگر آپؐ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دنیا میں پھیلائے۔ اب اس وقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دکھ دیتے ہیں مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ دکھ نہ دیتے اور دکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص دکھ دیتا ہے یا تو توبہ کر لیتا ہے یا فنا ہو جاتا ہے۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم گالیاں دیتے تھے اور ثواب جانتے تھے لیکن اب توبہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔ صبر بھی ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔" فرمایا کہ صبر بھی ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے "کہ **صبر والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں ہے۔** یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابروں کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ جب ایک شخص ایک کی حمایت میں زندگی بسر کرتا ہے تو جب اسے دکھ پر دکھ پہنچتا ہے تو آخر حمایت کرنے والے کو غیرت آتی ہے اور وہ دکھ دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہے اور دکھ اٹھانے سے ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ صبر جیسی کوئی شئے نہیں ہے۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ 234-235)

پھر ایک موقع پر کچھ لوگ جو بیعت کی غرض سے قادیان آئے ہوئے تھے ان کو نصیحت کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا: "دنیوی لوگ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بات کے لیے مجبور نہیں ہے کہ اسباب کا محتاج ہو۔ کبھی چاہتا ہے تو اپنے پیاروں کے لئے بلا اسباب بھی کام کر دیتا ہے اور کبھی اسباب پیدا کر کے کرتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنے بنائے اسباب کو بگاڑ دیتا ہے۔ غرض اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ

ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مردہ نہ ہونے دو۔" کبھی بغیر توبہ کے نہ رہو ہمیشہ توبہ کرتے رہو "کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تا کہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے۔ اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔" ان نئے بیعت کرنے والوں کو فرمایا کہ "اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم نے ایک مخذوم، کافر، دجال وغیرہ کی بیعت کی۔" گالیاں دیں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو۔ "ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔" ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔ "ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔" پس یہ باتیں ہیں جو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"اس لئے چاہئے کہ تم ان کے لئے دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ان کو بھی ہدایت دے۔" ..... حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس کام کے لیے مامور کیے گئے ہیں وہ صبر ہے پس ہماری بھی کامیابی اسی میں ہے کہ آپؑ کے نقش قدم پر چلیں۔ فرمایا "**ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار توبہ۔**" ردعمل نہیں۔ ہمارے غالب آنے کے ہتھیار ویسا ردعمل نہیں ہے بلکہ "ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدنظر رکھنا اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو۔ اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوق الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو بچو۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 303)

ہر بدی سے بچو۔ پس یہ وہ نصائح ہیں جو ہماری کامیابی اور ترقی کی بنیاد ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اگر ہم صحیح رنگ میں استغفار، توبہ، دینی علوم سے آگاہی اور پانچ وقت کی نمازوں کی طرف توجہ دیتے رہیں گے تو ہماری کامیابی ہے۔ دشمن جتنا شور وفغاں میں بڑھ رہا ہے اتنا ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ جھکنا ہو گا۔ یہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔ اسی کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار تلقین فرمائی ہے۔ نہ کہ کسی قسم کے ردّعمل دکھانے کی۔ ہماری کامیابی بہر حال مقدر ہے جیسا کہ آپؑ نے فرمایا۔ ان شاء اللہ۔

ہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حکمت سے ہم نے اپنے کام کو بھی جاری رکھنا ہے۔ بہت سے کام حکمت سے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے حکمت اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر ہر احمدی اپنی اس ذمہ داری کو سمجھ لے تو بہت سے مسائل کا حل ہمارے رویّوں اور دعاؤں سے نکل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر عطا فرمائے اور دعاؤں کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے حصول کے لیے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 19 رمئی 2023ء جلد 30 شمارہ 72 صفحہ 02 تا 07)

18

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 05 مئی 2023ء بمطابق 05 ہجرت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ۔ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل:91)

اللہ یقیناً عدل کا اور احسان کا اور غیر رشتہ داروں کو بھی قرابت والے شخص کی طرح جاننے اور اسی طرح مدد دینے کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کی بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سمجھ جاؤ۔

یہ آیت ہر جمعہ کے خطبہ ثانیہ اور عیدین کے خطبہ ثانیہ میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس میں بعض نیکیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے اور برائیوں کا ذکر ہے جن سے روکنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور حقیقی مومن کی یہی نشانی ہے کہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر اور نصائح پر عمل کرے ورنہ وہ مقام نہیں ملتا جو ایک مسلمان کو حقیقی مومن بناتا ہے۔ اس آیت میں جن نیکیوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی عدل، احسان اور اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى۔ ان کے حوالے سے مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات جو آپؑ نے اپنی مختلف کتب میں تحریر فرمائے اور جو مختلف مجالس میں بیان فرمائے پیش کروں گا۔ ہر ارشاد گو ایک ہی محور کے گرد گھوم رہا ہے لیکن مختلف رنگ میں نصائح ہیں جو ہمیں ہماری زندگی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گزارنے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ آپؑ نے ان خصوصیات اور نیکیوں کا صرف انسانوں سے تعلقات کے ضمن میں ہی بیان نہیں فرمایا بلکہ اس بات کو بھی بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کس طرح عدل، احسان اور اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى کا تعلق رکھنا ہے۔ آپؑ نے اس کی تفسیر ایسے عارفانہ رنگ میں بیان فرمائی ہے جس سے حقیقی رنگ میں خدا تعالیٰ سے تعلق کا عرفان ملتا ہے جو ایک مومن کو ایمان اور یقین کی نئی منزلوں تک لے جاتا ہے۔ بہرحال اس وقت میں بعض حوالے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ ان پر انسان غور کرے اور اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے کی کوشش کرے تو ایک ایسا لائحہ عمل ہمیں ملتا ہے جو حقیقت میں ہمیں خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی جوڑتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور یوں ایک ایسے حسین معاشرے کو بھی قائم کرتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا معاشرہ ہے اور یہی چیز ہے جو معاشرے کے امن کی بھی ضمانت ہے اور دنیا

کے امن کی بھی ضمانت ہے لیکن **افسوس ہے کہ دنیا کی اکثریت ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے پر تلی ہوئی ہے** چاہے وہ مسلمان دنیا ہے یا غیر مسلم دنیا ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کا نام تو لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نام پر ظلم و تعدی میں بڑھے ہوئے بھی ہیں۔ ایسے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے والوں کا فرض ہے، یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بھی اصلاح کریں اور دنیا کی اصلاح کی بھی کوشش کریں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا کا تمہیں یہ حکم ہے کہ تم اس سے اور اس کی خلقت سے عدل کا معاملہ کرو۔ یعنی حق اللہ اور حق العباد بجالاؤ اور اگر اس سے بڑھ کر ہو سکے تو نہ صرف عدل بلکہ احسان کرو یعنی فرائض سے زیادہ اور ایسے اخلاص سے خدا کی بندگی کرو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو۔" پہلے تو حقوق العباد کے بارے میں بتایا۔ پھر فرمایا کہ خدا کی بندگی بھی ایسے انداز سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھتے ہو "اور حقوق سے زیادہ لوگوں کے ساتھ مروّت و سلوک کرو اور اگر اس سے بڑھ کر ہو سکے تو ایسے بے علت و بے غرض" ذاتی خواہشات سے بالا ہو کر، بے غرض ہو کر بغیر کسی مقصد کے خدا کی عبادت کرو "خدا کی عبادت اور خلق اللہ کی خدمت بجالاؤ۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی بے غرض ہو کر کرو۔ کسی غرض کے لیے نہیں اللہ کے سامنے جانا۔ اور اللہ کی مخلوق کی خدمت ہے تو وہ بھی بے غرض ہو کے کرو "کہ جیسے کوئی قرابت کے جوش سے کرتا ہے۔"

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 361-362)

پھر اس آیت کے مطابق **اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے** مزید کھول کے آپؑ نے بتایا۔ بندوں کے حقوق کس طرح ادا کرنے ہیں وہ بھی بتایا۔ فرمایا:

"پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔" ہمیشہ اس کا خیال رکھو۔ ہمیشہ عدل کا طریق بجالاؤ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔ "پس جیسا کہ درحقیقت بجز اس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں۔ کوئی بھی توکل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر یک حق اسی کا ہے۔" اللہ تعالیٰ سے عدل کیا ہے؟ اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے رکھنا ہے اور اطاعت کا تعلق اس لیے رکھنا ہے کہ وہ ہمارا خالق ہے، وہ قائم ہے اور قائم رکھنے والا ہے۔ ربوبیت اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ رب ہے۔ وہ پالنے والا ہے۔ ہماری ہر ایک ضرورت کو پورا کرنے والا ہے۔ اس لیے یہ حق اسی کا ہے کہ اس پر توکل کیا جائے، اس سے محبت کی جائے۔ "اِسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اِس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔" یہ عدل ہے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں۔ اس کو کرنا ضروری ہے۔ "پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو۔" اس سے اگلا قدم اٹھانا ہے "تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادّب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسن لازوال کو دیکھ لیا ہے۔" اگلا قدم احسان کا ہے۔ احسان تو اللہ تعالیٰ پہ نہیں کر سکتے لیکن یہاں

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی پرستش میں، اس کے عزت اور احترام میں، اس کی محبت میں اتنے زیادہ کھو جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت کو بھی دیکھ لیا، اُس کے جلال کو بھی دیکھ لیا، اُس کی صفات کا تم نے مطالعہ کر لیا۔ اُس کے حسنِ لازوال کو دیکھ لیا۔ پھر فرمایا کہ ''بعد اس کے اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے۔'' پہلے تو ہو سکتا ہے احسان کے رنگ میں جو تم کر رہے ہو، کوشش کر رہے ہو تو تکلف ہو، تھوڑی سی بناوٹ کرنی پڑے، کوشش کرنی پڑے، لیکن پھر یہ ایسا مقام حاصل کر لو کہ بالکل تکلف اور بناوٹ دُور ہو جائے۔ ایک دلی جوش اور جذبے سے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کی عظمت اور جلال کو پہچاننے والے بن جاؤ'' اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''**اور دوسرے طور پر جو ہمدردی'' جو حقوق العباد کے بارے میں ہے۔** ''بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔'' عدل قائم کرو۔ جہاں تک تمہارا حق ہے وہ تو بیشک ان سے مانگو لیکن انصاف پہ قائم رہتے ہوئے۔ غلط قسم کے مطالبے نہ ہوں۔ ''اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے۔'' اگر کوئی تمہارے ساتھ برا کرتا ہے تو اس سے نیکی کرو یہ احسان ہے۔ ''اور اس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے۔'' اگر وہ تمہیں تکلیف پہنچاتا ہے تو تم اس کو راحت پہنچاؤ۔ اسے خوشی پہنچانے کی کوشش کرو'' اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔ پھر بعد اس کے اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے اس سے کوئی اَور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو۔'' اس کا مطلب کوئی بھی احسان نہ ہو ''بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو۔'' ایسے کام کرو جو طبعی طور پر ہو رہے ہیں۔ ''جیسی شدتِ قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔'' ایک رشتے دار دوسرے رشتے دار سے، ایک قریبی دوسرے قریبی سے نیکی کرتا ہے۔ کوئی غرض نہیں بلکہ دلی جوش ہو۔ ''سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابتِ انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری'' کے، بغیر کسی قسم کی شکر گزاری کی خواہش رکھنے کے ''یا دعا یا اَور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔''

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 550 تا 552)

یا یہ ہو کہ تمہاری شکر گزاری کرے یا تمہارے لیے کوئی دعا کرے۔ کوئی اور نیکی کسی کی خواہش ہو۔ تمہیں کسی دوسرے سے کسی قسم کی خواہش نہیں ہونی چاہیے بلکہ خالصۃً اس کی قربت کے تعلق کی وجہ سے یہ کام ہو۔ پس یہ وہ سلوک ہے جو سب سے پہلے تو ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے کرنا چاہیے اور اسے وسیع کرتے ہوئے پھر دوسروں تک پہنچانا ہے۔ پھر حقوق اللہ کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں کہ ''حق اللہ کے پہلو کی رو سے

اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ انصاف کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت کر کیونکہ جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری پرورش کی اور ہر وقت کر رہا ہے اس کا حق ہے کہ تو بھی اس کی اطاعت کرے۔ ''اللہ نے تمہیں پیدا کیا پرورش کی، پرورش کر رہا ہے، دنیا کے سامان مہیا کر رہا ہے اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی اطاعت کرو۔ ''اور اگر اس سے زیادہ تجھے بصیرت ہو تو نہ صرف رعایتِ حق سے بلکہ احسان کی پابندی سے اس کی اطاعت کر۔'' پہلا تو عدل ہے کہ خیال رکھو کہ ہمیں اس نے پیدا کیا اور ہماری ضروریات پوری کر رہا ہے ہم نے اطاعت کرنی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اگلا قدم ہے احسان کی پابندی سے اس کی اطاعت کر ''کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسان اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔'' اللہ تعالیٰ کے احسان گننے شروع کرو۔ پھر اس کے احسان کی اطاعت کرو تو یہ ہے احسان کا مقام۔ ''اور ظاہر ہے کہ عدل کے درجہ سے بڑھ کر وہ درجہ ہے جس میں اطاعت کے وقت احسان بھی ملحوظ رہے اور چونکہ ہر وقت مطالعہ اور ملاحظہ احسان کا محسن کی شکل اور شمائل کو ہمیشہ نظر کے سامنے لے آتا ہے اس لئے احسان کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ ایسے طور سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔''

پس یہ ہے کہ جب احسان کا رنگ ہو تو وہ احسان کا رنگ یہ ہے کہ محسن جو ہے، جس نے احسان کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ پر احسان تو کر نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں جن کو یاد کرنا انسان کو احسان کرنے والا بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرنے کے لیے آپؑ نے فرمایا کہ یہ طریقہ ہوتا ہے کہ کوئی جو تم پہ احسان کر رہا ہو تو اس کی شکل اور اس کی خصوصیات تمہارے سامنے آجاتی ہیں۔ اور جب وہ سامنے آتی ہیں تو تمہارا ایک دلی تعلق پھر اس سے پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جب یہ تعلق پیدا ہو گا تو پھر تم خالص ہو کر اس کی عبادت کرو گے اور وہ عبادت ایسی ہے جیسی کہ یہ کہ تمہارے دل میں خیال پیدا ہو، عبادت کرتے ہوئے دماغ میں آئے کہ تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ ''اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے درحقیقت تین قسم پر منقسم ہیں۔

اوّل وہ لوگ جو بباعث محجوبیت اور رویت اسباب کے احسان الٰہی کا اچھی طرح ملاحظہ نہیں کرتے۔'' پردہ پڑا ہوا ہے ان پہ یا اسباب پہ زیادہ بھروسہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے احسانات کو وہ صحیح طرح سمجھ نہیں سکتے جان نہیں سکتے ''اور نہ وہ جوش ان میں پیدا ہوتا ہے'' کیونکہ جان نہیں سکتے اس لیے جوش بھی پیدا نہیں ہوتا ''جو احسان کی عظمتوں پر نظر ڈال کر پیدا ہوا کرتا ہے اور نہ وہ محبت ان میں حرکت کرتی ہے جو محسن کی عنایات عظیمہ کا تصور کر کے جنبش میں آیا کرتی ہے۔'' صحیح تصور ہی اللہ تعالیٰ کا جب پیدا نہیں ہو گا۔ اس کی شکل ہی سامنے نہیں آئے گی اس کے احسانوں کا خیال ہی پیدا نہیں ہو گا۔ اس کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے بارے میں انسان حقیقت میں سوچے گا نہیں تو پھر وہ جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ محسن کی عنایتِ عظیمہ کا تصور کر کے دل کی جو کیفیت جنبش میں آیا کرتی ہے، ایک محسن کی جو عنایات ہیں ان کا تصور کر کے جو دل میں پیدا ہوتی ہے، ویسی پھر پیدا نہیں ہو گی۔ ''بلکہ صرف ایک اجمالی نظر سے خدا تعالیٰ کے حقوق خالقیت وغیرہ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔'' ایسے لوگ سرسری طور پر اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ خالق ہے اس نے ہمیں بنایا ہے لیکن اس کی گہرائی کا ان کو علم نہیں ہوتا ''اور احسانِ الٰہی کی ان تفصیلات کو جن پر ایک باریک نظر ڈالنا اس حقیقی محسن کو نظر کے سامنے لے آتا

ہے ہر گز مشاہدہ نہیں کرتے۔ ”گہرائی سے یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا حق جو ہے وہ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا گہرائی میں مطالعہ نہیں کرتے ”کیونکہ اسباب پرستی کا گرد و غبار مسبّبِ حقیقی کا پورا چہرہ دیکھنے سے روک دیتا ہے۔“ دنیاوی اسباب جو ہیں ان کی گرد چڑھی ہوتی ہے، ان کا غبار چڑھا ہوتا ہے ان پہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا صحیح چہرہ ان کو نظر نہیں آتا ”اس لئے ان کو وہ صاف نظر میسر نہیں آتی جس سے کامل طور پر معطی حقیقی کا جمال مشاہدہ کر سکتے“ ہوں۔ جو عطا کرنے والا ہے حقیقی عطا کرنے والا ہے، اس کی خوبصورتی پر نظر ڈال سکیں، اس کو دیکھ سکیں۔ ان کو میسر ہی نہیں آتا۔ ”سو ان کی ناقص معرفت رعایت اسباب کی کدورت سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔“ جو بھی معرفت ان کو ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو تھوڑا بہت علم ہے جس کی وجہ سے کبھی نماز پڑھ لی کبھی نہ پڑھی، کبھی حق ادا کیا کبھی نہ کیا اس میں اسباب کی کدورت ملی ہوتی ہے۔ دنیاوی جو چیزیں ہیں، دنیاوی سبب ہیں، دنیاوی خواہشات ہیں وہ شامل ہو جاتی ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کو صحیح طرح دکھا نہیں سکتی۔ ”اور بوجہ اس کے جو وہ خدا کے احسانات کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے خود بھی اس کی طرف وہ التفات نہیں کرتے جو احسانات کے مشاہدہ کے وقت کرنی پڑتی ہے۔“ اس طرف پوری طرح توجہ ہی نہیں۔ ”جس سے محسن کی شکل نظر کے سامنے آجاتی ہے بلکہ ان کی معرفت ایک دھندلی سی ہوتی ہے۔“ بلکہ بالکل دھندسی چھائی ہوتی ہے۔ صحیح طرح صاف طور پہ اللہ کا چہرہ ان کو نظر ہی نہیں آتا۔ ”وجہ یہ کہ وہ کچھ تو اپنی محنتوں اور اپنے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کچھ تکلف کے طور پر یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا حق خالقیّت اور رزّاقیت ہمارے سر پر واجب ہے۔“ صاف طور پر ان کو پتہ ہی نہیں ہے۔ ان کا کچھ بھروسہ یہی ہوتا ہے کہ ہاں ہم نے یہ کام کیا۔ ہمارا یہ علم تھا اس کی وجہ سے ہمارے یہ کام ہو گئے اس پر بھروسہ ہوتا ہے اور کچھ یہ بھی ساتھ ساتھ کہ دین کے ماحول میں رہنے سے کچھ نہ کچھ اثر تو دین میں کوئی ہے ناں تو جو اللہ تعالیٰ کا حق خالقیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا، ہمارے لیے پرورش کے سامان پیدا کیے وہ بھی ذہن میں ہوتا ہے۔ تو ملی جلی حالت ہوتی ہے۔ اس ملی جلی حالت میں وہ حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے ”اور چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کے وسعت فہم سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اس لئے ان سے جب تک کہ وہ اس حالت میں ہیں یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق کا شکر ادا کریں اور آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ میں عدل سے مراد یہی اطاعت برعایت عدل ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت پھر یہاں کام آتی ہے۔ جو ایسے لوگ ہیں جو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا چہرہ نہیں بھی دیکھ سکتے ان سے بھی اللہ تعالیٰ رحم کا سلوک کرتا ہے اور ان کی اس حالت کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ فرمایا: ”مگر اس سے بڑھ کر ایک اور مرتبہ انسان۔“ یہ تو عدل ہے، ایک بنیادی چیز ہے یہ۔ کم از کم معیار ہے ایک مسلمان کا لیکن اس سے بڑھ کر انسان ”کی معرفت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں انسان کی نظر رویت اسباب سے بالکل پاک اور منزہ ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ہاتھ کو دیکھ لیتی ہے۔“ صرف ان دنیاوی اسباب پہ بھروسہ نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو نظر پھر دیکھ لیتی ہے۔ جو انسان اگلے قدم پر جاتا ہے۔ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ پر انحصار ہوتا ہے، اس کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ ”اور اس مرتبہ پر انسان اسباب کے حجابوں سے بالکل باہر آجاتا ہے۔“ دنیاوی چیزوں پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ مکمل بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے

"اور یہ مقولہ کہ مثلاً میری اپنی ہی آبپاشی سے میری کھیتی ہوئی اور یا میرے اپنے ہی بازو سے یہ کامیابی مجھے ہوئی یا زید کی مہربانی سے فلاں مطلب میرا پورا ہوا اور بکر کی خبر گیری سے میں تباہی سے بچ گیا یہ تمام باتیں ہیچ اور باطل معلوم ہونے لگتی ہیں۔" نہ اپنی کسی خوبی پر اور کوشش پر انحصار ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کی مدد اور اس کی خوبی پر انحصار ہوتا ہے، سب چیزیں معمولی ہو جاتی ہیں "اور ایک ہی ہستی اور ایک ہی قدرت اور ایک ہی محسن اور ایک ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔ تب انسان ایک صاف نظر سے جس کے ساتھ ایک ذرہ شرک فی الاسباب کی گرد و غبار نہیں خدا تعالیٰ کے احسانوں کو دیکھتا ہے۔" جب اللہ تعالیٰ اس طرح نظر آنے لگ جائے پھر اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو انسان دیکھتا ہے "اور یہ رویت اس قسم کی صاف اور یقینی ہوتی ہے کہ وہ ایسے محسن کی عبادت کرنے کے وقت اس کو غائب نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً اس کو حاضر خیال کر کے اس کی عبادت کرتا ہے۔" پھر چاہے انسان عبادت کر رہا ہو، انسان نماز پڑھ رہا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھتا ہے "اور اس عبادت کا نام قرآن شریف میں اِحسان ہے۔" سجدہ ریز ہونا اللہ تعالیٰ کے سامنے گویا کہ خدا سامنے ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کو قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے معاملے میں احسان کہتا ہے "اور صحیح بخاری اور مسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔"

پھر یہیں پر بات ختم نہیں ہو گئی بلکہ آگے فرماتے ہیں کہ "اور اس درجہ کے بعد ایک اَور درجہ ہے جس کا **نام اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے** کہ جب انسان ایک مدت تک احساناتِ الٰہی کو بلا شرکتِ اسباب دیکھتا رہے۔" احسانات اللہ تعالیٰ کے جو ہیں وہ بغیر کسی دنیاوی اسباب کے دیکھتا رہے، بغیر کسی شریک کے دیکھتا رہے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پہ کامل بھروسہ ہو "اور اس کو حاضر اور بلاواسطہ محسن سمجھ کر اس کی عبادت کرتا رہے تو اس تصور اور تخیل کا آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک ذاتی محبت اس کو جناب الٰہی کی نسبت پیدا ہو جائے گی۔" پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی ایک ذاتی محبت پیدا ہو جائے گی، غرض کوئی نہیں ہو گی۔ مانگنا کسی چیز کے لیے اس لیے نہیں ہو گا کہ مجھے ضرورت ہے بلکہ ایک ذاتی محبت پیدا ہو جائے گی "کیونکہ متواتر احسانات کا دائمی ملاحظہ بالضرورت شخص ممنون کے دل میں یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اس شخص کی ذاتی محبت سے بھر جاتا ہے۔" جس شخص نے احسان کیے ہوتے ہیں اور متواتر احسانات کا احساس جو ہے اور اس کا ملاحظہ، اس کو دیکھتے رہنا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح احسان کر رہا ہے اس کی سمجھ اور اس کا عرفان حاصل ہو جانا۔ پھر کیا ہوتا ہے اس سے، اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اصول ہے کہ اگر اس طرح تعلق ہو تو ایک ذاتی محبت سے دل بھر جاتا ہے "جس کے غیر محدود احسانات اس پر محیط ہو گئے۔ پس اس صورت میں وہ صرف احسانات کے تصور سے اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اس کی ذاتی محبت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔" پہلے مانگنے کے لیے عبادت، پھر اللہ تعالیٰ کو سب کچھ سمجھ کر اس کی عبادت، احسان کا رنگ ہو گیا، سمجھ لیا، پھر اس سے بھی آگے بڑھ گیا کہ کچھ مانگنے کے لیے نہیں عبادت ہوتی بلکہ ذاتی محبت جو اللہ تعالیٰ سے ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے "جیسا کہ بچہ کو ایک ذاتی محبت اپنی ماں سے ہوتی ہے۔ پس اس مرتبہ پر وہ عبادت کے وقت صرف خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ دیکھ کر سچے عشاق کی طرح لذت بھی اٹھاتا ہے اور تمام اغراض نفسانی معدوم ہو کر ذاتی محبت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے

اور یہ وہ مرتبہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے لفظ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی سے تعبیر کیا ہے اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ:201)'' پس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ذکر کرو۔ پس یہ وہ مقام ہے جو اللہ تعالیٰ سے خالص محبت ہونے کا مقام ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''غرض آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:91) کی یہ تفسیر ہے اور **اس میں خدا تعالیٰ نے تینوں مرتبے انسانی معرفت کے بیان کر دیئے اور** تیسرے مرتبہ کو محبت ذاتی کا مرتبہ قرار دیا اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں تمام اغراض نفسانی جل جاتے ہیں اور دل ایسا محبت سے بھر جاتا ہے جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔'' یعنی عطر کی شیشی ہو۔ ''اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (البقرۃ:208) یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضاءِ الٰہی کے عوض میں بیچ دیتے ہیں اور خدا ایسوں ہی پر مہربان ہے۔ اور پھر فرمایا بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ:113) یعنی وہ لوگ نجات یافتہ ہیں جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اس کی نعمتوں کے تصور سے اس طور سے اس کی عبادت کریں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں اور نہ ان کو کچھ خوف ہے اور نہ وے کچھ غم کرتے ہیں یعنی ان کا مدعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور خدا کے پاس کی نعمتیں ان کا اجر ہوتا ہے۔'' خدا کی نعمتیں ان کا اجر ہوتا ہے ''اور پھر ایک جگہ فرمایا: يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر:9-10) یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلہ اور شکر گذاری نہیں چاہتے اور نہ ہماری کچھ غرض ہے۔ ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے۔'' اس ساری خدمت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید نظر آ جائے۔ ''اب سوچنا چاہئے کہ ان تمام آیات سے کس قدر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادت الٰہی اور اعمال صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبت الٰہی اور رضاءِ الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے۔''

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 437 تا 441)

اور اللہ تعالیٰ کی سچی محبت حاصل کرنے کے لیے جیسا کہ ان آیات میں بھی ذکر ہے اس کی مخلوق سے بھی ذاتی ہمدردی اور تعلق قائم کرنا ہے۔ ان کے حق ایک مومن بندہ، خدا تعالیٰ سے محبت کرنے والا بندہ صحیح ادا کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں:

''خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔'' کشتی نوح میں آپؑ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار

ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں کیونکہ **احسان میں ایک خود نمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنے والا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خود نمائی نہیں کر سکتا۔** پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے۔ خدا سے عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کی فرمانبرداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور خدا سے اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی یہ ہے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کے طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے۔ بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے تب بھی جوش محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 30-31)

یہ محبت ذاتی ہے خدا تعالیٰ سے۔ پہلے جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کا یہ خلاصہ ہے جو کشتی نوح میں آپؑ نے ہمیں بیان فرمایا۔ پھر حقوق العباد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؑ مزید فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور عدل سے بڑھ کر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو اور احسان سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروّت کرو کہ جیسے کہ گویا وہ تمہارے پیارے اور ذوالقربیٰ ہیں۔ اب سوچنا چاہئے کہ مراتب تین ہی ہیں۔ اول انسان عدل کرتا ہے یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے۔ پھر اگر اس سے بڑھے تو مرتبہ احسان ہے۔ اگر اس سے بڑھے تو احسان کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے یعنی ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے۔"

(جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 127)

یہ حقوق العباد کا خلاصہ بن گیا۔ پھر یہ تو پہلے بعض جگہوں پہ آپؑ نے لوگوں کو، غیر مذاہب والوں کو بتایا کہ اسلام کی خوبیاں کیا ہیں۔ پھر جماعت کو جو نصیحت کی وہ بھی مختلف مواقع پر کی۔ ایک موقع پر نصیحت کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ "مخلوقِ خدا سے ایسے پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ احسان میں ایک مادہ خود نمائی کا ہوتا ہے اور اگر کوئی احسان فراموشی کرتا ہو تو محسن جھٹ کہہ اٹھتا ہے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں احسان کئے لیکن طبعی محبت جو کہ ماں کو بچے کے ساتھ ہوتی ہے اس میں کوئی خود نمائی نہیں ہوتی۔" احسان اگر کیا ہے کسی پہ تو بعض دفعہ جتا بھی دیتے ہو لیکن ماں نے کبھی بچے کو نہیں جتایا۔ "بلکہ اگر ایک بادشاہ ماں کو یہ حکم دیوے کہ تُو اس بچے کو اگر مار بھی ڈالے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہ ہو گی تو وہ کبھی یہ بات سننا گوارا نہ کرے گی اور اس بادشاہ کو گالی دے گی حالانکہ اسے علم بھی ہو کہ اس کے جوان ہونے تک مَیں نے مر جانا ہے مگر پھر بھی محبت ذاتی کی وجہ سے وہ بچہ کی پرورش کو ترک نہیں کرے گی۔

اکثر دفعہ ماں باپ بوڑھے ہوتے ہیں اور ان کو اولاد ہوتی ہے تو ان کی کوئی امید بظاہر اولاد سے فائدہ اٹھانے کی نہیں ہوتی لیکن باوجود اس کے پھر بھی وہ اس سے محبت اور پرورش کرتے ہیں۔ یہ ایک طبعی امر ہوتا ہے جو محبت اس درجہ تک پہنچ جاوے اس کا اشارہ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی میں کیا گیا ہے کہ اس قسم کی محبت خدا تعالیٰ کے ساتھ

ہونی چاہئے نہ مراتب کی خواہش نہ ذلت کا ڈر۔" (ملفوظات جلد 6 صفحہ 181-182)

پھر آپؑ نے فرمایا کہ "ادنیٰ درجہ عدل کا ہوتا ہے جتنا لے اتنا دے۔" عدل ہوتا ہے جتنا لے اتنا دے یعنی یہ انصاف کا کم از کم معیار ہے۔ "اس سے ترقی کرے تو احسان کا درجہ ہے جتنا لے وہ بھی دے اور اس سے بڑھ کر بھی دے۔" یہ احسان ہے کہ جتنا لیا ہے وہ بھی واپس کرو اور بڑھ کے اس کو دو۔ "پھر اس سے بڑھ کر اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ ہے یعنی دوسروں کے ساتھ اس طرح نیکی کرے جس طرح ماں بچہ کے ساتھ بغیر نیت کسی معاوضہ کے طبعی طور پر محبت کرتی ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ ترقی کر کے ایسی محبت کو حاصل کر سکتے ہیں" اگر چاہو تو ترقی کر کے اللہ تعالیٰ سے بھی ایسی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔ "انسان کا ظرف چھوٹا نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں بلکہ یہ وسعت اخلاق کے لوازمات میں سے ہے۔" فرمایا "میں تو قائل ہوں کہ اہل اللہ یہاں تک ترقی کرتے ہیں کہ مادری محبت کے اندازہ سے بھی بڑھ کر انسان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔"
(ملفوظات جلد 7 صفحہ 375)

حقوق العباد بجالانے کے لیے ماؤں سے بھی زیادہ انسانوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"عدل کی حالت یہ ہے جو متقی کی حالت نفس امارہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس حالت کی اصلاح کے لیے عدل کا حکم ہے۔" برائیوں سے باہر نکلنا، خیالات سے باہر نکلنا یہ بھی عدل کی حالت ہے۔ "اس میں نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔" گناہوں سے بچنے کے لیے نفس کی مخالفت کرنا یہ بھی عدل کی ایک قسم ہے۔ "مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو دبالوں۔ اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گذر جاوے۔ اس صورت میں نفس اور بھی دلیر اور بیباک ہو گا کہ اب تو قانونی طور پر بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دَین واجب ادا کیا جاوے۔" جو واجب قرض ہے وہ ادا کیا جائے "اور کسی حیلے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جاوے۔" بعض لوگ قرضے دبانے اور وقت پر ادا نہ کرنے بلکہ بعض دفعہ بالکل اس بات پر بھی، اس حالت میں بھی ہو جاتے ہیں کہ مکمل طور پر انکاری ہو جاتے ہیں اگر کوئی ثبوت واضح طور پر نہ ہو۔ بہر حال ان کو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ہر عمل دیکھ رہا ہے۔ اور دوسرے ضمناً یہ بھی کہہ دوں کہ لین دین کے جھگڑے اس لیے شروع ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ لوگ غیر ضروری اعتبار اور اعتماد دوسروں پہ کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لین دین کا معاملہ جب بھی ہو تو اس وقت لکھ لیا کرو۔ تحریر میں لے آیا کرو۔ یہ نہیں کہ میرا واضح رشتہ دار ہے، میرا بڑا قریبی دوست ہے تو میں نے لکھا نہیں۔ اسی سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اسی سے پھر نفس امارہ انسان کو غلط کاموں میں ابھارنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہر حال ایک مومن کا کام یہ ہے کہ ان سے بچے اور عدل سے کام لے۔ فرمایا:

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پروا نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں

سستی نہیں کرنی چاہئے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دُور بھاگنا چاہئے کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے جو اس نے اس آیت میں دیا ہے۔"

پھر آپؑ فرماتے ہیں: **"اس کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ جو شخص عدل کی رعایت کرتا ہے اور اس کی حد بندی** کو نہیں توڑتا اللہ تعالیٰ اسے توفیق اور قوت دے دیتا ہے اور وہ نیکی میں اَور ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ عدل ہی نہیں کرتا بلکہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے بہت بڑی نیکی کرتا ہے لیکن احسان کی حالت میں بھی ایک کمزوری ابھی باقی ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت اس نیکی کو جتا بھی دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دس برس تک کسی کو روٹی کھلاتا ہے اور وہ کبھی ایک بات اس کی نہیں مانتا تو اسے کہہ دیتا ہے کہ دس برس کا ہمارے ٹکڑوں کا غلام ہے اور اس طرح پر اس نیکی کو بے اثر کر دیتا ہے۔ دراصل احسان والے کے اندر بھی ایک قسم کی مخفی ریا ہوتی ہے۔" چھپی ہوئی ریا ہوتی ہے جو احسان کرتا ہے۔ "لیکن تیسرا مرتبہ ہر قسم کی آلائش اور آلودگی سے پاک ہے اور وہ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ ہے۔" فرمایا: "اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ طبعی حالت کا درجہ ہے یعنی جس مقام پر انسان سے نیکیوں کا صدور ایسے طور پر ہو جیسے طبعی تقاضا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے۔ کبھی اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ بڑا ہو کر کمائی کرے گا اور اس کی خدمت کرے گا یہاں تک کہ اگر کوئی بادشاہ اسے یہ حکم دے کہ تو اگر اپنے بچہ کو دودھ نہ دے گی اور اس سے وہ مر جاوے تو بھی تجھے مؤاخذہ نہ ہو گا۔ اس حکم پر بھی اس کو دودھ دینا وہ نہیں چھوڑ سکتی بلکہ ایسے بادشاہ کو دو چار گالیاں ہی سنا دے گی۔ اس لئے کہ وہ پرورش اس کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ وہ کسی امید یا خوف پر مبنی نہیں۔ اسی طرح پر جب انسان نیکی میں ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ نیکیاں اس سے ایسے طور پر صادر ہوتی ہیں گویا ایک طبعی تقاضا ہے تو یہی وہ حالت ہے جو نفس مطمئنہ کہلاتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 312 تا 314)

پھر فرمایا: "ماں خود اپنی جان پر دکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ پر لیٹتی ہے اور اسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے تو راتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی بھی شعبہ پایا جاتا ہے؟" یہ تو خالص محبت کی وجہ سے ہے اور یہی محبت حق اللہ اور حق العباد ادا کرنے کے لیے ایک مومن میں ہونی چاہیے۔ فرمایا: "پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے درجہ سے بھی آگے بڑھو اور اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کے مرتبہ تک ترقی کرو اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت کے خیال کے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو۔ تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصنع اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا کہ "لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر:10) یعنی خدا رسیدہ اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصاً اللہ ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی ہے اور نہ انجیل میں۔ ورق ورق

کر کے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام و نشان نہیں۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 416-417)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: "**اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو** اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر قریبیوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گزر جاؤ۔" اعتدال کو بہر حال قائم رکھنا ہے۔ "یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے۔ یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا بر محل احسان کرنے سے دریغ کرو۔" عقلی تقاضا اور انصاف کا تقاضا بھی سامنے رکھنا ہے کہ احسان بے محل بھی نہیں ہونا چاہیے اور جہاں ضرورت ہے احسان کرنے کی وہاں سے احسان کرنے کا انکار کرنا یہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ بہر حال یہ چیز ضرور دیکھنی ہے کہ عقل کا تقاضا کیا ہے اور فائدہ کس میں ہے "یا یہ کہ تم محل پر اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے۔" پس جہاں یہ نیکیاں کرنے کا حکم ہے وہاں عقل اور اعتدال اور نیک مقصد کے حصول کی بھی نصیحت کی گئی ہے اور حکم یہ ہے کہ تمہاری یہ ساری نیکیاں اس لیے ہونی چاہئیں کہ فائدہ پہنچائیں نہ کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا کر دیں۔ ماں باوجود بچے سے بہت پیار کرنے کے کبھی اس کے مطالبے پر اس کے ہاتھ میں آگ کا انگارہ نہیں رکھتی۔ پس اصل مقصد بھلائی اور خیر خواہی ہے جس کے لیے یہ تینوں نیکیاں بجا لانی ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں: "اوّل یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے یہ تو کم درجہ ہے اور ادنیٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔" کوئی بھی شریف آدمی یہ نیکی کرتا ہے۔ یہ بنیادی چیز ہے۔ یہ کوئی ایسی اعلیٰ نیکی نہیں ہے یہ تو شرافت ہے۔ "دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔" نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے اس پر احسان کرنا اس کو فائدہ پہنچانا۔ یہ خلق بھی اوسط درجہ کا ہے درمیانے درجہ کا ہے۔ "اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یاد عا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے۔" جس پہ احسان کیا ہے اگر وہ مخالف ہو جائے کسی وجہ سے تو پھر اس کو احسان فراموش کہتا ہے۔ "بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے۔" اس لیے کہ میں نے تم پہ احسان کیا اور اتنا عرصہ تمہارے کام آیا یا میرے سے تم فائدہ اٹھا رہے ہو تو احسان کرنے والا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس آدمی پر بوجھ ڈال دیتا ہے "اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالیٰ متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرۃ:265) یعنی اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہئے۔ احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔" اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو وارننگ (warning) دی ہے کہ ایسے احسان تمہارے لیے کوئی فائدہ مند

نہیں ہوں گے۔ صدقات اگر تم کرتے ہو تو اس کی بنیاد صدق پر ہے، سچائی پر ہے۔ اگر احسان دلانا ہے تو پھر تمہاری سب نیکی برباد ہو گئی۔ "یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے۔ غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔

تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکر گذاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصالِ خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان تمام ایصالِ خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرما دیا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہوں گی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔" یہ بھی وارننگ ہے کہ نیکیاں اگر اپنے محل پر نہیں ہوئیں، صحیح طرح نہیں ہو رہیں، دنیا میں فساد پیدا کر رہی ہیں تو وہ نیکیاں نہیں ہوں گی، بدی بن جائے گی۔ "بجائے عدل فحشاء بن جائے گا۔" اگلا جو حصہ ہے اس کا کچھ ذکر بھی آجاتا ہے اس میں برائیوں سے بچنے کا کہ عدل پھر فحشاء بن جاتا ہے۔ "یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی۔" یہ احسان نہیں ہو گا یہ انسان پھر منکر بن جائے گا۔

"یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کے بغی بن جائے گا۔ یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔" حق واجب سے کمی ہو جائے تو اس کو بھی بغی کہتے ہیں اور حق واجب سے زیادہ کرو تو بھی بغی کا لفظ استعمال ہو گا۔ "غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہو گا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اس جگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقعہ پر استعمال ہو۔ اور پھر احسان کے بارے میں اَور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 353 تا 355)

یعنی یہ سارے خلق جو ہیں ان کو خاص طور پر معین کیا گیا ہے کہ یہ یہ خلق ہیں ان ان چیزوں کے لیے۔ پس مختلف رنگ میں مختلف مثالوں سے ان نیکیوں کے بجا لانے کی آپؑ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے۔ اس حوالے سے، نیکی کرنے کے حوالے سے، احسان کرنے کے حوالے سے اپنا ایک واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "احسان ایک نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس سے انسان اپنے بڑے بڑے مخالفوں کو زیر کر لیتا ہے چنانچہ سیالکوٹ

میں ایک شخص تھا جو کہ تمام لوگوں سے لڑائی رکھتا تھا اور کوئی ایسا آدمی نہ ملتا تھا جس سے اس کی صلح ہو۔ یہاں تک کہ اس کے بھائی اور عزیز و اقارب بھی اس سے تنگ آ چکے تھے۔ اس سے میں نے بعض دفعہ معمولی سا سلوک کیا اور وہ اس کے بدلہ میں کبھی ہم سے برائی سے پیش نہ آتا بلکہ جب ملتا تو بڑے ادب سے گفتگو کرتا۔

اسی طرح ایک عرب ہمارے ہاں آیا اور وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہاں تک کہ جب اس کے سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اتر آتا۔ اس نے یہاں آ کر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں اور وہابیوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ ہم نے اس کی کچھ پروانہ کر کے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اس کو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے۔ ''یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ فرمایا۔ ''اس پر وہ خاموش ہو گیا اور اس شخص کا۔'' حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا تھا کہ یہ وہابی ہے اس شخص کا ''مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ خیر وہ شخص چند دن کے بعد چلا گیا۔ اس کے بعد ایک دفعہ لاہور میں مجھ کو پھر ملا۔ اگرچہ وہ وہابیوں کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا مگر چونکہ اس کی تواضع اچھی طرح سے کی تھی اس لئے اس کا وہ تمام جوش و خروش دب گیا اور وہ بڑی مہربانی اور پیار سے مجھ کو ملا۔ چنانچہ بڑے اصرار کیساتھ مجھ کو ساتھ لے گیا اور ایک چھوٹی سی مسجد میں جس کا وہ امام مقرر ہوا تھا مجھ کو بٹھلایا اور خود نوکروں کی طرح پنکھا کرنے لگا اور بہت خوشامد کرنے لگا کہ کچھ چائے وغیرہ پی کر جاویں۔ پس دیکھو کہ احسان کس قدر دلوں کو مسخر کر لیتا ہے۔'' (ملفوظات جلد 9 صفحہ 302)

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ''اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو آج کل کے نو تعلیم یافتہ پیش کرتے ہیں کہ ملاقات وغیرہ میں زبان سے چاپلوسی اور مداہنہ سے پیش آتے ہیں۔'' چاپلوسی کرنے ہاں جی، جی حضوری کر لی ''اور دلوں میں نفاق اور کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ اخلاق قرآن شریف کے خلاف ہیں۔ دوسری قسم اخلاق کی یہ ہے کہ سچی ہمدردی کرے۔ دل میں نفاق نہ ہو اور چاپلوسی اور مداہنہ وغیرہ سے کام نہ لے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:91) تو یہ کامل طریق ہے اور ہر ایک کامل طریق اور ہدایت خدا کے کلام میں موجود ہے۔ جو اس سے روگردانی کرتے ہیں وہ اور جگہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ اچھی تعلیم اپنی اثر اندازی کے لئے دل کی پاکیزگی چاہتی ہے۔ جو لوگ اس سے دور ہیں اگر عمیق نظر سے ان کو دیکھو گے تو ان میں ضرور گند نظر آئے گا۔ زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ نماز، صدق و صفا میں ترقی کرو۔''

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 200)

آپؑ نے ہمیں نصیحت **فرمائی کہ نماز اور صدق و صفا میں ترقی کرو۔** عبادتوں میں اور سچائی میں اور پاکیزگی میں ترقی کرو۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں۔ میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرے کو محدود نہ کرو اور ہمدردی کے لیے اس تعلیم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے

یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:91) یعنی اوّل نیکی کرنے میں تم

عدل کو ملحوظ رکھو۔ جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو اور پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اس سے بھی بڑھ کر اس سے سلوک کرو۔ یہ احسان ہے۔ احسان کا درجہ اگرچہ عدل سے بڑھا ہوا ہے اور یہ بڑی بھاری نیکی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ممکن ہے کہ احسان والا اپنا احسان جتلا دے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک درجہ ہے کہ انسان ایسے طور پر نیکی کرے کہ جو محبت ذاتی کے رنگ میں ہو۔ جس میں احسان نمائی کا بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا جیسے ماں اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں کسی اجر اور صلہ کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو بچے کے لیے اپنے سارے سکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے۔ فرمایا پس اگر بادشاہ بھی اس کو کہے کہ تم اس کو دودھ نہ پلاؤ تو وہ بادشاہ کو برا بھلا کہے گی۔ فرمایا کہ پس اس طریق پر نیکی ہو کہ اسے طبعی مرتبہ تک پہنچایا جاوے کیونکہ جب کوئی شے ترقی کرتے کرتے اپنے طبعی کمال تک پہنچ جاتی ہے اس وقت وہ کامل ہوتی ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 7 صفحہ 382-383)

آپؑ فرماتے ہیں: ”خدا حکم فرماتا ہے کہ تمام دنیا کے ساتھ تم عدل کرو یعنی جس قدر حق ہے اسی قدر لو اور انصاف سے بنی نوع کے ساتھ پیش آؤ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ حکم ہے کہ تم بنی نوع سے احسان کرو یعنی وہ سلوک کرو جس سلوک کا کرنا تم پر فرض نہیں محض مروّت ہے۔ مگر چونکہ احسان میں بھی ایک عیب مخفی ہے کہ صاحبِ احسان کبھی ناراض ہو کر اپنے احسان کو یاد بھی دلا دیتا ہے۔

اس لئے اِس آیت کے آخر میں فرمایا کہ کامل نیکی **یہ ہے کہ تم اپنے بنی نوع سے اِس طور سے نیکی کرو کہ جیسے ماں اپنے بچہ سے نیکی کرتی ہے** کیونکہ وہ نیکی محض طبعی جوش سے ہوتی ہے نہ کسی پاداش کی غرض سے۔ یہ دِل میں ارادہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ بچہ اس نیکی کے مقابل مجھے بھی کچھ عنایت کرے۔ پس وہ نیکی جو بنی نوع سے کی جاتی ہے کامل درجہ اس کا یہ تیسرا درجہ ہے جس کو اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 388)

پس نیکی صرف اپنوں سے نہیں بلکہ ہر ایک سے نیکی اور بغیر اجر کے نیکی کرنے کا حکم ہے اور یہی وہ مقام ہے جس سے خدا تعالیٰ بھی ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے حوالے سے بھی بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں اور اپنی مجالس میں اس حوالے سے بے انتہا تاکید فرمائی ہے اور اسلام کی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی جو کسی اَور مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے یہ بیان فرمائی ہے۔ پس ہمارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے معیار حاصل کرنے کے لیے بھی اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے بھی اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے مطابق زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنی عبادت کے معیار بھی اعلیٰ رنگ میں حاصل کرنے والے ہوں۔ حقوق العباد ادا کرنے والے ہوں۔ خاص طور پر آپس میں پیار و محبت کے رشتے کو بھی اس طرح قائم کرنے والے ہوں کہ دنیا کے لیے ایک مثال بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق دیتے ہوئے حق بیعت ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آپؑ کے بیعت کے حق میں بھی یہ ”بنی نوع سے ہمدردی“ شرط ہے۔ ہر جمعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ کو سن کر نیکیوں میں بڑھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی طرف

توجہ دلانے والا ہو ورنہ ہم میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور غیر میں ایک واضح فرق دکھادے جس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ بڑے درد سے اس کا اظہار فرمایا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 252)

پاکستان کے حالات کے لیے بھی دعا کرتے رہیں۔ ہم نے تو نیکیاں پھیلانے کے لیے اپنا کام کرتے چلے جانا ہے اور شیطانی فطرت لوگوں نے اپنے ظلم جو اُن کا کام ہے وہ دکھاتے رہنا ہے۔ ہمارا تو ان شیطانوں سے اس شیطانی کی حالت میں مقابلہ کوئی نہیں۔ ہمیں تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے والے ہوں۔ ہمیشہ یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمانوں کو سلامت رکھے اور کبھی ہمارے ایمان متزلزل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارا وہ تعلق پیدا ہو جائے جو اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کا تعلق ہے۔ پھر ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نظارے بھی پہلے سے بڑھ کر دیکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور جو دشمن ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں اور ناقابل اصلاح ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں اللہ تعالیٰ انہیں خود تباہ کرے اور ان شاء اللہ جب ایسی صورت ہو گی اور جب ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو گا تو دشمن کی تباہی کے نظارے بھی ہم دیکھیں گے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 26/ مئی 2023ء جلد 30 شمارہ 78 صفحہ 02 تا 07)

19

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 12/ مئی 2023ء بمطابق 12/ ہجرت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران:160)

آیت کا ترجمہ ہے: پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لیے نرم ہو گیا۔ اور اگر تُو تُند خُو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔ پس ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور (ہر) اہم معاملہ میں ان سے مشورہ کر۔ پس جب تُو (کوئی) فیصلہ کر لے تو پھر اللہ ہی پر توکّل کر۔ یقیناً اللہ توکّل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ان دنوں میں مختلف ممالک میں جماعتی مجالسِ شوریٰ منعقد ہو رہی ہیں۔ بعض ملکوں میں ہو چکی ہیں، بعض میں اس ہفتے ہیں اور بعض آئندہ ہفتے میں ہوں گی۔ جرمنی کی آج شروع ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اَور بہت سے ملک ہیں۔ اسی طرح یوکے کی مجلس شوریٰ اگلے ہفتے ہے اور اس کے ساتھ اَور بھی ممالک شامل ہیں۔ **شوریٰ کی اہمیت اور نمائندگان کی ذمہ داریوں** کے بارے میں مَیں پہلے بھی خطبات میں توجہ دلا چکا ہوں لیکن اس کو کیونکہ اب کچھ سال گزر چکے ہیں اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ آج پھر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور جماعتی روایات اور طریق کے مطابق کچھ کہوں۔ جہاں شوریٰ کی مجالس منعقد ہو بھی چکی ہیں وہاں کے نمائندگان شوریٰ بھی ان باتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو ممبران شوریٰ کی ذمہ داریوں کے حوالے سے ہیں اور ممبران شوریٰ کو یاد رکھنی چاہئیں کیونکہ ممبران کی بعض ذمہ داریاں مجلسِ شوریٰ کی سفارشات اور خلیفۂ وقت کے ان پر فیصلے کے بعد ہی شروع ہوتی ہیں اور ان کا انجام دینا اور اپنا کردار ادا کرنا ہر ممبر شوریٰ کا فرض ہے۔ بہرحال ان ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانے سے پہلے یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس کی روشنی میں کچھ باتیں کروں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور آپؐ کا طریق بیان کروں گا۔ اس آیت میں جہاں اس بات کی تصدیق فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے اپنی امّت کے افراد کے لیے انتہائی نرم دل رکھنے والے تھے وہاں اس بات کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ دلائی اور ہدایت فرمائی کہ جن کے سپرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو آگے بڑھانا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے والے مسیح موعود اور مہدی معہود کے مشن کو پورا کرنا ہے ان کا بھی یہ کام ہے کہ محبت، پیار اور نرمی سے کام کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر نرمی نہ دکھائی اور سخت دلی دکھائی اور غصہ میں آنے والا ہوا تو یہ لوگ دُور ہو جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ درگذر کرنے اور بخشش کی دعا کرنے کا حکم فرماتا ہے اور پھر ساتھ ہی مشورہ کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ پس اس اصول اور تعلیم کے تابع مجالس شوریٰ منعقد کی جاتی ہیں لیکن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ مشورہ دینے والی مجلس ہے فیصلہ کرنے والی نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ مشوروں کے بعد جو فیصلہ تُو کرے اس پر اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے عمل کر اور جب اللہ تعالیٰ پر توکّل ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے نتائج بھی بے انتہا برکتوں والے نکالے گا۔ توکّل کی اعلیٰ ترین مثال تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہمیں نظر آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست راہنمائی ملتی تھی لیکن خاص طور پر ان معاملات میں آپؐ ضرور ضروری مشورہ طلب فرماتے تھے جہاں اللہ تعالیٰ کا کوئی واضح حکم نہ ہوتا تھا اور آپؐ کا یہ عمل اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہمیں بتانے کے لیے ہے کہ جماعتی عہدیداروں کے افرادِ جماعت کے ساتھ کیسے رویے ہونے چاہئیں اور ہمیں باہم مشورے سے کام کرنے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کے انعام سے نوازا ہے اس لیے خلیفۂ وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق دنیا میں پھیلی ہوئی جماعتوں سے وہاں کے حالات کے مطابق مشورے لیتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملے میں راہنمائی فرما دیتا لیکن آپؐ کو بعض معاملات میں مشورے کا حکم دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا **بعض معاملات میں مشورہ لینا حقیقت میں ہمیں صحیح راستے پر چلانے اور** باہمی تعاون اور مشورے سے کام کرنے کی طرف راہنمائی کے لیے ہے اور امّت میں وحدت پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ کی آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ اللہ اور اس کا رسول اس سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری امّت کے لیے رحمت کا باعث بنایا ہے۔ پس ان میں سے جو مشورہ کرے گا وہ رشد و ہدایت سے محروم نہیں رہے گا اور جو مشورہ نہیں کرے گا وہ ذلت سے نہ بچ سکے گا۔

(الجامع لشعب الایمان جلد 10 صفحہ 41-42 حدیث 7136 مطبوعہ مکتبۃ الرشد ناشرون ریاض 2003ء)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ان مشوروں سے مستغنی تھے اور ہیں لیکن اس کے باوجود آپؐ نے مشورے لیے تا کہ امّت کے سامنے وہ نمونہ قائم فرما دیں جس سے امّت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حصہ لیتی رہے اور ہمیشہ رشد و ہدایت کے رستوں پر چلتی رہے اور ذلّت سے بچتی رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خاص احسان ہے کہ ہمارے اندر شوریٰ کا نظام رائج ہے۔ پس اس کی ہر احمدی کو عام طور پر اور ہر شوریٰ ممبر کو خاص طور پر قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمارے لیے رشد و ہدایت کا سامان پیدا فرما دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن موقعوں پر مشورے لیے اور آپؐ کے مشورے کا کیا طریق تھا اس بارے

میں ہمیں تاریخ سے جو پتہ چلتا ہے وہ کچھ بیان کرتا ہوں۔ یہی طریق خلفائے راشدین نے بھی جاری رکھا اور پھر اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی **اسی پر عمل کیا۔ عموماً مشورہ لینے کے لیے تین طریق** ہمیں نظر آتے ہیں۔ **ایک یہ طریق** تھا کہ جب مشورے کے قابل کوئی معاملہ ہوتا تو ایک شخص اعلان کرتا کہ لوگ جمع ہو جائیں اور لوگ جمع ہو جاتے اور پھر جو رائے ہوتی، جو مشورہ ہوتا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء فیصلہ کر دیتے کہ ان مشوروں کے بعد ہمارا یہ فیصلہ ہے، اس طرح اس پر عمل ہو گا۔ اس زمانے میں کیونکہ سرداری نظام تھا اس لیے عموماً گو قبیلے کے بہت سارے لوگ جمع ہو جاتے تھے لیکن رائے سردار یا امیر ہی دیتے تھے۔ ان کا ایک نمائندہ ہوتا تھا۔ اور لوگ اس بات پر بخوشی راضی ہوتے تھے کہ ہمارا سردار یا امیر ہماری نمائندگی میں رائے دے۔ بلکہ اس وقت کے رواج کے مخالف اگر کوئی جوش میں اپنی رائے دینے کی کوشش بھی کرتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اپنے سردار یا امیر سے کہو کہ وہ آگے آ کر اپنی رائے دے۔ تمہاری بات کی اس طرح کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پس یہ ایک طریق تھا۔

دوسرا طریق یہ تھا کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشورے کا اہل سمجھتے انہیں بلا لیتے اور عمومی طور پر سب کو نہ بلایا جاتا اور پھر ان چند لوگوں کی مجلس سے مشورہ لیا جاتا۔

تیسرا طریق یہ تھا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے کہ دو آدمی بھی اکٹھے جمع نہیں ہونے چاہئیں وہاں آپؐ علیحدہ علیحدہ بلا کر مشورہ لیتے۔ پہلے ایک کو بلا کر مشورہ لیتے پھر دوسرے کو بلا کر مشورہ لیا جاتا۔

(ماخوذ از خطاباتِ شوریٰ جلد اوّل صفحہ 6-7 مجلس مشاورت 1922ء)

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تین طریق تھے مشورہ لینے کے اور خلفائے راشدین نے بھی اس کے مطابق ہی مشورہ لیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول ان مشوروں سے مستغنی ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مشورے لیے بلکہ آپؐ تو بہت زیادہ صحابہؓ سے مشورے لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ لینے والا نہیں پایا۔

(سنن الترمذی ابواب الجہاد باب ماجاء فی المشورۃ حدیث 1714)

اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ جیسا کہ میں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا نبی جس کو اللہ تعالیٰ کی راہنمائی براہ راست حاصل ہے مشورہ لیتا ہے تو تم لوگوں کو کس قدر مشورے کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک روایت میں آتا ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن بھجوانے کا فیصلہ فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ ان صحابہؓ میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے صحابہؓ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مشورہ نہ طلب فرماتے تو ہم کوئی بات نہ

کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ جن امور کے بارے میں مجھے وحی نہیں ہوتی ان کے بارے میں مَیں تمہاری طرح ہی ہوتا ہوں۔ جن امور کے بارے میں مجھے وحی نہیں ہوتی ان کے بارے میں مَیں تمہاری طرح ہی ہوتا ہوں۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق کہ مجھے مشورہ دو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رائے لے رہے تھے تو ہر شخص نے اپنی اپنی رائے بیان کی اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ! تم بتاؤ۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ میری وہی رائے ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 20 صفحہ 67 حدیث 124 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تو آپ سے بھی انہوں نے پوچھا۔ پس جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اظہار اپنی سادگی اور عاجزی اور مشورے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے وہاں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے کہ ہمیں کس قدر مشوروں کو اہمیت دینی چاہیے اور صحابہؓ کا نمونہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشورہ دیتے تھے تو پھر اپنی صلاحیتوں اور تجربے کے مطابق تقویٰ پر چلتے ہوئے مشورہ دیا کرتے تھے۔

پھر مدینہ ہجرت کے بعد بھی جب کفار مکہ نے مسلمانوں کے امن و سکون کو برباد کرنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سدِّباب کے لیے صحابہؓ سے مشورہ لیا اور انصار کے سرداروں کو بھی اس میں شامل فرمایا، مہاجرین کے سرداروں کو بھی شامل فرمایا اور پھر مہاجرین اور انصار کے سرداروں کے مشورے اور رضامندی سے آپؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور انصار کے سرداروں نے اس مشورے کے دوران جو اخلاص و وفا کا نمونہ دکھایا اور عہد کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی خوشی اور اطمینان کا بھی اظہار فرمایا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے صفحہ 354-355)

اس لیے کہ مشورہ صرف مشورہ کی حد تک نہیں ہے بلکہ مشورہ دینے والوں کا عمل اور روّیہ اور اس مشورے پر خود سب سے پہلے عمل کرنے کا عہد ہے۔ اگر عمل کرنے کا عہد نہیں اور پھر حقیقت میں اس پر عمل نہیں تو پھر مشورہ بے فائدہ ہے۔ اور ہم نے دیکھا کہ کس طرح بدر کے میدان میں اخلاص و وفا کا عملی اظہار پھر ان صحابہؓ نے فرمایا۔ جب مشورہ دیا تو پھر اپنی جان کی بازی لگا دی۔ پس جہاں جہاں ہمارے شوریٰ کے ممبران ہیں ان کو بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں وہ مشورہ دیتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آپ کو اس بات کے لیے تیار کریں کہ ہم نے ان مشوروں پر منظوری کے فیصلے کے بعد عمل کرنا ہے یا جو بھی خلیفۂ وقت فیصلہ کریں گے سب سے پہلے ہم نے اس پر عمل کرنے کے لیے ہر قربانی دینی ہے۔ جب اپنے عملی نمونے قائم ہوں گے تو پھر ہی افراد جماعت بھی خوشی سے اس پر عمل کرنے کے لیے ہر قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ **شوریٰ کے ممبران کو یہ ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ ہر احمدی کا خلافت سے وفا اور اطاعت کا عہد ہے تو اس** کے لیے سب سے اعلیٰ نمونہ عہدیداران اور شوریٰ کے ممبران کو دکھانا چاہیے کیونکہ آپ اس ادارے کے ممبر بنائے گئے ہیں جو نظامِ خلافت اور نظامِ جماعت کا مددگار ادارہ ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جہاں یہ حکم خلیفۂ وقت کو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلتے

ہوئے دین کے اہم کاموں میں امّت کے لوگوں سے مشورہ لو، اسی طرح نرم دل رہنے اور دعا کا بھی حکم ہے۔ ان لوگوں کو بھی یہ حکم ہے جن سے یہ مشورہ لیا جاتا ہے کہ نیک نیت ہو کر تقویٰ پر چلتے ہوئے مشورہ دو۔

پس مشورہ دینے والوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے مشورے نیک نیتی اور تقویٰ کے اعلیٰ معیاروں کے مطابق ہونے چاہئیں۔ پس اس لحاظ سے مشورہ دینے والوں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ جائزہ لیں کہ ان کا تقویٰ کس معیار کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت تو یہاں تک وضاحت کرتی ہے، آپؓ نے فرمایا کہ شَاوِرُوا الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِيْنَ

(کنز العمال جلد 3 صفحہ 411 حدیث 7191 مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت 1985ء)

یعنی سمجھدار اور عبادت گزار لوگوں سے مشورہ کرو ہر ایک سے نہیں۔ پس یہ معیار ہے نمائندگان کا۔

اس میں ان لوگوں کے لیے بھی نصیحت ہے جو نمائندگان شوریٰ چنتے ہیں کہ اپنے میں سے ایسے لوگ چنیں جو بظاہر صائب رائے رکھنے والے ہیں، دینی علم میں بہتر ہیں اور عبادت کے معیار بھی اچھے ہیں۔ جہاں بھی اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے نمائندگان چنے جاتے ہیں ان نمائندگان کی رائے میں مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک نمایاں فرق نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اور یہ ذمہ داری ہے ان نمائندگان کی بھی کہ اگر حسنِ ظن رکھتے ہوئے افراد جماعت نے کسی کو شوریٰ کا نمائندہ چنا ہے تو وہ اس حسن ظن پر پورا اترے۔ ایک دن میں یا چند ہفتوں میں کوئی علم کے اعلیٰ معیار اور دین کی گہرائی کو تو نہیں جان سکتا، حاصل نہیں کر سکتا لیکن تقویٰ پر چلتے ہوئے اپنی رائے ہر قسم کے مفاد سے بالاتر ہو کر تو ہر کوئی دے سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتے ہوئے، اس سے مدد مانگتے ہوئے، دعا کے ساتھ جہاں جہاں شوریٰ منعقد ہو رہی ہیں وہاں کے نمائندگان کو اپنی رائے دینی چاہیے نہ کہ کسی مقرر کی تقریر سے متاثر ہو کر اور نہ ہی کسی تعلق اور دوستی کا خیال رکھتے ہوئے اپنی رائے کو دوسروں کی رائے کے ساتھ ملانا چاہیے اور نہ ہی کسی خوف یا لحاظ کی وجہ سے اپنی رائے بدلنی چاہیے بلکہ تقویٰ سامنے رکھتے ہوئے جماعت کے مفاد کو ہر بات پر مقدّم کرتے ہوئے جب رائے دیں گے تو تبھی حقیقت میں وہ اپنی نمائندگی کا حق ادا کرنے والے بنیں گے۔ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال بھی جانتا ہے اور ہمارے ہر عمل کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اگر میں اس کی رضا کو سامنے رکھ کر کام نہیں کر رہا تو کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لینے والا نہ بن جاؤں۔ اسی طرح جہاں شوریٰ ہو چکی ہے وہاں شوریٰ کے ممبران اپنا حق اب اس طرح ادا کریں کہ اپنے عملی نمونے ہمیشہ اپنی روحانی اور عملی حالت پر نظر رکھتے ہوئے گزارنے کا عہد کریں اور جو فیصلے ہوں یا ہوئے ہیں ان پر تقویٰ سے چلتے ہوئے عمل کرنے اور کروانے کی کوشش کریں۔ جب ہم یہ حالت پیدا کریں گے تبھی ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرنے والے بھی ہوں گے اور ہمارے فیصلوں میں برکت بھی پڑے گی ورنہ ہمارا اجمع ہونا اور اپنی رائے کے لیے پُرزور تقریریں کرنا ان دنیاوی اسمبلیوں کی طرح ہو گا جہاں تقویٰ مفقود ہے اور ایسے فیصلے ہوتے ہیں جو بسا اوقات اخلاق کو بھی پامال کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ اپنی پارٹی کے مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات جلد ہی ایسے غلط فیصلوں کے نتائج بھی نکل آتے ہیں جو امن و سکون برباد کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض اوقات دیر سے بھی نتائج نکلتے ہیں لیکن

برکت ان میں کوئی نہیں ہوتی لیکن بہر حال ایسے فیصلے جو اللہ تعالیٰ کے قانون اور حکموں کے خلاف ہوں پھر آخر میں قوموں کی تباہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پس دنیاداروں کی حالتوں کو دیکھ کر بھی ہمیں اپنی حالتوں کو بہتر کرنے کی طرف توجہ رکھنی چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا شوریٰ کے ممبران کے مشورے خلیفۂ وقت کو پیش کیے جاتے ہیں اور خلیفۂ وقت کے کہنے پر ہی یہ شوریٰ بلائی جاتی ہے۔ پس ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ مجلس شوریٰ خلافت کا مددگار ادارہ ہے اور اس لحاظ سے جماعت میں خلافت کے بعد اس کی بہت اہمیت ہے اور ہر ممبر جو شوریٰ کے لیے منتخب ہوتا ہے وہ ایک سال کے لیے ممبر ہوتا ہے۔ اسے اپنی اس اہمیت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ شوریٰ کے ایجنڈے اور مشورے سے ہی خلیفۂ وقت کو ان مسائل سے بھی آگاہی ہوتی ہے جو مختلف ممالک میں ہیں اور پھر جو آرا آتی ہیں ان سے ان مسائل کے حل کا لائحہ عمل بھی سامنے آجاتا ہے۔ بعض اوقات بعض باتیں کسی مسئلے کے حل کے بارے میں پوری تفصیل سے بیان نہیں ہوتیں یا ممبرانِ شوریٰ کے سامنے ہی نہیں آتیں تو خلفاء ان باتوں کو بھی لائحہ عمل میں شامل کر لیتے ہیں اور بعض جگہ میں بھی یہی طریق اپناتا ہوں۔ تو بہر حال ہر ممبر شوریٰ کو اس بات کا مکمل ادراک ہونا چاہیے کہ اس کی **ایک خاص اہمیت ہے اور یہ اہمیت صرف تین دن کے لیے نہیں ہے بلکہ سارا سال کے لیے ہے** اور جو بھی لائحہ عمل بنتا ہے اس پر عمل درآمد کروانے میں اور انتظامیہ کو اس پر عمل درآمد کے لیے مکمل تعاون پیش کرنے کی ہر شوریٰ ممبر کو کوشش کرنی چاہیے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے اور جب یہ ہو گا تو تبھی جماعتی ترقی کے منصوبے صحیح راستے پر گامزن ہوں گے اور ان پر احسن رنگ میں عمل ہو سکے گا اور رشد و ہدایت کا جو مشن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد ہوا ہے ہم اس میں معاون و مددگار بن سکیں گے۔ اگر یہ نہیں تو شوریٰ کا ممبر ہونا بے فائدہ ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کر دوں کہ دنیا کے ہر ملک میں شوریٰ عموماً وہاں کے امیر کے زیر صدارت منعقد ہوتی ہے اور بعض دفعہ رائے دینے والے جوشِ خطابت میں ایسے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جو شوریٰ کے تقدس کے خلاف ہے۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ممبران جب بھی اپنی رائے دیں تو جوشِ خطابت دکھانے کی بجائے، ہوش و حواس سے عاری ہو کر تقریر کرنے کی بجائے، جذباتی تقریریں کرنے کی بجائے مناسب الفاظ میں اپنی رائے دیا کریں۔

بعض دفعہ رائے دینے والے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے عاملہ کے ممبران یا امیر جماعت جن کی صدارت میں شوریٰ ہو رہی ہوتی ہے یہ سمجھتے ہیں کہ رائے دینے والا بالواسطہ یا بلاواسطہ یا براہ راست ہمارے خلاف بات کر رہا ہے اور پھر صدرِ مجلس ہونے کی حیثیت سے بولنے والے کو سخت الفاظ میں روک دیا جاتا ہے، جھڑک دیا جاتا ہے۔ تو امراء کو بھی حوصلہ دکھانا چاہیے۔ یہ حسنِ ظن رکھنا چاہیے کہ کہنے والا جو کہہ رہا ہے وہ جماعتی مفاد کے لیے اور درد رکھتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ اگر سخت الفاظ استعمال کیے ہیں یا ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو شوریٰ کے تقدس کے خلاف ہیں تو نرمی سے اسے ٹوک دیں۔ ایسا رویہ نہ اختیار کریں جس سے شبہ ہو کہ صدر مجلس نے اس بات کو ذاتی عزت کا سوال بنا لیا ہے۔ خاص طور پر بجٹ کے معاملے میں جب بحث ہوتی ہے تو زیادہ جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بعض تحفّظات کا بھی اظہار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں بھی متعلقہ سیکرٹری کو، سیکرٹری مال کو اور صدر مجلس کو تحمل سے بات سن کر اس کا جواب دینا چاہیے اور تسلی کروانی چاہیے کہ کس طرح کا بجٹ بنا، کس طرح آمد

ہے، کس طرح اس کے اخراجات ہیں۔ اس کو justify کس طرح کیا جاتا ہے۔ کہنے والا تو اپنی طرف سے جماعتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر بات کرتا ہے اس لیے بدظنی نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح ایجنڈے کی دوسری تجاویز ہیں اس میں بعض دفعہ بلاوجہ کی بحث میں انتظامیہ بھی اور نمائندگان بھی الجھ جاتے ہیں یا پھر بالکل ہی خاموش ہو کر اس طرح ہو جاتے ہیں جیسے انتظامیہ کا خوف ہو۔ ایسے لوگ بھی اپنی امانت کا حق ادا نہیں کرتے۔ پس ہمیشہ یاد رکھیں کہ نمائندگان کو لوگوں نے اس لیے چنا ہے کہ وہ نمائندگی کا اور امانت کا حق ادا کریں۔ اس لیے نہ ہی ذاتیات کا سوال ہونا چاہیے، نہ کسی قسم کا خوف ہونا چاہیے اور ہمیشہ سمجھیں کہ لوگوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق منتخب کیا ہے کہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (النساء:59) کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔ اور خلیفۂ وقت بھی یہی سمجھتا ہے کہ جب لوگوں نے نیک نیتی سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق اپنے نمائندے بنائے ہیں تو پھر وہ اس کے مطابق ہی اپنی امانتوں کا حق ادا کر رہے ہوں گے۔ اور اگر نمائندگان اپنا یہ حق شوریٰ اور بعد میں بھی ادا نہیں کر رہے تو نہ صرف وہ افراد جماعت کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں بلکہ خلیفۂ وقت کے ساتھ بھی اپنی امانت کا حق ادا نہ کر کے خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اَور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ بعض نمائندے چننے والوں نے بھی تقویٰ سے کام نہ لیتے ہوئے نمائندے چنے ہوں۔ رشتہ داریوں کے تعلق کی وجہ سے یا دوستیوں کا پاس کرتے ہوئے منتخب کیے ہوں۔

بہرحال وہ چننے والے تو اپنے اس عمل میں گناہگار ہیں کہ انہوں نے یہ غلط کام کیا۔ اگر انہوں نے حق ادا نہیں کیا تو انہیں استغفار کرنی چاہیے۔ لیکن جو نمائندگان بلکہ عہدیداران کو بھی میں شامل کرتا ہوں کہ جب وہ منتخب ہو گئے ہیں اور عملی اور روحانی حالت کے وہ معیار ان میں نہیں ہیں جو ہونے چاہئیں تو پھر اب وہ استغفار کرتے ہوئے، اپنی حالتوں میں مثبت تبدیلی کا عہد کرتے ہوئے اور تقویٰ پر چلنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے، اپنے آپ کو امانت کے ادا کرنے کا اہل بنانے کی کوشش کریں۔ اور جب یہ کوشش ہو گی تو جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر رہے ہوں گے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن میں بھی مددگار بن رہے ہوں گے اور اپنی عملی اور روحانی حالتوں کو بھی بہتر کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ میں نے کہا نمائندگی ایک سال کے لیے ہے اور اس عرصہ میں انتظامیہ سے تعاون بھی کرنا ہے اور فیصلوں پر خود بھی عمل کرنا ہے اور کروانا بھی ہے۔ اس بات کے حصول کے لیے ہمیشہ یہ نگرانی کرتے رہیں کہ آپ کی جماعت میں اس پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں یا کس حد تک ہو رہا ہے اور اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے جس طرح خلیفۂ وقت نے فیصلہ دیا تھا؟ پس اس طرح آپ نے خلیفۂ وقت کے مددگار بننا ہے۔ بعض دفعہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جماعتوں میں جا کر فیصلے عہدیداروں کی سستیوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور جو فیصلے ہوتے ہیں ان پر عمل نہیں ہو رہا ہوتا۔ پس ایسی صورت میں نمائندگان کا کام ہے کہ صرف افرادِ جماعت کو ہی توجہ نہیں دلانی بلکہ عہدیداروں کو بھی ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانی ہے اور اگر پھر بھی توجہ پیدا نہیں ہو رہی اور اس تجویز پر اس طرح عمل نہیں ہو رہا جس طرح ہونا چاہیے تو پھر مرکز کو لکھیں۔ اسی طرح بہت سے عہدیدار بھی شوریٰ کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ اپنے شعبہ کے کام کو دیکھ لیں بلکہ شوریٰ کی تجاویز اور

ان پر خلیفۂ وقت کے فیصلے پر عدم تعمیل ہونے اور عملدرآمد نہ ہونے کو بھی انہیں سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ اور چاہے ان کا اپنا شعبہ ہے یا کسی دوسرے کا، **متعلقہ عہدیدار اور امیر کو توجہ دلانی چاہیے** اور عاملہ میں بھی یہ معاملہ رکھنا چاہیے ورنہ پھر ایسے عہدیدار بھی اور ایسے نمائندے بھی اپنی امانت کا حق ادا نہیں کر رہے۔ اس دنیا میں تو بعض بہانے بنا کر بچ جائیں گے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے اور وہ امانتوں کے ادا کرنے کے بارے میں پوچھے گا۔ پس بہت فکر کا مقام ہے۔ اس بات پر ہمیں فخر نہیں کرنا چاہیے کہ ہم شوریٰ کے نمائندے ہیں یا عہدیدار ہیں بلکہ اپنی ذمہ داری کی ہر ایک کو فکر کرنی چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا اگر جماعتوں میں عہدیداروں کو توجہ دلانے پر بھی شوریٰ کے فیصلوں پر عمل نہیں ہو رہا، نمائندگان کوشش کرتے ہیں اور توجہ دلانے پر وہ پھر بھی اس پر عمل نہیں کرتے تو مرکز کو اطلاع کریں۔ اس پر بعض لوگ اب بھی عمل کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ عمل نہیں ہو رہا۔ بعض لوگ اس پر عمل کرتے ہیں کہ اگر عہدیدار عمل نہیں کر رہے تو مرکز کو اطلاع کرتے ہیں لیکن عموماً اس وقت یہ بات کرتے ہیں جب کسی عہدیدار سے ذاتی رنجش کی بنا پر اختلاف پیدا ہو جائے۔ یہ طریق تقویٰ کا طریق نہیں ہے۔ اگر تقویٰ سے کام لیتے ہوئے ہر نمائندہ اور ہر عہدیدار شوریٰ کی منظور شدہ تجاویز پر عمل کرنے اور کروانے کی کوشش کرے تو پھر کبھی یہ صورت پیدا نہ ہو کہ وہ تجویز دوبارہ اگلے سال یا دو تین سال بعد پیش ہونے کے لیے آ جائے۔ دوبارہ تجویز آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس پر یا تو مکمل طور پر عمل نہیں ہوا یا جس طرح ہونا چاہیے تھا اس طرح نہیں ہوا۔

پس ایسی جماعتوں اور عہدیداروں کو سوچنا چاہیے کہ کیا یہ تقویٰ پر چلنے اور اپنی امانتوں کے حق ادا کرنے کا عمل ہے؟ کیا یہ خلافت سے اطاعت اور وفا کے نبھانے کے عہد کو پورا کرنے کا عمل ہے؟ ملک کے اندر جو جماعتیں ہیں وہ اپنے مرکز کو بھی ایسی تجاویز بھیجتی ہی اس وقت ہیں جب وہ دیکھتی ہیں کہ ان باتوں پر عمل نہیں ہو رہا۔ اگر عمل ہو رہا ہو اور ہر سطح پر ہر جماعت کی نگرانی ہو رہی ہو کہ کس حد تک عمل ہو رہا ہے تو تجاویز دوبارہ آئیں ہی نہ اور نہ ملکی مرکز کو ان تجاویز کو خلیفۂ وقت کے پاس اس سفارش کے ساتھ بھیجنے کی ضرورت پڑے کہ کیونکہ یہ ایک سال پہلے یا دو سال پہلے پیش ہو چکی ہے اس لیے اس کو شوریٰ میں پیش کرنے کی سفارش نہیں کی جاتی۔ یہ جواب لکھتے ہوئے ملکی **مرکزی نظام کو شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھنا چاہیے کہ ہم شرمندہ ہیں کہ** ہم اس پر عمل نہیں کروا سکے۔ اب اس سال ہم اس پر عمل کریں گے۔ اگر عمل نہ کروائیں تو ہم مجرم ہوں گے اور ان لوگوں میں شامل ہوں گے جو اپنی امانتوں کا حق ادا نہیں کر رہے۔ لہٰذا یہ تحریر ان کو لکھنی چاہیے اور پھر لکھیں کہ لہٰذا نہایت عجز کے ساتھ ہم معافی مانگتے ہوئے اس تجویز کو اس سال پیش نہ کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ جب اس طرح کریں گے تو ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گا۔ کم از کم اس سے انتظامیہ اور نمائندگان کو یہ احساس تو ہو گا کہ وہ بڑے بڑے لائحہ عمل بنا کر خلیفۂ وقت کو پیش کرتے ہیں کہ ہم یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے تو وہ مجرم ہیں اور خلیفۂ وقت کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والے ہیں۔ پس اس لحاظ سے جہاں اجتماعی لحاظ سے محاسبہ ہو وہاں انفرادی طور پر بھی عہدیدار اور نمائندہ شوریٰ اپنا محاسبہ کرے اور استغفار کرے اور پھر اس پر عملدرآمد نہ کرنے کی وجوہات بھی ہر سطح پر جاننے

کی کوشش کی جائے۔ پس یہ جائزے ہی ہیں جو جماعتی نظام کو صحیح راستے پر چلا سکتے ہیں ورنہ زبانی باتیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ ملکوں کے اندر یہ جائزے لینے کی بھی ضرورت ہے کہ بعض active جماعتیں اگر سو فیصد نہیں تو ستر اسّی فیصد تجاویز پر عمل کر لیتی ہیں اور ایک لگن کے ساتھ کرتی ہیں کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے یہ لائحہ عمل ہمیں ملا ہے اور ہم نے خلیفۂ وقت کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانی تو ان میں وہ کیا جذبہ ہے؟ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کیا جذبہ ہے جس کے تحت اس جماعت کے افراد میں یہ انقلاب ہے۔ ایسی فعال جماعتوں کے عہدیداروں کی کمزور جماعتوں کے عہدیداروں کے ساتھ میٹنگ کروائی جائے بلکہ مرکزی عہدیداروں سے بھی میٹنگ کروائی جائے اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اگر کسی جگہ ایک جماعت بھی فعال اور اپنے عملی اور روحانی پروگراموں میں بھرپور عمل کرنے والی ہے تو دس دوسری جماعتوں کو اپنے طریقہ کار کو شیئر کرنے سے فائدہ پہنچا سکتی ہے لیکن بات وہی ہے کہ اگر **مرکزی نظام میں ہر سیکرٹری اور عہدیدار اور نمائندگان شوریٰ اپنا کردار ایمانداری سے ادا کرنے والے ہوں تبھی یہ ہو گا۔** بعض جماعتوں یا ملکوں نے یہ جائزہ بھی لیا ہے اور اس کا فائدہ ہوا ہے کہ گذشتہ تین سال میں جو جو شوریٰ کے فیصلے ہوئے ہیں ان پر کس حد تک عملدرآمد ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور پھر وہ اس کی سہ ماہی جائزہ رپورٹ مرکز میں بھجواتے ہیں۔ ان میں یہ احساس ہے کہ ہم نے صرف یہ کہہ کر نہیں بیٹھ جانا کہ یہ تجویز دو سال پہلے پیش ہو چکی ہے اس لیے پیش نہیں ہو گی بلکہ مرکز کو یہ رپورٹ دینی ہے کہ ہم نے اس لائحہ عمل پر عمل کر کے اس حد تک اپنے مقصد کو حاصل کر لیا ہے اور مزید کوشش جاری ہے۔ اس سے ایسی جماعتوں میں پھر احساس ذمہ داری بڑھا ہے۔ صرف باتوں سے ہم دنیا فتح نہیں کر سکتے اس کے لیے عمل کی ضرورت ہے۔ جہاں ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے وہاں عملی کوشش کی ضرورت ہے، اپنی عبادتوں کے معیار حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر عہدیدار اور نمائندگان شوریٰ اپنی عبادتوں کے معیار بہتر کرنے کی طرف توجہ کریں اور مسجدوں کو آباد کرنے کے لیے اپنے عملی نمونے دکھائیں تو مسجدوں کی آبادی بھی تین چار گنا بڑھ سکتی ہے۔ **اس کے بھی جائزے ہمیں لینے چاہئیں۔** پس اپنے عملی نمونے، لوگوں سے پیار محبت کا تعلق، ان کا درد دل میں رکھنا، ان کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی دعا کرنا، خلیفۂ وقت کی اطاعت کے معیار کو بلند کرنا ہر عہدیدار اور ہر ممبر شوریٰ کا خاص امتیاز ہو گا تو تبھی ایک انقلابی تبدیلی مجموعی طور پر ہم جماعت میں پیدا ہوتی دیکھیں گے۔ ایک بہت بڑا کام ہمارے سپرد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد اور آپؑ کا مشن کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ دنیا میں اسلام کا خوبصورت پیغام پہنچا کر دنیا کو خدائے واحد کی پرستش کرنے والا بنانا مسلسل کوشش چاہتا ہے۔ دنیا میں، تمام ممالک میں شوریٰ اس لیے منعقد کی جاتی ہے کہ جہاں ہم اپنی عملی حالتوں کو درست کرنے کے لیے منصوبہ بندی کریں وہاں خدائے واحد کا پیغام پہنچانے کے لیے اور دنیا کو امّت واحدہ بنانے کے لیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے لانے کے لیے ایسی منصوبہ بندی کریں جو ایک انقلاب پیدا کرنے والی ہو۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ اس سارے کام کو انجام دینے کے لیے اخراجات کی بھی ضرورت ہے، مال کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے اپنے مالی بجٹ کو بھی اس طرح بنائیں کہ کم سے کم اخراجات

میں ہم زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہوں۔ جماعت کے افراد کی اکثریت غریب اور اوسط درجہ کے لوگوں کی ہے۔ اس لیے ہمارے چندوں کی آمد کی ایسے احسن رنگ میں منصوبہ بندی ہونی چاہیے جس سے ہم کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ اشاعتِ دین اور تبلیغ کے کام کو سرانجام دے سکیں اور یہ کام ہم اسی صورت میں کر سکیں گے جب ہم اس حقیقت کو سمجھنے والے بن جائیں کہ ہم نے تقویٰ پر قدم مارتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں اور امانتوں کو ادا کرنا ہے اور خدمت دین کو ایک فضل الٰہی سمجھنا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تقویٰ پر چلنے کی نصیحت کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (الانفال:30) پھر فرمایا۔ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید:29) یعنی اے ایمان لانے والو! اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا۔ وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا جس نور کے ساتھ تم اپنی تمام راہوں میں چلوگے یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آجائے گا۔ تمہاری عقل میں بھی نور ہو گا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہو گا اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہو گا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہو گا اور جن راہوں میں تم چلوگے وہ راہ نورانی ہو جائیں گی۔ غرض جتنی تمہاری راہیں تمہارے قویٰ کی راہیں تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلوگے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 177-178)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ پر چلتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ نواز تا چلا جائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 02/ جون 2023ء خصوصی اشاعت برائے یوم خلافت جلد 30 شمارہ 84 صفحہ 02 تا 07)

20

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 19 / مئی 2023ء بمطابق 19 / ہجرت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے بڑھتے چلے جانے کا ذکر فرماتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ بھی اللہ جل شانہٗ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سر توڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے....." فرمایا "ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔" پھر فرمایا "جانتے ہو کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذّب آخر کار بڑی حسرت سے مرتے ہیں....." فرمایا "خدا تعالیٰ کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کرے اور ہزاروں منصوبے سوچے مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے وہ سلسلہ رک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آ گیا۔ حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔" (ملفوظات جلد 10 صفحہ 24)

پس آپؑ کی ان باتوں کے پورا ہونے کے نظارے ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ دشمن نے انفرادی طور پر بھی کوششیں کیں اور منظم ہو کر بظاہر ایک ہو کر جماعت کے خلاف منصوبہ بندی کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

(تذکرہ صفحہ 260 ایڈیشن چہارم)

اور پھر فرمایا کہ "میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بڑھاؤں گا۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 648)

اس کے مطابق ہم جماعت کو دنیا میں پھیلتا **دیکھ رہے ہیں۔ یہ نام نہاد علماء اور مخالفین سمجھتے ہیں کہ ہم** حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو اپنی پھونکوں سے ختم کر دیں گے لیکن نہیں جانتے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے

مقابلہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقابل پر جب کھڑے ہوں تو اپنی ہی تباہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد اور تائید اور نصرت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور مدد اور نصرت کے نظارے ہم دنیا کے دُور دراز ملکوں میں بھی دیکھتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں جہاں بعض دفعہ عام طور پر انسان کی پہنچ نہیں ہوتی، بڑے مشکل رستے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ وہاں بھی اپنی تائید کے نظارے دکھا رہا ہے۔

مخالفین اپنی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن ناکامی دیکھتے ہیں۔ جانی اور مالی نقصان پہنچا کر بعض جگہ افراد جماعت کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ باتیں افراد جماعت کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں۔ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ کی تائید کے واقعات ہوتے ہیں، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں یہ کس طرح پورے ہوتے ہیں ان کا احاطہ کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن **اس وقت میں کچھ واقعات جماعت کی ترقی کے بیان کروں گا۔** کس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آئیں اور آپؑ کو مانیں۔ بعض لوگ مخالفت کرتے ہیں لیکن کم علمی کی وجہ سے یہ مخالفت ہوتی ہے۔ جب انہیں حقیقت کا علم ہو تو نہ صرف مخالفت ترک کر دیتے ہیں بلکہ قبول بھی کر لیتے ہیں۔

چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے **امیر جماعت کانگو کنشاسا نے لکھا کہ** صوبہ کانگو سینٹرل کے ایک گاؤں کے ایک حصہ میں ہمارے معلم ہیں عیسیٰ صاحب۔ وہ جماعت کے وفد کے ساتھ تبلیغ کے لیے گئے۔ وہاں کے امام مسجد جبرئیل صاحب جماعت کی مخالفت کے حوالے سے بہت مشہور تھے۔ ان کے ساتھ وفات مسیح اور ظہور امام مہدی کے اوپر گفتگو ہوئی۔ جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے عقیدے کے نتیجہ میں نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے تو یہ بات وہ سمجھ گئے۔ ڈھٹائی نہیں تھی ان میں پاکستانی مولویوں کی طرح اور ظہور امام مہدی کا عقیدہ بھی ان کی سمجھ میں آ گیا۔ انہوں نے اسی وقت اپنے خاندان کے چھ افراد اور اپنے اکیس مقتدیوں کے ساتھ بیعت کر لی۔ اس طرح یہاں جماعت بھی قائم ہو گئی۔

پھر بعض جگہ اللہ تعالیٰ خود قبولیت کے لیے زمین تیار کرتا ہے چنانچہ گنی کناکری کے مبلغ لکھتے ہیں کہ وہاں ایک گاؤں کُٹایا (Kotoya) ہے وہاں تبلیغ کی غرض سے پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام تفصیل کے ساتھ پہنچایا تو گاؤں کے سب سے بزرگ شخص نے کہا کہ وہ اپنے دادا سے ایک لفظ مہدی، مہدی اکثر سنا کرتا تھا لیکن اسے کبھی اس بات کی سمجھ نہیں آئی اور نہ ہی دادا نے کبھی اس کی تفصیل بتائی لیکن یہ بتایا کہ اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ لہٰذا آج جب آپ نے تفصیل سے امام مہدی کا ذکر کیا ہے تو میں صدق دل سے احمدیت میں داخل ہوتا ہوں اور اس نے گاؤں والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس جماعت کو قبول کر لیں کیونکہ میں نے اکثر افریقن ممالک میں سفر کیا ہے اور ہر جگہ مجھے احمدیہ مسلم جماعت ہی اسلام کی خدمت کرتی نظر آئی ہے جبکہ دوسرے فرقے یا تو دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اور یا پھر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کے لیے اپنی علمی کاوشیں دکھاتے رہتے ہیں۔ ایک یہی جماعت ہے جو قرآن اور اسلام کی خدمت کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گاؤں میں امام سمیت بہت سارے لوگوں نے بیعت کی۔ ایک بہت بڑی جماعت قائم ہو گئی۔

پھر گیمبیا کے مبلغ انچارج کہتے ہیں ان کا ایک ضلع ہے "نیامینا"۔ وہاں کا ایک گاؤں ہے، کہتے ہیں ہماری تبلیغی ٹیم وہاں گئی۔ انہوں نے اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ امام مہدی علیہ السلام کی حقیقی اور خوبصورت تعلیمات بتائیں اور بیعت کی دس شرائط بھی ان کو پڑھ کے سنائیں۔ دیہاتی لوگ ہیں لیکن عقل اور شعور رکھتے ہیں۔ دس شرائط بیعت سن کے حیران رہ گئے اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ تو حقیقی اسلام کی باتیں ہیں جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ گاؤں والوں نے یہ کہا کہ ہمارا یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے اسلام کی اتنی خوبصورت تعلیم اور شاندار تعلیم سنی ہے۔ ہمارے نام نہاد علماء سے تو ایسے خوبصورت پیغامات کوئی نہیں سن سکتا اور آخر انہوں نے یہ کہا کہ احمدیت ہی اصل اسلام ہے اور ہم جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ احمدیت ہی ہے جو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک طویل تبلیغی سوال وجواب کے سیشن کے بعد تمام لوگوں نے جن کی تعداد تقریباً دو سو کے قریب تھی بیعت کر کے احمدیت میں شمولیت اختیار کی۔

پھر **افریقہ** کے ایک ملک کے ہمارے مربی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ تبلیغی میدان میں بعض دفعہ بظاہر نظر معمولی واقعات ہوتے ہیں لیکن دراصل **پس منظر میں خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کام کر رہی ہوتی ہے**۔ کہتے ہیں ہماری تبلیغی ٹیم کاؤنٹی کے ایک اہم ٹاؤن "باما" میں جو کہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہے تبلیغ کرنے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ ابھی ہم مسجد میں ہی بیٹھے تھے کہ اسی ٹاؤن سے چار افراد پر مشتمل ایک وفد ہمیں ملنے آ گیا۔ ان میں ایک خاتون بھی شامل تھی جو کہ اس ٹاؤن کی عورتوں کی تنظیم کی چیئر پرسن تھی۔ وفد کے ممبر نے بتایا کہ ہم آپ کو دعوت دینے آئے ہیں۔ آپ ہمارے علاقے میں آئیں اور جماعت احمدیہ کا پیغام پہنچائیں کیونکہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کی جماعت تبلیغ کرتی ہے اور خاص طور پر بچوں کو قرآن مجید سکھانے کا انتظام کرتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اگلے ہی دن وہاں جانے کا پروگرام بنا لیا۔ وہاں پہنچ کر جماعت کا تعارف ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور غرض و غایت بیان کی اس کے بعد سوال وجواب کا ایک لمبا سلسلہ چلتا رہا جس کے اختتام پر گاؤں والوں نے، سب نے یہ فیصلہ کیا کہ آج سے ہم جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح یہاں بھی نئی جماعت قائم ہو گئی اور اس کے بعد انہوں نے اس علاقے کے سارے بچوں کو اکٹھا کر کے ہمارے سامنے پیش کر دیا کہ آج سے یہ جماعت کے بچے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں ان کو کیسے قرآن مجید سکھایا جائے؟ چنانچہ مربی صاحب کہتے ہیں ان میں سے دو لڑکوں کو قرآن کریم سکھانے کے لیے میں نے منتخب کیا کہ ان کو قرآن سکھایا جائے گا اور پھر وہ واپس جا کر اپنی مسجد میں اپنے علاقے میں قرآن کریم کی کلاسز لگا کر باقی بچوں کو سکھائیں گے۔ کہتے ہیں ہم نے ابھی ایک ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت تائید و نصرت ہمارے ساتھ شامل کر دی۔ پاکستان میں قرآن پڑھنا کیا ہمیں قرآن کریم سننے پر بھی پابندی ہے۔ ایک احمدی پر اس لیے مقدمہ ہو گیا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کیوں سن رہا تھا۔ یہ ہے ان نام نہاد مسلمانوں کا اسلام اور دوسری طرف لوگ اپنے بچوں کو جماعت کے سپرد کر رہے ہیں کہ انہیں قرآن کریم پڑھائیں سکھائیں کیونکہ جماعت ہی قرآن کریم کا صحیح علم رکھتی ہے۔

بعض لوگ احمدی ہو کر پھر کسی لالچ میں آ جاتے ہیں یا خوف کی وجہ سے احمدیت چھوڑ دیتے ہیں اور پھر یہ

سمجھتے ہیں کہ اب یہاں جماعت کو ختم کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی یہ سوچیں ان پر الٹا دیتا ہے اور جماعت بڑھتی چلی جاتی ہے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے۔ آئیوری کوسٹ کے مبلغ لکھتے ہیں کہ ریجن اومے میں ایک جگہ ہے کَرِے زُوکُوئے (Kre Zoukoue)، وہاں کی اکثریت 2008ء میں جماعت میں شامل ہو گئی تھی۔ چھوٹی سی ایک مسجد تھی جو اس وقت وہاں تعمیر کی جارہی تھی۔ لوگ اپنے طور پر تعمیر کر رہے تھے۔ وہ جماعت کو لوگوں نے دے دی۔ جماعت نے اس مسجد کو مکمل کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں کا مقامی امام جو پہلے بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا تھا اس کے دماغ میں فتور آیا۔ اس نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور مسجد پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر لوگوں کو بھی ورغلانے لگا کہ جماعت سے قطع تعلق کر لو لیکن لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت پر قائم رہے۔ بہر حال جب مولوی نے مسجد پہ قبضہ کر لیا تو ان لوگوں نے عارضی طور پر پلاسٹک کی شیٹوں سے اور کچھ لکڑیاں اکٹھی کر کے ایک عارضی مسجد سی شیڈ بنا لیا اور وہاں نمازیں پڑھنی شروع کیں، جمعہ شروع کیا اور پھر کوئی اس بات کی پروا نہیں کی کہ ایک پختہ مسجد ہم چھوڑ آئے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کہتے ہیں اس سال کے دوران جماعت کو وہاں دو منزلہ خوبصورت مسجد بنانے کی توفیق ملی جس کے گنبد بھی ہیں اور منارے بھی ہیں اور جس مسجد پر غیر احمدی امام نے قبضہ کر لیا تھا اس سے کئی گنا بڑی اور خوبصورت مسجد وہاں اس علاقے میں بنالی۔

پاکستان میں بھی ایک طرف تو ہمارے منارے گرائے جارہے ہیں۔ مسجدوں کی محرابیں گرائی جارہی ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ خوبصورت مسجدیں ہمیں دوسری جگہ عطا فرما رہا ہے اور کثرت سے عطا فرما رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کس طرح مخالفین کی کوششوں کے مقابلے میں مدد فرماتا ہے، اس بارے میں **چاڈ** افریقہ کا ایک ملک ہے۔ وہاں کے مبلغ لکھتے ہیں کہ 2022ء کی مارچ میں جماعت کی پہلی مسجد کا افتتاح ہوا۔ پچھلے سال کی باتیں بتا رہا ہوں میں۔ اس سال کی تو ان شاء اللہ ابھی آئیں گی۔ کہتے ہیں کہ دارالحکومت چاڈ میں ہماری مسجد کا افتتاح ہوا۔ حاسدین مختلف سازشیں کر رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ ہمارے ملک میں ایک نیا دین لے کر آگئی ہے۔ افتتاح کے بعد جماعت کی ذرا زیادہ مشہوری ہوئی تو حاسدوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی اور ان کی کارروائیاں بھی بڑھنے لگیں۔ مربی صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے علاقے کے چند ائمہ کرام، نام نہاد مولوی جو ہیں مسجدوں میں جماعت کے خلاف تقریریں کر رہے ہیں، پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ احمدیوں کی مسجد کو بند کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور چاڈ اسلامک کونسل میں بھی گئے اور ان سے یہ کہا آپ لوگوں نے جماعت احمدیہ کو مسجد بنانے کی کیوں اجازت دی تھی اور مسجد کو جمعہ کے لیے کیوں کھول دیا گیا ہے، اس مسجد کو فوراً بند کرایا جائے، اس سے ہمارے علاقے میں فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسلامک کونسل والوں نے کہا کہ عبادت کرنا ان کا، احمدیوں کا حق ہے، ہم کیسے مسجد جو اللہ کا گھر ہے اسے بند کر دیں۔ اگر آپ لوگوں کو کسی فتنے کا ڈر ہے تو پولیس میں جا کے رپورٹ کر دیں۔ وہاں کی اسلامک کونسل کو کم از کم اتنی عقل بھی ہے اور انصاف پسند بھی ہے کہ انہوں نے کسی کا خوف نہیں کیا۔ پاکستان میں تو جج بھی لوگوں کے خوف سے ہمارے خلاف فیصلہ دے دیتے ہیں اور ہمیں وہاں مسجد کہلانا تو الگ، مسجد میں نمازیں پڑھنے اور عبادت کرنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال اس کے بعد وہ لوگ پولیس ہیڈ کوارٹر چلے گئے اور شکایت کی کہ

ہمارے علاقے میں فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ احمدیوں کو بند کرایا جائے۔ نیا دین لے کر آ گئے ہیں اور نعوذ باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں مانتے۔ پولیس افسر نے مبلغ کو بلایا۔ جماعت کی رجسٹریشن کی کاپی اور مسجد بنانے کی اجازت وغیرہ مانگی۔ ساری چیزیں، سارے کاغذات پیش کیے گئے۔ بہر حال اس نے کہا آپ جائیں۔ تفتیش کر کے مَیں بتاؤں گا۔ اس کے بعد اس پولیس افسر نے محلے کے چیف کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے محلے میں احمدیوں نے مسجد بنائی ہے اور نیا دین لے کر آئے ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ چیف نے جواب دیا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے خود جمعہ ان کی مسجد میں پڑھا ہے اور وہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور تین سال سے میں جماعت احمدیہ کو جانتا ہوں اور خدمتِ خلق کے بڑے کام بھی یہ کر رہے ہیں۔ بہر حال پولیس افسر ایک دن ہماری مسجد میں بھی آ گیا اور مسجد کے باہر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ دیکھ کر حیران ہو گیا اور کہا کہ آپ لوگ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ مسجد کے ہال میں جو اندر حصہ تھا قرآنی آیات دیکھ کر اَور بھی حیران ہوا۔ پھر کہا آپ کا قبلہ بھی ایک ہے اور مسجد میں صف بندی بھی مسلمانوں کی مساجد کی طرح ہے۔ مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ نیا دین لے کر آ گئے ہیں۔ بہر حال پولیس نے بھی کوئی کارروائی نہیں کی۔ اردگرد کے جو غیر احمدی تھے ان کے گھروں سے بھی پوچھا۔ انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب یہ لوگ پولیس سے ناکام ہوئے تو گھروں میں جانے لگ گئے۔ ہمسایوں کو کہا کہ ان کو یہاں سے نکالنے کے لیے شور مچاؤ تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ مسجد تو اللہ کا گھر ہے اور ہمیں ان میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آ رہی جو اسلام سے ہٹ کر ہو تو بہر حال ہر لحاظ سے ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کس طرح جماعت میں شامل ہونے کے لیے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اس کا ایک واقعہ **بیلیز** کے مبلغ بیان کرتے ہیں۔ بیلیز سینٹرل امریکہ کا ایک ملک ہے کہتے ہیں میتھوڈسٹ (Methodist) چرچ سے مضبوط تعلق رکھنے والی ایک خاتون نے جب مسجد نور کو تعمیر ہوتے دیکھا تو خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ انہیں اس مذہب کو قبول کر لینا چاہیے۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی اور مسجد کا افتتاح ہو گیا تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ خدا نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ میں وہاں جاؤں اور اس جماعت کا حصہ بن جاؤں۔ ان کے دوستوں نے کہا کہ تمہارے گھر کے قریب مسلمانوں کی ایک اَور مسجد بھی ہے اگر تمہیں مسلمان ہونا ہی ہے تو تم وہاں بھی جا سکتی ہو۔ اس پر اس خاتون نے جواب دیا کہ نہیں۔ خدا نے میرے دل میں جماعت احمدیہ کے متعلق ڈالا ہے کہ یہ صحیح لوگ ہیں اور مجھے ان کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ جب مسجد نور تشریف لائیں اور انہیں جماعت کا تعارف پیش کیا گیا تو وہ بہت جذباتی ہو گئیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ انہیں اس جماعت میں لایا ہے۔ مربی صاحب نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام تھا کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے لیے اسی طرح اللہ تعالیٰ کام کرتا ہے۔ لہٰذا مسجد آنے کے بعد اور اسلام احمدیت کی تعلیم کے بارے میں جاننے کے بعد انہوں نے کچھ دن میں بیعت کر لی اور جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔

بعض دفعہ بعض لوگ جو غلط فہمی کی وجہ سے یا لوگوں کی باتوں میں آ کر مخالفت کرتے ہیں لیکن ہوتے سعید

فطرت ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ کس طرح راہنمائی فرماتا ہے اس کا ایک واقعہ مبلغ انچارج گیمبیا لکھتے ہیں کہ ضلع جمارا میں یہ ایک علاقہ ہے۔ وہاں نئی تعمیر ہونے والی مسجد کے دروازوں اور کھڑکیوں کے لیے شیشے خرید رہے تھے۔ تو جب شیشے کی کٹائی کے لیے ابو بکر سابالی صاحب ایک شخص ہیں جو اس کام کے ماہر تھے۔ ان کو بتایا کہ مسجد کے لیے شیشے خریدے گئے ہیں تو انہوں نے اپنی مزدوری کم کر دی کہ یہ مسجد کے لیے کام ہے تو میں کم اجرت لیتا ہوں۔ کہتے ہیں جب شیشے لے کر ہم اس شخص کے ساتھ وہاں پہنچے جس نے شیشے لگانے تھے تو اتنے دور دراز علاقے میں خوبصورت مسجد دیکھ کر اس شخص کو بہت خوشی ہوئی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ احمدی مسلمانوں کی ایک مسجد ہے تو وہ بہت غصے میں آ گیا اور اس نے شیشے توڑ دیے اور شیشے توڑنے کے دوران خود بھی بیچارہ زخمی ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کی راہنمائی کی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے رات کو خواب میں اپنے آپ کو چیختے ہوئے دیکھا اور سمندر میں ڈوبتے ہوئے دیکھا اور جب اسے مدد کی کوئی امید نہ تھی تو اس نے ایک کشتی دیکھی جو اسے بچانے کے لیے آ رہی تھی اور اس کشتی میں اس نے امیر جماعت اور اس مربی کو دیکھا۔ اگلی صبح جو جمعے کا دن تھا وہ مشن ہاؤس آیا اور بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہو گیا۔

اسی طرح تنزانیہ سے قبول احمدیت کا ایک واقعہ ہے۔ سیمیور یجن کی ایک جماعت ہے موابے (Mwabuma)۔ وہاں کہتے ہیں معلمین نے تبلیغ شروع کی۔ لوکل لوگوں سے جب مسجد اور مشن ہاؤس بنانے کے لیے پلاٹ لینا چاہا تو ہر ایک نے جو قیمت بتائی وہ بہت زیادہ تھی۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ ہمارے خلاف لوکل پادریوں نے ایک کمپین چلا رکھی ہے کہ کوئی ان کو مسجد بنانے کے لیے جگہ نہ بیچے کیونکہ یہ جادو کرتے ہیں اور ان کے پاس جن ہوتے ہیں اور قرآن کے ذریعے جس کو چاہیں قتل کر دیں اور پتا بھی نہ چلے۔ اس خوف سے کوئی ہمیں مسجد بنانے کے لیے جگہ نہیں دے رہا تھا۔ عیسائیوں کا علاقہ تھا۔ اس پر معلمین نے گھر گھر جا کر ان لوگوں کے وسوسے ختم کیے۔ لوگوں کی رائے بدلنے کی کوشش کی۔ چند ماہ کے اندر ایک نوجوان نے اپنا ایک ایکڑ کا پلاٹ ہمیں دینے کی حامی بھر لی۔ اس سے جماعت نے پلاٹ لے لیا۔ اس نوجوان نے بتایا کہ اس مسجد کے لیے پلاٹ فروخت کرنے کے بعد بڑی برکت پڑی ہے۔ کہتا ہے کہ ایک آدمی جو کئی سالوں سے اسے قرض واپس نہیں کر رہا تھا اور اس کی وجہ سے اس کے کئی کام رکے ہوئے تھے پلاٹ بیچنے کے چند دن کے بعد ہی خود ہی اس نے ساری رقم لوٹا دی اور میرے سارے قرض اس کی وجہ سے ادا ہو گئے۔ بہرحال اس بات سے متاثر ہو کر وہ اپنی فیملی سمیت احمدی ہو گیا۔ اس کے بعد کہتے ہیں ایسی ہوا چلی ہے قبول احمدیت کی کہ سینکڑوں لوگ اس علاقے میں سے بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور وہاں ایک بڑی مسجد اور مشن ہاؤس بنانے کی بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت کو توفیق دی۔

اللہ تعالیٰ نے جس کو ہدایت دینی ہو اس کے لیے ہدایت کے انتظام بھی عجیب طریقے سے کرتا ہے۔

ساؤتومے افریقہ کا ایک علاقہ ہے وہاں کے مبلغ انچارج لکھتے ہیں کہ مراکش سے ایک سیاح ساؤتومے آیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی مسلمانوں کی مسجد ہے تو لوگوں نے انہیں ہمارے مشن کا پتہ بتایا۔ اس نے جمعہ ہمارے ساتھ پڑھا تو اسے تب پتا لگا کہ یہ جماعت احمدیہ کا مشن ہاؤس ہے۔ کچھ سوال جواب اس نے کیے۔ اس کے بعد اس

نے کتاب سر الخلافہ اور مذہب کے نام پر خون عربی میں پڑھیں۔ ایم ٹی اے العربیہ کے پروگرام دیکھے۔ کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ ان دنوں میں عالمی بیعت ہو رہی تھی یا اس کی ریکارڈنگ آ رہی تھی۔ وہ دیکھی تو کہتے ہیں مارچ میں، گذشتہ سال مارچ میں وہ دوبارہ آیا اور اس نے کہا میں بیعت فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہتے ہیں ہم نے عربی میں بیعت فارم اس کو دیا تو فارم پُر کر کے آ گیا۔ کہتے ہیں میں نے اسے کہا کہ اتنی جلدی نہ کرو کچھ عرصہ دعا کرو پھر فیصلہ کرنا۔ کہتا ہے **میں ساری رات دعائیں کرتا رہا ہوں اور میرا دل مطمئن ہے** مجھ سے مزید صبر نہیں ہو سکتا کہ امام کی بیعت کے بغیر میں مر گیا تو کون جواب دہ ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں نے دیکھ لیا ہے کہ جماعت احمدیہ حق پہ ہے تو میں نے اسے بتایا کہ تمہارے ملک کے جو دوسرے مسلمان ہیں تمہاری مخالفت کریں گے، والدین تمہاری مخالفت کریں گے۔ کس طرح سامنا کرو گے؟ کہنے لگا میں نے ان کو، والدین کو بتا دیا ہے اور ان کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ خوش ہیں۔ دوسرے کہتا ہے یہ مخالفت ہو بھی تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ حقیقی اسلام پر موت آئے اس سے بڑھ کر میرے لیے اَور کچھ نہیں۔ مربی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے والد نے بھی ویڈیو میں میرے سے بات کی اور بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے بیٹے کو بھی نصیحت کی کہ میں نے ساری باتیں سنی ہیں اب تم نے بیعت کی ہے تو جماعت کے ساتھ قائم رہنا اپنی ثابت قدمی دکھانا۔ اب ایک احمدی باوجود اس کے کہ مراکش میں احمدی ہیں، جماعت ہے لیکن اسے جماعت کا تعارف وہاں نہیں ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے افریقہ کے دور دراز علاقے میں ایک دوسرے ملک میں بھیجا اور وہاں جا کے اس کی ہدایت کے سامان پیدا فرمائے۔

ازبکستان سے ایک شخص عَالِم بابایو صاحب ہیں۔ کہتے ہیں میری پیدائش مسلمان گھر میں ہوئی۔ میری عمر اکتیس سال ہے۔ ازبکستان کے شہر تاشقند سے میرا تعلق ہے۔ قرآن کریم سیکھنے کے لیے استاد ڈھونڈ رہا تھا کہ میری ملاقات بابُر جان سے ہوئی۔ ان سے حقیقی اسلام کے بارے میں سنا۔ ان سے قرآن سیکھا۔ انہوں نے اس حقیقت کو قبول کرنے میں میری مدد کی۔ چنانچہ خاکسار بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن کریم سکھانے کے لیے استاد کا انتظام بھی ایک احمدی کا کیا اور ایسے بہت سے واقعات ہیں، یہ اتفاق نہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں ایسے واقعات ہیں پہلے بھی ایک مَیں نے سنایا۔ **یہ اللہ تعالیٰ کی تائید کی خاص نشانی ہے۔**

پھر ازبکستان سے ہی ایک اَور شخص ہیں عظیم اوف صاحب۔ کہتے ہیں میری پیدائش ایک مسلمان خاندان میں ہوئی۔ چار سال پہلے میں نے باقاعدہ نماز پڑھنی شروع کی۔ پھر قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک دن ایک تحریر مجھ تک پہنچی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا کہ میری امّت سے اس طرح کے لوگ پیدا ہوں گے جو ہمیشہ حق پر ہوں گے اور کوئی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور یہ الفاظ میرے دل میں داخل ہو گئے۔ کہتے ہیں میں نے نمازوں اور دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے انہی لوگوں میں شامل ہونے کی دعا شروع کر دی۔ اس کے بعد مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے کام سے فارغ کر دیا گیا لیکن میں دعا کرتا رہا۔ پھر میرے اندر قرآن سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے میری ملاقات پھر اسی استاد بابُر صاحب سے کروا دی۔ استاد کا تعلق جماعت احمدیہ سے تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ سب سے پہلے میں نے قرآن پڑھنا سیکھا۔ ایک روز میں نے

خواب میں خانہ کعبہ کو دیکھا اور اس کے قریب ہو کر ہاتھ سے اسے چھوا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میرا تو وضو نہیں۔ میں وضو کرنے غسل خانے گیا میری آنکھ کھل گئی۔ کہتے ہیں بہر حال احمدی استاد سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک روز میں نے ان سے عیسیٰ ابن مریم کے آسمان سے نزول کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عیسیٰ ابن مریم تو فوت ہو گئے ہیں اور جس انسان نے عیسیٰ ابن مریم کے رنگ میں آنا تھا وہ امام مہدی ہیں۔ پھر میں نے تحقیق کی اور یہ معلوم کیا اور اپنے استاد کو بتایا کہ وہ انسان حضرت مرزا غلام احمدؑ ہیں۔ استاد نے ان کو تبلیغ نہیں کی انہوں نے کہا وہ ظاہر ہو گئے ہیں خود ہی تلاش کرو۔ وہ امام مہدی ہیں۔ خیر انہوں نے تحقیق کی اور خود ہی انٹرنیٹ وغیرہ کی تحقیق سے پتا لگایا کہ مرزا غلام احمد قادیانیؑ وہ امام مہدی ہیں۔ میرے استاد نے جب میں نے اس کو کہا تو اس نے بھی تصدیق کر دی کہ مرزا غلام احمدؑ ہی وہی امام مہدی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں میں نے ساری علامات کے پورا ہونے کے باوجود امام مہدی کے بارے میں شک کا اظہار کیا۔ پھر میرے استاد نے جماعت احمدیہ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میں بھی اسی جماعت میں سے ہوں اور یہ بھی بتایا کہ وہ یعنی جماعت احمدیہ تعداد میں ابھی تھوڑی ہے اور میرے آپ کی طرح کے اور بھی شاگرد ہیں اور مجھے اپنے شاگردوں سے ملایا۔ بہر حال کہتے ہیں: میں نے تحقیق کی اور دعاؤں اور تحقیق کے بعد پھر میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کر لی ہیں اس کے بعد میں نے بیعت کر لی۔

اسی طرح ازبکستان سے ایک اَور شخص ہیں ان کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہے۔ ان کی قوم کو بھی بیعت کی توفیق ملی اور پھر انہوں نے گذشتہ سال بیعت کر لی۔

پھر افریقہ کے ایک ملک کی ایک رپورٹ ہے۔ وہاں کے مبلغ سلسلہ کہتے ہیں کہ وہ اور مقامی معلم ایک جماعتی میٹنگ سے واپس آ رہے تھے، شام کا وقت تھا، کافی سفر رہتا تھا۔ راستے میں ایک گاؤں سے گزرے تو وہاں بہت سارے لوگ راستے کے کنارے کھڑے تھے جنہوں نے ہمیں روکا اور بتایا کہ آج صبح ہم نے آپ کو یہاں سے گزرتے دیکھا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ آپ واپس آئیں گے۔ ہم کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ ہمارے گاؤں سے ناراض ہیں کہ ارد گرد کے تمام دیہات میں آپ کے ممبر ہیں، جماعت قائم ہے اور مساجد موجود ہیں لیکن آپ نے ہمارے گاؤں میں یہ پیغام نہیں پہنچایا۔ چنانچہ کہتے ہیں ہم اسی وقت وہاں پہنچے۔ تبلیغی پروگرام ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں بیعتیں حاصل ہوئیں۔ خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں خود ڈال رہا ہے کہ حق کی تلاش کرو۔

سینٹرل افریقہ کے مبلغ انچارج لکھتے ہیں ایک غیر احمدی امام جو گاؤں ''ناگالا'' سے تعلق رکھتے ہیں، تبلیغ کے سلسلہ میں ہمارے احمدی گاؤں میں آئے۔ مسجد کو دیکھا اور پوچھا یہ کس نے بنائی ہے؟ جواب دیا گیا کہ احمدیوں نے بنائی ہے۔ کہنے لگے ماشاء اللہ بڑی خوبصورت مسجد ہے۔ دوسرے روز یہ مولوی صاحب سینٹرل مشن ہاؤس ''بانگی'' میں آئے۔ مبلغ صاحب سے جماعت کے بارے میں سوال و جواب کرتے رہے۔ آخر پر اس نے مبلغ سے پوچھا کہ آپ کی جماعت میں کس طرح سے داخل ہوا جاتا ہے؟ اس پر مبلغ صاحب نے بتایا کہ ایمان کا تعلق دل سے

ہے۔ اگر آپ جماعتی عقائد سے متفق ہیں تو آپ کے دل نے احمدیت قبول کر لی لیکن ہمارے پاس بیعت فارم بھی موجود ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دس شرائط بیان فرمائی ہیں۔ اس کو آپ پڑھ لیں۔ جب ان کو بیعت فارم دیا گیا تو پڑھنے لگے۔ کہتے ہیں ابھی وہ پڑھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں بھی اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہوں اور دوسرے مولویوں سے بھی جماعت کے متعلق بہت کچھ سنا ہے اور بہت غلط سنا ہے۔ اس بیعت فارم کی دس شرائط کو پڑھ کر مجھے پچھلی زندگی سے گھن آ رہی ہے کہ میں جماعت کو کیا سمجھتا رہا اور آپ کی تعلیم کیا ہے۔ اس لیے میں اپنے جذبات کو قابو نہیں رکھ سکا۔ اس بیعت فارم کو پڑھ کر میں نے جان لیا ہے کہ جماعت احمدیہ ایک سچی اور کھری جماعت ہے اور ان کی مساجد کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہے۔ وہی نماز ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ وہی قرآن ہے جو ہم پڑھتے ہیں اور میں آج تہ دل سے جماعت احمدیہ کو قبول کرتا ہوں۔ بہر حال اسے مزید کتابیں دی گئیں اور کہتے ہیں انہیں پڑھ کر میں اب دوسرے مولویوں کا منہ بند کراؤں گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں کس طرح اضافہ فرماتا ہے، ماننے والوں کی تعداد کس طرح بڑھاتا ہے۔ گیانا کے مبلغ سلسلہ لکھتے ہیں۔ لنڈن جماعت میں باقاعدگی کے ساتھ بک سٹالز لگانے اور لوگوں کو فلائر تقسیم کرنے کا پروگرام ہوتا ہے۔ ایک دن کسی شخص کی کال آئی کہ میں نے آپ لوگوں کا فلائر دیکھا ہے تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے گھر کے قریب ہی نماز سینٹر بھی ہے۔ بہر حال جمعہ پر آیا۔ اس نے کہا کہ میں دو سال سے مسلمان ہوں مگر نہ مجھے قرآن پڑھنا آتا ہے نہ نماز سیکھنے کا موقع ملا ہے تو مجھے سبق سکھا دیں۔ اس نے کہا آجاؤ اور بڑی احتیاط کرتے رہے کیونکہ وہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو غلط قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو صرف مانگنے کے لیے آتے ہیں بہر حال کہتے ہیں میں نے کہا آجاؤ اگر یہ واقعی دین سیکھنا چاہتا ہے تو پتہ لگ جائے گا۔ وہ باقاعدگی سے آتا رہا اور قرآن کریم سیکھتا رہا اور بڑا مباعرصہ سیکھنے کے باوجود بھی جب اس نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تو کہتے ہیں مجھے پتا لگ گیا کہ یہ دین کے معاملے میں بڑا سنجیدہ ہے۔ پھر اس کو جماعت کا تعارف کروایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر دکھائی۔ اس نے بیعت کر لی۔ اس کا اسلامی نام بھی رکھا گیا۔ پھر اس نے کچھ عرصہ کے بعد معلم بننے کا اظہار کیا کہ میں جماعت کا معلم بننا چاہتا ہوں۔ بہر حال وہاں کی جماعت نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے ان سے کہا ٹھیک ہے۔ اگر واقعی سنجیدہ ہے تو اسے معلم بنالیں۔ تربیت دیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب اس کی تربیت ہو چکی ہے۔ نماز بھی پوری پڑھتا ہے، جمعہ پڑھاتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے تفسیر پڑھ کے درس بھی دیتا ہے۔ خطبات بھی دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی بیعت کے کچھ عرصہ بعد نماز سینٹر میں ایک نمائش رکھی گئی۔ اس میں موصوف کے والدین بھی آئے۔ اس کا باپ اسلام کا بڑا مخالف تھا مگر ماں نے اظہار کیا کہ کسی زمانے میں اسلام میں اس کی دلچسپی تھی اور خاص طور پر اس کو عورتوں کا حجاب پہننا اچھا لگ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی ماں کو دلچسپی پیدا ہوئی۔ بہر حال اس لڑکے کو، معلم کو کہا گیا کہ اپنے والدین کو تم تبلیغ کرو تا کہ ان کو بھی احمدیت میں شامل کیا جائے، اسلام کی تعلیم دی جائے۔ کہنے لگا کہ وہ لوگ اپنے مذہب کے معاملے میں بڑے سخت ہیں اور میری ماں چرچ جانے والی

خاتون ہے اور اس نے بیعت بھی لیا ہوا ہے تو بہر حال کہتے ہیں کہ ہم دعا کرتے ہیں۔ لڑکے کو بھی کہا کہ تم اپنی ماں کے لیے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کا دل اسلام کی طرف مائل کر دے۔ کہتے ہیں ایک دن اس کی ماں خود اپنے بیٹے سے سوال پوچھنے لگی اور نماز جمعہ پر بھی آنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دن اچانک خود ہی اس نے کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ پھر جماعت میں شامل بھی ہو گئی اور اللہ کے فضل سے باقاعدگی سے لوگ جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ ہر جمعہ پہ آتے ہیں۔ نمازیں پڑھنے والے ہیں اور یہ بھی انہوں نے اقرار کیا کہ جماعت میں شامل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی صحت میں بھی اور مال میں بھی بہت برکت پڑی ہے جو انہیں عیسائیت میں نہیں تھی اور اب اس کی والدہ ایم ٹی اے بھی باقاعدگی سے دیکھتی ہیں۔

بہر حال یہ چند واقعات میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پورے ہونے کے بارے میں بیان کیے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ مخالفین اپنی انتہائی کوششیں کر رہے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ دنیا کے ہر ملک میں جماعت کی ترقی کے نئے راستے کھول رہا ہے۔ پس اس بات سے جہاں ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے وہاں اپنی حالتوں کا بھی جائزہ لیتے رہنا چاہیے، اپنے ایمانوں کو مضبوط کرنے کی بھی کوشش کرتے رہنا چاہیے، اپنی عملی حالتوں کو بہتر کرنا چاہیے، اپنی نسلوں میں بھی یہ بات راسخ کرنی چاہیے کہ ابتلا تو آتے ہیں لیکن آخری فتح اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت کی ہی ہے۔ اس لیے کبھی اپنے ایمانوں کو متزلزل نہ ہونے دو۔ اللہ تعالیٰ نئے آنے والوں کو بھی اور پرانے آنے والوں کو بھی ثبات قدم عطا فرمائے اور ایمان اور یقین میں بڑھاتا چلا جائے۔

اب میں بعض مرحومین کا ذکر کروں گا جن کا بعد میں نماز جنازہ غائب بھی ادا ہو گا۔

پہلا ذکر پروین اختر صاحبہ کا ہے جو غلام قادر صاحب مرحوم سیالکوٹ کی اہلیہ تھیں۔ نوے سال کی عمر میں گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹے عارف محمود صاحب بینن کے مبلغ سلسلہ ہیں جو اپنی والدہ کے جنازے میں میدان عمل میں ہونے کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکے۔ مبلغ سلسلہ عارف محمود بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت چودھری امام دین صاحب چوہان کی پوتی تھیں اور معلم سلسلہ غلام احمد صاحب کی بیٹی تھیں۔ قادیان میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔ کہتے ہیں والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ان کے بچپن کا زیادہ تر وقت قادیان میں حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کی خدمت میں گزرا ہے اور یوں آپ کی تربیت حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی تھی۔ دینی تعلیم اور قرآن پڑھنا انہی سے سیکھا اور اکثر وقت حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کی خدمت کرتے ہوئے گزارا۔ کہتے ہیں اپنے واقعات بھی سونے سے پہلے سنایا کرتی تھیں۔ بعض دفعہ کہتی تھیں حضرت مصلح موعودؓ حضرت اماں جانؓ کو ملنے رات کو گھر تشریف لاتے اور مجھے خدمت کرتا دیکھ کے کہا کرتے تھے کہ اپنے نیک ساتھی کے لیے بھی دعا کیا کرو۔ کہتے ہیں جب ان کی، میری والدہ کی شادی ہوئی ہے تو کچھ دیر بعد 1953ء میں حالات خراب ہو گئے۔ گاؤں کے بعض لوگوں نے کمزوری دکھائی لیکن یہ اللہ تعالیٰ

کے فضل سے دین پر قائم رہیں اور اپنے خاوند کو بھی مضبوط رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مولوی صاحب سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا اور نماز اور سورتیں بھی یاد کرنی شروع کیں۔ اسی طرح اپنے ڈیرے پر ایک چھوٹی سی مسجد بنا کر وہیں انہوں نے جماعتی طور پر اپنا ایک مرکز بھی بنالیا۔

ان کے بڑے بیٹے خالد محمود جو فوج میں تھے وہ کہتے ہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھتی تھیں۔ ہمیں بھی یہی کہا کرتی تھیں کہ دین پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ گے تو دنیا کے معاملات خود ہی درست ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں بچپن سے ہی ہمیں نمازوں کی عادت ڈالی اور فجر کی نماز پہ بھی مسجد کچھ فاصلے پر تھی تو وہ خود مسجد چھوڑنے جایا کرتی تھیں۔ محلے کی بہت ساری عورتیں جو احمدی نہیں تھیں انہیں بھی قرآن کریم کی تعلیم انہوں نے دی۔ اب تو قرآن کریم وہاں پڑھا نہیں سکتے لیکن پہلے اتنی شرافت تھی کہ غیر احمدی بہت سارے لوگ ہیں جو احمدیوں سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔

پھر ان کے بیٹے لکھتے ہیں یا بیٹی نے شاید لکھا ہے کہ عام طور پر دیہاتوں میں بچیوں کی تعلیم کا رواج نہیں ہے۔ جب بیٹی بڑی ہوئی تو ان کی والدہ سکول میں داخل کرانے لگیں تو دادا نے اعتراض کیا۔ انہوں نے بڑے ادب سے مسلسل کوشش کر کے ان کو قائل کیا کہ تعلیم دلوانی چاہیے اور ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ لڑکیوں کو اتنی تعلیم ضرور دلوانی چاہیے کہ کم از کم جماعتی لٹریچر پڑھ سکیں اور اولاد کی تربیت کر سکیں۔

رشید احمد صاحب مانگا کے نمبر دار ہیں، وہ کہتے ہیں ہمارا ڈیرہ ان کے ڈیرے کے قریب تھا۔ ہم لوگ بھی ان کو دیکھ کر احمدی تو ہو گئے لیکن نماز کی طرف رجحان نہیں تھا۔ جب آپ ڈیرے پر آتیں تو ہم سب کو نماز کی تلقین کرتیں۔ ہم مسجد دُور ہونے کا بہانہ کر دیتے اور آپ خاموش ہو جاتیں۔ پھر کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ آپ کھیت سے مٹی سر پر اٹھا کر ڈیرے پر لاتیں۔ یہ مٹی لانے کا سلسلہ کوئی ایک ہفتہ تک چلتا رہا پھر اس مٹی سے ڈیرے کے مغرب کی طرف ایک تھڑا بنایا اور اس کی دو ہاتھ برابر چار دیواری بنائی۔ پھر اس جگہ کی لپائی کر کے صاف ستھرا بنایا۔ پھر گھر سے دری لا کر وہاں بچھا دی اور پھر ان لوگوں کو کہا کہ لو تم کہتے تھے مسجد نہیں ہے اس لیے دور جاتے ہیں تو اب یہاں اپنے ڈیرے میں مسجد میں نے بنادی ہے۔ یہاں آ کے باجماعت نماز پڑھا کرو۔ اب نماز میں سستی نہ کرنا۔ تو کہتے ہیں کہ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں نمازی بنایا ہے۔ یہ تھے ان بزرگوں کے اعلیٰ نمونے کہ قائل کرنا ہے اور کوئی بہانا بنایا ہے تو عملی طور پر خود ایسا نمونہ دکھایا کہ جس سے دوسرا مجبور ہو جائے۔

پھر ان کی بیٹی لکھتی ہیں کہ صبر و رضا کا پیکر تھیں۔ ہمیں بھی تلقین کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ نصیحت اپنے پلے باندھ لو کہ کبھی صبر کا دامن نہ چھوڑو اور جتنا بھی سسرال میں مل جائے اسی پر قناعت کرو اور خدا کی رضا پر ہمیشہ راضی رہو اور نمازوں کو باقاعدگی سے ادا کرو اور اپنی اولادوں کو بھی اس کا پابند بناؤ۔ کہتی تھیں اس سے اللہ تعالیٰ رزق میں بھی برکت دیتا ہے۔

ان کے بیٹے جو مربی ہیں، کہتے ہیں جب جامعہ میں داخل ہوا تو مجھے کہنے لگیں کہ بیٹا! اگر پڑھائی میں اعلیٰ پوزیشن نہ بھی آئے تو کوئی بات نہیں لیکن امامِ وقت کی اطاعت میں ہمیشہ اعلیٰ پوزیشن پر رہنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے اور ان کی دعائیں ان کی اولاد کے لیے پوری فرمائے۔

دوسرا جنازہ ہے ممتاز وسیم صاحبہ جو چودھری وسیم احمد ناصر صاحب مرحوم گھٹیالیاں کی اہلیہ تھیں۔ گذشتہ دنوں ان کی بھی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ان کے بیٹے بھی آج کل زیمبیا میں مبلغ سلسلہ ہیں۔ مرحومہ کا تعلق معروف صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت میاں چراغ دین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رئیس لاہور کے خاندان سے تھا۔ آپ حضرت میاں عبدالرشید صاحب رضی اللہ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نواسی اور حضرت حکیم محمد حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعروف مرہم عیسیٰ کی پڑپوتی تھیں۔ مرحومہ نہایت خوش مزاج، نرم خو، ہر دلعزیز، محبت و شفقت کا پیکر تھیں۔ ہر فرد آپ کے اوصاف کا معترف تھا۔ خلافت اور نظام جماعت کا بہت احترام کرتیں۔ ہمیشہ دعا کے لیے مجھے خط لکھا کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتیں کہ خط لکھا کرو۔ باقاعدگی سے نمازوں کی ادائیگی اور تلاوت قرآن کریم کیا کرتیں۔ آخر عمر تک چندہ جات کی ادائیگی بھی پابندی سے کرتی رہیں۔ اللہ کے فضل سے بی اے فاضل تھیں۔ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب ملازمت سے ریٹائرمنٹ پر کراچی سے گاؤں شفٹ ہوئے تو بچوں اور بچیوں کو وہاں قاعدہ اور قرآن کریم پڑھایا اور اس کے علاوہ دنیاوی تعلیم بھی دیتی رہیں۔ لمبا عرصہ بیمار رہی ہیں لیکن بڑے صبر سے اپنی بیماری کو برداشت کیا۔ کوئی گلہ شکوہ نہیں تھا۔ مربی صاحب نے لکھا ہے کہ بڑے ہونے کے باوجود غلطی پر اگر کوئی غلطی ہوتی تو ہمیشہ معافی مانگ لیا کرتی تھیں۔ دو بیٹے ان کے وقف ہیں اور بڑی خوشی سے انہوں نے بیٹوں کو وقف کیا اور اس بات پر بڑی خوش تھیں کہ بیٹے وقف ہیں۔ ان کے والد کی دو شادیاں تھیں۔ پہلی والدہ کی وفات کے بعد کہتے ہیں کہ ہمارے ان بھائیوں کو بھی اپنے سگے بچوں کی طرح پالا اور کبھی والدہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ یہ زیمبیا جب گئے ہیں تو بہت ساری دعائیں دے کر رخصت کیا اور کہتے ہیں کچھ عرصہ پہلے میں ان کو ملنے گیا تھا تو واپسی پر یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ ہو۔ اب شاید دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے۔ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑے ہیں۔ دو اللہ تعالیٰ کے فضل سے واقف زندگی ہیں۔ نصیر ناصر صاحب معلم وقف جدید ہیں۔ دوسرے مبلغ سلسلہ زیمبیا میں ہیں اور یہ بوجہ بیرون ملک ہونے کے، میدان عمل میں ہونے کے شامل نہیں ہو سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کی دعائیں ان کی اولاد کے لیے پوری فرمائے۔

تیسرا ذکر ہے بریگیڈیئر منور احمد رانا صاحب۔ یہ جماعت راولپنڈی ضلع کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے خاندان میں احمدیت ان کے دادا چودھری غلام احمد صاحب ایڈووکیٹ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے آئی تھی۔ 1971ء میں پاکستان آرمی میں انہوں نے کمیشن لیا۔ دوران سروس جماعت سے آپ کا گہرا تعلق رہا۔ سروس کے دوران مختلف سٹیشنوں پر اپنا گھر نماز سینٹر کے طور پر پیش کرتے رہے۔ جماعت سے والہانہ محبت کرنے والے ایک دلیر احمدی افسر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہمہ وقت جماعتی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ امارت کینٹ اور ضلع راولپنڈی میں ان کو مختلف خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ بڑی محنت اور لگن سے جماعتی خدمات سرانجام دیا کرتے تھے اور انتہائی مروت اور انکساری اور عاجزی سے اپنے ساتھیوں سے سلوک کرتے اور اپنے عہدے داروں کی اطاعت کرتے۔

خلافت سے نہایت وفا اور اطاعت کا تعلق تھا۔ ہر تحریک پر لبیک کہنے والے تھے۔ غریبوں کے ہمدرد تھے۔ مشکلات میں مبتلا افراد کے لیے ہمہ وقت مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ اللہ کے فضل سے موصی تھے۔ پسماندگان میں ان کی ضعیف والدہ ہیں سلیمہ خورشید صاحبہ اور دو بیویاں اور پانچ بچے شامل ہیں۔ بچوں میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

آخری ذکر گروپ کیپٹن ریٹائرڈ عبدالشکور ملک صاحب کا ہے جو آج کل ڈیلس امریکہ میں تھے۔ وہاں گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے نانا غلام نبی شیخ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ ان کے ذریعہ آپ کے آبائی گاؤں نوشہرہ میں بھی احمدیت کی تبلیغ عمل میں آئی۔ تبلیغ ہوئی اور جماعت کا نفوذ ہوا۔ مرحوم کو پاکستان ایئر فورس میں بطور انجینئر اور بعد میں بطور گروپ کیپٹن کام کرنے کی توفیق ملی۔ پندرہ سال تک راولپنڈی میں بطور نائب امیر خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے متعدد اسیر ان کے مقدمات کی پیروی بھی کی۔ خلافت کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ ایئر فورس میں ملازمت کے دوران جماعتی مخالفت کے باوجود آپ نے بڑی دلیری سے جماعت احمدیہ کی شناخت کو قائم رکھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی زندگی جماعت کے لیے وقف کر دی۔ اطاعت نظام اور خلافت کا اعلیٰ نمونہ قائم کرنے والے تھے۔ دن ہو یا رات جب بھی ان کو امیر جماعت نے بلایا ہو یا جماعت نے بلایا فوراً حاضر ہو جاتے تھے۔ کبھی کوئی عذر نہیں کیا۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ ہر کسی سے محبت اور پیار کرنے والے تھے۔ نیک اثر ڈالنے والے انسان تھے۔

ان کی بیٹی شازیہ سہیل صاحبہ کہتی ہیں کہ میرے ابا زیادہ تر وقت جماعت کے کاموں میں گزارتے تھے۔ کہیں بھی ہوتے ان کا پسندیدہ وقت نماز پڑھنا یا جماعت کے کام کرنا تھا۔ ہمیشہ اللہ کے فضل اور دعاؤں کی قبولیت کے قصے سناتے۔ ہمیشہ اپنے بچوں کو ساتھ بٹھاتے اور یہ واقعات بیان کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا احمدیوں سے کیا خاص تعلق ہے۔ اللہ کیسے احمدیوں کے معاملات کو سنبھالتا ہے۔

آپ نے ہمیں خلیفۃ المسیح کو تمام اہم چیزوں کے لیے خطوط لکھنے کی ترغیب دی۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہر بات لکھا کرو۔ کہتی ہیں کہ ابا جی کی ایک پہچان اللہ پر مکمل توکل اور رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرنا تھا۔ بچپن سے ہی ہمیں سکھایا کہ جب بھی ہمارے پاس کوئی پیسہ آئے تو اس میں سے چندہ ضرور نکال دو۔ اس سے ہماری آمدنی میں بھی برکت ہو گی اور پاکیزگی میں بھی اضافہ ہو گا۔ مرحوم موصی تھے پسماندگان میں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا شامل ہیں۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر عامر صاحب امریکہ میں ہی ڈاکٹر ہیں۔ جماعت کے وہ بھی کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کی دعائیں ان کی اولاد کے لیے پوری فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 09/ جون 2023ء جلد 30 شمارہ 90 صفحہ 02 تا 07)

21

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 26/ مئی 2023ء بمطابق 26/ ہجرت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب یہ خبر دی کہ آپ کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے تو آپؑ نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ ''**دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔** (1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔

پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:56) یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جب کہ حضرت موسیٰؑ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اِس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں ان کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بیوقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے.....'' فرمایا ''سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو مَیں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔

اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اِس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے... ...'' فرمایا کہ ''خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیاء ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے مَیں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔''

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 304 تا 307)

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق جماعت کو حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے ہاتھ پر جمع کیا۔ گو بعض لوگ چاہتے تھے کہ انجمن کے ہاتھ میں انتظام رہے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے آہنی ہاتھوں سے اس فتنے کا خاتمہ فرمایا۔

پھر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے وصال کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانیؓ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ کے خلیفہ منتخب ہونے کے وقت بھی بعض لوگ جو اپنے آپ کو علمی اور عقلی لحاظ سے بہت بڑا سمجھتے تھے انہوں نے فتنہ اٹھانے کی کوشش کی اور ان کی یہ کوشش تھی کہ انتخابِ خلافت کو اگر مکمل طور پر نہیں روکا جا سکتا تو چند ماہ کے لیے ملتوی کر دیا جائے تا کہ انہیں جماعت میں تفرقہ ڈالنے کا موقع مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے وعدے کے موافق مومنین کی جماعت کو ایک ہاتھ پر جمع کر دیا اور مخالفینِ خلافت اور منافقین ناکام و نامراد ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپؓ کی خلافت تقریباً باون سال کے عرصے پر محیط ہوئی اور دنیا میں مشن کھلے۔ جماعت کا انتظامی ڈھانچہ مضبوط ہوا۔ یہ سب آپؓ کے دَور میں ہوا۔

پھر آپؓ کے وصال کے بعد خلافت ثالثہ کا دَور شروع ہوا اور حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح ثالثؒ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے خلافت کے مقام پر فائز ہوئے۔

پھر جب خدائی تقدیر کے مطابق آپؒ کا وصال ہوا تو حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چوتھے خلیفہ کے مقام پر فائز فرمایا اور پھر آپؒ کی وفات پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام پر متمکن فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے باوجود میری کمزوریوں اور کمیوں کے حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق جماعت کو ترقی کی راہوں پر گامزن رکھا۔ اس عرصے میں دشمن نے جماعت میں تفرقہ ڈالنے، اسے ختم کرنے، خوفزدہ کرنے کی بے شمار کوششیں کیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں احمدیوں کو شہید کیا گیا، دنیاوی لالچ دیے گئے لیکن اللہ تعالیٰ احمدیوں کو خلافت سے تعلق اور ایمان اور یقین میں بڑھاتا چلا گیا۔ چاہے وہ ایشیا کے احمدی ہیں یا یورپ و امریکہ کے یا افریقہ کے، ہر ایک کا خلافت سے جو تعلق ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرما سکتا ہے۔ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ایسی محبت اور اخلاص کا تعلق پیدا کرے جو افراد جماعت کو خلافت سے ہے اور خلیفۂ وقت کو جماعت سے ہے۔ میں جس ملک میں بھی جاتا ہوں وہاں یہ نظارے دیکھنے میں نظر آتے ہیں اور یہ صرف کہنے کی باتیں نہیں ہیں بلکہ آج کل تو کیمرے کی آنکھ ان کو محفوظ کر لیتی ہے۔ ایم ٹی اے یہ نظارے دکھاتا رہتا ہے اور ان کو دیکھ کر مخالف بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت تمہارے ساتھ ہے۔ اور پھر ہزاروں خطوط ہیں جو ہر مہینے مجھے آتے ہیں۔ اس بات کے اظہار کے لیے کہ لکھنے والوں کا کس قدر جماعت سے اخلاص و وفا کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ **خود لوگوں کو کس طرح خلافت کے ساتھ جوڑتا ہے** اور کس طرح ان کے دلوں میں خلافت سے محبت اور تعلق پیدا کر دیتا ہے۔ اس وقت میں بعض خطوط کے نمونے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے اور پھر یہ بات بھی لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد آپ کی خلافت کا جو جاری نظام ہے **یہ خدا تعالیٰ کی خاص تائید لیے ہوئے ہے۔**

تنزانیہ میں ایک مونزے (Mwanza) ریجن ہے۔ معلم نے وہاں سے رپورٹ دی اور لکھا کہ ایک دن نماز فجر کے بعد مبلغ کے ساتھ احبابِ جماعت سے ہم ملاقات کی غرض سے گئے۔ نماز ظہر سے قبل جب ہم مسجد واپس پہنچے تو مسجد میں سیڑھیوں پر ایک خاتون کو دیکھا۔ خیریت معلوم کرنے پر پتا چلا کہ وہ دعا کروانے آئی ہے۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ جیسے غیر از جماعت مسلمانوں میں دم درود وغیرہ کا طریق رائج ہے ویسے ہی ہم بھی کرتے ہیں۔ افریقنوں میں بڑا رواج ہے یہ دم درود کا۔ چنانچہ مربی صاحب نے انہیں جماعتی تعلیمات سے آگاہ کیا اور ان کے لیے وہاں دعا بھی بہر حال کروائی۔ اس خاتون نے بتایا کہ مجھے خواب آتے ہیں جن میں ایک لمبی داڑھی والے گندمی رنگ کے آدمی مجھے ایسے ہی دین سمجھاتے ہیں جیسے یہ مربی صاحب نے سمجھایا ہے۔ اس پر اس کو جماعتِ احمدیہ کا تعارف کرایا گیا۔ **حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی تصاویر دکھائی گئیں۔** اس کا کہنا تھا کہ جو بزرگ انہیں خواب میں آکر سمجھاتے ہیں ان کی شکل حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتی ہے۔ اس کے بعد اس خاتون نے اپنے تین بچوں سمیت بیعت بھی کر لی۔ اس زمانے میں بھی خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شکل بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ دکھائی گئی۔

پھر انڈونیشیا کا صوبہ مغربی کالمنتان ہے۔ وہاں کے ایک علاقے کے رہائشی ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ ہے۔ انہوں نے اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ بیعت کی۔ ان کا جماعت سے رابطہ 2019ء سے تھا اور مبلغ کی باتوں سے وہ کافی متاثر تھے اس لیے ان کا مسجد آنا جانا تھا۔ کیونکہ ان کو یہ خیال تھا کہ یہ دوسرے مولویوں سے بہت مختلف ہیں۔

بہر حال ان کے اس طرح ہمارے مشنری کے قریب ہونے کی وجہ سے اس علاقے کے مولوی اور محلے والوں نے ان پہ الزام تراشیاں شروع کر دیں، بے دخل کر دیا، ان کو اپنی مسجد بھی نہیں آنے دیتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک ایسے بھنور میں پھنس گیا ہوں جو مجھے غرق کر دے گا لیکن ایک بزرگ مجھے بچانے آئے جنہوں نے جبہ پہنا ہوا تھا اور لاٹھی پکڑی ہوئی تھی۔

اس پر ہمارے مبلغ نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تصویر دکھائی جس میں حضور علیہ السلام ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھے۔ اس نے **لرزتے ہوئے کہا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے خواب میں مجھے** اپنی لاٹھی سے بھنور سے بچایا تھا۔ اسی طرح ان کے بیٹے نے بھی خواب دیکھی اب صرف باپ نے نہیں دیکھی بلکہ بیٹے نے بھی دیکھی۔ اس نے کئی لوگوں کو اس طرح جبہ پہنا ہوا دیکھا۔ اس پر ہمارے مبلغ نے ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خلفاء کی تصاویر بھی دکھائیں تو اس لڑکے نے حیرت کے ساتھ کہا کہ جو لوگ اس نے دیکھے تھے ان میں حضرت خلیفۃ المسیح ثالثؒ بھی تھے، خلیفۃ المسیح رابعؒ بھی تھے اور مَیں بھی تھا۔ اس نے کہا یہ تو سارے وہی لوگ ہیں جو مَیں نے دیکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اکٹھا کر کے بھی دکھا دیا کہ خلافت کا نظام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد ہے ایک ایسا نظام ہے جو تسلسل قائم کیے ہوئے ہے۔ بہر حال ان خوابوں کے بعد اس فیملی نے بیعت کر لی۔ اگر سچی تڑپ ہو تو پھر اس طرح اللہ تعالیٰ راہنمائی بھی فرماتا ہے۔

پھر انڈونیشیا کا جنوبی صوبہ ہے وہاں ایک جگہ بارو (Barru) ہے۔ امیر صاحب نے یہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے مبلغ فجر کی نماز مسجد میں پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص جماعت میں شامل ہونے کے لیے آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ دوسری جگہ سے یہاں اپنی بیوی کے رشتہ دار سے ملنے آیا تھا۔ گفتگو کے دوران اس نے اپنی ماضی کی زندگی کے بارے میں بتایا جو مشکلات سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ مشکل حالات میں اس نے خواب میں دیکھا کہ سفید پگڑی اور داڑھی والے بزرگ سے ملاقات ہوئی ہے۔ خواب میں پگڑی والے بزرگ نے اسے بتایا کہ چالیس دنوں تک ہر فجر کی نماز میں صدقے کے خانے میں صدقہ ڈالتے رہو تو مشکلات دُور ہو جائیں گی۔ اس نے اسی طرح کیا جیسا کہ خواب میں بتایا گیا تھا۔ کہتا ہے بیسویں دن اس کی پریشانیاں ختم ہونے لگیں۔ طرح طرح کی نوکریاں اور سہولتیں بھی مل گئیں۔ اس نے بتایا کہ تقریباً تین ماہ قبل سفید پگڑی اور داڑھی والے شخص ایک بار پھر خواب میں آئے اور پھل لینے کے لیے اسے پہاڑ پر لے گئے اور کہا کہ یہ خواب صرف ان لوگوں کو بتایا جائے جو اپنے اندر تقویٰ کی علامت ظاہر کرتے ہوں۔ اس کے بعد مبلغ نے اسے خلفاء کی تصاویر دکھائیں تو اس شخص نے **حیرانی کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ** اس شخص کو میں نے دیکھا ہے۔ چنانچہ یہ شخص بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہوا۔

پھر ایک خاتون جو ملک مالی کی رہنے والی ہیں، سراجی ان کا نام ہے۔ ان کے بارے میں مقامی مبلغ بیان کرتے ہیں کہ بہت مخلص ہیں۔ اردگرد کے گاؤں میں جہاں بھی تبلیغ کے پروگرام کا سنتی ہیں اپنے بچوں کو کہتی ہیں کہ مجھے سائیکل پر بٹھا کر وہاں لے کر جاؤ۔ وہ کہتی ہیں کہ احمدی ہونے سے قبل وہ خواب میں دو آوازیں سنتی تھیں۔ ایک

تو میرے خطبے کے ساتھ جو تشہد اور سورۃ فاتحہ مَیں پڑھتا ہوں اس کی تلاوت کی آواز اور دوسری وہاں کے مبلغ جو ہیں معاذ صاحب ان کی تبلیغ کی آواز۔ کہتی ہیں میں پریشان ہوتی تھی یہ کس کی آوازیں ہیں جو مجھے خواب میں آتی ہیں۔ اب جب جماعت کا ریڈیو پروگرام شروع ہوا اور **انہوں نے ریڈیو پر میرا خطبہ سنا، تلاوت سنی، دوسرے تبلیغی پروگرام** دیکھے تو تب کہنے لگیں یہ تو وہی آوازیں ہیں جو میں سنتی تھی چنانچہ یہی بات ان کی احمدیت کی قبولیت کا سبب بنی۔

کیمرون ایک اَور ملک ہے وہاں کی بھی رپورٹ ہے۔ ایک نوجوان عبد الرحمٰن بیلا نے اپنے احمدی ہونے کا واقعہ بیان کیا۔ کہتے ہیں چند سال قبل میں نے خواب میں دو بزرگان کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں شہر میں موٹر سائیکل چلا کر سواریاں اٹھاتا ہوں اور اس طرح اپنا گزارا کرتا ہوں۔ اس پر دوسرے نے مجھے فرمایا کہ موٹر سائیکل کو چھوڑیں اور ادھر آ کر نمازیں پڑھائیں۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ یہ کہتے ہیں کہ چند دنوں کے بعد میں نے بازار میں ایک نوجوان کو دیکھا جو پمفلٹ تقسیم کر رہا تھا اور وہ پمفلٹ جماعت احمدیہ کے تھے۔

میں نے گھر آ کر غور سے اس پمفلٹ کو دیکھا اور پڑھا تو اس پمفلٹ پر میں نے ایک بزرگ کی تصویر دیکھی اور یہ تصویر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی جو میں نے خواب میں دیکھی تھی اس کے بعد جماعت کے ساتھ رابطے کی کوشش کی اور معلم کے ساتھ ان کا مزید رابطہ بڑھا۔ انہوں نے لٹریچر مزید حاصل کیا اور دوسرا شخص جو تھا جو **پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا، کہتے ہیں وہ تصویر بھی مجھے باقی لٹریچر میں نظر آ گئی** اور وہ تصویر میری تھی۔ کہتے ہیں دوسری موجودہ خلیفہ کی تھی۔ کہتے ہیں میں نے نام تو سنا ہوا تھا لیکن زیادہ علم نہیں تھا لیکن خواب میں جس شخص نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا وہ جماعت کے موجودہ خلیفہ تھے اور ان کا خواب میں نماز کے لیے بلانا اور نماز پڑھانے کی برکت تھی کہ پچھلے سال ہمارے گاؤں کے چیف فوت ہوئے اور کہتے ہیں یہ اتفاق ہوا کہ ان کی اولاد نہیں تھی اور اس وجہ سے مجھے پھر ان کی وصیت کے مطابق گاؤں کا چیف بھی بنا لیا گیا اور یہ عزت بخشی گئی اور کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ عزت مجھے جماعت کی وجہ سے ہی ملی ہے۔

پھر گنی بساؤ ایک اَور ملک ہے۔ مبلغ انچارج کہتے ہیں کہ یہاں ایک علاقہ ہے وہاں کی ایک خاتون ہیں ماریہ صاحبہ۔ عائشہ ماریہ نام ہے ان کا۔ ان کے دو بیٹوں نے احمدیت قبول کی تو عائشہ صاحبہ کے بڑے بھائی جو کہ جماعت کے بہت مخالف ہیں اور وہی عائشہ اور اس کی فیملی کو سنبھالتے ہیں اور کھانے وغیرہ کی اشیاء بھی لے کر دیتے ہیں انہوں نے اپنی بہن کو فون کیا اور تنبیہ کی کہ اگر تمہارے بیٹوں نے احمدیت نہیں چھوڑی تو میں تم لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دوں گا اور میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ یہ بات سن کر عائشہ بہت پریشان ہو گئیں۔ بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ احمدیت چھوڑ دو لیکن ان بیٹوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے لیے کافی ہے اور ہم کبھی بھی احمدیت نہیں چھوڑیں گے۔ بیٹوں کا یہ جواب سن کے عائشہ اَور زیادہ پریشان ہو گئیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ **دو دن کے بعد کہتی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ** خواب میں بہت پریشان ہیں اور زور زور سے رو رہی ہیں۔ اتنے میں سفید لباس میں ملبوس ایک سفید داڑھی والے شخص نے انہیں بلایا اور رونے کی وجہ پوچھی جس پر

انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر نہ کرو تمہارے بیٹے ان سب کے اوپر رہیں گے۔ یہ بات سن کے ان کی آنکھ کھل گئی۔ ان کا دل خواب کے بعد مطمئن تھا۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے خواب ہمارے مشنری کو سنائی اور جب ان کو مشنری صاحب نے میری تصویر دکھائی تو انہوں نے کہا یہ تو وہی شخص تھے جو مجھے خواب میں آئے تھے اور انہوں نے مجھے تسلی دلائی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نہایت مخلص احمدی ہیں اور لجنہ کے ہر کام میں صف اول میں شامل ہوتی ہیں۔

کینیا کا بھی ایک واقعہ ہے۔ نکورو (Nakuru) ریجن کے علاقہ ''بھاٹی (Bahati)'' میں وہاں ہماری جماعت ہے اور یہ علاقہ عیسائی اکثریت کا علاقہ ہے۔ چھوٹا سا قصبہ ہے اور کہتے ہیں اس قصبے میں بھی بے شمار پانچ سو پچاس کے قریب چرچ ہیں اور واحد احمدی مسلمانوں کا ایک سینٹر ہے۔ ایک دن ایک شخص جو مسلمان تھا ہمارے سینٹر آیا اور نماز میں شامل ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام محمد عبدی ہے اور وہ یہاں کا مقامی ہے۔ کہنے لگا کہ کچھ دن پہلے مجھے معلوم ہوا کہ یہاں ایک نماز سینٹر ہے تو میں نماز کے لیے چلا آیا۔ جس پر اس کو جماعت کا تعارف کروایا جس پر اس نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ جس سے معلوم ہوا کہ یہ جماعت مخالف رویہ رکھتا ہے۔ ایک دن راستے میں دوبارہ ملا تو معلم صاحب نے اسے کہا کہ مسلمان بھائی ہو تو ٹھیک ہے۔ اختلاف تمہیں ہے لیکن کوئی بات نہیں تم نماز پڑھنے ہمارے سینٹر آ جایا کرو۔ اگر کچھ تحفظات ہیں تمہارے یا سوالات ہیں تو بغیر جھجک کے تم پوچھ سکتے ہو ہم جواب دیں گے۔ کہتے ہیں میں دعا بھی کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھولے۔ کہتا ہے چند دن کے بعد وہ شخص محمد عبدی نام میری رہائش پر آیا۔ جب وہ آیا تو اس وقت گھر میں ایم ٹی اے چل رہا تھا اور وہاں ایم ٹی اے پر میرا خطبہ لگا ہوا تھا۔ کافی دیر وہ غور سے سنتا رہا۔ جب خطبہ ختم ہوا تو کہنے لگا میں بیعت کرنا چاہتا ہوں جس پر کہتے ہیں مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کہ بظاہر تو یہ مخالف شخص تھا اچانک یہ کیا تبدیلی پیدا ہو گئی۔ تو جب بیعت کی تو اس سے وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ گذشتہ رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو میں باہر صحن میں نکلا تو اچانک میری نظر آسمان کی طرف پڑی تو کوئی روشن چیز مجھے نظر آئی جس کا میرے دل پر بہت گہرا رعب اور اثر تھا اور اب جب آپ کے پاس **آیا ہوں اور یہاں جب میں نے خلیفہ کا خطبہ دیکھا ہے رات والی تصویر جو تھی وہ میرے ذہن میں مکمل ہو گئی۔** اب میں اس وقت پوری فیملی کے ساتھ بیعت کرتا ہوں اور جماعت میں داخل ہوتا ہوں۔

اب کس طرح اللہ تعالیٰ ایک مخالف پر نہ صرف احمدیت کی سچائی ظاہر فرماتا ہے بلکہ خلافت سے تعلق بھی اس کے دل میں پیدا فرماتا ہے۔ یہ کسی انسانی کوشش سے نہیں ہو سکتا۔

کیمرون ایک اَور ملک ہے، وہاں ایک شہر مروہ ہے۔ وہاں سلیمان صاحب سکول ٹیچر ہیں۔ کہتے ہیں میں نے کیبل پر ایم ٹی اے کا ایک پروگرام دیکھا جس میں جماعت احمدیہ کے خلیفہ بچوں کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔ ایک بچے نے یوکرین اور رشیا کی جنگ کے متعلق سوال کیا تو امام جماعت احمدیہ نے بڑے اچھے انداز میں سادہ طریقے سے جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے دنیا کی طاقتوں کے بہت طاقتور ملکوں کے صدروں کو خط لکھے ہیں۔ ان کو متنبہ بھی کیا ہے کہ اگر اس وقت دنیا میں امن قائم نہ کیا اور دنیا میں انصاف قائم نہ کیا تو بہت خطرناک حالات

ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں یہ باتیں سن کے میں سوچ رہا تھا کہ میں جماعت کے کسی شخص سے رابطہ کروں تو ایک دن مروہ شہر کے لوکل ٹی وی پر وہاں کی مقامی زبان میں امام جماعت احمدیہ کے خطبہ کا ترجمہ آ رہا تھا۔ ٹی وی سکرین پر صدر جماعت کا فون نمبر آیا تو میں نے جماعت سے رابطہ کیا۔ اس کے بعد جماعت کا لٹریچر پڑھا، خلیفۃ المسیح کی ورلڈ کرائسز والی کتاب پڑھی۔ اس کے بعد میرا دل مطمئن ہوا اور میں بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ معلم صاحب کہتے ہیں کہ اب جماعت کے بڑے فعال ممبر ہیں۔

پھر سیرالیون سے مبلغ لکھتے ہیں ابراہیم نامی ایک شخص جو کہ جماعت کے مخالف تو نہیں تھے لیکن وہ احمدی نہیں تھے، اس نے ایم ٹی اے پر میرے خطبات سنے اور کھلے عام کہنا شروع کر دیا کہ مولوی احباب جو جماعت احمدیہ کے خلاف تعلیم دے رہے ہیں وہ جھوٹ پر مبنی ہے۔ میں نے خود امام جماعت کو سنا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم سے حوالے دیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں اور احادیث بیان کرتے ہیں۔ احمدیوں کا کلمہ بھی وہی ہے۔ تمام باتیں اسلام کے مطابق کرتے ہیں اس لیے احمدیہ مسلم جماعت جھوٹی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد اس نے احمدیت قبول کر لی اور چندوں میں بھی شامل ہوا اور بڑے مخلص احمدی ہیں۔

ٹرینی ڈاڈ کے امیر صاحب لکھتے ہیں ایک نومبائعہ شریدہ (Sherida) صاحبہ نے گذشتہ سال خاوند کے ساتھ بیعت کی تھی۔ انہوں نے اپنی دو غیر مسلم بہنوں اور ہمسایوں کو اپنے گھر ٹی وی پہ جلسہ یو کے دیکھنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ جلسے کے تمام انتظامات سے بہت متاثر ہوئے اور خاص طور پر جو میرے خطابات تھے کہتے ہیں وہ ہمیں بہت پسند آئے۔ کہنے لگیں کہ جماعت احمدیہ ہی حقیقی اسلام ہے اور اگر تمام اسلامی فرقے اسی طرح بن جائیں تو اسلام دنیا پر غالب آ سکتا ہے۔ **موصوفہ کہتی ہیں کہ میں نے خلیفۃ المسیح کو دیکھ کے رونا شروع کر دیا** اور ایسا محسوس کر رہی تھی کہ میں ان کے قدموں میں بیٹھی ہوں اور گو کچھ عرصے بعد ان کے خاوند تو فوت ہو گئے ہیں لیکن موصوفہ نے اپنا گھر جماعت کو بطور وصیت دیا ہے اور جماعت کے نام کر دیا ہے تو کارروائی بھی ہو رہی ہے۔

قرغیزستان کے ایک مقامی سلطان عطا خانوو احمدی ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے بیٹے اور اہلیہ کو بیعت کرنے کی توفیق مل چکی تھی۔ میں نے 2017ء میں ہر جمعے کو جماعتی مشن ہاؤس جانا شروع کیا۔ جب میں اور میری اہلیہ گاڑی پر نماز جمعہ کے لیے اپنی جماعت کے مشن جاتے تو تقریباً بارہ کلو میٹر کے سفر میں ہم ہمیشہ خلیفۃ المسیح کے خطبہ کی ریکارڈنگ سنتے رہتے۔ میں نے جب بھی ان خطبات کو سنا اس کے بعد میرے احساسات بہت مضبوط ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس سال 2 مئی رمضان المبارک کے مقدس مہینے کے اختتام پر عید کے دن میں نے بیعت کی۔ یہ پچھلے سال کی بات ہے۔ کہتے ہیں میں یہ پہلے بیان کرنا چاہتا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح یہ کام رہ جاتا تھا۔ میں نے مختصر لکھا ہے لیکن جو کچھ میرے اندر روح میں ہو رہا ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں ہر نماز میں اللہ سے اسلام کے بارے میں علم میں اضافہ کی دعا کرتا ہوں اور ہر جمعے کی نماز میرے لیے مسلسل کچھ نہ کچھ نیا کھول رہی ہے۔

پیراگوئے کی ایک خاتون لیزا (Liza) ہیں وہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ہدایت دینے کے مختلف راستے بنائے ہوئے ہیں۔ میرا اسلام احمدیت کی طرف سفر کورونا وبا کے دوران شروع ہوا۔ میں نے سوچا کہ فارغ اوقات

میں کوئی زبان سیکھنی چاہیے۔ چنانچہ میں نے آن لائن عربی سیکھنی شروع کر دی۔ عربی کے ذریعہ ہی مجھے اسلام کے متعلق بھی کافی باتوں کا علم ہوا اور میں نے مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک دن فیس بک کا اکاؤنٹ کھولا تو وہاں "کافی، کیک اینڈ اسلام" کے عنوان سے مسجد میں ایک پروگرام میں شمولیت کا دعوت نامہ آیا ہوا تھا۔ میں نے خود کو رجسٹرڈ کر لیا اور وقت پر حاضر ہو گئی جہاں میری ملاقات مربی سے ہوئی، ان کی اہلیہ سے ہوئی۔ پہلے تو میرے ذہن میں شکوک و شبہات تھے کہ مسجد میں شاید صرف عرب لوگ ہی داخل ہو سکتے ہیں لیکن وہاں جا کر اسلام کے بارے میں جن باتوں کا پتا چلا وہ میرے لیے بالکل نئی تھیں۔ مجھے پتا چلا کہ اسلام میں دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے اور اسلام صرف امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اس رات مَیں جب مسجد سے باہر آئی تو میرے ہاتھ میں قرآن کریم تھا۔ اس کے بعد میر امربی صاحب کی اہلیہ کے ساتھ مستقل رابطہ رہا۔ میں نے ان سے بہت سے سوالات کیے۔ ان کی ہفتہ وار کلاسوں میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ اپنے لیے ایک ہدف مقرر کیا کہ میں نے پوری نماز یاد کرنی ہے اور سیکھنی ہے۔ اس طرح دو مہینے گزر گئے۔ میں ہر روز اٹھتے بیٹھتے اسلام کے متعلق سوچتی رہتی۔ ایک دن میرے خاوند مجھے مسجد سے لینے آئے اور واپسی پر میں اس کو بتا رہی تھی کہ آج میں نے یہ یہ چیزیں سیکھی ہیں۔ اس پر وہ، خاوند مجھے کہنے لگا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتی؟ یہ سن کر میں بالکل خاموش ہو گئی اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ اس وقت مَیں اپنی زندگی میں صرف یہی چاہتی تھی کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن میرے لیے یہ بہت بڑا **فیصلہ تھا۔ بہر حال اس کے بعد میں نے احمدی مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔** میں نے جماعت کے متعلق مزید معلومات لیں، تحقیق کی اور سوالات پوچھے۔ **باقاعدگی سے خلیفہ وقت کے خطبات سنے اور پھر مجھے یقین** ہو گیا کہ میں صحیح راستے پر ہوں۔ ہمارے پاس ہدایت ہے۔ **ہمارے پاس ایک امام ہے جو ہمارا خیال رکھتا ہے، ہماری** راہنمائی کرتا ہے، ہمارے لیے دعائیں کرتا ہے۔ گو کہ میں نے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے لیکن جماعت احمدیہ کے متعلق میرا دل مطمئن ہو چکا ہے۔ موصوفہ کی بیعت کے چند ماہ بعد ان کے خاوند نے بھی بیعت کر لی اور اب یہ وہاں پیرا گوئے جماعت کے بڑے مخلص اور فعال ممبر ہیں۔

پھر کونگو کنشاسا ایک جگہ ہے وہاں بُکاوُو (Bukavu) شہر کے قریب ہی ایک چھوٹا قصبہ یا گاؤں ہے۔ ایک شخص وہاں احمد بٹاٹو صاحب ہیں۔ اپنے آٹھ افراد کی فیملی سمیت بیعت کی بلکہ اس کے بعد انہوں نے تبلیغ بھی شروع کر دی اور ان کی تبلیغ کے نتیجے میں باسٹھ اور افراد جماعت میں شامل ہوئے۔ ان دوست کا کہنا ہے کہ میری جماعتِ احمدیہ میں شمولیت کی سب سے بڑی وجہ خلیفۂ وقت کا وجود بنا ہے اور نظامِ خلافت ہے۔ امیر صاحب کہتے ہیں کہ میں ان کو آن لائن قرآن پڑھا رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ جماعتِ احمدیہ میں شامل ہونے سے پہلے سنی مسلم تھے مگر ان سالوں میں اپنے آپ سے یہ سوال کرتے تھے کہ سنی مسلمان نفرت کیوں پھیلاتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ ان میں اتنا اختلاف کیوں ہے اور اگر یہ حق پر ہیں تو کیوں ان کا کوئی ایک امام نہیں ہے جس کی یہ پیروی کرتے؟ اس ساری کشمکش **کے دوران ایم ٹی اے پر خلیفۃ المسیح کے خطبات سے میرا تعلق جڑا۔** میرے اندر ایک آواز نے کہا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام سچے ہیں مگر دوسری آواز کہتی تھی کہ سارے مسلمان احمدیوں کو کافر کیوں کہتے

ہیں؟ آخر میرا رابطہ تنزانیہ میں ایک احمدی دوست سے ہوا اور پھر فرانس میں ایک احمدی دوست سے رابطہ ہوا اور بالآخر مَیں اس علاقے کے مبلغ مزمل کے رابطے میں آیا۔ ان سب دوستوں نے مجھے جماعتی کتب پڑھنے کو دیں اور ان کو پڑھنے کے بعد اور تحقیق کے بعد میں نے بیعت کر لی اور اس کے بعد انہوں نے وہاں اپنے علاقے میں بھی تبلیغ کی اور وہاں بھی ان کی تبلیغ سے جماعت بڑھی۔

کونگو کنشاسا کے امیر صاحب کہتے ہیں کہ وہاں مادام وانی تیبو (Mwani Teebo) صاحبہ ہیں۔ ان کا تعلق جماعت اویرا (Uvira) سے ہے۔ بیاسی سال ان کی عمر ہے۔ کہتی ہیں کہ میں مسلمان تھی مگر بیالیس سال کی عمر میں عیسائی ہو گئی تھی کیونکہ میرا بیٹا ایک چرچ میں پادری تھا۔ ایک دن ریڈیو پر خلیفۃ المسیح کے ایک خطبے کا فرنچ ترجمہ سنا۔ سنتے ہی انہوں نے مشن ہاؤس فون کیا کہ میں زمانے کے امام کی بیعت میں آنا چاہتی ہوں اور اپنے بیٹے کو کہا کہ جب میں فوت ہوں تو میرا جنازہ جماعت احمدیہ پڑھائے۔

کیمرون کے مبلغ انچارج کہتے ہیں کہ وہاں مَرُوَہ (Maroua) سے ایک دوست عمر زبیر صاحب ہیں۔ جلسہ سالانہ کیمرون 2022ء میں شمولیت کے لیے آئے۔ انہوں نے معلم صاحب کو اپنے احمدی ہونے کی تفصیلات بتائیں۔ عمر صاحب نے بتایا کہ ایم ٹی اے افریقہ کے ذریعہ مجھے جماعت سے واقفیت ہوئی اور میں بڑی دلچسپی سے **خلیفۃ المسیح کے خطبات جمعہ سنا کرتا تھا اور ہر خطبے کے** ساتھ مجھے جماعت کے ساتھ لگاؤ بڑھتا گیا اور میرے علم میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ نومبر 2021ء کے پہلے خطبہ جمعہ میں خلیفۃ المسیح نے تحریک جدید کے واقعات اور قربانیوں کا ذکر کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھ پر واضح کر دیا کہ یہ جماعت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے جہاں لوگ اس قدر اسلام کے لیے قربانی کر رہے ہیں۔ اس بات سے میرے دل کو پوری تسلی ہو گئی اور میں نے بیعت کر کے جماعت میں شمولیت اختیار کر لی اس کے بعد میں بہت مطمئن اور خوش ہوں۔

واٹر لُو۔ سیرالیون کے مربی کہتے ہیں کہ وہاں کے الفا صاحب کو گذشتہ سال میرا خطبہ ایم ٹی اے کے ذریعے سننے کی دعوت دی گئی۔ الفا صاحب اپنی فیملی کے ساتھ خطبہ سننے کے لیے آئے۔ خطبہ سن کر بہت متاثر ہوئے اور تمام فیملی جس میں آٹھ افراد شامل تھے بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ خدا کے فضل سے احمدیت میں داخل ہونے کے بعد بڑے اخلاص کے ساتھ جماعتی خدمات میں حصہ لیتے ہیں اور وہاں مسجد کی رینوویشن کی گئی تو سارا وقت انہوں نے وقار عمل کیا اور مزدوروں کی طرح کام کیا اور نفلی روزے بھی یہ رکھتے ہیں اور افطاری کا انتظام بھی لوگوں کے لیے کرواتے ہیں۔

امیر صاحب بنگلہ دیش لکھتے ہیں کہ جماعت کے سیکرٹری تبلیغ کا یہاں اپنا ایک چھاپہ خانہ ہے جس میں بلال نامی لڑکا کام کرتا ہے۔ اس لڑکے کو جب جماعت کا تعارف ہوا تو اس نے ہماری مرکزی مسجد میں آنا شروع کر دیا جہاں اس کو میرے خطابات سننے کا موقع ملا۔ کچھ عرصے بعد موصوف نے بیعت کر لی لیکن اس کی اہلیہ نے بیعت نہیں کی تھی۔ ان کی شادی کو سات سال کا عرصہ گزر چکا تھا کوئی اولاد نہیں تھی۔ اپنی اہلیہ سے انہوں نے کہا کہ خلیفۃ المسیح کو دعا کے لیے لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد دے۔ لوگ لکھتے ہیں ہم بھی لکھ کے آزماتے ہیں۔ چنانچہ

انہوں نے اپنی بیوی کو جب اس پہ قائل کر لیا کہ چلو ہم بھی اس طرح دعا کے لیے درخواست کر کے آزماتے ہیں۔ دعا کے لیے انہوں نے درخواست کی۔ کچھ مہینے بعد ان کی اہلیہ امید سے ہو گئیں اور ان کی اہلیہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ **یہ خلیفۃ المسیح کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے** چنانچہ اس نے بھی بیعت کر لی۔

امیر صاحب بیلجیم کہتے ہیں کہ مراکش کے ایک دوست وہاں رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک لمبا عرصہ احمدیت کے بارے میں تحقیق کر کے پھر بیعت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بچپن سے ہی بہت سے علماء کی صحبت میں وقت گزارا ہے لیکن خلیفۃ المسیح کے خطبات نہ صرف قرآن کریم کی تفسیر ہیں بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جاتے ہیں اور ان کے خطبات سننے کے بعد مجھے نمازوں کا مزہ آنے لگا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے سچی خوابیں بھی دکھائی ہیں۔ احمدیت نے میری زندگی بدل دی ہے اور موصوف جب یہ ذکر کرتے ہیں تو آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

کینیما(Kenema) ، سیرالیون کے مربی کہتے ہیں۔ ایک جگہ پانچ سو سے زیادہ غیر احمدی احباب جمع تھے۔ وہاں ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ احمدی ہی اسلام کے سچے رستے پر ہیں۔ ہم ان سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ سچ کہتے ہیں۔ اگر کوئی چیز سفید ہوتی ہے تو وہ اس کو سفید ہی کہتے ہیں لیکن جب کوئی چیز کالی ہوتی ہے تو ہم اسے سفید کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم میں سچائی اور اتحاد نہیں۔ اسی علاقے کے ایک امام صاحب بھی کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے کہ اگر آپ احمدیوں کے خلیفہ کے خطبات سنو تو تمہیں اسلام کی درست تعلیم کا علم ہو گا۔ میں نے احمدیت تو قبول نہیں کی لیکن **ہر جمعہ کے روز میں ان کے خلیفہ کا خطبہ سنتا ہوں**۔ اگر آپ سنو گے تو آپ کو اسلامی تعلیمات کا علم ہو گا اور آپ کا دل نہیں کرے گا کہ خطبہ ختم ہو۔

پھر مشاکار یجن کے مبلغ کہتے ہیں کہ مَیں ایک کام کے سلسلہ میں بینک گیا۔ کام ختم ہونے پر بھوک لگی تو ایک ہوٹل میں کھانا کھانے چلا گیا۔ وہاں دیکھا تو ہوٹل میں **لگے ٹی وی پر ایم ٹی اے کی نشریات آ رہی تھیں** اور وہ لوگ، ریکارڈ شدہ میرا خطبہ اس پہ لگا ہوا تھا، وہ سن رہے تھے۔ وہاں کی انتظامیہ سے میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم اکثر یہ چینل دیکھتے ہیں اور اس چینل پر بہت اچھی اچھی باتیں بتائی جاتی ہیں جو ہمارے لیے فائدہ مند ہیں اور ہمیں یہ چینل دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ جماعت کی تبلیغ کے بھی سامان فرما رہا ہے اور غیروں پر خلافت کی اہمیت بھی واضح فرما رہا ہے۔

مالی کے مبلغ عمر معاذ صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں کے جِنِّی ریجن کے ایک ممبر جالا صاحب ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ان کی ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے اس کا کافی علاج کروایا۔ دیسی علاج کے علاوہ ڈاکٹرز کو بھی چیک کروایا۔ کئی مہینے گزرنے کے بعد بھی ہڈیاں جڑ نہیں رہی تھیں تو ان کو اور ان کے رشتہ داروں کو کافی مایوسی ہو گئی تھی کہ اب ان کی ہڈی نہیں **جڑے گی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ خلیفۃ المسیح الخامس نے ان کے** لیے دعا کی اور وہ کہتے ہیں کہ میں رؤیا میں ہی ان کی دعا کے ساتھ ساتھ آمین کہتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں ہوش میں آیا تو میں نے آمین کہہ کر اپنے ہاتھوں کو اپنی ٹانگوں پر پھیرا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد مجھ پر فضل فرمایا اور وہ جو مایوسی پیدا ہو گئی تھی کہ ہڈیاں نہیں جڑ رہی تھیں وہ آہستہ آہستہ جڑنا شروع ہو گئیں اور

اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کبھی میری ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹی تھیں۔ تو اس طرح بھی اللہ تعالیٰ خلافت کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کے سامان پیدا فرماتا ہے۔

غیروں پر کیا اثر ہوتا ہے؟ امیر صاحب کونگو کنشاسا لکھتے ہیں:

کونگو میں اللہ کے فضل سے جماعتی ریڈیو سٹیشن کے علاوہ تیئس مقامی ایف ایم ریڈیو کے ذریعہ ہفتہ وار تبلیغی اور تربیتی پروگرام اور میرا خطبہ جمعہ جو ہے باقاعدہ نشر کیا جاتا ہے۔ باندوندو (Bandundu) کے دو مقامی ٹی وی سٹیشنوں پر براہ راست نشر ہوتا ہے اور خطبہ کا بہت ہی اچھا فیڈ بیک مل رہا ہے۔ ایک مقامی عیسائی ڈاکٹر صاحب سے ایک دن سر راہ ملاقات ہوئی **تو کہنے لگے کہ میں آپ کے امام کا خطبہ سنتا ہوں جو کہ** بہت ہی مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مقامی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کیا کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

تو اللہ تعالیٰ اس طرح بھی اسلام احمدیت کا پیغام پہنچانے کے سامان پیدا فرما رہا ہے۔ غیر اس بات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ خلیفہ وقت کی آواز کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ اس طرح زمین ہموار ہو رہی ہے اور ایک وقت آئے گا جب ان کے سینے بھی کھلیں گے ان شاء اللہ اور یہ احمدیت اور حقیقی اسلام کو پہچان لیں گے۔ پس خلافت کے ساتھ برکات کے جاری رہنے کا جو اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ ہے وہ ایسے عجیب عجیب رنگ میں پورا ہو رہا ہے کہ انسانی سوچ اس کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ اپنوں اور غیروں کے یہ واقعات اور اللہ تعالیٰ کے نشانات خلافت احمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آکر دنیا کو امت واحدہ بنانا تھا اس کی سچائی کا ثبوت نہیں ہے تو اَور کیا ہے! یہ صرف جماعت احمدیہ ہے جو خلافت کے نظام کے تحت آج ساری دنیا میں اسلام کی ترقی اور تبلیغ کا کام کر رہی ہے اور جو ترقیات ہم نامساعد حالات کے باوجود دیکھ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت کا ثبوت ہی تو ہیں۔ اگر نہیں تو اَور کیا ہے! لیکن جس کی آنکھیں اندھی ہیں اس کو نظر نہیں آتا اور نہ آسکتا ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق کہ خلافت علیٰ منہاج نبوت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو گی **اور تا قیامت چلے گی۔ ہمیشہ قائم رہے گی اور کوئی دشمن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔** پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے ایمانوں میں مزید جلا پیدا کریں اور خلافت احمدیہ سے اپنے آپ کو جوڑے رکھیں اور اس کے قائم رکھنے کے لیے کسی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 16/ جون 2023ء جلد 30 شمارہ 96 صفحہ 02 تا 06)

22

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 02/ جون 2023ء بمطابق 02/ احسان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمایا:

بدری صحابہؓ کی سیرت کے پہلو اور ان کا تعارف اور ان کی قربانیاں مَیں ایک سلسلۂ خطبات میں بیان کرتا رہا ہوں۔ بہت سے لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا اور مجھے لکھا کہ **اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہ** بیان کی جائے تو تشنگی رہ جائے گی کیونکہ اصل محور تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جس کے گرد صحابہؓ گھومتے تھے۔ جس کے ساتھ جڑ کر صحابہؓ نے قربانیاں کرنے کے بے مثال معیار حاصل کیے اور نئے نئے اسلوب سیکھے اور توحید کو پھیلانے اور خود اس کا عملی نمونہ بننے کے وہ معیار قائم کیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور اللہ تعالیٰ کے خاص محبوب ہونے کا ثبوت ہے۔ پس آپؐ کی سیرت کا بیان بھی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مختلف وقتوں میں گذشتہ سالوں میں خطبات دیے بھی گئے ہیں لیکن بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایسی ہے کہ اس کے بیان کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایک وصف ایسا ہے کہ جس کا احاطہ کئی خطبات میں بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ سیرت تو ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً بیان ہوتی بھی رہے گی بلکہ ہر خطبہ اور خطاب میں کوئی نہ کوئی پہلو کسی نہ کسی رنگ میں بیان ہوتا بھی رہتا ہے **کیونکہ یہی ہماری زندگی کا محور ہے اور اس کے بغیر ہمارا دین، ہمارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا** اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت پر عمل بھی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس وقت مَیں جنگِ بدر کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے پہلو اور تاریخ کے واقعات بیان کروں گا اور یہ سلسلہ آئندہ کچھ خطبات میں بھی چلے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہی ہے جس نے صحابہؓ کو بے لوث قربانیوں کا جذبہ عطا فرمایا اور یہ جذبہ عطا فرما کر غازیوں اور شہیدوں اور اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور اللہ تعالیٰ کے ان سے راضی رہنے والوں میں شامل فرمایا اور جس کے نمونے ہم نے اپنی زندگیوں میں دیکھے۔ پس اس جنگ کے حوالے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کا بیان ضروری ہے۔

جنگ کے واقعات سے پہلے ان اسباب کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جس وجہ سے جنگ ہوئی۔ اس لیے پہلے میں اس کا کچھ پس منظر بیان کروں گا۔ اس پس منظر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپؐ کی لائی ہوئی خوبصورت تعلیم کے مختلف پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جنگِ بدر کے اسباب بیان کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں جو جو مظالم قریش نے مسلمانوں پر کئے اور جو جو تدابیر اسلام کو مٹانے کی انہوں نے اختیار کیں وہ ہر زمانہ میں ہر قسم کے حالات کے ماتحت کسی دو قوموں میں جنگ چھڑ جانے کا کافی باعث ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سخت تحقیر آمیز استہزا اور نہایت دلآزار طعن و تشنیع کے علاوہ کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو خدائے واحد کی عبادت اور توحید کے اعلان سے جبراً روکا۔ ان کو نہایت بے دردانہ طور پر مارا اور پیٹا، ان کے اموال کو ناجائز طور پر غصب کیا۔ ان کا بائیکاٹ کر کے ان کو ہلاک و برباد کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے بعض کو ظالمانہ طور پر قتل کیا۔ ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی۔ حتیٰ کہ ان مظالم سے تنگ آ کر بہت سے مسلمان مکہ کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن قریش نے اس پر بھی صبر نہ کیا اور نجاشی کے دربار میں اپنا ایک وفد بھیج کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح یہ مہاجرین پھر مکہ میں واپس آ جائیں اور قریش انہیں اسلام سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور یا ان کا خاتمہ کر دیا جاوے۔ پھر مسلمانوں کے آقا اور سردار کو جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے سخت تکالیف پہنچائی گئیں اور ہر قسم کے دکھوں میں مبتلا کیا گیا اور قریش کے بھائی بندوں نے طائف میں خدا کا نام لینے پر آپؐ پر پتھر برسا دیئے حتیٰ کہ آپؐ کا بدن خون سے تربتر ہو گیا اور بالآخر مکہ کی قومی پارلیمنٹ میں سارے قبائلِ قریش کے نمائندوں کے اتفاق سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا جاوے تا کہ اسلام کا نام و نشان مٹ جاوے اور توحید کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو اور پھر اس خونی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نوجوانانِ مکہ جو مختلف قبائل قریش سے تعلق رکھتے تھے رات کے وقت ایک جتھہ بنا کر آپؐ کے مکان پر حملہ آور ہوئے لیکن خدا نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور آپؐ ان کی آنکھوں پر خاک ڈالتے ہوئے اپنے مکان سے نکل آئے اور غارِ ثور میں پناہ لی۔ کیا یہ مظالم اور یہ خونی قراردادیں قریش کی طرف سے اعلانِ جنگ کا حکم نہیں رکھتیں؟ کیا ان مناظر کے ہوتے ہوئے کوئی عقل مند یہ خیال کر سکتا ہے کہ قریش مکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار نہ تھے؟ پھر کیا قریش کے یہ مظالم مسلمانوں کی طرف سے دفاعی جنگ کی کافی بنیاد نہیں ہو سکتے تھے؟ کیا دنیا میں کوئی باغیرت قوم جو خودکشی کا ارادہ نہ کر چکی ہو ان حالات کے ہوتے ہوئے اس قسم کے الٹی میٹم کے قبول کرنے سے پیچھے رہ سکتی ہے جو قریش نے مسلمانوں کو دیا؟ یقیناً یقیناً اگر مسلمانوں کی جگہ کوئی اَور قوم ہوتی تو وہ اس سے بہت پہلے قریش کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر آتی مگر مسلمانوں کو ان کے آقا کی طرف سے صبر اور عفو کا حکم تھا؛ چنانچہ لکھا ہے کہ جب مکہ میں قریش کے مظالم بہت بڑھ گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کے مقابلہ کی اجازت چاہی مگر آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوْا یعنی ’مجھے ابھی تک عفو کا حکم ہے اس لئے میں تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا‘۔ چنانچہ صحابہؓ نے دین کی راہ میں ہر قسم کی تکلیف اور ذلت برداشت کی مگر صبر کے دامن کو نہ چھوڑا حتیٰ کہ قریش کے مظالم کا پیالہ لبریز ہو کر چھلکنے لگ گیا اور خداوند عالم کی نظر میں اتمام حجت کی میعاد پوری ہو گئی۔ تب خدا نے اپنے بندے کو حکم دیا کہ تُو اِس بستی سے نکل جا کہ اب معاملہ عفو کی حد سے گزر چکا ہے اور وقت آ گیا ہے کہ ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہجرت قریش کے الٹی میٹم کے قبول کئے جانے کی علامت تھی اور اس میں خدا کی

طرف سے اعلانِ جنگ کا ایک مخفی اشارہ تھا جسے مسلمان اور کفار دونوں سمجھتے تھے چنانچہ دارالندوہ" جو خانہ کعبہ کے قریب قریش کے مشورہ کی جگہ تھی" کے مشورہ کے وقت جب کسی شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال دیا جاوے تو رؤسائے قریش نے اس تجویز کو اسی بناء پر رد کر دیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل گیا تو پھر ضرور مسلمان ہمارے الٹی میٹم کو قبول کر کے ہمارے خلاف میدان میں نکل آئیں گے اور مدینہ کے انصار کے سامنے بھی جب بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سوال آیا تو انہوں نے فوراً کہا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمام عرب کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلے اور آپؐ نے مکہ کے در و دیوار پر حسرت بھری نگاہیں ڈال کر فرمایا کہ اے مکہ! تو مجھے ساری بستیوں سے زیادہ عزیز تھا مگر تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے تو اس پر حضرت ابو بکرؓ نے بھی یہی کہا کہ انہوں نے خدا کے رسول کو اس کے وطن سے نکالا ہے اب یہ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم رہے آپؐ نے ہر قسم کے مظالم برداشت کئے، لیکن قریش کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی کیونکہ اوّل تو پیشتر اس کے کہ قریش کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی سنت اللہ کے مطابق ان پر اتمامِ حجت ضروری تھا اور اس کے لئے مہلت درکار تھی۔ دوسرے خدا کا یہ بھی منشاء تھا کہ مسلمان اس آخری حد تک عفو اور صبر کا نمونہ دکھلائیں کہ جس کے بعد خاموش رہنا خود کشی کے ہم معنی ہو جاوے جو کسی عقل مند کے نزدیک مستحسن فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ تیسرے مکہ میں قریش کی ایک قسم کی جمہوری حکومت قائم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شہریوں میں سے ایک شہری تھے۔ پس حسنِ سیاست کا تقاضا تھا کہ جب تک آپؐ مکہ میں رہیں آپؐ اس حکومت کا احترام فرمائیں اور خود کوئی امن شکن بات نہ ہونے دیں اور جب معاملہ عفو کی حد سے گزر جاوے تو آپؐ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔ چوتھے یہ بھی ضروری تھا کہ جب تک خدا کی نظر میں آپؐ کی قوم اپنی کارروائیوں کی وجہ سے عذاب کی مستحق نہ ہو جاوے اور ان کو ہلاک کرنے کا وقت نہ آ جاوے آپؐ ان میں مقیم رہیں اور جب وہ وقت آ جاوے تو آپ وہاں سے ہجرت فرما جائیں کیونکہ سنت اللہ کے مطابق نبی جب تک اپنی قوم میں موجود ہو ان پر ہلاک کر دینے والا عذاب نہیں آتا۔ اور جب ہلاکت کا عذاب آنے والا ہو تو نبی کو وہاں سے چلے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ ان وجوہات سے آپؐ کی ہجرت اپنے اندر خاص اشارات رکھتی تھی مگر افسوس کہ ظالم قوم نے نہ پہچانا اور ظلم و تعدّی میں بڑھتی گئی ورنہ اگر اب بھی قریش باز آ جاتے اور دین کے معاملہ میں جبر سے کام لینا چھوڑ دیتے اور مسلمانوں کو امن کی زندگی بسر کرنے دیتے تو خدا ارحم الراحمین ہے اور اس کا رسول بھی رحمۃٌ للعالمین تھا یقیناً اب بھی انہیں معاف کر دیا جاتا اور عرب کو وہ کشت و خون کے نظارے نہ دیکھنے پڑتے جو اس نے دیکھے، مگر تقدیر کے نوشتے پورے ہونے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت نے قریش کی عداوت کی آگ پر تیل کا کام دیا اور وہ آگے سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان غریب اور کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے علاوہ جو ابھی تک مکہ میں ہی تھے سب سے پہلا کام جو قریش نے کیا وہ یہ تھا کہ جونہی کہ ان کو یہ علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے بچ کر نکل

گئے ہیں وہ آپؐ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے اور وادی بکہ کی چپہ چپہ زمین آپؐ کی تلاش میں چھان ماری اور خاص غارِ ثور کے منہ تک بھی جا پہنچے مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نصرت فرمائی اور قریش کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ عین منزلِ مقصود تک پہنچ کر خائب وخاسر واپس لوٹ گئے۔ جب وہ اس تلاش میں مایوس ہوئے تو انہوں نے عام اعلان کیا کہ جو شخص بھی محمد (صلعم) کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو اونٹ جو آج کل کی قیمت کے حساب سے قریباً بیس ہزار روپیہ بنتا ہے انعام دیا جائے گا۔" اس زمانے میں جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا یہ 1931ء کی بات ہے۔ آج کل تو یہ کروڑوں کی بات ہے۔ اس کو ایک سو اونٹ دیے جائیں گے۔ کروڑوں کے انعام کا لالچ تھا۔ "اور اس انعام کے لالچ میں مختلف قبائل کے بیسیوں نوجوان آپؐ کی تلاش میں چاروں طرف نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ سراقہ بن مالک کا تعاقب... اسی انعامی اعلان کا نتیجہ تھا مگر اس تدبیر میں بھی قریش کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غور کیا جاوے تو دو قوموں میں جنگ چھڑ جانے کے لئے صرف یہی ایک وجہ کافی ہے کہ کسی قوم کے آقا و سردار کے متعلق دوسری قوم اس طرح کا انعام مقرر کرے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 298 تا 300)

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے چلے آئے تو قریش نے مدینہ کے رئیس عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے نام ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ انہوں نے لکھا کہ تم نے ہمارے ساتھی کو پناہ دی ہے اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ضرور تم اس سے جنگ کرو یا اسے جلاوطن کر دو یا ہم سب متحد ہو کر تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے جنگجوؤں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے ماتحت کر لیں گے۔ جب یہ خط عبد اللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں کو ملا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپؐ ان سے ملے اور فرمایا قریش نے جو دھمکی تمہیں دی ہے وہ تمہارے خیال میں بہت بڑی دھمکی ہے حالانکہ وہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جس قدر تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچا لو گے۔ تم چاہتے ہو کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہو چکے تھے۔ جب یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ باتیں سنیں تو وہ تو اِدھر اُدھر چلے گئے اور اس کو چھوڑ گئے۔

(سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی خبر النضیر حدیث نمبر 3004)

اسی طرح قریش مکہ نے قبائل عرب کا دورہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ان کو اکسانا شروع کیا۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے کہ "پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جب قریش نے دیکھا کہ اوس و خزرج مسلمانوں کی پناہ سے دستبردار نہیں ہوتے اور اندیشہ ہے کہ اسلام مدینہ میں جڑ نہ پکڑ جاوے تو انہوں نے دوسرے قبائل عرب کا دورہ کر کر کے ان کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا شروع کر دیا اور چونکہ بوجہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے قریش کا سارے قبائل عرب پر ایک خاص اثر تھا اس لئے قریش کی انگیخت سے کئی قبائل مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے اور مدینہ کا یہ حال ہو گیا کہ گویا اس کے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 301)

چنانچہ ایک روایت میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ میں تشریف لائے اور انصار نے انہیں پناہ دی تو تمام عرب ایک قوس کی مانند یعنی ایک جان ہو کر ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ ان دنوں مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ راتوں کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے اور دن کو بھی ہتھیار لگائے پھرتے تھے اور وہ ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ دیکھیے ہم اس وقت تک بچتے بھی ہیں یا نہیں کہ ہمیں امن کی راتیں گزارنے کا موقع ملے گا اور اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ رہے گا۔

(المستدرك على الصحيحين كتاب التفسير، تفسير سورة النور حديث 3512 جلد2 صفحہ435 دار الكتب العلمية2002ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہؓ **بیان کرتی ہیں کہ جب شروع شروع میں** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دشمن کے حملہ کے اندیشہ سے آپؐ راتوں کو جاگا کرتے تھے۔

(السنن الكبرىٰ للنسائی كتاب المناقب، سعد ابن مالك، حديث 8217 جلد5 صفحہ 61 دار الكتب العلمية بيروت1991ء)

اسی زمانے کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الانفال:27)

مسلمانو! وہ زمانہ یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اور ملک میں بہت کمزور سمجھے جاتے تھے اور تمہیں یہ خوف لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک کر تباہ کر دیں۔ پھر خدا نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہارے لیے پاکیزہ رزق کے دروازے کھولے۔ پس تمہیں شکر گزار ہو کر رہنا چاہیے۔ یہ بیرونی خطرات تھے جن کا قرآن کریم میں ذکر تھا۔ مدینہ کے اندر بھی حالات اتنے سازگار نہ تھے۔ جیسا کہ اس بارے میں مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ:

"مدینہ کے اندر یہ حالت تھی کہ ابھی تک ایک معتدبہ حصہ اوس و خزرج کا شرک پر قائم تھا اور گو وہ بظاہر اپنے بھائی بندوں کے ساتھ تھے لیکن ان حالات میں ایک مشرک کا کیا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ پھر دوسرے نمبر پر منافقین تھے جو بظاہر اسلام لے آئے تھے مگر درپردہ وہ اسلام کے دشمن تھے اور مدینہ کے اندر ان کا وجود خطرناک احتمالات پیدا کرتا تھا۔ تیسرے درجہ پر یہود تھے جن کے ساتھ گو ایک معاہدہ ہو چکا تھا مگر ان یہود کے نزدیک معاہدہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ غرض اس طرح خود مدینہ کے اندر ایسا مواد موجود تھا جو مسلمانوں کے خلاف ایک مخفی ذخیرۂ بارود سے کم نہ تھا اور قبائل عرب کی ذرا سی چنگاری اس بارود کو آگ لگانے اور مسلمانانِ مدینہ کو بھک سے اڑا دینے کے لئے کافی تھی۔ اس نازک وقت میں جس سے زیادہ نازک وقت اسلام پر کبھی نہیں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی وحی نازل ہوئی کہ اب تمہیں بھی ان کفار کے مقابلہ میں تلوار استعمال کرنی چاہئے جو تمہارے خلاف تلوار لے کر سراسر ظلم و تعدی سے میدان میں نکلے ہوئے ہیں اور جہاد بالسیف کا اعلان ہو گیا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 302)

"جہاد بالسیف کے متعلق سب سے پہلی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر 12 صفر سنہ 2ھ مطابق

15/ اگست سنہ 623ء کو نازل ہوئی جبکہ آپؐ کو مدینہ میں تشریف لائے قریباً ایک سال کا عرصہ گزرا تھا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 303)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق آیت کی یہ تاریخ بنتی ہے کیونکہ اس سورت کے بارے میں ہے کہ کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا کچھ مدینہ میں لیکن بہرحال مختلف روایات ہیں اس آیت کے نزول کے بارے میں۔ یہ بھی روایت ہے کہ ہجرت کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

(تفسیر قرطبی ، تفسیر سورۃ الحج زیر آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ صفحہ 2110)

کیونکہ مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ ہی عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ارد گرد قریش کے قافلوں کی روک تھام اور دیگر حفاظتی امور کے لیے مسلح پارٹیاں بھیجنی شروع کر دی تھیں۔ بہرحال ہجرت کی ابتدا میں یہ آیت نازل ہوئی یا سال گزرنے کے بعد لیکن یہ پہلی اجازت تھی مذہب کے خلاف جنگ کرنے والوں کے جواب میں جنگ کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکومت سے باہر آ گئے تھے جس کے تحت پہلے رہتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکومت میں رہتے ہوئے کوئی جنگ نہیں کی جا سکتی تھی اور آپؐ کی اپنی ایک حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی سورہ حج کی آیت ہے بلکہ دو آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (سورۃ الحج:40-41) ان لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کا دفاع ان میں سے بعض کو بعض دوسروں سے بھڑا کر نہ کیا جاتا تو راہب خانے منہدم کر دیے جاتے اور گرجے بھی اور یہود کے معابد بھی اور مساجد بھی جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور اور کامل غلبہ والا ہے۔ یعنی تمام مذاہب کی یہاں حفاظت کی گئی ہے۔ ہر مذہب کی عبادت گاہ کا نام لے کر۔ جہاد فرض ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ابتداءً چار تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ ان تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ:

"اوّل آپؐ نے خود سفر کر کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ باہمی امن وامان کے معاہدے کرنے شروع کئے تا کہ مدینہ کے ارد گرد کا علاقہ خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔ اس امر میں آپؐ نے خصوصیت کے ساتھ ان قبائل کو مدنظر رکھا جو قریش کے شامی رستے کے قرب وجوار میں آباد تھے کیونکہ جیسا کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے یہی وہ قبائل تھے جن سے قریش مکہ مسلمانوں کے خلاف زیادہ مدد لے سکتے تھے اور جن کی دشمنی مسلمانوں کے واسطے سخت خطرات پیدا کر سکتی تھی۔ دوم آپؐ نے چھوٹی چھوٹی خبر رساں پارٹیاں مدینہ کے مختلف جہات میں روانہ کرنی

شروع فرمائیں تا کہ آپؐ کو قریش اور ان کے حلفاء "حلیف جو تھے ان" کی حرکات و سکنات کا علم ہوتا رہے اور قریش کو بھی یہ خیال رہے کہ مسلمان بے خبر نہیں ہیں اور اس طرح مدینہ اچانک حملوں کے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔ سوم ان پارٹیوں کے بھجوانے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ تا اس ذریعہ سے مکہ اور اس کے گرد و نواح کے کمزور اور غریب مسلمانوں کو مدینہ کے مسلمانوں میں آملنے کا موقع مل جاوے۔ ابھی تک مکہ کے علاقہ میں کئی لوگ ایسے موجود تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر قریش کے مظالم کی وجہ سے اپنے اسلام کا برملا طور پر اظہار نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنی غربت اور کمزوری کی وجہ سے ان میں ہجرت کی طاقت تھی کیونکہ قریش ایسے لوگوں کو ہجرت سے جبراً روکتے تھے..... چوتھی تدبیر آپؐ نے یہ اختیار فرمائی کہ آپؐ نے قریش کے ان تجارتی قافلوں کی روک تھام شروع فرما دی جو مکہ سے شام کی طرف آتے جاتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے۔ کیونکہ..... یہ قافلے جہاں جہاں سے گزرتے تھے مسلمانوں کے خلاف عداوت کی آگ لگاتے جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ مدینہ کے گرد و نواح میں اسلام کی عداوت کا تخم بویا جانا مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک تھا....."

پھر یہ کہ "یہ قافلے ہمیشہ مسلح ہوتے تھے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے قافلوں کا مدینہ سے اس قدر قریب ہو کر گزرنا ہرگز خطرہ سے خالی نہیں تھا....." پھر یہ بات بھی ہے کہ "قریش کا گزارہ زیادہ تر تجارت پر تھا اور اندریں حالات قریش کو زیر کرنے اور ان کو ان کی ظالمانہ کارروائیوں سے روکنے اور صلح پر مجبور کرنے کا یہ سب سے زیادہ یقینی اور سریع الاثر ذریعہ تھا کہ ان کی تجارت کا راستہ بند کر دیا جاوے۔ چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جن باتوں نے بالآخر قریش کو صلح کی طرف مائل ہونے پر مجبور کیا ان میں ان کے تجارتی قافلوں کی روک تھام کا بہت بڑا دخل تھا۔ پس یہ ایک نہایت دانشمندانہ تدبیر تھی جو اپنے وقت پر کامیابی کا پھل لائی....." پھر "قریش کے ان قافلوں کا نفع بسا اوقات اسلام کو مٹانے کی کوشش میں صرف ہوتا تھا بلکہ بعض قافلے تو خصوصیت کے ساتھ اسی غرض سے بھیجے جاتے تھے کہ ان کا سارا نفع مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔" تجارت جو ہوتی تھی اسلام کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کمائی کرنے کے لیے تجارت کی جاتی تھی۔ "اس صورت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان قافلوں کی روک تھام خود اپنی ذات میں بھی ایک بالکل جائز مقصود تھی۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 323 تا 324)

بہر حال یہ سلسلہ ابھی چلے گا باقی ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گا۔ اس وقت **میں** چند مرحومین کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی نماز جنازہ ادا ہو گی۔ ان میں سے ایک جنازہ حاضر ہے جو مکرم خواجہ منیر الدین قمر صاحب کا ہے باقی جنازہ غائب ہیں۔ خواجہ منیر الدین قمر صاحب یہیں یوکے میں رہتے تھے۔ 27/ مئی کو 86 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی ان کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت میاں خیر الدین سیکھوانی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ آپ کے والد مولانا قمر الدین صاحب کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چھوٹی عمر میں دیکھا ہے اور انہوں نے آپ کو چھوٹی عمر میں دیکھا ہے۔ بہت

بچپنا تھا۔ بہر حال ان کے والد مولوی قمر الدین صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کے پہلے مرکزی صدر تھے۔ جب ہندوستان پاکستان کی پارٹیشن ہوئی تو یہ لوگ پاکستان شفٹ ہو گئے۔ پھر خواجہ منیر الدین صاحب کچھ عرصہ کے لیے تنزانیہ افریقہ چلے گئے۔ ربوہ میں بھی آپ کو مختلف حیثیت سے جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق ملی پھر یہ 1966ء میں اپنی فیملی کے ہمراہ یوکے آ گئے اور یہاں مسجد فضل کے نزدیک ان کی رہائش تھی۔ پرانے سب لوگ ان کو جانتے ہیں۔ خلافتِ رابعہ کے دور میں انہیں لمبے عرصہ تک مسجد فضل میں جمعہ کی اذان دینے کی بھی توفیق ملی۔ مرحوم نے بطور صدر جماعت مسجد فضل لندن اور پٹنی خدمت بجالانے کی توفیق بھی پائی۔ 1995ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد زندگی وقف کر دی اور گذشتہ انیتس سال سے طوعی طور پر پہلے یہاں وکالت تبشیر میں اور بعد میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری یوکے میں خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ وفات سے ایک دن قبل بھی نماز ظہر سے پہلے تک دفتر میں کام کرتے رہے پھر نماز ادا کرنے کے بعد گھر واپس آئے تھے۔ پنجوقتہ نمازوں کے پابند، بہت خاموش طبع، ہمدرد، ملنسار، نیک اور مخلص، باوفا انسان تھے۔ مرحوم موصی بھی تھے۔ اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور بہت سے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہیں۔ امیر صاحب یوکے، کے ماموں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ یہ تو جنازہ حاضر ہے جو ان شاء اللہ ادا ہو گا۔

دوسرے جو جنازے غائب ہیں ان میں ایک جنازہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کا ہے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور محمودہ بیگم صاحبہ کے بیٹے تھے اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے نواسے تھے۔ ان کی اناسی (79) سال کی عمر میں گذشتہ دنوں میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ابتدائی تعلیم ان کی ربوہ کی تھی۔ پھر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا۔ پھر کچھ دیر ربوہ کے ہسپتال میں کام کیا۔ پھر یہاں پڑھنے کے لیے یوکے آئے اور رائل کالج آف سرجنز ایڈنبرا میں انہوں نے 1970ء میں پوسٹ گریجوایشن کی اور ایف آر سی ایس کیا۔ پھر واپس گئے اور وقف تھے تو وہاں فضل عمر ہسپتال میں خدمات بجالاتے رہے۔ تقریباً پچاس سال ان کو فضل عمر ہسپتال میں خدمت کی توفیق ملی۔ وہاں نصرت جہاں کے تحت کام کرنے والے واقفین زندگی ڈاکٹروں میں سب سے زیادہ لمبا عرصہ انہوں نے خدمت کی۔ شاید اس سے زیادہ عرصہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کا بھی ہو لیکن بہر حال ان کو پچاس سال خدمت کی توفیق ملی۔ 1983ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے انہیں وقف جدید بورڈ کا ممبر بھی مقرر فرمایا اور تا وفات وقف جدید بورڈ کے ممبر رہے۔

ان کی اہلیہ لکھتی ہیں کہ رشتوں کو بہت نبھانے والے تھے۔ بہت خیال رکھنے والے تھے۔ ماں باپ، بہن بھائی، عزیز رشتہ داروں، میرے ماں باپ اور رشتہ داروں سب کے ساتھ مجھے نہیں یاد کہ کوئی موقع خوشی یا غمی کا کبھی چھوڑا ہو اور ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے تھے کبھی رشتوں کو نبھانے میں سستی نہیں دکھائی اور گھر کے جتنے بڑے بزرگ تھے ان کے علاج کی بھی آپ کو توفیق ملی۔ گھروں میں بیماروں کی بیمار پرسی کرنے کے لیے جاتے۔ اسی طرح ضرورت مندوں کی ہر طرح مدد کرتے تھے۔ کسی سوالی کو کبھی انکار نہیں کیا۔ بہت سی بچیوں کو تعلیم دلائی اور

شادیوں تک ان کے تمام اخراجات اٹھائے۔ بعض بچیوں نے تو مجھے بھی لکھا ہے۔ یہ ان کے گھر میں بھی رہیں اور بچوں کی طرح پالا اور اس کے بعد ان کی شادیاں کیں۔ مریضوں کی فیس وغیرہ بھی معاف کر دیا کرتے تھے۔ کئی لوگوں نے اس بارے میں بھی مجھے لکھا ہے بلکہ اپنے پاس سے دوائیاں اور رقم بھی دے دیتے تھے۔ خلفاء کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ ایک تو یہ بھی تھا کہ اب تک جتنی بھی خلافتیں آئی ہیں ان کے ساتھ رشتہ داری کا بھی تعلق تھا دوسرا ادب اور احترام کا بھی بہت زیادہ تعلق تھا اور بچوں کو بھی اسی کا کہتے رہتے تھے اور خود بھی عمل کر کے دکھایا۔ میرے سے چھ سات سال بڑے تھے لیکن خلافت کے بعد ہمیشہ ادب اور احترام مَیں نے دیکھا ہے بلکہ اس سے پہلے بھی جب میں ناظر اعلیٰ تھا تو بہت ادب اور احترام والا ان کا رویہ ہوتا تھا۔

ان کی اہلیہ لکھتی ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بیگم کی جو آخری بیماری تھی اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا فون آیا کہ ڈاکٹر مبشر کو فوری بھجواؤ تو کہتے ہیں راتوں رات ہی یہ پیغام سن کر وہ نکل گئے اور ان کی وفات تک پھر وہیں موجود رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مکرمہ حضرت آصفہ بیگم صاحبہ کی وفات پر فرمایا تھا کہ مبشر مجھے لفٹ کے قریب لینے آیا تو میں مبشر کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اہلیہ کی وفات ہو گئی ہے کیونکہ یہ مجھے پتا ہے کہ ان کی طبیعت خراب ہوتی تو پھر مبشر ان کو کبھی اکیلا نہ چھوڑتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بیماری میں بھی آپ علاج کے لیے یوکے آجاتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی ایک جگہ اپنی بیماری کے دوران میں ان کی خدمات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کی اہلیہ لکھتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی کوئی غلط شکایت ہوئی اس کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی بنی۔ اس وقت بھی آپ نے خلیفۂ وقت کا اور نظام کا احترام کیا اور کوئی بھی نامناسب بات اور رویہ نہیں دکھایا اور کمیٹی نے پھر ساری تحقیق کی اور آپ کو اس معاملے میں بری قرار دیا۔ ان کے بیٹے نے لکھا کہ چنیوٹ اور ارد گرد کے علاقے سے بعض مخالفین بھی چھپ کر گھر آ کر علاج کروایا کرتے تھے اور بہت سارے غیر احمدی ان کے مریض تھے۔ میں بھی جانتا ہوں۔ علاقے کے بے شمار لوگوں کا آپ نے علاج کیا اور اس کی وجہ سے ربوہ کا بھی، ہسپتال کا بھی علاقے میں بہت تعارف تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی آخری بیماری میں دوائی پینے کے لیے جو چمچ استعمال کیا کرتے تھے وہ چمچہ چھوٹا سا چائے کا چمچ تھا۔ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ حضرت اُمّ ناصر کو یہ کہتے ہوئے دیا تھا کہ جو بیٹا ڈاکٹر بنے اس کو دے دینا تو وہ چمچ آپ کے والد ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو ملا اور اس کے بعد وہ چمچ آپ کے پاس تھا۔ بعض دفعہ برکت کی خاطر ڈاکٹر مبشر صاحب اپنے مریضوں کو بھی اس سے دوائی پلا دیا کرتے تھے۔ آپ کے افسوس پر آنے والوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے لیکن بہت بھاری اکثریت ان لوگوں کی تھی جو غریب طبقہ تھا اور بار بار اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ میاں صاحب ہمارے محسن تھے۔ کسی کا علاج انہوں نے کیا تھا اور کسی کا خیال کسی اَور طریقے سے رکھا تھا۔ بہت سارے علاقے کے زمیندار ہیں ان کی عورتیں، ان کی بہنیں علاج کے لیے آتی تھیں اور زمینداروں نے آ کر پھر اظہار کیا کہ کس طرح ہمارا انہوں نے خیال رکھا اور یہ سب جو غیر احمدی تھے یہ بھی آ کے رو رہے تھے کہ ہمارے سر سے باپ اٹھ گیا۔ پھر ہمارا ہسپتال کا عملہ جو ہے ان کی اکثریت نے مجھے بھی لکھا ہے کہ ہمارا ہسپتال یتیم ہو گیا اور سب نے بڑی تکلیف کا اظہار کیا،

افسوس کا اظہار کیا ہے۔ بہر حال ہر ایک سے تعلق نبھایا۔ غریبوں کا خیال رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ جاتے ہوئے فرمایا تھا کہ فوت شدہ کی جو تعریف کرے تو پھر جنت واجب ہو گئی۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت حدیث1367)

اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کا مصداق بنائے۔ ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب کہتے ہیں میرے علم کے مطابق جماعت میں سب سے زیادہ سروس کرنے والے ڈاکٹر کا اعزاز ان کو حاصل ہے اور وہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں آپ نے کام شروع کیا اس زمانے میں کوئی مددگار کمپاؤنڈر وغیرہ یا ہیلپر وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ خود ہی کنڈی لگانی ہوتی تھی، کھولنا ہوتا تھا، مریض کو بلانا ہوتا تھا، دیگر کام بھی خود کرنے ہوتے تھے۔ اکیلے ہی آپریشن تھیٹر کو بھی مینیج (manage) کرنا ہوتا تھا۔ انیستیزیا (Anaesthesia) دینے والا کوئی نہیں تھا وہ کام بھی خود ہی کرنا پڑتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے سٹاف کو ٹریننگ دی اور اس کے بعد ہسپتال کا بڑا نام ہو گیا اور کہتے ہیں کہ انفیکشن کی ریشو بھی کسی بھی پرائیویٹ ہسپتال سے کم تھی۔ اکثر مریض جو تھے وہ کامیاب علاج کے بعد ہسپتال سے رخصت ہوتے تھے اور بہر حال انہوں نے مریضوں سے ان کا جو رویہ تھا وہ دیکھا ہے اور غیر احمدی مریض بھی میں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں بہت عزت کرنے والے تھے۔

ڈاکٹر منیر مبشر صاحب جو سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کی طبی خدمات کا ایک وسیع سلسلہ دیکھا ہے جو نہ صرف ربوہ والوں پر بلکہ ارد گرد کے تمام علاقوں پر محیط تھا۔ کہتے ہیں میری ساری ملازمت ربوہ کے مضافات میں رہی ہے۔ یہ سرکاری ہسپتالوں میں، ربوہ کے چھوٹے ہسپتالوں میں تعینات رہے ہیں۔ کہتے ہیں تقریباً ہر گاؤں اور ہر شہر کے بہت سے لوگ آپ کے معتقدین میں سے تھے اور جیسا کہ میں نے کہا یہی وجہ ہے کہ بے شمار غیر از جماعت افراد ان کی وفات پر افسوس کے لیے آئے۔

ڈاکٹر نوری صاحب نے لکھا کہ ربوہ میں اکیلے رہنے والے ایک بزرگ مریض نے ڈاکٹر مبشر صاحب کی تصویر اپنے کمرے میں لٹکائی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نوری صاحب ان کو دیکھنے گئے تو بڑی تعریف اور احترام کے ساتھ اس مریض نے بتایا کہ ڈاکٹر مبشر اکثر میرے گھر آتے اور میری خیریت اور صحت کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ اللہ ان کو سلامت رکھے۔ اس وقت ان کی زندگی کی بات ہے۔ ان کی خصوصیات خدمات اور مریضوں کے جذبات کے اتنے خطوط ہیں کہ میرے لیے وہ بیان کرنا تو ممکن نہیں۔ خلافت سے بھی غیر معمولی وفا کا تعلق تھا جیسا کہ پہلے بھی میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے انتہا مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔

تیسرا جنازہ جو ہے، یہ دوسرا غائب جنازہ ہے مکرمہ سیدہ امۃ الباسط صاحبہ جو سید محمود احمد صاحب اسلام آباد کی اہلیہ تھیں۔ گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحب کی پوتی تھیں اور محترم سید عبد الرزاق شاہ صاحب کی بیٹی تھیں۔ حضرت ام طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھتیجی تھیں۔ مرحومہ کے والد عبد الرزاق شاہ صاحب نے پہلی آئرش احمدی خاتون حنیفہ شاہ صاحبہ جن کا پہلا نام کیتھرین اوبرائن (Catherine O Brien) تھا ان سے شادی کی تھی اور یہ شادی 1945ء میں نیروبی کینیا میں ہوئی تھی۔

پھر ان کی یہ والدہ پاکستان بھی آ گئیں اور پاکستان میں شاہ صاحب سندھ میں تعینات رہے اور وہاں اس چھوٹے سے گاؤں میں انہوں نے باوجود یکہ آئرلینڈ کی تھیں بڑی قربانی سے گزارا کیا اور ان کے بچے بھی انتہائی قربانیاں کرنے والے تھے جن میں سے ایک یہ امۃ الباسط صاحبہ ہیں۔

ان کے خاوند سید محمود شاہ صاحب کہتے ہیں کہ نمازوں کی پابند اور خصوصاً تہجد بہت باقاعدگی سے پڑھتی تھیں اور بچپن سے ہی نماز تہجد اپنے والد صاحب کے ساتھ پڑھتی رہیں۔ آپ دینی شعائر کی پابند اور دیندار خاتون تھیں۔ ہمیشہ غریبوں اور ناداروں کی امداد کرتی تھیں۔ پردے کی بہت سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں شوہر کے علاوہ ایک بیٹی اور دو بیٹے چھوڑے ہیں۔ ان کے ایک بیٹے سید بشیر احمد تو یہیں رہتے ہیں اور ایک بیٹے سید شاہد احمد ہیں۔ بیٹی ان کی امریکہ میں ہیں۔ ان کی بیٹی مجیدہ ملک جو ڈاکٹر عامر ملک صاحب امریکہ کی اہلیہ ہیں کہتی ہیں کہ والدہ ہر دلعزیز اور سدا بہار شخصیت کی مالک تھیں۔

جو بھی ان سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ خلافت سے دلی محبت رکھنے والی تھیں۔ بہت نفیس طبع، سلیقہ شعار اور اچھے اخلاق کی مالک تھیں۔ اپنی تکلیف کا کبھی کھل کر اظہار نہیں کرتی تھیں۔ غریب پروری اور صدقہ خیرات میں بھی آگے آگے تھیں۔ بچیوں کی شادیوں کے لیے مدد، غرباء کے گھروں میں راشن دینا، یتیموں کی پڑھائی کا خرچہ، غریبوں کو کھانا کھلانا غرضیکہ اپنا وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد میں صرف کرتیں چاہے وہ دعا کی شکل میں ہو یا صدقہ کی شکل میں۔ زیادہ تر خدا کی باتیں اور الٰہی نصرت کی باتیں کرنا پسند کرتیں اور دوستی بھی ایسے لوگوں سے ہوتی جو خدا سے محبت کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ان سے ایک خاص سلوک تھا۔

ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول بھی فرماتا تھا اور اللہ تعالیٰ بہت سی باتوں میں بہت سی دعاؤں کی قبولیت کی پہلے ہی ان کو اطلاع بھی دے دیتا تھا۔ سخت بیماری میں بھی نماز نہیں چھوڑی اور ہمہ وقت نظر گھڑی پر رہتی کہ کہیں نماز نہ چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند فرمائے۔ ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور یہ تیسرا جنازہ غائب جو ہے وہ مکرم شریف احمد بندیشہ صاحب کا ہے جو پاکستان کے چک نمبر 261 ر۔ب ادھووالی فیصل آباد کے صدر جماعت تھے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے بیٹے رحمت اللہ بندیشہ صاحب مربی سلسلہ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دادا جان ابھی دو تین ماہ کے تھے کہ آپ کے والدین اور دیگر تمام قریبی عزیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ایامِ طاعون میں وفات پا گئے تو اس وقت دادا جان کی ایک دُور کی رشتہ دار احمدی فیملی نے ان کی ابتدائی ایام میں پرورش کی۔

بعد میں تحصیل بٹالہ کے ایک قاضی کے فیصلہ کے مطابق ایک اَور نسبتاً زیادہ قریبی احمدی فیملی میں پرورش پائی اور اس طرح آپ آغاز سے ہی احمدی ماحول میں پرورش پاتے ہوئے جماعت احمدیہ میں شامل رہے۔ مرحوم کم و بیش پچیس سال تک گاؤں میں صدر جماعت رہے۔ بے شمار خوبیوں کے مالک ایک درویش صفت انسان تھے۔ عبادات میں اونچے درجہ کا معیار رکھنے والے، بے کسوں اور خصوصیت سے عزیز و اقارب کی مدد کرنے والے،

نظام جماعت اور خلافت سے بے حد محبت کرنے والے انسان تھے۔

پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے جیسا کہ میں نے بتایا رحمت اللہ بندیشہ صاحب مبلغ سلسلہ ہیں جو آج کل جامعہ احمدیہ جرمنی میں بطور استاد خدمت کی توفیق پا رہے ہیں اور اپنے گاؤں کے مخالفانہ حالات کی وجہ سے اپنے والد کے جنازے اور تدفین میں بروقت شامل نہیں ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند فرمائے اور تمام بچوں کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 23/ جون 2023ء جلد 30 شمارہ 102 صفحہ 02 تا 06)

23

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 09/ جون 2023ء بمطابق 09/ احسان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

ہجرت کے بعد کے ابتدائی حالات، جنگِ بدر کے اسباب اور کفارِ مکہ کی کارروائیوں کے خلاف عمل اور ان کے بد منصوبوں کو روکنے کے لیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کارروائی فرمائی اس کا کچھ ذکر ہوا تھا۔ اب جنگِ بدر سے قبل کچھ سرایا اور غزوات بھی ہوئے ان کا مختصر اَذکر پہلے کروں گا۔ پھر کفارِ مکہ کی جنگ کے لیے تیاری کے کچھ حالات بھی بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

سَرِیَّہ حضرت حمزہ۔ یہ پہلا سریہ تھا جو رمضان ایک ہجری میں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھیجا۔ اسے سَرِیَّہ سیف البحر کہتے ہیں۔ اس کا جھنڈا سفید تھا اور اس کے علمبردار ابو مرثد غَنَوِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ سریہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سنہ ایک ہجری میں بھیجا اور اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو اس کا امیر بنایا۔ ان کے ساتھ تیس مہاجر سوار تھے۔ یہ لوگ عِیْص کے اطراف میں بحیرۂ احمر کے ساحل تک گئے اور قریش کا ایک قافلہ جو ابو جہل کی سرکردگی میں شام سے آرہا تھا اس سے سامنا ہوا۔ عِیْص رَابِغ کے شمال میں تقریباً تیس کلو میٹر کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جو ثَنِیَّۃُ المَرَہ کے نواح میں ہے اور مدینہ منورہ سے رَابِغ کا فاصلہ تقریباً دو سو چالیس کلو میٹر ہے۔ یہاں ذُنَابَۃُ العِیْص نامی ایک چشمہ تھا جس کے اردگرد کیکر وغیرہ کے درختوں کی کثرت تھی اس وجہ سے اسے عیص کہا جاتا ہے۔ یہاں بنو سُلَیم آباد تھے۔ شام جانے والے قریش کے تجارتی قافلے ادھر سے گزرتے تھے۔ بہر حال دونوں فریق صف آرا ہو گئے۔ آمنا سامنا ہو گیا اور قریب تھا کہ جنگ ہو جاتی لیکن قبیلے کے ایک رئیس نے بیچ بچاؤ کروا دیا اور دونوں فریق واپس چلے گئے۔

(اٹلس سیرت نبوی صفحہ193 ، 194 مطبوعہ دار السلام ریاض 1424ھ)

پھر **سَرِیَّہ عُبیدہ بن حارث** ہے۔ شوال سنہ ایک ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو ساٹھ مہاجرین کی کمان دے کر رَابِغ کے قریب ثَنِیَّۃُ المَرَہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں ابو سفیان اور اس کے دو سو سواروں سے ان کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں طرف سے چند تیر چلائے گئے مگر باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس دن سب سے پہلے تیر چلایا۔ اس سے پہلے کبھی مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان تیر اندازی بھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا یہ **اسلامی تاریخ کا پہلا تیر تھا** جس پر حضرت سعدؓ کو بجا طور پر فخر تھا۔ پھر فریقین

واپس اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔ ثَنِیَّۃُ المَرَہ رَابغ شہر کے شمال مشرق میں تقریباً پچپن کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ دو سو کلو میٹر ہے۔

(اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ196 مطبوعہ دارالسلام ریاض 1424ھ)

پھر سریہ حضرت سعد بن ابی وقاص ہے۔ سنہ ایک ہجری اور بعض کے بقول سنہ دو ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بیس آدمیوں کا امیر بنا کر روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہ خَرَّار وادی سے آگے نہ جائیں۔ وہ پیدل چلتے گئے۔ دن کو چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے۔ یہاں تک کہ وہ خَرَّار تک پہنچ گئے۔ ان کا مقصد قریش کے تجارتی قافلے کو روکنا تھا لیکن جب یہ دستہ خَرَّار پہنچا تو انہیں پتہ چلا کہ قافلہ کل یہاں سے گزر گیا ہے لہٰذا وہ بغیر کسی تصادم کے واپس آ گئے۔ خَرَّار کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں آواز کے ساتھ بہنے والا پانی اور خَرَّار حجاز کے علاقے میں جُحْفَہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔

(اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ199 مطبوعہ دار السلام ریاض 1424ھ)

پھر غزوۂ وَدَّان یا غزوۂ اَبْوَاء صفر دو ہجری کا ہے۔ صفر سنہ دو ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ ستر مہاجرین کے ساتھ اَبْوَاء یا وَدّان کی طرف گئے۔ مؤرخ ابن سعد کے نزدیک یہ پہلا غزوہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عُبَادہؓ کو مدینے میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپؐ اَبْوَاء کے مقام تک پہنچے۔ آپؐ کا ارادہ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنا تھا لیکن وہ آپؐ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ یہاں آپؐ نے بنو ضَمْرَہ کے سردار مَخْشِی بن عَمْرو ضَمْرِی کے ساتھ معاہدۂ صلح کیا۔ معاہدہ یہ ہوا کہ آپؐ بنو ضَمْرَہ پر حملہ نہیں کریں گے اور نہ بنو ضمرہ آپؐ کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے نہ کسی کارروائی میں حصہ لیں گے اور آپؐ کے کسی دشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ اس سفر میں آپؐ مدینہ سے پندرہ دن باہر رہے۔ وَدَّان کے بارے میں لکھا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جگہ ہے۔ اَبْوَاء سے تیرہ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ مدفون ہیں۔ جُحْفَہ سے اس کا فاصلہ تقریباً سو کلو میٹر ہے۔

(اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ202 مطبوعہ دارالسلام ریاض 1424ھ)

یہ جگہوں کے نام اور یہ باتیں میں اس لیے بیان کر دیتا ہوں کہ بعض احمدی جو وہاں سفر کرنے والے، عمرہ کرنے والے ہیں جو عمرہ کو جاتے ہیں وہ تاریخ سے واقفیت کی وجہ سے ان جگہوں پر بھی جانا چاہتے ہیں تو ذرا ان جگہوں کا تعارف ہو جاتا ہے۔ **غزوۂ بُواط۔ ربیع الاول سنہ دو ہجری** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو مدینے کا امیر مقرر فرمایا اور اپنے دو سو صحابہ کی معیت میں قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے نکلے۔ اس قافلے میں اُمَیَّہ بن خَلَف بھی موجود تھا اور سو دیگر قریشی تھے اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ آپؐ رَضْوٰی کے نواح میں بُوَاط پہنچے مگر وہاں کسی سے سامنا نہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ لَوٹ آئے۔ اس غزوے میں جھنڈے کا رنگ سفید تھا جسے سعد بن ابی وقاص نے اٹھا رکھا تھا۔ بُواط کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ جُھَیْنَہ قبیلے کے دو پہاڑ ہیں جو مکے سے شام جانے والے راستے پر واقع ہیں۔ ان کے ساتھ رَضْوٰی کا

مشہور پہاڑ ہے۔ مدینے سے بواط کا فاصلہ تقریباً سو کلو میٹر ہے۔

(اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ 204 مطبوعہ دارالسلام ریاض 1424ھ)

غزوہ عُشَیْرَہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکے سے نکلا ہے اور مکہ والوں نے اس تجارتی قافلے میں اپنا سارا مال لگا دیا تھا اس لیے کہ جو منافع ہو وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں استعمال ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جُمَادِی الاولیٰ یا ایک روایت کے مطابق جُمَادِی الثانیہ دو ہجری میں مدینے سے ڈیڑھ سو یا دو سو افراد کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے۔ جب آپؐ عُشَیْرَہ مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ آپؐ کے پہنچنے سے چند روز پہلے ہی وہاں سے جا چکا ہے۔ مکے اور مدینے کے درمیان بَنُومُدْلِجْ کے علاقے میں یَنبُع کے نواح میں ایک مقام کا نام عُشَیرہ تھا۔ آپؐ نے چند روز وہاں قیام فرمایا اور بَنُومُدْلِجْ اور بنو ضَمْرَہ میں سے اس کے حلیفوں سے صلح کا معاہدہ کیا اور اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ یہ قریش مکہ کا وہی تجارتی قافلہ تھا جس کی شام سے واپسی پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس کے تعاقب میں نکلے تھے اور بدر کا معرکہ پیش آیا تھا۔ (سبل الھدیٰ جلد 4 صفحہ 17۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

(فرہنگ سیرت صفحہ 201 مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی 2003ء)

غزوۂ بدر الاولیٰ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ عُشَیرہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تو ابھی دس روز بھی نہ گزرے تھے کہ کُرْزْ بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب سَفَوَانْ نامی وادی میں پہنچے۔ سَفَوَانْ بدر کے نواح میں ایک وادی ہے لیکن کُرْزْ بن جابر تیزی سے آگے نکل گیا اور آپؐ اسے نہ پا سکے۔ اس غزوے کو غزوۂ بدر الاولیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ (سیرت ابن ھشام صفحہ 412 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

(اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ 206 مطبوعہ دار السلام ریاض 1424ھ)

بدر الاولیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ بدر کے ایک جانب سَفَوَانْ مقام تک مسلمانوں کا لشکر پہنچا تھا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 177 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

یہ سیرت الحلبیہ میں بیان ہوا ہے۔ کرز بن جابر کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تفصیل لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"کُرز بن جابر کا یہ حملہ ایک معمولی بدویانہ غارت گری نہیں تھی بلکہ یقیناً وہ قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف خاص ارادے سے آیا تھا بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اس کی نیت خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نقصان پہنچانے کی ہو مگر مسلمانوں کو ہوشیار پا کر ان کے اونٹوں پر ہاتھ صاف کرتا ہوا نکل گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ مدینہ پر چھاپے مار مار کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا جاوے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گو اس سے پہلے مسلمانوں کو جہاد بالسیف کی اجازت ہو چکی تھی اور انہوں نے خود حفاظتی کے خیال سے اس کے متعلق ابتدائی کارروائی بھی شروع کر دی تھی لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کفار کو عملاً کسی قسم

کا مالی یا جانی نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن کرز بن جابر کے حملہ سے مسلمانوں کو عملاً نقصان پہنچا۔ گویا مسلمانوں کی طرف سے قریش کا چیلنج قبول کر لئے جانے کے بعد بھی عملی جنگ میں کفار ہی کی پہل رہی۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 330 ایڈیشن 1996ء)

پھر سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ یہ سریہ مکے کے قریب وادیٔ نخلہ میں ہوا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے مہینے میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو آٹھ مہاجرین کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ ان میں انصار کا کوئی شخص نہ تھا۔ اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس خط کو دو دن سفر طے کرنے کے بعد دیکھنا اور اس میں دیئے گئے حکم کے مطابق عمل کرنا اور اپنے کسی ساتھی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ جب حضرت عبداللہ بن جَحْشؓ نے دو دن سفر کرنے کے بعد وہ حکم نامہ کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ جب تم میرے اس خط کو کھول کر دیکھو تو اپنا سفر جاری رکھو یہاں تک کہ مقام نخلہ میں جو طائف اور مکے کے درمیان ہے جا پہنچنا اور وہاں قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور ان کے حالات سے ہمیں آگاہ کرنا۔ جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے یہ تحریر دیکھی تو کہا مجھ پر سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے اور پھر اپنے ساتھیوں سے آپؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں نخلہ کی طرف جاؤں اور وہاں قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھوں تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حالات سے آگاہ کروں اور مجھے منع فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کروں۔ پس جو تم میں سے شہادت کی آرزو رکھتا ہے وہ میرے ساتھ چلے اور جو واپس جانا پسند کرے وہ چلا جائے مگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی واپس نہ پلٹا اور سب حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک مقام پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عُتبہ بن غَزْوَانؓ کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ دونوں اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے جبکہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ باقی ساتھیوں کے ساتھ مقام نخلہ میں پہنچ گئے۔ وہاں قریش کے ایک قافلہ کا گزر ہوا جو کشمش، چمڑا اور قریش کا سامان تجارت اٹھائے جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں عَمرو بن حَضْرَمِی بھی شامل تھا۔ جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت عُکَّاشَہ بن مِحصَنؓ ان کے سامنے ظاہر ہوئے۔ انہوں نے اپنا سر منڈوا رکھا تھا۔ کفار ان کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے کچھ ڈر کی بات نہیں یہ لوگ عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ پھر مسلمانوں نے وہاں مشورہ کیا کہ آج رجب کا آخری روز ہے۔ اگر ہم ان سے لڑتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں تو یہ مہینہ حرمت والا ہے اور اگر آج انتظار کرتے ہیں تو راتوں رات یہ حدود حرم میں داخل ہو کر پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ آخر کار سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ قافلے پر حملہ کر دیا جائے۔ یہ تفصیل صحابہ کے ذکر میں ایک دفعہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضرت وَاقِد بن عبداللہ تَمِیْمِیؓ نے ایک تیر عمرو بن حضرمی کے ایسا مارا جس سے وہ مر گیا اور دو آدمیوں کو مسلمانوں نے قید کر لیا جبکہ ایک بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن جحشؓ اونٹوں اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر مدینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ مدینہ میں آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مَیں نے **تمہیں یہ حکم تو نہیں دیا تھا کہ تم حرمت والے مہینے** میں جنگ کرو اور آپؐ نے اونٹوں اور دونوں

قیدیوں کو ٹھہرا دیا اور ان میں سے کوئی چیز بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(سیرت ابن هشام صفحہ412تا414 دارالکتب العلمیة بیروت2001ء)

یہ جو کہتے ہیں کہ مال لوٹنا مقصد تھا۔ مال لوٹنا مقصد نہیں تھا، نہیں تو آپؐ ان کو شاباش دیتے کہ تم نے اچھا کیا۔ بلکہ آپؐ نے تو فرمایا کہ تم نے بڑا غلط کام کیا ہے۔ ”دوسری طرف قریش نے بھی شور مچایا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کو توڑ دیا ہے اور چونکہ جو شخص مارا گیا تھا یعنی عَمرو بن الحضرمی وہ ایک رئیس آدمی تھا اور پھر وہ عُتْبہ بن رَبیعہ رئیسِ مکہ کا حلیف بھی تھا اس لئے بھی اس واقعہ نے قریش کی آتش غضب کو بہت بھڑکا دیا اور انہوں نے آگے سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ جنگ بدر... زیادہ تر قریش کی اسی تیاری اور جوش عداوت کا نتیجہ تھا۔ الغرض اس واقعہ پر مسلمانوں اور کفار ہر دو میں بہت چہ میگوئی ہوئی اور بالآخر ذیل کی قرآنی وحی نازل ہو کر مسلمانوں کی تشفی کا موجب ہوئی۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرۃ:218) یعنی ”لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ شہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ تُو ان کو جواب دے کہ بیشک شہر حرام میں لڑنا بہت بُری بات ہے، لیکن شہر حرام میں خدا کے دین سے لوگوں کو جبراً روکنا بلکہ شہر حرام اور مسجد حرام دونوں کا کفر کرنا یعنی ان کی حرمت کو توڑنا اور پھر حرم کے علاقہ سے اس کے رہنے والوں کو بزور نکالنا جیسا کہ اے مشرکو تم لوگ کر رہے ہو یہ سب باتیں خدا کے نزدیک شہر حرام میں لڑنے کی نسبت بھی زیادہ بُری ہیں اور یقیناً شہر حرام میں ملک کے اندر فتنہ پیدا کرنا اس قتل سے بدتر ہے جو فتنہ کو روکنے کے لئے کیا جاوے۔ اور اے مسلمانو! کفار کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمہاری عداوت میں اتنے اندھے ہو رہے ہیں کہ کسی وقت اور کسی جگہ بھی وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے باز نہیں آئیں گے اور وہ اپنی یہ لڑائی جاری رکھیں گے حتّٰی کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں بشرطیکہ وہ اس کی طاقت پائیں۔“ بہرحال اللہ تعالیٰ کے علم میں تو تھا کہ یہ کفار مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لیے کوشش کرتے رہیں گے اور اس لیے اس وقت جو عمل ہوا اس پہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ ”چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام کے خلاف رؤسائے قریش اپنے خونی پراپیگنڈے کو اَشْهَرِ حُرُم میں بھی برابر جاری رکھتے تھے بلکہ اَشْهَرِ حُرُم کے اجتماعوں اور سفروں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ان مہینوں میں اپنی مفسدانہ کارروائیوں میں اَور بھی زیادہ تیز ہو جاتے تھے اور پھر کمال بے حیائی سے اپنے دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لئے وہ عزت کے مہینوں کو اپنی جگہ سے ادھر ادھر منتقل بھی کر دیا کرتے تھے جسے وہ نَسِیء کے نام سے پکارتے تھے... پس اس جواب سے مسلمانوں کی تو تسلی ہونی ہی تھی قریش بھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے۔“ انہیں پتا لگ گیا کہ وحی ہوئی ہے۔ ”اور اس دوران میں ان کے آدمی بھی اپنے دو قیدیوں کو چھڑانے کے لئے مدینہ پہنچ گئے، لیکن چونکہ ابھی تک سعد بن ابی وقاص اور عتبہ واپس نہیں آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق سخت خدشہ تھا کہ اگر وہ قریش کے ہاتھ پڑ گئے تو قریش انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے آپؐ نے ان کی واپسی

تک قیدیوں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے آدمی بخیریت مدینہ پہنچ جائیں گے تو پھر میں تمہارے آدمیوں کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جب وہ دونوں واپس پہنچ گئے، تو آپؐ نے فدیہ لے کر دونوں قیدیوں کو چھوڑ دیا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 332 تا 334 ایڈیشن 1996ء)

غزوۂ بدر الکبریٰ۔ قرآن کریم میں اس غزوے کو یوم الفرقان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرقان جنگِ بدر کا دن تھا جس دن کہ مخالفوں کی زبردست طاقت والے اس سرگروہ کے ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ حاصل ہوا۔"

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 235)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ ایک اَور مقام پر لفظ فرقان کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "قرآن سے مجھے اس کے یہ معنے معلوم ہوئے کہ فرقان نام ہے اس فتح کا جس کے بعد دشمن کی کمر ٹوٹ جائے اور یہ بدر کا دن تھا۔"

(حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 306)

اس غزوے کو بدر الثانیہ یا بدر الکبریٰ، بدر العُظمیٰ اور بدرُ القِتَال بھی کہا جاتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 197 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

(تاریخ ابن خلدون جزء دوم صفحہ 426 دار الفکر بیروت 2000ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان قریش کا تجارتی قافلہ لے کر شام سے واپس آ رہا ہے جس میں ایک ہزار اونٹ ہیں۔ اس میں قریش کا بہت بڑا سرمایہ تھا اور اگر کسی کے پاس ایک مثقال یعنی چار پانچ ماشے بھی سونے کے وزن کے برابر کچھ سونا تھا یا مال تھا تو اس نے وہ مال بھی اس قافلے میں لگا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک کثیر رقم کا سرمایہ تھا۔ اس قافلے میں تیس چالیس یا ایک روایت کے مطابق ستر آدمی تھے۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے تعاقب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی نکلے تھے اور مقام عُشَیْرَہ تک پہنچ گئے تھے لیکن یہ قافلہ شام کی جانب جا چکا تھا۔ اس مہم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جُمادی الاولیٰ یا جُمادی الآخرہ دو ہجری کو روانہ ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے کی واپسی کی اطلاع پا کر مسلمانوں کو اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ قریش کا تجارتی قافلہ ہے جس میں ان کے اموال ہیں۔ پس تم نکلو شاید اللہ تمہیں مالِ غنیمت سے نوازے۔

(سبل الہدیٰ جلد 4 صفحہ 30 مترجم مولانا عبید الرحمٰن مکتبہ رحمانیہ لاہور) (الرحیق المختوم اردو صفحہ 272 المکتبۃ السلفیۃ لاہور 2000ء)

بعض لوگ جو صرف اعتراض کا موقع ڈھونڈنے کے عادی ہوتے ہیں یا کم علم ہوتے ہیں وہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے مدینے جا کر گویا لوٹ مار شروع کر دی تھی اور بطور مثال اسی قافلے کا تعاقب کرنا پیش کر دیتے ہیں جو کہ سراسر نادانی اور جہالت کی بات ہے اور اس وقت کے جنگی حالات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کیونکہ قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنا کوئی قابل اعتراض امر نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ:

"قافلہ کی روک تھام کے لئے نکلنا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں تھا کیونکہ اوّل تو یہ مخصوص قافلہ جس کے لئے مسلمان نکلے تھے ایک غیر معمولی قافلہ تھا جس میں قریش کے ہر مرد و عورت کا تجارتی حصہ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق رؤسائے قریش کی یہ نیت تھی کہ اس کا منافع مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہی منافع جنگِ احد کی تیاری میں صرف کیا گیا۔ پس اس قافلہ کی روک تھام تدابیرِ جنگ کا ضروری حصہ تھی۔

دوسرے عام طور پر بھی قریش کے قافلوں کی روک تھام اس لئے ضروری تھی کہ چونکہ یہ قافلے مسلح ہوتے تھے اور مدینہ سے بہت قریب ہو کر گزرتے تھے ان سے مسلمانوں کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا جس کا سدباب ضروری تھا۔ تیسرے یہ قافلے جہاں جہاں سے بھی گزرتے تھے مسلمانوں کے خلاف قبائل عرب میں سخت اشتعال انگیزی کرتے پھرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ پس ان کا راستہ بند کرنا دفاع اور خود حفاظتی کے پروگرام کا حصہ تھا۔ چوتھے قریش کا گزارہ زیادہ تر تجارت پر تھا اس لئے ان قافلوں کی روک تھام ظالم قریش کو ہوش میں لانے اور ان کو ان کی جنگی کارروائیوں سے باز رکھنے اور صلح اور قیامِ امن کے لئے مجبور کرنے کا ایک بہت عمدہ ذریعہ تھی۔" آج کل کے زمانے میں اس طرح جنگوں کو روکنے کے لیے بعض ملک sanctions لگاتے ہیں۔ وہ بھی غلط sanctions لگا دیتے ہیں اور ظلم سے لگاتے ہیں لیکن یہ بھی اسی طرز کا sanction لگانے والا ایک عمل تھا۔ "اور پھر ان قافلوں کی روک تھام کی غرض لوٹ مار نہیں تھی بلکہ جیسا کہ قرآن شریف صراحتاً بیان کرتا ہے خود اس خاص مہم میں مسلمانوں کو قافلہ کی خواہش اس کے اموال کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس وجہ سے تھی کہ اس کے مقابلہ میں کم تکلیف اور کم مشقت کا اندیشہ تھا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 343-344 ایڈیشن 1996ء)

بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے کی خبر رسانی کی غرض سے اپنے دو صحابہ حضرت طَلْحہ بن عُبَیداللہؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ کو آگے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں اصحاب مدینہ سے روانہ ہو گئے اور جب قافلے سے متعلق خبریں معلوم کرنے کے بعد مدینہ واپس آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں بدر کی جانب روانہ ہوئے مگر راستے میں ان کی ملاقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ہوئی جب آپؐ غزوۂ بدر سے فارغ ہونے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے۔ اس لیے یہ دونوں اصحاب غزوۂ بدر میں شامل تو نہ ہو سکے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی مالِ غنیمت کا حصہ نکالا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 203 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

دوسری طرف ابوسفیان کو اس کے جاسوسوں کی طرف سے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر اس کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان کو ایک آدمی ملا تھا جس نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے اس قافلے کا راستہ روکنا چاہتے تھے اور یہ

کہ اب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں اس قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے چھوڑا ہے۔ یہ خبر سن کر ابوسفیان بہت خوفزدہ ہوا اور اس نے ضَمْضَم بن عَمرو غِفَاری نامی ایک آدمی کو کچھ اجرت دے کر مکے کی جانب روانہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ مکہ جا کر انہیں بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے پر حملہ کے لیے نکل پڑا ہے۔ چنانچہ ضَمْضَم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد2 صفحہ197 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

"جب ابوسفیان کا یہ قاصد مکہ پہنچا تو اس نے عرب کے دستور کے مطابق ایک نہایت وحشت زدہ حالت بنا کر زور زور سے چلانا شروع کیا کہ اے اہلِ مکہ! تمہارے قافلہ پر محمدؐ اور اس کے اصحاب حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ چلو اور اسے بچالو۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 350 ایڈیشن 1996ء)

دوسری طرف ابوسفیان بڑی ہوشیاری کے ساتھ معلومات لیتے ہوئے مسلمانوں کے اس لشکر سے بچتے ہوئے سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔ وہ بدر کے چشمہ پر پہنچا تو اس نے وہاں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں تمہیں کوئی نظر آیا؟ اس نے کہا یہاں دو بندے آئے تھے اور اس ٹیلے کے قریب اپنے اونٹ بٹھائے اور پانی لے کر چلے گئے۔ ابوسفیان اونٹوں والی جگہ پر گیا۔ وہاں اونٹوں کی مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک اٹھائی اور اس کو توڑا تو اس میں کھجور کی گٹھلی تھی۔ اس نے دیکھ کر کہا یہ یثرب کا چارا ہے اور سمجھ لیا کہ مدینے والے اس کے قریب ہی کہیں ہیں۔ چنانچہ وہ تیزی سے اپنے قافلے کی طرف واپس آیا اور اپنے ساتھیوں کو معروف راستے سے ہٹا کر ساحل سمندر کی طرف نکل گیا اور بدر کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

(الرحیق المختوم (مترجم) صفحہ 282-283 مکتبۃ السلفیۃ لاہور 2000ء)

اس بارے میں عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک عجیب خواب بھی ہے اور وہ خواب بڑا سچا ثابت ہوا۔ وہ خواب اس طرح ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی والدہ تھیں ان کے اسلام لانے کے بارے میں دونوں طرح کی آرا ہیں۔ بعض کے نزدیک انہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن اکثر کے نزدیک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بہرحال انہوں نے ابوسفیان کے قاصد ضَمْضَمْ کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے ایک خواب دیکھی تھی جس نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور کہا کہ اے بھائی! بخدا میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تمہاری قوم کو ضرور کوئی آفت یا مصیبت پہنچنے والی ہے۔ تم اس راز کو پوشیدہ رکھنا جو مَیں تمہیں بتانے والی ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عاتکہ نے عباس سے کہا کہ جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک میں تمہیں نہیں بتلاؤں گی کیونکہ اگر قریش مکہ نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے اور ہمیں برا بھلا کہیں گے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ان سے عہد کیا۔ بہرحال پھر حضرت عباسؓ نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ عاتکہ نے کہا میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر

سوار آیا اور اَبْطَح کے میدان میں کھڑا ہو گیا۔ مکہ اور منیٰ دونوں کو اَبْطَح کہا جاتا ہے اور یہ منیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ پھر اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا۔ اے لوگو! اپنے قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر اندر چلے آؤ۔ عاتکہ بیان کرتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس شخص کے پاس جمع ہو گئے پھر وہ مسجد یعنی خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اس دوران کہ لوگ اس کے گرد جمع تھے میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ اس کو لے کر کعبے کی چھت پر کھڑا ہے۔ پھر اس نے اسی طرح چیخ کر کہا اے لوگو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر اندر چلے جاؤ۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ اس کو جبل اَبُوْ قُبَیْس کی چوٹی پر لے کر کھڑا ہو گیا۔ کوہ اَبُوْقُبَیْس کے بارے میں لکھا ہے کہ مکہ کے مشرق میں ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے۔ پھر وہاں سے بھی اسی طرح بلند آواز میں پکارا۔ پھر اس نے ایک پتھر اس پہاڑ میں سے نیچے لڑھکا دیا اور نیچے پہنچتے ہی وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مکے کے گھروں میں سے کوئی گھر اور کوئی مکان ایسا باقی نہ رہا جس میں اس پتھر کا ایک ٹکڑا نہ گیا ہو۔

یہ سن کر حضرت عباسؓ نے عاتکہ سے کہا بخدا! یہ خواب تو بڑا اہم ہے۔ تم خود بھی اس کو پوشیدہ رکھنا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ عاتکہ کے گھر سے نکلے اور راستے میں ولید بن عتبہ سے ملے۔ یہ حضرت عباسؓ کا دوست تھا۔ انہوں نے اپنی بہن کو تو کہہ دیا کہ ذکر نہ کرنا لیکن خود ولید سے اس خواب کا ذکر کر دیا۔ البتہ حضرت عباسؓ نے اس کو منع کر دیا کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا لیکن ایک دفعہ جب بات نکلے تو پھر تو نکل جاتی ہے۔ ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس کا ذکر کر دیا۔ اس طرح یہ بات مکے میں پھیل گئی اور جہاں دو آدمی بیٹھتے اسی خواب کا ذکر کرتے۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اگلے روز صبح جب میں خانہ کعبہ میں طواف کرنے کے لیے گیا تو وہاں ابوجہل قریش کے چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ اے ابوالفضل! یہ حضرت عباسؓ کی کنیت ہے۔ طواف سے فارغ ہو کر ذرا میرے پاس سے ہوتے جانا۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں طواف سے فارغ ہو کر اس کے پاس گیا تو ابوجہل نے مجھ سے کہا اے بنو عبدالمطلب! تم میں نَبِیَّہ کب سے پیدا ہو گئی؟ میں نے کہا کیا مطلب؟ اس نے کہا کہ تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا۔ اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہیں۔ یہ عاتکہ نے کیا خواب دیکھی ہے؟ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اس نے کیا خواب دیکھی ہے؟ ابوجہل نے کہا وہ کہتی ہے کہ میں نے ایک شخص کو اونٹ پر آتے دیکھا اور اس نے یہ آواز دی اور پھر ایک پتھر پہاڑ پر سے لڑھکایا، غرضیکہ سارا خواب بیان کیا۔ پھر ابوجہل کہنے لگا کہ ہم تین روز تک انتظار کرتے ہیں اگر اسی طرح خواب کے مطابق یہ واقعہ ظہور میں آ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ ہم ایک تحریر لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیں گے کہ تم لوگ تمام عرب میں سب سے زیادہ جھوٹے ہو۔ عباس کہتے ہیں کہ بخدا مجھے بے بس ہو کر اس خواب کو جھٹلانا پڑا۔ اس کو میں نے کہہ دیا کہ اس نے کوئی خواب نہیں دیکھی اور میں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ عاتکہ نے کوئی خواب دیکھی ہے۔ پھر ہم سب لوگ اس مجلس سے اٹھ گئے اور شام کو جب میں گھر گیا تو بنو عبدالمطلب کی تمام عورتیں میرے پاس آئیں اور مجھ سے کہا۔ پہلے وہ خبیث فاسق تمہارے مردوں پر الزام تراشی کرتا رہا تو تم نے اسے برداشت کر لیا۔ اب عورتوں کو بھی برا کہتا ہے اور تم خاموشی سے سن رہے

ہو اور اس کی بیہودہ گوئی کا کوئی جواب اس کو نہ دیا۔ تمہاری غیرت کہاں چلی گئی! تو خاندان کی عورتوں نے ان کو ذرا غصہ دلایا۔ عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا بخدا مَیں نے ایسے ہی کیا۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور اللہ کی قسم! مَیں اب اس کے پاس جاؤں گا اور اگر اس نے پھر کوئی ایسی بات کہی تو مَیں اس کا کام تمام کرنے کے لیے تمہاری طرف سے اس کی تلافی کر دوں گا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ عاتکہ کے خواب کے تیسرے روز میں صبح گھر سے نکلا اور میں سخت غصے میں تھا کہ مجھ سے اس دن جو کوتاہی ہوئی آج اس کا بدلہ لوں گا۔ چنانچہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے ابوجہل کو دیکھا۔ وہ پھرتیلے بدن والا تیز زبان شخص تھا۔ بخدا! مَیں اس کی طرف بڑھا تا کہ وہ دوبارہ کوئی اس طرح کی بات کرے جیسی اس نے پہلے کی تھی اور میں اس کا حساب برابر کر دوں لیکن مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل بھاگا ہوا مسجد یعنی خانہ کعبہ کے دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اس کو کیا ہوا۔ کیا وہ اس خوف سے بھاگ گیا ہے کہ کہیں مَیں اسے برا بھلا نہ کہوں لیکن درحقیقت وہ بات یہ تھی کہ اس نے ضَمْضَمْ بن عَمرو غِفَاری کی بلند آواز سن لی تھی جو مجھے سنائی نہ دی اور وہ یعنی ضَمْضَمْ وادی کے درمیان اپنے اونٹ پر کھڑا بلند آواز سے پکار رہا تھا۔ اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیے تھے۔ اپنے کجاوے کو الٹا کر دیا اور اپنی قمیص پھاڑ ڈالی تھی اور وہ یہ پکار رہا تھا کہ قافلہ! قافلہ! یعنی اپنے اس قافلے کو بچاؤ! اس پر تمہارے اموالِ تجارت لدے ہوئے ہیں جو ابوسفیان کے ساتھ آ رہا ہے۔ اس پر حملہ کرنے کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں نے چڑھائی کر دی ہے۔ میرے گمان میں بھی یہ نہیں کہ تم بروقت پہنچ جاؤ یعنی جس قدر ہو سکے وہاں پہنچنے میں جلدی کرو مجھے نہیں لگتا کہ تم اس کی مدد کے لیے پہنچ سکو۔ بہرحال عباس کہتے ہیں کہ اس نئے حادثے نے مجھے بھی اور اسے بھی اس قدر مشغول کر دیا کہ ہم اس پہلی بات پر توجہ نہ دے سکے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام صفحہ416-417، غزوۃ بدر الکبریٰ / ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبدا لمطلب، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)(السیرۃ الحلبیہ جلد2صفحہ 198 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2002ء)(کتاب المغازی للواقدی جزء اوّل صفحہ 30 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1984ء)(الاصابۃ جلد 8 صفحہ 229، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1995ء)(اسدالغابۃ جلد 7صفحہ 183 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2016ء)(معجم البلدان جلد 1 صفحہ 95 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)(فرہنگ سیرت صفحہ 230 مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی 2003ء)

لکھا ہے کہ جب قریش مکہ نے ضَمْضَمْ کی پکار سنی تو وہ بہت طیش میں آ گئے اور لوگوں کو جنگ کی تیاری کے لیے ابھارنے لگے۔ وہ کہنے لگے کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ابن حَضْرَمِی کے تجارتی قافلے کی طرح ہے۔ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ایسا نہیں ہے۔ عمرو بن حضرمی کے قافلہ اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس کے قتل کا ذکر سریہ عبداللہ بن جحش میں ہو چکا ہے۔ ابھی پہلے مَیں نے بتایا جس میں مسلمانوں نے نہایت آسانی سے ابن حضرمی کو قتل کر دیا تھا اور اس کے مال و سامان پہ قبضہ کیا تھا۔ بہرحال اب قریش مکہ تیاری کرنے لگے اور ہر کوئی جنگ کے لیے یا تو خود نکل رہا تھا یا اپنی جگہ اپنے خرچ پر کسی اَور کو بھیج رہا تھا۔ ان کے ایک رئیس سردار نے کہا۔ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے صابی

ساتھیوں اور اہل یثرب کو اس بات کی اجازت دے دو گے کہ وہ تمہارے مال لوٹ کے لے جائیں؟ جس شخص کو مال کی ضرورت ہو تو میرا مال اس کے لیے حاضر ہے اور جس کو کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت ہے تو وہ حاضر ہے اور کسی نے دو سو دینار، کسی نے تین سو دینار، کسی نے پانچ سو دینار دیے اور کہا کہ جہاں چاہو اور جیسے چاہو استعمال کرو۔ کسی نے بیس اونٹ جنگ کے لیے پیش کیے۔ بعض نے جنگ پر جانے والوں کے گھر والوں کا خرچہ اٹھانے کی ذمہ داری اٹھائی اور جو خود جنگ پر نہ جا سکا اس نے اپنی جگہ اپنے خرچ پر کسی دوسرے آدمی کو روانہ کیا اور اس طرح دو یا تین دن میں جنگ کی تیاری مکمل ہو گئی۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ21 دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے تو اعلان کیا تھا کہ فوری پہنچو لیکن دو تین دن انہوں نے جنگ کی خوب تیاری کی اور یہ تیاری کرنا ہی بتاتا ہے کہ مکہ کے جو کفار تھے وہ مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ ورنہ اگر صرف قافلے کو بچانا مقصود ہوتا تو جس طرح یہ خبر دی گئی تھی فوری طور پر پہنچ جاتے۔ جس کے ہاتھ میں جو ہتھیار آتا، لے کے چلا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ قافلے کی بجائے جنگ کے لیے تیاری کر کے گئے۔ پھر قریش کے سرداروں کے بارے میں لکھا ہے کہ قریش کے پانچ سردار اُمَیَّہ بن خَلَف، عُتْبَہ بن رَبیعہ، شَیْبَہ بن رَبیعہ، زَمْعَہ بن اسود اور حکیم بن حِزَام نے تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا کہ جنگ پر جانا چاہیے یا نہیں جس میں انکار والا تیر نکلا کہ یہ لوگ جنگ میں نہ جائیں یعنی وہ تیر نکلا جس پر لکھا ہوتا تھا کہ مت کرو۔ لہٰذا ان سب نے مل کر فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ جنگ میں نہیں جائیں گے مگر پھر ان کے پاس ابوجہل آیا اور اس نے انہیں لے جانے پر اصرار کیا۔ اس سلسلے میں عُقْبَہ بن اَبُو مُعَیْط اور نَضْر بن حَارِث نے بھی ابوجہل کا ساتھ دیا اور ان لوگوں کو ساتھ لے جانے پر اصرار کیا۔ عُتْبَہ اور شَیْبَہ کے غلام نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم! آپ دونوں جنگ میں نہیں بلکہ اپنی قتل گاہ میں جا رہے ہیں۔ اس پر ان دونوں نے جنگ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر ابوجہل کا اصرار اتنا بڑھا کہ یہ دونوں اس نیت سے سب کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے کہ راستے سے واپس آ جائیں گے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ200-201 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان2002ء)

جنگ کے لیے کفار کی تیاری اور روانگی کی مزید تفصیل اور اس کے واقعات ان شاء اللہ آئندہ بیان ہوں گے۔ کافی تفصیلی بات ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 30/ جون 2023ء جلد 30 شمارہ 107 صفحہ 02 تا 06)

24

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 16 / جون 2023ء بمطابق 16 / احسان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفوڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

کفارِ مکہ کی جنگ کے لیے تیاری کے کچھ حالات بیان ہوئے تھے۔ اس بارے میں مزید تفصیل اس طرح ہے۔ ایک شخص تھا امیہ بن خَلَف اور دوسرا ابولہب۔ یہ جب تیاری ہو رہی تھی انہوں نے کچھ جنگ میں جانے میں تامل کیا۔ اس کی تفصیل میں یہ لکھا ہے کہ اس جنگ کے لیے قریشی سردار ہر شخص کو لے جانے کے لیے تقاضا کر رہے تھے لیکن امیہ بن خَلَف جنگ پر جانے سے گریز کر رہا تھا۔ مکہ کا ایک سردار عُقبہ بن ابو مُعَیْط امیہ کے پاس آیا اور اس کے پاس خوشبو دان اور دھونی رکھ کر بولا کہ ابو علی! تم یہ عورتوں والی خوشبو کی دھونی لو کیونکہ تم بھی عورتوں میں سے ہو تمہارا جنگ سے کیا کام۔

(سبل الھدٰی و الرشاد جزء 4 صفحہ 22 دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

ایک دوسری روایت کے مطابق ابوجہل امیہ کے پاس آیا اور اس کو کہا کہ تم مکہ کے سردار اور معزز لوگوں میں سے ایک ہو۔ اگر لوگوں نے تمہیں جنگ سے پیچھے ہٹتا ہوا دیکھ لیا تو وہ بھی رک جائیں گے۔ اس لیے ہمارے ساتھ ضرور نکلو چاہے ایک دو دن کی مسافت تک چلو اور اس کے بعد واپس آ جانا۔ دراصل **امیہ جنگ پر جانے سے اس لیے خائف** تھا کہ اس کے قتل کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرما رکھی تھی اور اس کا اس کو علم تھا۔ چنانچہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ عمرے کی نیت سے گئے اور وہ امیہ بن خَلَف کے پاس اترے۔ ان کی پرانی واقفیت تھی۔ امیہ کی عادت تھی کہ جب شام کی طرف جاتا تھا اور مدینے سے گزرتا تو حضرت سعدؓ کے پاس ٹھہرتا۔ امیہ نے حضرت سعدؓ سے جو عمرہ کرنا چاہتے تھے، کہا کہ ابھی انتظار کرو۔ جب دوپہر ہو اور لوگ غافل ہو جائیں تو جا کر طواف کر لینا۔ مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ احتیاط کی گئی تھی۔ دوپہر ہوئی تو حضرت سعدؓ نے طواف شروع کیا۔ اسی اثنا میں کہ طواف کر رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوجہل ہے۔ وہ کہنے لگا یہ کون ہے جو کعبہ کا طواف کر رہا ہے؟ حضرت سعدؓ نے کہا مَیں سعد ہوں۔ ابوجہل بولا کیا تم خانہ کعبہ کا طواف امن سے کرو گے حالانکہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا ہاں۔ تب ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا یعنی ابوجہل نے ان کو چیلنج دیا کہ تم کس طرح طواف کر سکتے ہو، تم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے والوں میں سے ہو۔ بہرحال انہوں نے کہا

ہاں۔ میں نے پناہ بھی دی ہے اور میں طواف بھی کروں گا۔ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ امیہ نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ اے سعد! ابوالحکم، یہ ابوجہل کی کنیت تھی، اس پر اپنی آواز اونچی نہ کرو کیونکہ وہ اہلِ وادی کا سردار ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا بخدا! اگر تم نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے مجھے روکا تو مَیں اس سے زیادہ سخت روک پیدا کروں گا وہ یہ کہ تم لوگوں کا تجارتی راستہ جو مدینے سے گزرتا ہے یعنی شام کی تجارت کا راستہ، وہ بند کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ امیہ حضرت سعدؓ سے یہی کہتا رہا کہ اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور ان کو روکتا رہا۔ حضرت سعدؓ غصے میں آئے اور امیہ کو کہنے لگے مجھے تم رہنے دو اور اس کی تائید و حمایت مت کرو یعنی ابوجہل کی تائید نہ کرو۔ مَیں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ وہ تمہیں قتل کرنے والے ہیں۔ یعنی تمہارے قتل ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ لوگ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تمہیں قتل کرنے والے ہیں۔ امیہ نے کہا کیا مجھے؟ حضرت سعدؓ نے کہا ہاں تجھے۔ پھر امیہ نے کہا کہ کیا مکے میں؟ تو سعد نے کہا یہ مَیں نہیں جانتا۔ یہ سن کر امیہ بولا خدا کی قسم! محمد جب بات کہتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جھوٹی بات نہیں کہتے۔ پھر وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ میرے یثربی بھائی نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا کیا کہا ہے۔ امیہ نے کہا کہتا ہے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو جھوٹی بات نہیں کیا کرتے۔ یہ وہ پیشگوئی تھی جس سے امیہ خوفزدہ تھا اور مسلمانوں سے جنگ کے لیے نہیں جانا چاہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ وہ جب بدر کی طرف نکلے اور مدد طلب کرنے کے لیے فریادی آیا تو امیہ کی بیوی نے اسے کہا کہ کیا وہ بات تمہیں یاد نہیں جو تمہارے یثربی بھائی نے تم سے کہی تھی تو اس نے چاہا کہ نہ نکلے مگر ابوجہل نے اسے کہا کہ تم اس وادی کے رؤسا میں سے ہو تو ایک دو دن کے لیے ہی ساتھ چلو۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ دو دن کے لیے چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قتل کرا دیا۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام حدیث 3632)

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب ذکر النبیؐ من یقتل ببدر حدیث 3950)

بعض سیرت نگاروں نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کو قتل کریں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو قتل نہیں کیا تھا تو وضاحت کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ تھا کہ آپؐ اس کے قتل کا سبب بنیں گے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے امیہ بن خَلَف کے بھائی اُبَی بن خَلَف کے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احد میں قتل کیا تھا۔ پھر وضاحت کرنے والے ہی کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے امیہ کو یہ کہا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تمہیں قتل کریں گے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ یا آپؐ کے ساتھی قتل کریں گے۔

(غزوات النبی ﷺ تالیف علامہ علی بن برہان الدین حلبی، مترجم صفحہ 70، دار الاشاعت کراچی 2001ء)

بہرحال یہ قتل ہوا اور اس میں بحث کی ضرورت نہیں کہ کس نے قتل کیا۔ یہ پیشگوئی تھی جو پوری ہو گئی۔ اسی طرح ابولہب بھی جنگ پر جانے سے خوفزدہ تھا اور اس نے اپنی جگہ ایک آدمی کو روانہ کیا تھا اور خود جنگ

پر نہیں گیا تھا۔ اس کے جنگ پر نہ جانے کی وجہ عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ عاتکہ کا خواب ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز ہاتھ سے لے لی جائے۔ یعنی یقینی بات۔

(سبل الهدٰی والرشاد جزء 4صفحہ21دارالکتب العلمیة بیروت1993ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ ''**صرف دو شخص تھے جنہوں نے**'' اس مہم میں ''شمولیت سے تأمل کیا اور وہ ابولہب اور امیہ بن خَلَف تھے مگر ان کے تأمل کی وجہ بھی مسلمانوں کی ہمدردی نہیں تھی بلکہ ابولہب تو اپنی بہن عاتکہ بنت عبد المطلب کے خواب سے ڈرتا تھا جو اس نے ضمضم کے آنے سے صرف تین دن پہلے قریش کی تباہی کے متعلق دیکھا تھا اور امیہ بن خَلَف اس پیشگوئی کی وجہ سے خائف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل ہونے کے متعلق فرمائی تھی اور جس کا علم اسے سعد بن معاذ کے ذریعہ مکہ میں ہو چکا تھا لیکن چونکہ ان دو نامی رؤساء کے پیچھے رہنے سے عامۃ الکفار پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا اس لئے دوسرے رؤسائے قریش نے جوش اور غیرت دلا دلا کر آخر ان دونوں کو رضامند کر لیا۔ یعنی امیہ تو خود تیار ہو گیا اور ابولہب نے ایک دوسرے شخص کو کافی روپیہ دینا کر کے اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور اس طرح تین دن کی تیاری کے بعد ایک ہزار سے زائد جانباز سپاہیوں کا لشکر مکہ سے نکلنے کو تیار ہو گیا۔ ابھی یہ لشکر مکہ میں ہی تھا کہ بعض رؤسائے قریش کو یہ خیال آیا کہ چونکہ بنو کنانہ کی شاخ بنو بکر کے ساتھ اہل مکہ کے تعلقات خراب ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر وہ ان کے پیچھے مکہ پر حملہ کر دیں اور اس خیال کی وجہ سے بعض قریش کچھ متزلزل ہونے لگے مگر بنو کنانہ کے ایک رئیس سراقہ بن مالک بن جعشم نے جو اس وقت مکہ میں تھا ان کو اطمینان دلایا اور کہا کہ میں اس بات کا ضامن ہوتا ہوں کہ مکہ پر کوئی حملہ نہیں ہو گا بلکہ سراقہ کو مسلمانوں کی مخالفت کا ایسا جوش تھا کہ قریش کی اعانت میں وہ خود بھی بدر تک گیا لیکن وہاں مسلمانوں کو دیکھ کر اس پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ جنگ سے پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ آیا..... مکہ سے نکلنے سے پہلے قریش نے کعبہ میں جا کر دعا کی کہ 'اے خدا! ہم دونوں فریقوں میں سے جو گروہ حق پر قائم ہے اور تیری نظروں میں زیادہ شریف اور زیادہ افضل ہے تو اس کی نصرت فرما اور دوسرے کو ذلیل و رسوا کر۔' اس کے بعد کفار کا لشکر بڑے جاہ و حشم کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 350-351)

اپنی تباہی کی تو خود انہوں نے دعا کر لی۔ ابتدا میں مکی لشکر کی تعداد تیرہ سو تھی۔

(الرحیق المختوم صفحہ 281 ، مکتبة السلفیة لاھور2000ء)

یہ حوالہ ملتا ہے لیکن بنو زہرہ اور بنو عدی کے لوگ راستے میں اس لشکر سے علیحدہ ہو گئے اس طرح قریش کے لشکر کی تعداد ساڑھے نو سو یا ایک روایت کے مطابق ایک ہزار رہ گئی۔ اس کے بعد ان کے پاس ایک سو یا بعض کے نزدیک دو سو گھوڑے سات سو اونٹ چھ سو زرہیں اور دیگر سامان جنگ بھی مثلاً نیزہ اور تلوار اور تیر کمان وغیرہ کافی تعداد میں موجود تھا۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 352)

(ماخوذ از السیرة النبویة لابن کثیر صفحہ248-249دارالکتب العلمیة بیروت2005ء)

سردارانِ قریش کی ہلاکت کے متعلق جُھَیم بن صَلت کا خواب ہے، اس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اہل قریش مکہ سے نکلے اور جحفہ میں اترے۔ جحفہ مکہ سے مدینہ کی جانب قریباً بیاسی میل کے فاصلے پر ہے۔ تو جُھَیم بن صَلت نے لوگوں سے بیان کیا کہ مَیں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آیا اور ایک اونٹ بھی اس کے ساتھ ہے اور وہ شخص کہہ رہا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کا قتل ہوا اور شیبہ بن ربیعہ قتل ہوا اور ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل قتل ہوا اور امیہ بن خَلَف قتل ہوا اور فلاں فلاں اور سرداران قریش میں سے جو لوگ بعد میں بدر میں قتل ہوئے سب کے نام لیے اور پھر اس شخص نے جو آیا تھا اپنے اونٹ کی گردن میں نیزہ مار کر ہمارے لشکر کی طرف چھوڑ دیا تو ہمارے لشکر میں سے کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس کو اس اونٹ کا خون نہ لگا ہو۔ جب یہ خواب ابوجہل نے سنا تو تمسخر اور غصے سے کہنے لگا۔ بنو مطلب میں سے یہ ایک اَور نبی پیدا ہو گیا ہے۔ کل اگر ہم نے جنگ کی تو خوب معلوم ہو جائے گا کہ کون قتل ہوتا ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام صفحہ422-423 ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبد المطلب، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

بہر حال جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ابوسفیان تو راستہ بدل کے چلا گیا تھا۔ اس نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے واپس آ جاؤ اور جیسا کہ پچھلی دفعہ بھی بیان ہوا تھا کہ خود ابوسفیان احتیاطاً قافلے سے آگے بڑھ کر پانی کے پاس اترا اور وہاں کسی آدمی سے پوچھا کہ تُو نے کسی کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ اس نے کہا مَیں نے کوئی خلاف معمول آدمی کو تو نہیں دیکھا البتہ مَیں نے دو سوار دیکھے ہیں جنہوں نے اپنے اونٹ اس ٹیلے کے پاس بٹھائے اور مشکیزے میں پانی بھر کر چلے گئے۔ ابوسفیان ان کے اونٹ بٹھانے کی جگہ آیا اور ان کے اونٹوں کی مینگنیاں اٹھا کر توڑیں تو ان میں کھجور کی گٹھلیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر بولا بخدا! یہ تو یثرب کا چارہ ہے۔ وہ تیزی سے اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگا اور اپنے اونٹوں کے منہ پر ضربیں لگا کر انہیں راستے سے پھیر دیا اور ساحل سمندر کی طرف نکل گیا اور بدر کو اپنے دائیں جانب چھوڑ کر تیزی سے روانہ ہو گیا۔

(ماخوذ از السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ422، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

یہ مَیں گذشتہ خطبے میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ بہر حال جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے قافلے کو محفوظ کر لیا ہے تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم صرف اپنا قافلہ آدمی اور مال بچانے کے لیے نکلے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا ہے اس لیے تم واپس لوٹ آؤ لیکن ابوسفیان کا پیغام سن کر ابوجہل نے کہا بخدا! ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ ہم بدر کے مقام تک پہنچ جائیں۔ بدر عرب کے میلوں میں سے ایک میلے کا مقام بھی تھا جہاں ان کے لیے ہر سال بازار لگتا تھا۔ اس نے کہا کہ ہم وہاں تین دن قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، ہماری کنیزیں ہمارے سامنے گیت گائیں گی۔ سارا عرب ہمارے متعلق اور ہمارے سفر اور ہمارے لشکر کے متعلق سنے گا پھر وہ ہمیشہ ہم سے خوفزدہ رہیں گے اس لیے بڑھتے چلو۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 423۔ دارالکتب العلمیۃ 2001ء)

ایک رعب قائم کرنے کے لیے اس نے کہا کہ ہم نے وہاں جنگی لشکر لے کر جانا ہی جانا ہے۔ ان کے ساتھ قبیلہ بنو زہرہ بھی تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے اس نے واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ ابوسفیان کو جب یہ پیغام ملا تو یہ سن

کر اخنس بن شَرِیق نے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا کہا اے بنو زہرہ! اللہ نے تمہارے اموال بھی بچا لئے ہیں اور تمہارے ساتھی مَخْرَمَہ بن نوفل کو بھی نجات بخشی ہے۔ یہ ابوسفیان کے قافلے میں شامل تھا۔ تم گھروں سے اس لیے نکلے تھے کہ مَخْرَمَہ کو بچاؤ اور اپنے مال کی حفاظت کرو۔ تم بزدلی کا الزام مجھ پر عائد کر دو۔ لوگ یہی کہیں گے ناں کہ بزدل ہو، جنگ چھوڑ رہے ہو۔ تو کہتا ہے یہ الزام مجھ پر عائد کر دو اور واپس چلو کیونکہ نقصان نہ ہونے کی صورت میں تمہیں نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابوجہل کی باتوں میں نہ آؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور بنو زہرہ کا کوئی فرد جنگ میں شریک نہ ہوا۔ اسی طرح بنو عدی بن کعب سے بھی کوئی آدمی جنگ کے لیے نہ گیا اور واپس چلا گیا۔ لشکر قریش آگے بڑھتا گیا۔ حضرت ابوطالب کے بیٹے طالب بھی اس لشکر میں شریک تھے۔

قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ ان کی گفتگو ہوئی۔ قریش نے طنزاً کہا بخدا! اے بنی ہاشم! ہم جانتے ہیں کہ اگرچہ تم ہمارے ساتھ نکل آئے ہو لیکن تمہاری دلی ہمدردیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ یہ بات سن کر طالب اپنے کئی ساتھیوں کے ہمراہ واپس مکہ لوٹ آئے۔ ایک روایت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ طالب بن ابوطالب جبراً مشرکین کے ساتھ بدر گیا تھا مگر نہ قیدیوں میں اس کا پتا چلا اور نہ مقتولین میں ملا اور اپنے گھر بھی واپس نہیں لوٹا۔

(تاریخ طبری مترجم جلد دوم صفحہ 137 نفیس اکیڈمی کراچی)

طبری کا یہ حوالہ ہے۔ بہرحال باقی لشکر جو کہ اب تیرہ سو سے کم ہو کر قریباً ایک ہزار رہ گیا تھا اس نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ انہوں نے بدر کے قریب ایک ٹیلے کے پیچھے جا کر ڈیرہ ڈال لیا۔

(ماخوذ از السیرۃ النبویہ لابن ھشام صفحہ 423 ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبد المطلب، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی اور مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کے بارے میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ رمضان دو ہجری بروز ہفتہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تین سو سے کچھ اوپر افراد تھے جن میں چوہتر 74 مہاجرین اور باقی انصار میں سے تھے۔ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں انصار بھی شامل ہوئے تھے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہی رکنے کا حکم دیا کیونکہ ان کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ خود بیمار تھے لیکن زیادہ معروف روایت یہی ہے کہ ان کی اہلیہ محترمہ بیمار تھیں۔ بعض اور زیادہ تر روایات میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ بیان ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں ذکر ہے کہ حضرت بَراء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ نے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مجھے بتایا کہ وہ تعداد میں اتنے ہی تھے جتنے طالوت کے وہ ساتھی تھے جو اُن کے ساتھ دریا سے پار ہوئے تھے یعنی تین سو دس سے کچھ اوپر۔ حضرت براءؓ کہتے تھے بخدا! طالوت کے ساتھ دریا سے صرف مومن ہی پار گئے تھے۔

(ماخوذ از الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 8 دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب عدّۃ اصحاب بدر حدیث 3957)

(غزوات النبی ﷺ از علامہ برہان حلبی، مترجم، صفحہ 72 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی 2001ء)

ایک روایت میں ذکر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو گنتی کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے

گنتی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ تین سو تیرہ ہیں تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: طالوت کے ساتھیوں جتنے ہیں۔

(سبل الھدٰی والرشاد جزء 4صفحہ25دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

حضرت مصلح موعودؓ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ہم دیکھتے ہیں کہ بدر کے موقع پر صحابہ 313 کی تعداد میں نکلے تھے اگر وہ بجائے 313 کے چھ یا سات سو کی تعداد میں نکلتے اور وہ صحابہ بھی شامل ہو جاتے جو مدینہ میں ٹھہر گئے تھے تو لڑائی ان کے لئے زیادہ آسان ہو جاتی مگر خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس جنگ کے متعلق بتا دیا لیکن ساتھ ہی منع بھی فرما دیا کہ جنگ کے متعلق کسی کو بتانا نہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بعض گزشتہ پیشگوئیوں کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ مثلاً صحابہؓ کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور بائبل میں یہ پیشگوئی موجود تھی کہ جو واقعہ جدعون کے ساتھ ہوا تھا وہی واقعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو پیش آئے گا اور جب جدعون نبی اپنے دشمن سے لڑے تھے تو ان کی جماعت کی تعداد 313 تھی۔ اب اگر صحابہؓ کو معلوم ہو جاتا کہ ہم جنگ کے لئے مدینہ سے نکل رہے ہیں تو وہ سارے کے سارے نکل آتے اور ان کی تعداد 313 سے زیادہ ہو جاتی۔ اِسی حکمت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس امر کو مخفی رکھا تا کہ صحابہؓ کی تعداد 313 سے زیادہ نہ ہونے پائے کیونکہ 313 صحابہؓ کا جانا ہی پیشگوئی کو پورا کر سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ جنگ کی خبر کو مخفی رکھا جاتا اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر صحابہؓ کو بتایا گیا کہ تمہارا مقابلہ لشکرِ قریش سے ہو گا۔"

(ایک آیت کی پُر معارف تفسیر، انوار العلوم جلد18 صفحہ 619)

ایک خاتون تھیں ام ورقہ بنت نوفل ان کے جذبہ جہاد کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہونے لگے تو حضرت ام ورقہؓ نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے بھی جہاد پر جانے کی اجازت دیں میں آپؐ کے ساتھ بیماروں کی تیمار داری کروں گی شاید اللہ مجھے بھی شہادت نصیب فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو تمہیں اللہ تعالیٰ شہادت نصیب کرے گا۔ اس صحابیہ نے قرآن کریم پڑھ رکھا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا تھا۔ چنانچہ عام مسلمان بھی انہیں شہیدہ ہی کہنے لگے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت ام ورقہؓ کے ایک غلام اور لونڈی نے انہیں ایک چادر میں لپیٹ کر بیہوش کر دیا یہاں تک کہ وہ وفات پا گئیں۔ اس غلام اور لونڈی کے بارے میں انہوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ میری وفات کے بعد آزاد ہوں گے۔ قاتلوں کو حضرت عمرؓ کے حکم پر پھانسی دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ چلو شہیدہ سے مل کر آئیں۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد2صفحہ197 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

جب اس کے گھر جاتے تھے تو حضرت عمرؓ وغیرہ کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اسلامی لشکر کی قوت کی تفصیل اس طرح لکھی ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس پانچ گھوڑے تھے۔ بعض کے نزدیک صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت مقدادؓ کا گھوڑا اور ایک حضرت زبیرؓ کا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ

بدر کے دن حضرت مقدادؓ کے علاوہ کوئی اَور گھڑ سوار نہیں تھا۔ تو بہر حال روایات میں گھوڑوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد جو ملتی ہے وہ پانچ کی ملتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس ساٹھ زرہیں تھیں اور اونٹوں کی تعداد ستر یا اسّی تھی جن پر سب باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت مرثد بن ابو مرثدؓ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپؐ کی باری میں پیدل چلتے ہیں اور آپؐ سوار ہی رہیں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ ہی مَیں تم دونوں کی نسبت اجر و ثواب سے بے نیاز ہوں۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیۃ جلد2صفحہ 204-205 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

(ماخوذ از السیرۃ النبویۃ لابن کثیر صفحہ249 دارالکتب العلمیۃ بیروت2005ء)

(غزوات النبی ﷺ تالیف علامہ علی بن برہان الدین حلبی، مترجم صفحہ 76، دار الاشاعت کراچی 2001ء)

(دلائل النبوۃ للبیھقی جلد 3 صفحہ 32 مطبوعہ دارالریان للتراث قاھرہ1988ء)

مجھے بھی جنگ کا، اس سفر کا، مہم کا اجر و ثواب چاہیے۔ صحابہ کرامؓ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا تھی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ راستے میں ایک مقام سے کوچ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے لیے یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ ننگے پاؤں ہیں ان کو سواریاں عطا فرما اور یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس عطا فرما۔ یہ بھوکے ہیں انہیں سیر کر دے۔ یہ تنگدست ہیں انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور غزوۂ بدر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ اگر اس نے سواری پر جانا چاہا تو اس کو ایک دو ایسے اونٹ نہ مل گئے ہوں جنہیں وہ استعمال کر سکے۔ اسی طرح جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انہیں کپڑے مل گئے اور سامانِ رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہ رہی۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کا اس قدر معاوضہ ملا کہ ہر خاندان دولتمند ہو گیا۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیۃ جلد2صفحہ 204 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

بعض لوگ مدینہ میں رہے اور بعض کم عمر مجاہدین تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جانے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ بدر کی طرف نکلنے کا ارشاد ہر چند کہ عام تھا لیکن اس میں زیادہ تیاری کا موقع نہیں دیا گیا۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ مدینہ سے کچھ دُور ہماری سواریاں ہیں ہم وہ لے آئیں تو ارشاد ہوا کہ نہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو رہنے دیا یا وہ بغیر سواری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہاں جو لکھا ہے یہ عام تھا۔ یہ عام تو تھا لیکن پھر بھی پابندیاں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بھی نہیں دیا کسی کو تیاری کا کہ لوگ زیادہ تیار بھی نہ ہو جائیں۔ بہر حال لکھا ہے کہ اسی طرح کچھ مخلص ایسے تھے کہ جنہیں کسی نہ کسی عذر کی بنا پر پیچھے رہنے کی اجازت ملی جیسے حضرت عثمانؓ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اسی طرح ابو امامہ بن ثعلبہ کی والدہ بیمار تھیں لیکن انہوں نے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اپنی بیمار والدہ کے پاس ٹھہریں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے

واپس تشریف لائے تو ان کی والدہ انتقال کر چکی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر جا کر دعا کی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ جو بڑے جوش و خروش سے لوگوں کو سفر کے لیے تیار کر رہے تھے ان کو سانپ نے ڈس لیا تو وہ مدینہ میں ہی رہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک **مقام پر رُک کر جو کم عمر مجاہدین تھے** انہیں واپس جانے کا ارشاد فرمایا۔ ان میں ایک عُمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ انہوں نے جب بچوں کی واپسی کا حکم سنا تو رونا شروع کر دیا جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ پر جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ جن کم عمر مجاہدین کو واپس بھیجا گیا ان میں اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اُسید بن ظُہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت شامل تھے۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد2صفحہ202دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)(البدایۃ والنہایۃ جزء 5 صفحہ 227 دار ھجر بیروت1997ء)(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 68 مطبوعہ دارالریان للتراث قاھرہ1988ء)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ:

”آج وہ زمانہ آیا ہے کہ لوگ اسلام اور ایمان کے لئے قربانی سے بچنے کے لئے عذر اور بہانے تلاش کرتے ہیں اور وقت آنے پر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ دقّت ہے وہ روک ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے ماتحت مسلمانوں میں قربانی کا وہ جذبہ پیدا ہو چکا تھا کہ مرد اور بالغ عورتیں تو الگ رہیں بچے بھی اسی جذبہ سے سرشار نظر آتے تھے یہاں تک کہ بدر کی جنگ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلایا تا کہ ان میں سے ان لوگوں کا انتخاب کریں جو جنگ کے قابل ہوں۔ اس وقت ایک لڑکے کے متعلق آتا ہے، دوسرے صحابہ اور وہ خود بھی بیان کرتا ہے کہ جس وقت وہ لوگ کھڑے ہوئے وہ بھی اس جوش میں کہ اسلام کی خاطر جان قربان کرنے کا موقع ملے ان میں کھڑا ہو گیا مگر چونکہ قد چھوٹا تھا دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں چھوٹا معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے خطرہ تھا کہ شاید منتخب نہ ہو سکے۔ اس لیے وہ اپنے انگلیوں کے بل کھڑا ہو گیا“ پنجے کے بل کھڑا ہو گیا ”اور ایڑیاں اوپر اٹھالیں تا قد اونچا معلوم ہو اور چھاتی تان لی تا کمزور نہ سمجھا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پندرہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا نہ لیا جائے اور جب آپؐ انتخاب کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے تو فرمایا کہ یہ بچہ ہے اسے کس نے کھڑا کر دیا ہے اسے ہٹا دو۔ مگر آج ایسا ہوتا تو شاید ایسا بچہ خوشی سے اچھلنے لگتا کہ میں بچ گیا لیکن جب اس بچہ کو الگ کیا گیا تو وہ اتنا رویا اتنا رویا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آ گیا اور آپؐ نے فرمایا اچھا اسے لے لیا جائے۔“

(خطبات محمود جلد17 صفحہ 265)

اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا جو امیر مقرر کیا تھا اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”مدینہ سے نکلتے ہوئے آپؐ نے اپنے پیچھے عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا مگر جب آپؐ روحاء کے قریب پہنچے جو مدینہ سے 36 میل کے فاصلہ پر ہے تو غالباً اس خیال سے کہ عبداللہ ایک نابینا آدمی ہیں اور لشکر قریش کی آمد آمد کی خبر کا تقاضا ہے کہ آپؐ کے پیچھے مدینہ کا انتظام مضبوط رہے۔ آپؐ نے ابولُبابہ بن منذر کو مدینہ کا امیر مقرر کر کے واپس بھجوا دیا اور عبداللہ بن ام مکتوم کے متعلق حکم دیا کہ وہ صرف امام الصلوٰۃ رہیں مگر

انتظامی کام ابولُبابہ سرانجام دیں۔ مدینہ کی بالائی آبادی یعنی قباء کے لئے آپؐ نے عاصم بن عدی کو الگ امیر مقرر فرمایا۔"
(سیرت خاتم النبیینؐ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 354)

اسلامی لشکر کے جھنڈے کے بارے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کو عطا فرمایا۔ یہ سفید رنگ کا تھا۔ اس کے علاوہ دو سیاہ رنگ کے جھنڈے بھی تھے جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے پاس تھا جس کا نام عقاب تھا۔ یہ جھنڈا حضرت عائشہؓ کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا اور دوسرا جھنڈا ایک انصاری صحابی کے پاس تھا۔ ایک روایت کے مطابق اسلامی لشکر کے پاس تین جھنڈے تھے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت مُصْعَب بن عُمیرؓ کے پاس، قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذرؓ کے پاس اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس تھا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد2صفحہ 203 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

حضرت خَوَّاتْ بن جُبَیرؓ بھی جنگ میں ساتھ تھے لیکن رستے میں ایک مقام پر پہنچ کر ان کی ٹانگ پر ایک پتھر لگنے کی وجہ سے چوٹ آئی اور خون بہنا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے وہ چلنے کے قابل نہ رہے اس لیے مدینہ واپس چلے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی مالِ غنیمت میں حصہ رکھا۔ بعض علماء کے نزدیک وہ جنگِ بدر میں شامل ہوئے تھے۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد2 صفحہ202 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ واپس چلے گئے۔ **مشرک کی مدد لینے سے انکار کے بارے میں** لکھا ہے کہ مدینہ میں حبیب بن یَساف نامی ایک نہایت طاقتور اور بہادر شخص تھا یہ شخص قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا اور غزوۂ بدر کے موقع تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر یہ بھی اپنی قوم خزرج کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ ہوا اور جنگ جیتنے کی صورت میں اس کو مالِ غنیمت ملنے کی بھی امید تھی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہو رہا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی جنگ میں جائے گا جو ہمارے دین پر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم واپس جاؤ ہم مشرک کی مدد نہیں لینا چاہتے۔ حبیب بن یساف دوسری مرتبہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ بھی اسے واپس بھیج دیا۔ آخر تیسری مرتبہ جب وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اور اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور نہایت بہادری کے ساتھ جنگ لڑی۔ (السیرۃ الحلبیۃ جلد2 صفحہ204 دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

اس سفر کے دوران حضرت سعدؓ کے ہرن کے شکار کے بارے میں بھی ذکر ملتا ہے۔ راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا۔ اے سعد! ہرن کو دیکھو اور اسے تیر مارو۔ راستے میں ان کو ہرن نظر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنی ٹھوڑی مبارک حضرت سعدؓ کے دونوں کندھوں اور دونوں کانوں کے درمیان رکھی اور فرمایا تیر پھینکو۔ اے اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے۔ پھر انہوں نے تیر مارا تو ان کا نشانہ ہرن سے خطا نہ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور حضرت سعدؓ

دوڑتے ہوئے گئے اور اس ہرن کو پکڑا تو اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ چنانچہ اسے ذبح کیا اور اٹھا کر لے آئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسے صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔

(سبل الھدٰی والرشاد جزء 4صفحہ25دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جاری رکھا۔ جب صَفراء مقام پر پہنچے جو ایک بہت سرسبز اور کھجور کے درختوں پر مشتمل وادی ہے جو بدر کے میدان سے ایک مرحلے کے فاصلے پر واقع ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دو اشخاص کو بدر کی جانب روانہ کیا اور خود بھی لشکر کے ہمراہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ذَفِران نامی وادی سے گزرتے ہوئے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا جو وادی صَفْراء کے قریب ہی ایک وادی کا نام ہے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ420، دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

(معجم البلدان جلد 3 صفحہ 468 ، صفحہ 7 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

دونوں اشخاص جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا چلتے چلتے بدر میں جا پہنچے۔ وہاں پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس اونٹ بٹھائے پھر مشکیزہ لے کر ان میں پانی بھرنے لگے۔ ان دونوں نے وہاں دو لڑکیوں کی آوازیں سنیں جو ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے پانی کی طرف آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک دوسری سے کہہ رہی تھی۔ قافلہ کل یا پرسوں آئے گا میں ان کے پاس مزدوری کر کے تیرا قرض اتار دوں گی۔ ان لڑکیوں کے علاوہ ایک اور آدمی بھی وہاں موجود تھا اس آدمی نے کہا تم سچ کہہ رہی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے یہ باتیں سن لیں اور دونوں اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا اس کی اطلاع دے دی۔

(ماخوذ از السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ422، دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

بتایا کہ اس طرح ایک لشکر آ رہا ہے۔ تو یہ اطلاع جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تو آپ بھی مزید ہوشیار ہو گئے۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گی۔

اس وقت میں کچھ مرحومین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک حاضر جنازہ ہے جو مکرم شیخ غلام رحمانی صاحب یوکے کا ہے۔ گذشتہ دنوں ان کی بانوے سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ حضرت شیخ غلام جیلانی صاحب آف امرتسر صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے تھے اور مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب جن کو لمبا عرصہ کراچی کی جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔ عرصے تک امیر جماعت کراچی بھی رہے۔ ان کے داماد تھے۔ مکرم شیخ غلام رحمانی صاحب کے والد نے 1902ء میں قادیان کا سفر کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت حاصل کی اور یہ کہتے ہوئے فوری ایمان لے آئے کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ غلام رحمانی صاحب 1958ء میں برطانیہ آئے۔ یہاں آ کر الیکٹریکل انجنیئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر لمبا عرصہ یہاں ہسپتال میں ایک میڈیکل ریسرچ کونسل میں کام کیا۔ کئی سال تک بطور نیشنل جنرل سیکرٹری اور دس سال سے زائد عرصہ صدر جماعت ساؤتھ آل (Southall) کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ ساؤتھ آل مشن کی لوکل کونسل سے منظوری کے لیے

بہت کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو بارآور بھی کیا۔ جب ایک گھر میں مشن ہاؤس قائم کیا گیا تو ایک پڑوسی نے مقامی انتظامیہ سے شکایت کر دی۔ انتظامیہ نے صورتحال کا جائزہ لیا اور اس کو بند کرنے کا ارادہ کیا لیکن رحمانی صاحب نے بڑی کوشش کر کے بڑی محنت سے اپنا موقف انتظامیہ کے سامنے پیش کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی ملی اور جماعت کے حق میں فیصلہ ہوا۔ رحمانی صاحب نے سالہا سال تک ساؤتھ آل مشن ہاؤس میں اتوار کی کلاسز منعقد کیں اور نئی نسل کے کئی لوگوں کو اسلام احمدیت کی تعلیم سے روشناس کروایا۔ 1996ء میں آپ نیشنل سیکرٹری وصایا مقرر ہوئے اور جب 2005ء میں مَیں نے وصیت کے بارے میں تحریک کی تھی کہ پچاس فیصد چندہ دہند ضرور موصی ہوں تو انہوں نے بڑی محنت سے اس بارے میں کوشش کی اور تحریک بھی کرتے رہے اور انہوں نے شعبہ وصایا کو کمپیوٹرائزڈ بھی کیا اور آرگنائزڈ کیا۔ مرحوم صوم و صلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کے پابند تھے۔ خوش گفتار، دھیمے مزاج کے مالک، کم گو، پیار محبت سے ملنے والے ایک نیک ہمدرد اور مخلص انسان تھے۔ خلافت کے ساتھ عقیدت کا والہانہ تعلق تھا۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی ان کو ملی۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ جمیلہ رحمانی صاحبہ کے علاوہ ایک بیٹے خالد رحمانی اور بیٹی عائشہ ہیں۔ آپ ڈاکٹر نسیم رحمت اللہ صاحب جو الاسلام ویب سائٹ کے چیئرمین ہیں ان کے بہنوئی بھی ہیں۔

لئیق طاہر صاحب مربی سلسلہ لکھتے ہیں۔ ہر ماہ مسجد فضل میں آتے تھے اور چندے کی بڑی رقم ادا کر کے رسید لے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مجھے ان کے ساتھ اتنا ہی تعارف تھا لیکن ان کی طبیعت پر ان کی نیکی کا اثر تھا۔ تفصیلی تعارف 1990ء میں ہوا جب ان کی بطور مربی یہاں ساؤتھ آل میں تقرری ہوئی۔ کہتے ہیں ان دنوں یہ ساؤتھ آل کے صدر جماعت تھے۔ مشن ہاؤس کی نگہداشت اپنے گھر کی طرح کرتے تھے۔ بیشتر وقت مشن ہاؤس میں رہتے۔ اس کی صفائی ستھرائی کا کام بھی کرتے۔ مشن ہاؤس کی توسیع بھی انہی کے وقت میں ہوئی۔ بہت باادب تھے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے سے محبت اور پیار اور بزرگانہ مروت سے پیش آتے تھے۔ سلسلے کے پیسے کی حفاظت کرتے اور انتہائی بے نفس انسان تھے۔ ان کی جو خوبیاں بیان ہوئی ہیں ان میں ایک خوبی مَیں نے بھی دیکھی ہے۔ انتہائی عاجزی تھی اور خلافت سے وفا کا بڑے انتہا کا تعلق تھا۔ اس میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی اور اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا جنازہ غائب ہے۔ رحمانی صاحب کا یہ جنازہ تو حاضر ہے جمعے کے بعد ان شاء اللہ ادا ہو گا اس کے ساتھ کچھ غائب جنازے ہیں۔

غائب جنازوں میں پہلا جنازہ طاہر آگ محمد صاحب کا ہے۔ یہ مہدی آباد، ڈوری، برکینا فاسو کے ہیں۔ ان کی گذشتہ دنوں وفات ہوئی ہے۔ 44 سال ان کی عمر تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مشنری انچارج صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے والد نے 1999ء میں بیعت کی سعادت پائی تھی لیکن انہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ پھر انیس سال کی عمر میں پاؤں میں تکلیف ہوئی اور واگاڈوگو علاج کے لیے گئے۔ اپنی بیماری میں بہت دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے سیدھا

راستہ دکھا۔ اگر احمدیت سچی ہے تو میری راہنمائی کر۔ نوجوانی میں ان کو یہ شوق تھا کہ دین کے بارے میں جانیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگی۔ دورانِ علاج مختلف خوابوں کی بنا پر ان کو تسلی ہو گئی اور واپس آ کر بیعت کر لی۔ پھر انہوں نے جماعت کے سلائی سینٹر سے ہی سلائی کا کام سیکھ لیا اور اسی کو اپنی گزر بسر کا ذریعہ بھی بنایا۔ اس عید پر عید الفطر میں شہداء کی جو فیملیز تھیں، برکینا فاسو کے جو شہداء تھے۔ ان کے کپڑے سلوانے تھے کوئی درزی کام لینے کو تیار نہیں تھا۔ جب وہاں مربی صاحب (رانا فاروق صاحب) نے ان سے پوچھا تو انہوں نے حامی بھر لی۔ میاں بیوی نے دن رات کام کر کے ستر افراد کے کپڑے عید سے پہلے سی کر بھجوا دیے۔ محمد صاحب کو تبلیغ کا بھی بڑا شوق تھا اور بڑی سلجھی ہوئی گفتگو کرتے تھے۔ اگرچہ پڑھے لکھے کم تھے یا نہیں تھے لیکن فرنچ بہت اچھی بولتے تھے۔ ان کی ٹانگ کینسر کی وجہ سے گھٹنے کے اوپر سے کاٹ دی گئی تھی۔ کچھ دن پہلے اچانک تکلیف کا دوبارہ حملہ ہوا جہاں سے ٹانگ کاٹی گئی تھی وہ سوجی لیکن ملک کے حالات کیونکہ خراب ہیں، سب راستے بند ہیں۔ واگاڈوگو میں جہاں بڑا ہسپتال تھا جا نہیں سکتے تھے۔ تو وہیں مقامی ہسپتال میں ہی چند دن رہے اور پھر وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ جب سے احمدی ہوئے تھے انہیں تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ ہمیشہ کوئی طریقہ نکال لیتے تھے۔ سمارٹ فون خریدا تو اپنے امام الحاج ابراہیم بدگا صاحب سے کہا کہ اس میں تبلیغ ریکارڈ کر کے لوگوں کو پیغام بھیجا کریں اور اس طرح تبلیغ کرتے تھے۔ خرچ بھی اس کا خود برداشت کرتے تھے۔ پسماندگان میں ان کی دو بیویاں ہیں اور پانچ بیٹے بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے اور ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔ مرحوم کے درجات بلند کرے۔

اگلا جنازہ، ذکر خواجہ داؤد احمد صاحب کا ہے۔ یہ 25 رمئی کو اسّی سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے ایک بیٹے خواجہ فہد احمد کیری باس میں مربی سلسلہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں احمدیت کا نفوذ میرے دادا خواجہ عبد اللطیف صاحب ولد خواجہ احمد دین صاحب کے ذریعے ہوا۔ دادا جان کی پرورش ان کے نانا خواجہ غلام محمد صاحب کے گھر میں ہوئی جو اللہ کے فضل سے احمدی تھے۔ کہتے ہیں میرے دادا جان نے ان کی زیر پرورش 1917ء میں تقریباً گیارہ سال کی عمر میں سلسلہ کی بیعت کی اور یوں اپنے سب بہن بھائیوں میں واحد احمدی تھے۔ کینیڈا میں طویل عرصہ ان کو جماعتی خدمت کی بھی توفیق ملی۔ پہلے پاکستان میں جماعت اسلام آباد میں ان کو کافی عرصہ خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ 1974ء میں بطور قائد مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پاکستان قومی اسمبلی میں آمد کے موقع پر بھی ان کو خدمت کی توفیق ملی۔ اس حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں اظہار خوشنودی بھی فرمایا۔ پیشے کے اعتبار سے یہ سول انجنیئر تھے۔ خلافت سے والہانہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ جماعتی خدمات کی بطریق احسن انجام دہی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ بوقتِ وفات مقامی سینٹر میں تھے۔ جماعت کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں تھے۔ گھر کے لیے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے سینے میں کچھ تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے اور چند منٹوں میں اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا ایک بیٹے واقف زندگی ہیں۔ کیری باس میں مربی ہیں، مبلغ ہیں اور وہاں جلسے کی مصروفیات اور جماعتی مصروفیات کی وجہ سے کینیڈا نہیں آ سکے۔ اپنے والد کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکے

تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔ مرحوم کے درجات بلند کرے۔

اگلا ذکر ہے مکرم سید تنویر شاہ صاحب۔ یہ بھی کینیڈا کے، سسکاٹون کے ہیں۔ ان کی گذشتہ دنوں پیرا گوئے میں وفات ہوئی۔ وہاں یہ وقف عارضی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے بھی ایک ہی بیٹے ہیں سید رضا شاہ اور وہ مربی سلسلہ ہیں۔ تنویر شاہ صاحب کی والدہ فرخ خانم صاحبہ ترکستان سے اپنے بھائی حاجی جنود اللہ اور اپنی والدہ کے ساتھ قادیان بیعت کے لیے آئی تھیں۔ ان کے بیٹے لکھتے ہیں کہ میرے دادا سید بشیر شاہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت سید عبد الستار شاہ صاحب کے نواسے تھے۔ اس طرح ان کی حضرت ام طاہر سے بھی رشتہ داری تھی۔ مرحوم جماعت کے بہت وفادار ممبر تھے۔ تنویر شاہ صاحب ہمیشہ جماعت کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کے بیٹے لکھتے ہیں کہ جماعت کے پروگراموں میں ہمیں ضرور لے کے جاتے تھے اور ہر جمعے کو باقاعدہ سکول سے چھٹی کروا کے جمعے پر لے کے جایا کرتے تھے۔ مالی قربانیوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ہمیشہ تنخواہ سے ایک حصہ اس کے لیے نکالتے اور گھر والوں اور جماعت کو بھی ایسا کرنے کے لیے کہتے رہتے تھے۔ تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ اکثر بتایا کرتے تھے کہ کس طرح ہم جماعت میں اچھی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ پیرا گوئے میں بھی خوشی سے بتایا کہ ان کی موجودگی میں دو بیعتیں ہوئی تھیں۔ قناعت بھی ان میں بہت تھی۔ کبھی دولت نہیں چاہی اور نہ اس کی حسرت تھی بلکہ جو اللہ نے انہیں دیا ہمیشہ اس پر شکر گزار رہتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پر یقین اور توکل تھا کہ جو بھی ضرورت ہے اللہ پوری کر دے گا اور جب کوئی مشکل آتی تو کہتے کہ دعا کرو، اللہ سنبھال لے گا اور اللہ تعالیٰ سنبھال بھی لیا کرتا تھا۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں مجھے بار بار کہتے تھے کہ بطور مربی اپنی ذمہ داری سمجھو اور اخلاص سے کام کیا کرو۔ ان کی اہلیہ کہتی ہیں کہ انتالیس سال کا ہمارا ساتھ تھا اور میں نے ان میں کوئی کمی نہیں دیکھی۔ خلیفہ وقت کے ساتھ بہت پیار اور وفا کا تعلق تھا اور بچوں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ صراط مستقیم پر خود بھی چلتے اور بچوں کو بھی چلاتے۔ کہتی ہیں ہماری زندگی کے دوران کبھی بھی کسی کے بارے میں برا بیان نہیں کیا۔ اور پھر سسرالی رشتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کہتی ہیں کہ میری والدہ کو جب بھی میری ضرورت ہوئی مجھے خوشی سے ان کے پاس بھیج دیا۔ پیرا گوئے کے مربی عبد النور باطن صاحب کہتے ہیں کہ کینیڈا میں مختلف عہدوں پر انہیں خدمت کی توفیق ملتی رہی لیکن ان میں فخر اور برتری ظاہر کرنے کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ ان میں جماعت کی خدمت کا بہت شوق تھا۔ جہاں بھی جاتے بھرپور انداز میں ہمیشہ ایک فرض سمجھ کر نہایت محبت کے ساتھ کام سرانجام دیتے۔ کہتے ہیں ان کی شخصیت کا پیرا گوئے جماعت کے نوجوانوں پر گہرا اثر تھا۔ انہیں صبر، مہربانی اور مہمان نوازی سکھائی۔

صدر جماعت رجائنا حبیب الرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ جماعت کے بہت مخلص خادم تھے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ میں نے انہیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ بہت حلیم اور پیار سے کارکنوں سے کام لیتے تھے۔ خدمت کی وجہ سے تھکن کا احساس کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ان پر ہمیشہ اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کی دھن سوار رہتی تھی۔ خلافت سے نہایت درجے کا عشق تھا۔ پیرا گوئے کے ایک نومبائع الیاس اولیویرا صاحب ہیں، کہتے ہیں کہ میرا ان سے تعارف تو مختصر وقت کا کچھ عرصے سے تھا لیکن اس مختصر وقت میں انہوں نے میرے

لیے اور میرے دوستوں کے لیے، ان لوگوں کے لیے جو راہِ اسلام میں نئے ہیں ایک عظیم ورثہ چھوڑا۔ ان سے ہم نے صبر سیکھا۔ ہم نے ہر وقت مددگار، مہربان اور اچھا بننا سیکھا۔ کہتے ہیں انہوں نے ہمیں سکھایا کہ کسی کو کچھ سکھانے کے لیے بولنا ضروری نہیں ہے بلکہ عملی خدمت کرو تو اسی سے لوگ سیکھ بھی جاتے ہیں اور تبلیغ بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو صبر اور حوصلہ دے۔ ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

ایک ذکر ہے اب رانا محمد ظفر اللہ خان صاحب کا جو مربی سلسلہ تھے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں وفات ہوئی ہے۔ یہ رانا عطاء اللہ خان صاحب کے بیٹے تھے۔ اپریل کے آخر میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے دادا رانا اللہ دین صاحب کے ذریعے سے ہوا جنہوں نے 1931ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بیعت کے بعد آپ کی شدید مخالفت ہوئی اور اس مخالفت کی وجہ سے بعض دوسرے رشتہ دار مرتد ہو گئے لیکن آپ احمدیت پر ثابت قدم رہے اور تبلیغ دین کرتے رہے۔ رانا ظفر اللہ صاحب نے 1987ء میں جامعہ پاس کیا۔ اس کے بعد مسلسل چھتیس سال تک ان کو خدمت کی توفیق ملی۔ ان کا خدمت کا زیادہ تر وقت میدان عمل میں مختلف علاقوں میں بطور مربی کے ہی ملا۔

سید نعمت اللہ صاحب افغانی ہیں، جو آج کل گھانا میں مبلغ ہیں کہتے ہیں کہ اچینی پایان پشاور میں جہاں ہم افغانستان سے ہجرت کر کے آئے تھے وہاں یہ مربی صاحب رہ رہے تھے۔ 1999ء اور 2000ء کی بات ہے نہایت سادہ مزاج اور خاکسار اور درویش انسان تھے۔ بہت محنتی اور محبت کرنے والے اور مخلص تھے۔ افغانستان کی جماعت پر مربی صاحب کا بہت بڑا احسان ہے۔ کہتے ہیں ہم تین افغان مربیان کو اللہ تعالیٰ نے انہی کی وجہ سے مربی بنا دیا۔

غریبوں کے بہت ہمدرد تھے۔ چھپ کر غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ وفات کی خبر سن کر بہت سے ایسے لوگ مرد اور خواتین تعزیت کے لیے گھر آئے جنہیں ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اس وجہ سے بھی پریشان تھے کہ مربی صاحب نے ہمارا خرچ مقرر کیا ہوا تھا اور اپنے رشتہ داروں اور مخیر حضرات سے لے کے ان غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد ہمارا کیا ہو گا۔ ان کے داماد مربی سلسلہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے رانا محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں جو بے نفس ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں میں نے کسی بھی قسم کی اَنا اور تکبر ان میں نہیں دیکھی۔ معاف کرنے میں پہل کرنے والے تھے خواہ دوسرا غلط ہوتا پھر بھی معافی میں پہل کرتے تھے۔ بہت پیار کرنے والے، ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے۔ پسماندگان میں والدہ اور اہلیہ کے علاوہ تین بیٹیاں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 07/ جولائی 2023ء جلد 30 شمارہ 113 صفحہ 02 تا 07)

25

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 23/ جون 2023ء بمطابق 23/ احسان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جیسا کہ گذشتہ خطبے میں بیان ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مخبروں نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قافلے یا لشکر کے آنے کی اطلاع دی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر تجارتی قافلے کے بچاؤ کے لیے بڑھا چلا آرہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا اور انہیں قریش کی صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور بڑی خوبصورت گفتگو کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے انہوں نے بھی بڑے خوبصورت انداز میں گفتگو کی۔ **پھر حضرت مقداد بن عمروؓ اٹھے** اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تشریف لے چلیے جدھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بخدا! ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو جواب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیا تھا کہ: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ: 25) جاؤ تو اور تیرا رب دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم یوں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب تشریف لے جائیے اور جنگ کیجیے ہم بھی آپؐ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں **برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے**۔ برک الغماد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ یمن میں ہے اور مکہ مکرمہ سے پانچ منزل کی مسافت پر ہے۔ عربوں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مسافت کی یہ بھی ایک تعبیر تھی۔ اور پھر انہوں نے کہا کہ آپ کی معیت میں دشمن کے ساتھ جنگ کرتے جائیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کلمۂ خیر سے نوازا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 420-421، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)
(غزوات النبیؐ از ابو الکلام آزاد صفحہ 30 مطبوعہ سٹی بک پوائنٹ 2014ء)

ایک مصنف نے یہ لکھا ہے کہ برک الغماد مکے کے جنوب میں کم و بیش چار سو تیس کلو میٹر کے فاصلے پر عام شاہراہ سے ہٹ کر دور دراز مقام تھا جو سفر کی دوری اور مشکل کے لیے بطور محاورہ بولا جاتا تھا جیسا کہ اردو میں کوہ قاف کہتے ہیں جو دوری کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جتنی مرضی دور تشریف لے جائیں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ (دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 139 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

اس بارے میں ایک وضاحت بھی ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے اس موقع پر یہ سوال اٹھایا ہے کہ حضرت مقداد نے جو آیت اس موقع پر پڑھی تھی وہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے اور یہ سورت بہت بعد میں نازل ہونے والی سورت ہے اس لیے اس موقع پر یہ آیت پڑھنا محل نظر ہے لیکن پھر خود ہی یہ مفسرین اس کے مختلف جواز بھی پیش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی یہ بات یہودیوں سے سنی ہو گی یا یہ کہ بعد کے کسی راوی نے یہ آیت شامل کر دی ہو گی۔ بہر حال یہ اعتراض اتنی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ سیرت کی کتابوں میں کثرت سے یہ روایت بیان ہوئی ہے۔ نیز بخاری کی ایک شرح فتح الباری جو ابن حجر کی شرح ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ سورت مائدہ، مکمل سورت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہونے والی بات درست نہیں۔ اس کی چند آیات کافی عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ انہیں میں سے ایک آیت حضرت مقداد نے بدر کے موقع پر تلاوت کی لیکن بہر حال یہودیوں سے ہی باتیں سنی تھیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی صحیح ہو۔ پھر بیان ہوا ہے کہ یہ تینوں یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت مقدادؓ چونکہ مہاجرین میں سے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں۔

(الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ 285 المکتبۃ السلفیۃ لاہور)

(فتح الباری جلد 2 صفحہ 201 بحوالہ دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 139 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انصار تھے اور شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بیعت عقبہ کے وقت انہوں نے عرض کی تھی کہ یا رسول اللہ! بیشک ہم اس وقت تک آپ کے ذمہ سے بری ہیں جب تک آپ ہمارے شہر میں تشریف نہیں لاتے لیکن جب آپ وہاں مدینے میں تشریف لے آئیں گے تو آپ ہمارے ذمہ ہوں گے۔ ہم ہر اس چیز سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے ہم اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اندیشہ ظاہر کر رہے تھے کہ کہیں انصار صرف اُس دشمن سے آپ کا دفاع کریں جو مدینہ طیبہ پر اچانک چڑھائی کر دے اور وہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان پر اپنے شہر سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا لازم نہیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو حضرت سعد بن معاذؓ نے آپ سے عرض کی کہ اے رسول اللہؐ! یوں لگتا ہے کہ حضور ہماری رائے پوچھ رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔ تو حضرت سعدؓ گویا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے گواہی دی ہے کہ جو دین لے کر آپ تشریف لائے ہیں وہ حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کے ساتھ وعدے کیے ہیں اور ہم نے آپ کا حکم سننے اور اس کو بجالانے کے پختہ عہد کیے ہیں۔ **یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تشریف لے چلیے جدھر آپ کا ارادہ ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔** اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر آپ ہمیں سمندر کے پاس لے جائیں اور خود اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم اس بات کو ناپسند نہیں کرتے کہ آپؐ کل ہمیں ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم جنگ میں صبر کرنے والے ہیں۔ دشمن سے مڈھ بھیڑ کے وقت وفا دکھانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ

کارنامے دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ پس اللہ کی برکت پر آپ ہمیں لے کر روانہ ہو جائیے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ حضرت سعد بن عبادہؓ کی طرف منسوب ہوئے ہیں لیکن اکثر روایات کے مطابق حضرت سعد بن عبادہؓ جنگ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے سیرت نگاروں نے اس کی یہ تطبیق کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دو مرتبہ صحابہ سے مشورہ کیا ہو۔ پہلی دفعہ مدینہ میں جب آپ کو قافلے کی خبر ملی اور مدینہ میں حضرت عبادہؓ نے یہ تقریر کی ہو اور دوسری مرتبہ جب آپ سفر میں تھے تب مشورہ کیا ہو تو اس وقت سعد بن معاذؓ نے یہ گفتگو کی ہو۔ بہر حال یہ تو شرح میں مختلف شارح اپنے مطابق لکھتے رہے ہیں لیکن اصل یہی ہے کہ سعد بن معاذؓ نے یہ کہا۔ حضرت سعد کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا روانہ ہو جاؤ اور تمہیں خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ خدا کی قسم! **میں گویا اس وقت وہ جگہ دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو ہو کر گریں گے۔**

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ421، دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

(شرح الزرقانی جلد 2 صفحہ 270 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1996ء)

"آپؐ کے یہ الفاظ سن کر صحابہ خوش ہوئے مگر ساتھ ہی انہوں نے حیران ہو کر عرض کیا۔ هَلَّا ذَكَرْتَ لَنَا الْقِتَالَ فَنَسْتَعِدَّ۔ یعنی 'یارسول اللہ! اگر آپؐ کو پہلے سے لشکر قریش کی اطلاع تھی تو آپؐ نے ہم سے مدینہ میں ہی جنگ کے احتمال کا ذکر کیوں نہ فرما دیا کہ ہم کچھ تیاری تو کر کے نکلتے'۔ مگر باوجود اس خبر اور اس مشورہ کے اور باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس خدائی بشارت کے کہ ان دو گروہوں میں سے کسی ایک پر مسلمانوں کو ضرور فتح حاصل ہو گی ابھی تک مسلمانوں کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ان کا مقابلہ کس گروہ سے ہو گا اور وہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کے ساتھ مٹھ بھیڑ ہو جانے کا امکان سمجھتے تھے اور وہ طبعاً کمزور گروہ یعنی قافلہ کے مقابلہ کے زیادہ خواہشمند تھے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 355 ایڈیشن 1996ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں بیان فرمایا ہے کہ:

"جب بدر کے موقع پر مدینہ سے باہر جنگ ہونے لگی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو جمع **کیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے** کہ ہماری قافلہ سے مڈھ بھیڑ نہیں ہو گی بلکہ مکہ کے لشکر سے ہمارا مقابلہ ہو گا۔ اِس پر یکے بعد دیگرے مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ! آپ بیشک جنگ کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر ہر دفعہ جب اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد کوئی مہاجر بیٹھ جاتا تو آپ فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ مہاجرین تو مشورہ دے ہی رہے ہیں۔ اصل سوال انصار کا ہے اور انصار اس لئے چپ تھے کہ لڑنے والے مکہ کے لوگ تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم مکہ والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں تو شاید ہماری یہ بات مہاجرین کو بری لگے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہمارے بھائی بندوں کا گلا کاٹنے کے لئے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے ہیں مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ! مشورہ تو آپ کو مل رہا ہے۔

ایک کے بعد دوسرا مہاجر اٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے یارسول اللہ! لڑیئے مگر آپ بار بار یہی فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپؐ کی مراد غالباً ہم انصار سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ اس نے کہا یارسول اللہ! ہم تو اس لئے چپ تھے کہ ہم ڈرتے تھے کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کا دل نہ دکھے۔ اگر ہم نے کہا ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ یہ ہمارے بھائیوں اور رشتہ داروں کو مارنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ پھر اس نے کہا یارسول اللہ! شاید آپ کا اشارہ اس بیعتِ عقبہ کی طرف ہے جس میں ہم نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر جا کر لڑنا پڑا تو ہم پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں" یہی بات ہے۔" اس نے کہا یارسول اللہ! جس وقت ہم نے وہ معاہدہ کیا تھا اس وقت ہمیں" صحیح طرح "معلوم نہیں تھا کہ آپؐ کی کیا شان ہے۔

یارسول اللہ! اب تو آپ کی صداقت ہم پر کھل چکی ہے اور آپ کا مقام ہم پر واضح ہو گیا ہے اب کسی معاہدہ کا کیا سوال ہے۔ سامنے سمندر ہے آپ حکم دیجئے تو ہم اس میں اپنے گھوڑے ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور اگر لڑائی ہوئی تو خدا کی قسم! **ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے** اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔"

(سیر روحانی نمبر 4 انوار العلوم جلد 19 صفحہ 532-533)

اس مشورے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے اور مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے بدر کے قریب نزول فرمایا۔ بدر کی تفصیل تو پہلے بھی بیان ہو چکی ہے لیکن بیان کر دیتا ہوں کہ مدینے کے جنوب مغرب میں ایک سو پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک بیضوی شکل کا ساڑھے پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا وسیع ریگستانی میدان ہے جس کے ارد گرد اونچے پہاڑ ہیں۔ اس میں کئی کنویں اور باغات بھی تھے جہاں عموماً قافلے پڑاؤ ڈالتے تھے۔ بدر کے میدان کے قریب نزول کرنے کے کچھ دیر بعد آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ سوار ہو کر نکلے یہاں تک کہ ایک عربی بوڑھے کے پاس جا کر رک گئے اور اس سے قریش اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے متعلق یہ بتائے بغیر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ بوڑھا کہنے لگا میں تمہیں تب بتاؤں گا جب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس قبیلے سے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم بھی تمہیں اپنے متعلق آگاہ کر دیں گے، اپنے بارے میں بتا دیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ کیا ادلے کا بدلہ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ بوڑھے نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ فلاں فلاں دن روانہ ہو چکے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے سچ کہا تھا تو وہ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس نے اس جگہ کا نام لیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تھے۔ پھر کہنے لگا مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ قریش فلاں دن روانہ ہوئے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے سچ کہا ہے تو وہ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس نے اس جگہ کا نام لیا جہاں قریش پہنچے تھے۔ دونوں باتیں اس نے صحیح بتائی ہیں۔ جب وہ اپنی اطلاع سے فارغ ہوا تو اس نے کہا تم کس سے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پانی سے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے پلٹ آئے۔ وہ کہنے لگا کہ پانی سے ہیں۔ کیا

مطلب؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟ آپ کا یہ جواب بڑا ذو معنی لگتا ہے۔ اس پر بھی مؤرخین نے بحث کی ہے۔ ہمارے حوالے نکالنے والوں نے مختلف مورخین کی اس بارے میں وضاحتیں بھی پیش کی ہیں، خلاصۃً دے دیتا ہوں۔ مؤرخین نے یہ سوال اٹھایا کہ بظاہر لگتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ وعدہ درست جواب نہیں دیا۔ اس کا جواب مصنفین دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غلط جواب نہیں دیا۔ ہاں آپ نے اس کو جواب اس ذو معنی انداز میں دیا ہے کہ جھوٹ بھی نہیں اور اس خطرناک جنگی صورتحال میں معین جگہ کا پتہ بھی نہیں دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ ہم پانی سے ہیں تو اس سے مراد وہ قرآنی ارشاد تھا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ یہ ایک سیرت نگار نے لکھا ہے۔ یہ ابو بکر جابر الجزائری ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ عرب کا طریق یہ تھا کہ جہاں لوگ رہتے تھے وہاں کا پتہ پانی یعنی چشمہ وغیرہ کا نام لے کر بتایا کرتے تھے کہ ہم فلاں پانی یا فلاں علاقے کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ علامہ برہان حلبی ہیں انہوں نے یہ لکھا ہے۔ اس میں ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے اسی پانی یعنی چشمے کا ہی بتایا ہو جس کے قریب آپ کا قیام تھا جیسا کہ اس بوڑھے نے بتایا تھا لیکن اشارہ اس رنگ میں فرمایا ہو کہ وہ بوڑھا عراق کی سمت سمجھا ہو اور بدر کا وہ چشمہ اور عراق کی سمت ایک ہی طرف ہو۔ بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے پاس واپس تشریف لائے۔ جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو چند دیگر صحابہ کے ہمراہ بدر کے چشمے کی طرف روانہ فرمایا تا کہ وہ آپ کے لیے وہاں کی خبروں کی جستجو کریں۔ انہیں قریش کے لیے پانی لے جانے والے دو غلام ملے جنہیں صحابہ کرام پکڑ کر لے آئے اور ان سے سوالات کیے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ ان دونوں نے بتایا کہ ہم قریش کے لیے پانی لے جانے والے ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا ہے۔ صحابہ نے ان کی بات نہ مانی اور خیال کیا کہ شاید وہ ابوسفیان کے ملازم ہیں۔ اس لیے صحابہ نے انہیں زدوکوب کیا اور جب انہیں بہت تنگ کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے ملازم ہیں۔ اس پر صحابہ کرام نے انہیں چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو فرمایا۔ جب ان دونوں نے تم سے سچ کہا تو تم نے انہیں مارا اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ بخدا! انہوں نے سچ کہا ہے۔ بیشک وہ قریش کے غلام ہیں۔ پھر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے قریش کے متعلق آگاہ کرو۔ ان دونوں نے بتایا بخدا! وہ اس ٹیلے کے پیچھے وادی کے دوسرے کنارے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا وہ لوگ کتنے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: بہت سے ہیں۔ پوچھا گیا ان کی تعداد کیا ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ کھانے کے لیے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کسی دن نو اور کسی دن دس۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔ اونٹوں کے کھانے سے آپ نے اندازہ لگایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ان میں قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے قریش کے کئی سرداروں کے

نام بتائے جن میں ابو جہل، عتبہ، شیبہ، حکیم بن حزام، امیہ بن خَلف وغیرہ شامل تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

هٰذَا مَكَّةُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا

کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے آگے نکال کر ڈال دیے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام صفحہ 421-422 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

(ماخوذ از اٹلس سیرت نبوی صفحہ 216 دار السلام ریاض 1424ھ)

(سیرت حبیب دو عالم، از ابو بکر جابر الجزائری، اردو مترجم، صفحہ 185 ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 2015ء)

(غزوات النبی ﷺ از علامہ برہان حلبی، مترجم، صفحہ 81 دار الاشاعت کراچی 2001ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس پر نوٹ لکھا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: هٰذَا مَكَّةُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا۔ "یعنی لو مکہ نے **تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال دیے ہیں**" یہ نہایت دانشمندانہ اور حکیمانہ الفاظ تھے جو آپؐ کی زبان مبارک سے بے ساختہ طور پر نکلے کیونکہ بجائے اس کے کہ قریش کے اتنے نامور رؤساء کا ذکر آنے سے کمزور طبیعت مسلمان بے دل ہوتے ان الفاظ نے ان کی قوت متخیلہ کو اس طرف مائل کر دیا" انہوں نے ان کی سوچ کو اس طرف مائل کر دیا" کہ گویا ان سردارانِ قریش کو تو خدا نے مسلمانوں کا شکار بننے کے لئے بھیجا ہے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 356 ایڈیشن 1996ء)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو حرکت دی تا کہ مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جائیں اور مشرکین کو مسلط نہ ہونے دیں۔ چنانچہ عشاء کے وقت آپ نے بدر کے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔

(الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ 288 المکتبۃ السلفیۃ لاہور)

اس موقع پر حضرت حُبَاب بن منذرؓ نے ایک مشورہ دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قریب ترین چشمے پر پڑاؤ ڈالا تو حباب بن منذر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نے حکم الٰہی سے اس جگہ قیام کیا ہے کہ ہم یہاں سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں یا یہ صرف آپ کی رائے اور جنگی چال ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صرف ایک رائے ہے اور جنگی چال ہے۔ تب حضرت حباب نے عرض کیا کہ یہ جگہ مناسب نہیں بلکہ آپ لوگوں کو یہاں سے ہٹا لیجیے اور وہاں قیام کیجیے جو دشمن کے پانی سے قریب ترین جگہ ہو اور اس کے علاوہ جتنے کنویں ہیں ان کو بند کر دیا جائے اور اپنے لیے ایک حوض تیار کر لیا جائے جس کو پانی سے بھر دیا جائے۔ اس کے بعد ہم دشمن سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں پینے کے لیے پانی میسر ہو گا اور دشمن پانی سے محروم رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری رائے بہت درست ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سمیت اس پانی پر آئے جو قریش سے قریب تر تھا اور وہاں پڑاؤ کیا اور آپ کے حکم سے باقی کنویں بیکار کر دیے گئے اور جس کنویں پر پڑاؤ ڈالا گیا اس پر ایک حوض بنا کر اس کو پانی سے بھر دیا گیا۔ سیرت ابن ہشام میں یہ حوالہ ہے۔

(ماخوذ از سیرت ابن ہشام صفحہ 424۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

جگہ کے انتخاب کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے جگہ کی تیاری کا مرحلہ تھا۔ چنانچہ سعد بن معاذ رئیس اوس کی تجویز سے صحابہ نے میدان کے ایک حصے میں **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سائبان تیار کیا۔** حضرت سعد بن معاذؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے ایک سائبان نہ تیار کر دیں تا کہ آپ اس میں قیام فرما سکیں۔

(ماخوذ از سیرت الحلبیہ جلد 2 صفحہ 213۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ پہلے بھی ایک دفعہ بیان ہو چکی ہے لیکن یہاں بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ ”سعد بن معاذ رئیس اوس کی تجویز سے صحابہ نے میدان کے ایک حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سائبان سا تیار کر دیا اور سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سائبان کے پاس باندھ کر عرض کیا کہ ”یارسول اللہ! آپؐ اس سائبان میں تشریف رکھیں اور ہم اللہ کا نام لے کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو یہی ہماری آرزو ہے، لیکن اگر خدانخواستہ معاملہ دگرگوں ہوا“ اس کے علاوہ کچھ ہوا، ہماری **شکست ہوئی ”تو آپؐ اپنی سواری پر سوار ہو کر جس طرح بھی ہو مدینہ پہنچ** جائیں۔ وہاں ہمارے ایسے بھائی بند موجود ہیں جو محبت واخلاص میں ہم سے کم نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کو یہ خیال نہیں تھا کہ اس مہم میں جنگ پیش آجائے گی اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہیں آئے ورنہ ہرگز پیچھے نہ رہتے لیکن جب انہیں حالات کا علم ہو گا تو وہ آپؐ کی حفاظت میں جان تک لڑا دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہ سعد کا جوشِ اخلاص تھا جو ہر حالت میں قابلِ تعریف ہے۔ ورنہ بھلا خدا کا رسول اور میدان سے بھاگے؟“ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“ چنانچہ حنین کے میدان میں ”ہم نے دیکھا کہ ”بارہ ہزار فوج نے پیٹھ دکھائی، مگر یہ مرکز توحید“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”اپنی جگہ سے متزلزل نہیں ہوا۔ بہر حال سائبان تیار کیا گیا اور سعد اور بعض دوسرے انصار اس کے گرد پہرہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے اسی سائبان میں رات بسر کی“۔ ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سائبان میں ننگی تلوار سونت کر آپؐ کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے رہے ”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات **بھر خدا کے حضور گریہ وزاری سے دعائیں کیں اور لکھا** ہے کہ سارے لشکر میں صرف آپؐ ہی تھے جو رات بھر جاگے باقی سب لوگ باری باری اپنی نیند سو لئے۔“

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 357 ایڈیشن 1996ء)

(سبل الھدیٰ جلد 11 صفحہ 398 دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے اس بارے میں بیان فرمایا ہے کہ:

”جب بدر کے میدان میں پہنچے تو صحابہ نے ایک اونچی جگہ بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں بٹھا دیا اور پھر انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کر کے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ تیز رفتار اونٹنی کس کے پاس ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ تیز رفتار اونٹنی لے کر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب باندھ دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم تھوڑے ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم تمام کے تمام اس جگہ شہید نہ ہو جائیں۔ ہمیں اپنی موت کا تو کوئی غم

نہیں یارسول اللہ! ہمیں آپؐ کا خیال ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہم اگر مر گئے تو اسلام کو کچھ نقصان نہیں ہو گا لیکن آپ کے ساتھ اسلام کی زندگی وابستہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم آپؐ کی حفاظت کا سامان کر دیں۔ یارسول اللہ! حضرت ابو بکرؓ کو ہم نے آپؐ کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیا ہے اور یہ ایک نہایت تیز رفتار اونٹنی آپ کے قریب باندھ دی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا وقت آئے کہ ہم ایک ایک کر کے یہاں ڈھیر ہو جائیں تو یارسول اللہ! یہ اونٹنی موجود ہے۔ اس پر سوار ہو جایئے اور مدینہ پہنچ جایئے۔ وہاں ہمارے کچھ اور بھائی موجود ہیں انہیں معلوم نہ تھا کہ جنگ ہونے والی ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوتے۔ آپؐ ان کے پاس پہنچ جایئے۔ وہ آپؐ کی حفاظت کریں گے اور دشمن کے شر سے آپؐ محفوظ رہیں گے۔"

(بانی سلسلہ احمدیہ کوئی نیا دین نہیں لائے۔ انوار العلوم جلد 15 صفحہ 244-245)

لیکن بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کی بات نہیں ماننی تھی اور نہ مان سکتے تھے لیکن یہ ایک جذبہ تھا جو اُن صحابہؓ کا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ اس ضمن میں اَور فرماتے ہیں کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر انہوں نے کہا کہ جنگ بدر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک علیحدہ چبوترہ بنایا گیا تو اس وقت سوال پیدا ہوا کہ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا کام کس کے سپرد کیا جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوراً ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس انتہائی خطرہ کے موقعہ پر نہایت دلیری کے ساتھ آپؐ کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔"

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 364-365)

بہرحال صبح کے وقت قریش اپنے مقام سے آگے بڑھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: اے اللہ! یہ قریش غرور اور تکبر کے ساتھ تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کی تکذیب کے لئے آ گئے ہیں۔ تُو نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر اور آج ہی ان کا خاتمہ کر دے۔ مشرکین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ کو ایک سرخ اونٹ پر سوار دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ان میں سے کسی کے پاس بھلائی ہے تو وہ اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر وہ اس کا کہا مانیں گے تو راہ راست پر آ جائیں گے۔ کفار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے پانی پینے کا واقعہ بھی ملتا ہے۔ باوجود کہ پانی پہ قبضہ تھا لیکن جب یہ لوگ یعنی قریش بدر کے میدان میں اترے تو ان میں سے ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر آ کر پانی پینے لگا۔ ان میں حکیم بن حزام بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو پانی پینے دو۔ اس دن ان میں سے جس نے بھی حوض سے پانی پیا وہ سب قتل ہوئے سوائے حکیم بن حزام کے جو اس کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ بھی قسم اٹھاتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے غزوۂ بدر کے دن نجات دی تھی۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ 424۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

جنگ کے لیے صفیں درست کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ صبح کے وقت قریش کے آنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیر کے ساتھ صفیں درست کر

رہے تھے۔ آپ اس کے ساتھ اشارہ کر رہے تھے کہ آگے ہو جاؤ، پیچھے ہو جاؤ حتی کہ وہ سیدھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا جسے انہوں نے اس مقام پر رکھ دیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کا جائزہ لینے لگے۔ آپ کا رخ مغرب کی طرف تھا۔

(سبل الهدٰی و الرشاد۔ ذکر غزوۃ بدر الکبری۔ جلد 4 صفحہ 33۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

اس سارے عرصے میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفیں درست **فرما رہے تھے ایک عجیب واقعہ کا** بھی ذکر بھی ملتا ہے جو حضرت سَوَاد بن غَزِیَّۃ کا ہے جس سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا ہے۔ لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں صفیں سیدھی کرتے وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر سَوَاد بن غَزِیَّۃ کے پاس سے ہوا تو وہ صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیٹ پر تیر لگا کر اشارہ کیا کہ اے سواد! سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ مجھے بدلہ دیں۔ میرے پیٹ پہ آپؐ نے تیر مارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا بدلہ لے لو۔ حضرت سواد آپ سے بغل گیر ہو گئے اور آپ کے جسم کا بوسہ لینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے سواد! تُو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا وقت ہے۔ جنگ کا وقت ہے۔ پتہ نہیں میں زندہ رہوں کہ نہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ میرے آخری لمحات جو گزریں وہ اس طرح کہ میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مسّ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

(السیرۃ الحلبیہ باب ذکر مغازیہﷺ، جلد 2 صفحہ 220-221، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

یہ تھے محبت و عشق کے نظارے۔ باقی ان شاء اللہ آئندہ بیان کروں گا۔

اس وقت **کچھ مرحومین کا ذکر** بھی کرنا چاہتا ہوں جس میں ایک ہیں مکرم قاری محمد عاشق صاحب جو جامعہ احمدیہ کے استاد تھے اور مدرسۃ الحفظ کے نگران اور پرنسپل تھے۔ ان کی گذشتہ دنوں پچاسی سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ قاری عاشق صاحب کو قرآن کریم حفظ کرنے اور تجوید سیکھنے کے بعد احمدیت قبول کرنے سے پہلے پاکستان کے مختلف مقامات پر اہلحدیث کے مدارس میں درس و تدریس کا موقع ملا۔ خود انہوں نے بیعت کی تھی۔ قاری عاشق صاحب بیعت سے پہلے اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ قاری صاحب نے خود اپنے بارے میں جو کتاب لکھوائی تھی اس میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں 1957ء کا واقعہ ہے جب میں کراچی میں تھا تو وہاں بعض اہل علم دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ میں اکثر ان کے پاس چلا جاتا۔ وہاں پر اخبار کا مطالعہ کرتا اور کچھ علماء کے ساتھ مجلس بھی رہتی۔ ایک دن میں وہاں بیٹھ کر اخبار پڑھ رہا تھا کہ ایک دوست جن کے زیر مطالعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی کتاب تھی کہنے لگے یار کمال ہے! میں نے کہا بھائی کیا کمال ہے؟ کہنے لگے ہمارے علمائے کرام مختلف آیات کے ناسخ و منسوخ کا عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کہتے ہیں کہ

قرآن کریم کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں۔ تو قاری صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس بات پر تجسس پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ اس بارے میں تحقیق کی جائے کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں۔ پھر انہوں نے لکھوایا اپنی خود نوشت میں کہ ایک دن میں احمدیت کے بارے میں تعارف حاصل کرنے احمدیہ ہال کراچی میں نماز کے بعد گیا۔ ملاقات ایک احمدی سے ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ اختلافی مسائل کے بارے میں کچھ معلومات چاہتا ہوں۔ اس بارے میں میری مدد اور راہنمائی کی جائے۔ وہاں بیٹھے ایک دوست مجھے احمدیہ ہال سے اپنے گھر لے گئے۔ مجھے کچھ کتب پڑھنے کے لیے دیں۔ مَیں نے وہ کتب مطالعہ کیں اور اپنے انہی اہل علم دوستوں میں سے ایک مولوی صاحب کو دکھائیں کہ یہ تو عین اسلام ہے۔ مولوی صاحب نے کہا آپ بہت شریف النفس ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم اس لیے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مرزا صاحب کی چھوٹی کتابوں میں جو عقائد درج ہیں وہ اسلام کے مطابق ہیں یہ وہ کتب ہیں جو انہوں نے شروع زمانے میں تحریر کی تھیں لیکن بڑی کتب جو بعد میں تحریر کی گئی ہیں ان میں مرزا صاحب نے جھوٹے خیالات اور عقائد لکھے ہیں۔ حالانکہ براہین احمدیہ تو شروع میں لکھی گئی تھی اور وہی اسلام کی اصل تھی۔ بعد میں اَور بھی کتابیں ہیں۔ بہر حال ان کا جو رابطہ تھا اس کے بعد پھر قاری صاحب گئے اور ان سے کہا کہ کوئی بڑی کتاب دیں تو انہوں نے بہر حال بڑی کتابیں دینے میں کوئی عذر پیش کیا حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں کوئی تضاد نہیں ہے چاہے وہ پہلی کتابیں ہیں یا بعد کی لکھی ہوئی آخری کتابیں ہیں۔ اس احمدی کی کیا حکمت تھی، کیوں کتابیں نہیں دیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن بہر حال اس کے بعد پھر قاری صاحب کا رابطہ ان سے ختم ہو گیا۔ اس کے بعد قاری صاحب کی خود نوشت سوانح کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص خدائی تقدیر نے ان کے دل میں ایک تڑپ پیدا کر دی تھی اور قاری صاحب متعدد مواقع پر ربوہ تشریف لاتے رہے اور مقامی سطح پر احمدی احباب سے رابطہ کرتے رہے۔ دعائیں بھی کرتے رہے۔ اسی دعا کی کیفیت میں انہیں متعدد خوابیں بھی آئیں۔ انہی خوابوں میں ایک خواب یہ بھی تھی کہ اِسْمَعُوْا صَوْتَ السَّمَاءِ جَاءَ الْمَسِیْحُ کہ آسمان کی آواز سنو کہ مسیح آ گیا۔ قاری صاحب کہتے ہیں اس وقت تو ان الفاظ سے میرا دھیان احمدیت کی طرف نہیں گیا لیکن احمدی ہونے کے بعد یہ یاد آیا کہ وہ خواب پورے ہوئے ہیں۔ جو مختلف خوابیں دیکھی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ قاری صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں اپنی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل تھا کہ میری توجہ بار بار جماعت احمدیہ کی طرف مبذول ہوتی رہی اور مجھے ہدایت نصیب ہو گئی۔ پھر لکھتے ہیں کہ انصار اللہ کے اجتماع پر شیخ عبد القادر صاحب سوداگر مل مربی سلسلہ لاہور کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ انصار کے اجتماع پر گئے تھے اس وقت ابھی بیعت نہیں کی تھی۔ کہتے ہیں میں نے اجتماع کے پہلے دن کے سارے پروگرام دیکھے۔ غالباً اجتماع کے دوسرے یا تیسرے دن میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میری بیعت کروادی جائے۔ چنانچہ ہم دفتر اصلاح و ارشاد مرکزیہ میں گئے اور خاکسار بیعت فارم پُر کر کے احمدیت کے نور سے منور ہو گیا۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 11 تا 22 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کو ابتلاؤں سے بھی گزرنا پڑا۔ دوسری طرف ان کے غیر از جماعت شاگردوں اور راہنماؤں کی طرف سے مختلف طریق سے واپس لانے کی کوشش بھی کی گئی۔ لالچ بھی دیے گئے، سختیاں بھی کی گئیں۔ قاری صاحب کہتے ہیں کہ ”احمدیت قبول کرنے کے بعد کئی مشکلات میری راہ میں بھی آئیں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا اور اس کے بتائے ہوئے رستے پر چلتا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی موجود تھی اس لئے مجھے کوئی بھی دنیاوی لالچ راہ حق سے ہٹا نہ سکی..... مجھے جماعت احمدیہ سے متنفر کرنے اور واپس جماعت اہلحدیث میں لے جانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن اللہ کے فضل سے جو ایمان کا رنگ مجھ پر چڑھا اس کی وجہ سے بڑی کوششوں کے باوجود بھی وہ مجھے واپس لے جانے میں ناکام ہو گئے۔“

(میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 27 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

ان کی شادی ایک بیوہ سے ہوئی تھی جن کے پہلے تین بچے تھے۔ ان کی ایک بیٹی ان سے پیدا ہوئی۔ جماعتی خدمات کے بارے میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ صوفی خدا بخش زیروی صاحب ایک دن مسجد میں مجھے ملے اور مجھے کہا کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب جو اس وقت وقف جدید کے انچارج تھے ان کا پیغام یہ ہے کہ آپ کو ان کے پاس ربوہ لے کے آؤں۔ بیعت یہ کر چکے تھے۔ کہتے ہیں جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت میاں صاحب نے پہلے آپ کی تلاوت سنی اور پھر وقف جدید کے معلمین کو قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھانے کے لیے ڈیوٹی تفویض فرمائی اور وقف جدید میں ہی رہائش کا بھی انتظام کر دیا۔ یہ 1964ء کی بات ہے۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 27-28 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

کہتے ہیں وقف جدید میں بطور معلم قاری صاحب کا باقاعدہ تقرر یکم جنوری 1965ء میں ہوا۔ اسی دوران جامعہ احمدیہ کے درجہ شاہد کے طلبہ آپ سے قرآن کریم پڑھنے کے لیے دفتر وقف جدید آتے اور بعد میں محترم میر داؤد احمد صاحب جو اس وقت جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے ان کے کہنے پر قاری صاحب جامعہ احمدیہ میں جا کر پڑھانے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ نصرت گرلز کالج میں بھی جو کہ جماعت کا کالج تھا تو پردہ کی پابندی کے ساتھ لڑکیوں کو بھی قرآن شریف پڑھاتے تھے۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 35-36 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

جنوری 1969ء میں حافظ کلاس ربوہ کے انچارج حافظ شفیق صاحب کا انتقال ہوا تو پرنسپل جامعہ میر داؤد احمد صاحب نے حافظ صاحب کو کہا کہ کلاس میں آجایا کریں۔ ان کی کلاس آپ لے لیا کریں۔ ان دنوں میں یہ کلاس مسجد مبارک میں ہوا کرتی تھی۔ مجھے بھی یاد ہے مسجد میں بیٹھے لڑکے حفظ کر رہے ہوتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے پھر قاری صاحب کا حافظ کلاس میں بھی تقرر فرمایا، اس کی منظوری دی اور ساتھ یہ لکھا کہ وقف جدید میں بھی پڑھائیں گے اور حافظ کلاس کو بھی پڑھائیں گے۔ چنانچہ 1969ء کو باقاعدہ حافظ کلاس میں تقرر ہوا۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 40-41 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

1998ء میں ان کی ریٹائرمنٹ ہو گئی۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 52 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے 2019ء تک مدرسۃ الحفظ اور مدرسۃ الظفر میں قرآن کریم پڑھانے کا کام جاری رکھا۔ جلسہ سالانہ 1964ء کے بابرکت موقع پر آپ کو پہلی دفعہ تلاوت کی سعادت ملی۔

قاری صاحب اپنا واقعہ لکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فروری 1965ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ تاریخی ملاقات کا احوال اس طرح بتایا کرتے تھے کہ جب میں نے شرف مصافحہ حاصل کیا تو وہ لمحہ میرے لیے اپنی زندگی بدلنے کا موجب بنا۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے حضور کی خدمت میں میرا تعارف کروایا کہ یہ قاری محمد عاشق صاحب ہیں جو نومبائع ہیں۔ جب وہ میرا تعارف کروا رہے تھے تو حضور ازراہ شفقت نظر بھر کر مجھے دیکھتے رہے اور میں بھی حضور کا بابرکت ہاتھ تھامے آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا رہا۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 28 تا 30 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

رمضان المبارک میں آپ کی مسجد مبارک میں پندرہ سال تک نماز تراویح پڑھانے کی ڈیوٹی لگتی رہی۔ مولانا عبد المالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ نے ایک دفعہ آپ کو کہا تھا کہ مسجد مبارک میں نماز تہجد اور نماز تراویح کے پڑھانے کی آپ کی ڈیوٹی بار بار اس لیے لگائی جاتی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی تلاوت بہت پسند ہے۔

(ماخوذ از میری داستان مرتبہ حافظ مسرور احمد و محمد مقصود احمد صفحہ 35، 37 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ، جنوری 2013ء)

ان کے شاگرد بھی بے شمار ہیں اور اب دنیا میں مختلف جگہوں پہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں ان کے خطوط بھی مجھے آئے جنہوں نے ان کی خوبیوں سے فیض پایا، ان کے علم سے فیض پایا۔ وہ سب اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد اور نسل میں بھی ان کی خواہش کے مطابق دعاؤں اور اخلاص کی حالت پیدا کرے۔

دوسرا ذکر ہے مکرم نور الدین الحصنی صاحب کا، جو شام کے بہت پرانے احمدی تھے۔ آجکل سعودی عرب میں تھے۔ کئی سال سے احمدی ہونے کی وجہ سے سعودی عرب کی ایک جیل میں قید تھے۔ یہ اسیر راہ مولیٰ تھے۔ بیماری اور سختیوں کے باوجود ایمان پر ثابت قدم رہے اور بالآخر اسیری کے دوران ہی 25 مئی کو تقریباً 82 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ان کے والد الحاج عبد الرؤوف الحصنی صاحب نے 1938ء میں بیعت کی تھی۔ مکرم منیر الحصنی صاحب سابق امیر جماعت شام مرحوم نور الدین الحصنی صاحب کے تایا تھے۔ مرحوم نے بچپن سے ہی اسلامی اخلاق و اقدار اور خلافت کی محبت کے ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کی عمر تیرہ یا چودہ سال تھی جب آپ کے والد صاحب فوت ہو گئے۔ مرحوم اکثر مکرم منیر الحصنی صاحب کی صحبت میں رہتے تھے اور ان سے انہوں نے جماعت کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب 1955ء میں دمشق تشریف لے گئے تو مرحوم کے چچا مکرم بدر الدین الحصنی صاحب کے گھر ٹھہرے۔ ان دنوں میں مرحوم کو ایک بار حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے تلاوت کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ سوموار اور جمعرات کا بطور خاص روزہ رکھا کرتے تھے۔ تلاوت قرآن کریم کا بہت شوق تھا۔ تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوڑی۔ زندگی کے

آخری روز تک جیل میں بھی اپنے ایمان پر قائم رہے اور جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اس بات پر ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت قریب ہے۔ یہ بات جیل میں اپنے ساتھ ملنے والے ہر شخص کو بتایا کرتے تھے۔ پسماندگان میں ان کی بیوہ ہیں جو احمدی ہیں اور انہوں نے اپنے خاوند سے وفا کا تعلق رکھا ہے۔ ان خاتون نے ان کی جیل کے عرصے میں بہت قربانی کی۔ اولاد میں تین بیٹے عبدالرؤوف الحصنی صاحب اور محمد معاذ الحصنی اور فواز الحصنی کے علاوہ ایک بیٹی زینب الحصنی ہیں۔ پوتے پوتیاں بھی ہیں۔ سب اللہ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں۔

مرحوم کے بیٹے معاذ الحصنی صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب چاہتے تھے کہ ہم سب بہن بھائی اپنی پوری تسلی کر کے جماعت میں داخل ہوں اور الحمدللہ کہ ہم نے پورے ایمان کے ساتھ بیعت کی اور سعودی عرب میں جب تھے تو جماعت کی تلاش شروع کی۔ پھر ہاشم صاحب مرحوم جو یوکے، کے رہنے والے تھے اور وہاں کام کرتے تھے، ان سے ملاقات ہوئی اور پھر کہتے ہیں کہ ہمارے والد رابطہ ہونے پر آخر دم تک جماعتی کاموں میں مصروف رہے۔ بہت مہربان اور کھلے دل کے مالک تھے۔ دوسروں کی امداد کرنا آپ کو بہت اچھا لگتا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 2019ء میں ان کو بلا کر قید کر لیا گیا۔ کافی کوشش اور تگ و دو کے بعد پتا چلا کہ والد صاحب پر احمدی ہونے اور سوشل میڈیا پر اس کی تبلیغ کرنے کا الزام ہے۔ دو سال تک کہتے ہیں ہم نے ان کی رہائی کے لیے ہر قسم کی کوشش کی۔ کئی وکیلوں کی خدمات حاصل کیں۔ ان کی رہائی کا حکم بھی صادر ہوا اور رہائی بھی عمل میں آگئی لیکن رہائی کے چند گھنٹے کے بعد پولیس نے ان کو فون کر کے پولیس سٹیشن بلایا اور دوبارہ گرفتار کر لیا اور اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ ان پر سختی کی گئی۔ ان سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ فون پر بات کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ ان کی صحت خراب تھی۔ بیماری بڑھاپے کی وجہ سے بیمار بھی ہوتے رہے ہسپتال بھی جاتے رہے لیکن ان کے گھر والوں سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔

ان کے بڑے بیٹے عبدالرؤوف الحصنی ہیں جو کینیڈا میں ہیں وہ بھی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جماعت کے لیے بہت اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ اپنے عقیدے پر مضبوطی سے قائم تھے اور پھر انہوں نے عبادت اور اخلاص کا خاص ذکر کیا ہے۔ انہوں نے تفصیل لکھی ہے کہ 2016ء میں جب قید کیے گئے تو آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا اور روزہ کھولنا پسند نہیں کیا باوجود اس کے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کو قید میں مشقّت برداشت کرنی پڑے گی۔ جب افسر نے پانی پیش کیا تو آپ نے کہا کہ میرا روزہ ہے۔ پھر نماز عصر پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی۔ آپ نے اس کے سامنے نماز پڑھی تو اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ آپ لوگ تو ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں۔ بہرحال اس کا اس پر اثر ہوا، اس نے ان کو اس وقت چھوڑ دیا۔ پھر دسمبر 2019ء میں بغیر کوئی وجہ بتائے دوبارہ پولیس نے پکڑ لیا اور جیل میں ڈال دیا اور اسی اسیری کی حالت میں ان کی وفات ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے، درجات بلند فرمائے۔ ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں اور خصوصیات اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ نماز کے بعد میں نماز جنازہ بھی پڑھاؤں گا۔ ان شاء اللہ۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 14 / جولائی 2023ء جلد 30 شمارہ 119 صفحہ 02 تا 07)

26

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 30/ جون 2023ء بمطابق 30/ احسان 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

سواد بن غزیہؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے عجیب اظہار کا واقعہ گذشتہ خطبہ میں بیان ہوا تھا۔ ان کے بارے میں مزید تفصیل اس طرح ہے کہ سواد بن غزیہؓ اس جنگ میں فاتحانہ شان کے ساتھ لَوٹے اور مشرکین میں سے ایک شخص خالد بن ہشام کو قیدی بھی بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کو جنگِ خیبر کے اموال جمع کرنے کے لیے عامل مقرر فرمایا تھا۔ بعض کے نزدیک مندرجہ بالا واقعہ حضرت سواد بن غزیہؓ کے علاوہ سواد بن عمروؓ کی طرف منسوب ہے لیکن یہی لگتا ہے کہ واقعہ کوئی اَور ہے اور اکثر کتبِ تاریخ و سیرت میں یہ واقعہ سواد بن غزیہ کے نام سے ہی بیان ہوا ہے۔

(اسد الغابہ جزء الثانی صفحہ 590 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں **اس واقعہ کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی** ہے وہ اس طرح ہے۔ لکھا ہے کہ:

''اب رمضان سنہ 2ھ کی سترہ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا اور عیسوی حساب سے 14/ مارچ 623ء تھی۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلے نماز ادا کی گئی اور پرستارانِ احدیت کھلے میدان میں خدائے واحد کے حضور سر بسجود ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر ایک خطبہ فرمایا اور پھر جب ذرا روشنی ہوئی تو آپؐ نے ایک تیر کے اشارہ سے مسلمانوں کی صفوں کو درست کرنا شروع کیا۔ ایک صحابی سوادؓ نامی صف سے کچھ آگے نکلا کھڑا تھا۔ آپؐ نے اسے تیر کے اشارہ سے پیچھے ہٹنے کو کہا مگر اتفاق سے آپؐ کے تیر کی لکڑی اس کے سینہ پر جا لگی۔ اس نے جرأت کے انداز سے عرض کیا۔

'یارسول اللہؐ! آپؐ کو خدا نے حق وانصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مگر آپؐ نے مجھے ناحق تیر مارا ہے۔ واللہ! مَیں تو اس کا بدلہ لوں گا۔' صحابہؓ انگشت بدنداں تھے ''حیران پریشان تھے ''کہ سوادؓ کو کیا ہو گیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ اچھا سواد تم بھی مجھے تیر مار لو۔' اور آپؐ نے اپنے سینہ سے کپڑا اٹھا دیا۔ سواد نے فرطِ محبت سے آگے بڑھ کر آپؐ کا سینہ چوم لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ 'سواد! یہ تمہیں کیا سوجھی۔' اس نے رِقّت بھری آواز میں عرض کیا۔ 'یارسول اللہؐ! دشمن سامنے ہے

کچھ خبر نہیں کہ یہاں سے بچ کر جانا ملتا ہے یا نہیں۔ مَیں نے چاہا کہ شہادت سے پہلے آپؐ کے جسم مبارک سے اپنا جسم چھو جاؤں۔" (سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 357-358)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب اسی طرح کے واقعہ** کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جنگِ بدر میں نہیں بلکہ وفات کے وقت کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو اس سے ملتا جلتا ہے۔ فرمایا کہ:

"جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا: دیکھو! مَیں بھی انسان ہوں جیسے تم انسان ہو ممکن ہے مجھ سے تمہارے حقوق کے متعلق کبھی کوئی غلطی ہو گئی ہو اور میں نے تم میں سے کسی کو نقصان پہنچایا ہو اب بجائے اِس کے کہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے ایسے رنگ میں پیش ہوں کہ تم مدعی بنو، مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی کو مجھ سے کوئی نقصان پہنچا ہو تو وہ اِسی دنیا میں مجھ سے اپنے نقصان کی تلافی کرا لے۔ صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اس کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ سے ان کے دل پر کتنی چھریاں چلی ہوں گی اور کس طرح ان کے دل میں رقت طاری ہوئی ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور ان کے لئے بات کرنا مشکل ہو گیا۔ مگر ایک صحابیؓ اٹھے اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! جب آپؐ نے کہا ہے کہ اگر کسی کو مَیں نے کوئی نقصان پہنچایا ہو تو وہ مجھ سے اِس کا بدلہ لے لے تو مَیں آپؐ سے ایک بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ جلدی بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا نقصان پہنچا ہے۔ وہ صحابیؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ! فلاں جنگ کے موقع پر آپؐ صفیں درست کروا رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپؐ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپؐ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپؐ کی کہنی میری پیٹھ پر لگ گئی آج مَیں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں اس وقت غصہ میں ہماری تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں اور ہماری آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارے سامنے موجود نہ ہوتے تو یقیناً ہم اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ اس کی طرف موڑ دی اور فرمایا کہ لو! اپنا بدلہ لے لو اور مجھے بھی اسی طرح کہنی مار لو۔ اس آدمی نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! ابھی نہیں۔ جب آپؐ کی کہنی مجھے لگی تھی اس وقت میری پیٹھ ننگی تھی اور آپؐ کی پیٹھ پر کپڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا۔ میری پیٹھ پر سے کپڑا اٹھا دو کہ یہ شخص اپنا بدلہ مجھ سے لے لے۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سے کپڑا اٹھا دیا تو وہ صحابیؓ کانپتے ہونٹوں اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ننگی پیٹھ پر محبت سے ایک بوسہ دیا اور کہا۔ یا رسول اللہؐ! کجا بدلہ اور کجا یہ ناچیز غلام! جس وقت حضورؐ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جس کے تصور سے بھی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا نے تمام برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔

پس مَیں نے اِس کہنی لگنے کو اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کا ایک بہانہ بنایا اور مَیں نے چاہا کہ آخری دفعہ آپؐ کا بوسہ تو لے لوں۔ یا رسول اللہؐ! کہنی لگنا کیا چیز ہے۔ ہماری تو ہر چیز آپؐ کے لئے قربان ہے۔ میرے نفس نے

تو یہ ایک بہانہ بنایا تھا تا کہ آپؐ کا بوسہ لینے کا موقع مل جائے۔ وہ صحابہؓ جو اس شخص کو قتل کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے۔" اس کی یہ بات سن کے اس وقت بڑے غصہ میں تھے۔ "جب انہوں نے یہ نظارہ دیکھا" کہ یہاں تو اس کے دل میں کچھ اَور ہی بات ہے "تو وہ کہتے ہیں پھر ہم میں سے ہر شخص کو اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ ہمیں کیوں نہ یہ موقع ملا کہ ہم اپنے پیارے کا بوسہ لے لیتے۔" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "یہ وہ شخص تھا جو ہمارا ہادی اور راہنما تھا" یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم "جس نے اپنی **زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے لئے وہ نمونہ دکھایا** جس کی مثال اَور کسی نبی میں نہیں مل سکتی۔" (اسوۂ حسنہ، انوار العلوم جلد 17 صفحہ 128 تا 130)

جنگِ بدر میں صحابہؓ کا شعار یعنی نشان یا نعرہ کیا تھا؟ اس بارے میں آتا ہے کہ حضرت عُروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ جنگ والے دن مہاجرین کا شعار یَا بَنِیْ عَبْدِالرَّحْمٰن تھا اور قبیلہ خزرج کا شعار یَا بَنِیْ عَبْدِ اللّٰہ تھا اور قبیلہ اوس کا شعار یَا بَنِیْ عُبَیْدِ اللّٰہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھڑ سواروں کو خَیْل اللّٰہ کا نام دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس روز سب کا شعار یَامَنْصُوْرُ اَمِتْ تھا یعنی اے منصور! مار دو۔

(سبل الھدٰی والرشاد باب غزوۃ بدرالکبرٰی، جلد 4 صفحہ 44، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 1993ء)

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ بدر میں انصار مدینہ کا شعار یا جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے نشان یا نعرہ اَحَد اَحَد تھا جو اس لیے متعین کیا گیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں یا بے حد گھمسان کی لڑائی میں اس نعرے سے پہچانا جا سکے کہ یہ انصاری ہیں۔ اسی طرح مہاجرین مسلمانوں کا شعار یا نعرہ یَا بَنِیْ عَبْدِالرَّحْمٰن تھا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 242۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کے متعلق ہدایات جو تھیں ان کی مزید تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو سیدھا کر لیا تو صحابہؓ سے فرمایا جب تک مَیں تمہیں حکم نہ دوں تم حملہ نہ کرنا اور اگر دشمن تم سے قریب آ جائے تو ان کو تیر اندازی کر کے پیچھے دھکیلنا کیونکہ فاصلے سے تیر اندازی اکثر اوقات بیکار ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک دشمن بالکل قریب نہ آ جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خطبے کا ذکر آتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا جس میں جہاد کی ترغیب دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ نیز فرمایا مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دُور فرماتا ہے اور غموں سے نجات عطا فرماتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ، باب ذکر مغازیہ ﷺ، جلد 2 صفحہ 221، دارالکتب العلمیۃ، 2002ء)

(تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 32 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ایک جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو خطبہ ہے اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا مَیں تمہیں اس بات پر اُبھارتا ہوں جس پر اللہ نے اُبھارا ہے اور اس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بزرگ و برتر ہے وہ تمہیں حق کا حکم دیتا ہے وہ سچائی کو پسند کرتا ہے وہ نیکوکاروں کو بلند مقامات عطا فرماتا ہے جو اس کے ہاں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور آج تم

حق کی منازل میں سے ایک منزل پر ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ وہی قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے۔ سختی کے مقامات میں صبر ایسی چیز ہے جس سے اللہ غم کو دُور کر دیتا ہے دکھ سے نجات دیتا ہے۔ آخرت میں اس کے ساتھ نجات پاؤ گے، اس کے ساتھ یعنی صبر دکھانے کے ذریعہ نجات پاؤ گے۔ تم میں اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ وہ تمہیں ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ آج اللہ سے حیا کرو کہ وہ تمہارے معاملے میں کسی ایسی چیز سے آگاہ ہو جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ (المؤمن:11)۔ اللہ کی ناراضگی تمہاری آپس کی ناراضگیوں کے مقابلے پر زیادہ بڑی تھی۔ اس چیز کی طرف دیکھو جس کا اس نے تمہیں کتاب میں حکم دیا ہے اور اس نے تمہیں اپنے نشانات دکھائے اور ذلت کے بعد تمہیں عزت بخشی ہے۔ اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لو کہ وہ تم سے راضی ہو جائے۔ اس جگہ تم اپنے رب کی آزمائش پر پورا اترو۔ تم اس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ اس کا وعدہ حق ہے اس کی بات سچ ہے اس کی سزا شدید ہے۔ مَیں اور تم لوگ اللہ کے ساتھ ہیں جو حیّ و قیوم ہے۔ ہم اس سے اپنی فتح کے لیے دعا کرتے ہیں، اس کا دامن تھامتے ہیں، اسی پر توکّل کرتے ہیں، اسی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور مسلمانوں کو بخش دے۔

(سبل الهدٰی والرشاد باب غزوة بدرالکبرٰی، جلد 4 صفحه 34، دارالکتب العلمية بيروت، 1993ء)

یہ اس کی تفصیل تھی۔ جنگ کے دوران بعض لوگوں کو قتل کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا بھی تھا۔ اس بارے میں آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے دن اپنے اصحابؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو ہاشم اور کچھ دوسرے لوگ قریش کے ساتھ مجبوراً آئے ہیں۔ خوشی سے نہیں آئے۔ وہ ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ پس تم میں سے جو کوئی بنو ہاشم کے کسی آدمی سے ملے تو وہ اس کو قتل نہ کرے اور جو ابوالبختری سے ملے وہ اس کو قتل نہ کرے اور جو عباس بن عبدالمطلب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان سے ملے تو وہ ان کو بھی قتل نہ کرے کیونکہ یہ لوگ مجبوراً قریش کے ساتھ آئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ نے کہا کہ ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ اللہ کی قسم! اگر مَیں اسے یعنی عباس کو ملا تو مَیں تلوار سے ضرور اسے قتل کر دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا۔ اے ابو حفص۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ پہلا دن تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے مخاطب فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا رسول اللہؐ کے چچا پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں کہ مَیں تلوار سے اس کی یعنی ابوحذیفہ کی گردن اڑا دوں جنہوں نے منافقت دکھائی ہے۔ عرض کیا کہ اللہ کی قسم! اس نے یعنی ابوحذیفہ نے منافقت دکھائی ہے۔ حضرت ابوحذیفہ بعد میں کہا کرتے تھے کہ میں اس کلمے کی وجہ سے جو مَیں نے اس دن کہا تھا چین میں نہیں رہا اور ہمیشہ اس سے ڈرتا رہا سوائے اس کے کہ شہادت میری اس بات کا کفارہ کر دے۔ چنانچہ حضرت ابوحذیفہؓ جنگِ یمامہ کے دن شہید ہو گئے۔

(سیرت ابن هشام صفحه 429 باب غزوه بدر مطبوعه دارالکتب العلمية بيروت 2001ء)

اس کی تفصیل کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا کہ لشکر کفار میں بعض ایسے لوگ **بھی شامل ہیں جو اپنے دل کی خوشی سے اس مہم میں شامل نہیں ہوئے** بلکہ رؤسائے قریش کے دباؤ کی وجہ سے شامل ہو گئے ہیں۔ ورنہ وہ دل میں ہمارے مخالف نہیں۔ اسی طرح بعض ایسے لوگ بھی اس لشکر میں شامل ہیں جنہوں نے مکہ میں ہماری مصیبت کے وقت میں ہم سے شریفانہ سلوک کیا تھا اور ہمارا فرض ہے کہ ان کے احسان کا بدلہ اتاریں۔'' ان کی اس شرافت کی وجہ سے جو مکہ میں مسلمانوں سے کرتے رہے۔ ''پس اگر کسی ایسے شخص پر کوئی مسلمان غلبہ پائے تو اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے۔ اور آپؐ نے خصوصیت کے ساتھ قسم اوّل میں عباس بن عبد المطلب اور قسم ثانی میں ابو البختری کا نام لیا اور ان کے قتل سے منع فرمایا۔'' کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لیے منع فرمایا۔ ''مگر حالات نے کچھ ایسی ناگریز صورت اختیار کی کہ ابو البختری قتل سے بچ نہ سکا گو اسے مرنے سے قبل اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 360-361)

تاریخ میں آتا ہے کہ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سائبان میں جا کر جو جگہ آپؐ کے لیے بنائی گئی **تھی اس میں پھر دعا میں مشغول ہو گئے**۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے اور سائبان کے ارد گرد انصار کی ایک جماعت حضرت سعد بن معاذؓ کی زیر کمان پہرے پر متعین تھی۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ، باب ذکر مغازیہ ﷺ، جلد 2 صفحہ 221، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپؐ بدر کے دن ایک بڑے خیمہ میں تھے کہ اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ، اَللّٰھُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْیَوْمِ۔ کہ اے میرے اللہ! مَیں تجھے تیرے ہی عہد اور تیرے ہی وعدے کی قسم دیتا ہوں۔ اے میرے رب! اگر تُو ہی مسلمانوں کی تباہی چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! بس کیجئے۔ آپؐ نے اپنے رب سے دعا مانگنے میں بہت اصرار کر لیا ہے اور آپؐ زرہ پہنے ہوئے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے تھے۔

آپؐ خیمے سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھ رہے تھے۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ وَ السَّاعَۃُ اَدْھٰی وَ اَمَرُّ (القمر:46-47) عنقریب یہ سب کے سب شکست کھا جائیں گے اور پیٹھ پھیر دیں گے اور یہی وہ گھڑی ہے جس سے ڈرائے گئے تھے اور یہ گھڑی نہایت سخت اور نہایت تلخ ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد و السیر، باب ما قیل فی درع النبی ﷺ و القمیص فی الحرب حدیث:2915)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بدر والے دن بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور آپؐ کے صحابہؓ تین سو انیس تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف منہ کیا پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنے رب کو بلند آواز سے پکارتے رہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ لِیْ مَا وَعَدْتَّنِیْ۔ اَللّٰھُمَّ اٰتِ مَا وَعَدْتَّنِیْ۔ اَللّٰھُمَّ إِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ

اَھۡلِ الۡاِسۡلَامِ لَا تُعۡبَدۡ فِی الۡاَرۡضِ۔ یعنی اے اللہ! جو تُو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔ اے اللہ! جو تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ اے اللہ! اگر تُو نے مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ قبلہ کی طرف منہ کیے دونوں ہاتھ پھیلائے آپ مسلسل اپنے رب کو بلند آواز سے پکارتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے پاس آئے اور آپ کی چادر اٹھائی اور آپؐ کے کندھوں پر ڈال دی۔ پھر آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے سے چمٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ! آپ کی اپنے رب کے حضور الحاح سے بھری ہوئی دعا آپؐ کے لیے کافی ہے۔ وہ آپؐ سے کیے گئے وعدے ضرور پورے فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّکُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُرۡدِفِیۡنَ (الانفال:10) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری التجا کو قبول کر لیا اس وعدے کے ساتھ کہ مَیں ضرور ایک ہزار قطار در قطار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ پس اللہ نے ملائکہ کے ذریعے آپؐ کی مدد فرمائی۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر و اباحة الغنائم حدیث نمبر 4588)

اس واقعہ کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ پھر ”آپؐ سائبان میں جا کر پھر دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے اور سائبان کے ارد گرد انصار کی ایک جماعت سعد بن معاذؓ کی زیر کمان پہرہ پر متعین تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میدان میں سے ایک شور بلند ہوا اور معلوم ہوا کہ قریش کے لشکر نے عام حملہ کر دیا ہے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رقت کی حالت میں خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے دعائیں کر رہے تھے اور نہایت اضطراب کی حالت میں فرماتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَنۡشُدُکَ عَھۡدَکَ وَ وَعۡدَکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنۡ تُھۡلِکۡ ھٰذِہِ الۡعِصَابَۃَ مِنۡ اَھۡلِ الۡاِسۡلَامِ لَا تُعۡبَدۡ فِی الۡاَرۡضِ۔ اے میرے خدا! اپنے وعدوں کو پورا کر۔ اے میرے مالک! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج اس میدان میں ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔“

اور اس وقت آپؐ اس قدر کرب کی حالت میں تھے کہ کبھی آپؐ سجدہ میں گر جاتے تھے اور کبھی کھڑے ہو کر خدا کو پکارتے تھے اور آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے گر گر پڑتی تھی اور حضرت ابو بکرؓ اسے اٹھا اٹھا کر آپؐ پر ڈال دیتے تھے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے لڑتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آتا تھا تو مَیں آپؐ کے سائبان کی طرف بھاگا جاتا لیکن **جب بھی مَیں گیا مَیں نے آپؐ کو سجدہ میں گڑگڑاتے ہوئے پایا۔** اور مَیں نے سنا کہ آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ یَا حَیُّ یَاقَیُّوۡمُ یَا حَیُّ یَاقَیُّوۡمُ۔ یعنی ”اے میرے زندہ خدا! اے میرے زندگی بخش آقا!“ حضرت ابو بکر آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر بے چین ہوئے جاتے تھے اور کبھی کبھی بے ساختہ عرض کرتے تھے ”یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ گھبرائیں نہیں۔ اللہ اپنے وعدے ضرور پورے کرے گا مگر اس سچے مقولہ کے مطابق ”فارسی کا مقولہ ہے ”کہ ہر کہ عارف تر است ترساں تر۔“ یعنی ہر کوئی

جو جتنی معرفت رکھتا ہے اتنا ہی وہ ڈرتا بھی ہے۔ ”آپؐ برابر دعا اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 361)

توکّل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر صحابہؓ کی ایک ترتیب قائم کی۔ ان کو اپنی اپنی جگہوں پر کھڑا کیا۔ انہیں نصیحتیں کیں کہ یوں لڑنا ہے اور اس کے بعد ایک عرشہ پر بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ گئے۔ یہ نہیں کیا کہ صحابہؓ کو مدینہ میں چھوڑ جاتے اور آپ اکیلے وہاں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ جاتے۔ بلکہ پہلے آپؐ صحابہؓ کو لے کر مقامِ جنگ پر پہنچے پھر ان کو ترتیب دی اور ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ اس کے بعد عرشہ پر بیٹھ گئے اور دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ یہ توکل ہے جو اختیار کرنا چاہئے۔“ (تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 541)

یعنی اسباب کا بھی استعمال ہو، انسان جو کچھ اپنی کوشش سے کر سکتا ہے وہ کرے اور پھر دعاؤں میں لگ جائے۔ اس کو توکّل کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”قرآن شریف میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر فتح پانے کا وعدہ دیا گیا تھا مگر جب بدر کی لڑائی شروع ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونا اور دعا کرنا شروع کیا اور دعا کرتے کرتے یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ أَبَدًا۔ یعنی اے میرے خدا! اگر آج تُو نے اس جماعت کو (جو صرف تین سو تیرہ آدمی تھے) ہلاک کر دیا تو پھر قیامت تک کوئی تیری بندگی نہیں کرے گا۔ ان الفاظ کو جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قدر بے قرار کیوں ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو آپ کو پختہ وعدہ دے رکھا ہے کہ مَیں فتح دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر اس کی بے نیازی پر میری نظر ہے یعنی کسی وعدہ کا پورا کرنا خدا تعالیٰ پر حق واجب نہیں ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 255-256)

اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے اس لیے ہمیں ہر دفعہ، ہر وقت خوفزدہ رہنا چاہیے، فکر مند رہنا چاہیے۔ جب آپؐ سائبان میں دعا کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونگھ طاری ہوئی پھر یکایک بیدار ہوئے اور فرمایا اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ تمہارے پروردگار کی مدد آگئی ہے۔ یہ دیکھو! جبرئیل اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اسے چلاتے آرہے ہیں اس کے پاؤں پر غبار کے نشان ہیں۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ 428۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

سیرت ابن ہشام کی یہ روایت ہے۔ پھر ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر! تمہیں بشارت ہو یہ جبرئیل ہیں جو زرد عمامہ پہنے ہوئے ہیں وہ زمین اور آسمان کے مابین اپنے گھوڑوں کی لگام تھامے ہوئے ہیں۔ جب وہ زمین پر اترے تو کچھ دیر کے لیے مجھ سے غائب ہوئے پھر نمودار ہوئے۔ ان کے گھوڑے کے پاؤں غبار آلود تھے وہ کہہ رہے تھے کہ جب آپؐ نے دعا مانگی ہے تو اللہ کی نصرت آپؐ کے پاس آگئی ہے۔

(سبل الھدٰی و الرشاد جلد 4 صفحہ 37 ذکر غزوۃ بدر الکبرٰی دارالکتب العلمیۃ بیروت)

جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت، جنگ میں ذاتی طور پر شمولیت کے بارے میں لکھا ہے کہ میدانِ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوامؓ کو میمنہ پر مقرر کیا۔ مقداد بن عمروؓ کو میسرہ پر اور قیس بن ابی صَعْصَعَہؓ کو سَاقہ یعنی پیادہ فوج پر مقرر کیا۔ لشکر کی بالعموم قیادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگلی صفوں میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو اپنی ہدایات کا پابند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پیش قدمی نہ کرے جب تک مَیں اس کے آگے نہ ہوں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کے بامقصد استعمال کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا جب دشمن تمہاری پہنچ میں آ جائے تو تیر چلانا اور تیروں کو حتی الامکان بچا کر رکھنا۔ یہ جو بیٹھ کے دعا کرنے کا سارا قصہ بیان ہوا ہے یہ اس پوری جنگ شروع ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ وہ لکھا اس طرح گیا ہے اس لیے سمجھا جاسکتا ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ آپؐ شامل تھے لیکن یہ دعا اس سے پہلے آپؐ نے کی جس کے نتیجے میں فرشتوں کی مدد بھی اللہ تعالیٰ نے بھیجی۔ بہرحال بدر کے میدانِ کارزار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی شرکت کے بارے میں حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے قریب تر تھے۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب مجاہدین سے زیادہ سخت جنگ کرنے والے تھے۔

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 174 و 201 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

میدانِ جنگ میں لشکر قریش کی آمد اور ان کی آپس میں تکرار جو ہوئی، اختلافات جو ہوئے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قریش میدان بدر میں اترے تو انہوں نے عُمَیر بن وَھْب کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنے جنگجو ہیں؟ تو عُمیر نے اپنے گھوڑے کو لشکر اسلام کے گرد دوڑایا اور پھر قریش مکہ کے پاس آکر کہا کہ میرے نزدیک تو یہ لوگ تین سو کے اندازے میں کچھ کم یا زیادہ ہوں گے۔ پھر یہ دوبارہ دیکھنے کی غرض سے لوٹا کہ کہیں لشکر اسلام کی مدد کے لیے کوئی پوشیدہ کمین گاہ تو نہیں۔ عمیر بن وہب اپنے گھوڑے کو دوڑا کر بہت دُور تک نکل گیا وہاں سے واپس آکر کہا کہ ان کی مدد تو معلوم نہیں ہوتی مگر اے قریش! مَیں نے دیکھا ہے کہ تم پر بلائیں موت کو لے کر نازل ہو رہی ہیں۔ مَیں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں جو موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے اونٹ یقینی موت اٹھائے ہوئے ہیں وہ ایسی قوم ہیں جن کے پاس دفاع کا کوئی سامان نہیں اور ان کے پاس تلواروں کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں۔ ان میں سے کوئی قتل نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہم میں سے ایک ایک آدمی کو قتل کر لے۔ اگر انہوں نے اپنی گنتی کے مطابق ہمارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا تو اس کے بعد زندگی میں کیا لطف رہے گا۔ اب جو تم مناسب سمجھو کرو۔ اس نے سارا جائزہ لے کے اپنا ایک خیال پیش کیا۔

حکیم بن حزام یہ باتیں سن کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور اسے کہا کہ تو قریش میں برگزیدہ اور سردار ہے۔ لہٰذا لوگوں کو واپس لے جاؤ اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا کر دو۔ عتبہ نے کہا مجھے منظور ہے۔ پس تم ابن حَنْظَلِیَّہ یعنی ابوجہل، ابوجہل کی والدہ کا نام حَنْظَلِیَّہ تھا، اُس کے پاس جاؤ۔ چنانچہ حکیم بن حزام اس مقصد کے لیے

ابو جہل کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے عتبہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ وہ دیت ادا کر دے گا تم قریش کو واپس لے چلو۔ ابو جہل کہنے لگا کہ عتبہ نے جب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ ڈر گیا ہے اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگا ہے۔ ہر گز نہیں۔ بخدا! ہم نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ ابو جہل نے یہ بھی کہا کہ عتبہ اس لیے ہمیں جنگ سے روک رہا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ مسلمان ہمارے لیے اونٹ کے ایک نوالے کی طرح ہیں یعنی بہت ہی آسانی سے ہم انہیں قتل کر دیں گے اور ان مسلمانوں میں عتبہ کا بیٹا بھی ہے۔ عتبہ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تھا۔ شاید اپنے بیٹے کی وجہ سے یہ جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ عتبہ کے یہ بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ تھے جو مسلمانوں کی طرف سے میدانِ بدر میں موجود تھے۔ جب عتبہ کو ابو جہل کی طرف سے بزدلی کے اس طعنے کی خبر پہنچی تو اس نے کہا اس بزدل یعنی ابو جہل کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون بزدل ہے اور ڈرا ہوا ہے۔

(ماخوذ از سیرت ابن ہشام صفحہ 424 تا 426۔ دار الکتب العلمیۃ۔ الطبعۃ الاولیٰ 2001ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب فوجیں بالکل ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ پہلے جنگ کی حالت میں فوجیں اکٹھی ہو رہی تھیں اور وزنی فوج تھی کافروں کی، اس وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم **دعاؤں میں تھے۔ جب فوجیں سامنے آگئیں، جنگ شروع ہونے لگی** تھی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی میدانِ جنگ میں تھے۔ فرمایا اب فوجیں بالکل ایک دوسرے کے سامنے تھیں مگر قدرتِ الٰہی کا عجیب تماشہ ہے کہ اس وقت لشکر کے کھڑے ہونے کی ترتیب ایسی تھی کہ اسلامی لشکر قریش کو اصلی تعداد سے زیادہ بلکہ دوگنا نظر آتا تھا۔ جس کی وجہ سے کفار مرعوب ہوئے جاتے تھے اور دوسری طرف قریش کا لشکر مسلمانوں کو ان کی اصلی تعداد سے کم نظر آتا تھا۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ قریش کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح اسلامی لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ یا پتہ لگ جاوے تا کہ وہ چھوٹے ہوئے دلوں کو سہارا دے سکیں۔ جو دل ڈرے ہوئے تھے ان کو سہارا دے سکیں۔ اس کے لیے رؤسائے قریش نے عُمَیر بن وَھْب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر کے چاروں طرف گھوڑا دوڑا کر دیکھے کہ اس کی تعداد کتنی ہے اور آیا ان کے پیچھے کوئی کمک تو مخفی نہیں؟ چنانچہ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کا ایک چکر کاٹا مگر اسے مسلمانوں کی شکل و صورت سے ایسا جلال اور عزم اور موت سے ایسی بے پروائی نظر آئی کہ وہ سخت مرعوب ہو کر لوٹا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مجھے کوئی مخفی کمک وغیرہ تو نہیں نظر آئی لیکن اے معشر قریش! یعنی قریش کی جماعت **مَیں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں گویا اونٹنیوں کے کجاووں نے اپنے اوپر آدمیوں کو نہیں بلکہ موتوں کو اٹھایا ہوا ہے اور یثرب کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں** سوار ہیں۔ قریش نے جب یہ بات سنی تو ان میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ سراقہ جو ان کا ضامن بن کر آیا تھا کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ الٹے پاؤں بھاگ گیا اور جب لوگوں نے اسے روکا تو کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ تم نہیں دیکھتے۔ حکیم بن حِزام نے عُمَیر کی رائے سنی تو گھبرایا ہوا عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے عتبہ! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آخر عَمْرو حَضْرمی کا بدلہ ہی لینا چاہتے ہو۔ وہ تمہارا حلیف تھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس کی طرف سے خون بہا ادا کر دو اور قریش کو لے کر واپس لوٹ

جاؤ۔ اس میں ہمیشہ کے لیے تمہاری نیک نامی رہے گی۔ عتبہ جو خود گھبرایا ہوا تھا، اس کو اَور کیا چاہیے تھا۔ جھٹ بولا کہ ہاں ہاں یہی ٹھیک ہے۔ میں راضی ہوں اور پھر وہ حکیم بن حزام کو کہنے لگا کہ دیکھو یہ مسلمان اور ہم آخر آپس میں رشتے دار ہی تو ہیں۔ کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ بھائی بھائی پر تلوار اٹھائے اور باپ بیٹے پر۔ تم ایسا کرو کہ ابھی ابوالحکم یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے یہ تجویز پیش کرو اور ادھر عتبہ نے خود اونٹ پر سوار ہو کر اپنی طرف سے لوگوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ رشتہ داروں میں لڑائی ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیے اور محمد کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ دوسرے قبائل عرب کے ساتھ نپٹتا رہے جو نتیجہ ہو گا دیکھا جائے گا۔ اور پھر تم دیکھو کہ ان مسلمانوں کے ساتھ لڑنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ خواہ تم مجھے بزدل کہو حالانکہ میں بزدل نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ لوگ موت کے خریدار نظر آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور سے عتبہ کو دیکھا تو فرمایا:

اگر لشکر کفار میں سے کسی میں شرافت ہے تو اس سرخ اونٹ کے سوار میں ضرور ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو ان کے لیے اچھا ہو لیکن جب حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس آیا اور اس سے یہ تجویز بیان کی تو وہ فرعونِ امّت بھلا ایسی باتوں میں کب آنے والا تھا چھٹتے ہی بولا۔ اچھا اچھا اب عتبہ کو اپنے سامنے اپنے رشتے دار نظر آنے لگ گئے ہیں۔ اور پھر اس نے عمرو حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا کہ تم نے سنا تمہارا حلیف عتبہ کیا کہتا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ تمہارے بھائی کا بدلہ گویا ہاتھ میں آیا ہوا ہے۔ عامر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے عرب کے قدیم دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ کر اور ننگا ہو کر چلانا شروع کیا وَا عَمْرَاہُ! وَا عَمْرَاہُ! کہ ہائے افسوس! میرا بھائی بغیر انتقام کے رہا جاتا ہے۔ ہائے افسوس! میرا بھائی بغیر انتقام کے رہا جاتا ہے۔ اس صحرائی آواز نے لشکر قریش کے سینوں میں عداوت کے شعلے بلند کر دیے اور پھر جنگ کی بھٹی اپنے پورے زور سے دہکنے لگ گئی۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 358 تا 360)

اور پھر اس کے بعد جب جنگ شروع ہوئی ہے تو اس کی باقی تفصیل جو ہے وہ ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گی۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 21/ جولائی 2023ء جلد 30 شمارہ 125 صفحہ 02 تا 06)

27

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 07/ جولائی 2023ء بمطابق 07/ وفا 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ خطبہ میں کفارِ مکہ پر مسلمانوں کے رعب کا ذکر کرتے ہوئے ابوجہل اور عتبہ کے جنگ کرنے کے بارے میں اختلاف کا ذکر ہوا تھا اور پھر ابوجہل کے طعنے کی وجہ سے عتبہ نے جنگ کا اعلان **بھی کیا اور یوں باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ** عُتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے درمیان چلتا ہوا نکلا اور صفوں سے آگے نکل کر مبارزت طلب کی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 426 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عتبہ بن ربیعہ آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور اس کا بھائی آیا اور اس نے پکارا کہ کون اس سے مبارزت کرے گا، مقابلے پہ آئے گا؟ تو انصار کے کچھ نوجوانوں نے اس کو جواب دیا۔ اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ عتبہ نے ان انصار سے پوچھا کون ہو تم؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہم کون ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ ہمارا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ عتبہ نے ان کو یہ جواب دیا۔ ہمارا ارادہ تو صرف اپنے چچا کے بیٹوں سے لڑنے کا ہے۔ قریش سے، مکے والوں سے ہم نے لڑائی کرنی ہے، انصار سے نہیں۔ اور ساتھ ہی بلند آواز میں پکار کر کہا۔

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے رشتے داروں میں سے ہمارے برابر کے لوگوں کو ہمارے مقابلے پہ بھیجو۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اٹھو اے حمزہ! اٹھو اے علی! اٹھو اے عُبَیدہ بن حارث! حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا تھے اور علی چچازاد ہیں جبکہ عبیدہ رشتے میں چچا بنتے ہیں۔ حمزہؓ عتبہ کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں میں شیبہ کی طرف بڑھا اور عبیدہؓ اور ولید میں دو جھڑپوں کا تبادلہ ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو زخمی کر کے کمزور کر دیا۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ کو ہم اٹھا کر لائے۔ (اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد دوم صفحہ 48 مکتبہ دار السلام ریاض 1433ھ)

(سنن ابی داؤد کتاب الجھاد باب فی المبارزۃ، حدیث نمبر 2665)

ان دونوں نے، حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو اپنے دشمنوں کو مار دیا۔ جب حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اپنے ساتھی حضرت عُبیدہ بن حارثؓ کو اپنی فوج میں اٹھا لائے تو ان کا پاؤں کٹ چکا تھا۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مَیں شہید نہیں ہوں؟ آپؐ نے

فرمایا بیشک تم شہید ہو۔ (تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 32، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 2012ء)

حضرت عبیدہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور بدر سے واپسی پر راستے میں انتقال کیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 360)

حضرت عُبَیدہ بن حارثؓ کے بارے میں ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب ان کا پاؤں تلوار سے کٹ گیا تو ان کے ساتھی انہیں اٹھا کر واپس لے آئے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لٹا دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک ان کے نیچے رکھ دیا۔ یعنی اپنا پاؤں ان کے سر یا رخسار کے نیچے رکھ دیا۔ اور عُبیدہ نے بڑی محبت سے آپؐ کی طرف دیکھتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ میں ان کے قول کا زیادہ حقدار ہوں۔ پھر حضرت ابو طالب کے شعر پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ابھی تو ہم نے آپؐ کے دفاع کے لیے نہ نیزہ بازی کی ہے اور نہ ہی تیر اندازی اور تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں گے جب تک ہماری لاشیں ان کے گرد نہ پڑی ہوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ 35-36 ، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

(اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 548 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اس موقعے پر ابو جہل نے ایک دعا کی تھی۔ اس کا ذکر یوں ملتا ہے کہ جب دونوں لشکر آپس میں مل گئے یعنی شدید لڑائی ہونے لگی تو ابو جہل نے دعا کی کہ اے خدا! ہم میں سے جو شخص قریبی رشتہ داریوں کو توڑتا ہے اور ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں سنیں تو آج اسے ہلاک کر۔

(ماخوذ از سیرت ابن ھشام صفحہ 428۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بدر کی لڑائی کے وقت میں ایک شخص مُسَمّٰی عمرو بن ہشام نے جس کا نام پیچھے سے ابو جہل مشہور ہوا جو کفار **قریش کا سردار اور سرغنہ تھا ان الفاظ سے دعا کی** کہ اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا اَفْسَدَ فِی الْقَوْمِ وَاَقْطَعَ لِلرَّحِمِ فَاَحِنْہُ الْیَوْمَ یعنی اے خدا! جو شخص ہم دونوں میں سے (اس لفظ سے مراد اپنے نفس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا تھا) تیری نگہ میں ایک مفسد آدمی ہے اور قوم میں پھوٹ ڈال رہا ہے اور باہمی تعلقات اور حقوق قومی کو کاٹ کر قطع رحم کا موجب ہو رہا ہے آج اس کو تو ہلاک کر دے اور ان کلمات سے ابو جہل کا یہ منشاء تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مفسد آدمی ہیں اور قوم میں پھوٹ ڈال کر ناحق قریش کے مذہب میں ایک تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور نیز انہوں نے تمام حقوق قومی تلف کر دیئے ہیں اور قطع رحم کا موجب ہو گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل کو یہی یقین تھا کہ گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر اور پاک نہیں ہے۔ تبھی تو اس نے دردِ دل سے دعا کی لیکن اس دعا کے بعد شاید ایک گھنٹہ بھی زندہ نہ رہ سکا اور خدا کے قہر نے اسی مقام میں اس کا

سر کاٹ کر پھینک دیا اور جن کی پاک زندگی پر وہ داغ لگاتا تھا وہ اس میدان سے فتح اور نصرت کے ساتھ واپس آئے۔"
(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 174-175)

جنگ کی حالت کا نقشہ ایک جگہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ:

"میدان کارزار میں کشت وخون کا میدان گرم تھا۔ مسلمانوں کے سامنے ان سے سہ چند جماعت "یعنی تین گنا جماعت "تھی جو ہر قسم کے سامان حرب سے آراستہ ہو کر اس عزم کے ساتھ میدان میں نکلی تھی کہ اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جاوے اور مسلمان بیچارے تعداد میں تھوڑے، سامان میں تھوڑے، غربت اور بے وطنی کے صدمات کے مارے ہوئے ظاہری اسباب کے لحاظ سے اہل مکہ کے سامنے چند منٹوں کا شکار تھے مگر توحید اور رسالت کی محبت نے انہیں متوالا بنا رکھا تھا اور اس چیز نے جس سے زیادہ طاقتور دنیا میں کوئی چیز نہیں یعنی زندہ ایمان نے ان کے اندر ایک فوق العادت طاقت بھر دی تھی۔ وہ اس وقت میدان جنگ میں خدمت دین کا وہ نمونہ دکھا رہے تھے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر اک شخص دوسرے سے بڑھ کر قدم مارتا تھا اور خدا کی راہ میں جان دینے کے لئے بے قرار نظر آتا تھا۔ حمزہؓ اور علیؓ اور زبیرؓ نے دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔"
(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 362)

مسلمانوں کے پہلے شہید کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت مِہجَعؓ کو ایک تیر کا ہدف بنایا گیا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے پہلے شخص تھے جنہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد بنی عدی بن نَجّار کے قبیلہ کے ایک شخص حضرت حَارِثہ بن سُراقہؓ نے شہادت حاصل کی۔ آپؓ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ آپ کی طرف ایک تیر پھینکا گیا جو آپ کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ اسی طرح آپؓ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ (ماخوذ از سیرت ابن هشام صفحه 428۔ دار الكتب العلمية بيروت 2001ء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حَارِثہ رضی اللہ عنہ بن سُراقہ بن حارِث جنگ بدر میں شہید ہوئے اور وہ ابھی نوجوان لڑکے تھے۔ ان کی ماں رُبَیّع بنتِ نَضْر حضرت انسؓ کی پھوپھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ کہنے لگیں یا رسول اللہؐ! آپؐ جانتے ہی ہیں جو مقام حارثہ رضی اللہ عنہ کا میرے نزدیک تھا۔ سو اگر وہ جنت میں ہے تو مَیں صبر کروں اور ثواب کی امید رکھوں اور اگر کوئی اَور بات ہے تو آپؐ دیکھیں گے کہ میں کیا کچھ کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے۔ کیا تو دیوانی ہے؟ کیا جنت ایک ہی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتیں تو بہت سی ہیں اور تمہارا بیٹا تو جنت الفردوس میں ہے۔
(صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرا۔ حديث 3982)
(طبقات الكبرٰی جلد 3 صفحه 387 مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت 1990ء)

اس جنگ میں صحابہؓ کا جوشِ جہاد جو دیکھنے میں آیا اس کے بارے میں لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آج کے دن صبر کے ساتھ ثواب سمجھ کر جنگ کرے گا اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے گا خدا اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ یہ سن کر عُمیر بن حُمَام نے جو بنی سلمہ میں سے تھے کہا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں چند کھجوریں بھی تھیں جو وہ کھا رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو انہوں نے کہا کہ واہ! واہ! میرے اور جنت کے

درمیان میں بس اتنا ہی وقفہ ہے کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور پھر اپنی تلوار پکڑ کر اس قدر لڑے کہ شہید ہو گئے۔ عوف بن حارثؓ نے جو عفراء کے بیٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کس بات سے خوش ہوتا ہے؟ فرمایا دشمن کو زرہ وغیرہ لباسِ حرب سے خالی ہو کر قتل کرنے سے۔ اس پر انہوں نے اپنی زرہ اتار کر پھینک دی اور بہت سے کافروں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔

(سیرۃ ابن ہشام صفحہ 428 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

ابو جہل کے قتل کے بارے میں بخاری میں جو روایت آتی ہے اس کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں جنگِ بدر کے دن ایک صف میں کھڑا تھا۔ مَیں نے نگاہ پھیری تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دائیں اور بائیں دو نو عمر نوجوان لڑکے ہیں جیسے ان کی اس موجودگی پر میں اپنے آپ کو امن میں نہیں سمجھتا تھا۔ انہوں نے کہا یہ نوجوان لڑکے یا بچے انہوں نے میری کیا حفاظت کرنی ہے۔ کہتے ہیں مَیں امن میں نہیں سمجھتا تھا۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے چپکے سے جس کی خبر اس کے ساتھی کو نہ ہوئی مجھے پوچھا۔ چچا! مجھے ابو جہل تو دکھا دو۔ مَیں نے کہا میرے بھتیجے تجھے اس سے کیا کام؟ وہ کہنے لگا مَیں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر میں اس کو دیکھ پاؤں تو اسے مار ڈالوں گا یا اس کے سامنے خود مارا جاؤں گا۔ پھر دوسرے نوجوان نے چپکے سے جس کی خبر اس کے ساتھی کو نہ ہوئی مجھ سے ایسے ہی پوچھا۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ کہتے تھے کہ مجھے کبھی اتنی خوشی نہ ہوتی اگر مَیں ان کی جگہ دو مردوں کے درمیان ہوتا۔ ان کے اس جذبے کے باوجود بھی ان کو تسلی نہیں ہوئی پھر بھی چاہتے تھے کہ دو مضبوط آدمی میرے دائیں بائیں ہوتے۔ کہتے ہیں کہ مَیں نے ان دونوں کو ابو جہل کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہے۔ یہ سنتے ہی وہ دونوں شکروں کی طرح اس پر جھپٹے اور اس کو مار ڈالا اور وہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے معاذ اور معوذ۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی، حدیث 3988)

(عمدۃ القاری جلد السابع عشر صفحہ 132 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے لوگوں کو باتیں کرتے سنا کہ ابو الحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ مَیں نے ارادہ کر لیا کہ ضرور اس پر حملہ کروں گا اور مَیں اس پر جھپٹ پڑا اور تلوار کی ایک ضرب سے اس کا پاؤں ساق تک کاٹ دیا۔ اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر وار کیا اور میرا ہاتھ اڑا دیا۔ صرف جلد کے سہارے وہ میرے پہلو میں اٹکا رہا۔ تمام دن میں اسی طرح لڑتا رہا جب تکلیف زیادہ ہوئی تو مَیں نے اس پر پاؤں رکھ کر جسم سے علیحدہ کر دیا۔ (ماخوذ از تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 36 دار الکتب العلمیۃ بیروت، 2012ء)

جنگ کے اختتام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین کے درمیان کھڑے ہوئے اور ابو جہل کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ آپؐ نے اس کو نہ پایا تو یہ دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ لَا تُعْجِزْنِی فِرْعَوْنَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔ اے اللہ! تو مجھے اس امّت کے فرعون کے مقابلے پر عاجز نہ کر دینا۔ کہیں بچ کے نہ چلا جائے۔ پھر لوگوں نے اس کی تلاش شروع کی تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اسے ڈھونڈ لیا۔

(السیرۃ الحلبیہ باب ذکر مغازیہ جلد 2 صفحہ 236 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی دعا مانگی کہ اے خدا! ایسا نہ ہو کہ وہ تیری

گرفت سے نکل جائے۔ (تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 36، دارالکتب العلمیۃ بیروت2012ء)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی لاش کو تلاش کرنے کا حکم دیا تو عبداللہ بن مسعودؓ مقتولوں میں تلاش کرتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کو اس کا پتہ نہ چلے تو اس طرح اس کو پہچاننا کہ اس کے گھٹنے پر ایک زخم کا نشان ہے کیونکہ میں نے ابوجہل کو ایک مرتبہ عبداللہ بن جُدْعَان کے ہاں ایک دعوت کے موقع پر زور کا دھکا دیا کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا اور اس کے گھٹنے میں زخم ہو گیا۔ اس کا نشان اب تک اس کے گھٹنے میں موجود ہے۔

ابن مسعود کہتے ہیں کہ اسی نشان کے ساتھ مَیں نے اس کو پہچانا اور کچھ رمق زندگی کی ابھی اس میں باقی تھی۔ مَیں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا کیونکہ مکہ میں اس نے مجھ کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ مَیں نے کہا اے دشمن خدا! تُو نے دیکھا کہ خدا نے تجھ کو کیسا ذلیل کیا! کہنے لگا مجھ کو کس بات نے ذلیل کیا ہے؟ ایک شخص کو تم نے مار ڈالا۔ کیا ہوا؟ کیا تم نے آج تک کسی ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جو مجھ سے زیادہ معزز اور صاحبِ رتبہ ہو؟ اچھا یہ بتاؤ کہ فتح کس کی ہوئی؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ ابوجہل نے مجھ سے اپنے آخری وقت میں جبکہ مَیں نے اس کی گردن پر قدم رکھا کہا تھا کہ اے بکریوں کے چرانے والے ذلیل چرواہے! تو ایسی جگہ پر چڑھ گیا ہے جہاں تجھے نہیں چڑھنا چاہیے تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مَیں نے اس کا سر کاٹ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر آپؐ کے پاؤں میں ڈال دیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ دشمنِ خدا ابوجہل کا سر ہے۔ حضورؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ۔ اللہ ہی وہ ذات پاک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ ابن ہشام کی روایت ہے۔ (سیرت ابن ہشام مترجم جلد اوّل صفحہ 447 مطبوعہ ادارہ اسلامیات)

(سیرت ابن هشام صفحه 433 دارالکتب العلمیة بیروت 2001ء)

(شرح زرقانی جلد دوم صفحه 297 مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت)

اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب ابوجہل کو قتل کر دیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کے قتل کے بارے میں بتایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ پیدل تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ کی قسم! جس کے ساتھ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مَیں نے بھی عرض کیا اللہ کی قسم! جس کے ساتھ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن! ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے تجھے رسوا کیا۔

(مسندالامام احمد بن حنبل جلد دوم صفحه165 روایت نمبر 4246 عالم الکتب بیروت1998ء)

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ **رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امّت کا فرعون ہوتا ہے۔** اس امّت کا فرعون ابوجہل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بری طرح قتل کیا۔ عفراء کے دونوں بیٹوں اور ملائکہ نے اسے قتل کیا اور عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا کام تمام کیا۔

(سبل الهدٰی والرشاد، جلد4 صفحه52، دارالکتب العلمیة بیروت، 1993ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''**ابو جہل کو فرعون کہا گیا ہے۔** مگر میرے نزدیک وہ تو فرعون سے بڑھ کر ہے۔ فرعون نے تو آخر کہا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ (یونس: 91) ''کہ مَیں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں مگر وہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ ''مگر یہ آخر تک ایمان نہ لایا۔ مکہ میں سارا فساد اسی کا تھا اور بڑا متکبر اور خود پسند، عظمت اور شرف کو چاہنے والا تھا۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 247)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کی طرح اپنی قوم کے راستبازوں کو درندوں اور خونیوں سے نجات دی اور موسیٰ کی طرح ان کو مکہ سے مدینہ کی طرف کھینچ لایا اور ابو جہل کو جو اس امّت کا فرعون تھا بدر کے میدان جنگ میں ہلاک کیا۔'' (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 523)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''بدر کے موقع پر کفار مکہ جب آئے۔ انہوں نے سمجھا کہ بس اب ہم نے مسلمانوں کو مار لیا اور ابو جہل نے کہا ہم عید منائیں گے اور خوب شرابیں اڑائیں گے اور سمجھا کہ بس اب مسلمانوں کو مار کے ہی پیچھے ہٹیں گے۔ لیکن اسی ابو جہل کو مدینہ کے دو لڑکوں نے (کفار مکہ مدینہ والوں کو نہایت ذلیل خیال کرتے تھے اور ان کو ارائیں کہا کرتے تھے) قتل کر دیا۔'' یعنی صرف سبزیاں اگانے والے، کاشت کاری کرنے والے۔ ان کو جنگ کا کیا پتہ؟ بہر حال ان لڑکوں نے قتل کر دیا'' اور اسے ایسی حسرت دیکھنی نصیب ہوئی کہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔ (عرب میں رواج تھا کہ جو سردار ہوتا وہ اگر لڑائی میں مارا جاتا تو اس کی گردن لمبی کر کے کاٹتے تا کہ پہچانا جاوے کہ یہ کوئی سردار تھا)۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے دیکھا (جب یہ بے حس و حرکت زخمی پڑا تھا) اور پوچھا کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ اس نے کہا مجھے اور تو کوئی افسوس نہیں۔ صرف یہ ہے کہ مجھے مدینہ کے دو ارائیں بچوں نے مار دیا۔ عبداللہؓ نے دریافت کیا کہ تمہاری کوئی خواہش ہے؟ اس نے کہا کہ اب میری یہ خواہش ہے کہ میری گردن ذرا لمبی کر کے کاٹ دو۔ انہوں نے کہا میں تیری یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دوں گا اور اس کی گردن کو ٹھوڑی کے پاس سے سختی سے کاٹ دیا اور وہ جو عید منانی چاہتا تھا وہی اس کے لئے ماتم ہو گیا اور وہ شراب جو اس نے پی تھی اسے ہضم ہونی بھی نصیب نہ ہوئی۔'' (خطبات محمود جلد 1 صفحہ 11)

مشرکین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کنکریاں پھینکے جانے کے واقعہ کے بارے میں اس طرح لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خیمے میں دعا کر رہے تھے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! بس کیجیے۔ آپؐ نے اپنے رب سے دعا مانگنے میں بہت اصرار کر لیا ہے اور آپؐ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ آپؐ خیمے سے نکلے اور آپؐ یہ پڑھ رہے تھے کہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰی وَ اَمَرُّ (القمر:46-47) عنقریب یہ سب کے سب شکست کھا جائیں گے اور پیٹھ

پھیر دیں گے اور یہی وہ گھڑی ہے جس سے ڈرائے گئے تھے اور یہ گھڑی نہایت سخت اور نہایت تلخ ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب ما قیل فی درع النبیﷺ و القمیص فی الحرب حدیث:2915)

اس کی تفصیل میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے کہ:

"غرض کیا مہاجر اور کیا انصار سب مسلمان پورے زور و شور اور اخلاص کے ساتھ لڑے۔ مگر دشمن کی کثرت اور اس کے سامان کی زیادتی کچھ پیش نہ جانے دیتی تھی اور نتیجہ ایک عرصہ تک مشتبہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعا و ابتہال میں مصروف تھے اور آپؐ کا اضطراب لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا مگر آخر ایک کافی لمبے عرصہ کے بعد آپؐ سجدہ سے اٹھے اور خدائی بشارت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کہتے ہوئے سائبان سے باہر نکل آئے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 362-363)

امام رازیؒ سورۂ انفال کی آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال:18) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب قریش نے چڑھائی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ قریش قبیلہ اپنے گھوڑوں اور سامانِ فخر کے ساتھ اس حالت میں آیا کہ وہ تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں اور تکذیب کر رہے ہیں۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے وہ چیز طلب کرتا ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ تو جبرئیل نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ! مٹھی بھر مٹی لیں اور ان کفار کی طرف پھینک دیں۔ پھر جب دونوں لشکروں کی آپس میں مڈھ بھیڑ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ وادی کے کنکروں سے بھری ہوئی مٹھی بھر مٹی پکڑاؤ جسے آپؐ نے ان کفار کے چہروں کی طرف پھینک دیا اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ یعنی چہرے مسخ ہو جائیں، تو مشرکین اپنی آنکھیں مسلنے لگے جس کے نتیجہ میں وہ شکست خوردہ ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ یعنی کنکروں سے بھری ہوئی مٹھی جسے آپؐ نے پھینکا فی الحقیقت آپؐ نے اسے نہیں پھینکا تھا کیونکہ آپؐ کا پھینکنا اتنا ہی اثر انداز ہو سکتا ہے جتنا کہ ایک انسان کا پھینکنا اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اللہ نے اسے پھینکا ہے جس کے نتیجے میں اس مٹی کے ذرّات ان کی آنکھوں تک پہنچ گئے۔ تو یہ پھینکنے کی صورت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی لیکن اس کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوا۔

(تفسیر الکبیر از امام رازی جلد8 جزء15 صفحہ112، مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت، 2004ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس میدان جنگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سائبان سے "باہر آکر آپؐ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو کشت و خون کا میدان گرم پایا۔ اس وقت آپؐ نے ریت اور کنکر کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے کفار کی طرف پھینکا اور جوش کے ساتھ فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ 'دشمنوں کے منہ بگڑ جائیں' اور ساتھ ہی آپؐ نے مسلمانوں سے پکار کر فرمایا یکدم حملہ کرو۔ مسلمانوں کے کانوں میں اپنے محبوب آقا کی آواز پہنچی اور انہوں نے تکبیر کا نعرہ لگا کر یکدم حملہ کر دیا۔ دوسری طرف ادھر آپؐ کا مٹھی بھر کر ریت پھینکنا تھا کہ ایسی آندھی کا جھونکا آیا کہ کفار کی آنکھیں اور منہ اور ناک ریت اور کنکر سے بھرنے شروع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ خدائی فرشتوں کی فوج ہے جو ہماری نصرت کو آئی ہے اور روایتوں میں مذکور ہے کہ اس وقت بعض لوگوں کو یہ فرشتے نظر بھی آئے۔

بہر حال عتبہ، شیبہ اور ابو جہل جیسے رؤسائے قریش تو خاک میں مل ہی چکے تھے۔ مسلمانوں کے اس فوری دھاوے اور آندھی کے اچانک جھونکے کے نتیجہ میں قریش کے پاؤں اکھڑنے شروع ہو گئے اور جلد ہی کفار کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور تھوڑی دیر میں میدان صاف تھا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 363)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اس درجہ لقا میں بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں کہ جو بشریت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں جیسے ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہو گئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اِسی معجزہ کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے..... یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی در پردہ الٰہی طاقت کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔" (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 65)

بہر حال تھوڑی دیر بعد مشرکین میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان کی صفیں مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں سے درہم برہم ہو گئیں۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کو شکست فاش دی۔

حضرت سعدؓ کا کفار کے خلاف شدید جذبہ کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ آخر کار جب دشمن نے شکست کھا کر ہتھیار پھینک دیے اور صحابہؓ ان کو گرفتار کرنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ کے چہرے پر اس منظر سے ناگواری کے آثار ہیں یعنی مسلمانوں کے اس عمل کو وہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا اے سعد! ایسا لگتا ہے کہ تم قوم کی اس حرکت کو یعنی مشرکوں کو گرفتار کرنے کو ناپسند کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکوں کے ساتھ ہماری یہ پہلی اور کامیاب جنگ ہے۔ لہٰذا اس میں میرے نزدیک مشرکوں کو زندہ رکھنے کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ قتل کر دینا بہتر ہے۔ (السیرۃ الحلبیہ، جلد 2 صفحہ 230، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

کہتے ہیں مَیں قید کرنے کو ناپسند کر رہا ہوں۔ مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔

جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول اس کے بارے میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (الانفال:10) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری التجا کو قبول کر لیا اس وعدے کے ساتھ کہ میں ضرور ایک ہزار قطار در قطار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ غزوۂ بدر میں نزولِ ملائکہ کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے روز فرمایا یہ جبرئیل ہیں۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کی لگام کو پکڑا ہوا ہے اور جنگی آلات سے آراستہ ہیں۔ سیرت ابنِ ہشام میں متعدد صحابہ کی روایات بدر کے دن فرشتوں کے نزول پر دلالت کرتی تھیں۔

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 214 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

صحابہؓ کی ان کے بارے میں بہت ساری روایات ہیں۔ حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں اہلِ بدر کو کیا مقام دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا بہترین مسلمان یا ایسا ہی کوئی کلمہ فرمایا۔ جبرئیل نے کہا اور اسی طرح وہ ملائکہ بھی افضل ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب شهود الملائكة بدرًا حديث 3992)

ایک سیرت نگار نے یہ بھی روایت لکھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ میں اور میرا ایک چچازاد بھائی ہم دونوں آئے اور ایک ایسے پہاڑ پر چڑھ گئے جہاں سے بدر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ہم مشرک تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ جنگ میں آفت کس پر پڑتی ہے تا کہ ہم بھی لُوٹنے والوں کے ساتھ لوٹ میں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ اسی اثنا میں کہ ہم پہاڑ پر تھے ایک بادل کا ٹکڑا ہمارے قریب ہوا۔ ہم نے اس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ مَیں نے ایک کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حَیزُوم آگے بڑھو۔ میرے چچازاد بھائی کے تو دل کا پردہ پھٹ گیا اور وہ یہ آواز سن کے اسی جگہ مر گیا اور رہا میں تو میں بھی ہلاکت کے قریب ہو گیا تھا۔ پھر مَیں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

(سیرت ابن هشام صفحه 431، دارالكتب العلمية بيروت 2001ء)

سہیل بن عمرو جو اس وقت کافر تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے بدر کے **دن چتکبرے گھوڑوں پر سفید لوگوں کو دیکھا۔ وہ آسمان اور زمین کے** درمیان تھے اور قریشی افراد کو قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔ غرض بدر میں فرشتوں کو صرف مسلمانوں نے ہی نہیں دیکھا بلکہ کفار نے بھی دیکھا ہے۔

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 215 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

ابواُسَید مالک بن رَبیعہ جو غزوۂ بدر میں حاضر تھے ان کی روایت ہے کہ یہ واقعہ ان کی بینائی جاتے رہنے کے بعد کا ہے۔ جب انہوں نے واقعہ بتایا، اس وقت بتا رہے ہیں جب ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ آج میں بدر میں ہوتا اور میری بینائی بھی ہوتی تو میں تم کو (جب یہ سنا رہے تھے اس وقت ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی لیکن بدر کا واقعہ کے بارے میں ان کو بتا رہے ہیں کہ جب میری بینائی تھی اور بدر میں مَیں نے خود یہ دیکھا) **اگر میری بینائی ہوتی تو میں تمہیں وہ گھاٹی بھی دکھاتا جس سے فرشتے نکلے۔** مجھے اس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ شبہ۔

ابوداؤ دمَازِنِی سے روایت ہے جو غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔ انہوں نے کہا بیشک میں نے بدر کے روز ایک مشرک کا تعاقب کیا تا کہ اس پر وار کروں تو اچانک میں نے دیکھا کہ میری تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے اس کا سر کٹ کر گر پڑا۔ میں نے جان لیا کہ اسے میرے سوا کسی اَور نے قتل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جن کے شملے انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے اور حُنَین کے روز

سرخ عمامے ان کی علامت تھے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عمامے عربوں کے تاج ہیں اور بدر کے روز فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے مگر حضرت جبرئیلؑ کے سر پر زرد عمامہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرشتوں نے بدر کے سوا کسی اَور جنگ میں قتال نہیں کیا۔ وہ دوسری جنگوں میں تعداد اور مدد کو بڑھانے کے لیے شریک ہوتے تھے، کسی کو مارتے نہیں تھے۔

(سیرت ابن هشام صفحه431-432، دارالکتب العلمیة بیروت 2001ء)

سیرت ابن ہشام کی یہ روایت ہے۔ **بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتوں کا نزول محض مومنوں کے لیے** بطور بشارت اور ان کے دلی اطمینان کے لیے تھا وگرنہ فرشتے جنگ میں عملاً شریک نہیں ہوئے۔ یہ تصور بھی بعض احادیث صحیحہ جو ہیں اس کے منافی ہے۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ فرشتے جنگ میں عملاً شریک ہوئے۔ البتہ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نصرت کے لیے تو ایک ہی فرشتہ کافی تھا تو ہزاروں فرشتے کیوں نازل ہوئے۔ امام ابنِ کثیر صحیحین میں موجود عرصہ جنگ میں فرشتوں کے نزول کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے فرشتوں کا نزول اور مسلمانوں کو اس کی اطلاع بطور خوشخبری تھی ورنہ اللہ اس کے بغیر بھی اپنے دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کر سکتا ہے۔ اس لیے اس نے فرمایا مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے اور سورۂ محمد میں فرمایا اللہ چاہے تو خود ہی ان کافروں سے بدلہ لے لیکن وہ آزماتا ہے۔

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 218-219 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جنگِ بدر میں خدا تعالیٰ نے بادلوں میں سے ہی اپنا چہرہ ظاہر کیا یعنی ابھی جنگ شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ بارش ہوئی جس سے کفار کو شدید نقصان اور مومنوں کو جنگی لحاظ سے عظیم الشان فائدہ پہنچا اور پھر مومنوں کی مدد اور کفار پر رعب طاری کرنے کے لئے ملائکہ بھی دلوں پر نازل ہوئے بلکہ جنگِ بدر میں کئی کفار نے ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا اور قُضِیَ الْاَمْرُ کے ماتحت عرب کے سردار چن چن کر مارے گئے۔" (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 458)

اسی طرح تفسیر صغیر میں سورت آل عمران کی آیت 127 کے تحت تفسیری نوٹ میں لکھا ہے: "اس میں بتایا ہے کہ فرشتوں کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ خواب یا کشف میں خوشخبری ملنے سے انسان کی ہمت بڑھتی ہے ورنہ اصل مراد یہی تھی کہ خدا تعالیٰ مدد کرے گا۔"

(تفسیر صغیر صفحہ 96 سورۃ آل عمران زیر آیت:127)

بہرحال یہ ایک کشفی رنگ تھا جو ایک حقیقی حالت تھی لوگوں نے بھی دیکھا اور غیروں نے بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں یہ آپؑ کا جو بیان ہے کتاب التبلیغ، آئینہ کمالات اسلام میں ہے۔ اس میں عربی میں ذکر ہے تو عربی والے بعض دفعہ کہتے ہیں کہ آپ لمبے اقتباس پڑھتے ہیں تو ہمیں ترجمہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں کوشش کرتا ہوں کہ عربی بھی پڑھ دوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَ قَدْ جَرَتْ عَادَتُهٗ وَ سُنَّتُهٗ اَنَّهٗ يَخْتَارُ الْاِخْفَاءَ وَالْكِتْمَ فِيْ وَاقِعَاتٍ قَضَتْ حِكْمَتُهٗ اِخْفَاءَ هَا

وَ يَخْلُقُ الْاَهْوَاءَ فَتَحْشُرُ الْآرَاءُ اِلٰى جِهَاتٍ أُخْرٰى۔ وَ إِذَا أَرَادَ اِخْفَاءَ صُوْرَةِ نَفْسٍ وَاقِعَةٍ فَرُبَّمَا يَرٰى فِيْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْوَاقِعَةَ الْكَبِيْرَةَ صَغِيْرَةً مَهُوْنَةً ' وَالْوَاقِعَةَ الصَّغِيْرَةَ الْمَسْنُوْنَةَ كَبِيْرَةً نَادِرَةً وَالْوَاقِعَةَ الْمُبَشِّرَةَ مُخَوِّفَةً وَالْوَاقِعَةَ الْمُخَوِّفَةَ مُبَشِّرَةً۔ فَهٰذِهٖ أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ مِنَ الْوَاقِعَاتِ مِنْ سُنَنِ اللّٰهِ كَمَا مَضٰى۔ أَمَّا الْوَاقِعَةُ الْكَبِيْرَةُ الْعَظِيْمَةُ الَّتِيْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُّرِيَهَا صَغِيْرَةً حَقِيْرَةً فَنَظِيْرُهَا فِي الْقُرْآنِ وَاقِعَةُ بَدْرٍ لِمَنْ يَتَدَبَّرُ وَ يَرٰى۔ فَإِنَّ اللّٰهَ قَلَّلَ اَعْدَاءَ الْاِسْلَامِ بِبِدْرٍ فِيْ مَنَامِ رَسُوْلِهٖ لِيُذْهِبَ الرَّوْعَ عَنْ قُلُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ يَقْضِيَ مَا أَرَادَ مِنَ الْقَضَاءِ۔ وَ أَمَّا الْوَاقِعَةُ الَّتِيْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُّرِيَهَا كَبِيْرَةً نَادِرَةً فَنَظِيْرُهَا فِي الْقُرْآنِ بِشَارَةُ مَدَدِ الْمَلَائِكَةِ كَيْ تَقَرَّ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا تَأْخُذَهُمْ خِيْفَةٌ فِيْ ذَالِكَ الْمَأْوٰى۔

فَإِنَّهٗ تَعَالٰى وَعَدَ فِي الْقُرْآنِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَبَشَّرَهُمْ بِأَنَّهٗ يُمِدُّهُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ مَا جَعَلَ هٰذَا الْعَدَدَ الْكَثِيْرَ إِلَّا لَهُمْ بُشْرٰى۔ لِاَنَّ فَرْدًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَقْدِرُ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عَلٰى اَنْ يَّجْعَلَ عَالِيَ الْاَرْضِ سَافِلَهَا فَمَا كَانَ حَاجَةٌ اِلٰى خَمْسَةِ آلَافٍ بَلْ اِلٰى خَمْسَةٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ شَاءَ اَنْ يُّرِيَهُمْ نُصْرَةً عَظِيْمَةً فَاخْتَارَ لَفْظًا يَفْهَمُ مِنْ ظَاهِرِهٖ كَثْرَةُ الْمُمِدِّيْنَ وَ اَرَادَ مَا اَرَادَ مِنَ الْمَعْنٰى۔ ثُمَّ نَبَّهَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْدَ فَتْحِ بَدْرٍ اَنَّ عِدَّةَ الْمَلَائِكَةِ مَا كَانَتْ مَحْمُوْلَةً عَلٰى ظَاهِرِ اَلْفَاظِهَا بَلْ كَانَتْ مُؤَوَّلَةً بِتَأْوِيْلٍ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ الْأَرْفَعِ وَالْاَعْلٰى۔ وَ فَعَلَ كَذَالِكَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُهُمْ بِهٰذِهِ الْبُشْرٰى وَيَزْدَادَهُمْ حُسْنَ الظَّنِّ وَالرَّجَاءِ۔"

(التبلیغ، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 447 تا 449)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ عادت اور سنت ہمیشہ سے جاری ہے کہ وہ ان واقعات کو خفیہ اور پوشیدہ رکھتا ہے جن کی حکمت ان کا اخفا چاہتی ہے اور لوگوں کی خواہشات اور آرا اصل حقیقت کے برخلاف ہوتی ہیں۔ بعض اوقات اس بڑے واقعہ کو ایک چھوٹا اور معمولی واقعہ دکھاتا ہے اور چھوٹے واقعہ کو بڑا اور نادر واقعہ کے طور پر بیان کرتا ہے اور خوشخبری دینے والے واقعہ کو ڈرانے والا اور ڈرانے والے واقعہ کو خوشخبری دینے والا واقعہ دکھاتا ہے۔ یہ واقعات کی چار اقسام ہیں جو کہ اللہ کی سنت کے مطابق جاری و ساری ہیں۔ وہ عظیم اور بڑا واقعہ جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اسے چھوٹا اور حقیر کر کے دکھائے وہ واقعہ جنگ بدر کا ہے اس کے لئے جو چاہے کہ تدبر کرے اور آنکھیں کھولے۔ پس اللہ نے بدر کے موقع پر اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں دشمنان اسلام کو کم کر کے دکھایا۔ موقع پر اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دشمنان اسلام کو کم کر کے دکھلایا تا کہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کا ڈر دور ہو جائے اور تا کہ اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہ پورا ہو کر رہے اور وہ واقعہ جسے اللہ نے چاہا کہ بڑا اور نادر کر کے دکھائے تو اس کی نظیر قرآن میں فرشتوں کی مدد کی خوشخبری کا واقعہ ہے تا کہ مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچے اور معرکے میں انہیں کوئی ڈر نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مومنوں سے وعدہ کیا اور انہیں خوشخبری دی کہ وہ پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کو آئے گا۔ اس عدد کو زیادہ کر کے اس لیے دکھایا تا کہ ان کے لیے خوشخبری ہو۔ حالانکہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہی یہ قدرت رکھتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم سے زمین کو تہ و بالا کر دے۔ اس کے لیے پانچ ہزار کی نہیں بلکہ پانچ کی بھی ضرورت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کو

عظیم نصرت دکھائے تو اس نے وہ لفظ اختیار کیا جس سے امداد کرنے والے کی کثرت ظاہر ہوتی ہے اور یہی مراد لیا تھا۔ پھر اس نے فتح بدر کے بعد مومنوں کو خبر دی کہ فرشتوں کی تعداد ظاہری الفاظ پر محمول نہیں تھی بلکہ اس کی وہ تاویل تھی جو کہ اللہ بلند و برتر جانتا ہے اور اللہ نے ایسا اس لیے کیا تا کہ اس خوشخبری کے ذریعے ان کے دلوں کو اطمینان ہو اور انہیں حسن ظن اور امید میں بڑھائے۔

مشرکین کی شکست کے بارے میں لکھا ہے کہ تھوڑی دیر بعد مشرکین کے لشکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار ہو گئے جب کھلی جنگ شروع ہوئی تو آثار نمودار ہو گئے۔ ان کی صفیں مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں سے درہم برہم ہونے لگیں۔ معرکہ اپنے انجام کے قریب جا پہنچا جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا۔ پھر مشرکین کے جتھے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے مارتے کاٹتے اور پکڑتے باندھتے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ان کو بھرپور شکست ہو گئی۔ (الرحیق المختوم مترجم صفحہ 299۔ المکتبۃ السلفیۃ لاہور 2000ء)

پھر ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ معرکہ مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین پر ختم ہوا اور اس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے لیکن مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کیے گئے جو عموماً قائد اور سردار اور بڑے بڑے سربرآوردہ حضرات تھے۔

(الرحیق المختوم مترجم صفحہ 306۔ المکتبۃ السلفیۃ لاہور 2000ء)

غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے جو صحابہؓ تھے وہ یہ تھے۔ کل چودہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا جیسا کہ ذکر ہوا ہے۔ ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔ مہاجر جو تھے ان میں عُبَیدہ بن حَارِث بن مُطَّلِب، عُمَیر بن ابی وقاص، ذُوالشِّمَالَین یعنی عمیر بن عبد عمرو، عاقل بن بُکَیر، مِہْجَع مولیٰ عمر بن خطاب، صَفْوَان بن بَیْضَاء۔ اور انصار میں سے سعد بن خَیْثَمہ، مبشر بن عبد المنذِر، یزید بن حارِث، عُمَیر بن حُمَام، رافع بن مُعَلّٰی، حَارِثہ بن سُرَاقہ۔

مشرکین کے مقتولین جو تھے وہ ستر مشرکین تھے جو ہلاک ہوئے۔ زیادہ تر قریش کے سردار تھے۔ چند اہم اور نامور مقتولین کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ بن ابوسفیان، حارث بن حَضْرَمی، عامر بن حضرمی، عبیدہ بن سعید بن عاص، عاص بن سعید بن عاص، عُقْبَہ بن ابی مُعَیط، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، ابو البختری عاص بن ہِشام، نضر بن حارث، عاص بن ہِشام، عاص بن ہشام کا نام دو دفعہ ہے یا دو شخص ہیں۔ ابو العاص بن قیس، امیہ بن خَلَف، ابوجہل جس کا نام عَمرو بن ہشام تھا۔ ان میں سے اکثریت ان کی تھی جو مکے میں مسلمانوں سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف دیا کرتے تھے۔

(سیرت ابن هشام صفحه476 تا480 دارالکتب العلمیة بیروت2001ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد1 صفحه145 عالم الکتب بیروت1984ء)

اس بارے میں باقی ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گا۔ کچھ دعاؤں کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

فلسطین کے مسلمانوں کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے۔ مظلوموں کی دادرسی فرمائے۔ ان کو ایسی لیڈرشپ یا راہنما عطا فرمائے جو ان کا حق ادا کرنے والے ہوں اور ان کی صحیح راہنمائی کرنے والے ہوں اور

انہیں ظلموں سے نکالنے کی کوشش کرنے والے ہوں۔ ان کی اب بہت زیادہ مظلومیت کی حالت ہو چکی ہے اور لگتا ہے کوئی ان کو سنبھالنے والا نہیں۔ کوئی ان کو راہنمائی کرنے والا نہیں۔ **مسلمان اگر ایک ہو جائیں تو ان مشکلات سے** نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح سویڈن میں اور بعض دوسرے ملکوں میں بھی جو آزادئ رائے اور مذہبی آزادی کے نام پر غلط کام کرنے والوں کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور اس بہانے سے جو مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر آئے دن کچھ نہ کوئی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے جذبات کو تکلیف پہنچانے والی ہیں انتہائی کریہہ حرکتیں ہیں۔ قرآن کریم کی بے حرمتی ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کے پکڑ کے سامان فرمائے۔ اس میں بھی مسلمان حکومتوں کا قصور ہے جن میں پھوٹ کی وجہ سے اسلام مخالف طاقتیں اس قسم کی غلط حرکتیں کرتی ہیں۔ اگر کوئی ردّ عمل ہو گا مسلمانوں کی طرف سے تو وہ بھی عارضی ہی ہو گا اور ایسا ہو گا جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ پس مسلمان راہنماؤں اور امہ کے لیے بہت دعائیں کریں اس کی بہت ضرورت ہے۔ پھر فرانس میں جو حالات ہیں۔ یہاں بھی مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور جو مسلمانوں کا ردّ عمل ہے وہ بھی غلط ہے یا دوسروں کا بھی ساتھ مل کے۔ توڑ پھوڑ سے تو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ مسلمانوں کو اپنے عمل اسلامی تعلیم کے مطابق کرنے ہوں گے۔ جب مسلمانوں کے قول و فعل اسلامی تعلیم کے مطابق ہوں گے تو تبھی کامیابیاں بھی ملیں گی۔

بہر حال ہم تو دعا کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر مسلمان دنیا کے لیے اور **عمومی طور پر تمام دنیا کے لیے دعا** کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ظلم سے محفوظ رکھے اور دنیا میں **امن و امان کی صورتحال بھی پیدا ہو جائے**۔ سب ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کی اہمیت کو سمجھنے والے ہوں ورنہ دنیا جس طرف جا رہی ہے کئی دفعہ میں کہہ چکا ہوں بہت بڑی تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اسی طرح پاکستان میں جو احمدی ہیں ان کے لیے بھی بہت دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں بھی ہر شر سے محفوظ رکھے۔ فرانس میں کہنے کو تو بڑے مظاہرے ہو رہے ہیں اور سمجھا جا رہا ہے کہ جو بندہ، لڑکا جس کو مارا گیا ہے اس کے حق میں بہت کچھ ہو رہا ہے لیکن عملاً جو پبلک کا رویہ ہے، وہاں کے لوگوں کا رویّہ ہے وہ اس طرح سے ہے کہ سنا ہے انہوں نے دونوں کے لیے جو فنڈ ریزنگ کی ہے، اس پولیس والے کے لیے بھی جس کو پکڑا گیا اور اس لڑکے کے لیے بھی جو مارا گیا ہے اس میں لڑکے کے لیے جو فنڈ ریزنگ ہے وہ صرف دو لاکھ یورو آئے ہیں اور جو پولیس والا ہے جس کو کہتے ہیں کہ ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے اور حکومت بھی بیان دے رہی ہے اس کے حق میں اس کے لیے، اس کی مدد کے لیے ایک ملین سے زیادہ یورو جمع ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے اور ان لوگوں کو انصاف سے چلنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ایک ہونے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 24/ تا 29/ جولائی 2023ء جلد 30 شمارہ 127 تا 132 سالانہ نمبر 23ء بعنوان الفضل تاریخ احمدیت کا ماخذ، صفحہ 05 تا 10)

28

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 14 / جولائی 2023ء بمطابق 14 / وفا 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جنگِ بدر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور واقعات کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا۔ جنگِ بدر ختم ہوئی اور کفار کو **اللہ تعالیٰ نے ان کے بد انجام تک پہنچایا**۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے ستر کفار مارے گئے جن میں سے بہت سے رؤسا اور سردار بھی تھے۔ ان رؤسائے قریش کی تدفین کے بارے میں اس طرح ذکر ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ پرانا واقعہ ہے، پچھلے سارے حالات بیان کیے جا رہے ہیں کہ پہلے کیا حالات ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ قریش کے چند افراد کے کہنے پر ان میں سے سب سے بدبخت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان جانور کی بچہ دانی رکھ دی جبکہ آپؐ سجدے میں تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں ہی رہے اور وہ لوگ ہنستے رہے۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام کو کسی نے بتایا۔ وہ چھوٹی لڑکی تھیں، دوڑتی ہوئی آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس کو آپؐ کے اوپر سے ہٹا دیا یعنی وہ بھاری بچہ دانی جو تھی اس کو حضرت فاطمہؓ نے ہٹایا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان لوگوں کو برا بھلا کہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو آپؐ نے دعا کی۔ **اے اللہ! تُو قریش کی گرفت کر۔ اے اللہ! تُو** قریش کی گرفت کر۔ اے اللہ! تُو قریش کی گرفت کر۔ پھر آپؐ نے نام لیے اے اللہ! عمرو بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید پر گرفت کر۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے خود ان کو بدر کے دن گرے ہوئے دیکھا یعنی ان لوگوں کو جن کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیے تھے۔ پھر ان کو بدر کے گڑھے میں گھسیٹ کر پھینکا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گڑھے والے لعنت کے نیچے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئًا من الاذیٰ، روایت نمبر 520)

اسی طرح سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی لاشوں کو ان کے قتل ہونے کی جگہ سے اٹھا لیا جائے۔ آپؐ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ان کی قتل گاہوں کی خبر دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بدر میں قتل ہونے

والے مشرکین کی قتل گاہیں دکھادی تھیں۔ آپؐ یہ قتل گاہیں دکھاتے ہوئے فرماتے جاتے تھے کہ کل ان شاء اللہ یہ عتبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ شیبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ امیہ بن خلف کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ ابوجہل بن ہشام کی قتل گاہ ہوگی اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ مبارک زمین پر رکھ کر یہ نشاندہی فرماتے جاتے تھے اور پھر اگلے دن غزوۂ بدر میں جو لوگ **مرے ان کی لاشیں اس جگہ سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں** تھیں جہاں جہاں آپؐ نے اپنا دستِ مبارک رکھا تھا۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 245۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جنگ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کفار کے سب مقتولوں کو گڑھے میں ڈال دو۔ چنانچہ سب کو ڈال دیا گیا سوائے امیہ بن خلف کے۔ اس کی لاش اپنی زرہ میں پھول گئی تھی۔ جب اس کو اٹھانا چاہا تو اس کا گوشت گرنے لگا اس وجہ سے اس کو اسی جگہ مٹی اور پتھر ڈال کر ڈھانک دیا گیا۔

(ماخوذ از سیرت ابن ہشام صفحہ 435۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو گڑھے میں پھینک دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو پکڑا گیا اور گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہؓ جو عتبہ کے بیٹے تھے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھ لیے۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے، باپ کافر تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابوحذیفہ! شاید تمہارے دل میں تمہارے باپ کے بارے میں کچھ گمان گزرا ہے۔

انہوں نے عرض کی نہیں یارسول اللہؐ! مجھے نہ تو باپ کے بارے میں شک ہے نہ اس کے قتل کے بارے میں شک ہے لیکن میں جانتا تھا کہ میرا باپ صائب الرائے اور حلیم اور معزز انسان تھا۔ مجھے امید تھی کہ یہ امور یعنی یہ باتیں جو اس نے دیکھیں، اچھی باتیں تھیں، اسے اسلام کی طرف لے جائیں گی۔ جب میں نے اس کا انجام دیکھا تو مجھے اس کا کفر یاد آ گیا حالانکہ مجھے اس کے اسلام لانے کی امید تھی۔ اس بات نے مجھے غمزدہ کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یعنی ابوحذیفہؓ کو دعائے خیر دی اور بھلائی کے کلمات کہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 56-57، دارالکتب العلمیۃ، 1993ء)

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے دن سردارانِ قریش میں سے چوبیس آدمیوں کی نسبت حکم دیا اور انہیں بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا اور آپؐ جب کسی قوم پر غالب آتے تو میدان میں تین راتیں قیام فرماتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں ٹھہرے اور تیسرا دن ہوا تو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر کجاوہ باندھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اس پر کجاوہ باندھا گیا۔ پھر آپؐ چلے اور آپؐ کے صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ چلے اور کہنے لگے ہم سمجھتے ہیں کہ آپؐ کسی غرض کے لیے ہی چلے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں کی منڈیر پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے جہاں ان کافروں کو دفنانے کے لیے پھینکا گیا تھا۔ آپؐ ان کے اور ان مرے ہوؤں کے باپوں کے نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں فلاں کے بیٹے! اے فلاں فلاں کے بیٹے! کیا اب تم کو اس بات سے خوشی ہو گی کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی ہوتی کیونکہ ہم نے تو سچ سچ پا لیا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ آیا تم نے بھی واقعی وہ پا لیا ہے جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا

تھا؟ ابو طلحہؓ کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ ان لاشوں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں جان نہیں ہے؟ مرے ہوئے لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! تم ان سے زیادہ ان باتوں کو نہیں سن رہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل حدیث 3976)

سیرت ابن ہشام میں یوں ذکر ہے کہ اے کنویں والو! اپنے نبی کے تم بہت بُرے رشتہ دار تھے۔ تم نے میری تکذیب کی اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا اور لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ پھر فرمایا هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا کیا اسے تم نے سچا پایا؟

(سیرت ابن هشام صفحه 435۔ دارالکتب العلمیة بیروت 2001ء)

سیرت خاتم النبیینؐ میں اس واقعہ کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح لکھا ہے کہ ”واپسی سے **قبل آپؐ اس گڑھے کے پاس تشریف لے گئے** جس میں رؤسائے قریش دفن کئے گئے تھے اور پھر ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا اور فرمایا هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ حَقًّا فَاِنِّیْ وَجَدْتُّ مَاوَعَدَنِیَ اللّٰهُ حَقًّا۔ یعنی کیا تم نے اس وعدہ کو حق پایا جو خدا نے میرے ذریعہ تم سے کیا تھا۔ تحقیق میں نے اس وعدے کو حق پالیا ہے جو خدا نے مجھ سے کیا تھا۔ نیز فرمایا۔ یَا اَهلَ القَلِیْبِ بِئْسَ عَشِیْرَةِ النَّبِیِّ كُنْتُمْ لِنَبِیِّكُمْ كَذَّبْتُمُوْنِیْ وَصَدَقَنِیَ النَّاسُ وَاَخْرَجْتُمُوْنِیْ وَآوَانِیَ النَّاسُ وَقَاتَلْتُمُوْنِیْ وَنَصَرَنِیَ النَّاسُ یعنی اے گڑھے میں پڑے ہوئے لوگو! تم اپنے نبی کے بہت بُرے رشتہ دار بنے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا اور دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے خلاف جنگ کی اور دوسروں نے میری مدد کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! وہ اب مردہ ہیں وہ کیا سنیں گے۔

آپؐ نے فرمایا۔ میری یہ بات وہ تم سے بھی بہتر سن رہے ہیں۔ یعنی وہ اس عالم میں پہنچ چکے ہیں جہاں ساری حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور کوئی پردہ نہیں رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ ”جو ابھی بیان ہوئے ہیں ”اپنے اندر ایک عجیب درد والم کی آمیزش رکھتے ہیں اور ان سے اس قلبی کیفیت کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس وقت آپؐ پر طاری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قریش کی مخالفت کی گذشتہ تاریخ آپؐ کی آنکھوں کے سامنے تھی اور آپؐ عالمِ تخیل میں اس کا ایک ایک ورق الٹاتے جاتے تھے اور آپؐ کا دل ان اوراق کے مطالعہ سے بے چین تھا۔ آپؐ کے یہ الفاظ اس بات کا بھی یقینی ثبوت ہیں کہ اس سلسلہ جنگ کے آغاز کی ذمہ داری کلیۃً کفار مکہ پر تھی۔ جیسا کہ آپؐ کے الفاظ قَاتَلْتُمُوْنِیْ وَنَصَرَنِیَ النَّاسُ سے ظاہر ہے۔ یعنی اے میری قوم کے لوگو! تم نے مجھ سے جنگ کی اور دوسروں نے میری مدد کی۔ اور کم از کم ان الفاظ سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ یہی یقین رکھتے تھے کہ ان جنگوں میں ابتداء کفار کی طرف سے ہوئی ہے اور آپؐ نے مجبور ہو کر محض خود حفاظتی میں تلوار اٹھائی ہے۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 364-365)

اس جنگ میں **آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر** بھی ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ سیرت کی کتاب میں یوں ملتا ہے۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ عُکَاشَہ بن مِحْصَنؓ بدر کے دن اپنی تلوار کے ساتھ لڑائی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ایک لکڑی ان کو عنایت کی اور فرمایا اے عکاشہ! تم اس سے کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ عکاشہ نے اس کو ہاتھ میں لے کر لہرایا تو وہ لکڑی آپؓ کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جو کافی لمبی تھی جس کا لوہا بہت سخت تھا اور اس کی رنگت سفید تھی۔ آپؓ اس کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ راوی کہتا ہے اس تلوار کا نام عون تھا۔ بعد کی جنگوں میں بھی وہ اس تلوار کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں انہوں نے شہادت پائی۔

(سیرت ابن هشام صفحه434 ، دارالكتب العلمية بيروت2001ء)

پھر ایک معجزے کے رنگ میں لعابِ دہن اور دستِ اقدس کی تاثیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے روز ان کی آنکھ پر ضرب لگی ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہ نکلی یعنی ڈیلا نکل کے باہر آ گیا۔ انہوں نے اسے نیچے پھینک دینے کا ارادہ کیا۔ صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایسا نہیں کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہؓ کو اپنے پاس بلایا اور اپنی ہتھیلی پر ان کی آنکھ رکھی پھر اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا یعنی واپس آنکھ میں ڈیلا ڈال دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یاد تک نہ رہا کہ ان کی کسی آنکھ کو تکلیف پہنچی تھی۔ پھر آنکھ ایسی جڑی، ٹھیک ہوئی ہے کہ ان کو احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ آنکھ وہ تھی جو نکلی تھی بلکہ یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔

(ماخوذ از سبل الهدٰى و الرشاد، جلد4صفحه 53دارالكتب العلمية بيروت 1993ء)

بعض کتب میں آنکھ کی شفا کا یہ واقعہ جنگِ احد کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جنگِ خندق کا واقعہ ہے۔

(اسدالغابة جلد 4 صفحه 371قتادة بن نعمان انصاریؓ۔ دارالكتب العلمية بيروت2016ء)

لیکن بہرحال یہ معجزہ تھا جو بدر کے ضمن میں بھی بیان ہوا ہے۔

مکہ میں کافروں کی شکست کی خبر کس طرح پہنچی، اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ مشرکین نے میدان بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تتر بتر ہو کر گھبراہٹ کے عالم میں مکے کا رخ کیا۔ شرم و ندامت کے سبب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح مکے میں داخل ہوں۔ سب سے پہلے جو شخص مکے میں قریش کی شکست کی خبر لے کر داخل ہوا وہ حیسمان بن ایاس بن عبد اللہ تھا۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ پیچھے کیا خبر ہے؟ اس نے کہا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل اور امیہ بن خلف اور مزید کچھ سرداروں کے نام لیے یہ قتل ہو گئے ہیں۔ جب اس نے مقتولین میں سے قریش کے سرداروں کو گنانا شروع کیا تو **لوگوں کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔** صفوان بن امیہ جو حطیم میں بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر کہا کہ سمجھ نہیں آتا شاید یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔ بطور امتحان اس سے دریافت تو کرو کہ صفوان بن امیہ کہاں ہے۔ اپنے بارے میں اس نے پوچھا۔ لوگوں نے پوچھا صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے کہا وہ دیکھو وہ تو حطیم میں بیٹھا ہے۔ میں پاگل نہیں ہوا۔

میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ بخدا! اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یعنی اس پر انہیں یقین ہوا کہ یہ شخص سچی خبر دے رہا ہے۔ غرض اس طرح اہل مکہ کو میدانِ بدر کی شکست فاش کی خبر ملی اور ان کی طبیعت پر اس قدر نہایت برا اثر پڑا حتی کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی تھی تا کہ مسلمانوں کو ان کے غم پر خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔

(الرحیق المختوم، صفحہ 307-308۔ المکتبہ السلفیہ)

(اسد الغابہ جلد دوم صفحہ 102 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2003ء)

قریش مکہ میں سے کچھ نے اپنے مقتولین پر نوحہ کیا تو انہوں نے کہا ایسا نہ کرو یعنی دوسروں نے ان کو کہا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کو یہ خبر پہنچے گی تو وہ تمہاری اس حالت پر خوش ہوں گے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے کسی کو نہ بھیجو یہاں تک کہ تم ان کے بارے میں خوب غور و فکر کر لو۔ نہ نوحہ کرنا ہے، نہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے کوئی کوشش کرنی ہے تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ فدیہ کے معاملے میں تم پر سختی نہ کریں۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ 441۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری کس طرح ملی اور اس کا ردّ عمل کیا تھا؟ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کو عوالی مدینہ یعنی بالائی مدینہ کی طرف اور حضرت زید بن حارثہؓ کو نشیبی مدینہ کی طرف اس بات کی خوشخبری دینے کے لیے بھیجا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، صفحہ 437-438، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں ہمیں یہ خبر اس وقت پہنچی جب ہم نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی زوجہ حضرت رُقَیّہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مٹی برابر کر دی تھی۔ وہ پیچھے وفات پا گئی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت رقیہؓ کی خبر گیری کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ میں اپنے والد حضرت زید بن حارثہؓ کی طرف اس وقت آیا جب لوگ آپؓ کو گھیرے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، زَمْعَہ بن اسود، ابو البختری، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نُبَیہ اور مُنَبِّہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، صفحہ 438، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

جبکہ مدینہ میں یہ صورتحال تھی کہ منافقین اور یہود نے افواہوں کا بازار گرم کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو بری طرح شکست ہو چکی ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی قتل ہو چکے ہیں۔ انہی افواہوں کے اندھیروں میں حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر جب مدینہ میں داخل ہوئے تو یہود اور منافقین نے اَور بڑھ بڑھ کر کہنا شروع کر دیا کہ دیکھا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے ہیں اور اونٹنی پر زیدؓ آ رہے ہیں۔ اور جب حضرت زیدؓ نے یہ بتانا شروع کیا کہ عتبہ بھی مارا گیا، شیبہ بھی مارا گیا، ابو جہل بھی مارا گیا، امیہ بھی مارا گیا تو اس پر

منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ لگتا ہے کہ مسلمانوں کی شکست اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے زیدؓ اپنے ہوش و حواس کھو چکے اس لیے یہ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ جو کفار کا ردّ عمل مکے میں تھا وہی ردّ عمل منافقین اور یہود کا مدینے میں بھی ہوا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ کیونکہ میں یہ ساری باتیں مدینے میں سن رہا تھا اس لیے میں اپنے والد زیدؓ کو ایک طرف لے کر گیا اور پوچھا کہ ابا! جو تم کہہ رہے ہو کیا واقعی سچ ہے؟ تو کہنے لگے کہ بیٹا! بخدا! ایسا ہی ہوا ہے اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ اہل مدینہ یہ اطلاع ملتے ہی فتحیاب نبویؐ قافلے کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے امڈ آئے، اکٹھے ہو گئے۔ مسلمان اس فتح پر شاداں و فرحاں تھے۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ اس غزوے میں تمام مسلمان شامل نہ ہوئے تھے کیونکہ مدینے سے روانہ ہوتے ہوئے جنگ کا خیال ہی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سن کر کچھ مسلمان استقبال کے لیے مدینہ سے باہر چلے گئے۔ مقام روحاء پر ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ ان کی خوشی قابل دید تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار پر فتح کی مبارکباد دینے لگے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے وہاں موجود تمام مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 233-234 بزم اقبال لاہور، اپریل 2022ء)

اس جنگ میں اموال غنیمت کے بارے میں جو ذکر ہے وہ اس طرح ہے کہ اس فتح سے مسلمانوں کو مال غنیمت میں سے ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے ملے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان، ہتھیار، کپڑے اور بے شمار کھالیں، رنگا ہوا چمڑا اور اُون وغیرہ تھی جو مشرک اپنے ساتھ تجارت کے لیے لے کر آئے تھے۔

(السیرۃ الحلبیۃ ، جلد 2 صفحہ 252 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **اپنا حصہ بھی صحابہؓ کے حصے کے برابر رکھا تھا۔** اس جنگ میں ایک تلوار صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ لی اور اونٹوں میں سے ایک اونٹ ابوجہل کی ملکیت میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا جس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا۔

(غزوات النبیؐ از مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ 43-44۔ سٹی بک پوائنٹ کراچی۔ 2014ء)

اس تلوار اور اونٹ کو بھی کتبِ سیرت میں خاص اہمیت دی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس تلوار کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا نام ذوالفقار تھا اور اس کا مالک ایک مشرک عاص بن مُنبّہ یا مُنَبّہ بن حَجَّاج تھا جو بدر میں مارا گیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ تلوار ابوجہل کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تلوار کا نام ذوالفقار برقرار رکھا۔ ذوالفقار کی وجہ تسمیہ میں کہا گیا ہے کہ اس تلوار میں دندانے یا کھدی ہوئی لکیریں تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 1 صفحہ 377 ذکر سیوف رسول اللہ ﷺ ، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2012ء)

(السیرۃ الحلبیۃ جلد دوم صفحہ 254 دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 10 صفحہ 46 پنجاب یونیورسٹی لاہور)

اس تلوار کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تلوار بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں اس تلوار کو اپنے پاس رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تلوار

عباسی خلفاء کے پاس رہی۔ (شرح الزرقانی جلد 5 صفحہ 85 تا 87 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اسی طرح ابوجہل کا جو اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ بدر میں بطور مال غنیمت ملا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قربانی کے طور پر لے کر گئے۔ اس کے بارے میں ایک قصہ بھی ملتا ہے کہ یہ اونٹ حدیبیہ میں چَر رہا تھا کہ وہ بھاگ نکلا یہاں تک کہ مکہ ابوجہل کے گھر جا پہنچا۔ حضرت عمرو بن عَنَمَہ انصاریؓ اس کے پیچھے نکلے تاہم مکہ کے کچھ تیز طبیعت والوں نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ سہیل بن عمرو جو معاہدہ حدیبیہ کے وقت قریش کا نمائندہ تھا اس نے ان لوگوں کو وہ اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا تو واپس کیا گیا۔ اس نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ تم اس کے بدلے میں سو اونٹ دینے کی پیشکش کر دو۔ اگر مسلمان اس کو قبول کر لیں تو یہ اونٹ روک لینا ورنہ اونٹ واپس کرنا ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہم نے اس کو قربانی کے جانوروں میں شمار نہ کیا ہوتا تو ہم اس کو واپس کر دیتے لیکن یہ پہلے سے قربانی کے لیے مختص ہو چکا ہے اس لیے اب نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کی جانب سے اسے ذبح کر دیا۔

(سبل الہدیٰ جلد 5 صفحہ 57 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993) (سبل الہدیٰ مترجم جلد 5 صفحہ 82-83 مطبوعہ زاویہ پبلشرز لاہور) (غزوات النبی ﷺ از علامہ حلبی، مترجم اردو، صفحہ 429 دار الاشاعت کراچی)

اموالِ غنیمت کی تقسیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں شہید ہونے والوں کے ورثاء کو ان شہداء کا حصہ دیا اور اسی طرح جو نائبین مدینہ میں مقرر فرمائے یا کچھ اصحابؓ جن کے سپرد مختلف ڈیوٹیاں لگائی گئی تھیں اور وہ اس وجہ سے جنگِ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے ان کو بھی حصہ دیا گیا۔

(غزوات النبی ﷺ، از علامہ حلبی، مترجم اردو، صفحہ 143-144 دار الاشاعت کراچی)

جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ اور صحابہؓ کی آراء کے بارے میں لکھا ہے کہ جنگِ بدر کے ان قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ فدیہ کی رقم چار ہزار سے ایک ہزار درہم تک تھی البتہ جو فدیہ کی رقم نہیں دے سکتے تھے ان کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو رہا ہو جائیں گے۔ اسی طرح کچھ قیدیوں کو کم فدیہ یا بغیر فدیے کے بھی چھوڑا گیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 368-369)

فدیہ کی جو روایات ہیں وہ مختلف قسم کی روایتیں ہیں اور بعض عجیب طرح کے ابہام پیدا کرتی ہیں۔ اس بارے میں صحیح حل بھی حضرت مصلح موعودؓ نے نکالا ہے۔ بہرحال پہلے ساری بات بیان کر دیتا ہوں۔ تاریخ و سیرت یہاں تک کہ کتب حدیث میں جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے بارے میں جو روایات موجود ہیں ان میں روایات کا خلط ملط ہو گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے کا جو فیصلہ فرمایا تھا وہ الٰہی منشا کے عین مطابق تھا۔ عمومی روایات کے مطابق گو میں پہلے حضرت عمرؓ کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں یہاں بھی اسے بیان کرنا ضروری ہے اس لیے بیان کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے قیدیوں کو پکڑا یعنی بدر کے موقعے پر مسلمانوں نے قیدیوں کو پکڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ

اے اللہ کے نبیؐ! وہ ہمارے چچازاد اور رشتہ دار ہیں۔ میرا خیال ہے آپؐ ان سے فدیہ لے لیں۔ وہ ہمارے لیے ان کفار کے مقابلے میں قوت کا باعث ہو گا اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی طرف راہنمائی فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکر کی رائے ہے۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم ان کی گردنیں مار دیں۔ ان کو قتل کر دیں۔ اور علی کے سپرد عقیل کو کریں کہ وہ اس کی گردن مارے اور میرے سپرد فلاں کو کریں جو نسباً حضرت عمرؓ کا رشتہ دار تھا تو میں اس کی گردن مار دوں کیونکہ یہ سب کفار کے لیڈر اور ان کے سردار ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی بات کو ترجیح دی اور میری بات کو ترجیح نہ دی۔ پھر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اگلے دن مَیں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے بتایئے کس چیز نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھی کو رلایا ہے۔ اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ میں آپ دونوں کے رونے کی طرح رونی صورت بنالوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رونے کی وجہ یہ ہے جو تمہارے ساتھیوں نے میرے سامنے ان سے فدیہ لینے کی تجویز پیش کی تھی۔ میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب پیش کیا گیا ہے جو درخت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الانفال:68) یعنی کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کے بغیر قیدی بنائے اور پھر اگلی دو آیتیں چھوڑ کے ہے کہ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:70) یعنی پس جو مال غنیمت تم حاصل کرو اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔ پس اللہ نے ان کے لیے غنیمتیں جائز کر دی ہیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر باب الْاِمْدَادِ بِالْمَلَائِكَةِ فی غزوة بدر، واباحة الغنائم حدیث 4588)

اس حدیث کے شروع کے جو الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ رو رہے تھے اور پھر آگے جو قرآنی آیات کے الفاظ ہیں ان میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ اس روایت کو مبہم سا کر دیتا ہے، پتہ نہیں لگتا کیا کہا جا رہا ہے۔ بات واضح نہیں ہوتی۔ بہرحال اس روایت کو صحیح سمجھ کے اکثر کتبِ تاریخ اور سیرت اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گویا جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے والے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح لکھنے والے جب ایک الگ باب باندھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے پر کون کون سے قرآنی احکام نازل ہوئے تو ان میں سے ایک یہ بھی درج کیا جاتا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی لیکن یہ مبہم سی بات ہے۔ اس کی کوئی سمجھ نہیں آتی۔ **لگتا ہے کہ سیرت نگاروں اور مفسرین کو اس کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔** بہرحال حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وضاحت میں جو بیان فرمایا ہے وہ آپؓ کے غیر مطبوعہ تفسیری نوٹ میں ملا ہے جو اس کی وضاحت کرتا ہے اور ان روایات کی تردید کرتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی جو یہ وضاحت ہے وہی صحیح لگتی ہے۔ بلاوجہ حضرت عمرؓ کے مقام کو اونچا کرنے کے لیے لگتا ہے کہ بعض مفسرین نے یہ روایت بنا دی ہے یا اس کو غلط سمجھا گیا ہے۔ بہرحال حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ انفال کی آیت نمبر 68 کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب میں رواج تھا اور لکھتے ہیں کہ افسوس ہے کہ دنیا کے بعض حصوں میں اب تک یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ اگر جنگ نہ بھی ہو اور لڑائی نہ بھی ہو تب بھی قیدی پکڑ لیتے ہیں اور ان کو غلام بنا لیتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت مصلح موعودؓ نے یہ نوٹ لکھا تھا۔ یہ آیت اس قبیح رسم کو منسوخ کرتی ہے اور صاف صاف الفاظ میں حکم دیتی ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں اور لڑائی کے بعد ہی دشمن کے آدمی قیدی بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر لڑائی نہ ہو رہی ہو تو کسی آدمی کو قیدی بنانا جائز نہیں۔ اس آیت کی بڑی غلط تفسیر کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے جنگِ بدر کے موقعے پر مکّہ والوں کے کچھ قیدی پکڑ لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے حضرت ابو بکرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور یہ سورۃ انفال کی 68 آیت ہے جس میں یہ ہے کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کرے۔ بہر حال حضرت مصلح موعودؓ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو رائے لی گئی تھی اس میں تو حضرت ابو بکرؓ کی رائے مختلف تھی۔ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا لیکن مفسرین کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو گویا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ناپسند فرمایا۔ **صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو اہمیت دینے کے لیے یہ روایت بنا دی گئی ہے** اور چاہے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کم ہوتا ہو۔ بہر حال یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا۔ قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے تھا اور فدیہ نہیں لینا چاہیے تھا۔ یہ طبری کی تفسیر میں ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر غلط ہے۔ اوّل اس وقت تک خدا نے کوئی ایسا حکم نازل نہیں کیا تھا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر نہ چھوڑا جائے اس لیے فدیہ قبول کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام نہیں آ سکتا تھا۔ دوسرے اس سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلہ کے مقام پر دو آدمیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تھا اور خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔ سو ئم صرف دو آیتیں اَور آگے چل کر خدا مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے کہ مالِ غنیمت سے جو کچھ تم کو ملے اس کو کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے۔ یہ بات کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدیہ لینے کو خدا ناپسند کرے اور اس طرح جو روپیہ حاصل ہو اس کو حلال اور طیب فرمائے۔ اس لیے یہ تفسیر ہی غلط ہے اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ اس آیت میں ایک اصول مقرر فرما دیا ہے کہ قیدی اسی صورت میں پکڑے جا سکتے ہیں کہ باقاعدہ جنگ ہو اور دشمن کو کاری ضربیں لگا کر مغلوب کر دیا گیا ہو۔

(ماخوذ از دروس حضرت مصلح موعودؓ (غیر مطبوعہ) سورۃ الانفال، رجسٹر نمبر 36 صفحہ 968-969)

اس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **کی اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ فدیہ نہ لیا جائے۔** مفسرینِ قرآن میں سے علامہ امام رازیؒ اور معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کا بھی یہی موقف ہے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر علامہ امام رازی جلد 8 جزء 15 صفحہ 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

(سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی جلد اول صفحہ 194 مطبوعہ آر۔ زیڈ پبلیکیشنز لاہور 1408ھ)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے کہ:

"**مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا** کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔ عرب میں بالعموم قیدیوں کو قتل کر دینے یا مستقل طور پر غلام بنا لینے کا دستور تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی۔ اور پھر ابھی تک اس بارہ میں کوئی الٰہی احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میری رائے میں تو ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ آخر یہ لوگ اپنے ہی بھائی بند ہیں اور کیا تعجب کہ کل کو انہی میں سے فدایانِ اسلام پیدا ہو جائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ دین کے معاملہ میں رشتہ داری کا کوئی پاس نہیں ہونا چاہیے اور یہ لوگ اپنے افعال سے قتل کے مستحق ہو چکے ہیں۔ پس میری رائے میں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے بلکہ حکم دیا جاوے کہ مسلمان خود اپنے ہاتھ سے اپنے اپنے رشتہ داروں کو قتل کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فطری رحم سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور قتل کے خلاف فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ جو مشرکین اپنا فدیہ وغیرہ ادا کر دیں انہیں چھوڑ دیا جاوے۔ چنانچہ بعد میں اسی کے مطابق الٰہی حکم نازل ہوا۔" جب الٰہی حکم بھی فدیہ دینے کے بارے میں نازل ہو گیا جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی لکھا ہے تو پھر حدیث کو بنیاد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے کا جواز پیدا کرنا عجیب سی بات لگتی ہے۔ بہر حال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ "چنانچہ ہر شخص کے مناسب حال ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک اس کا فدیہ مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح سارے قیدی رہا ہوتے گئے۔" (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 367-368)

باقی ان شاء اللہ آئندہ۔

جمعے کے بعد میں دو جنازہ غائب بھی پڑھاؤں گا۔ پہلا رانا عبد الحمید خان صاحب کاٹھگڑھی کا ہے۔ مربی سلسلہ تھے اور پاکستان میں نائب ناظم مال وقف جدید تھے۔ گذشتہ دنوں ستر سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ان کے والد کا نام چودھری عبد اللطیف خان صاحب کاٹھگڑھی تھا اور والدہ امۃ اللطیف صاحبہ تھیں۔ ان کے والد بھی واقفِ زندگی تھے۔ جماعت کے کارکن تھے۔ عبد الحمید خان صاحب کاٹھگڑھی کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے دادا حضرت چودھری عبد المنان خان صاحب کاٹھگڑھی اور دادا کے بڑے بھائی حضرت چودھری عبد السلام خان صاحب کاٹھگڑھی کے ذریعے ہوا، جنہوں نے دسمبر 1903ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی تھی۔ عبد الحمید خان صاحب کاٹھگڑھی نے مئی 1979ء میں بطور مربی اپنی خدمات کا آغاز کیا اور مختلف جگہوں پر ان کو خدمت کی توفیق ملی۔ پاکستان میں بھی اور بیرون ملک بھی۔ وکالت تبشیر کے تحت اگست 85ء سے دسمبر 86ء تک یوگنڈا میں رہے۔ پھر نظامت ارشاد وقف جدید کے تحت مختلف مقامات پر بطور مربی خدمت کی توفیق ملی۔ پھر 1993ء میں نائب ناظم مال وقف جدید مقرر ہوئے جہاں آپ تا وفات خدمات بجالاتے رہے۔ چوالیس (44) سال تک سلسلے کی خدمت کی انہوں نے توفیق پائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر

عبد الرؤوف خان صاحب آج کل صدر مجلس خدام الاحمدیہ ڈنمارک ہیں۔

ڈاکٹر رؤوف خان کہتے ہیں کہ والد صاحب نے ہمیشہ وقف کے ساتھ وفا کی۔ یوگنڈا میں جب تھے تو وہاں سے جلدی آنے کی وجہ یہ بنی کہ وہاں باغیوں نے حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور غیر ملکیوں کو نکالا تھا۔ بہر حال یوگنڈا میں خدمات کے دوران کہتے ہیں کہ والد صاحب کو وہاں کے مشنری انچارج محمود دبی ٹی صاحب نے قرآن کریم دے کر کمپالا میں بغرضِ تبلیغ بھیجا۔ اس دوران وہاں اس علاقے میں سول وار شروع ہو گئی۔ لوگ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کہتے ہیں اس نقل مکانی کے دوران والد صاحب بیمار ہو گئے اور ہسپتال قریب نہ ہونے اور طبّی امداد میسر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کے والد کو وہیں ایک کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس علاقے پر باغیوں نے قبضہ کر لیا۔ باغیوں نے وہاں ہر طرف سرچنگ کی کہ کوئی شخص یہاں موجود تو نہیں۔ اس دوران ایک باغی ان کے کمرے تک بھی آیا جہاں کہتے ہیں کہ حمید صاحب موجود تھے لیکن لیٹے ہوئے تھے اور والد صاحب کو مردہ سمجھ کر انہوں نے چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں میرے والد صاحب بتاتے تھے کہ میں کھڑکی کے بالکل ساتھ نیچے لیٹا ہوا تھا اور کھڑکی سے گولیاں آتی تھیں اور سامنے والی دیوار پر جا لگتی تھیں۔ اس کے بعد کچھ تھوڑے سے حالات بہتر ہوئے تو چند جاننے والے لوگوں سے رابطہ ہوا تو انہوں نے والد صاحب کو محفوظ مقام پر منتقل کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

خلافت سے بھی ان کا بے حد عقیدت اور محبت کا اور پیار کا تعلق تھا۔ بڑے سادہ اور ملنسار انسان تھے۔ خلیفہ وقت کے خطبات میں جو بھی کہا جاتا آپ ان کی ہر بات پر لبیک کہنے والے تھے۔ کسی تاویل کے قائل نہیں تھے اور جو کوئی تاویل کرتا تھا کہ یہ مطلب ہے یا یہ منشاء ہے تو بڑے ناراض ہوا کرتے تھے۔ پھر عہدیداران اور مربیان کا خود بھی ادب کرتے تھے اور ان کے بیٹے کہتے ہیں مجھے بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں جب میں اطفال الاحمدیہ کی تنظیم میں تھا تو ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اگر تم نے عہدیدار اور منتظم اطفال کی بات نہیں ماننی، کسی بات پر انہوں نے اختلاف کیا ہو گا تو عہدہ چھوڑ دو اور کہتے تھے کہ نظامِ جماعت اور خلافت ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک کی بات مانو اور ایک کی نہ مانو۔ دوسروں کی مدد کرنا اور بر موقع اصلاح کرنا آپ کا خاص وصف تھا یہاں تک کہ اگر آپ کسی چیز کی اصلاح کرتے اور کوئی ناراض ہو جاتا تو اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور اگر اصلاح ہو جاتی تو اس کے بعد اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور کہتے کہ میرا مقصد صرف اصلاح کرنا تھا۔ لکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے مواقع آئے کہ زندگی میں آسائش ہو سکتی تھی لیکن آپ نے ہمیشہ وقف کو ترجیح دی۔ آخری عمر میں کہتے ہیں کہ میں نے بھی والد صاحب کو باتوں باتوں میں کہا کہ ڈنمارک میرے پاس آجائیں تو بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں نے سال وقف نہیں کیے زندگی وقف کی ہے اور میرا سب کچھ وقف کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔

ان کی بیٹی حافظہ حسن آرا کہتی ہیں کہ میرے والد بے حد مہربان، شفیق، مہمان نواز اور خدا ترس تھے۔ دعاؤں کا ایک خزانہ تھے۔ ایک خاص نمایاں وصف خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ تھا اور اس کے بعد خلافت سے محبت نمایاں وصف تھا۔ خلافت سے ہر ایک رشتے سے بڑھ کر ایک خاص محبت کا انداز تھا۔ ہر وقت سوچ کا محور اور بات کا آغاز اور اختتام صرف اور صرف خلافت اور خلیفہ وقت سے محبت کی تلقین کرتے رہنا تھا۔ کہتی ہیں

یہاں یوکے میں بھی کبھی آتے تھے تو جب میں بعض دفعہ جذبات سے مغلوب ہو کے اپنا اظہار کرتی تو کہا کرتے تھے کہ دنیا کے تمام رشتے فانی ہیں۔ تم صرف خدا سے اپنا رشتہ مضبوط رکھو۔ باقی سب رشتے چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ قائم رہنے والی ذات صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا اور پھر اس کے بعد کہا کہ خلافت سے اپنا تعلق مضبوط رکھو۔ انتہائی سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ ہر وقت یہی کہا کرتے تھے کہ میں ایک واقفِ زندگی ہوں۔ میری ساری زندگی وقف ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آخر وقت تک وقف نبھاؤں۔

حافظ خالد افتخار صاحب ناظم مال وقف جدید لکھتے ہیں کہ عبد الحمید خان صاحب کے ساتھ تقریباً بیس سال کام کرنے کا موقع ملا اور ہمیشہ ان کا کردار ایک حقیقی واقف زندگی کا رہا ہے۔ عمر اور تجربے کے لحاظ سے کہتے ہیں مجھ سے بڑے تھے لیکن اطاعتِ خلافت اور نظامِ جماعت کے انتہا درجہ کے پابند ہونے کے باعث کبھی بھی اپنی سنیارٹی (Seniority) کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ان کے نائب تھے۔ کہتے ہیں بے لوث اور بے نفس ہو کر خاکسار کے ساتھ انہوں نے کام کیا۔ سمجھانے اور چندے کی تحریک کرنے کا انداز بہت عمدہ تھا۔ نئے آنے والے کارکنان اور مربیان اور معلمین کو حکمت کے ساتھ کام کرنے کا انداز سمجھایا کرتے تھے۔ اپنے مفوّضہ فرائض مکمل اطاعت کے ساتھ ادا کرتے۔ صائب الرائے تھے۔ خدمت کا رنگ گو کہ خاموش تھا اور بے نفس تھا لیکن تیس سال سے زائد عرصہ وقف جدید نے ان سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ آخری چند سالوں میں بعض اوقات صحت خراب ہو جاتی، بچے بیرون ملک تھے اگر کبھی کبھار کسی نے اظہار کر دیا کہ کسی بچے کے پاس چلے جائیں تو بہت جذباتی ہو کر جواب دیتے تھے کہ میں نے زندگی وقف کی ہے اور آخری وقت تک خدمت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق بھی دی کہ اس عہد کو انہوں نے آخر وقت تک نبھایا۔

نظامت مال میں مبشر احمد صاحب مربی سلسلہ ہیں کہتے ہیں کہ 2013ء میں وقفِ جدید میں مال کے شعبے میں میرا تقرر ہوا۔ عبد الحمید خان صاحب نے بنیادی دو نصائح کیں کہ ان دونوں کو اپنی کاپی میں نوٹ کر لو۔ پہلی یہ کہ تمام برکتوں کا منبع خلافت ہے۔ ہر صورت ہر حالت میں خلافت سے وفا کرنی ہے۔ دوسری یہ کہ کام میں سستی اگر ہو جائے تو وہ تو صرفِ نظر ہو جاتی ہے مگر غلط بیانی اور جھوٹ کی کوئی معافی نہیں ہوتی۔ کبھی غلط بیانی نہیں کرنی اور جھوٹ نہیں بولنا۔ کہا یہ دو اصول پلے باندھ لو۔ اور یہ تو خاص ہے ہی ہے۔ ہمارا ہر ایک کا اس پہ ایمان اور یقین کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مدد مانگتے رہنا اور دعا کرتے رہنا۔ بہر حال کہتے ہیں کہ دورہ جات کے دوران میں ان کے ساتھ رہا۔ بار بار یہی تاکید کرتے کہ تحریک کرتے ہوئے اس فرد کو وقف جدید کی اہمیت اور ضرورت سے اس قدر آگاہ کرنا چاہیے کہ اسے قربانی کرنے میں کوئی انقباض نہ رہے۔ صرف پیسے نہیں مانگنے بلکہ چندے کی اہمیت اس کے دل میں ڈالنی ہے۔ جماعت کا درد اس میں پیدا کرنا ہے اور پھر اس سے اس کی حیثیت کے مطابق مانگنا ہے اور پھر کوئی شرم محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا کام سلسلے کی خدمت کرنا اور سلسلے کے لیے مدد لینا ہے۔ جماعتی املاک کا خیال رکھتے۔ تاکید کرتے کہ چندے احبابِ جماعت کی قربانیوں کے نتیجے میں اکٹھے ہوتے ہیں ان کو چندوں کو خرچ کرنے میں، اخراجات کرنے میں ہمیں اسراف سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جو ضرورت ہے وہ ضرور لیں

مگر ضرورت سے زائد خرچ نہ کریں۔ کہتے تھے میں نے اپنے بیٹے کو بھی کہا ہوا ہے کہ جب تک تم جماعت کے وفادار ہو تم میرے بیٹے ہو۔ باقی میرا تم سے کوئی تعلق یا مطالبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ ان کی نیکیاں بھی ان کی اولاد میں جاری رکھے۔

اگلا جو ذکر ہے اور جو جنازہ ہو گا وہ نصرت جہاں احمد صاحبہ اہلیہ مکرم مبشر احمد صاحب کا ہے جو امریکہ میں مربی سلسلہ ہیں۔ گذشتہ دنوں ان کی بھی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مرحومہ اپنے خاوند مکرم مبشر احمد صاحب اور تین بچوں کے ہمراہ 1972ء میں امریکہ منتقل ہو گئیں۔ واشنگٹن میں سکونت اختیار کی۔ 1988ء میں امریکہ میں ان کے خاوند نے وقفِ زندگی کرنے کی توفیق پائی اور مرحومہ نے تمام عمر بہت سادگی اور شکر گزاری کے ساتھ بسر کی۔ ان کے خاوند مبشر صاحب نے جب وقف کیا ہے تو اس وقت سے یہ مربی کے کام سرانجام دے رہے ہیں۔ بہت سادگی اور شکر گزاری کے ساتھ انہوں نے ان کے ساتھ زندگی گزاری۔ مرحومہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصیہ تھیں۔ باقاعدہ چندوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے والی، خلافت کے ساتھ بہت عشق کا تعلق تھا، 1977ء سے 2007ء تک لجنہ اماء اللہ میں مختلف حیثیت سے خدمت کی توفیق ملی۔ لوکل نائب صدر، لوکل صدر، ریجنل صدر وغیرہ رہیں۔ اسلام احمدیت کے پھیلانے کے لیے بہت محنت اور لگن سے تبلیغی پروگرام ترتیب دیے۔ لجنہ اور ناصرات کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی مختلف پروگراموں کا انعقاد کیا۔ اپنے بچوں کی بھی دینی رنگ میں بہتر تربیت کی۔ اسی طرح دنیاوی تعلیم کی طرف بھی توجہ دلوائی۔ پسماندگان میں میاں کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ مرحومہ کے چاروں بچے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے فعال ممبر ہیں۔ خدمت دین کی توفیق بھی پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کی اولاد کو بھی ان کی دعاؤں اور نیکیوں کا وارث بنائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 31/ جولائی تا 04/ اگست 2023ء جلد 30 شمارہ 133 تا 137 صفحہ 02 تا 07)

29

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 21/ جولائی 2023ء بمطابق 21/ وفا 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جنگِ بدر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر ہو رہا ہے اس بارے میں کچھ اَور باتیں پیش کرتا ہوں۔ **جنگِ بدر ختم ہونے کے بعد قیدیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک** کے بارے میں طبقاتِ ابن سعد میں درج ہے کہ جب بدر کے قیدی آئے تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات جاگتے رہے۔ آپ کے صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کو کس بات نے جگائے رکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس کے کراہنے کی آواز نے۔ تو ایک شخص گیا اور اس نے حضرت عباسؓ کے بندھن ڈھیلے کر دیے۔ باندھے ہوئے تھے۔ رسیاں کچھ ڈھیلی کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے مَیں عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سن رہا؟ تو ایک شخص نے کہا کہ میں نے ان کے بندھن کچھ ڈھیلے کر دیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تمام قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی کرو۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 4صفحہ9 دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان2012ء)

یہ نہیں کہ میرا رشتہ دار سمجھ کر ایک کے کر دیے۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں اس میں لکھا ہے کہ:

"تین دن تک آپؐ نے بدر کی وادی میں قیام فرمایا اور یہ وقت اپنے شہداء کی تکفین و تدفین اور اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی میں گزرا اور انہی دنوں میں غنیمت کے اموال کو جمع کر کے مرتب کیا گیا اور کفار کے قیدیوں کو جن کی تعداد ستر تھی محفوظ کر کے مختلف مسلمانوں کی سپردگی میں دے دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو **تاکید کی کہ قیدیوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کریں** اور ان کے آرام کا خیال رکھیں۔

صحابہؓ نے جن کو اپنے آقاؐ کی ہر خواہش کے پورا کرنے کا عشق تھا آپؐ کی اس نصیحت پر اس خوبی کے ساتھ عمل کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ خود ان قیدیوں میں سے ایک قیدی ابو عزیز بن عمیر کی زبانی روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے انصار مجھے تو پکی ہوئی روٹی دیتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے اور کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پاس اگر روٹی کا چھوٹا ٹکڑا بھی ہوتا تھا تو وہ مجھے

دے دیتے تھے اور خود نہیں کھاتے تھے اور اگر میں کبھی شرم کی وجہ سے واپس کر دیتا تو وہ اصرار کے ساتھ پھر مجھی کو دے دیتے تھے۔ جن قیدیوں کے پاس لباس کافی نہیں تھا انہیں کپڑے مہیا کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ عباس کو عبداللہ بن ابی نے اپنی قمیص دی تھی۔ سر ولیم میور نے قیدیوں کے ساتھ اس مشفقانہ سلوک کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ "لکھتا ہے کہ "محمد (ﷺ) کی ہدایت کے ماتحت انصار و مہاجرین نے کفار کے قیدیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مہربانی کا سلوک کیا۔ چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت تاریخ میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے۔ ہم کو گندم کی پکی ہوئی روٹی دیتے تھے اور آپ صرف کھجوریں کھا کر پڑ رہتے تھے۔ اس لیے (میور صاحب لکھتے ہیں) ہم کو یہ معلوم کر کے تعجب نہ کرنا چاہیے کہ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر کے نیچے مسلمان ہو گئے۔ "قیدیوں سے جب یہ سلوک ہوتا تھا تو ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے "اور ایسے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا گیا..... جو قیدی اسلام نہیں لائے ان پر بھی اس نیک سلوک کا بہت اچھا اثر تھا۔" (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 365)

جنگِ بدر کی اہمیت اور اس کے اثرات کے بارے میں لکھا ہے کہ جب فتح بدر کی خوشخبری لے کر عبداللہ بن رَوَاحَہؓ اور زید بن حارثہؓ مدینہ پہنچے تو ان کے منہ سے فتح کی خوشخبری کا اعلان سن کر اللہ کا دشمن کعب بن اشرف یہودی ان کو جھٹلانے لگا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بڑے بڑے رؤسا کو مار ڈالا ہے تو زمین کی پشت پر رہنے سے زمین کے اندر رہنا بہتر ہے۔ یعنی زندہ رہنے سے موت بہتر ہے۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 250 دار الکتب العلمیہ بیروت 2002ء)

علامہ شبلی نعمانی **اپنی کتاب میں غزوۂ بدر کے نتائج بیان کرتے** ہوئے لکھتے ہیں کہ: "بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالات پر گوناگوں اثرات پیدا کیے اور حقیقت میں یہ اسلام کی ترقی کا قدم اوّلین تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا جن میں سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ میں سد آہن تھا فنا ہو گئے۔ عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کی اصلی زور و طاقت کا معیار گھٹ گیا۔ مدینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول اعلانیہ کافر تھا لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ میں آ گیا۔" فتح بدر کے بعد اس نے بھی ظاہراً اسلام قبول کر لیا" گو تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی۔ قبائل عرب جو سلسلہ واقعات کا رُخ دیکھتے تھے اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن سہم گئے۔" بہت سے قبائل مسلمان تو نہیں ہوئے لیکن فتح کو دیکھ کر سہم ضرور گئے۔ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے کارروائیاں کرنی بند کر دیں یا خوفزدہ ہو گئے۔ "ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہو گیا۔ یہود سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ ہر معاملہ میں یکسو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے..... قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا۔ چنانچہ سُوَیْق کا واقعہ اور اُحُد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔"

(سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی جلد اول صفحہ 210-211 مطبوعہ آر زیڈ پبلیکیشنز لاہور 1408ھ)

فتح بدر کے نتائج بیان کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے یوں لکھا ہے کہ:

"ابھی تک مدینہ میں قبائل اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ شرک پر قائم تھے۔ بدر کی فتح نے ان لوگوں میں ایک حرکت پیدا کر دی اور ان میں سے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم الشان اور خارق عادت فتح کو دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے قائل ہو گئے۔ اور اس کے بعد مدینہ سے بت پرست عنصر بڑی سرعت کے ساتھ کم ہونا شروع ہو گیا مگر بعض ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں اسلام کی اس فتح نے بغض و حسد کی چنگاری روشن کر دی اور انہوں نے برملا مخالفت کو خلاف مصلحت سمجھتے ہوئے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا لیکن اندر ہی اندر اس کے استیصال کے درپے ہو ہو کر منافقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ ان موخر الذکر لوگوں میں زیادہ ممتاز عبد اللہ بن اُبَیّ ابن سلول تھا جو قبیلہ خزرج کا ایک نہایت نامور رئیس تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے نتیجہ میں اپنی سرداری کے چھینے جانے کا صدمہ اٹھا چکا تھا۔ یہ شخص بدر کے بعد بظاہر مسلمان ہو گیا، لیکن اس کا دل اسلام کے خلاف بغض و عداوت سے لبریز تھا اور اہلِ نفاق کا سردار بن کر اس نے مخفی مخفی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔" (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 376)

مزید فرماتے ہیں کہ "جنگِ بدر کا اثر کفار اور مسلمانوں ہر دو کے لیے نہایت گہرا اور دیرپا ہوا اور اسی لیے تاریخِ اسلام میں اس جنگ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے حتی کہ قرآن شریف میں اس جنگ کا نام یوم الفرقان رکھا گیا ہے۔ یعنی وہ دن جبکہ اسلام اور کفر میں ایک کھلا کھلا فیصلہ ہو گیا۔ بیشک جنگِ بدر کے بعد بھی قریش اور مسلمانوں کی باہم لڑائیاں ہوئیں اور خوب سخت سخت لڑائیاں ہوئیں اور مسلمانوں پر بعض نازک نازک موقعے بھی آئے لیکن جنگِ بدر میں کفار مکہ کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی جسے بعد کا کوئی جراحی عمل مستقل طور پر درست نہیں کر سکا۔ تعداد مقتولین کے لحاظ سے بے شک یہ کوئی بڑی شکست نہیں تھی۔ قریش جیسی قوم میں سے ستر بہتر سپاہیوں کا مارا جانا ہرگز قومی تباہی نہیں کہلا سکتا۔ جنگِ احد میں یہی تعداد مسلمان مقتولین کی تھی لیکن یہ نقصان مسلمانوں کے فاتحانہ رستہ میں ایک عارضی روک بھی ثابت نہیں ہوا۔" حالانکہ مسلمان تو اس وقت بہت کمزور تھے۔ "پھر وہ کیا بات **تھی کہ جنگِ بدر یوم الفرقان کہلائی؟** اس سوال کے جواب میں بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے اور وہ یہ ہیں۔ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ۔ واقعی اس دن کفار کی جڑ کٹ گئی یعنی جنگِ بدر کی ضرب کفار کی جڑ پر لگی اور وہ دو ٹکڑے ہو گئی۔ اگر یہی ضرب بجائے جڑ کے شاخوں پر لگتی تو خواہ اس سے کتنا گنا زیادہ نقصان کرتی وہ نقصان اس نقصان کے مقابلہ میں ہیچ ہوتا لیکن جڑ کی ضرب نے ہرے بھرے درخت کو دیکھتے دیکھتے ایندھن کا ڈھیر کر دیا اور صرف وہی شاخیں بچیں جو خشک ہونے سے پہلے دوسرے درخت سے پیوند ہو گئیں۔ پس بدر کے میدان میں قریش کے نقصان کا پیمانہ یہ نہیں تھا کہ کتنے آدمی مرے بلکہ یہ تھا کہ کون کون مرے اور جب ہم اس نقطہ نگاہ سے قریش کے مقتولین پہ نظر ڈالتے ہیں تو اس بات میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ بدر میں فی الواقعہ قریش کی جڑ کٹ گئی۔ عتبہ اور شیبہ اور امیہ بن خَلَف اور ابو جہل اور عقبہ بن ابی مُعَیط اور نضر بن حارث وغیرہ قریش کی قومی زندگی کے روحِ رواں تھے اور یہ روح بدر کی وادی میں قریش سے ہمیشہ کے لیے پرواز کر گئی اور وہ ایک قالب

بے جان کی طرح رہ گئے۔ یہ وہ تباہی تھی جس کی وجہ سے جنگِ بدر یوم فرقان کے نام سے موسوم ہوئی۔"
(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 371-372)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ:

"یہی وہ جنگ ہے جس کا نام قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرقان رکھا ہے اور یہی وہ جنگ ہے جس میں عرب کے وہ سردار جو اس دعوٰی کے ساتھ گھر سے چلے تھے کہ اسلام کا نام ہمیشہ کے لیے مٹا دیں گے خود مٹ گئے اور ایسے مٹے کہ آج ان کا نام لیوا کوئی باقی نہیں اور اگر کوئی ہے تو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا بجائے فخر کے عار خیال کرتا ہے۔ غرضیکہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی تھی۔"
(سیرۃ النبی ﷺ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 610)

پھر حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں پر اس کے بعد بھی مظالم ہوتے رہے اور انہیں کفار سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جنگِ بدر نے کفار کی طاقت کو بالکل توڑ دیا تھا اور مسلمانوں کی شوکت ان پر ظاہر ہو گئی تھی۔

جنگِ بدر جسے قرآن کریم نے فرقان قرار دیا ہے اس کے متعلق بائبل میں بھی پیشگوئی پائی جاتی ہے چنانچہ یسعیاہ باب 21 آیت 13 تا 17 میں لکھا ہے "عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے دوانیوں کے قافلو! پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔"

آپؓ فرماتے ہیں کہ "یسعیاہ نبی کے اس کلام میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ ہجرت کے زمانہ پر ٹھیک ایک سال گزرنے کے بعد عرب میں ایک ایسی جنگ ہو گی جس میں قیدار کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی اور وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاگ جانے کا الزام لگاتے تھے اپنے لاؤ لشکر کی موجودگی میں پیٹھ دکھائیں گے اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کمانڈر اور ان کے جرنیلوں کی لاشیں میدانِ جنگ میں پڑی رہ جائیں گی اور آخر وادی مکہ اپنے جرنیلوں کو کھو کر اپنی اس شوکت کو بالکل کھو بیٹھے گی جو اس سے پہلے اسے حاصل تھی۔ اِسی طرح قرآن کریم نے ایک گیارھویں رات کی خبر دے کر یہ پیشگوئی کی تھی کہ ہجرت کے پورے ایک سال کے بعد کفار کی ساری طاقت ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کے لیے فتح اور کامرانی کی صبح ظاہر ہو جائے گی۔ چنانچہ عین ایک سال کے بعد جنگِ بدر ہوئی جس میں کفار کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے اور مسلمانوں کو ان پر نمایاں غلبہ حاصل ہوا....."
فرماتے ہیں کہ "دیکھ لو مدینہ میں آنے کے بعد پہلے رمضان تک اس پیشگوئی پر دس سال پورے ہوئے تھے اور رمضان سے گیارہویں سال کا آغاز ہوا تھا۔ اس ایک سال کے گزرنے پر دوسرے سال 17 رمضان کو بدر کی جنگ

ہوئی جس میں بڑے بڑے کفار مارے گئے اور ان کے ظالمانہ حملوں کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا وہ گیارہویں لیل جو مسلمانوں پر آئی ہوئی تھی ٹھیک ایک سال گزرنے کے بعد دور ہو گئی۔ اور مسلمانوں نے فتح و کامرانی کی صبح کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید اور نصرت کے ساتھ دیکھ لیا۔" (تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 515)

فضیلتِ صحابہؓ جو بدر کے اصحابؓ تھے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ مسلمانوں میں اہلِ بدر کو کیا مقام دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: بہترین مسلمان یا ایسا ہی کوئی کلمہ فرمایا۔ جبرئیل نے کہا اور اسی طرح وہ ملائکہ بھی افضل ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب شهود الملائكة بدرا۔ حدیث 3992)

یہ واقعہ جو اَب میں بیان کرنے لگا ہوں گو یہ پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے لیکن یہاں بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر بیان کرتا ہوں۔

عُبَید اللہ بن ابی رافعؓ نے بتایا، انہوں نے کہا کہ میں نے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیرؓ اور مقداد بن اسودؓ کو بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا تم چلے جاؤ جب تم روضۂ خاخ پر پہنچو تو وہاں ایک شتر سوار عورت ہو گی اور اس کے پاس ایک خط ہے تم وہ خط اس سے لے لو۔ ہم چل پڑے ہمارے گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوئے ہمیں لے گئے۔ جب ہم روضہ خاخ میں پہنچے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک شتر سوار عورت موجود ہے ہم نے کہا خط نکالو۔ وہ کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا تمہیں خط نکالنا ہو گا ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے اور تلاشی لیں گے اس پر اس نے وہ خط اپنے جوڑے سے، بالوں سے نکالا اور ہم وہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کے مشرکوں کے نام۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارادے کی ان کو اطلاع دے رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ فرمائیں۔ میں ایک ایسا آدمی تھا جو قریش میں آ کر مل گیا تھا ان میں سے نہ تھا اور دوسرے مہاجرین جو آپؐ کے ساتھ تھے ان کی مکہ میں رشتے داریاں تھیں جن کے ذریعہ وہ اپنے گھر بار اور مال و اسباب کو بچاتے رہے۔ میں نے چاہا کہ ان مکے والوں پر کوئی احسان کر دوں کیونکہ ان میں کوئی رشتہ داری تو میری تھی ہی نہیں شاید وہ اس احسان ہی کی وجہ سے میرا پاس کریں اور میں نے کسی کفر یا ارتداد کی وجہ سے یہ نہیں کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کبھی پسند نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر سچے دل سے اسلام قبول کر لیا جائے تو اس کے بعد کفر کو پسند کرے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو جنگِ بدر میں موجود تھا اور تمہیں کیا معلوم **کہ اللہ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا جو تم چاہو کرو میں نے تمہارے گناہوں کی** پردہ پوشی کر دی ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الجهاد و السیر باب الجاسوس۔ حدیث 3007)

یعنی اب بڑے گناہ سرزد نہیں ہوں گے اور ان کا انجام بخیر ہو گا۔ یہ لوگ کفر کی حالت میں نہیں مریں گے۔ یہ مطلب ہے اس کا۔ چنانچہ خود حضرت حاطبؓ کے الفاظ سے ظاہر ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کو کبھی پسند نہیں کیا جا سکتا۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر نظر فرمائی ہے اور کہا کہ جو چاہے عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

(سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی الخلفاء۔ حدیث 4654)

یعنی سوائے کفر کی حالت کے عام غلطیاں اور گناہ اللہ تعالیٰ تو بخش دے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہاں یہ ضمانت بھی اللہ تعالیٰ نے دے دی کہ ان پر کبھی کفر کی حالت نہیں آئے گی اور ان کا انجام بخیر ہو گا۔ ایک یہ مطلب بھی ہے اس کا۔ اگر بعض غلطیاں اور گناہ ہوں گے تو بشری تقاضوں کے تحت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ بدر میں اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی بھی ان شاء اللہ آگ میں داخل نہ ہو گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ نے نہیں فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم:72) اور تم ظالموں میں سے کوئی نہیں مگر وہ ضرور اس میں اترنے والا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: کیا تُو نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نہیں سنا۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم:73)۔ پھر ہم ان کو بچا لیں گے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

(سنن ابن ماجه کتاب الزهد باب ذکر البعث۔ حدیث 4281)

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی جب صحابہؓ کے **وظیفے مقرر ہوئے تو بدری صحابیوںؓ کا وظیفہ ممتاز طور پر خاص مقرر کیا گیا۔** خود بدری صحابہؓ بھی **جنگِ بدر کی شرکت پر خاص فخر کرتے تھے۔** چنانچہ میور صاحب لکھتے ہیں کہ:

"بدری صحابی اسلامی سوسائٹی کے اعلیٰ ترین رکن سمجھے جاتے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ جب اسّی سال کی عمر میں فوت ہونے لگے تو انہوں نے کہا کہ مجھے وہ چوغہ لا کر دو جو میں نے بدر کے دن پہنا تھا اور جسے میں نے آج کے دن کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی سعد تھے جو بدر کے زمانہ میں بالکل نوجوان تھے اور جن کے ہاتھ پر بعد میں ایران فتح ہوا اور جو کوفہ کے بانی اور عراق کے گورنر بنے مگر ان کی نظر میں یہ تمام عزتیں اور فخر جنگِ بدر میں شرکت کے عزت و فخر کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھیں اور جنگِ بدر والے دن کے لباس کو وہ اپنے واسطے سب خلعتوں سے بڑھ کر خلعت سمجھتے تھے اور ان کی آخری خواہش یہی تھی کہ اسی لباس میں لپیٹ کر ان کو قبر میں اتارا جاوے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 373)

بدری صحابہؓ کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں آنے والے مہدی کی ایک نشانی یہ قرار دی کہ اس کے پاس بھی ایک کتاب ہو گی جس میں اصحابِ بدرؓ کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ اصحابؓ کے نام ہوں گے۔

چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہو گی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحابؓ کا نام درج ہو گا۔ اس لیے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پہلے اس سے امت مرحومہ میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا کہ جو مہدویت کا مدعی ہوتا اور اس کے وقت میں چھاپہ خانہ بھی ہوتا۔ اور اس کے پاس ایک کتاب بھی ہوتی جس میں تین سو تیرہ نام لکھے ہوئے ہوتے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ کام انسان کے اختیار میں ہوتا تو اس سے پہلے کئی جھوٹے اپنے تئیں اس کا مصداق بنا سکتے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ خدا کی پیشگوئیوں میں ایسی فوق العادت شرطیں ہوتی ہیں کہ کوئی جھوٹا ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اس کو وہ سامان اور اسباب عطا نہیں کیے جاتے جو سچے کو عطا کیے جاتے ہیں۔" فرماتے ہیں "شیخ علی حمزہ بن علی ملک اَلطُّوسی اپنی کتاب جَوَاھر الاَسْرَار میں جو 840ھ میں تالیف ہوئی تھی مہدی موعود کے بارے میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہیں....." جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یعنی مہدی اس گاؤں سے نکلے گا جس کا نام کدعہ ہے (یہ نام دراصل قادیان کے نام کو معرّب کیا ہوا ہے) اور پھر فرمایا کہ خدا اس مہدی کی تصدیق کرے گا اور دور دور سے اس کے دوست جمع کرے گا جن کا شمار اہلِ بدر کے شمار سے برابر ہو گا۔ یعنی تین سو تیرہ ہوں گے اور ان کے نام بقید مسکن و خصلت چھپی ہوئی کتاب میں درج ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ کسی شخص کو پہلے اس سے یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعوی کرے اور اس کے پاس چھپی ہوئی کتاب ہو جس میں اس کے دوستوں کے نام ہوں لیکن میں پہلے اس سے بھی آئینہ کمالات اسلام میں تین سو تیرہ نام درج کر چکا ہوں اور اب دوبارہ اتمام حجت کے لیے تین سو تیرہ نام ذیل میں درج کرتا ہوں۔" ضمیمہ رسالہ انجام آتھم میں آپؑ یہ فرما رہے ہیں۔ "تا ہر یک منصف سمجھ لے کہ یہ پیشگوئی بھی میرے ہی حق میں پوری ہوئی اور بموجب منشاء حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلتِ صدق و صفا رکھتے ہیں اور حسبِ مراتب جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں..... **اب دیکھو یہ تین سو تیرہ مخلص جو اس کتاب میں درج** ہیں یہ اسی پیشگوئی کا مصداق ہے جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ پیشگوئی میں کدعہ کا لفظ بھی ہے جو صریح قادیان کے نام کو بتلا رہا ہے۔ پس تمام مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ وہ مہدی موعود قادیان میں پیدا ہو گا اور اس کے پاس ایک کتاب چھپی ہوئی ہو گی جس میں تین سو تیرہ اس کے دوستوں کے نام درج ہوں گے۔ سو ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات میرے اختیار میں تو نہیں تھی کہ میں ان کتابوں میں جو اس زمانہ سے ہزار برس پہلے دنیا میں شائع ہو چکی ہیں اپنے گاؤں قادیان کا نام لکھ دیتا۔ اور نہ میں نے چھاپہ کی کل نکالی ہے" کوئی پرزہ نکالا "تا یہ خیال کیا جائے کہ میں نے اس غرض سے مطبع کو اس زمانہ میں ایجاد کیا ہے۔" پریس میں نے تو نہیں ایجاد کیا تھا۔ "اور نہ تین سو تیرہ مخلص اصحاب کا پیدا کرنا میرے اختیار میں تھا بلکہ یہ تمام اسباب خود خدا تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں تا وہ اپنے رسول کریمؐ کی پیشگوئی کو پورا کرے۔"

(ضمیمہ رسالہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 324 تا 325، 329)

جنگِ بدر کے حوالے سے **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ کی مماثلت کو بیان** کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل کی مانند خدا تعالیٰ کے راستباز بندے مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک کفار کے ہاتھ سے سخت تکلیف میں رہے اور یہ تکلیف اس تکلیف سے بہت زیادہ تھی جو فرعون سے بنی اسرائیل کو پہنچی۔ آخر یہ راستباز بندے اس برگزیدۂ راستبازوں کے ساتھ اور اس کی ایما سے مکہ سے بھاگ نکلے اور اسی بھاگنے کی مانند جو بنی اسرائیل مصر سے بھاگے تھے۔ پھر مکہ والوں نے قتل کرنے کے لیے تعاقب کیا اسی تعاقب کی مانند جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کے قتل کے لیے کیا گیا تھا۔ آخر وہ اسی تعاقب کی شامت سے بدر میں اس طرح پر ہلاک ہوئے جس طرح فرعون اور اس کا لشکر دریائے نیل میں ہلاک ہوا تھا۔ اسی رمز کے کھولنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی لاش بدر کے مُردوں میں دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ شخص اس اُمت کا فرعون تھا۔ غرض جس طرح فرعون اور اس کا لشکر دریائے نیل میں ہلاک ہونا امور مشہودہ محسوسہ میں سے تھا'' جن کو دیکھا بھی جا سکتا ہے محسوس کیا جا سکتا ہے ''جس کے وقوع میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اسی طرح ابوجہل اور اس کے لشکر کا تعاقب کے وقت بدر کی لڑائی میں ہلاک ہونا امور مشہودہ محسوسہ میں سے تھا جس سے انکار کرنا حماقت اور دیوانگی میں داخل ہے .....وہ اسرائیلی یعنی خدا کے بندے جن کو ہمارے سید و مولیٰ نے مکہ والوں کے ظلم سے چھڑایا انہوں نے بدر کے واقعہ کے بعد اسی طرح گیت گائے جیسے کے بنی اسرائیل نے دریائے مصر کے سر پر گائے تھے اور وہ عربی گیت اب تک کتابوں میں محفوظ چلے آتے ہیں جو بدر کے میدان میں گائے گئے۔''

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 290-291)

پھر ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''وہ مثیل جس کا توریت کتاب استثنا میں ذکر ہے وہ وہی نبی مؤیدِ الٰہی ہے جو مع اپنی جماعت کے تیرہ برس برابر دکھ اٹھا کر اور ہر ایک قسم کی تکلیف دیکھ کر آخر مع اپنی جماعت کے بھاگا اور اس کا تعاقب کیا گیا۔ آخر بدر کی لڑائی میں چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو کر ابوجہل اور اس کا لشکر تلوار کی دھار سے ایسے ہی مارے گئے جیسا کہ دریائے نیل کی دھار سے فرعون اور اس کے لشکر کا کام تمام کیا گیا۔ دیکھو کیسی صفائی اور کیسے مشہود اور محسوس طور پر یہ دونوں واقعات مصر اور مکہ اور دریائے نیل اور بدر کے آپس میں مماثلت رکھتے ہیں۔''

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 292)

قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران:124) اور بدر کی جنگ میں جبکہ تم حقیر تھے اللہ یقیناً تمہیں مدد دے چکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ایک تصنیف خطبہ الہامیہ **میں بدر اور چودھویں صدی کی ایک لطیف مشابہت** کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ ''اور وہ چار سو کا شمار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بعد ہے تادین کے غلبہ کا وعدہ جو کتابِ مبین میں پہلے ہو چکا تھا پورا ہو جائے یعنی خدا کا یہ قول کہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران:124)۔ پس بیناؤں کی طرح

اس آیت میں نگاہ کر کیونکہ یہ آیت یقیناً دو بدر پر دلالت کرتی ہے۔ اول وہ بدر جو پہلوں کی نصرت کے لیے گزرا اور دوسرا وہ بدر جو پچھلوں کے لیے ایک نشان ہے۔ پس کوئی شک نہیں کہ یہ آیت ایک لطیف اشارہ اس آئندہ زمانہ کی طرف کرتی ہے جو شمار کے رو سے شب بدر کی مانند ہو اور وہ چار سو برس ہزار برس کے بعد ہے اور یہی استعارہ کے طور پر خدا تعالیٰ کے نزدیک شبِ بدر ہے اور ان سب کے باوجود ہم کو یہ بھی اعتراف ہے کہ اس آیت کے اور معنی بھی ہیں جو گذشتہ زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ عالموں کو معلوم ہے کیونکہ اس آیت کے دو رُخ ہیں اور نصرت دو نصرتیں اور بدر دو بدر ہیں۔ ایک بدر گذشتہ زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا بدر آئندہ زمانہ سے اس وقت جبکہ مسلمانوں کو ذلت پہنچے جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھتے ہو اور اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر تھا کہ انجام کار آخر زمانہ بدر ہو جائے خدا تعالیٰ کے حکم سے۔ پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی طرح شکل اختیار کرے جو شمار کے رو سے بدر کی طرح مشابہ ہو۔ پس انہی معنوں کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ پس اس امر میں باریک نظر سے غور کر اور غافلوں سے نہ ہو اور بے شک لَقَدْ نَصَرَكُمْ کا لفظ یہاں دوسری وجہ کے رو سے يَنْصُرُكُمْ کے معنوں میں آیا ہے جیسا کہ عارفوں پر ظاہر ہے۔ الغرض خدا تعالیٰ **نے اسلام کے لیے دو ذلت کے بعد دو عزتیں رکھی تھیں** یہود کے برخلاف کہ ان کے لیے سزا کے طور پر دو عزتوں کے بعد دو ذلتیں مقرر کی تھیں جیسا کہ بنی اسرائیل کی سورت میں ان فاسقوں اور ظالموں کا قصہ پڑھتے ہو۔ پس جس وقت مسلمانوں کو پہلی ذلت مکہ میں پہنچی خدا نے ان سے اپنے اس قول میں وعدہ فرمایا تھا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ (الحج:40) اور عَلٰى نَصْرِهِمْ کے قول سے اشارہ کیا کہ مومنوں کے ہاتھ سے کفار پر عذاب اترے گا۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ بدر کے دن ظاہر ہوا اور کافر مسلمانوں کی آبدار تلوار سے قتل کیے گئے۔" (خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 273 تا 277)

پھر آپؑ فرماتے ہیں "اب اس چودھویں صدی میں وہی حالت ہو رہی ہے جو بدر کے موقع پر ہو گئی تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران: 124)۔ اس آیت میں بھی دراصل ایک پیشگوئی مرکوز تھی یعنی جب چودھویں صدی میں اسلام ضعیف اور ناتوان ہو جائے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اس وعدہ حفاظت کے موافق اس کی نصرت کرے گا۔" (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 280)

آپؑ فرماتے ہیں "اب دیکھو کہ صحابہؓ کو بدر میں نصرت دی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ نصرت ایسے وقت میں دی گئی جبکہ تم تھوڑے تھے۔ اس بدر میں کفر کا خاتمہ ہو گیا۔ **بدر پر ایسے عظیم الشان نشان کے اظہار میں آئندہ کی** بھی ایک خبر رکھی گئی تھی۔ اور یہ کہ بدر چودھویں کے چاند کو بھی کہتے ہیں۔ اس سے چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے اظہار کی طرف بھی ایماء ہے۔ اور یہ چودھویں صدی وہی صدی ہے جس کے لیے عورتیں تک کہتی تھیں کہ چودھویں صدی خیر و برکت کی آئے گی۔ خدا کی باتیں پوری ہوئیں اور چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے موافق اسمِ احمدؐ کا بروز ہوا اور وہ میں ہوں۔" آپؑ اپنے بارے میں فرماتے ہیں "اسمِ احمدؐ کا بروز ہوا اور وہ میں ہوں۔ جس کی طرف اس واقعہ بدر میں پیشگوئی تھی جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا۔ مگر

افسوس کہ جب وہ دن آیا اور چودھویں کا چاند نکلا تو دو کاندار، خود غرض کہا گیا۔ افسوس ان پر جنہوں نے دیکھا اور نہ دیکھا۔ وقت پایا اور نہ پہچانا۔ **وہ مر گئے جو منبروں پر چڑھ چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں یہ ہو گا** اور وہ رہ گئے جو اب منبروں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ جو آیا ہے وہ کاذب ہے۔ ان کو کیا ہو گیا۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے اور کیوں نہیں سوچتے۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بدر ہی میں مدد کی تھی اور وہ مدد اَذِلَّۃ کی مدد تھی جس وقت تین سو تیرہ آدمی صرف میدان میں آئے تھے اور کل دو تین لکڑی کی تلواریں تھیں اور ان تین سو تیرہ میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ اس سے زیادہ کمزوری کی حالت کیا ہو گی اور دوسری طرف ایک بڑی بھاری جمعیت تھی اور وہ سب کے سب چیدہ چیدہ جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے جوان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظاہری سامان کچھ نہ تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ پر دعا کی اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ یعنی اے اللہ! اگر آج تُو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ سنو! میں بھی یقیناً اسی طرح کہتا ہوں کہ آج وہی بدر والا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک جماعت تیار کر رہا ہے۔ وہی بدر اور اَذِلَّۃ کا لفظ موجود ہے۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 190-191)

آپؑ فرماتے ہیں کہ "**چودہ کے عدد کو بڑی مناسبت ہے چودھویں صدی کا چاند مکمل ہوتا ہے۔** اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ (آل عمران:124) میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی ایک بدر تو وہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں پر فتح پائی اس وقت بھی آپؐ کی جماعت قلیل تھی اور ایک بدر یہ ہے۔"
(ملفوظات جلد 4 صفحہ 12)

یعنی آپؑ کا زمانہ۔ جنگِ بدر کا قصہ مت بھولو کے الہام کے بارے میں حضرت قاضی عبدالرحیم صاحبؓ اپنی 17/ فروری 1904ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ "آج رات حضرتؑ نے خواب بیان فرمایا۔ کسی نے کہا کہ جنگِ بدر کا قصہ مت بھولو۔" (تذکرہ صفحہ 668 ایڈیشن چہارم 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہم میں خاص طور پر بدر کی اہمیت کا ادراک پیدا فرمائے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کی آمد کو سمجھنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ مسلمان امت بھی اس واقعہ بدر کی حقیقت کو سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آئے ہوئے مسیح موعود کو پہچانے تا کہ یہ مسلمان دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کے قابل بن سکیں۔

اب میں جلسہ سالانہ کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگلے جمعہ سے جماعت احمدیہ یوکے کا جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے۔ اس سال انشاء اللہ تعالیٰ تقریباً تین چار سال بعد جلسے میں شمولیت کے لیے باہر سے بھی بڑی تعداد میں مہمان آئیں گے بلکہ مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سفر کرنے والوں کے سفر میں آسانیاں پیدا فرمائے اور حفاظت سے سب یہاں پہنچیں اور جلسہ کے مقصد سے حقیقی فیض اٹھانے والے ہوں۔ اسی طرح یوکے میں رہنے والے احمدی بھی حقیقی جذبے اور روح کے ساتھ جلسے میں شامل ہوں اور صرف اور صرف یہ بات مدنظر ہو کہ ہم نے جلسے کے دنوں میں روحانی مائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اسی طرح تمام کارکنان جو جلسہ کی مختلف ڈیوٹیوں پر متعین کیے گئے ہیں وہ کوشش کریں کہ ہر شامل جلسہ کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے مہمان سمجھ کر خدمت کریں۔ اس مرتبہ یہی توقع کی جارہی ہے کہ شاملین جلسہ کی تعداد میں زیادہ اضافہ ہو گا اور اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ انتظامی لحاظ سے بعض کمیاں بھی بعض جگہ رہ جائیں۔ ویسے تو مجھے امید ہے کہ ماشاء اللہ یوکے جماعت کی جلسہ کی انتظامیہ اب اتنی تجربہ کار ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل انہوں نے حل کر لیے ہوں گے اور اگر کمیاں ہوں گی تو بہت معمولی باتیں ہی ہوں گی اور اگر مسئلہ پیدا بھی ہو گا تو اس کو احسن رنگ میں یہ لوگ حل کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسے مسائل اٹھیں ہی نہ جو مہمانوں کے لیے کسی بھی قسم کی تکلیف کا باعث بنیں۔ اسلام تو مہمانوں کی عزت و اکرام کی بہت تلقین کرتا ہے اور پھر وہ مہمان جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلانے پر خالص دینی غرض سے آرہے ہوں ان کی تو سب ڈیوٹی والوں اور سب میزبانوں کو خاص طور پر عزت اور خدمت کرنی چاہیے اور خالص قربانی کے جذبے سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے یہ خدمت کرنی چاہیے۔ مہمانوں کی مہمان داری کے بارے میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مہمانوں کی خدمت کے بارے میں کیا توقع رکھتے ہیں اس بارے میں آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ اپنے مہمان کا احترام کرے۔

(صحیح البخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف.....حدیث6135)

جلسے کے دنوں میں تو مختلف قوموں اور مختلف طبائع کے لوگ آتے ہیں اور بعض دفعہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کس طرح ان کی طبیعتوں کے مطابق ان کا خیال رکھا جائے۔ بعض دفعہ مہمان اپنے مزاج کی وجہ سے ایسی باتیں کر دیتا ہے یا اس طرح اظہار کر دیتا ہے جو ڈیوٹی دینے والے کے لیے یا خدمت کرنے والے کے لیے ناگوار ہوتا ہے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کا یہی حکم ہے کہ تم نے ہر صورت میں مہمان کا احترام کرنا ہے کیونکہ اس سے بھی تمہارے ایمان کا معیار پرکھا جاتا ہے۔ پس اس بات کا بہت خیال رکھیں اور ڈیوٹی دینے والے کو ہمیشہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہنا چاہیے اور مسکراتے رہنا چاہیے۔

خدمت کرنے والوں نے خود اپنی مرضی سے اپنے آپ کو مہمانوں کی خدمت کے لیے پیش کیا ہے تو پھر اس معیار کو بھی حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چاہتے ہیں۔ اچھے اخلاق کے اظہار کے لیے کن معیاروں کو حاصل کرنے کی اسلام ہمیں تلقین فرماتا ہے؟ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرانا تیرے لیے صدقہ ہے۔ تیرا اچھی بات کرنے کی تلقین کرنا اور بری بات سے روکنا بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھانا اور نابینا کو راستہ دکھانا بھی تیرے لیے صدقہ ہے اور پتھر، کانٹا، ہڈی کو راستے سے ہٹانا بھی تیرے لیے صدقہ ہے یعنی ہر گند کو ہٹانا۔ اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں کچھ ڈال دینا بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔

(جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی صنائع المعروف حدیث1956)

پس یہ ہیں وہ معیار جو ہر احمدی کے ہونے چاہئیں۔ کیونکہ میں اس وقت کارکنوں کو بھی توجہ دلا رہا ہوں اس لیے ان سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ ہمیشہ مسکراتے رہنا ایک بہت بڑا وصف ہے۔ ڈیوٹیوں کے دوران بعض دفعہ سونے کا کم وقت ملتا ہے، تھکاوٹ بھی ہو جاتی ہے لیکن حکم یہ ہے کہ ایسے حالات میں بھی تم مسکراتے رہو اور دلی خوشی

کے ساتھ خدمت کرو۔ پھر تربیت کے شعبے کے لیے خصوصاً اور عام ڈیوٹی والوں کو عموماً یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کسی میں کوئی غلط بات دیکھیں جو ہمارے ماحول کے تقدّس اور تعلیم کے خلاف ہے تو نرمی اور پیار سے سمجھائیں۔

پھر آگے بات جو کی راستوں کی صفائی کی ہے نہ راستے دکھانے کی ہے۔ گو ہمارے نظام میں راستوں کی راہنمائی کے لیے بھی ٹیمیں مقرر ہوتی ہیں۔ اسی طرح مختلف جگہوں پر بورڈز بھی آویزاں کیے جاتے ہیں جن پہ ہدایات بھی لکھی ہوتی ہیں اور جگہوں کے نشانات بھی دیے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اگر کسی بھی ڈیوٹی والے سے کوئی راستہ پوچھے تو اس کی راہنمائی کریں۔ ضروری نہیں ہے کہ جن کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے وہی بتائیں۔ ہر شخص اگر کوئی راستہ جانتا ہو تو دکھانا چاہیے۔ اچھے اخلاق کا مظاہرہ یہی ہے۔ اگر خود نہیں پتا تو متعلقہ شعبے تک پہنچا دیں۔ اور معذور اور نابینا کی مدد کرنا تو ویسے ہی ضروری ہے یہ تو ہر ایک جانتا ہے اور یہاں اس طرف توجہ بھی دی جاتی ہے اس لیے اس بارے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

پھر راستوں اور مختلف جگہوں پر اگر کوئی مہمان یا کوئی بھی شخص کوئی لفافے یا ڈسپوزیبل گلاس وغیرہ یا اس قسم کی چیزیں یا گند وغیرہ پھینک جاتے ہیں تو گو صفائی کا شعبہ اس طرف توجہ کرتا ہے اور صفائی کرتا رہتا ہے لیکن اگر کوئی بھی کارکن ایسا کوئی گند دیکھے تو خود ہی اٹھا کر قریب کے ڈسٹ بن میں ڈال دے اور انتظامیہ کو بھی مختلف جگہوں پر قریب قریب ہی ڈسٹ بن رکھنے چاہئیں لیکن ساتھ ہی انتظامیہ کو یہ نگرانی بھی کرنی چاہیے کہ حالات ایسے ہیں کہ کوئی غلط چیز اس میں نہ پھینک دے۔

اسی طرح کھانے کھلانے **والے جو لوگ ہیں ان کو بھی مہمانوں کا بہت خیال رکھنا چاہیے**۔ اگر کبھی کھانے میں کمی ہو جائے تو پیار سے مہمانوں کو سمجھائیں کہ اس کمی کی وجہ سے بانٹ کر کھانا کھائیں تا کہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ مل جائے۔ عموماً تو اس کا امکان کم ہوتا ہے لیکن کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو بڑے پیار اور حکمت سے کھانا کھلانے والوں کو اس معاملے کو دیکھنا چاہیے۔ اسی طرح ٹریفک کا شعبہ ہے یہاں بھی بعض دفعہ بدمزگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور خاص طور پر جب موسم خراب ہو تو یہاں اس بارے میں بھی جہاں میں لوگوں کو آنے والے مہمانوں کو بھی کہوں گا کہ ان ٹریفک والوں سے تعاون کریں وہاں اس شعبے کے کارکن بھی ہمیشہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں۔

اور اسی طرح جلسے کے دوسرے مختلف شعبہ جات ہیں۔ ہر ایک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر **عمل کرتے رہنا چاہیے کہ ہمیشہ مسکراتے رہو**۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ تمام کارکنان احسن رنگ میں اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دینے والے ہوں اور جلسہ ہر لحاظ سے بابرکت ہو خاص طور پر ہر احمدی کو اس جلسہ کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بھی دے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 11 / اگست 2023ء جلد 30 شمارہ 143 صفحہ 20 تا 07)

30

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 28/ جولائی 2023ء بمطابق 28/ وفا 1402 ہجری شمسی
بمقام حدیقۃ المہدی، آلٹن، ہمپشئر، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ یوکے کا جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تو تقریباً چار دہائیاں گزر گئی ہیں یہاں خلافت کی موجودگی میں جلسہ سالانہ منعقد ہوتے ہوئے۔ شروع میں وسیع انتظامات **کی وجہ سے یہاں کی جماعت کو بہت کچھ سکھانے کی ضرورت تھی** جس کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذاتی دلچسپی سے بھی راہنمائی فرمائی اور ربوہ سے بھی تجربہ کار لوگوں کو یہاں بلا کر کام سکھایا جن میں چودھری حمید اللہ صاحب افسر جلسہ سالانہ بھی تھے، انہوں نے بڑی مدد کی۔ 1985ء میں یہاں جو پہلا جلسہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی موجودگی میں ہوا، اس سے پہلے ایک جلسہ 84ء میں بھی ہوا تھا لیکن بہت مختصر تھا۔ جو باقاعدہ جلسہ ہوا 1985ء میں ہوا۔ اس میں شاید پانچ ہزار لوگ شامل ہوئے اور اس کی بھی انتظامیہ کو بڑی فکر تھی۔ ہر ایک پریشان تھا کہ کس طرح سنبھالیں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے صرف خدام الاحمدیہ یوکے کے اجتماع میں یا لجنہ اماء اللہ کے اجتماع میں اس سے کہیں زیادہ حاضری ہوتی ہے اور بڑے احسن طریقے سے یہ ذیلی تنظیمیں بھی اپنا انتظام سنبھال لیتی ہیں۔ پس اس لحاظ سے یوکے کی جماعت بہت تجربہ کار ہو چکی ہے کہ انتظامات سنبھال سکے۔ اس مرتبہ کیونکہ تین چار سال کے وقفے کے بعد مکمل وسیع پیمانے پر جلسہ منعقد ہو رہا ہے اس لیے انتظامیہ کو پھر فکر ہے کہ چالیس ہزار سے اوپر متوقع حاضری کو ہم احسن رنگ میں سنبھال بھی سکیں گے کہ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مَیں امید رکھتا ہوں کہ بڑے احسن رنگ میں ہمارے کارکن اپنے انتظامات سنبھال سکیں گے۔ ماشاء اللہ اب تو یہاں کے رہنے والے لوگ بلکہ یہاں پیدا ہونے والے اور پلنے بڑھنے والے بچے بھی جو اب جوان ہو چکے ہیں یا اس عمر کو پہنچ چکے ہیں جہاں ہوش و حواس سے کام سرانجام دے سکیں۔ اتنے تجربہ کار ہیں کہ اپنے کام احسن رنگ میں نبھا سکیں۔ گذشتہ اتوار مَیں نے اس وقت تک کے قائم شدہ انتظامات کا جائزہ بھی لیا تھا **اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر جگہ ہر شعبے میں مَیں نے کارکنان کو بڑا مستعد اور اپنا کام جاننے والا پایا** اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو فکریں تھیں وہ دُور بھی ہوئیں۔ یہ جو فکر ہے کہ ایک وقفے کے بعد بہت زیادہ وسیع پیمانے پر جلسہ منعقد ہو رہا ہے اور کہیں کوئی انتظامی کمیاں ظاہر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ

ان فکروں کو، انتظامیہ کی ان فکروں کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ دُور فرما دے گا بشرطیکہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کی طرف ہر وقت متوجہ رہیں۔ ہمارے کام ہماری کسی ہوشیاری یا تجربے سے انجام نہیں پاتے بلکہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کے فضل سے انجام پاتے ہیں۔

گذشتہ خطبے میں اس کے لیے میں نے کارکنان کو مختصراً یہ کہا بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے محنت، اعلیٰ اخلاق اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتے ہوئے ہر کارکن اور ہر نگران کو اپنا کام کرنا چاہیے اور جب یہ ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت عطا فرمائے گا۔ ہم نے بے لوث ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ہے جو خالصۃً دینی غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ پس دوبارہ میں کارکنوں سے کہتا ہوں کہ جس جذبے سے سب نے اپنے آپ کو خدمت کے لیے پیش کیا ہے اس جذبے کو قائم رکھتے ہوئے جتنے دن بھی ڈیوٹیاں ہیں انہیں سرانجام دیں اور جہاں مہمانوں کی خدمت کرنے کا حق ادا کریں وہاں یہ بات بھی نہ بھولیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا بھی حق ادا کرنا ہے، اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور اس ماحول سے ہر لحہ فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ذات کو بھی پاک بنائے رکھنے کی کوشش کرنی ہے۔ صرف ڈیوٹیوں کا حق ادا کر کے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارا جو مقصد تھا ہم نے پورا کر لیا۔ بغیر عبادت کے ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ پس بچے جوان مرد عورتیں جو ڈیوٹی دینے والے ہیں اس حق کی ادائیگی کا بھی خیال رکھیں۔ اس کے بعد آج میں چند باتیں جلسہ پر آئے ہوئے مہمانوں کے لیے بھی کہنا چاہوں گا۔ ہر شامل جلسہ کو اس بات کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ باتیں جو میں کہنے لگا ہوں یہ روایتاً کہہ رہا ہوں اور میں نے کہہ دیا اور آپ نے سن لیا۔ بس اتنا کافی ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ سب لوگ جو یہاں جلسہ میں شامل ہونے کے لیے آئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ یہ جلسہ کوئی دنیاوی میلہ نہیں ہے۔

(ماخوذ از شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395)

اس جلسے میں شامل ہونے کا ہمارا ایک مقصد ہے اور وہ مقصد ہے اپنی روحانی اور علمی حالت کو بہتر کرنا۔ اخلاقی حالت کو بہتر کرنا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا۔ پس جب یہ سوچ ہو گی تو پھر دنیاوی باتوں کی طرف توجہ نہیں رہے گی اور جب دنیاوی باتوں کی طرف توجہ نہیں رہے گی تو پھر جلسے کے بعض انتظامات جن میں اگر کمزوری بھی ہو گی تو مہمان اسے محسوس نہیں کریں گے اور یہی سوچ رکھیں گے کہ میزبانوں کی طرف سے یا جلسے کے انتظام کرنے والوں کی طرف سے اگر کوئی کمی رہ بھی گئی ہے تو ہمیں اس کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا مقصد تو اپنی روحانی اور علمی حالتوں کو بہتر کرنا ہے اور وہ ہم جلسہ کی کارروائی اور تقاریر سے فائدہ اٹھا کر کر سکتے ہیں۔ پس پہلی بات یہ ہے کہ ہر آنے والا، جلسے میں شامل ہونے والا اس بات کو یقینی بنائے کہ ہم نے جلسے کے اوقات میں اِدھر اُدھر پھرنے کی بجائے جلسے کی مکمل کارروائی سننی ہے اور جلسہ کے باقاعدہ پروگراموں کے درمیان جو وقفہ ہے، جو کھانے اور نماز یا دوستوں سے ملنے ملانے کے لیے بھی ہوتا ہے اسے بھی بہتر رنگ میں

استعمال کرنا ہے۔ اگر اس میں بھی فارغ وقت ملتا ہے تو صرف بازار میں شاپنگ کے لیے نہ پھریں بلکہ شعبہ اشاعت کی طرف سے یہاں جماعتی کتب کے بُک سٹال لگے ہوئے ہیں ان میں جائیں۔ اسی طرح مختلف مرکزی شعبہ جات مثلاً مخزنِ تصاویر ہے، ریویو آف ریلیجنز ہے، تبلیغ وغیرہ کی مارکی ہے، آرکائیوز کی نمائش ہے انہیں دیکھیں اور اپنا دینی اور تاریخی علم بھی بڑھائیں۔

غرضیکہ ہر لحاظ سے کلیۃً دنیاوی جھمیلوں سے علیحدہ ہو کر خالصۃً دینی اور علمی بہتری کے سامان کرنے کی کوشش کریں اور جب یہ ہو گا تو پھر آپس کی محبت اور تعلق میں بھی اضافہ ہو گا اور انتظامیہ اور میزبانوں میں اگر انتظامات میں کمزوریاں بھی ہیں تو نظر نہیں آئیں گی۔ ایسا پیارا ماحول ہو گا جو حقیقی مومنوں کے ماحول کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو ہم جلسے میں وہ ماحول پیدا نہیں کر سکتے جو جلسے کا مقصد ہے۔ کمزوریاں اگر تلاش کرنے لگیں اور شکوے کرنے لگیں تو اتنے بڑے اور عارضی انتظام میں درجنوں شکوے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پرفیکشن (perfection) تو نہیں ہو سکتی۔ بہت ساری کمزوریاں نظر آسکتی ہیں جو طبیعت میں بے چینی پیدا کرنے والی ہوں۔ مثلاً کھانا کھلانے کا ہی انتظام ہے اس میں عموماً تو یہی کوشش کی جاتی ہے کہ مہمانوں کو ہر ممکن سہولت کھانا کھلانے کے لیے مہیا کی جائے۔ سالن وغیرہ بھی تھوڑا نہ ہو اور کھانا دینے والے معاونین بھی مہمانوں کی صحیح طور پر اعلیٰ اخلاق دکھاتے ہوئے خدمت کریں لیکن بعض دفعہ اندازے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور صحیح طرح کھانا مہیا نہیں ہو سکتا تو اس پر کسی بھی قسم کے غصے کا اظہار کرنے کی بجائے خوش دلی سے کارکنوں کی معذرت قبول کر لینی چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے **سامنے ایسے حالات پیش آنے پر کیا نمونہ دکھایا اس** بارے میں آپؑ کی سیرت میں سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ سفر پر تھے، کام میں مصروف تھے اس لیے آپ نے رات کا کھانا اس وقت نہیں کھایا جب کھانا serve کیا جا رہا تھا اور دوسرے مہمانوں کو کھلایا جا رہا تھا۔ کارکنوں نے رکھ دیا ہو گا اور بعد میں تھوڑی دیر بعد اٹھا بھی لیا ہو گا بغیر دیکھے کہ کھایا ہے کہ نہیں۔ انتظامیہ نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی کہ آپؑ نے کھانا نہیں کھایا اور اپنے کام میں آپؑ مصروف ہیں۔ بہر حال رات گئے آپ علیہ السلام کو جب بھوک کا احساس ہوا تو آپؑ نے کھانے کے بارے میں پوچھا تو سب انتظامیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ سب بڑے پریشان ہوئے کہ کھانا تو جتنے لوگ وہاں آئے ہوئے تھے اور کام والے تھے سب کھا چکے ہیں اور اب تو کچھ بھی نہیں بچا۔ رات دیر ہو گئی تھی۔ بازار بھی بند تھے کہ کسی ہوٹل سے ہی منگوا لیا جاتا وہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

بہر حال کسی طرح حضور علیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ کھانا ختم ہو چکا ہے اور انتظام کرنے والے پریشان ہیں کہ فوری طور پر جلدی جلدی کھانا پکانے کا انتظام ہو۔ **آپ علیہ السلام نے اس پر فرمایا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں** ہے۔ دیکھو! دستر خوان پر کچھ بچے ہوئے روٹی کے ٹکڑے ہوں گے وہی لے آؤ۔ چنانچہ آپؑ نے ان ٹکڑوں میں سے ہی تھوڑا سا کھا لیا اور انتظام کرنے والوں کی تسلی کروائی۔

روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اگر اس وقت کھانا پکانے کا حکم دیتے تو ہمارے لیے

باعثِ عزت ہوتا اور ہم اس بات پر فخر محسوس کرتے کہ خدمت کا موقع ملا ہے اور اس میں برکت تھی لیکن آپؑ نے ہماری تکلیف کا احساس کرتے ہوئے روک دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(ماخوذ از سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از یعقوب علی عرفانی صاحبؓ صفحہ 333۔ ایڈیشن 2016ء)

پس یہ وہ نمونہ ہے جو ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اگر مقررہ وقت پر کھانے کے لیے نہیں پہنچے تو پھر نخرہ بھی کوئی نہیں ہونا چاہیے۔ جو ملے اسے کھالینا چاہیے۔ بعض دفعہ سالن ختم ہو جاتا ہے تو فوری طور پر دال پکالی جاتی ہے کیونکہ وہ آسانی سے اور جلدی پک جاتی ہے تا کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہے تو مہمان کو بھی خوش دلی سے اسے کھالینا چاہیے۔ اسی طرح یہ سبق بھی آپؑ نے دیا کہ روٹی ضائع نہیں کرنی چاہیے۔ آپؑ کو پتہ تھا کہ لوگ روٹی کے ٹکڑے چھوڑ جاتے ہیں اس لیے آپؑ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ میں کھالوں گا۔ پس یہاں بھی میں مہمانوں سے یہ کہوں گا کہ روٹی پکانے والوں کی تو پوری کوشش ہوتی ہے کہ روٹی اچھی پکے لیکن بعض دفعہ شاید کہیں کچی رہ جائے یا جل جائے تو انتہائی صورت میں اسے چھوڑا جا سکتا ہے لیکن عام طور پہ نہیں۔ اگر کوئی تھوڑی بہت کمی بیشی رہ گئی ہو تو پھر روٹی ضائع نہیں کرنی چاہیے۔ روٹی پلانٹ یہاں چلتا ہے، بڑا وقت لگا کے، بڑی محنت سے کارکن کام کر رہے ہیں اور ہر سال بہتری کے لیے کوئی نہ کوئی نئی improvement بھی کرتے ہیں۔ یہ بات مہمانوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ یہ کھانا پکانے والے اور روٹی پکانے والے کوئی اس پیشے سے منسلک لوگ نہیں ہیں بلکہ والنٹیئرز ہیں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے منسلک ہیں اس لیے جس خلوص اور جذبے سے وہ خدمت کر رہے ہیں اس کو ہمیشہ سراہیں۔ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا خوش اخلاقی دکھانا، ایک دوسرے سے مسکرا کر ملنا، دوسرے کے لیے قربانی کا جذبہ رکھنا صرف کارکنوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ مہمانوں کو بھی خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر اخلاق نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ صرف کارکنان کی خوش اخلاقی سے ماحول پُرامن نہیں ہو سکتا بلکہ تمام حاضرین کو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ عورتیں بھی اس بات کا خیال رکھیں اور مرد بھی اس بات کا خیال رکھیں۔ میں نے پچھلی دفعہ حدیث کا حوالہ دیا تھا کہ **مسکرانا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ مسکراتے رہنا بھی صدقہ ہے۔**

(جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی صنائع المعروف حدیث 1956)

پس اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ جلسے کے حوالے سے **حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے** اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی جو **تلقین فرمائی ہے یا مہمانوں کے حوالے سے جو تلقین فرمائی ہے اس کا معیار کیا ہے؟** فرمایا کہ ”میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اس کے لیے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے۔“ جلسے کے ماحول کے لیے یہ بات بھی بڑی ضروری ہے۔

سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے۔ ”اگر میں بھی دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں۔ بلکہ مجھے چاہیے کہ میں اس کی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اس کے لیے رو رو کر دعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیے کہ میں اس سے ٹھٹھا کروں یا چیں بر جبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے اس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔ کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھالینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے۔“ (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395-396)

یہ عمومی ہدایت آپؑ نے اپنے ماننے والوں کو دی۔ پس یہ وہ بنیادی اخلاق ہیں جن کا اظہار ہر وقت بھی اور **خاص طور پر جلسے کے دنوں میں بہت زیادہ ہونا چاہیے**۔ اگر ہم اس پر ان تین دنوں میں عمل کریں گے تو کچھ نہ کچھ عادت ان باتوں پر عمل کرنے کی پڑ جائے گی اور روزانہ زندگی میں بھی ہم یہ کام کر سکیں گے بشرطیکہ یہ ذہن میں ہو کہ میں جلسے میں اپنی روحانی اور اخلاقی اصلاح کے لیے گیا تھا۔ یہ سوچ ہی مستقلاً وہ خوبصورت معاشرہ قائم کرے گی جو دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائے گی کہ میں جلسے پہ کیا سیکھنے گیا تھا۔ اپنے پر اپنے بھائی کو ترجیح دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ بہت مجاہدے کا کام ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس کا تعلق ایمان سے ہے۔ اس کا ایمان ہی درست نہیں جس میں قربانی کا اور دوسرے کا حق ادا کرنے کا یہ مادہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے انعاموں کا مستحق معمولی باتوں پر نہیں بنا دیتا بلکہ اسے ہی بے انتہا نوازتا ہے جو مجاہدے میں بڑھا ہوا ہو۔ حقوق العباد کا ادا کرنا بہت مشکل کام ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

حقوق اللہ تو بعض دفعہ ادا ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد کی ادائیگی بہت مشکل کام ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 8 صفحہ 19)

پس ہر ایک کو اس سوچ کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ ہم نے اپنے پر اپنے بھائی کو ترجیح دینی ہے۔ اگر یہ سوچ ہم میں سے ہر ایک میں پیدا ہو جائے اور اس سوچ کے ساتھ پیدا ہو جائے کہ میں نے دوسرے کا حق بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا ہے تو ایسا معاشرہ پھر پیار اور محبت کا معاشرہ بن جاتا ہے۔ صرف جلسے کے تین دن ہی اس پیار و محبت کے اظہار کے لیے نہیں ہوتے بلکہ پوری زندگی پیار و محبت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ کیسی کیسی خوبصورت نصائح آپؑ نے اس پاک معاشرے کے قیام کے لیے فرمائی ہیں۔ فرمایا کہ کوئی سخت الفاظ میں بولے اور میرا رویہ بھی ویسا ہی ہو تو مجھ پر افسوس ہے۔ چاہیے تو یہ کہ بجائے اس کے کہ مَیں اس سے سختی سے پیش آؤں میں اس کے لیے دعا کروں۔ یہ وہ معاشرہ ہے جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ وہ معاشرہ ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مریدوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کتنی خوبصورت بات آپؑ نے بیان فرمائی کہ جس میں بعض برائیاں ہیں تو وہ روحانی طور پر بیمار ہے میرا فرض ہے کہ اس کا علاج کروں یا کرواؤں۔ اب یہ بات صرف دوسرے کی اصلاح کے لیے نہیں ہے بلکہ اپنی اصلاح کے لیے بھی ہے بلکہ دوسرے سے بڑھ کر اپنی اصلاح کے لیے ہے کہ دوسرے کی

روحانی بیماری کا علاج اسی وقت ہو سکتا ہے جب خود انسان اس بیماری سے پاک ہو۔ پس ان بیماریوں سے بچنے کے لیے دوسروں کے عیب نکالنے سے بچنا ہو گا۔ اپنے دل کو دوسروں کے لیے نرم کرنا ہو گا۔ ہر قسم کا تکبر اپنے اندر سے نکالنا ہو گا۔ پس اس پر میزبانوں کو بھی غور کرنا چاہیے اور شاملین جلسہ کو بھی بہت غور کرنا چاہیے۔ اگر ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور سلامتی اور ہمدردی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ تین دن اس مقصد کو حاصل کرنے والے بن جائیں گے جس کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ بعض دفعہ معمولی باتوں پر بھی رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسا ماحول بن جاتا ہے کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں بلکہ ہاتھا پائی تک نوبت آجاتی ہے۔ اگر یہ ماحول پیدا کرنا ہے اور جذبات پر کنٹرول نہیں رکھنا تو بہتر ہے کہ وہ انسان جلسہ پر نہ آئے اور اسی طرح ڈیوٹی والے اگر کنٹرول نہیں کر سکتے تو وہ ڈیوٹی نہ دیں۔

ٹریفک کے معاملے میں خاص طور پر شکایات آتی ہیں۔ پارکنگ کی محدود جگہیں ہیں۔ کاروں کی تعداد کے لحاظ سے پارکنگ دی جاتی ہے اس دفعہ شاید زیادہ کاریں ہوں، تنگی بھی ہو۔ جب دوسری جگہ بھیجا جائے تو تعاون کرتے ہوئے ہر مہمان کو چلے جانا چاہیے۔ عموماً تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے لوگ تعاون کرتے ہیں ایسی تربیت ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے افراد کی لیکن بعض ایسی عنصیلی طبیعت کے ہوتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ دوسری جگہ جانے سے ہمارا پروگرام ضائع ہو جائے گا ہمیں کیونکہ جلسہ گاہ میں پہنچنے میں دیر ہو جائے گی تو ایسے لوگوں کو بہر حال خیال رکھنا چاہیے اور انتظامیہ کی مجبوریوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔ اگر جلسے کی اتنی ہی پابندی ہے تو پھر وقت سے پہلے آیا کریں اور ڈیوٹی والے جو ہیں وہ بھی ایسے لوگوں سے الجھنے کی بجائے پیار سے انہیں سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ آپس کے سخت رویّوں کی ایک مثال بھی ہمارے سامنے نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ مہمانوں کو بھی توفیق دے کہ وہ کسی بھی شعبے کے کارکن کو کسی بھی قسم کے ابتلا میں نہ ڈالیں اور کارکنان کے حوصلے کو بھی اللہ تعالیٰ بڑھائے۔

اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ تین دن صرف ہمارے ترانے پڑھنے اور نظمیں پڑھنے کے اور پیار و محبت کے گُن گانے کے **دن نہ ہوں بلکہ ان تین دنوں کی تربیت سے وہ جاگ لگے جو معاشرے میں پیار و محبت کی ایک ایسی فضا قائم** کرنے والی ہو جو حقیقی اور اسلامی معاشرے کا طرّۂ امتیاز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار مختلف مواقع پر ہمیں ایسی پاکیزہ سوچیں رکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں صرف نیکی اور پاکیزگی ہو۔ ایک موقعے پر مہمانوں کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اور پاکیزہ سوچ رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"نیکی کو محض اس لئے کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو اور اس کی رضا حاصل ہو اور اس کے حکم کی تعمیل ہو۔ قطع نظر اس کے کہ اس پر ثواب ہو یا نہ ہو۔ ایمان تب ہی کامل ہوتا ہے جبکہ یہ وسوسہ اور وہم درمیان سے اٹھ جاوے۔" یعنی صرف یہ خیال نہ رہے کہ میں نے جو کام کرنا ہے صرف ثواب کے لئے کرنا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرنا ہے۔ فرمایا "اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (التوبۃ:120)" اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ "مگر نیکی کرنے والے کو اجر مد نظر نہیں رکھنا چاہیے۔ دیکھو اگر کوئی مہمان یہاں محض اس لئے آتا ہے کہ وہاں آرام ملے گا ٹھنڈے شربت

ملیں گے یا تکلف کے کھانے ملیں گے تو وہ گویا ان اشیاء کے لئے آتا ہے۔ حالانکہ خود میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی المقدور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ کرے اور اس کو آرام پہنچاوے اور وہ پہنچاتا ہے۔ لیکن مہمان کا خود ایسا خیال کرنا اس کے لئے نقصان کا موجب ہے۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 371-372)

پس یہ وہ سوچ ہے جس کو ہر مہمان کو سامنے رکھنا چاہیے۔ بعض مہمان جن کے عزیز یہاں نہیں ہیں جماعتی نظام کے تحت ٹھہرتے ہیں لیکن بعض دفعہ رہائش کے لیے ایسے مطالبات ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اور سہولتیں مہیا نہیں ہو سکتیں کیونکہ جلسے کے وسیع انتظام میں یہ سب سہولتیں مہیا کرنا ممکن نہیں۔ عموماً لوگ سمجھ بھی جاتے ہیں۔ ابھی دو دن پہلے کی بات ہے مجھے ایک خاندان ملا جن کو باوجود اس کے کہ انہوں نے کافی عرصہ پہلے انتظامیہ کو اطلاع دی ہوئی تھی لیکن کسی غلط فہمی کی وجہ سے رہائش کا وہ انتظام نہیں ہو سکا جو وہ چاہتے تھے تو انہوں نے اپنا انتظام کسی عزیز کے ہاں کر لیا۔ گو عزیز کا گھر بھی بہت چھوٹا ہے نیچے میٹرسز (mattresses) بچھا کے یا بستر بچھا کے سو جائیں گے اور میزبان اور مہمان دونوں کو دقّت کا سامنا بھی کرنا پڑا ہو گا لیکن اس پر وہ خوش ہیں کہ جلسہ تو سن لیں گے اور یہ باتیں انہوں نے بڑے ہنستے ہوئے میرے پوچھنے پر مجھے بتائیں۔ کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اکثر ایسے ہی مہمان ہوتے ہیں لیکن بعض جب مجھے ملتے ہیں تو ان کے مزاج کو جانتے ہوئے مجھے لگتا ہے کہ وہ جماعتی رہائشی انتظام کے تحت نہیں رہ سکتے لیکن خوشی سے وہ رہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میری سوچ ان کے الٹ ہوتی ہے اور خیال یہی ہوتا ہے کہ شاید نہ رہ سکیں لیکن وہ خوشی سے رہتے ہیں اور اکثریت ایسوں کی ہے لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت زیادہ شکوہ بھی ہوتا ہے۔

اگر خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ دن گزار لیں تو اللہ تعالیٰ اَور رنگ میں نواز دیتا ہے۔ اب یہاں بھی جو ان کی رہائش گاہیں تھیں، ٹینٹ تھے یا اجتماعی قیام گاہیں تھیں میرا خیال ہے زیادہ لوگوں کی وجہ سے پوری ہو گئی ہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ایسا انتظام کرنا پڑے جہاں دقت ہو تو اس انتظام کو بھی مہمانوں کو خوشی سے برداشت کر لینا چاہیے۔ بہرحال میزبان کا یہ فرض ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ حتی المقدور مہمان کو آرام پہنچائے اور مہمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ معمولی تکلیفوں کو برداشت کرنے کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ اس کو بھی ان کو سامنے رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معاشرے میں امن اور سلامتی سے رہنے، امن اور سلامتی کی فضا پیدا کرنے اور امن اور سلامتی پھیلانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نصیحت فرمائی۔ ایک دفعہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا اسلام سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ضرورت مندوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر اس شخص جسے تم جانتے ہو یا نہیں جانتے سلام کہو۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب اطعام الطعام من الاسلام حدیث 12)

معاشرے میں محبت اور بھائی چارہ پیدا کرنے اور امن و سلامتی قائم کرنے کے لیے یہ وہ خوبصورت اصول ہے جسے اگر اپنا لیا جائے تو ایک امن اور سلامتی پھیلانے والا معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بہت سے فساد

اس لیے ہیں کہ غریب غریب تر ہو رہا ہے۔ آج بھی کروڑوں لوگ ہیں جن کو دو وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی۔ اگر روٹی کھائیں تو رہائش نہیں۔ یہ جو امیر ملک کہلاتے ہیں ان میں بھی ایسی باتیں ہیں یہاں اس ملک میں بھی، یوکے میں بھی جسے امیر ملک کہا جاتا ہے گو اَب ان کی امارت کی وہ حالت نہیں رہی لیکن بہت سوں سے بہتر ہیں۔ ہزاروں لوگ اور بچے سڑکوں پر پڑے ہیں کہ مہنگائی کی وجہ سے روٹی بھی صحیح طرح میسر نہیں اور رہائش بھی میسر نہیں۔ تو اسلام **کی یہ بنیادی تعلیم ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ**۔ کاش کہ مسلمان اس اصول کو سمجھیں اور ان کے حکمران اپنی رعایا کے حق ادا کرنے والے بنیں اور صرف اپنے خزانے نہ بھرتے رہیں بلکہ غریبوں اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کر کے معاشرے سے بے چینی اور ظلم کو دور کریں۔ آجکل یہ بے چینی بھی اسی وجہ سے بہت ساری پھیلی ہوئی ہے۔ **پھر فرمایا کہ سلام کہو۔**

بہرحال یہ تو ضمناً میں نے بات کی ہے۔ اپنے معاشرے میں رواج دینے کے لیے آپؐ نے سلام کی تلقین فرمائی۔ سلام کہنا صرف منہ سے بول دینا ہی نہیں بلکہ جب انسان دل سے سلام کہتا ہے تو پھر سلامتی پہنچانے، پھیلانے کی سوچ بھی رکھتا ہے۔ ایک دوسرے کے لیے نیک جذبات بھی رکھتا ہے۔ اس کی تکلیفوں کو دُور کرنے کی کوشش اور دعا بھی کرتا ہے۔

پس ان دنوں میں ہر احمدی کو یہاں سلامتی کا پیغام پھیلانے، السلام علیکم کو رواج دینے اور اپنے اندر ایک دوسرے کے لیے نیک جذبات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لوگ ان لوگوں سے تو خوش دلی سے مل لیتے ہیں اور بڑے تپاک سے انہیں سلام بھی کر لیتے ہیں جن سے انہیں فائدہ پہنچ رہا ہو یا ان کو بھی خوشی سے مل لیتے ہیں جن سے عام تعلقات ہوں لیکن حقیقی امن اور سلامتی اُس وقت قائم ہوتی ہے جب وہ لوگ جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے رنجشیں ہیں وہ دُور ہوں اور دل سے ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا نکلے۔ پس اس جلسے میں ایسے لوگوں کو بھی رنجشیں دور کر کے سلامتی کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے اور عمومی رنگ میں اس سارے ماحول میں سلامتی کا پیغام پہنچاتے ہی رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس پہ عمل کرنے کی بھی ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے اور یہ سب جلسے کا ماحول مکمل طور پر امن اور سلامتی کا ماحول بن جائے بلکہ اعلیٰ اخلاق اور حقوق العباد کی ادائیگی ہماری زندگیوں کا مستقل حصہ بن جائیں۔ جلسے کے انتظامات کے لحاظ سے بعض عمومی باتوں کی طرف بھی توجہ دلانی چاہتا ہوں جن کا ہر ایک کو خیال رکھنا چاہیے۔ پہلی بات تو یہ کہ کوشش کرنی چاہیے کہ **جلسے کی کارروائی خاموشی اور توجہ** سے سنیں اور یہ **نہیں کہ بعض تقریریں سنیں اور بعض نہ سنیں**۔ اس کے بارے میں پہلے بھی مَیں کہہ چکا ہوں کہ جلسے میں آ کے بیٹھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو سختی سے ناپسند فرمایا کہ بعض مقررین کی تقریریں سن لی جاتی ہیں اور ان کی شعلہ بیانیوں کو پسند کیا جاتا ہے اور بعض کو نہیں سنا جاتا۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 1 صفحہ 398 تا 401)

مقررین بڑی محنت سے تقاریر تیار کر رہے ہوتے ہیں۔ تمام شاملین کو جلسے کی تمام کارروائی میں شامل ہو کر

روحانی اور علمی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر جلسے کے دنوں میں ذکرِ الٰہی اور درود شریف پڑھنے کی طرف بھی خاص توجہ دیں۔ آجکل تو ویسے بھی محرم کے دن ہیں اور آج دس محرم بھی ہے، ان دنوں میں خاص طور پر درود شریف پڑھنا چاہیے اور اس سوچ کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو بلند کرتا چلا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بقا اور عظمت عطا فرمائے۔ آپؐ کی امت کے حق میں آپؐ کی دعاؤں سے ہم فیض پانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس امت کو ہر قسم کے بگاڑ سے پاک کر دے۔

آج مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے نام پر کیا کچھ نہیں کر رہے۔ اسلام کو بدنام کیا ہوا ہے انہوں نے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عقل دے اور زمانے کے امامؑ کو ماننے والے بھی ہوں۔ جمعے کے دن دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس بات کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا نام لے کر ہی ان نام نہاد مسلمانوں نے آج کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اور جسمانی آل پر ظلم کیا تھا۔ اب یہی ظلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی آل اور مسیح موعود علیہ السلام اور ان کی جماعت پر یہ لوگ کر رہے ہیں۔

پاکستان میں آجکل بہت تکلیف دہ حالات ہیں۔ ہر طرف سے مخالفین جماعت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حُبِّ رسولؐ میں یہ کر رہے ہیں اور احمدی نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں جبکہ ہمارے ایمان کی تو بنیاد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانا ہے۔ اصل میں تو ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے آنے والے مسیح موعود اور مہدی معہود کو ماننا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق رسول کس معیار پر تھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس طرح نوازا۔ اس بارے میں آپؑ فرماتے ہیں:

"**ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں وہ بجز وسیلہ نبی کریم کے مل نہیں سکتیں جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے: وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المائدۃ:36) تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے" پانی لے کے آنے والے "اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں۔" پانی نہیں بلکہ نور کی مشکیں لیے ہوئے ہیں "اور کہتے ہیں هٰذَا بِمَا صَلَّيْتَ عَلٰى مُحَمَّدٍ"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 131 حاشیہ)

یعنی یہ سب انعام نور کا اس لیے ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے ہو۔ تو یہ آپؑ کے عشق کی حالت تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو نوازا بھی۔ پس آپؑ نے بیشمار جگہ اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ میں نے جو کچھ پایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اور آپؐ پر درود بھیجنے سے اور آپؐ کے عشق میں فنا ہونے سے پایا۔ پس مجھے تم کس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا سمجھتے ہو۔ بہر حال ان دنوں

میں ذکر الٰہی کے ساتھ خاص طور پر درود کی طرف بھی بہت توجہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ جلد تر ان برکات کو تمام دنیا میں پھیلا دے جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ جلسہ گاہ میں خاص طور پر خواتین اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ کچھ سمجھ بوجھ رکھنے والے بچوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ انہوں نے جلسے کی کارروائی کے دوران خاموشی سے بیٹھنا ہے۔ بچپن کی تربیت ہی ذہنوں میں راسخ ہوتی ہے۔ جو عورتیں بچوں کی مارکی میں بیٹھتی ہیں وہ بھی کوشش کریں کہ کم بولیں اور کارروائی سننے کی طرف توجہ دیں۔ یہ بھی شکایت آتی ہے کہ بچے کم شور مچاتے ہیں۔ عورتیں آپس میں ان کے بہانے زیادہ باتیں کر رہی ہوتی ہیں تو اس طرف توجہ رکھنی چاہیے۔

اسی طرح سیکیورٹی کے لحاظ سے بھی مردانہ اور زنانہ جلسہ گاہ میں ہر شامل ہونے والے کو اپنے ماحول پر نظر رکھنی چاہیے۔ یہ بہت بڑا سیکیورٹی کا ذریعہ ہے۔ اور اسی طرح جو ہدایات آپ کے پروگرام میں لکھی گئی ہیں انہیں بھی غور سے پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جلسے سے احسن رنگ میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر شر سے بچائے اور اپنی رحمتوں اور فضلوں کی بارش ہم پر نازل فرماتا رہے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 18 / اگست 2023ء جلد 30 شمارہ 149 صفحہ 02 تا 06)

31

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 04/ اگست 2023ء بمطابق 04/ ظہور 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے گذشتہ جمعے سے اتوار تک جماعت احمدیہ یوکے کا جلسہ سالانہ کامیابی سے منعقد ہوا، اختتام پہ پہنچا اور باوجود موسم کی وقتاً فوقتاً خرابی کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عمومی طور پر ہر لحاظ سے ہر انتظام عموماً بغیر کسی بڑی پریشانی کے چلتا رہا اور پھر اس سال حاضری بھی گذشتہ سال کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ اس پر ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمارے جلسے کو برکتوں سے بے انتہا بھرا اور اسے ہر ایک نے محسوس کیا چاہے وہ احمدی مہمان تھے یا غیر از جماعت مہمان تھے جو مختلف ممالک سے آئے ہوئے تھے۔ ہم تو کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے ہی ہمارے کام ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش جماعت پر اس طرح ہوتی ہے جس کا شمار ہی ممکن نہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی اس بات کا ہمیشہ اور ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (النحل:19) کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو اسے احاطے میں نہ لا سکو گے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ تو ہماری کمزوریوں سے صرفِ نظر فرماتے ہوئے اتنا زیادہ اور ایسے ایسے ذرائع اور طریقے سے ہمیں نوازتا ہے کہ ہم کبھی بھی اس کی شکر گزاری کا حق ادا نہیں کر سکتے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی ہے کہ **تم اس کا شکر ادا کرتے چلے جاؤ** اور جب تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے چلے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اَور بھی نوازتا چلا جائے گا۔ پس شکر گزاری ہمارا کام ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے آگے جھکتے چلے جانا ہمارا کام ہے اور جب تک ہم اپنا یہ فرض ادا کرتے چلے جائیں گے، ہر کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سمجھتے ہوئے کام کرتے رہیں گے ہمارے قدم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بڑھتے رہیں گے۔

پس اس جلسے کی کامیابی کی سب سے پہلی شکر گزاری تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے اور جو انتظامی لحاظ سے کمزوریاں رہ گئی ہیں اس کے لیے بھی اس سے بخشش طلب کرنی چاہیے۔ اسی طرح شاملین کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں موقع دیا اور ہم جلسے میں شامل ہو کر اپنی روحانی اور علمی پیاس بجھاتے رہے۔ عمومی طور پر سب کام آسان ہوئے باوجود اس خوف کے کہ کووڈ کی بیماری ابھی پورے طور پر ختم نہیں ہوئی، عمومی طور پر اتنے بڑے مجمع کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حفاظت میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ بعد میں بھی سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ بعض

لوگوں کو جلسہ کے بعد فوری طور پہ بھی نہیں بلکہ جلسے کے دو تین دن گزرنے کے بعد اس بیماری کا حملہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و سلامتی سے نوازے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو میرے علم میں آئے ہیں اور اب جو اس وبا سے بیمار ہو رہے ہیں وہ میرے خیال میں تو جلسے کا اثر نہیں ہے بلکہ عمومی طور پر حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ بعض جگہ کیسز بڑھ رہے ہیں لیکن اب یہ اسی طرح ہے جس طرح دوسری بیماریاں بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر مریض کو شفا عطا فرمائے۔

اب میں کارکنوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس دفعہ عموماً سب نے بہت اعلیٰ رنگ میں اپنے فرائض ادا کیے اور غیر معمولی طور پر مسکراتے ہوئے جیسا کہ مَیں نے شروع میں ان کو کہا تھا تلقین کی تھی اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزا دے۔ ہر شعبے کے کارکن کی اپنے شعبے کے کام کو سرانجام دینے میں اس دفعہ خاص طور پر مہارت نظر آ رہی تھی، لجنہ کی طرف بھی، مردوں کی طرف بھی۔ ہر سال لجنہ کی طرف سے کھانا کھلانے اور کھانے کی دستیابی کے بارے میں شکایات ہوتی تھیں لیکن اس دفعہ یہ شکایت نہ ہونے کے برابر ہے اور جو کھانے کی مار کی اور دوسرے ضروری انتظامات کے لیے اس دفعہ جگہ بدل کر ایک حصے میں ہی لجنہ کو تمام سہولیات مہیا کی گئی تھیں اس کو بھی عمومی طور پر خواتین نے پسند کیا ہے۔ اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو وہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ دُور کرنے کی کوشش ہو گی۔ اسی طرح ٹریفک کا شعبہ ہے۔ کھانا پکانے کا شعبہ ہے۔ روٹی پلانٹ ہے۔ سیکیورٹی ہے۔ صفائی کا کام ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر ایم ٹی اے کہ اس نے اس دفعہ دنیا میں نئے انداز میں جلسے کو دنیا سے جوڑا ہے۔

بہر حال تمام شعبوں میں جن کے میں نے نام لیے یا نہیں لیے مردوں اور عورتوں نے بہت محنت سے اپنے فرائض سرانجام دیے۔ پس ان سب کا میں شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔ آئے ہوئے غیر مہمانوں نے بھی سب کارکنوں کی محنت اور خوش اخلاقی کو دیکھ کر غیر معمولی حیرت کا اظہار کیا اور یہ ایک خاموش اور عملی نمونہ ایسا تھا جو تبلیغ کا ذریعہ بنتا ہے جو ہمارے کارکنوں نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزا دے۔ شعبہ جلسہ سالانہ کو صرف میں ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ پانی جلسہ ختم ہوتے ہی فوراً بند کر دیتے ہیں اور غسل خانوں میں پانی مہیا نہیں ہوتا وہ کم از کم ان کو بارہ گھنٹے تک جاری رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر انتظام بہتر تھے۔ غیر جو باہر سے مختلف ممالک سے آئے ہوئے تھے ان میں غیر مسلم بھی تھے ان کے احساسات کیا تھے۔ جلسے کے **انتظام اور جلسے کو دیکھ کر کس طرح وہ متاثر ہوئے۔ اس کے چند تبصرے پیش کر دیتا ہوں، سارے تو ممکن نہیں۔**

پروفیسر ڈاکٹر جیالو ژاں (Djialo Jean) برکینا فاسو کے بہت معروف آئی سپیشلسٹ ہیں، میڈیکل یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور آرمی میں حاضر سروس کرنل ہیں۔ ہمارے آئی انسٹیٹیوٹ میں بھی آتے رہتے ہیں۔ انہوں نے پہلی بار شرکت کی توفیق پائی۔ کہتے ہیں میں نے پہلی دفعہ جلسے میں شرکت کی۔ سب سے پہلے جس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا ہے ہزاروں افراد ایک مشترکہ مقصد کے لیے ایک مقام پر جمع ہیں، ایک مذہبی لیڈر کے گرد جمع ہیں۔ سب کے سب متحد ہیں، سب کا مطمح نظر ایک ہے۔ پھر غیر معمولی انتظامات کر لینا اور مختلف النوع لوگوں کا ایک مقام پر اکٹھے ہونا حیران کن ہے۔ میں نے ان لوگوں میں گھل مل کر دیکھا پتہ کرنے کے لیے کہ واقعی حقیقت بھی

ہے کہ صرف بناوٹ ہے لیکن مجھے کسی ایک فرد کے چہرے پر بھی بیزاری نظر نہیں آئی۔ مختلف علاقوں، قوموں اور ملکوں کے متفرق شعبوں سے منسلک الگ الگ معاشرتی طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ایک مقصد کے لیے ایک مقام پر ایک ہاتھ پر اکٹھے ہو جانا غیر معمولی واقعہ ہے۔ پس احمدی شاملین جلسہ اس طرح غیروں میں عملی تبلیغ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں تقاریر کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ یہ تقاریر ہمیں تعلیم دینے، ایک مقصد اور ایک سمت مہیا کرنے میں بہت مدد دینے والی تھیں۔ خلیفۂ وقت کی تقاریر بھی میں نے سنیں۔ قرآنی آیات کی روشنی میں آپ نے تعلیمات بیان کیں اور کہتے ہیں مجھے احساس ہے کس قدر اب دنیا کو ضرورت ہے خدا تعالیٰ کے پیغام کو سمجھنے کی اور اس پیغام کو سمجھنے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو مدد بھی کرے۔

اس لیے **جماعت احمدیہ میں جو خلافت کا نظام ہے وہ ایک** ایسا نظام ہے جس سے دنیا سبق حاصل کر سکتی ہے۔ کہتے ہیں ایک اور بات جو میں نے دیکھی وہ احمدیوں کا خدا تعالیٰ اور اپنے امام کے ساتھ غیر معمولی وفا کا تعلق ہے۔ سب اکٹھے ہیں، سب ایک دوسرے کے ساتھ ایک وجود کی طرح ہیں اور اپنے امام پر زیادہ اعتماد کرنے والے ہیں کہ وہ ہم کو راہِ راست دکھانے والا ہے۔ کہتے ہیں اب یہ جلسہ دیکھ کے میرا تو ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو ہر سال جلسے میں شامل ہوں گا کیونکہ یہاں تین دنوں میں خدا تعالیٰ سے تعلق اور انسانیت کے متعلق باتیں ہوتی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ میں بھی یہ باتیں سیکھوں۔

پھر امریکہ سے ایک معروف سینئر لاء پروفیسر ہیں ڈاکٹر بریٹ شارفس (Brett Scharffs) انہوں نے جلسے میں شرکت کی۔ کہتے ہیں یہاں آکر اتنا بڑا مجمع دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اور لوگوں کے درمیان تعاون کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دنیا بھر میں بہت سی ایسی تقریبات کا خود بھی انتظام بھی کیا ہے جہاں رجسٹریشن کی کارروائی بھی ہوتی ہے لیکن جلسہ سالانہ پر جس منظم طریق پر رجسٹریشن کے معاملات کو چند منٹ میں **طے کیا جارہا تھا ایک حیران کن منظر تھا۔** میں ابھی یہاں آکر دفتر میں بیٹھا ہی تھا کہ چند منٹ لگے اور ہر چیز تیار ہو کر مجھے دے دی گئی۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ آنے والوں، مہمانوں کی رجسٹریشن اور دیگر ضروری کارروائی پہلے سے ہو جاتی ہے تاکہ مہمان کو کم از کم انتظار کرنا پڑے۔ رجسٹریشن کے کارکنان نے بھی ماشاء اللہ خوب حق ادا کیا۔ کہتے ہیں مہمان نوازی بہت اچھی تھی۔ اتنی ٹریفک ہونے کے باوجود والنٹیئرز جس طرح یک جہتی سے تعاون کرتے ہوئے کام کر رہے تھے ناقابل فراموش تجربہ ہے۔ غرض کہ جہاں جہاں بھی جس کارکن سے بھی واسطہ پڑا ہر ایک کی انہوں نے تعریف کی ہے۔

بیلیز (Belize) کے ایک شہر کے میئر آئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے **اپنی زندگی میں کبھی اتنے پُرامن لوگ نہیں دیکھے جو اتنے پیار کرنے والے** اور پُرامن ہوں۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ کچھ لوگ اسلام کو دہشت گردی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ میں نے جو روحانی ماحول یہاں دیکھا ہے اور لوگوں کا آپس میں معیار اور محبت اور حسن سلوک وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ کہتے ہیں میں تو خواہش رکھتا ہوں اگلے سال پھر جلسے پہ آؤں اور ایک میئر کی حیثیت سے نہ آؤں بلکہ ایک والنٹیئر کی حیثیت سے آؤں، اتنا مجھے انسپائر (inspire) کیا ہے والنٹیئرز نے، کام

کرنے والوں نے۔ اور کہتے ہیں میں بھی ایسی شاندار جلسے کی انتظامیہ کا حصہ بننا چاہتا ہوں۔ ایسا عظیم جلسہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر کہتے ہیں یقیناً اس دنیا کا مستقبل احمدیت ہے۔ پس یہ حقیقی اسلام ہے جو جماعت پیش کرتی ہے جس سے غیر متاثر ہوتے ہیں۔

گھانا کے ایک دوست ہیں مائیکل وِلسن۔ ایک ادارہ ہے کونسل برائے سائنسی و صنعتی تحقیق جو کہ ماحولیاتی سائنس اور ٹیکنالوجی کی وزارت کے تحت ہے اس کے چیف ٹیکنالوجسٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ان کو مختلف ممالک میں کانفرنسز میں شامل ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ جلسے میں شامل ہوئے۔ جلسے سے قبل بات چیت کے دوران انہوں نے انتظامات کو دیکھ کر کہا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، اب تک جو میں نے دیکھا ہے یہ **اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کبھی ممکن نہیں ہو سکتا**۔ جمعہ کے روز جلسہ گاہ پہنچے تو بار بار یہ کہتے رہے کہ یہاں پر تمام رضاکاران کی commitment نے مجھے حیران کر کے رکھ دیا ہے۔ واقعی یہ خدائی جماعت ہے اور یہ تمام کام بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہاں پر بہت ہی ڈسپلن اور پیارا ماحول ہے۔ سب رضاکار پڑھے لکھے ہیں۔ بعض ان میں سے کنسلٹنٹ بھی ہیں لیکن جلسے پر کارپنٹری اور صفائی کا کام کر رہے تھے۔ اگر ان رضاکاروں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو کبھی ایسا معیاری کام نہ ہو سکے۔ پس خوش قسمت ہیں وہ سب کارکنان جو اس طرح خاموش تبلیغ کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر عالمی بیعت سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہتے ہیں میں جلسے سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ احمدیت کیا ہے لیکن اب میں جان گیا ہوں اور مجھے لگتا ہے **کہ اب میں ہر سال آؤں گا**۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ گھانا جماعت کو توجہ دلانی چاہیے کہ گھانا میں جماعت کو مزید تعارف کروانا چاہیے، ابھی بھی بہت کمی ہے۔

پھر ہیٹی (Haiti) سے مسٹر یوایل ٹیورین (Joel Turenne) جو وزارت مذہبی امور ہیٹی کے نمائندے تھے جلسہ سالانہ یوکے میں شامل ہوئے۔ کہتے ہیں میں پہلی دفعہ جلسے میں شریک ہوا۔ میرے لیے یہ تجربہ بہت ہی متاثر کن اور پُر مسرت رہا۔ انتظامات بہت ہی اچھے ہیں۔ باوجود چالیس ہزار سے زائد افراد کے اجتماع کے کسی **بھی قسم کی بد نظمی نظر نہیں آئی**۔ ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ مل رہا تھا۔ ہر ایک اس کوشش میں نظر آ رہا تھا کہ مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے بلکہ ہر شخص ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھ رہا تھا۔ یہ بات میں نے اَور کسی مذہب یا دنیوی اجتماع میں نہیں دیکھی اور یہی جلسے کا ایک مقصد ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔

(ماخوذ از شہادۃ القرآن۔ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395)

کہتے ہیں کہ باوجود مختلف کلچر، رنگ و نسل کے ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل رہا تھا جیسے ایک ہی خاندان کے افراد ہوں۔ ایک ہی قسم کا کھانا روزانہ مختلف اقوام کے لوگ ایسے کھا رہے تھے جیسے یہ کھانا ان سب کا مرغوب کھانا ہے۔ کہتے ہیں (تجسس تھا ان کو) کہ میں نے افریقہ سے آئے ہوئے ایک مہمان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں کوئی اعتراض یا تحفظات تم لوگوں کے نہیں ہیں تو اس افریقن نے بتایا کہ یہاں جلسے میں ہم صرف اللہ کی رضا کی خاطر اور خلیفہ وقت کو دیکھنے، سننے اور ملاقات کے لیے آتے ہیں اس لیے باقی سب

دنیاوی چیزیں ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کہتے ہیں اس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا۔ پھر جماعت کی انہوں نے تعریف کی ہے کہ جماعت باوجود مخالفت کے دنیا میں امن پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ احمدیوں کے درمیان کسی بھی قسم کا امتیازی سلوک نہیں ہے۔ سب برابر تھے میں نے پہلی دفعہ یہ دیکھا۔ تمام طبقات عمر کے افراد رضاکارانہ طور پر مختلف خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ٹریفک کنٹرول ہے۔ پارکنگ ہے۔ کیٹرنگ ہے۔ واٹر سپلائی ہے۔ نظم وضبط ہے۔ ہر ایک اپنے خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ کہتے ہیں میں نے تو احمدیوں میں بیشمار خوبیاں دیکھی ہیں جو آج تک مجھے کہیں اَور نظر نہیں آئیں۔ کہتے ہیں میں نے بہت سے مذہبی سکالرز کی تقاریر سنی ہیں اور دیکھا ہے اور ہر کوئی اپنے ہی بارے میں کہتا ہے کہ میری بات سنو لیکن خلیفۃ المسیح نے تو اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں سنائیں اور کہا ان کو سنو اور ان کی پیروی کرو۔

کہتے ہیں **یہ بات میرے لیے بڑی حیران کن تھی۔** تینوں دن یہ جلسہ گاہ میں بیٹھ کے تقاریر سنتے رہے بلکہ بہت سارے احمدیوں سے زیادہ توجہ سے سنیں اور توجہ اس لیے کہ مختلف تقریروں کے نوٹس لیتے رہے ہیں۔ اپنی ڈائری بنائی تھی، پورے نوٹس لیتے رہے اس پہ اور جہاں کوئی بات سمجھ نہیں آتی تھی وہ ساتھ والے سے پوچھتے رہتے تھے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ کہتے ہیں کہ بے شک میں احمدی نہیں ہوں لیکن اس جلسے میں شرکت کے بعد اب میں جماعت احمدیہ کا بھی وکیل ہوں اور میں جہاں بھی مسلمانوں کا ذکر ہو گا بتاؤں گا کہ اصل اور باعمل مسلمان احمدی ہی ہیں اور میں آپ کا دفاع کروں گا۔

اسی طرح لقمان حکیم سیف الدین صاحب ہیں سابق وزیر مذہب انڈونیشیا کے۔ کہتے ہیں جلسے میں شامل ہو کر بہت فخر محسوس ہوا اور آپ کا نعرہ 'محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں' جو ہے اس کو میں نے لندن ایئرپورٹ سے دیکھنا شروع کیا اور جلسہ گاہ تک اور جلسے کے دنوں میں یہی کچھ دیکھتا رہا۔ ہر جگہ اعلیٰ مہمان نوازی کا مظاہرہ دیکھا۔ بھائی چارے کا بہت مضبوط رشتہ دیکھا۔ ہر طرف ایک دوسرے سے ملنے، مسکراہٹیں **بکھیرنے، مبارکبادیں دینے دعائیں بانٹنے کا نظارہ میں دیکھتا رہا۔**

گیمبیا سے جلسے میں شامل ہوئے وہاں کے منسٹر آف انفارمیشن لامین ایس آئی جامے صاحب کہتے ہیں میں جلسہ سالانہ 2023ء کے تمام انتظامات سے بہت متاثر ہوا۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن وہ رضاکار تھے جو بے لوث ہو کر اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دے رہے تھے اور نظم وضبط کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ اتنا بڑا اجتماع اور کوئی ایک بھی واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا جہاں دھکم پیل ہو رہی ہو یا کوئی لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو اور سارے انتظامات احسن طریقے سے کیے گئے۔ ان میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا تھا۔ کہتے ہیں ایک اَور بات جو **میں نے مشاہدہ کی وہ احباب جماعت کا اپنے امام سے محبت کا تعلق ہے** جس کی اَور کہیں نظیر نہیں ملتی۔ کہتے ہیں میں اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج روئے زمین پر حقیقی بھائی چارے کی جیتی جاگتی تصویر جماعت احمدیہ میں نظر آتی ہے جہاں سب مسکراتے چہرے کے ساتھ بغیر رنگ و نسل کی تمیز کے ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مل رہے ہیں جیسے صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ پھر جماعت احمدیہ کی گیمبیا میں جو خدمات ہیں ان کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ ہم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پھر گیمبیا سے ایبریما جی سنکارے (Ebrima G. Sankarreh) حکومت کے ترجمان ہیں۔ صدر مملکت کے مشیر برائے ڈایاسپرا (diaspora) ہیں۔ کہتے ہیں جلسہ کا جو سارا انتظام تھا اس کی کامیابی کی منہ بولتی تصویر تھا۔ **تمام شاملین کا نظم وضبط، باہمی اخوت اور محبت کا جذبہ قابل دید تھا۔** تمام خطابات اور تقاریر معرفت سے پُر تھے۔ مقررین نے باہمی محبت اور پر امن معاشرہ قائم کرنے کی تلقین کی۔ اور پھر کہتے ہیں خلیفہ وقت نے جو افتتاحی اور اختتامی خطاب میں معاشرے کے کم تر اور غریب لوگوں سے حسنِ سلوک کرنے کی ہدایات دیں اس سے بھی میں بڑا متاثر ہوا۔ کہتے ہیں ذاتی طور پر مجھے معاشرے کے مختلف طبقات کے بوڑھے اور نوجوان لوگوں سے مل کر اس بات کی امید تازہ ہوئی ہے (یہ پرسنل، ذاتی طور پر ملتے بھی رہے ہیں لوگوں سے) کہ آجکل کی مشکلات کے باوجود دنیا کا مستقبل روشن ہے اور ایسے لوگ ملے ہیں جو دنیا کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پر امن جگہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ کہتے ہیں مجھے یہ نظام دیکھ کر بھی حیرت ہوئی کہ کس طرح جماعت مختلف ممالک سے آئے ہوئے چالیس ہزار سے زائد مہمانوں کی مہمان نوازی کر رہی ہے۔ حرف آخر یہ کہ نوجوان طبقے کا جوش و ولولہ اور رضاکارانہ خدمت کا جذبہ سب سے زیادہ متاثر کن تھا۔ ان کے نظم وضبط، اتھارٹی کی عزت اور بے لوث خدمت نے میرے ذہن پر اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کا مستقبل روشن ہے کیونکہ ایسے نوجوان دنیا کو بہترین جگہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ پس ہمارے نوجوانوں کا جو اثر ہے یہ بھی ان غیروں پہ پڑتا ہے جو ایک خاموش تبلیغ ہے۔

لوئس کارلوس داسلوا (Luiz Carlos da Silva) اخباری نمائندہ تھے، پیٹروپولس برازیل سے آئے تھے۔ کہتے ہیں سب کچھ بہت پسند آیا۔ ایک سو اٹھارہ ملکوں کے **لوگوں کا ایک جگہ بھائی چارے کے ماحول میں اکٹھا رہنا کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔** لوگوں کا آپس میں عزت، اخلاق اور خوش دلی اور ہمدردی سے ملنا مجھے تو بہت اچھا لگا۔ پھر انہوں نے جلسے کے پروگراموں کی تعریف کی ہے۔ پھر مہمانوں کے لیے ٹرانسپورٹ کے انتظامات کا بھی انہوں نے کہا ہے بڑا اچھا انتظام تھا۔ کہتے ہیں غیر معمولی بات تھی۔ پھر کہتے ہیں کہ ایک بات میں کہنا چاہوں گا اتنے بڑے جلسہ میں جن ہزاروں لوگوں کو کام کرتے دیکھا ان میں کسی بھی قسم کی بناوٹ نہیں تھی۔ پھر والنٹیئرز کہ کس طرح بے لوث ہو کر خدمت کر رہے تھے بلکہ سب کو ایک جوش اور جذبے سے کام کرتے دیکھا۔

پھر سپین کے وفد میں ایک شامل تھے جو پیشے کے لحاظ سے تاریخ دان ہیں، وہ آرکیوسٹ (Archivist) بھی ہیں اور قرطبہ کی الاندلس لائبریری میں کام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جلسہ سالانہ کی دعوت پر میں آیا ہوں بڑا شکر گزار **ہوں۔ میں نے آپ سے اسلام اور اسلامی کلچر کے متعلق بہت کچھ سیکھا ہے** اور آپ لوگوں نے بڑی مہمان نوازی سے رکھا، بہت عزت دی۔ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ مختلف مذاہب اور ثقافت سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں ایک ساتھ جمع ہوتے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یقیناً یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر ہی یہاں جمع تھے۔ کہتے ہیں جماعت احمدیہ آج کے دور میں واقعۃً عزم وہمت اور جدوجہد کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کیے ہوئے ہے اور اس نمونے کو میں روزانہ اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے سامنے رکھوں گا۔ میرے لیے بھی یہ سبق ہے۔

اٹلی کے ایک صحافی آئے ہوئے تھے مارکو رسپنٹی (Marco Respinti)۔ ایک اخبار کے چیف ایڈیٹر

ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے جلسے کے بارے میں پہلے بھی سنا اور پڑھا تھا مگر اس میں شرکت بالکل ایک الگ قسم کا تجربہ ہے۔ میں رضاکاران کے کام کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اَور چیز جو دیکھنے میں آئی وہ بہترین قسم کا نظم وضبط تھا جو اتنی بڑی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت مشکل کام ہے۔ کہتے ہیں اتنے بڑے پیمانے پر نظم وضبط اور اس صفائی کا انتظام کوئی معمولی بات نہیں مگر سب سے زیادہ اہم چیز جو مَیں نے جلسہ سالانہ میں دیکھی وہ **نماز تھی۔ ہر شخص کے لیے نماز ایک خاص حیثیت کی حامل تھی۔**

کہتے ہیں حالانکہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح احمدی نماز پڑھتے ہیں یہ ہر انسان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ مجھے وہاں ہزاروں لوگوں کی لگن اور سنجیدگی کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کہتے ہیں صحافی ہونے کے ناطے میں بہت سارے لوگوں کو ملا۔ نئے لوگوں کو، پرانے لوگوں کو، کئی واقف بھی مجھے مل گئے اور پھر مجھے جماعت احمدیہ کی تاریخ کے بارے میں بھی بہت کچھ پتہ لگا۔

سینیگال کے کولڈ اریجن کے گورنر سیر انداؤ صاحب بھی شامل ہوئے۔ کہتے ہیں میں جلسہ میں پہلی دفعہ شامل ہوا پوری دیانتداری سے یہ ایک بات کہہ رہا ہوں کہ جو نظم وضبط میں نے جلسے پر دیکھا ہے وہ آج سے پہلے کبھی **نہیں دیکھا۔ احمدیوں کا خلیفۃ المسیح سے ایسا پیار ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔** میں نے بطور گورنر بہت سفر کیا ہے لیکن ایسے پیار کی نظیر کبھی نہیں دیکھی۔ کہتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباس پڑھے وہ بھی میرے دل میں گھر کر گئے ہیں۔ میرے دل پر ان کا بڑا اثر ہوا ہے۔ کہتے ہیں اس جلسے میں جو خاص بات میں نے دیکھی ہے وہ قربانی کا جذبہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسے کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی مقصد بتایا تھا کہ ایک دوسرے کی خاطر قربانی کرو۔

(ماخوذ از شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395)

جو انہوں نے دیکھا۔ کہتے ہیں ہر شخص دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔ کہتے ہیں میں نے زمانہ طالبعلمی میں خلافت کے بارے میں سنا تھا لیکن حقیقی اور سچی خلافت کا مشاہدہ صرف جماعت احمدیہ میں ہی کیا ہے۔ تمام امت مسلمہ اگر جماعت احمدیہ کی پیروی کرے تو یقیناً مسلمان کامیاب ہو جائیں گے۔

کولمبیا کے ایک مہمان تھے، روزوویلنشیا (Rozo Valencia) صاحب کہتے ہیں میں یہاں کا پُرامن ماحول، بھائی چارہ، محبت، خلیفہ وقت کے پُر معارف خطابات اور افراد جماعت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا ہوں۔ جلسہ سالانہ میں جو کچھ میں نے دیکھا اس سے مجھے امید اور حوصلہ ملتا ہے کہ ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ مشکل وقت کے باوجود حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا **ہمارے ساتھ ہے۔ خلیفہ کے پیغام میری روح تک پہنچتے ہیں کیونکہ امن ایک** انتہا بلکہ بہتر زندگی کا ذریعہ بھی ہے۔ پھر رضاکاروں کی انہوں نے بڑی تعریف کی ہے۔ حیرت انگیز انتظام تھا۔ مہمان نوازی حیرت انگیز طور پہ کی۔ کہتے ہیں مسکراہٹ ہر جگہ مجھے نظر آئی۔ کہتے ہیں جلسہ سالانہ کی رضاکارانہ خدمات دنیا کے لیے ایک نمونہ اور متلاشیان خدا کے لیے محبت کا سبق ہے۔

پھر ارجنٹائن کے یوکے میں مقرر سفیر خاویئر فگرووا (Javier Figueroa) نے جلسے کے پہلے دن

شرکت کی۔ جلسے کے انتظام اور ماحول سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے بعد میں ارجنٹائن اور آس پاس کے لیٹن امریکن (Latin American) ممالک کے وفود جنہوں نے جلسے میں شرکت کی تھی ان سب کو باقاعدہ ایک تقریب کے لیے اپنے سفارت خانے میں دعوت دی تا کہ دوسرے ممالک کے سفراء اور ان کے اپنے سفارت خانے میں متعین ڈپلومیٹس کو بھی جلسے کے انعقاد سے متعارف کرایا جائے۔ یہ جماعت کی تعلیمات اور بالخصوص عملی کردار سے بہت متاثر ہوئے اور خود ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ بھرپور معاونت کے لیے تیار ہیں اور بالخصوص سیاسی طبقہ اور ڈپلومیٹس کو بھی جماعت کا تعارف کروانے کی کوشش کریں گے۔

چلی (Chile) سے تین افراد آئے ہوئے تھے، یہ ایک عیسائی تنظیم کے لوگ ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر نیستر سوتو (Nestor Soto) عیسائی پریسٹ ہیں، تھیالوجین (Theologian) بھی ہیں۔ ایک عیسائی تنظیم کے چلی میں بانی ہیں۔ کہتے ہیں جس **بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ جماعت کا اتحاد اور باہمی محبت ہے۔**

کہنے لگے میں چالیس سال سے دنیا بھر میں مختلف عیسائی تقریبات میں شرکت کر رہا ہوں لیکن جماعت احمدیہ کے جلسے جیسی اس قدر وسیع تقریب اور وہ بھی جو صرف رضاکارانہ کارکنان پر مشتمل ہو میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ بڑے اثر ورسوخ والے آدمی ہیں۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ اور امریکہ کی حکومت کے ساتھ بھی ان کے رابطے ہیں اور وہاں بھی یہ دنیا کے مذہبی لوگوں کو اکٹھا کر کے مذہبی میٹنگز منعقد کرواتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ان کے خیال میں ہماری جماعت کے جلسہ کی کامیابی کا راز ہماری یکجہتی ہے جو کہ خلیفہ وقت کے وجود کے ذریعہ سے قائم ہے۔ (اور خلافت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم ہے)۔ موصوف نے کہا کہ **ان کی رائے میں یہ ایک معجزہ ہی ہے** کہ جماعت کے قیام کو ایک سو تیس سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے اور ابھی تک ہم میں بڑے باہمی تفرقے اور فرقہ بازیاں وقوع میں نہیں آئیں۔ کہنے لگے کہ ہمارے اوینجلیکل (Evangelical) عیسائی تنظیموں اور اسی طرح دیگر اسلامی تنظیموں میں سب سے بڑی کمزوری ہی لیڈرشپ کے حصول کے لیے باہمی جھگڑے اور اختلافات ہیں۔ کہنے لگے اس کے برعکس آپ کے جلسے کے انتظام اور تقریبات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جماعت ایک جسم کی طرح ہے۔ خلیفہ وقت اس جسم کا سر اور دماغ ہے اور باقی جماعت ایک جسم کے اعضاء کے مترادف ہیں جو دماغ کے سگنل اور اشارے کے تحت حرکت کر رہے ہیں۔ پس خلافت کی اس اہمیت کا اندازہ یہ غیر بھی لگاتے ہیں۔

سپین سے ایک زیر تبلیغ دوست ایلوئے پیریز (Eloy Perez) صاحب کہتے ہیں: اس جلسے میں میرے ساتھ بادشاہ سے بہتر سلوک کیا گیا۔ بہت خیال رکھا گیا۔ ہر وقت گھر کا ماحول محسوس کیا۔ جماعت احمدیہ کے رضاکاروں کا چالیس ہزار سے **زیادہ لوگوں کی خدمت کرنا ایک معجزہ ہے۔** تصویری نمائشوں میں شرکت کے دوران میں نے احمدی کمیونٹی کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔ یہ متحرک اور زندہ تاریخ کا ایک حصہ تھا۔ تقریب کے دوران میں نے بھائی چارے کے ماحول کو محسوس کیا۔ کہتے ہیں آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اللہ سے جڑا ہوں حالانکہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن اللہ مختلف مذاہب میں مشترک ہے۔ بلاشبہ اللہ آپ کے ساتھ اور تمام احمدیوں کے ساتھ جلسے کے دوران نظر آیا اور اتوار کو احمدی برادری کو اپنے ایمان کی تجدید کرتے ہوئے دیکھ کر میں بہت متاثر

ہوا۔ ان میں سے اکثر جذبات اور خوشی سے رو رہے تھے۔ مجھے وہ تقریریں پسند ہیں جو کی گئی تھیں جہاں میں اپنے ساتھ وہی مخصوص پیغامات لے کر گیا تھا جیسے ہمدردی کے بغیر مذہب مذہب نہیں ہے۔ جو مسلمان بنی نوع انسان پر رحم نہیں کرتا وہ مسلمان یا اللہ کا پیروکار نہیں ہے۔ مسجد میں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو چیز مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ (پھر مجھے لکھا ہے انہوں نے کہ) آپ سے ذاتی طور پر ملنا ہے اور پھر انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ میری ٹی شرٹ پر دستخط بھی کر دیں پھر دستخط کروا کے لے گئے۔

کینیڈا سے (Kyle Seeback) ایک ممبر آف پارلیمنٹ ہیں۔ کہتے ہیں جلسہ میں آنا میرے لیے ایک شاندار بات تھی جہاں اپنے مذہب کے ساتھ وفاداری اور والنٹیئرازم کا سبق ملتا ہے۔ پھر جو جماعت احمدیہ پر ظلم ہو رہے ہیں اس کے بارے میں کہا کہ سب دنیا کو اس کے **خلاف کھڑا ہونا چاہیے اور احمدی برادری کی مدد کرنی چاہیے**، احمدی وکلاء کی مدد کرنی چاہیے۔ احمدیہ مساجد کو مسمار کیا جا رہا ہے اس بارے میں ہمیں آواز اٹھانی چاہیے۔ اس کے بعد ایک ڈائری لے کے آئے تھے کہ باتوں کے نوٹس لوں گا لیکن کہتے ہیں باتیں سننے میں ہی میں اتنا محو ہو گیا کہ مجھے نوٹس لینے یاد نہیں رہے۔

کینیڈا سے انڈجنس قوم کی وائس چیف (Aly Bear) خاتون ہیں، کہتی ہیں یہ میرے لیے بہت خوش کن بات تھی کہ میں اس سال اپنے کئی اَور انڈجنس راہنماؤں کے ساتھ جلسے پر آئی۔ میرے لیے عالمی بیعت کی تقریب بہت جذباتی موقع تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی تقریب نہیں دیکھی جو ہر انسان کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتی ہے۔ سب لوگ جذباتی تھے اور میں بھی جذبات سے رو رہی تھی۔ عالمی بیعت کا طریق ہماری عبادت سے ملتا جلتا ہے لیکن میں نے اپنی عبادت میں کبھی ایسی روحانیت نہیں محسوس کی تھی جیسے میں نے عالمی بیعت کے دوران کی تھی۔ میں اپنے ساتھ محبت اور امن کا پیغام لے کر واپس جا رہی ہوں اور کہتی ہیں اپنی قوم کو آپ کا پیغام ''محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں'' پہنچاؤں گی اور یہاں آنا میرے لیے بڑی قابل عزت اور قابل فخر بات ہے۔

ہنڈورس (Honduras) سے ایک خاتون ٹی وی اینکر کہتی ہیں کہ میں نے خلیفہ وقت کے خطابات کو غور سے سنا، جلسے میں شامل ہوا، مقررین کی تقریریں سنیں۔ میں **اپنے آپ کو بڑی خوش قسمت سمجھتی ہوں** کہ ایسا عظیم موقع مجھے ملا۔ بہت سارے لوگوں سے ملنے کا مجھے موقع ملا اور ان میں بے لوث خدمات کا جذبہ دیکھا، عاجزی دیکھی۔ ایسا منظم انتظام دیکھا کہ میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا۔ جو میر الجنہ کا خطاب تھا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہنڈورس میں ہم سب کو ضرورت ہے۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں کہا کہ میں الگ سے ایک ویڈیو بھی اس بارے میں بناؤں گی تا کہ لوگوں کو آسانی سے باتیں سمجھ بھی آ جائیں۔

ترکی سے پرنٹنگ پریس کے کچھ مالکان آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہماری مختلف کتب اور لٹریچر شائع کیا ہے۔ قرآن کریم بھی بڑا خوبصورت وہاں سے شائع ہوا ہے، آپ نے بک سٹال پہ دیکھا ہی ہو گا۔ یہ پریس والے مالکان آئے ہوئے تھے۔ ان کے ڈائریکٹر کہتے ہیں: اتنے بڑے اجتماع کو جس خوش اسلوبی سے اتنے خراب موسم کے ہوتے ہوئے آپ لوگوں نے بغیر کسی میجر پرابلم کے آرگنائز کیا وہ میرے لیے بہت حیران کن ہے۔ پھر یہ کہتے ہیں ایک چیز

جو میں نے عجیب دیکھی (یہ بھی غیروں پر اثر ڈالتی ہے تبلیغ کا اثر ہے) کہتے ہیں اتنے بڑے اجتماع میں میں نے کسی کو سگریٹ پیتے نہیں دیکھا اور ڈیوٹی پر مامور کارکنان کی جس طرح فرمانبرداری اور منظم طریق پر لوگ حکم مان رہے تھے یہ بھی ایک عجیب نظارہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا، کارکنان کا، لڑکوں کا، نوجوانوں کا حکم لوگ مان رہے تھے۔

ایک اَور ڈائریکٹر ہیں دوسری کمپنی کے۔ کہتے ہیں کہ مجھے جماعت کی اتنی وسعت کا اندازہ نہیں تھا۔ کہتے ہیں نمائش کے دوران جب انہوں نے شہداء کی گیلری دیکھی تو shock ہوئے کہ اس زمانے میں بھی اتنی بربریت اسلام کے نام پر اور وہ بھی ایک مسلمان ملک میں ہو رہی ہے۔ دونوں باپ بیٹا آئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہم بوجہ انتہائی اہم بزنس میٹنگ کے جو جلسہ سالانہ کے دوران ہونی تھی تو ہمارا آنے کا پروگرام نہیں تھا لیکن کسی وجہ سے میٹنگ کینسل ہو گئی اور ہمارا جلسے پر آنے کا پروگرام بن گیا اور یہ ہمارا ایسا بڑا اچھا پروگرام ہوا کیونکہ **یہ ناقابل فراموش تجربہ ہے۔**

لٹویا (Latvia) سے جلسے پر آئی ایک سوشل ورکر صاحبہ لکھتی ہیں کہ میں جماعت احمدیہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن جلسے کے دوران مجھے اسلام احمدیت کے بارے میں بہت کچھ جاننے کو ملا۔ میں واپس جا کر قرآن شریف کا مطالعہ کروں گی اور اسلام کے بارے میں اپنے علم کو وسیع کرنے کی کوشش کروں گی۔ جلسہ سالانہ کا ماحول بڑا پر سکون اور پاکیزہ تھا۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ تمام کارکنوں نے ہمارا بھرپور خیال رکھا۔ کہتی ہیں **جلسہ سالانہ کی مہمان نوازی اور حسن سلوک کے بارے میں** تاثرات سے میرا دل بھرا ہوا ہے مگر زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ٹی وی پہ بیٹھے ہوئے جو لوگ دنیا میں سن رہے تھے ان کے بھی تاثرات بعضوں کے آئے ہیں۔

کانگو برازاویل سے ہمارے مبلغ نے لکھا ہے کہ ایک عیسائی دوست مسٹر کرائسٹ کو جلسہ میں مدعو کیا گیا۔ اختتامی خطاب سننے کے بعد کہنے لگے کہ اگر دنیا کی ہر گورنمنٹ اس تعلیم پر عمل کرے تو دنیا سے غربت اگر ختم نہ بھی ہو تو کم از کم کوئی شخص رات کو بھوکا نہیں سوئے گا۔ کہتے ہیں جس طرح خلفائے اسلام کو اپنی رعایا کا خیال تھا اگر ہمارے لیڈر اس طرح اپنی رعایا کا خیال کرنے لگ جائیں تو ہماری دنیا جنت بن جائے۔ کہتے ہیں یہ تقریر سن کے میرے دل کو بڑا سکون ملا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس طرح **ہمارے خلیفہ نے اسلام کی تعلیم پیش کی ہے دل کو سکون مل گیا۔ پھر** کہنے لگے مَیں نے ہمارا خلیفہ کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کیونکہ آج سے میں بھی آپ کے ساتھ ہوں اور یہ میرے بھی خلیفہ ہیں۔

لٹویا سے جلسہ میں شامل ہونے والی ایک سوشل ورکر خاتون (Egija Uzane) صاحبہ کہتی ہیں جب سے ہم یہاں آئے ہیں بڑے خوبصورت اور پُرامن ماحول میں رہ رہے ہیں۔ ہر چہرہ مسکراتا ہوا نظر آتا ہے۔ عجیب قسم کا پُرسکون ماحول ہے۔ مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ جب واپس اپنے ماحول میں جاؤں گی تو وہی پرانی حالت لوٹ آئے گی جہاں ٹینشن کا ماحول ہوتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کو گھور رہے ہوتے ہیں۔

آئس لینڈ سے ایک فیملی فیڈریشن فار ورلڈ پیس کے مشنری پول ہرمن (Paul Herman) کہتے ہیں میرا جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کا تجربہ شروع سے لے کر آخر تک بہت عمدہ تھا۔ تمام افراد جماعت جن سے میری

ملاقات ہوئی نرم دل، شائستہ، دوسروں کا خیال رکھنے والے، خدمت کے لیے ہر دم تیار تھے۔ رہائش کا بہت عمدہ انتظام تھا اور یہ سب کچھ تین یادگار دنوں کا اہم حصہ تھا اور اتنی بڑی تعداد کی حاضری کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظام بہت اعلیٰ تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک کارکنان اس قدر تجربہ کار تھے کہ جتنا بھی ان پر پریشر پڑتا انہوں نے گھبرانا نہیں تھا۔ پھر کہتے ہیں شاملین جلسہ کا تعاون بھی عمدہ انتظام کا حصہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ افراد جماعت کے اعلیٰ اخلاق کا عکس ہے جو انہوں نے اتنی اچھی تیاری کی ہے۔ یہ سارا کچھ ہے اور اس کے علاوہ یہ لوگ اپنی تعلیم پر بھی عمل کر رہے ہیں۔ پس یہ اثر جو ہے مہمانوں اور میزبانوں کا جو دوسروں پر بڑا پڑتا ہے۔ تقاریر کے ترجمہ کے بارے میں کہا کہ بعض دفعہ مجھے ترجمہ سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی لیکن بہرحال جو سمجھ سکتا تھا میں نے اسے بہت enjoy کیا۔

ہالینڈ کے ایک وکیل ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ پھر پیئر عمانوایل (Pierre Emmanuel) بیٹی کے جوڈیشری پولیس کے نمائندہ ہیں۔ کہتے ہیں احمدیہ مسلم جماعت انٹرنیشنل کے جلسہ سالانہ یوکے میں شرکت کر کے ان مہمانوں میں سے ایک ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایک عیسائی کے طور پر اس جلسے میں شامل ہو کر مجھے نہ صرف اسلام بلکہ مذہب کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مختلف عقائد، ثقافت، زبان اور منظر سے تعلق رکھنے والے لوگ جن کے رسم و رواج بھی مختلف تھے کس طرح ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ یہ عجیب نظارہ تھا، یقیناً قابل تحسین اور تقلید ہے۔ کہتے ہیں میں نے جلسہ میں شمولیت کے بعد بہت سوچا کہ اگر احمدیوں کے دلوں میں جو وفاداری اور اپنے مذہب کے احکام و فرائض کا احترام ہے کیا ان کے دلوں میں منافقت تو نہیں؟ تجسس پیدا ہوا تو میرے دل نے کہا کہ احمدیوں کے درمیان بھائیوں جیسی ہم آہنگی **لفظ منافقت کو گویا ان کی لغت سے ختم کر دیتی ہے**۔ پس یہ تاثرات جو ہیں ہر احمدی کے لیے اپنے ایمان کی حفاظت کرنے والے بھی ہونے چاہئیں۔ کہتے ہیں میں جب اپنے ملک واپس جاؤں گا تو محبت، امن، ایک دوسرے کا احساس، ایمان، اطاعت اور صلہ رحمی کا پیغام لے کر جاؤں گا جو مجھے ان تین ناقابل فراموش دنوں میں ملا ہے۔

پھر ایک نومبائع ہیں آسٹریلیا سے بلال قودن صاحب۔ کہتے ہیں ہمیشہ یہ احساس میرے ساتھ رہے گا۔ حیرت انگیز دن تھے اور نظم و ضبط کا مظاہرہ اور محبت اور بھائی چارہ میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ کہتے ہیں عالمی بیعت میں بھی شامل ہونا میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ اسی سے میری روحانیت میں اضافہ ہوا اور ایک تسلی ملی۔

مایوٹ آئی لینڈ سے یونس صاحب شامل ہوئے تھے۔ کہتے ہیں جلسہ میں پہلی دفعہ داخل ہوا تو میرے دل پہ ایسا زور پڑا جیسے کسی خاص طاقت کا میرے پر نزول ہوا ہے۔ جلسے کا نظارہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ کہتے ہیں جلسے کے بارہ میں سنا تو ہوا تھا؛ شامل ہو کر تو بالکل ایک اَور ہی نظارہ تھا۔

پھر جلسے کا انتظام سن کر بیعتیں بھی ہوئیں۔ گنی بساؤ میں ایک شخص نے جلسے کا انتظام دیکھ کر بیعت کی۔

تنزانیہ سے امیر صاحب نے لکھا ہے کہ وہاں بھی ایم ٹی اے پر شامل ہوئے اور بیعت کی۔ موسیٰ صاحب کی شادی 1970ء میں غیر از جماعت خاتون سے ہوئی تھی اور ان کی کوشش تھی، دعا بھی کر رہے تھے کہ اہلیہ اسلام احمدیت قبول کر لے لیکن خاتون نہیں مان رہی تھی۔ اس سال جلسہ کے دوران وہ فیملی ایم ٹی اے پر جلسہ دیکھ رہی

تھی۔ ان کی اہلیہ بھی ساتھ دیکھنے شامل ہوئیں، عالمی بیعت میں بھی شامل ہوئیں۔ عالمی بیعت کے بعد انہوں نے کہا کہ اس جلسہ نے مجھ پر ایک خاص قسم کا اثر کیا ہے اور خلیفۃ المسیح کے خطابات نے میرے اندر ایک عجیب سی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ میں نے عالمی بیعت سے پہلے سے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں احمدیت میں شامل ہو جاؤں گی چنانچہ اس طرح جلسے کی برکات سے ان کی اہلیہ بھی احمدیت میں شامل ہو گئیں۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو جلسے کے بعد موصول ہوئے اور اب بھی موصول ہوتے رہیں گے۔ جلسے کی کارروائی سن کے جنہوں نے بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسا کہ میں نے کہا بیشمار تبصرے ہیں اور اظہار خیال آئے ہیں۔ بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ اس جلسے کے ایسے نتائج ہوں جو احمدیوں کی زندگیوں کو بھی ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے جوڑنے والے ہوں۔ ان کے ایمان اور ایقان میں اضافہ ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعثت کے مقصد کو پورا کرنے والے ہوں اور غیروں پر بھی ایسے اثرات ہوں جو صرف وقتی نہ ہوں بلکہ مستقل ان کی آنکھیں کھولنے والے ہوں اور وہ اسلام کی تعلیم کو ہی اپنی اور دنیا کی نجات کا ذریعہ سمجھنے والے ہوں۔

میڈیا کے ذریعے سے بھی جلسے کی کارروائی دیکھی اور سنی گئی جس سے اس مرتبہ بھی کافی وسیع طور پر تعارف ہوا۔ افریقہ کے براعظم میں چوبیس چینلز نے تقاریر دکھائیں۔ میری تقاریر خاص طور پر ساری دکھائیں۔ کئی ملک اس میں شامل ہیں اور چالیس ملین سے زائد افراد تک لوگوں نے اس کو سنا۔ صحافیوں اور میڈیا سینٹر تیار کیا گیا تھا۔ ان میں تیئس میڈیا ڈائریکٹرز اور صحافی شامل ہوئے اور روزانہ کی بنیاد پر رپورٹس تیار کرتے رہے۔ اس طرح کُل 72 نیوز رپورٹس تیار کی گئیں جو تقریباً پچاس ملین لوگوں تک پہنچیں۔ اکتالیس ویب سائٹس سے خبریں نشر ہوئیں اور ان ویب سائٹس کو پڑھنے والوں کی تعداد بھی انیس ملین بتائی جاتی ہے۔ جلسہ کے متعلق اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین کی تعداد پندرہ ہے۔ ان کو پڑھنے والوں کی تعداد بھی پانچ ملین بتائی جاتی ہے۔ مختلف ٹی وی چینل کے حوالہ سے چودہ خبریں نشر ہوئیں۔ انہیں دیکھنے والوں کی تعداد بھی بیس ملین بتائی جاتی ہے۔ ریڈیو سٹیشنز پر سینتیس (37) خبریں نشر ہوئیں۔ گذشتہ سال تینتیس (33) تھی اس سال سینتیس (37) ہوئی اور آٹھ ملین سننے والوں کی تعداد ہے اور اپنے خیالات کا اظہار بھی لوگوں نے کیا اور بیس لاکھ لوگوں تک پیغام پہنچا۔ بیشمار ٹی وی چینلز ہیں۔ اس میں بی بی سی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یوکے کے بہت سارے دوسرے نیوز کے چینلز شامل ہیں۔ دنیا کے اَور بہت سے دوسرے ملکوں کے چینلز شامل ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلسے کی خبریں پہنچی ہیں، جماعت کا تعارف ہوا، اسلام کا تعارف ہوا اور ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اس جلسے کو بابرکت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عاجز اور شکر گزار بندہ بنتے ہوئے ہمیشہ اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہے اور ہمیشہ ہم جماعت سے ایک خاص اور پختہ تعلق رکھنے والے ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے والے ہوں۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 25/ اگست 2023ء جلد 30 شمارہ 155 صفحہ 02 تا 07)

32

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 11 / اگست 2023ء بمطابق 11 / ظہور 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادقؑ کی جماعت پر ہر دن ہوتی ہے اس کا ذکر جلسے کی رپورٹ میں ہوتا ہے۔ وہاں مَیں نے بتایا تھا کہ مختصر وقت میں سب کچھ بیان کرنا ممکن نہیں۔ کس طرح اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے، **کس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو جماعت کے بارے میں کھولتا ہے،** کس طرح ایمانوں کو اللہ تعالیٰ مضبوط فرماتا ہے، کس طرح دشمنوں کو ناکام کرتا ہے۔ بیشمار واقعات لوگ لکھتے رہتے ہیں ان میں سے چند میں آج بھی بیان کروں گا کیونکہ یہ واقعات بہت سے احمدیوں کے دلوں میں ایمان کی مضبوطی کا بھی باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کس طرح تبلیغ کے مختلف ذرائع سے سعید روحوں کو جماعت میں لا رہا ہے اور نئی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں اس بارے میں کونگو کنشاسا میں جہاں ہمارا ایف ایم ریڈیو ہے وہاں کے لوکل مشنری حمید صاحب لکھتے ہیں کہ اویرہ (Uvira) شہر میں ہمارے ریڈیو پروگرام کو سُن کر لوکل امام مسجد عیسیٰ صاحب نے رابطہ کیا اور پھر وہ مشن ہاؤس آئے۔ جماعت کا پیغام سمجھا اور بیعت کر لی۔ نہ صرف بیعت کی بلکہ اپنے گاؤں کلیبا اندیزی (Kiliba Ondezi) جا کر تبلیغ بھی شروع کر دی۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں چوبیس افراد احمدیت میں داخل ہوئے۔ جب ہمارے مرکزی مبلغ سلسلہ نے وہاں دورہ کیا تو مزید آٹھ افراد نے بیعت کی۔ اس طرح وہاں جماعت قائم ہو گئی۔ اب ایک طرف تو جو نیک فطرت امام ہیں ان کو یہ پیغام سن کر اس کو سمجھنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے **اور دوسری طرف پاکستانی علماء ہیں جو سوائے مخالفت کے اَور کچھ نہیں جانتے۔**

کونگو کنشاسا کے صوبے مائن دومبے (Mai-Ndombe) کے ایک گاؤں میں عمر منور صاحب معلم ہیں۔ ان کو تبلیغ کے لیے وہاں بھیجا گیا۔ وہابی مسلمانوں کی ایک مسجد میں بھی وہ گئے۔ لوگوں میں پمفلٹ تقسیم کیے۔ بعض شریر نوجوانوں نے مسجد سے نکل کر شور مچانا شروع کر دیا اور پتھر مارنے شروع کر دیے۔ اب کہتے ہیں کہ جی افریقہ میں تو لوگ اَن پڑھ ہیں اس لیے باتیں سن لیتے ہیں۔ وہاں بھی مخالفت ہے۔ معلم صاحب پتھروں سے بچاؤ کرتے ہوئے باقی لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے اور جو لوگ تھے وہ ان کے صبر و تحمل کے رویے سے بہت متاثر ہوئے اور ان میں سے بعض لوگ جو اس وجہ سے نکل گئے تھے پھر دوبارہ مسجد میں آ گئے اور ان کی باتیں سننے لگے۔ جماعت کے متعلق سوالات ہوئے، اعتراضات پیش کیے، بہت سارے سوالوں کے جواب دیے۔ ایک شریر نوجوان نے جو

بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہا تھا، کہا کہ تم لوگ لندن جا کر حج کرتے ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حج مکے میں کیے تھے۔ معلم صاحب نے اس سے سوال کیا کہ تم یہ بتاؤ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے تھے؟ اس پر اس نوجوان نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جب سے پیدا ہوئے انہوں نے تمام عمر حج کیے۔ اس پر معلم نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ایک ہی حج کیا ہے۔ مسجد میں بیٹھے امام اور دیگر بڑی عمر کے لوگوں نے اس نوجوان کو برا بھلا کہا کہ تم لوگ سب فساد کر رہے ہو۔ بہر حال وہ لوگ جو فساد کرنے والے تھے شرمندہ ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ بعد میں امام صاحب جماعت کے وفد کو اپنے گھر لے گئے جہاں ان کے علاوہ دو اَور ائمہ بھی تھے اور کچھ اَور افراد بھی تھے اس طرح چالیس، بتالیس افراد نے وہاں جماعت احمدیہ کی اس تبلیغ سے متاثر ہو کر بیعت کر لی اور یہاں بھی ایک نئی جماعت قائم ہو گئی۔

گنی بساؤ سے امام تمّانے کہتے ہیں کہ آج تک ہم جماعت کے بارے میں یہی سنتے آئے ہیں کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کو نہیں مانتے مگر آج ہم نے جلسے کا پروگرام دیکھا تھا۔ کہتے **ہیں آج اس جلسے کی برکت سے ہم نے آپ کے خلیفہ کو دیکھا اور سنا ہے۔** انہوں نے تو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کی نصائح فرمائی ہیں۔ کہتے ہیں آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جماعت کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور جھوٹا پروپیگنڈا ہمیشہ الٰہی جماعتوں کے خلاف ہوتا ہے۔

امام صاحب اسی مسجد کے امام تھے کہتے ہیں میں آج سے جماعت احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں اور میں اپنے تمام لوگوں کو جماعت کی تبلیغ کروں گا۔ اللہ کے فضل سے یہ تبلیغ کر بھی رہے ہیں اور ان کی تبلیغ سے نئی جماعتیں بھی قائم ہو رہی ہیں۔ پس ہمارے مخالف جو پاکستان میں بھی ہیں صرف مخالفت برائے مخالفت نہ کریں بلکہ ہماری تعلیم کو سنیں، پڑھیں، سمجھیں۔ پھر جو اعتراض ہے وہ پیش کریں۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ہے تم لوگ یونہی مخالفت کرتے ہو میری بات تو پہلے سنو۔

(ماخوذ از سراج منیر، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 4)

امیر صاحب لائبیریا نے لکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ مخالفت کے باوجود ہماری مدد فرماتا ہے۔ دو سال پہلے نمبا (Nimba) کاؤنٹی کے ایک ٹاؤن گیناگلے (Ganaglay) کے کچھ لوگ احمدیت میں داخل ہوئے۔ پہلے ان کا تعلق عیسائیت سے تھا یا لامذہب تھے۔ بیعت کے بعد ان احباب کی تربیت اور نمازوں کا انتظام کسی گھر کے برآمدے میں کیا گیا۔ لوکل مبلغ مرتضیٰ صاحب نے ایک دن نماز کے بعد احباب کو دعا کی تحریک کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسجد بنانے کے لیے کوئی مناسب زمین عطا فرمائے۔ یہ علاقہ عیسائیت اور لامذہب لوگوں کا گڑھ ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے اس لیے مسجد کے لیے زمین کا حصول بہت مشکل تھا۔ ابھی گفتگو جاری تھی کہ ایک شخص مسٹر ڈاہن (Dahn) جو لامذہب تھے اور خدا کی ہستی پر بھی یقین نہیں رکھتے وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کھڑے ہو کے کہا کہ جب سے مشنری نے ہمارے گاؤں میں آنا شروع کیا ہے مَیں نے ان کا بہت اچھا اخلاق دیکھا ہے۔ سب لوگوں سے ملتے ہیں، ایک ہی برتن میں کھانا کھا لیتے ہیں حتی کہ میں جو خدا کو نہیں مانتا اور پکا شرابی ہوں

میرے پاس بھی آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور حال احوال پوچھتے ہیں۔ مجھے اس طرح کے اخلاق پہلے دیکھنے کو نہیں ملے۔ میرے پاس ایک پلاٹ ہے جس پر میں نے اپنا گھر بنانے کا ارادہ کیا تھا لیکن **آج میں اس پلاٹ کو مسجد کے لیے دیتا ہوں۔ چنانچہ** کچھ دن کے بعد باقاعدہ انہوں نے بیعت بھی کر لی۔ شراب کو بھی کلیۃً چھوڑ دیا۔ یہ انقلاب پیدا ہوا اور اخلاص میں ترقی کرتے گئے۔ اخلاص میں ایسی ترقی کی کہ لوگوں نے دیکھا کہ یہ بالکل ہی تبدیل شدہ انسان بن گئے ہیں۔ یہاں مسجد کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا۔ لوگوں نے چیف کے پاس اعتراض کیا کہ وہاں مسجد نہیں بننے دینی لیکن مسٹر ڈاہن (Dahn) نے بڑی جرأت سے کہا کہ مَیں نے مسجد کو جگہ دی ہے اور یہاں مسجد بنے گی۔ چنانچہ یہ مسجد مکمل بھی ہو گئی اور اس علاقے میں یہ پہلی مسجد ہے۔ اس کا نام مسجد نور ہے۔ اس طرح غیر مسلم اور اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والے دہریت کے جو لوگ ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین رکھ رہے ہیں بلکہ اسلام کو سچا مذہب سمجھ کر تسلیم کر رہے ہیں۔

برونڈی میں ایک قصبہ ہے نیانزیلک (Nyanza Lac)۔ یہاں جماعت کی کافی زیادہ مخالفت ہے کیونکہ اس علاقے میں مسلمان بھی ہیں۔ سنی مسجد کے امام نے ہر طرح سے کوشش کی کہ جماعت کی مسجد کو بند کروایا جائے۔ اس کے لیے وہ سرکاری عہدیداروں سے بھی ملا لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ ہمارے معلم حمزہ اِندُوویِمَانَا صاحب کو اس مسجد کے امام نے سوال و جواب کے لیے بلایا۔ سوال و جواب میں وفات مسیح پر بحث شروع ہوئی۔ جب معلم صاحب نے قرآن پاک کے دلائل سے وفات مسیح ثابت کی تو ان نام نہاد علماء سے جواب تو نہ بن سکا البتہ معلم سے لڑائی شروع کر دی اور جماعت پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس پر ایک عیسائی نے کھڑے ہو کر جماعت کے موقف کی تائید کی اور اس مولوی کو واضح کیا کہ جماعت احمدیہ مسلمان ہے۔ آپ کا اسلام سمجھ سے باہر ہے۔ ان کا تو سمجھ آتا ہے کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ دوسری طرف اس مسجد کے مولویوں کی مسجد میں ہی آپس میں لڑائی ہو گئی اور اس وجہ سے حکومت کو دخل اندازی کرنی پڑی اور ان کی مسجد کو تین ماہ کے لیے حکومت نے بند کر دیا۔ جو ہماری مسجد کو بند کرنا چاہتے تھے ان کا اپنا یہ حال ہوا کہ مسجد بند ہو گئی۔ اب یہ طریق باقاعدہ سازش کے تحت نام نہاد علماء ہر جگہ اختیار کر رہے ہیں کہ احمدیوں کی مسجدیں بند کرواؤ۔ پاکستان یا پاکستان کی طرح اگر مسجدیں بند نہیں ہوتیں تو مینار اور محرابیں گراؤ۔ اب پاکستان کا قانون بھی جو ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ احمدیوں کو مینار بنانے کی اجازت نہیں ہے لیکن حکومت ان مولویوں کے سامنے، نام نہاد علماء کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہے۔ بہرحال یہ اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح نقصان **پہنچائیں لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن خود ہی یہ سب مر جائیں گے**۔ پاکستان میں ہمیں قرآن کریم کی اشاعت پر پابندی ہے، ترجمے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ناظرہ شائع ہونا بھی ناقابل معافی جرم ہے بلکہ بعض لوگوں پر اس لیے سختی بھی کی گئی۔ ایسے بھی کیس درج ہوئے ہیں کہ تم قرآن کریم سن کیوں رہے تھے، ریکارڈنگ پہ کیوں لگایا ہوا تھا۔ اب یہ نام نہاد مسلمانوں کا اسلام ہے۔ مُلّاں نے دین کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کس طرح راستے کھولتا ہے۔ ہم دنیا کے مختلف ممالک میں اشاعت قرآن کریم کس طرح کر رہے ہیں۔ ہمارے قرآن ہر جگہ کس طرح پسند کیے جاتے ہیں خاص طور پر ترجمہ جو جس زبان میں بھی

ہوا وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔

دارالسلام تنزانیہ کے ایک معلم صاحب نے بتایا کہ وہ ایک علاقے میں پمفلٹ تقسیم کرنے گئے۔ جماعتی کتب بھی فروخت کرتے ہیں۔ اس سے تبلیغی رابطوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ایک دن مجھے تیس کلو میٹر دور سے ایک غیر از جماعت شخص کا فون آیا کہ وہ قرآن کریم کا سواحیلی ترجمہ خریدنا چاہتے ہیں۔ معلم صاحب نے بتایا کہ قرآن کریم تو ان کے قریب کے علاقے سے بھی مل سکتے ہیں لیکن اس شخص نے کہا کہ مجھے جماعت کے ترجمے اور تفسیر کا طریق بہت پسند ہے۔ ٹھیک ہے اَوروں نے (ترجمے) کیے ہیں لیکن جو **جماعتی طریق ترجمہ ہے وہی مجھے پسند** ہے کیونکہ عقل اس کو قبول کرتی ہے۔ میں یہی ترجمہ لینا چاہتا ہوں۔

مالی میں مبلغ بلال صاحب ہیں۔ کہتے ہیں جماعت احمدیہ کو قرآن کریم کی نمائش منعقد کرنے کی توفیق ملی۔ ایک طالب علم سٹال پر آئے انہیں قرآن کریم کے فرنچ ترجمے کا تعارف کروایا گیا کہ موجودہ ترجمے میں جماعتی فرنچ ترجمہ سب سے بہترین ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ان کے گھر میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ موجود ہے جو کہ جماعتی ترجمے سے بہتر ہے۔ اس نوجوان نے یہ کہا۔ بہرحال وہ اپنے گھر گیا اور وہاں سے قرآن کریم لے آیا اور ایک گھنٹے سے زائد وقت یہ بتانے کے لیے لگایا کہ ہمارا، غیر احمدیوں کا ترجمہ بہتر ہے۔ دونوں ترجموں کا موازنہ کرتا رہا۔ بہرحال انصاف پسند طبیعت تھی۔ آخر یہ کہنے پر **مجبور ہو گیا کہ جماعتی ترجمہ بہت اعلیٰ ہے** اور حقیقت میں اس سے قرآن کو سمجھنا بہت آسان ہے اور پھر وہ ایک نسخہ قرآن کریم کا خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اسلام کی حقیقی تعلیم اور اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی جماعتی تعلیم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لٹریچر سے کس طرح مسلمانوں میں بھی قائم ہوتا ہے جو نیک فطرت ہیں کس طرح وہ اثر لیتے ہیں۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جورھاٹ بک فیئر کے موقع پر ایک دوست جالیموس (Jalimaus) صاحب آئے۔ یہ موصوف کمپیوٹر انجینئر ہیں۔ اسٹال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر اور جماعتی کتب دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد موصوف نے ڈیوٹی پر موجود مبلغ سے نم آنکھوں سے مخاطب ہو کر کہا میں آج اگر بطور مسلمان آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو صرف جماعت احمدیہ کی وجہ سے۔ جماعت کا یہ مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ احمدی ہیں اور جماعت نے آپ پر کیا احسان کیا ہے؟ تو اس پر اس نے جواب دیا کہ میں احمدی تو نہیں ہوں لیکن میں مذہب سے دور ہوتے ہوتے دہریہ ہو گیا تھا مگر میرے گھر میں والد صاحب کے پاس جماعت احمدیہ کی کچھ پرانی کتب پڑی ہوئی تھیں جو کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کتب کا میں نے مطالعہ کیا۔ ان کتب میں حضرت مرزا صاحب نے خدا تعالیٰ کے بارے میں جو دلائل پیش کیے تھے ان دلائل نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں لاجواب ہو گیا اور میرا ہستی باری تعالیٰ پر ایمان قائم ہو گیا۔ اس طرح دہریہ لوگ بھی جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے اپنے ایمان کو دوبارہ قائم کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگا کہ اب میں جماعت احمدیہ کی ویب سائٹ کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ جماعت احمدیہ اسلام کی تائید میں جو دلائل پیش کرتی ہے اس سے میرا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور میرے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جماعت احمدیہ کی وجہ سے میں آج مسلمان ہوں۔

مغربی دنیا میں جہاں بعض ملکوں میں سویڈن میں، ڈنمارک وغیرہ میں قرآن کریم کی توہین کی جارہی ہے وہیں جب اسلام کی خوبصورت تعلیم پیش کی جاتی ہے تو انہی مخالفین کے رویّے بدل جاتے ہیں۔ پس آج جماعت احمدیہ ہی ہے **جو قرآن کریم کے مرتبہ و مقام کو بلند کرنے** اور اس کی حقیقی تعلیم بتانے میں کوشاں ہے۔

ایک جرمن خاتون نے کہا کہ جماعتی لٹریچر کی اور قرآن کریم کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ اس نمائش میں اسلام کے بارے میں مختلف موضوعات پر قرآن اور حدیث کے حوالہ جات پیش کیے گئے، ان موضوعات کے حوالے سے جو اس بات کو ظاہر کرتے تھے کہ اسلام کوئی انتہا پسند مذہب نہیں ہے۔ اس خاتون نے کہا آپ کی جماعت نے تو اسلام کو آسان کر کے ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کی مخالفت کی جائے اور قرآن کریم کی مخالفت کی جائے۔

قرآن کریم کی اشاعت اور اسلامی تعلیمات پر لٹریچر کا لوگوں پر کس طرح اثر ہوتا ہے اس بارے میں اَور واقعہ بھی بیان کرتا ہوں۔ گولاگھاٹ بک فیئر کے موقع پر رپورٹ دینے والے کہتے ہیں کہ ایک مسلمان پروفیسر شبانہ یاسمین صاحبہ نے جب ہمارے سٹال کو دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور سیدھا آکر قرآن مجید کا آسامی ترجمہ اٹھایا۔ آسام میں یہ نمائش ہو رہی تھی اور اپنے ساتھی پروفیسر صاحب سے کہنے لگیں کہ آج میرا ایک خواب پورا ہو گیا ہے۔ میں ایک لمبے عرصے سے قرآن کریم کے آسامی ترجمے کی تلاش میں تھی۔ میرے ایک استاد تھے جنہوں نے بارہا مجھ سے قرآن مجید کے آسامی ترجمے کا مطالبہ کیا تھا لیکن میرے پاس یہ ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید مَیں ان کو نہیں دے سکی۔ اس وجہ سے مجھے سخت ندامت ہوتی تھی اور اپنے مسلمان ہونے پر افسوس ہوتا تھا۔ میرے استاد کی وفات کے بعد آج مجھے یہ قرآن مجید ملا ہے اگر اس کی قیمت ہزاروں روپیہ بھی ہوتی تو میں اس وقت ضرور خرید لیتی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے دُور دراز علاقہ جات میں جہاں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید اور دیگر بنیادی اسلامی کتب بھی موجود نہیں ہیں وہاں جماعت احمدیہ بک سٹال لگا کر ان کی دینی اور روحانی ضروریات پوری کر رہی ہے۔

پھر دھیماجی بک فیئر میں ایک خاتون ہیں بانتی دووا راس (Banti Dowaras Bogagohaian) یہ لارڈ شیوا کا مندر بنا رہی ہیں اور اس کی تبلیغ کرتی ہیں ہندو ہیں۔ جب اس نے ہمارے سٹال کو دیکھا تو حیران رہ گئی کہ اس علاقے میں جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے وہاں ایک اسلامی سٹال لگا ہے اس نے ہمارے سٹال پر آکر گفتگو کی۔ بہت خوش ہو کر واپس گئی۔ اگلے روز پھر واپس آئی اور سٹال میں موجود تمام لوگوں کے لیے پھل وغیرہ لائی نیز قرآن مجید کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے قرآن مجید خریدتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا کہ **آج میری زندگی کا ایک خواب آپ نے پورا کر دیا ہے۔** قرآن کریم خریدا اور اس کو اپنے سینے سے لگایا اور اس کے ساتھ تصویر بنوائی۔

چیک ریپبلک مشرقی یورپ کا ملک ہے۔ مبلغ کہتے ہیں ایک نوجوان ہمارے سٹال پر آیا۔ اس نے بتایا کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خدا کا وجود ہے مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون سا مذہب مجھے خدا تک پہنچا سکتا ہے؟ میں نے بہت عرصے تک بہت سارے مذاہب کا مکمل جائزہ لیا ہے مگر اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جماعت احمدیہ ہی

تمام مسائل کا حل دیتی ہے جس سے میرے دل و دماغ کو تسلی ملتی ہے۔ مجھے یہاں پر روحانیت محسوس ہوتی ہے۔ اب بتائیں یہ ملاں لوگ کہ قرآن کریم کی تعلیم کو لوگوں کے دل و دماغ تک کون پہنچا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کس طرح تبلیغ کے راستے کھولنے کے سامان پیدا فرماتا ہے، اس کے بھی ایمان افروز واقعات ہیں۔ پاکستان میں ہم پر مکمل پابندی ہے لیکن بعض دوسری جگہوں پہ بعض روکوں کے باوجود اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔

گنی بساؤ کے مبلغ لکھتے ہیں۔ گذشتہ دسمبر میں کیپ ورڈ آئی لینڈ کا دورہ کیا تو اس دورہ کے دوران اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ہماری جماعت کا ریڈیو پروگرام ہونا چاہیے جس کی مدد سے زیادہ تیزی کے ساتھ جماعت کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے مگر کافی کوششوں کے باوجود جماعت وہاں رجسٹرڈ نہیں ہو رہی تھی جس کی وجہ سے ریڈیو پروگرام نہیں مل سک رہا تھا۔ کہتے ہیں دورہ مکمل ہونے کے بعد گنی بساؤ سے بہت سارے لیف لیٹس پرنٹ کر کے کیپ ورڈ بھجوائے گئے۔ وہاں ان کو کثرت سے تقسیم کیا گیا اور کہتے ہیں کہ ایک دوست نے لیف لیٹ پڑھنے کے بعد جماعتی مشن فون کیا اور کہا کہ جماعت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس طرح ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کو جماعت کے بارے میں بتایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنی تعلیمات ریڈیو پر کیوں نہیں بتاتے؟ اس پر ان کو بتایا گیا کہ ہم کوشش کر رہے ہیں مگر ریڈیو پروگرام ہمیں نہیں مل رہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ میرا اپنا ریڈیو اسٹیشن ہے۔ میں ریڈیو اسٹیشن کا ڈائریکٹر ہوں۔ **آپ میرے ریڈیو پر پروگرام کر سکتے ہیں** اور جماعت کا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک نیا راستہ کھول دیا۔

پھر مالی کے مبلغ لکھتے ہیں۔ جلسہ سالانہ مالی میں کولی کورو ریجن کے ایک گاؤں سے ایک دوست احمد طورے صاحب آئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اس وقت مالی میں ایک مسلک ہے جو نماز اور ارکان اسلام کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ اب یہ مسلک جو نماز کو اور ارکان اسلام کو اہمیت نہیں دیتے لیکن مسلمان ہے۔ احمدی پھر بھی غیر مسلم۔ اور وہ کہنے لگے کہ وہ اسی فرقے کا رُکن ہے لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ نیک فطرت تھا۔ کہتا ہے کہ بیشک کہتے تو ہم یہی ہیں کہ ارکان اسلام کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایمان کی اور نماز بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن دل میرا اس پہ مطمئن نہیں ہے۔ ایک دن انہوں نے ریڈیو لگایا تو وہ جماعت احمدیہ کا ریڈیو تھا جس میں نماز پڑھنے کا طریق سکھایا جا رہا تھا جس کو انہوں نے بڑے انہماک سے سنا اور بعد میں انہوں نے بار بار جماعتی ریڈیو سنا تو دل میں یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہی سچے مسلمان ہیں لیکن گاؤں والوں نے بتایا کہ ان کو تمام علماء اسلام سے خارج کر چکے ہیں۔ کہتے ہیں میں نے یہاں لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے، تہجد کی ادائیگی کرتے دیکھا تو میرا دل مطمئن ہو گیا۔ میں دین کے معاملے میں زیادہ نہیں جانتا لیکن جتنا اسلام کے متعلق جانتا ہوں آج اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور میں احمدیت میں شامل ہوتا ہوں۔

آخری شرعی کتاب قرآن کریم جس کا پڑھنا، سننا، رکھنا بھی جیسا کہ میں نے کہا ہے پاکستان میں احمدیوں پر بین (Ban) ہے، ایک بہت بڑا جرم ہے، وہی کتاب ہے جس کے ذریعے جماعت احمدیہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچا رہی ہے اور دنیا کی اصلاح کر رہی ہے۔

مائیکرونیشیا کے مبلغ شرجیل صاحب کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک شخص سائمن گیڈن نے رابطہ کر کے قرآن پاک کا نسخہ حاصل کیا۔ اس پر کچھ عرصہ گزر گیا۔ ایک دن اچانک اس کا میسج آیا کہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جب مسجد آئے تو کہنے لگے کہ پوری زندگی بائبل کو بہت تفصیل سے میں نے پڑھا ہے لیکن کوشش کے باوجود کچھ بھی سمجھ نہیں آئی اس کی تعلیم دل میں نہیں بیٹھتی لیکن جب سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا ہے تو ایسے لگا کہ اس کا ہر لفظ دل میں سیدھا داخل ہو رہا ہے۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ساری زندگی غلط تھا اور قرآن کریم کی تعلیم سے محروم رہا۔ اپنی والدہ کے پاس اس کے بعد گئے اور انہیں بتایا کہ مسجد جا رہا ہوں اور اسلام میں داخل ہونے لگا ہوں۔ ان کے وہاں رشتے دار بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ بڑا غلط کام کرنے لگے ہو، بہت برا بھلا کہا۔ اس پر موصوف نے کہا آپ لوگ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں لیکن میں اپنے دل سے مسلمان ہو چکا ہوں اور کہتے ہیں سائمن صاحب نے خاکسار سے اس بات کا ذکر کیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ اب نہ صرف جماعت میں داخل ہو گئے ہیں بلکہ بڑی دلیری سے اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے **ذریعے کس طرح دنیا کے مختلف ممالک میں** سعید روحیں اسلام میں داخل ہوتی ہیں۔

امیر صاحب سپین لکھتے ہیں ایک سپینش دوست فرانسسکو خیسوس صاحب کافی عرصہ تحقیق کر کے جنوری 2023ء میں مسلمان ہوئے۔ اسلام کو سچا دین سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں کی منتشر حالت پر متفکر رہتے تھے اور یہ بات سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور کے بعد مسلمان متحد نہیں ہو سکے۔ انہوں نے اسلام کی تاریخ کچھ پڑھی ہوئی تھی۔ اب نظامِ خلافت کے تحت ہی دوبارہ متحد ہو سکتے ہیں۔ لیکن نظام خلافت کو کہاں تلاش کریں؟ مارچ 2023ء میں ان کا ہمارے ایک احمدی طارق صاحب سے رابطہ ہوا۔ انہوں نے اسے احمدیت پر تحقیق کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے تین ماہ احمدیت کے بارے میں تحقیق کی اور انشراحِ صدر ہونے کے بعد پھر انہوں نے بیعت کر لی اور باقاعدہ جمعے وغیرہ پر بھی تشریف لاتے ہیں۔

تاجکستان سے تعلق رکھنے والے ایک دوست ہیں خرموف تُرغُن صاحب۔ آجکل قرغیزستان میں مقیم ہیں۔ کہتے ہیں میں یہاں کاشغر میں کام کرتا ہوں۔ جہاں میں کام کرتا ہوں وہاں احمدی احباب بھی تھے۔ انہوں نے بعضوں کے نام لیے۔ میں نے ان سے تقریباً تین سال جماعت کے بارے میں گفتگو کی۔ ان سے گفتگو کر کے آخر مجھے یقین ہو گیا کہ جماعت احمدیہ ہی حقیقی اسلام ہے اور امام مہدی علیہ السلام ہی مسیح موعود ہیں اور مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ خاکسار بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہو گیا۔ پھر دعا کے لیے کہا ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے خدمت کی توفیق دے اور متقی بنائے اور دس شرائط بیعت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

رشیا سے عطاء الواحد صاحب مبلغ لکھتے ہیں ایک نوجوان کو اللہ تعالیٰ نے اسلام احمدیت کی طرف متوجہ کیا۔ ڈیڑھ سال قبل اس سے رابطہ ہوا تھا۔ ایک چھوٹے قصبے کا رہنے والا نوجوان ہے اور ان کے والد تو مذہب سے دور ہو گئے تھے لیکن مارسیل کی اہلیہ عیسائی آرتھوڈوکس سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ یہ مارسیل نوجوان ہیں ان کے بڑے بھائی عیسائی ہیں لیکن ان کی توجہ ان کے والد کی قومیت کی وجہ سے اسلام کی طرف ہوئی اور ان کے والد پہلے

ہی مسلمان تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو والد کی اس توجہ کی وجہ سے اسلام قبول کیا لیکن مسلمانوں کا سنی اسلام قبول کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ تعلیمات کے متعلق بہت سے سوالات ذہن میں آتے تھے جن کے مقامی مولوی تسلی بخش جواب نہیں دے سک رہے تھے۔ اس بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا اور اسی دوران اللہ تعالیٰ نے انٹرنیٹ کے ذریعے سے ان کا رابطہ جماعت احمدیہ رشیا کے ساتھ کروادیا۔ یہاں سے مارسیل صاحب کو اپنے سوالات کے تسلی بخش جواب مل رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے بہت سی جگہوں پر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی **لیکن حقیقی اسلام احمدیت ہی میں پایا ہے**۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کر لی۔

فلپائن کے مبلغ انچارج کہتے ہیں کہ یہاں ایک جزیرے میں 139 بیعتیں ہوئیں اور بیعت کرنے والوں میں ایک سکول کے پرنسپل اور دو امام بھی شامل ہیں اور چار امام مسجد بیعت کر کے احمدی ہو چکے ہیں۔ ایک امام مسجد حاجی عیسیٰ کا کہنا ہے کہ جس مسجد کے وہ امام ہیں اب وہ جماعت احمدیہ ہی کی مسجد ہے۔ ایک دوست نے اس مسجد سے ملحقہ کچھ زمین بھی جماعت کو ہبہ کی ہے جس میں دوران سال مشن ہاؤس بنانے کا ارادہ ہے تا کہ مستقل معلم کی تقرری ہو سکے۔ یہ امام مالی قربانی کرنے والے ہیں۔ صرف یہ نہیں کہ پیسے لیتے ہیں۔ ان کی دکان ہے، کاروبار ہے، مالی قربانی کرنے والے بھی ہیں اور ایک دن کہنے لگے کہ میں نے جو پانچ سو پیسو کی ایک دن مالی قربانی کی تھی اللہ تعالیٰ نے میرا ایمان مضبوط کرنے کے لیے اگلے دن ہی مجھے غیر متوقع طور پر ایک لاکھ پیسو کہیں سے آمد کروادی۔ اللہ تعالیٰ خود اس طرح سعید فطرت لوگوں کی راہنمائی فرماتا ہے۔

مالی کے ریجن سِکَاسَو کے مبلغ لکھتے ہیں مروان کولی بالی صاحب احمدیہ مشن ہاؤس آئے اور کہا کہ وہ بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ریڈیو احمدیہ شوق سے سنتے تھے اور جماعت کی اکثر باتوں سے مطمئن تھے لیکن بیعت کرنے کو دل نہیں مانتا تھا۔ کہنے لگے: کل جب میری ریڈیو سنتے سنتے آنکھ لگ گئی **تو میں نے خواب میں دیکھا کہ** آسمان میں چاند نہایت روشن ہے اور چاند میں دو اشخاص کی تصویریں نظر آ رہی ہیں۔ ایک تصویر بڑی اور ایک چھوٹی ہے اور قریب کھڑے بچے شور مچا رہے ہیں کہ یہ امام مہدی علیہ السلام اور ان کے خلیفہ کی تصویر ہے۔ وہ آ گئے ہیں۔ مروان صاحب کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے خواب میں ہی قریب کھڑے بزرگ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو بھی تصویر نظر آ رہی ہے، جس پر بزرگ نے تو نفی میں جواب دیا لیکن کہتے ہیں میرا دل مطمئن ہو گیا کہ احمدیت ہی سچی جماعت ہے جو امام مہدی کے ظہور کا اعلان کر رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفاء کی تصویریں دیکھیں تو **حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی تصویر کو پہچان لیا۔ ساتھ میری تصویر بھی تھی اور کہا یہی تو میں نے** خواب میں دیکھا تھا۔

سپین کے امیر صاحب لکھتے ہیں کارلوس صاحب نے اس سال بیعت کی ہے۔ یہ پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ عبد السلام ان کا نام رکھا گیا تھا۔ انہوں نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور انہیں فرما رہے ہیں کہ آؤ! امن کی طرف آ جاؤ۔ خواب کے بعد ایک روز ان کی اہلیہ انٹرنیٹ پر انہیں کچھ دکھا رہی تھی کہ ان کی نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر پر پڑی تو انہوں نے کہا یہ تو وہی شخص ہے جو مجھے خواب میں امن

کی طرف بلا رہا تھا۔ اس پر انہوں نے احمدیت کے بارے میں تحقیق شروع کر دی اور کچھ دن بعد دوبارہ خواب دیکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ میں امام مہدی اور مسیح ہوں۔ ان کا دل تو اس خواب کے بعد احمدیت کا قائل ہو گیا تھا لیکن بیعت نہیں کی تھی اور تحقیق جاری رکھی۔ تیسری دفعہ پھر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا جب آپؑ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار تھے۔ اس پر انہوں نے فوری طور پر جماعت سے رابطہ کیا اور بیعت کر لی۔

باوجود مخالفین کی انتہائی کوششوں کے نومبائعین مضبوطی ایمان کا کس طرح اظہار کرتے ہیں۔ برکینا فاسو، مہدی آباد کے ایک ناصر سعید وجیکا صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے گاؤں کی اکثریت نے احمدیت قبول کر لی تو سعودی عرب میں مقیم میرے ایک کزن نے تمام اخراجات برداشت کر کے ہمیں سعودی عرب بلایا۔ وہاں پہنچے تو اس نے ہمیں خانہ کعبہ کی زیارت کرواتے ہوئے کہا کہ یہ اسلام کے مقدس مقامات ہیں۔ اسلام یہاں سے شروع ہوا تھا پاکستان سے نہیں۔ اس لیے یہاں پر قائم وہابی عقیدہ اختیار کرو اور احمدیت چھوڑ دو۔ میں نے کہا تم نے اس لیے ہمیں یہاں بلایا تھا۔ اس نے اس بات پہ سر ہلایا۔ پھر میں نے کہا کہ اس مقدس مقام کے سائے میں کھڑا ہو کر دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موقع نہ آئے کہ مجھے احمدیت چھوڑنی پڑے۔ کہتے ہیں میں نے خانہ کعبہ میں یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے پہلے حالت ایمان میں موت دے دے، کبھی ایسا موقع نہ آئے کہ میں ایمان سے پھروں۔ بہر حال کہتے ہیں اس کے بعد میں جلد برکینا فاسو آ گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی ان کا عزیز جو کزن تھا ان کو اور عزیزوں رشتہ داروں سے ملنے کے لیے برکینا فاسو آیا تو الحاج ابراہیم صاحب نے اسے تبلیغ کی اور وہ بھی احمدی ہو گیا۔ بہر حال کہتے ہیں جو ہمیں شکار کرنا چاہتا تھا وہ خود احمدیت کا شکار ہو گیا۔

پھر مخالفت میں ثابت قدمی کے بارہ میں برکینا فاسو کے ہی امیر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ڈوری ریجن کے معلم عمر ڈیکو (Dicko) صاحب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن وہابی مُلّاں کا ایک ٹولہ ان کے گھر آیا اور احمدیت ترک کرنے کا کہا اور دھمکی دی کہ ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ عمر ڈیکو صاحب نے کہا کہ بیشک مجھے قتل کر دو لیکن **احمدیت چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں** ہوتا اور نہ ہی میں تبلیغ سے باز آؤں گا۔ تبلیغ بھی کروں گا۔ اس پر وہ شدید غصے میں چلے گئے۔ اگلے روز کچھ مسلح لوگ ان کے گھر آئے۔ اس پر احمدی احباب نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ڈوری چلے جائیں۔ اس رات معلم صاحب اپنی فیملی کے ساتھ دعا میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے راہنمائی چاہی۔ معلم صاحب نے خواب میں اسماعیل نامی ایک شخص کو دیکھا۔ اس نے کہا کہ اے عمر! تو کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا ڈوری۔ اس پر اس نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد اگلی صبح انہوں نے ہجرت کر لی اور ان کو پھر ایک رکشے والے نے محفوظ طریقے سے وہاں پہنچا دیا اور ڈوری پہنچتے ہی کہتے ہیں ان کی اہلیہ کا فون آیا کہ مسلح دہشت گرد آئے ہیں اور آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی جان بھی بچا دی۔

نائیجیریا کی اوسن (Osun) سٹیٹ کے ایک گاؤں کے رہائشی بدر ادریمی (Badr Aderemi) صاحب کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور احمدیت قبول کرنے سے قبل گاؤں کے مخالف گروپ

کے، ہماری جماعت کے مخالف گروپ کے سرگرم رکن تھے۔ گاؤں میں کہتے ہیں جماعت احمدیہ کے مشنری نے مجھے جماعت سے متعارف کروایا تو مجھے جماعت احمدیہ کے متعلق مزید جاننے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ تحقیق کرنے کے بعد میں نے احمدیت قبول کر لی۔ بیعت کے بعد گاؤں والوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کہتے ہیں مجھے کہا گیا کہ تین مہینے ہیں اگر تم نے احمدیت نہ چھوڑی تو تمہارا گھر تباہ کر دیں گے۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ ایک روز میں کھیتوں میں کام کرنے کے لیے گیا۔ شدید طوفان آ گیا۔ کہتے ہیں مجھے یقین تھا کہ میں واپس گھر جاؤں گا تو میرا گھر اس طوفان کی نظر ہو چکا ہو گا۔ بہر حال جب گھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے گھر کے دائیں بائیں سارے گھر تباہ ہو چکے ہیں، تقریباً پچاس کے قریب گھر تباہ ہو گئے نہ صرف گھروں کی چھتیں بلکہ پورے کے پورے گھر ہی ملبہ بن گئے اور اس دوران مخالفین کی یہ بات بھی ذہن میں آ جاتی کہ چونکہ تم نے احمدیت قبول کی ہے اس لیے ایک روز جب تم واپس آؤ گے تو اپنا گھر تباہ و برباد دیکھو گے۔ میں نے **دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ جماعت تیری جماعت ہے اور** حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی موعود مہدی ہیں جن کی خوشخبری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو میرے گھر کو گرنے نہ دینا۔ بہر حال جب بارش تھم گئی تو میں گھر کے اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ ہر کمرہ محفوظ تھا اور کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا اور جبکہ ارد گرد کے بہت سارے گھر تباہ ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میرا احمدیت کی سچائی پر ایمان پختہ ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ جماعت واقعی ایک الٰہی جماعت ہے۔ بہر حال دنیا کے مختلف ممالک میں اللہ تعالیٰ کے یہ سلوک کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نظر آتی ہیں جنہوں نے ہمیں حقیقی اسلام کی تعلیم دی، یہ سب سے بڑی جماعت احمدیہ کی سچائی کی دلیل ہے۔ یہ واقعات اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے لوگوں کے ایمان کو مضبوط کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی بھی نظریں کھولے اور ان کو ایمان اور یقین کے ساتھ قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس وقت مَیں نے مرحومین کا ذکر کرنا ہے، بعض جنازے ہیں، ان کا ذکر کروں گا لیکن یہ بھی ضمناً کہہ دوں کہ **ان دنوں میں جو کووڈ (Covid) دوبارہ پھیل رہا ہے اس لیے لوگوں کو بھی اس بارے میں** احتیاط کرنی چاہیے۔

مرحومین کے ذکر میں پہلا ذکر ہے مکرمہ امۃ الہادی صاحبہ اہلیہ مکرم پیر ضیاء الدین صاحب۔ یہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی بیٹی تھیں۔ بانوے سال کی عمر میں گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے بیٹے پیر شبیر احمد اسلام آباد کے نائب امیر ہیں اور بریگیڈیئر دبیر احمد، فضل عمر ہسپتال میں آج کل ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے وقف کیا تھا۔ ان کی دو بیٹیاں بھی ہیں۔

ان کے بیٹے نے لکھا کہ ہم بہن بھائیوں نے ہمیشہ اپنی والدہ کو بچپن سے ہی نمازوں اور تلاوت میں باقاعدہ پایا اور باقاعدہ چندہ دینے والی تھیں۔ ایم ٹی اے دیکھنا ان کا معمول تھا۔ جماعتی تحریکات میں حصہ لیتی تھیں۔ تحریک جدید کے دفتر اول کی چندہ دہند تھیں۔ 1971ء میں جو پاک بھارت جنگ ہوئی اس میں امۃ الہادی صاحبہ کے خاوند بریگیڈیئر ضیاء الدین صاحب مشرقی پاکستان میں تھے جو اب بنگلہ دیش ہے اور وہاں وہ بڑا المناک عرصہ رہے۔ پیر دبیر یہ کہتے ہیں کہ میری والدہ بھی اور چھوٹی بہن بھی وہیں تھی۔ کچھ عرصے کے بعد والد نے والدہ اور چھوٹی بہن کو بھیج دیا۔

وہ پریشان رہتی تھیں لیکن کبھی انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار ہم بچوں پہ نہیں کیا بلکہ ہمیں حوصلہ دیتی رہیں اور چھ مہینے کے بعد پھر بریگیڈیئر صاحب وہاں سے واپس آئے۔ ہمیشہ عیدوں پہ تلقین کرتی تھیں کہ غریبوں کا خیال رکھو، ان کو عیدیاں دو۔ ہیومینٹی فرسٹ میں ہر سال دو مرتبہ خطیر رقم بھجواتی تھیں۔ کنویں اور ہینڈ پمپ لگوانے کے لیے، بچوں کی پڑھائی کے لیے، غریبوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے۔ اس کا ڈاکٹر نوری صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔ ان کی بیٹی امۃ الکبیر طلعت کہتی ہیں کہ بآواز تلاوت کیا کرتی تھیں۔ کسی کی غیبت نہیں کرتی تھیں۔ دوسروں کو بھی اس بات سے منع کرتی تھیں۔ خلافت سے بہت عقیدت کا تعلق تھا۔ باقاعدہ ایم ٹی اے دیکھتیں۔ باقاعدہ خطبہ سنتیں اور ہمیں ہر موقع پر سمجھاتی تھیں کہ سلسلہ کی کتب پڑھنے کا بہت فائدہ ہے۔ ان کو خود بھی بڑا شوق تھا اور ہر وقت سرہانے کتب پڑی ہوتی تھیں جو زیر مطالعہ ہوتی تھیں۔ بہت ملنسار اور تعلق رکھنے والی تھیں۔ ان کی نواسی کہتی ہیں کہ جب بھی ہم قرآن کریم کی کوئی نئی سورت یاد کرتے تو ہمیں انعام دیا کرتی تھیں، حوصلہ افزائی کرتیں۔ کہتی ہیں مجھے یاد ہے کہ باقاعدہ فجر کی نماز کے بعد بہت لمبی تسبیح اور دعائیں کرتی تھیں اور مجھے بھی تلقین کرتی تھیں صبح تیار ہونے کے بعد قرآن کو تفسیر سے پڑھتیں۔ حدیقۃ الصالحین پڑھتیں، روحانی خزائن پڑھتیں، پھر ناشتہ کرتیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ ان کی نیکیاں ان کے بچوں میں بھی جاری فرمائے۔

اگلا ذکر ہے مکرم ثاقب کامران صاحب جو ہمارے واقف زندگی تھے، آج کل نائب وکیل سمعی بصری تھے جو بیالیس سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ ڈاکٹروں کا خیال یہی ہے کہ فوڈ پوائزننگ (food poisoning) ہوئی۔ لیکن ایک ٹریجڈی (tragedy) یہ بھی ہوئی کہ ثاقب صاحب کی وفات سے تقریباً پینتالیس منٹ قبل ان کا ایک بیٹا آرب کامران، انہوں نے بھی وہی کھانا کھایا تھا وہ بھی فوت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ثاقب کامران صاحب کے پڑدادا حضرت چودھری مولا بخش صاحب تلونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔ کامران صاحب نے وقف کیا، جامعہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے پھر پاس کر کے مختلف جگہوں پہ تعینات رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی اور دو بیٹوں سے نوازا۔ رومیسہ کاشفہ سترہ سال کی ہے اور غالب کامران تیرہ سال کا اور تیسرا بیٹا جو ہے اس کی وفات ان کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ پورا خاندان ہی بیمار ہوا تھا باقی سب کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

جامعہ پاس کرنے کے بعد ان کی نظارت اصلاح و ارشاد مقامی میں تعیناتی ہوئی۔ پھر حدیث کے مضمون میں ان کو تخصص کے لیے چنا گیا۔ پھر اس کے بعد وکالت تعلیم تحریک جدید کے تحت سیریا ان کو عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجا گیا لیکن وہاں کے حالات کی وجہ سے یا کسی اَور وجہ سے واپس آ گئے۔ پھر اس کے بعد دسمبر 2018ء میں تحریکِ جدید کے سٹوڈیوز کا آغاز ہوا تو ان کو نائب وکیل سمعی بصری تحریک جدید مقرر کیا گیا اور وفات تک وہ اسی عہدے پر خدمت انجام دیتے رہے۔ اٹھارہ سال اللہ تعالیٰ نے ان کو خدمت کی توفیق دی۔

ان کی والدہ صادقہ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ کامران کی پیدائش وقفِ نو کی تحریک سے پہلے ہوئی تھی

انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو درخواست کی کہ میرے دو چھوٹے بیٹے وقف نو میں شامل کر دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کی درخواست مان لی اور شامل کر لیا۔

ان کی اہلیہ کہتی ہیں۔ بہت پیاری شخصیت تھے۔ لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ نمازوں کو فکر سے ادا کرنے والے، خلافت کے ساتھ شدت سے محبت کرنے والے، جماعت کی امانتوں کی حفاظت کرنے والے، ہر رنگ میں، ہر رشتے میں پُر خلوص محبت کرنے والے، خیال رکھنے والے اور ہر شخص کا خیال رکھنے والے، جماعت کے ہر فرد کا خیال رکھنے والے اور کوشش ہوتی تھی کہ اپنے بچوں کی بھی تربیت بہتر رنگ میں کریں۔

ان کی والدہ نے بھی لکھا ہے کہ قرآن کریم کے حکم کہ اپنے والدین کے سامنے اف نہ کہو کبھی اونچی آواز میں انہوں نے بات نہیں کی۔ دوسروں کے راز چھپانے والے، دفتری رازوں کی حفاظت کرنے والے، ان کی اہلیہ کہتی ہیں کہ ہم بعض دفعہ باہر سے باتیں سنتے تھے تو ان سے پوچھتے تھے کہ یہ بات ہوئی ہے تو کہتے تھے یہ امانت ہے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ نمازیں باجماعت پڑھنے کی طرف بہت توجہ تھی۔ بچوں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے اور ہمیشہ کوشش ہوتی کہ گھر کا، بچوں کا اور بیوی کا خیال رکھیں۔ ان کی ضروریات کو پورا کریں۔ ہر رشتے کے ساتھ وفا کا تعلق تھا۔

ان کی بیٹی رومیسہ کہتی ہیں کہ میرے والد نہایت ہی عاجز، نیک، غریب پرور، بافہم، دُور اندیش، اطاعت گزار اور تہجد پڑھنے والے شخص تھے۔ تربیت کرنے کا عجیب طریقہ تھا۔ اپنی آنکھ کے اشارے سے ہی بات سمجھا دیتے۔ ہر وقت اچھی تربیت کرنے کی فکر میں لگے رہتے اور ہمیشہ بتاتے کہ تم لوگ واقفِ نو ہو اس لیے اس بات کا احساس رکھو۔ کہتی ہیں بہت ساری باتیں میں ان سے پوچھ لیتی تھی ان کے جواب دینے میں کبھی نہیں جھجکتے تھے چاہے کیسی بھی کیفیت ہو۔

روحان احمد صاحب مربی سلسلہ جو آج کل اسیر راہ مولیٰ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی زیر تربیت اور زیر نگرانی لمبا عرصہ کام کرنے کا موقع ملا۔ ہمیشہ ایک شفیق دوست کی طرح میری راہنمائی کی۔ آپ نرم مزاج، اچھی شخصیت کے مالک اور بہترین قائدانہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ ایک مخلص خادم سلسلہ تھے۔ ان کی سخاوت اور ہمدردی بھی بے مثال تھی۔

ان اسیر ان کے لیے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی بھی جلد رہائی کے سامان پیدا فرمائے اور مرحوم سے اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ ان کے لواحقین کو بچوں کو، بیوی کو، والدہ کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے اور ان کے بچوں میں ان کی نیکیاں جاری فرمائے۔

تیسرا ذکر پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق داؤد صاحب کوتونو بینن کا ہے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کا تعلق بینن کے داؤد اخاندان سے تھا جس خاندان کے لوگوں نے بینن میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔ بینن کے سب سے پہلے احمدی مکرم ذکر اللہ داؤد صاحب مرحوم ان کے تایا تھے۔ ان کے والد عیسیٰ داؤد مرحوم تاحیات بینن کے نیشنل نائب امیر رہے۔ 1980ء میں جب آپ

طالب علم تھے تو آپ نے ذکر اللہ داؤد صاحب مرحوم کی تبلیغ سے احمدیت قبول کر لی تھی۔ قبول احمدیت کے بعد اپنے تایا کے ساتھ اپنے والدین کو تبلیغ کرتے رہے اور کچھ دیر کے بعد ان کی تبلیغ سے والدہ اور والد بھی احمدی ہو گئے۔ 2022ء میں سینیگال کی یونیورسٹی سے زوآلوجی (Zoology) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد واپس آ کر بینن میں پاراکو یونیورسٹی میں پروفیسر کے طور پر تعینات ہوئے۔ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر بہت ساری ملکی اور غیر ملکی کانفرنسز میں شریک ہوتے تھے۔ لمبا عرصہ بطور صدر خدام الاحمدیہ بینن خدمت کی توفیق ملی۔ زمانہ طالب علمی میں ہی انہوں نے وصیت کر لی تھی اور یوں بینن کے احمدیوں میں سے شروع کے بلکہ لکھا ہے کہ سب سے پہلا موصی ہونے کا اعزاز انہیں حاصل ہوا۔

ان کی اہلیہ ریحانہ داؤد اصاحبہ جو اس وقت لجنہ کی نیشنل سیکرٹری تربیت ہیں کہتی ہیں کہ میں نے شادی کے بعد اپنے خاوند کی تبلیغ سے احمدیت قبول کی۔ انہوں نے مجھے یسرنا القرآن اور پھر قرآن مجید پڑھایا۔ بہت ہی شریف، دیانتدار، انسانیت کا درد رکھنے والے غریب پرور انسان تھے۔ جماعتی کاموں کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ باقاعدہ تہجد پڑھنے والے تھے۔ مجھے تلقین کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے گھر میں قرآن کریم پڑھا کرو تا کہ ہمارے گھر میں خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔

کہتی ہیں کہ جب آپ یونیورسٹی میں نائب ڈین کے عہدے پر فائز ہوئے تو ایک دن ایک عورت روتی ہوئی آئی۔ اس نے کہا کہ میری لڑکی فیل ہو رہی ہے اسے پاس کر دیں۔ اگر وہ پاس نہ ہوئی تو میرا خاوند اس کی فیس بھی نہیں دے گا اور مارے گا بھی۔ اور بہت ساری رقم لے کے آئی کہ یہ رقم آپ رکھ لیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر رقمیں دے کے پاس ہونا ہو تو پھر غریب تو کبھی پاس نہیں ہو گا۔ تم یوں کرو یہ جو پیسے تم مجھے رشوت دینے لائی ہو، میں تو احمدی ہوں میں تو ایسے کام نہیں کر سکتا تم یہ اپنے پاس رکھو اور اسی سے فیس دے دینا اور اگر کمی ہو گی تو میں تمہیں مزید فیس کے لیے دے دوں گا۔ لیکن یہ جو سفارش ہے کہ رشوت لے کے پاس کر دوں یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بہرحال وہ رقم کا تھیلا وہاں چھوڑ گئی۔ ان کی بیوی نے دکھایا کہ یہ تھیلا پڑا ہے تو وہ اٹھا کے اکاؤنٹنٹ کے پاس لے گئے۔ اس عورت سے انہوں نے پوچھا کہ میرا گھر تمہیں کس نے بتایا؟ تم تو مجھے جانتی نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے یونیورسٹی کے اکاؤنٹنٹ نے بتایا ہے۔ بہرحال یہ اکاؤنٹنٹ کے پاس گئے، رقم اس کو دی اور اسے کہا کہ اس کو واپس کرو۔ یونیورسٹی کی میٹنگ بلائی اور وہاں یہ سارا معاملہ پیش کیا اور بتایا تو اس پر وہاں جو سارے پروفیسر اکٹھے ہوئے جو ایگزیکٹو تھے، انہوں نے کہا کہ وہ تو تین لاکھ فرانک لے کے آئی تھی اور یہ ڈیڑھ لاکھ ہیں۔ اس میں سے وہ بھی کسی اکاؤنٹنٹ نے ہی خرد برد کر لیے تھے تو بہرحال ان کے مخالفین یہ چاہتے تھے کہ رشوت کا الزام لگوایا جائے اور ان کو نائب ڈین کے عہدے سے فارغ کروایا جائے، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوئے اور یونیورسٹی والے اور دوسرے بھی ان کے ساتھیوں نے بعد میں برملا اظہار بھی کیا کہ بہت ہی ایماندار شخصیت تھے۔ ہمیشہ اپنے محلے کی غریب بیواؤں کا خیال رکھتے تھے۔ کسی کے گھر کی مرمت کروا دی۔ بچوں کی دلداری کرتے۔ ہر ممبر سے پیار کرتے۔ وفات پر تعزیت کے لیے پاراکو یونیورسٹی کے شعبہ ایگریکلچر کے بہت سے پروفیسر ''کوتونو'' آئے۔ شعبہ کے انچارج

پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم نے کہا کہ نہایت ہی عاجز اور دیانتدار انسان تھے۔ یونیورسٹی میں پاپا بونر (Papa Bonheur) کے نام سے مشہور تھے، یہ فرنچ لفظ ہے جس کا مطلب ہے ہر ایک کو برکت دینے والا۔ ہر ضرورت مند کی مدد کرتے۔ جو بھی جیب میں ہوتا اسے دے دیتے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر بہت ہی زیادہ توکّل تھا۔

اسحاق داؤدا صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلافت سے بے پناہ محبت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ حال تھا کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال ہے تو وہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے اس سے زیادہ عمر نہ دینا۔

دل کے مریض ہو گئے تھے۔ ایک مبلغ نے بتایا کہ جب ہارٹ سرجری کے لیے فرانس گئے، تو انہوں نے الیس اللہ کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اتارنے لگے تو انہوں نے کہا یہ انگوٹھی تو نہیں اتارنی۔ یہ موت تک میرے ساتھ رہے گی کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں جن کو میں ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔

یہاں آج کل قائمقام امیر ہیں اور مبلغ انچارج ہیں میاں قمر۔ وہ کہتے ہیں کہ پارا کو کاجب میں ریجنل مبلغ تھا تو جو بھی تنخواہ ملتی تو یہ پہلے ہی شروع میں اپنی وصیت اور دیگر چندہ جات ایک لفافے میں ڈال کر مسجد میں لے آتے کہ میری رسید کاٹ دیں۔ ہمیشہ مسکراتے رہتے اور ہر مصیبت اور پریشانی میں یہی کہتے کہ میں دعا کر رہا ہوں اور خلیفہ وقت کو بھی دعا کے لیے لکھ دیا ہے، اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور دو بیٹے شامل ہیں۔ بڑی بیٹی عزیزہ مقسطہ داؤدا ایگریکلچر میں پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ دونوں بیٹے رقیب داؤدا اور مسرور داؤدا کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو بھی ان کے باپ کے نقش قدم پر چلائے اور مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند فرمائے۔ نماز کے بعد ان شاء اللہ نماز جنازہ ہو گی۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 01/ ستمبر 2023ء تا جلد 30 شمارہ 161 صفحہ 02 تا 07)

33

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 18 / اگست 2023ء بمطابق 18 / ظہور 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء:59) یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانت ان کے اہل کے سپرد کرو۔ پھر ایک حدیث میں آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عہدہ اور ایسا مقام جس میں لوگوں کے معاملات دیکھنے کا اختیار دیا گیا ہو یا لوگوں کو نگران مقرر کیا گیا ہو تو یہ بھی ایک امانت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ حدیث 4719)

پس اس لحاظ سے ہمارے جماعتی نظام میں بھی ہر عہدہ یا کوئی خدمت جس پر کسی کو مامور کیا جاتا ہے امانت ہیں۔ ہماری جماعت میں جماعتی نظام میں ہر سطح پر ہم اپنے عہدیدار منتخب کرتے ہیں۔ مقامی سطح سے لے کر مرکزی، ملکی سطح تک۔ اسی طرح مرکز میں ہیں پھر ذیلی تنظیموں میں اسی ترتیب سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ مرکزی نظام ہے یا ذیلی تنظیم کا نظام ہے ہر جگہ نچلی سطح سے لے کر مرکزی سطح تک عہدیدار مقرر کیے جاتے ہیں اور عموماً یہ انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **کہ جب تم یہ عہدیدار منتخب کرو تو ایسے لوگوں کو منتخب** کرو جو بظاہر نظر یعنی تمہاری نظر میں اس کام کے لیے بہترین ہیں اور اپنے کام کی امانت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ انتخاب کے وقت خویش پروری یا رشتے داری کا خیال نہیں رکھنا چاہیے۔ بعض دفعہ بعض عہدیدار مرکزی طور پر یا خلیفہ وقت کی طرف سے براہ راست بھی مقرر کر دیے جاتے ہیں اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ غور کر کے جو بہترین شخص اس کام کے لیے میسر ہو اسے مقرر کیا جائے لیکن بعض دفعہ اندازے کی غلطی بھی ہو سکتی ہے یا عہدے حاصل کرنے کے بعد لوگوں کے مزاج بدل جاتے ہیں اور جو عاجزی اور محنت سے اور انصاف سے کام کرنے کی روح ایک عہدیدار میں ہونی چاہیے وہ نہیں رہتی۔ تو پھر ایسے شخص کے رویّے کی ذمے داری اسی پر ہو گی نہ کہ منتخب کرنے والے پر۔

بہر حال ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے میں سے بہترین لوگ منتخب کریں اور دعا کر کے منتخب کریں۔ بہر حال عام طور پر یہ کوشش ہوتی ہے کہ جو شخص کسی کام کے لیے مقرر کیا جا رہا ہے وہ ایسا نہ ہو جو آگے بڑھ بڑھ کر صرف اس لیے آ رہا ہے کہ میں عہدیدار بن جاؤں۔ اگر بعض دفعہ ایسے شخص کا نام جماعت کے افراد کی طرف سے کسی عہدے کے لیے تجویز ہو کر آ بھی جائے تو مرکز کو یا خلیفہ وقت کو اگر اس کے حالات کا پتا ہو تو اسے کام نہیں

دیا جاتا اور یہ بات عین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو شخص آئے اور کہا کہ ہمیں فلاں کام سپرد کر دیا جائے، ہم اس کے اہل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جس کو میں کسی کام کے لیے مقرر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور جو خواہش کر کے خود کام اپنے سر پر لے اس کی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من لم یسأل الامارۃ اعانہ اللہ علیہا حدیث7146)

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ حدیث7149)

اس کے کام میں برکت نہیں پڑتی۔ اس لیے **کبھی عہدے کی خواہش کر کے عہدہ لینے** کی کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں خدمت دین کا شوق ضرور ہونا چاہیے۔ مجھے موقع ملے میں خدمت دین کروں اور یہ خدمت کسی بھی رنگ میں ملے اسے بجالانے کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ پس عہدے کی خواہش کرنا، کسی کام کا نگران بن کر اسے کرنے کی خواہش کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے چاہے وہ کسی بھی رنگ میں ہو، یہ پسندیدہ امر ہے۔ پس یہ باتیں منتخب کرنے والوں کو بھی ہمیشہ سامنے رکھنی چاہئیں۔ قرآن کریم کے حکم کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ تمہاری نظر میں دعا کے بعد جو اہل ترین لوگ ہیں کسی خدمت کے لیے، انہیں منتخب کرو۔ اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی کسی عہدے کے لیے خواہش رکھتا ہو تو جماعتی نظام میں اور ہر انتخابی فورم میں اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اور منتخب کرنے والے کو انصاف سے اپنا انتخاب کرنے کا حق استعمال کرنا چاہیے۔ عموماً انتخاب کا یہ طریق ہے کہ ملکی مرکزی سطح پر عہدیداران کے منتخب کرنے کی رائے انتخاب کے نتائج کے ساتھ خلیفۂ وقت کو پیش کی جاتی ہے اور خلیفۂ وقت کو اختیار ہے کہ وہ چاہے کثرتِ رائے سے پیش کیے ہوئے نام کو منتخب کرے یا کسی کم ووٹ حاصل کرنے والے کو منتخب کرے۔ بعض دفعہ اس شخص کے بارے میں بعض معلومات اور بعض ایسے حالات کا مرکز اور خلیفہ وقت کو علم ہوتا ہے اور عام آدمی کو نہیں ہوتا۔

تو بہرحال یہ ضروری نہیں ہے کہ کثرتِ رائے والے کو ضرور منتخب کیا جائے۔ اسی طرح ملکی جماعتوں کے جو انتخاب ہیں ان میں حسبِ قواعد بعض کی منظوری مقامی مرکزی انتظامیہ دے دیتی ہے اور اگر کوئی تبدیلی کرنی ہو تو خلیفۂ وقت سے پوچھ لیتے ہیں۔ کوشش تو بہرحال یہ کی جاتی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اچھے کام کرنے والے عہدیدار میسر آئیں لیکن بعض جگہ جس قسم کے لوگ میسر ہیں ان میں سے ہی منتخب کرنے پڑتے ہیں لیکن یہاں پھر چننے والوں کو، منتخب کرنے والوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ امانت کا اپنی استعدادوں کے مطابق بہترین رنگ میں حق ادا کرنے والے لوگ منتخب ہوں اور کبھی کسی خواہش کرنے والے کو یا دوستی کی وجہ سے یا رشتے داری کی وجہ سے یا یہ دیکھ کر رائے نہیں دینی چاہیے کہ اکثر ہاتھ کسی شخص کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو میں بھی اپنا ہاتھ کھڑا کر دوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نفی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی نفی ہے۔

گو جماعتی مرکزی نظام کے انتخابات تو اس سال نہیں ہونے، ہو چکے ہیں لیکن ذیلی تنظیموں کے انتخابات

ہونے ہیں بعض جگہ انصار کے، خدام کے، لجنہ کے، تو ان تنظیموں کے ممبران کو چاہیے کہ جو بھی مجلسِ انتخاب کے ممبر بنیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنا رائے دہی کا حق استعمال کریں اور دعا کے بعد اور انصاف سے اپنی نظر میں بہترین شخص کی سفارش خلیفۂ وقت کو پیش کریں۔ اگر ہم انصاف کے ساتھ اپنے اس فریضے کو سرانجام دینے والے بن جائیں گے تو تبھی جماعتی ترقی میں ہمارا کردار مثبت ہو گا اور ہم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے ہو جائیں گے۔

اس کے ساتھ ہی میں عہدیداروں کو بھی ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ بیشک جماعتی عہدیدار منتخب ہو چکے ہیں لیکن انہیں ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے اور ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خدمت کا موقع دیا ہے تو اس کے فضلوں کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں ہر قسم کے ذاتی مفاد سے بالا ہو کر اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سرانجام دینا چاہیے۔

بعض عہدیداروں کے متعلق شکایات آتی ہیں کہ **ان کے رویّوں میں عاجزی نہیں ہوتی اور ایسا اظہار** ہوتا ہے جیسے اس عہدے کے بعد وہ کوئی غیر معمولی شخصیت بن گئے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ فرعونیت پیدا ہو گئی لیکن بہرحال اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ خاص طور پر جن عہدیداروں کو نامزد کیا جاتا ہے اور وہ واقف زندگی بھی ہیں ان میں اگر یہ بات پیدا ہو تو یہ بالکل قابلِ برداشت نہیں۔ بعض واقفین زندگی کو جنرل سیکرٹری بنایا گیا تو ان کے بارے میں شکایت ہے کہ بڑا متکبرانہ رویہ ہے۔ سلام تک کا جواب نہیں دیتے۔ ایسے رویے دکھانے والے اپنی اصلاح کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو خدمت کا موقع دیا ہے تو زمین پر جھکیں اور ہر بچے بڑے سے پیار اور عاجزی سے ملیں۔ آپ کو مقرر کیا گیا ہے کہ افرادِ جماعت کی خدمت کریں نہ یہ کہ ان پر کسی قسم کی افسر شاہی کا رعب ڈالیں۔

پھر بعض ایسے ہیں جو اپنے کام بھی صحیح طرح سرانجام نہیں دیتے۔ یہاں میری طرف سے بھی بعض معاملات رپورٹ کے لیے جاتے ہیں تو ان کی دراز میں پڑے رہتے ہیں جب تک یاددہانی نہ کراؤ، بار بار نہ پوچھو اور چھ مہینے سال بعد پھر ایک معافی نامہ لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے سے غلطی ہو گئی۔ ہم ان پر بروقت کارروائی نہیں کر سکے۔ اگر مرکز کے خطوط کے ساتھ، خلیفہ وقت کے خطوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک ہے اور یہ رویہ ہے تو پھر عام فردِ جماعت کے متعلق ان سے کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ نیک سلوک کرتے ہوں گے۔ ان لوگوں کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے ورنہ ان کو خدمت سے فارغ کر دیا جائے گا۔

عہدیداران کو بعض اَور ذمہ داریوں کی طرف بھی میں توجہ دلانا چاہوں گا۔ ایک تو یہی کہ اپنے اندر **عاجزی پیدا کریں اور جو ذمے داری دی گئی ہے** اسے اس کا حق ادا کرتے ہوئے ادا کرنے کی کوشش کریں۔ ہر وقت یہ ذہن میں رہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اوپر نگران ہے۔ وہ ہماری ہر حرکت دیکھ رہا ہے۔ کوئی عہدہ ملنے کے بعد ہم ہر قسم کی بندشوں سے آزاد نہیں ہو گئے بلکہ ہم خدا تعالیٰ کی پکڑ کے نیچے زیادہ آ گئے ہیں۔ لوگوں نے ہمیں منتخب کیا ہے، ہم پر اعتماد کر کے خلیفہ وقت نے ہمیں اس خدمت کے لیے منظور کیا ہے تو ہمیں اس اعتماد کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی ہے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس خدمت کو بہترین رنگ میں ادا کرنے کے لیے صرف کرنی ہیں۔ یہ سوچ ہو گی تو تبھی صحیح کام کرنے کی روح بھی پیدا ہو گی اور افراد جماعت کا بھی تعاون رہے گا۔ اکثر عہدیدار جو شکایت کرتے

ہیں کہ بعض شعبوں میں افراد جماعت تعاون نہیں کرتے بیشک یہ افراد کی بھی ذمہ داری ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے خود خدمت کے لیے چنا ہے ان سے تعاون بھی کریں لیکن ساتھ ہی عہدیداران کا بھی کام ہے کہ اپنی بہترین مثالیں لوگوں کے سامنے قائم کریں۔ اب ایک عہدیدار کی رپورٹ ملی کہ وہ اپنی آمد پر صحیح چندہ نہیں دیتا اور نہ ہی کم شرح سے چندہ ادا کرنے کی اجازت لینی چاہتا ہے تو ایسا شخص پھر دوسروں کے لیے کیا نمونہ پیش کرے گا؟ دوسروں کو کس طرح کہے گا کہ مالی قربانی کرو؟ پس اپنے ذاتی نمونے بہت ضروری ہیں۔ بہت زیادہ استغفار کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی حالتوں کے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ اگر ایک سیکرٹری تربیت خود پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا تو دوسروں کو کس طرح تلقین کر سکتا ہے کہ نمازوں کی طرف توجہ دو۔ اسی طرح ایک واقف زندگی اور مربی خود نوافل ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دے رہا تو افراد جماعت کو وہ کس طرح نصیحت کر سکتا ہے کہ عبادتوں کی طرف توجہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرف توہماری توجہ دلائی ہے کہ غیر احمدی مولوی نصیحت کرتا ہے لیکن اس کے عمل اس کی نصیحت کے مطابق نہیں ہیں اس لیے اس کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 1 صفحہ 67)

پس ہمارے لیے تو ہر لمحہ بڑی فکر سے گزارنے کی ضرورت ہے۔ ہر قدم بڑا پھونک پھونک کر اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جب یہ ہو گا تب ہی ہم اپنی امانتوں کا حق ادا کرنے والے ہوں گے۔ سیکرٹریان تربیت اگر اپنے نمونے قائم کرتے ہوئے پیار اور محبت کے ساتھ جماعت کی تربیت کریں تو افرادِ جماعت میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ ہر عہدیدار کو اپنے شعبے کی بہتری کے لیے کم از کم دو نفل بھی روزانہ پڑھنے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ اگر تربیت کا شعبہ فعال ہو جائے تو باقی شعبے خود بخود میرے اندازے کے مطابق کم از کم ستر فیصد تک بہتر رنگ میں کام کرنا شروع کر دیں گے۔

پس ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عہدیداروں نے اپنے نمونے قائم کرنے ہیں اور خاص طور پر امرائے جماعت نے، صدران جماعت نے اور خصوصاً سیکرٹریان تربیت نے، باقی نے بھی کرنے ہیں، یہ نہیں کہ باقی نہ بھی کریں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا ان عہدیداروں کو خاص توجہ دلانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ باقی نہ بھی کریں تو فرق نہیں پڑتا۔ ہر ایک کرے گا تبھی جماعتی ترقی صحیح طرح ہو گی۔ اگر اپنے نمونے نہ دکھائیں تو یہ نہیں کہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہت فرق پڑتا ہے۔ ہر عہدیدار کے عمل کا فرق پڑتا ہے۔ اگر سیکرٹری مال خود اپنے چندے احتیاط سے ادا نہیں کر رہا تو دوسروں کو کیا کہے گا، جیسا کہ میں نے بتایا اور پھر اس کے کہنے میں کیا برکت ہو گی؟ اگر تبلیغ کا سیکرٹری تبلیغ کا حق ادا ہی نہیں کر رہا تو افراد جماعت کو کس طرح تبلیغ کے لیے متحرک کرے گا؟ پس ہر شعبہ اہم ہے۔ اسی طرح ذیلی تنظیموں کے صدران کے عہدے ہیں اور باقی عاملہ ممبران کے عہدے اہم ہیں۔ ذیلی تنظیموں میں بھی ہر سطح پر اپنے آپ کو فعال کرنا ہو گا۔

بعض جگہ صدر لجنہ کے بارے میں شکایت آتی ہے کہ ان کے رویے ٹھیک نہیں ہیں۔ بعض کے

نومبائعات کے ساتھ رویے ٹھیک نہیں ہیں۔ ان کو کھینچنے کے بجائے ان کو دوڑانے کا باعث بن رہی ہیں۔ ان نومبائعات کو بڑے غلط طریقے سے کہا جاتا ہے کہ ہم تمہاری اصلاح کریں گے جبکہ میرے نزدیک خود ایسی صدر لجنہ کی اصلاح ہونی چاہیے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ چند لوگوں کے پاس عہدے مستقل چلتے رہتے ہیں۔ ممبرات لجنہ بھی اپنے انتخاب میں نہیں دیکھتیں کہ کون اہل ہے اور کون نہیں ہے جس کے نتیجے میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر شکایات آتی ہیں اور جب خرابیاں پیدا ہوں تو اَور لوگوں کے ایمان کو ٹھوکر لگتی ہے۔ اگر منتخب کرنے والیاں خود اپنا حق رائے دہی انصاف سے اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے ادا نہیں کر رہیں تو پھر شکایت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

پس انتخابات کے وقت امانتوں کے اہل کو منتخب کریں تو شکایات ختم ہوں گی ورنہ ہم اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ عہدیداروں سے میں یہ بھی کہوں گا کہ وہ سٹیجوں پر بیٹھنے کے لیے نہیں ہیں۔ ہر عہدیدار کو اپنی ڈیوٹی ایک عام کارکن بن کر دینی چاہیے۔ ایک نومبائعہ خاتون نے مجھ سے ذکر کیا۔ اس جلسے پہ باہر سے آئی ہوئی خاتون تھی کہ یہاں جلسے پر ایک بات نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں نے دیکھا کہ صدر لجنہ ڈسپلن کی ڈیوٹی والی لڑکیوں کے ساتھ ڈیوٹی دے رہی تھی۔ یہ تو بہرحال اس صدر کا فرض تھا۔ یہ کوئی غیر معمولی کام نہیں جو اس نے کیا۔ اگر ڈیوٹی نہ دے رہی ہو اور ہر جگہ پر نگرانی نہ کر رہی ہو تو تب وہ قصوروار ہے۔ اگر صدر خود اس طرح ڈیوٹی نہ دے یا چیک نہ کرے تو وہ اپنی امانت کا حق ادا نہیں کر رہی لیکن بہرحال جو اپنی امانت کا حق ادا کرنے والے عہدیدار ہیں وہ دوسروں کی اصلاح کا بھی باعث بنتے ہیں اور لجنہ میں بنتی ہیں۔

پس یہ سوچ ہے جو ہمارے **ہر عہدیدار میں ہونی چاہیے کہ قوم کے سردار اس کے خادم ہیں۔** یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اسی طرح عام حالات میں بھی ہر عہدیدار کا یہ بھی کام ہے کہ افرادِ جماعت سے ذاتی رابطہ رکھ کر ان سے ذاتی تعلق بڑھائیں۔ ان کی خوشی غمی میں شامل ہوں۔ ہر فرد جماعت کو یہ احساس پیدا کروائیں کہ نظامِ جماعت تو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کے لیے بنایا گیا ہے، نہ کہ کوئی افسر ہے یا کوئی ماتحت ہے۔ کوئی بڑا ہے یا کوئی چھوٹا ہے۔ ہم سب ایک ہیں۔ بھائی بھائی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق کوشش کر رہے ہیں۔ یہی سوچ ہے جو نظام جماعت کو ایک خوبصورت نظام بنا سکتی ہے اور یہی سوچ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے بھی قریب کر سکتی ہے اور یہ سوچ نہ رکھنے اور اس کے خلاف عمل کرنے سے ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لینے والے ہوں گے۔ ایک روایت میں آتا ہے حضرت معقل بن یسارؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا نگران اور ذمہ دار بنایا ہے وہ اگر لوگوں کی نگرانی، اپنے فرض کی ادائیگی اور ان کی خیر خواہی میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے مرنے پر اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کر دے گا اور اسے بہشت نصیب نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من استرعی رعیة فلم ینصح حدیث 7150، 7151)

پس یہ بہت بڑا انذار ہے، بڑے خوف کا مقام ہے، بڑی فکر والی بات ہے۔ پھر ایک روایت میں آتا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ یہ لمبی روایت ہے اور جگہوں کا، نگرانوں کا بھی یہاں ذکر ہے لیکن جو اپنے متعلقہ ہے وہ میں پڑھ دیتا ہوں۔ فرمایا کہ امیر بھی نگران ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول .....الخ حدیث 7138)

یعنی عہدیدار بھی۔ اس میں عہدیداران بھی شامل ہیں کہ وہ نگران ہیں اور ہر ایک سے اپنی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ رعایا سے مراد وہ لوگ نہیں جن پر حکومت کی جاتی ہے بلکہ وہ لوگ ہیں جن کی مدد کرنے کی، ان کی اصلاح کی، ان کی بہتری کی ذمے داری ڈالی گئی ہے۔

پس اسی حدیث میں مثال دی گئی ہے کہ خاوند اپنے گھر کا نگران ہے، عورت اپنے بچوں کی نگران ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ...الخ حدیث 7138)

تو حکومت کرنے کے لیے تو نگران نہیں۔ ان کی تربیت کے لیے، ان کی بہتری کے لیے منصوبے بنانے کے لیے، ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے نگران ہے۔ پس اگر یہ ذمہ داری ادا نہیں کر رہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بہشت حرام ہو جاتی ہے۔ پس وہ لوگ جو نگران بنائے گئے ہیں، عہدیدار بنائے گئے ہیں اگر صحیح طرح کام سرانجام نہیں دے رہے اور اپنے علاقے میں صرف خلیفۂ وقت کے نمائندے، نام نہاد نمائندے بنے بیٹھے ہیں وہ خلیفہ وقت کو بھی بدنام کر رہے ہیں اور خلیفۂ وقت کو بھی گنہگار بنا رہے ہیں۔

جیسا کہ **میں نے مثال دی تھی کہ رپورٹیں مہینوں نہیں بھیجتے**۔ اب ایسے لوگوں کے بارے میں میرے پاس اس کے علاوہ اَور کوئی حل نہیں کہ اگر حقیقت میں وہ اپنی اصلاح نہیں کرتے تو ان کو خدمت سے فارغ کر دیا جائے اور میں پھر ان کے گناہوں میں شامل نہ ہوں۔ پس مَیں بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ یہ لوگ بھی استغفار کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ خلافت احمدیہ کو ہمیشہ ایسے سلطان نصیر عطا ہوں جو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے کام سرانجام دیں نہ یہ کہ صرف عہدہ لینے کے لیے عہدے سنبھالے ہوں۔ یہ بھی ایک بہت توجہ طلب بات ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمے دار ہو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات اور مقاصد پوری نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے۔ پس جہاں یہ ذمے داری خلیفہ وقت کی ہے وہاں ان تمام عہدیداروں کی بھی ہے جو خلیفہ وقت کے اپنی اپنی جماعتوں میں نمائندے ہیں اور یہ عہدیداروں پر بہت بڑی ذمے داری ہے۔ صرف عاملہ کے اجلاسوں میں اپنی رائے دے کر اور میٹنگز میں شامل ہو کر سمجھ لینا کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے یہ کافی نہیں ہے۔ لوگوں کی بہتری کے لیے منصوبہ بندی کرنا اور پھر اس پر عمل درآمد کروانا انتہائی ضروری امر ہے۔ اور جو وسائل ہمارے پاس ہیں ان کے اندر رہتے ہوئے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا جو بہترین حل ہو سکتا ہے وہ ہمیں نکالنا چاہیے۔ اس کے لیے دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے لیے شعبہ امورِ عامہ بھی ہے اور شعبہ صنعت و تجارت ہے اور اس طرح ذیلی تنظیموں کو اس کے لیے اپنا فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ بیشک ہمارے پاس وسائل کم ہیں لیکن

جو ہیں ان کا بہترین استعمال صحیح منصوبہ بندی سے بہت سوں کی مدد کر سکتا ہے۔

ایک شعبہ جو آجکل تقریباً تمام جماعتوں کے لیے **ایک چیلنج بنا ہوا ہے وہ رشتہ ناطہ کا شعبہ ہے**۔ اس کے لیے بہت وسیع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ جماعتی نظام کو بھی، ذیلی تنظیموں کے نظاموں کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ کام کرنا ہو گا۔ یہاں پھر جماعتی بھی اور ذیلی تنظیموں کے بھی شعبہ تربیت کو بہت فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر اسی شعبے کی طرف بات پلٹ جاتی ہے۔ اگر ہمارے نوجوانوں کی صحیح تربیت ہو تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ رشتے کے معاملے میں دولت، خاندان اور خوبصورتی کی بجائے دین کو فوقیت دو۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین حدیث5090)

اگر یہ ہماری ترجیح ہو جائے گی تو پھر لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اپنی دینی حالتوں کو بہتر کرنے اور خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کو ترجیح دیں گے اور اس طرح ہم اپنی اگلی نسل کو محفوظ کر سکیں گے ورنہ آجکل دجال جو چالیں چل رہا ہے اس سے معمولی کوششوں سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے تو بہت وسیع منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔

پس ہر عہدیدار کو پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی ضرورت ہے پھر جماعت میں اس بات کی طرف بہت توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا ہمارا عہد صرف عہد ہی نہ ہو بلکہ ہم میں سے ہر ایک اس کی عملی شکل بن جائے۔ جب یہ ہو گا تبھی ہم دجال کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اپنی نسلوں کو بچا سکیں گے۔ اپنے عہدوں کی بھی حفاظت کر سکیں گے، ان کا حق ادا کر سکیں گے اور اپنی امانتوں کا بھی حق ادا کر سکیں گے۔

پس دنیا کی تمام جماعتوں کی ملکی اور مقامی عاملہ اور اسی طرح ذیلی تنظیموں کو اس بارے میں بہت سوچ وبچار اور ایک لائحہ عمل کی ضرورت ہے تا کہ اپنی امانتوں کا حق ادا کر سکیں۔ جیسا کہ میں نے امورِ عامہ کے کام کی مختصراً تھوڑی سی مثال دی تھی۔ **ہمارے نظام میں امورِ عامہ کا بھی ایک شعبہ ہے** اور یہ شعبہ بھی بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی لیکن عموماً یہ تاثر پیدا ہو گیا ہے کہ اس شعبے کے کام لوگوں کو سزائیں دلوانا یا سختی سے لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے۔ امورِ عامہ کے شعبے میں کام کرنے والے لوگوں کو دنیا میں ہر جگہ پتہ ہونا چاہیے کہ ان کا صرف اتنا کام نہیں ہے۔ یہ تو کام کا ایک حصہ ہے اور سختی سے تنبیہ کرنا تو بہر حال ان کا کام نہیں ہے۔ جب کوئی حل نہ ہو تو یہ ایک انتہا ہوتی ہے جہاں سزا کے طور پر سفارش کی جاتی ہے۔ یہاں پھر میں یہی کہوں گا کہ اگر شعبہ تربیت فعال ہے تو امورِ عامہ کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں جو افراد جماعت کے آپس کے جھگڑوں سے تعلق رکھتے ہیں یا افراد جماعت کے غلط کاموں میں ملوّث ہونے سے تعلق رکھتے ہیں یا مخالفین کے کسی ذریعہ سے یا کمزور ایمان والوں کے ذریعہ سے جماعت میں بے چینی پیدا کرنے کی جو کوشش ہوتی ہے اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض جگہ تربیت کے شعبے نے افراد جماعت کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا کر کے اس بارے میں کوشش بھی کی ہے تو جہاں لوگوں کی شکایات اس کوشش سے دور ہوئیں اور نظام سے بدظنی دور ہوئی وہاں انہوں نے جماعتی فیصلوں کا احترام بھی کیا اور اسے احترام سے قبول بھی کیا اور پھر مخالفین کی جو منافقین یا بدظن افراد سے فائدہ اٹھانے کی کوششیں تھیں وہ بھی ناکام ہوئیں۔

پس شعبہ تربیت اور امورِ عامہ کو بعض معاملات میں مل کر کام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا امورِ عامہ کا کام تو بہت وسیع ہے۔ جماعت میں معاشی استحکام پیدا کرنے کے لیے پروگرام بنانا ان کا کام ہے۔ افراد جماعت کو ملازمت اور دیگر ذرائع روزگار کے لیے راہنمائی اور مدد کرنا ان کا کام ہے۔ خدمتِ خلق کے کاموں کو سرانجام دینا ان کا کام ہے۔ پیار اور محبت سے سمجھا کر تنازعات کو ختم کروانا ان کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن قضائی معاملات میں امورِ عامہ کا بہرحال دخل نہیں ہے کہ فیصلہ کرنا شروع کر دیں۔ ہاں قضا کے فیصلوں کی تنفیذ کروانا ان کا کام ہے لیکن اس میں فیصلہ کے بعد اگر کوئی فریق اس کی تعمیل کرنے میں لیت ولعل سے کام لے رہا ہے تو امورِ عامہ کے شعبے کا کام ہے کہ اسے آرام سے سمجھائیں کہ اس پر عمل نہ کر کے کیوں اپنا دین برباد کرتے ہو۔ تھوڑے سے دنیاوی مفاد کی خاطر کیوں اپنا دین برباد کرتے ہو۔ اور پھر ایسے لوگ میرا وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔ یہ بار بار مجھے لکھتے رہتے ہیں حالانکہ خود غلطی پہ ہوتے ہیں۔ تو بہت سے لوگ سمجھ جاتے ہیں اگر ان کو سمجھایا جائے۔

بہرحال امورِ عامہ کا کام صرف سزائیں دلوانا نہیں ہے **بلکہ ان سزاؤں سے لوگوں کو بچانا ہے** اور اس کے لیے انہیں ہر ممکنہ کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کہیں غلط کام ہوتا دیکھیں یا سمجھیں کہ اس سے جماعتی مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو فوراً شعبہ تربیت کو بھی ساتھ ملا کر اور مربیان کی مدد بھی حاصل کر کے جہاں وہ جماعتی مفاد کی حفاظت کریں گے وہاں لوگوں کے ایمان بچانے کی بھی کوشش کریں گے اور یہ کرنی چاہیے۔ بعض دفعہ عہدیداروں کے رویّے نظام کے بارے میں بدظنّیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر کسی نے اپنی ضرورت کے لیے خلیفہ وقت کو درخواست دی ہے تو صدر جماعت یا امیر جماعت یا امورِ عامہ یا اگر کسی خاص شعبے سے متعلق ہے تو اس کے کام کرنے والے اس شخص سے سختی کرتے ہیں کہ ہمارے ذریعے سے کیوں نہیں درخواست دی۔ اور معاملہ لٹک جاتا ہے بجائے اس کے کہ اگر مرکز سے ان کو رپورٹ کے لیے کہا گیا ہے تو فوری رپورٹ بھجوائیں۔

پھر جب جواب نہیں جاتے تو اس شخص کو بدظنی پیدا ہو جاتی ہے اور براہ راست لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ ہماری درخواستیں نہیں پہنچتیں۔ جن درخواستوں پر جب لمبا عرصہ کارروائی نہیں ہوتی تو ان کو خاص طور پر بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کو ہماری درخواست پہنچی ہی نہیں ہے۔ ایسی بھی صورتحال ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ ہمارے سے کیوں نہیں پوچھا، دوسرے یہ کہ کیونکہ ہمارے سے پوچھا نہیں اس لیے اس پر کارروائی نہ کرو۔ اور پھر بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں خلیفۂ وقت پہ اور خلیفۂ وقت کے دفتر پہ۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ ہر خط یہاں پہنچتا ہے۔ جو یہاں آ جائے وہ پڑھا بھی جاتا ہے، کھولا بھی جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کو روک لیا جائے۔ اور ہر قسم کی درخواست متعلقہ جماعت کو رپورٹ کے لیے بھجوائی بھی جاتی ہے۔ تو بہرحال افرادِ جماعت کو میں بتا دوں کہ جو بھی خط ان کا یہاں آتا ہے، یہاں پہنچ جائے تو وہ کھولا بھی جاتا ہے، پڑھا بھی جاتا ہے اور اس پر کارروائی بھی کی جاتی ہے۔ متعلقہ جماعت کا شعبہ اس کے جواب میں دیر لگاتا ہے۔ تو ایسے عہدیداران کو خوف کرنا چاہیے کہ ان کے یہ عمل فردِ جماعت اور خلیفۂ وقت میں دوری پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ نظام کے بارے میں بدظنیاں پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اور اس طرح وہ متعلقہ عہدیدار گنہگار بن رہا ہوتا ہے۔ کسی کے ایمان سے کھیل کر وہ اپنے آپ کو

گنہگار بنا رہا ہوتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو خوف کرنا چاہیے۔

ہر عہدیدار کو یہ سمجھنا چاہیے اور خاص طور پر جن کے سپرد افراد جماعت کی ضروریات کا خیال رکھنے کا کام ہے کہ اگر انہوں نے اپنے کام میں سستی دکھائی اور لوگوں کے حق ادا نہ کیے تو نہ صرف اپنی امانتوں میں خیانت کرنے والے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں بھی آنے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ جو امام، اس سے مراد ہر عہدیدار ہے، حاجت مندوں، ناداروں اور غریبوں کے لیے اپنا دروازہ بند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کے لیے آسمان کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

(سنن الترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء فی امام الرعیة حدیث1332)

پس اگر کوئی ایسا سوچ رکھنے والا عہدیدار یا ان کے دفتر میں کام کرنے والے کارکن ہیں تو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے میں جلدی کیا کریں یا کم از کم جلد رپورٹ دیا کریں، پھر مرکز کا کام ہے کہ جائزہ لے کر دیکھے کہ کس حد تک یہ حاجت پوری کی جا سکتی ہے لیکن جواب ہی نہ دینا اور درخواست کو ایک کونے میں رکھ دینا یہ بہت بڑا جرم ہے۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ ہر نیک کام کرنے کی طرف توجہ رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر کوئی برا کام کرو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نیکی بدی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔

(سنن الترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی معاشرة الناس حدیث1987)

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰؓ اور معاذ بن جبلؓ کو یمن کے دو علیحدہ حصوں کی طرف والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ نصیحت فرمائی کہ **آسانی پیدا کرنا۔ مشکلیں نہ پیدا کرنا۔** محبت و خوشی پھیلانا اور نفرت نہ پنپنے دینا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن...الخ حدیث 4341، 4342)

پس یہ وہ نصیحت ہے جو ہر عہدیدار کو جو لوگوں سے زیادہ واسطہ رکھتا ہے اپنے لیے راہنما اصول کے طور پر سامنے رکھنی چاہیے۔ پس یہی وہ طریق ہے جس سے عہدیدار جماعت کے افراد کی خدمت کا حق ادا کر سکتے ہیں اور ان کے ایمان کی حفاظت میں بھی کردار ادا کر سکتے ہیں اور جماعت کی اکائی کو قائم رکھنے میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں اور اپنی امانتوں کے بھی حق ادا کر سکتے ہیں اور جب یہ ہو گا تو ایک ایسا حسین معاشرہ پیدا ہو گا جو صحیح اسلامی معاشرہ ہے اور جس کے قائم کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تھے اور ہم نے ان کو مان کر عہد بیعت کیا ہے۔ پس ہمیشہ عہدیدار یہ بات یاد رکھیں کہ افراد جماعت نے انہیں منتخب کیا ہے یا آئندہ کریں گے تو اس لیے کہ وہ اپنی امانتوں کا حق ادا کریں لیکن اگر انہوں نے اپنی سوچ کے ساتھ، منتخب کرنے والوں نے اپنی سوچ کے ساتھ انتخاب نہیں بھی کیا تو اب عہدیداروں کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد جو امانتیں کر دی ہیں ان کا حق ادا کریں اور اپنے فرائض نیک نیتی سے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ادا کریں۔ خلیفہ وقت کا سلطان نصیر بنتے ہوئے ادا کریں۔ حتی الوسع لوگوں کے ایمانوں

کی مضبوطی اور ان کو فائدہ پہنچانے کے لیے ادا کریں اور جب یہ سوچ رکھیں گے اور اس سوچ کے ساتھ اپنے فرائض ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں بھی برکت ڈالے گا اور ہر موقع پر معین و مددگار بھی ہو گا۔ اگر یہ نہیں تو ہم تقویٰ سے دور ہٹنے والے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ سے بھی خیانت کر رہے ہوں گے، خلیفہ وقت سے بھی خیانت کر رہے ہوں گے اور جن لوگوں نے اعتماد کیا تھا صحیح یا غلط ان کے ایمانوں کو بھی نقصان پہنچانے والے ہوں گے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں یعنی ادائے امانت اور ایفائے عہد کے بارے میں کوئی دقیقہ تقویٰ اور احتیاط کا باقی نہیں چھوڑتے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 239-240)

پھر ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں:

”انسان کی پیدائش میں دو قسم کے حسن ہیں۔ ایک حسنِ معاملہ اور وہ یہ کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام امانتوں اور عہد کے ادا کرنے میں یہ رعایت رکھے کہ کوئی امر حتی الوسع ان کے متعلق فوت نہ ہو.....“ امانتوں کے حق ادا کرنے میں کوئی عمل ضائع نہ ہو۔ ”ایسا ہی لازم ہے“ فرمایا ”ایسا ہی لازم ہے کہ انسان مخلوق کی امانتوں اور عہد کی نسبت بھی یہی لحاظ رکھے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوقِ عباد میں تقویٰ سے کام لے یہ حسن معاملہ ہے یا یوں کہو کہ روحانی خوبصورتی ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 218)

پس ہر عہدیدار کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم نے **اپنے اندر روحانی خوبصورتی پیدا کرنی ہے**۔ ہم خاص طور پہ عہدیدار سب سے زیادہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان باتوں کے مخاطب ہیں۔ ہر احمدی تقویٰ پر چلنے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کرتا ہے لیکن عہدیداروں اور وہ جن کے سپرد جماعتی خدمات ہیں وہ سب سے زیادہ اس بات کے مخاطب اور ذمہ دار ہیں کہ اپنے عہدوں اور امانتوں کی حفاظت کریں، جو ہمارے سپرد ذمہ داریاں ہیں انہیں تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 08/ ستمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 167 صفحہ 02 تا 07)

34

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 25/ اگست 2023ء بمطابق 25/ ظہور 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی استغفار اور توبہ قبول کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ سچی توبہ ہو، صرف منہ سے الفاظ ہی نہ ادا ہو رہے ہوں۔ قرآن کریم میں اس بات کا مختلف جگہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ سچی توبہ کرنے والوں کو مال و اولاد سے نوازتا ہے (نوح:13)، عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ استغفار کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت جذب کرنے والا بنتا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:65) وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پاتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ حقیقی استغفار ہو، سچی توبہ ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ **گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔**

جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی گناہ کے محرکات اسے بدی کی طرف مائل نہیں کر سکتے اور بدی کے نتائج سے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرۃ:223) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! توبہ کی علامت کیا ہے۔ کس طرح پتہ لگے گا صحیح توبہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ندامت اور پشیمانی علامتِ توبہ ہے۔

(کنز العمال جزء 4 صفحہ 261 کتاب التوبۃ حدیث 10428 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1985ء)

پس حقیقی توبہ کرنے والا حقیقی پشیمانی اور ندامت دکھا کر جہاں گناہوں سے پاک ہوتا ہے وہاں اسے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ملتی ہے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کے رحم سے حصہ پاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک **جگہ سچی توبہ کرنے کی شرائط کا ذکر فرمایا ہے۔** پہلی شرط یہ فرمائی کہ خیالاتِ فاسدہ اور تصوراتِ بد کو چھوڑ دے۔ پس جو خیالات بد لذات کی وجہ سمجھے جا سکتے ہیں ان کو مکمل طور پر ترک کرے۔ یہ بہت بڑا جہاد ہے جو انسان کو کرنا چاہیے تبھی توبہ کی طرف قدم اٹھے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حقیقی ندامت اور پشیمانی ظاہر کرے۔ یہ سوچے کہ یہ لذات اور دنیاوی حظ عارضی چیزیں ہیں اور انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ ہر روز اس میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ تو پھر اس

کے ساتھ کیوں انسان چمٹا رہے؟ پس خوش قسمت ہے وہ جو اس حقیقت کو سمجھ لے اور توبہ کرے، حقیقی پشیمانی کا اظہار کرے۔ یہ حقیقی پشیمانی ہے جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ پکا ارادہ کرے کہ ان برائیوں کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ اور یہیں رک نہیں جانا کہ برائیوں کے قریب نہ جانے کا عہد کر لیا اور بس کافی ہو گیا بلکہ اخلاق حسنہ اور پاکیزہ افعال اس کی جگہ لے لیں گے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد اوّل صفحہ 138-139)

یہ ہے حقیقی توبہ اور یہ ہے حقیقی پشیمانی اور یہ وہ حالت ہے جب یہ حاصل ہو جائے تو خدا تعالیٰ پھر اپنے ایسے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام استغفار اور توبہ کی طرف ہمیں بار بار توجہ دلاتے ہیں۔ انسان غلطیاں کرتا ہے اور جب یہ غلطیاں بار بار دہرائی جائیں تو پھر ایک کے بعد دوسرے گناہ میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہیں۔ اس لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اپنے دلوں کو ہمیں پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس فکر میں رہنا چاہیے کہ کبھی حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع نہ ہوں۔ جیسا کہ میں نے کہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو استغفار اور توبہ کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ آپؑ کو اتنی فکر تھی کہ کوئی موقع ایسا نہیں آیا جب آپؑ نے جماعت کو اس طرف توجہ نہ دلائی ہو۔ اپنی مجالس میں اپنی تحریرات میں بار بار توجہ دلائی۔ پس ہمارے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام اور ارشادات کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کردہ ارشادات کو ہمیشہ سامنے رکھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تا کہ حق بیعت ادا کرنے والے بھی بنیں۔

اگر ہم اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا نہ کریں اور حقیقی توبہ اور استغفار کی طرف توجہ نہ دیں تو ہمارا اپنی اصلاح کا عہد کرنا ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت جگہ توبہ کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ **استغفار کا فائدہ کیا ہے؟** یہ بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود:4) یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے، دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔ "صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔" ویٹ لفٹنگ کرنے والے جو ہیں، ویٹ اٹھانے والے ہیں، ڈمبل اٹھانے والے ہیں، مختلف قسم کی ورزشیں کرنے والے ہیں، جس طرح ان کے ورزش کرنے سے جسمانی طاقت بڑھتی ہے "اسی طرح پر روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔" طاقت حاصل کرنی ہے تو استغفار کرو۔ "غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان ان جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں ان پر غالب آوے اور

خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سَبُعی مادہ ہے ''یعنی زہریلا مادہ ''جس کا مؤکل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے۔ جب انسان تکبر کرتا ہے اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا تو سبعی قوت غالب آجاتی ہے۔'' زہریلا مادہ غالب آجاتا ہے۔ ''لیکن جب اپنے تئیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی روح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ اس قوت کو پاکر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔'' حقیقی استغفار یہ ہے۔ ''غرض اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یوں قائم رہو۔ اوّل رسول کی اطاعت کرو۔ دوسرے ہر وقت خدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے رب سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی تو تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود:4) یعنی خدا کی طرف رجوع کرو۔'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ 67-68)

اللہ کی مدد چاہنے کے لیے بھی اس سے دعا کرنی پڑے گی۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''ظاہر ہے کہ انسان اپنی فطرت میں نہایت کمزور ہے اور خدا تعالیٰ کے صدہا احکام کا اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے۔'' انسان کمزور ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیے ہیں۔ ''پس اس کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض احکام کے ادا کرنے سے قاصر رہ سکتا ہے۔'' قدرتی بات ہے اتنے احکام ہیں ہو سکتا ہے کہ سارے احکام نہ ادا کر سکے۔ ''اور کبھی نفسِ امارہ کی بعض خواہشیں اس پر غالب آجاتی ہیں۔ پس وہ اپنی کمزور فطرت کی رو سے حق رکھتا ہے کہ کسی لغزش کے وقت اگر وہ توبہ اور استغفار کرے تو خدا کی رحمت اس کو ہلاک ہونے سے بچالے۔'' حقیقی توبہ ہو، یہ کمزوری جو انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اس کی وجہ سے اس کا حق بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کی حقیقی توبہ کو قبول کرے اور اسے بچالے۔ ''اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اگر خدا توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا تو انسان پر یہ بوجھ صدہا احکام کا ہرگز نہ ڈالا جاتا۔ اِس سے بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا توّاب اور غفور ہے اور توبہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان ایک بدی کو اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دے کہ بعد اس کے اگر وہ آگ میں بھی ڈالا جائے تب بھی وہ بدی ہرگز نہیں کرے گا۔'' پس یہ شرط ہے ایسی توبہ ہونی چاہیے۔ ''پس جب انسان اس صدق اور عزمِ محکم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا اپنی ذات میں کریم و رحیم ہے وہ اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے اور یہ خدا کی اعلیٰ صفات میں سے ہے کہ توبہ قبول کر کے ہلاکت سے بچالیتا ہے اور اگر انسان کو توبہ قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر وہ گناہ سے باز نہیں آئے گا۔'' اگر امید ہی نہیں کہ توبہ قبول ہونی ہے تو پھر وہ گناہ کرتا چلا جائے گا۔ بہت سارے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا فائدہ جب انجام ہی ایسا ہونا ہے؟ نہیں۔ انجام کے وقت سے پہلے اگر توبہ کر لو تو اللہ تعالیٰ بچالیتا ہے۔ فرمایا کہ ''عیسائی مذہب بھی توبہ قبول کرنے کا قائل ہے مگر اس شرط سے کہ توبہ قبول کرنے والا عیسائی ہو لیکن اسلام میں توبہ کے لئے کسی مذہب کی شرط نہیں ہے۔ ہر ایک مذہب کی پابندی کے ساتھ توبہ قبول ہو سکتی ہے اور صرف وہ گناہ باقی رہ جاتا ہے جو کوئی شخص خدا کی کتاب اور خدا کے رسول سے منکر رہے اور یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان محض اپنے عمل سے نجات پاسکے بلکہ یہ خدا کا احسان ہے کہ کسی کی وہ توبہ قبول کرتا

ہے اور کسی کو اپنے فضل سے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ وہ گناہ کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 189-190)

ایک شخص آپؑ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ مَیں کیا وظیفہ پڑھا کروں؟ آپؑ نے فرمایا: "**استغفار بہت پڑھا کرو**۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہیں۔ یا تو وہ گناہ نہ کرے یا اللہ تعالیٰ اس گناہ کے بد انجام سے بچا لے۔ سو استغفار پڑھنے کے وقت دونوں معنوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔" کہ نہ وہ گناہ کرے اور نہ ہی گناہ کے بد انجام ظاہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے اور وہ کبھی دوبارہ گناہ نہ کرے۔ یہ سامنے رکھتے ہوئے استغفار پڑھنی چاہیے۔ "ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے گزشتہ گناہوں کی پردہ پوشی چاہئے اور دوسرا یہ کہ خدا سے توفیق چاہے کہ آئندہ گناہوں سے بچائے مگر استغفار صرف زبان سے پورا نہیں ہوتا بلکہ دل سے چاہئے۔ نماز میں اپنی زبان میں بھی دعا مانگو۔ یہ ضروری ہے۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 320)

اب منہ سے صرف استغفار کر دینا یا لکھ دینا کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ۔ اب آئندہ غلطیاں نہیں ہوں گی۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ جب تک یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ ہو کہ انسان ان غلطیوں کی طرف دوبارہ کبھی نہیں جائے گا جو سرزد ہو چکی ہیں۔ استغفار کے معنی سمجھاتے ہوئے ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا۔ استغفار کے یہی معنی ہیں کہ ظاہر میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور گناہوں کے کرنے والی قوت ظہور میں نہ آوے۔ انبیاء کے استغفار کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ ہوتے تو معصوم ہیں مگر وہ استغفار اس واسطے کرتے ہیں کہ تا آئندہ وہ قوت ظہور میں نہ آوے۔ اور عوام کے واسطے استغفار کے دوسرے معنی بھی لیے جاویں گے کہ جو جرائم اور گناہ ہو گئے ہیں ان کے بد نتائج سے خدا بچائے رکھے اور ان گناہوں کو معاف کر دے اور ساتھ ہی آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ فرمایا بہر حال یہ انسان کے لیے لازمی امر ہے وہ استغفار میں ہمیشہ مشغول رہے۔ فرمایا یہ جو بلائیں نازل ہوتی ہیں قحط کی صورت میں یا کسی اَور صورت میں ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لوگ استغفار میں مشغول ہو جائیں۔ آج کل دنیا میں جنگی حالات ہیں۔ ان حالات میں بھی دنیا کو محفوظ رکھنے کے لیے، اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم احمدیوں کو بھی بہت استغفار کرنی چاہیے۔ فرمایا مگر استغفار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہتے رہیں۔ اصل میں غیر ملک کی زبان کے سبب لوگوں سے حقیقت چھپی رہی ہے۔

عرب کے لوگ تو ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے مگر ہمارے ملک میں غیر زبان کی وجہ سے بہت سی حقیقتیں مخفی رہی ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے اتنی دفعہ استغفار کیا۔ سو تسبیح یا ہزار تسبیح پڑھی مگر جو استغفار کا مطلب اور معنی پوچھو تو بس کچھ نہیں۔ ہکا بکا رہ جائیں گے۔ انسان کو چاہیے کہ حقیقی طور پر دل ہی دل میں معافی مانگتا رہے کہ وہ معاصی اور جرائم جو مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں ان کی سزا نہ بھگتنی پڑے اور آئندہ دل ہی دل میں ہر وقت خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہے کہ آئندہ نیک کام کرنے کی توفیق دے اور معصیت سے بچائے رکھے۔ فرمایا خوب یاد رکھو کہ لفظوں سے کچھ کام نہیں بنے گا۔ اپنی زبان میں بھی استغفار ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پچھلے گناہوں کو معاف کرے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق دے اور یہی حقیقی استغفار ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ

یونہی اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ کہتا پھرے اور دل کو خبر تک نہ ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تک وہی بات پہنچتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اپنی زبان میں ہی خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں اس سے دل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ زبان تو صرف دل کی شہادت دیتی ہے۔ اگر دل میں جوش پیدا ہو اور زبان بھی ساتھ مل جائے تو اچھی بات ہے۔ بغیر دل کے صرف زبانی دعائیں عبث ہیں۔ فضول ہیں۔ ہاں دل کی دعائیں اصلی دعائیں ہوتی ہیں۔ جب قبل از وقتِ بلا انسان اپنے دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، استغفار کرتا رہتا ہے تو پھر خداوند رحیم و کریم سے وہ بلا ٹل جاتی ہے لیکن جب بلا نازل ہو جاتی ہے پھر نہیں ٹلا کرتی۔ بلا کے نازل ہونے سے پہلے دعائیں کرتے رہنا چاہیے اور بہت استغفار کرنا چاہیے۔ اس طرح سے خدا بلا کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ کوئی امتیازی بات بھی دکھائے۔ اگر کوئی شخص بیعت کر کے جاتا ہے اور کوئی امتیازی بات نہیں دکھاتا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہے جیسا پہلے تھا اور اپنے عیال و اطفال سے پہلے کی طرح پیش آتا ہے تو یہ اچھی بات نہیں۔ اگر بیعت کے بعد بھی وہی بد خلقی اور بد سلوکی رہی اور وہی حال رہا جو پہلے تھا تو پھر بیعت کرنے کا کیا فائدہ؟ چاہیے کہ بیعت کے بعد غیروں کو بھی اور اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو بھی ایسا نمونہ بن کر دکھاوے کہ وہ بول اٹھیں کہ اب یہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا اور یہی حقیقی استغفار کا نتیجہ ہونا چاہیے۔

خوب یاد رکھو کہ صاف ہو کر عمل کرو گے تو دوسروں پر تمہارا ضرور رعب پڑے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا رعب تھا۔ ایک دفعہ کافروں کو شک پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کریں گے تو وہ سب کافر مل کر آئے اور عرض کی کہ حضور بد دعا نہ کریں۔ سچے آدمی کا ضرور رعب ہوتا ہے۔ چاہیے کہ بالکل صاف ہو کر عمل کیا جاوے اور خدا کے لیے کیا جاوے تب ضرور تمہارا دوسروں پر بھی اثر اور رعب پڑے گا۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 372 تا 374)

پھر ایک موقع پر فرمایا کہ ”خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور متقی بننا بڑی چیز ہے۔ خدا اس کے ذریعہ سے ہزار آفات سے بچا لیتا ہے بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے شامل ہو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بلا نہیں پکڑے گی اور کسی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔ آفات تو ناگہانی طور سے آجاتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ رات کو کیا ہو گا۔ لکھا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ پہلے بہت روئے پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یَاعِبَادَ اللہ خدا سے ڈرو۔ ”اے اللہ کے بندو! خدا سے ڈرو۔ ”آفات اور بلیّات چیونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ.....“ پھر فرمایا کہ **استغفار کے معنی یہ ہیں**۔ مزید وضاحت کر رہے ہیں کہ ”خدا تعالیٰ سے اپنے گذشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا اور آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کیا کرتے تھے اور عوام بھی۔ بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے۔“ یہ جواب آپؑ دے رہے ہیں کہ کہتے ہیں جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے وہ گناہگار تھے۔ نعوذ باللہ۔ فرمایا ”اور لکھا ہے کہ ان کے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار ہونا ثابت

ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضعف بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی تُو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ غفر کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں۔ پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں۔ پس اظہارِ عبودیت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اَور انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔

یہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے "عیسائی لوگ جو کہتے ہیں ناں کہ عیسیٰ علیہ السلام استغفار نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ "کہ حضرت عیسیٰؑ استغفار نہ کرتے تھے۔ یہ ان کی بیوقوفی اور بے سمجھی ہے اور یہ حضرت عیسیٰؑ پر تہمت لگاتے ہیں۔ انجیل میں غور کرنے سے صریح اور صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جابجا اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور استغفار بھی کیا" حضرت عیسیٰؑ نے۔ فرمایا کہ "اچھا بھلا" یہ بتاؤ کہ "اِیلِی اِیلِی لِمَا سَبَقْتَانِیْ سے کیا مطلب؟ ابی، ابی کر کے کیوں نہ پکارا؟ عبرانی میں ایل خدا کو کہتے ہیں۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ رحم کر اور فضل کر اور مجھے ایسی بے سروسامانی میں نہ چھوڑ (یعنی میری حفاظت کر) درحقیقت مشکل تو یہ ہے" فرمایا کہ "درحقیقت مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ اختلافِ زبان استغفار کا اصل مقصد ہی مفقود ہو گیا ہے اور ان دعاؤں کو ایک جنتر منتر کی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیا نماز اور کیا استغفار اور کیا توبہ۔ اگر کسی کو نصیحت کرو کہ استغفار پڑھا کرو تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ میں تو استغفار کی سو بار یا دو سو بار تسبیح پڑھتا ہوں مگر مطلب پوچھو تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ استغفار ایک عربی لفظ ہے اس کے معنے ہیں طلبِ مغفرت کرنا کہ یا الٰہی ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کے بد نتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے اور اس کا اثر بھی لازمی ہے اور آئندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔"

فرمایا کہ "توبہ کے معنے ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بدکام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی برا کام نہیں ہے بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام بھی توّاب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعال بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ اس بدکام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے تو خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے۔ یعنی اگر انسان خدا کی طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہاء درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے لیکن اگر خدا سے منہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا تعالیٰ کو کیا پروا۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 336 تا 339)

استغفار کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ "جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں۔ الحیّ اور القیوم۔ الحیّ کے معنی ہیں خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔

القیوم۔ خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصلی باعث۔ ہر ایک چیز کا ظاہری باطنی قیام اور زندگی انہی دونوں صفات کے طفیل سے ہے۔ پس حیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ جیسا کہ اس کا مظہر سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے اور القیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے۔ اس کو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ حیّ کا لفظ عبادت کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس نے پیدا کیا اور پھر پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا جیسے مثلاً معمار "بلڈنگ بنانے والا میسن" جس نے عمارت کو بنایا ہے اس کے مر جانے سے عمارت کو کوئی حرج نہیں ہے مگر انسان کو خدا کی ضرورت ہر حال میں لاحق رہتی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ خدا سے طاقت طلب کرتے رہیں اور یہی استغفار ہے۔ اصل حقیقت تو استغفار کی یہ ہے۔ پھر اس کو وسیع کر کے ان لوگوں کے لئے کیا گیا کہ جو گناہ کرتے ہیں کہ ان کے برے نتائج سے محفوظ رکھا جاوے۔ "گناہ نہیں بھی کیا تو زندہ رہنے کے لیے، اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنے کے لیے بھی استغفار چاہیے۔ "لیکن اصل یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے بچایا جاوے۔ پس جو شخص انسان ہو کر استغفار کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریہ ہے۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 217)

پھر ایک جگہ استغفار کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ "گناہ ایک ایسا کیڑا ہے جو انسان کے خون میں ملا ہوا ہے مگر اس کا علاج استغفار سے ہی ہو سکتا ہے۔ استغفار کیا ہے؟ یہی کہ جو گناہ صادر ہو چکے ہیں ان کے بد ثمرات سے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور جو ابھی صادر نہیں ہوئے اور جو بالقوۃ انسان میں موجود ہیں ان کے صدور کا وقت ہی نہ آوے اور اندر ہی اندر وہ جل بھن کر راکھ ہو جاویں۔ یہ وقت بڑے خوف کا ہے اس لئے توبہ و استغفار میں مصروف رہو۔" یہ زمانہ جس سے ہم گزر رہے ہیں بڑے خوف کا ہے۔ توبہ استغفار میں مصروف رہو "اور اپنے نفس کا مطالعہ کرتے رہو۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اور اہل کتاب مانتے ہیں کہ صدقات و خیرات سے عذاب ٹل جاتا ہے مگر قبل از نزولِ عذاب۔ مگر جب نازل ہو جاتا ہے تو ہرگز نہیں ٹلتا۔ پس تم ابھی سے استغفار کرو اور توبہ میں لگ جاؤ تا تمہاری باری ہی نہ آوے اور اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 299)

پس آج کل دنیا کے حالات کو بھی سامنے رکھ کر ہمیں بہت استغفار کرنی چاہیے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے شرور اور آفات سے بچائے۔ توبہ کی حقیقت کی مزید وضاحت آپؑ نے ایک جگہ اس طرح فرمائی۔ فرمایا کہ "یاد رہے کہ توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا در حقیقت انسانی ترقیات کے دروازہ کو بند کرنا ہے" توبہ کی حقیقت سے انکار کرنے والا ترقیات کے دروازے کو بند کرتا ہے "کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے نزدیک واضح اور بدیہیات سے ہے کہ انسان کامل بالذات نہیں۔" یعنی مکمل طور پر اپنی ذات میں بالکل کامل نہیں ہے "بلکہ تکمیل کا محتاج ہے اور جیسا کہ وہ اپنی ظاہری حالت میں پیدا ہو کر آہستہ آہستہ اپنی معلومات وسیع کرتا ہے پہلے ہی عالم فاضل پیدا نہیں ہوتا۔ اِسی طرح وہ پیدا ہو کر جب ہوش پکڑتا ہے تو اخلاقی حالت اس کی نہایت گری ہوئی ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی نو عمر بچوں کے حالات پر غور کرے تو صاف طور پر اس کو معلوم ہو گا کہ اکثر بچے اس بات پر حریص ہوتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ نزاع کے وقت دوسرے بچہ کو ماریں۔" لڑائیاں ہوتی ہیں بچوں کی۔ "اور اکثر ان سے بات بات میں

جھوٹ بولنے اور دوسرے بچوں کو گالیاں دینے کی خصلت مترشح ہوتی ہے اور بعض کو چوری اور چغلخوری اور حسد اور بخل کی بھی عادت ہوتی ہے اور پھر جب جوانی کی مستی جوش میں آتی ہے تو نفسِ امارہ ان پر سوار ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے نالائق اور ناگفتنی کام ان سے ظہور میں آتے ہیں جو صریح فسق وفجور میں داخل ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر انسانوں کے لئے اوّل مرحلہ گندی زندگی کا ہے۔" ماحول معاشرہ ان کو گندا کر دیتا ہے۔ "اور پھر جب سعید انسان اوائل عمر کے تند سیلاب سے باہر آجاتا ہے تو پھر وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتا ہے۔" سعید فطرت انسان تو جب دیکھتا ہے کہ یہ گند دنیا میں کس طرح پھیلا ہوا ہے تو پھر اس کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور توجہ ہونے کے نتیجہ میں کیا ہوتا ہے کہ "اور سچی توبہ کر کے ناکردنی باتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔" پھر وہ توبہ کرتا ہے "اور اپنے فطرت کے جامہ کو پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ عام طور پر انسانی زندگی کے سوانح ہیں جو نوع انسان کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس اِس سے ظاہر ہے کہ اگر یہی بات سچ ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوتی تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہی نہیں کہ کسی کو نجات دے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 192-193)

ایک موقع پر جبکہ کچھ لوگ آئے تھے، انہوں نے بیعت کی، مجلس جمی ہوئی تھی تو ان کو آپؑ نے نصیحت فرمائی۔ فرمایا کہ "خدا تعالیٰ کا منشا ہے کہ انسان توبہ نصوح کرے اور دعا کرے کہ اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ نہ آخرت میں رسوا ہو نہ دنیا میں۔" ایسی توبہ ہو کہ دنیا میں بھی رسوائی نہ ہو اور مرنے کے بعد بھی رسوائی نہ ہو۔ فرمایا کہ "جب تک انسان سمجھ کر بات نہ کرے اور تذلل اس میں نہ ہو تو خدا تک وہ بات نہیں پہنچتی۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن گزر جاویں اور خدا کی راہ میں رونا نہ آوے تو دل سخت ہو جاتا ہے۔ تو سختی قلب کا کفّارہ یہی ہے کہ انسان روووے۔ اس کے لئے محرکات ہوتے ہیں۔ انسان نظر ڈال کر دیکھے کہ اس نے کیا بنایا ہے اور اس کی عمر کا کیا حال ہے۔ دیگر گذشتگان پر نظر ڈالے۔" گزرے ہوئے حالات جو ہیں ان میں بہت سارے تکلیف دہ حالات بھی ہیں ان پہ نظر ڈالے۔ "پھر انسان کا دل لرزاں وترساں ہوتا ہے۔ جو شخص دعویٰ سے کہتا ہے کہ میں گناہ سے بچتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ جہاں شیرینی ہوتی ہے وہاں چیونٹیاں ضرور آتی ہیں۔ اسی طرح نفس کے تقاضے تو ساتھ لگے ہی ہیں ان سے نجات کیا ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا ہاتھ نہ ہو تو انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا نہ کوئی نبی نہ ولی اور نہ ان کے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ ہم سے گناہ سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے تھے اور نبیوں کے استغفار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ ان پر رہے ورنہ اگر انسان اپنے نفس پر چھوڑا جاوے تو وہ ہرگز معصوم اور محفوظ نہیں ہو سکتا۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ۔ اور دوسری دعائیں بھی استغفار کے اسی مطلب کو بتلاتی ہیں۔ عبودیت کا سِر یہی ہے کہ انسان خدا کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے۔ جو خدا کی پناہ نہیں چاہتا وہ مغرور اور متکبر ہے۔" (ملفوظات جلد 6 صفحہ 21)

آپؑ سے "کسی نے پوچھا کہ عبادت میں ذوق شوق کس طرح پیدا ہوتا ہے؟" اب بھی لوگ بہت سے سوال پوچھتے ہیں۔ "فرمایا اعمال صالحہ اور عبادت میں ذوق شوق اپنی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل

اور توفیق پر ملتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان گھبرائے نہیں اور خدا تعالیٰ سے اس کی توفیق اور فضل کے واسطے دعائیں کرتا رہے۔ ''عبادت کا ذوق شوق بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ ''اور ان دعاؤں میں تھک نہ جاوے۔ جب انسان اس طرح پر مستقل مزاج ہو کر لگا رہتا ہے تو آخر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے وہ بات پیدا کر دیتا ہے جس کے لئے اس کے دل میں تڑپ اور بیقراری ہوتی ہے۔ ''عبادت کے ذوق شوق کی تڑپ اور بیقراری ہے تو پھر مستقل مزاجی سے لگے رہو، آخر وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ ''یعنی عبادت کے لئے ایک ذوق و شوق اور حلاوت پیدا ہونے لگتی ہے لیکن اگر کوئی شخص مجاہدہ اور سعی نہ کرے۔ ''کوشش ہی نہیں کی، مجاہدہ نہیں کیا ''اور وہ یہ سمجھے کہ پھونک مار کر کوئی کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور سنت نہیں۔ اس طریق پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو آزماتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے ہنسی کرتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا فضل نہ ہو تو دوسرے دن جا کر عیسائی ہو جاوے یا کسی اَور بے دینی میں مبتلا ہو جاوے۔ اس لئے ہر وقت اس کے فضل کے لئے دعا کرتے رہو اور اس کی استعانت چاہو تا کہ صراط مستقیم پر تمہیں قائم رکھے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا ہے وہ شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان استغفار کرتا رہے تا کہ وہ زہر اور جوش پیدا نہ ہو جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔''

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 154-155)

پس عبادت کا معیار حاصل کرنے کے لیے بھی استغفار بہت ضروری ہے۔ پھر اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا گُر کیا ہے، آپؑ نے فرمایا: ''توبہ استغفار کرنی چاہئے'' یہ گُر ہے۔ ''بغیر توبہ استغفار کے انسان کر ہی کیا سکتا ہے۔ سب نبیوں نے یہی کہا ہے کہ اگر توبہ استغفار کرو گے تو خدا بخش دے گا۔ سو نمازیں پڑھو اور آئندہ گناہوں سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور پچھلے گناہوں کی معافی مانگو اور بار بار استغفار کرو تا کہ جو قوت گناہ کی انسان کی فطرت میں ہے وہ ظہور میں نہ آوے۔ انسان کی فطرت میں دو طرح کا ملکہ پایا جاتا ہے ایک تو کسبِ خیرات اور نیک کاموں کے کرنے کی قوت ہے اور دوسرے برے کاموں کو کرنے کی قوت اور ایسی قوت کو روکے رکھنا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور یہ قوت انسان کے اندر اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کہ پتھر میں ایک آگ کی قوت ہے۔''

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 372)

پھر فرمایا۔ ''وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ (ھود:4) یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے'' استغفار کرو ''دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ ''توبہ کرتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرو۔ ''قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے ''جس طرح پہلے بھی بیان ہوا تھا ''مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے اسی طرح پر روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔''

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 67-68)

فرمایا کہ ”خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر سچے دل سے اخلاص لے کر رجوع کرے تو وہ غفور رحیم ہے اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔ یہ سمجھنا کہ کس کس گنہگار کو بخشے گا، خدا تعالیٰ کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے وسیع اور لا انتہا ہیں۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اس کے دروازے کسی پر بند نہیں ہوتے۔ انگریزوں کی نوکریوں کی طرح نہیں کہ اتنے تعلیم یافتہ کو کہاں سے نوکریاں ملیں۔ خدا کے حضور جس قدر پہنچیں گے سب اعلیٰ مدارج پائیں گے۔ یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بدقسمت اور بدبخت ہے جو خدا تعالیٰ سے مایوس ہو اور اس کی نزع کا وقت غفلت کی حالت میں اس پر آ جاوے۔ بے شک اس وقت دروازہ بند ہو جاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 296-297)

جب آخر مرنے کا وقت آیا پھر کوئی نہیں۔ پھر فرمایا کہ واضح ہو کہ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام بھی توّاب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہوں سے دستبردار ہو کر صدقِ دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ امر سراسر قانونِ قدرت کے مطابق ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب ایک انسان سچے دل سے دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا دل بھی اس کے لیے نرم ہو جاتا ہے تو پھر عقل کیونکر اِس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بندہ تو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے مگر خدا اس کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ خدا جس کی ذات نہایت کریم و رحیم واقع ہوئی ہے وہ بندے سے بہت زیادہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اِسی لیے قرآنِ شریف میں خدا تعالیٰ کا نام جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے توّاب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ سو بندہ کا رجوع تو پشیمانی اور ندامت، تذلل اور انکسار کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا رجوع رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔ اگر رحمت خدا تعالیٰ کی صفات میں سے نہ ہو تو کوئی مخلصی نہیں پا سکتا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور نہیں کیا اور تمام مدار اپنے فعل اور عمل پر رکھا ہے مگر وہ خدا جس نے بغیر کسی کے عمل کے ہزاروں نعمتیں انسان کے لیے زمین پر پیدا کیں کیا اس کا یہ خلق ہو سکتا ہے کہ انسان ضعیف البنیان جب اپنی غفلت سے متنبہ ہو کر اس کی طرف رجوع کرے اور رجوع بھی ایسا کرے کہ گویا مر جاوے اور پہلا ناپاک چولہ اپنے بدن پر سے اتار دے اور اس کی آتشِ محبت میں جل جائے تو پھر بھی خدا اس کی طرف رحمت کے ساتھ توجہ نہ کرے۔ کیا اِس کا نام خدا کا قانونِ قدرت ہے؟ نہیں۔ جو یہ کہتا ہے اس پر لعنت ہے اللہ کی۔

(ماخوذ از چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 133-134)

اپنی زندگیوں میں نمایاں تبدیلی پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

”خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوا اور تدبیر پر بھروسہ کرنا حماقت ہے۔ اپنی زندگی میں ایسی تبدیلی پیدا کر لو کہ معلوم ہو کہ گویا نئی زندگی ”استغفار کی زندگی“ ہے۔ استغفار کی کثرت کرو۔ جن لوگوں کو کثرتِ اشغالِ دنیا کے باعث کم فرصتی ہے ان کو سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے۔“ دنیا کے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے جو کہتے

ہیں کہ بہت کم وقت ملتا ہے انہیں بہت ڈرنا چاہیے۔ ”ملازمت پیشہ لوگوں سے اکثر فرائضِ خداوندی فوت ہو جاتے ہیں اس لئے مجبوری کی حالت میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازوں کا جمع کر کے پڑھ لینا جائز ہے۔“ بہت مجبوری ہے تو جمع کر کے پڑھ لو لیکن اصل یہی ہے کہ اپنے وقت پر نمازیں ادا کی جائیں۔ فرمایا ”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر حکام سے نماز پڑھنے کی اجازت طلب کر لی جائے تو وہ اجازت دے دیا کرتے ہیں.....“ جو نوکر پیشہ لوگ ہیں فرمایا کہ افسروں سے اگر مسلمان نہیں بھی ہیں کہو، ان سے اجازت لو تو نماز پڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ ”ترک نماز کے لئے ایسے بیجا عذر بجز اپنے نفس کی کمزوری کے اَور کوئی نہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ظلم و زیادتی نہ کرو۔ اپنے فرائض منصبی نہایت دیانتداری سے بجالاؤ۔“

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 265)

پس استغفار اور توبہ کا تبھی فائدہ ہے جب بنیادی احکامات کو بھی سامنے رکھ کے ان کی صحیح پیروی کی جائے۔ نمازوں کی ادائیگی میں باقاعدگی ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بھی صحیح ادائیگی ہو۔ آپؑ نے فرمایا کہ ”پس اٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہو گا۔ لیکن جو شخص ظلم اور تعدّی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اس کو اسی جگہ سزا دی جاتی ہے۔ تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا۔ سو اپنے خدا کو جلد راضی کر لو... وہ نہایت درجہ کریم ہے۔ ایک دم کی گداز کرنے والی توبہ سے ستر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔“ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکو اور اس کا فضل مانگتے رہو استغفار کرتے رہو۔ پھر فرمایا کہ ”اے خدائے کریم و رحیم! ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 174)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا وارث بنائے اور ہم توبہ کے حقیقی مفہوم کو سمجھتے ہوئے استغفار کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے استغفار اور توبہ کرنے والے ہوں۔ اب میں بعض مرحومین کا ذکر کروں گا اور بعد میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔

ان میں سے پہلا ذکر ہے مکرمہ آنسہ بیگم صاحبہ کا۔ جو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ترانوے سال کی عمر میں گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصیہ تھیں۔ قادیان میں پیدا ہوئیں۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب ان کے دادا تھے۔ ان کی والدہ کا نام حضرت صالحہ بیگم صاحبہ بنت پیر منظور محمد صاحب تھا۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے قادیان سے حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا۔ قاضی شوکت صاحب مرحوم سے ان کی شادی ہوئی تھی۔

میر محمود احمد صاحب ناصر ربوہ سے اپنی ہمشیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نہایت درجہ سادہ بالکل بے ضرر، بے شرر۔ شادی سے پہلے سارے خاندان کی خدمت کرنے والی ہماری بہن تھیں۔ کہتے ہیں ربوہ کے

ابتدائی دنوں میں جب یہاں بجلی نہیں تھی۔ گرمی شدید پڑتی تھی۔ کچے مکانوں میں رہتے تھے اور کہتے ہیں ہم گرمی سے بچاؤ کے لیے ایک کمرے میں اکٹھے ہو جاتے تھے۔ وہاں چھت پہ ایک بڑا سا راجھالر والا پنکھا لگا ہوا تھا جس کو رسی پکڑ کے ہلایا کرتے تھے اور یہ بغیر کسی کے کہے کے ہمارے آرام کی خاطر باہر بیٹھ کر رسی ہلاتی رہتی تھیں تا کہ ہم آرام سے سوئے رہیں۔ ان میں سب کی خدمت کا بے لوث جذبہ تھا۔

ان کے بچے لکھتے ہیں کہ ہماری والدہ نہایت مخلص احمدی مسلمان تھیں۔ حقوق و فرائض ادا کرنے والی بیوی تھیں۔ مزاج بہت سادہ اور پیار کرنے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء اور صحابہ کے نہایت اہم اور پُر مغز واقعات بہت ہی سادہ انداز میں بیان کیا کرتی تھیں۔ جماعت کی تاریخ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے خلفاء اور صحابہ کے واقعات بھی نہایت آسانی سے بیان کر دیا کرتی تھیں۔ بچوں کو اور لوگوں کو عام طور پر اس بات کی نصیحت کیا کرتی تھیں کہ ایمان پر قائم رہو اور پُر وقار زندگی بسر کرو۔ جماعتی کاموں میں بہت فعال رکن تھیں۔ سب سے بڑی خوبی آپ کی انسانیت کے لیے شفقت تھی۔ تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا یہاں تک کہ آپ ایئر پورٹ کے ٹرمینل پر ایئر لائن کے پائلٹ سمیت سب کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں۔ آپ کے اخلاق میں خوبصورتی اور سادگی شامل تھی۔ تقریر میں بہت عمدہ تھیں۔ ان کی بھانجی امۃ الکافی صاحبہ ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اپنے والدین سے جو بنیادی تربیت پائی وہ اتنی مضبوط تھی کہ کبھی اس سے ٹس سے مس نہیں ہوئیں۔ دین کی خدمت کا جذبہ اس قدر تھا کہ نیویارک جیسے شہر میں باقاعدہ مسجد جا کر مسجد کی صفائی کیا کرتی تھیں۔ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ جب تک ہمت رہی سودا لینے کے وقت عام لوگوں کو اپنی سمجھ اور زبان کے مطابق تبلیغ کیا کرتی تھیں۔ غریبوں اور مجبوروں کے لیے دل میں ہمدردی اور محبت کا ایک طوفان مچلتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔

دوسرا جنازہ مکرمہ بشریٰ اکرم صاحبہ سیالکوٹ کا ہے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں میں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ 1955ء میں بھڈال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئیں۔ مرحومہ نیک متقی اور صوم و صلوٰۃ کی پابند ایک مخلص خاتون تھیں۔ مہمان نوازی، غریب پروری اور خلافت سے محبت ان کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ واقفین زندگی کی بہت عزت کرتی تھیں۔ پسماندگان میں میاں کے علاوہ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کے بیٹے بابر شہزاد صاحب مربی سلسلہ ہیں۔ سیرالیون میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں اور وہاں میدانِ عمل میں ہونے کی وجہ سے ان کے جنازے میں بھی شامل نہیں ہو سکے۔

بابر شہزاد صاحب مربی سلسلہ لکھتے ہیں کہ میرا جامعہ میں داخلہ ہوا تو بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ تم سے کیا سوال پوچھا تھا۔ کہتے ہیں انہوں نے جامعہ میں جو سوال کیا تھا کہ تم اکیلے بیٹے ہو اگر تم نے وقف کر دیا تو والدین کا کفیل کون ہو گا۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے تو جو جواب دینا تھا دیا لیکن والدہ نے یہ سن کے کہا کہ اگر میرے سات بیٹے ہوتے تو میں سب کو وقف کر دیتی۔ کہتے ہیں آخری دنوں میں جب ہسپتال میں داخل تھیں۔ مَیں نے فون کیا اور پوچھا آپ کیسی ہیں؟ تو باوجود بڑی تکلیف کے انہوں نے یہی کہا کہ ٹھیک ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق

سب کھا پی رہی ہوں لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو پریشان نہ ہونا اور ادھر ہی رہنا، تم افریقہ میں ہو وہیں رہنا۔ بچوں کو پریشان نہ کرنا۔ تم وقفِ زندگی ہو اس لیے صبر کرنا اور کہتے ہیں یہی میری والدہ کے آخری الفاظ تھے۔ غریبوں اور ضرورتمندوں اور بیواؤں کا خیال رکھتیں اور ان کی مالی مدد کیا کرتی تھیں۔ جب بھی گندم یا چاول کی فصل آتی تو اس کو کئی حصوں میں تقسیم کرتیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی صبر عطا فرمائے۔

تیسرا ذکر مسرت جہاں صاحبہ اہلیہ چودھری محمد اختر صاحب آسٹریلیا کا ہے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں ستاسی سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے دادا حضرت بابو محمد افضل اوجلوی صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ ان کے زیر سایہ انہوں نے تربیت پائی۔ ان کو برین ہیمبرج ہو گیا تھا۔ گذشتہ سولہ سال سے اسی وجہ سے بیڈ پہ پڑی رہیں۔ ان کے بچوں نے، ایک بیٹے زاہد نے اور بہو نے ان کی خاص خدمت کی۔ بہو کہتی ہیں کہ جس طرح انہوں نے اپنی ایکٹو (active) زندگی میں میرے سے ہمیشہ سلوک رکھا وہ ساس نہیں تھیں بلکہ بیٹی کی طرح سلوک رکھا۔ نماز، روزہ، تہجد کی پابند تھیں۔ عبادت کا خاص اہتمام کیا کرتی تھیں۔ اپنے گھر میں بھی عبادت کے لیے علیحدہ جگہ بنائی ہوئی تھی اور دارالعلوم سے مسجد مبارک میں جب درس ہوا کرتا تھا تو پیدل درس سننے جایا کرتی تھیں اور بلکہ آخری عشرے میں تراویح کے لیے بھی جایا کرتی تھیں۔ خلافت سے بے حد عقیدت اور احترام کا تعلق تھا۔ ان کے خاوند ریلوے میں سٹیشن ماسٹر تھے۔ جہاں بھی ان کی پوسٹنگ ہوتی وہاں اپنے گھر میں بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کی کلاس لگایا کرتی تھیں۔ ربوہ میں جب سکونت اختیار کی تو وہاں بھی قرآن کریم کی کلاس کا اہتمام کیا۔ ان کے پسماندگان میں میاں کے علاوہ تین بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کے چھوٹے بیٹے حافظ راشد جاوید صاحب ناظم دارالقضاء ربوہ ہیں، واقف زندگی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی جو نیکیاں ہیں ان کو ان کے بچوں کو بھی جاری رکھنے کی توفیق دے۔

چوتھا ذکر ہے مکرم ناصر احمد قریشی صاحب امریکہ کا۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ امۃالباری ناصر صاحبہ کے یہ شوہر تھے جو کہ لمبا عرصہ لجنہ اماء اللہ کراچی کی سیکرٹری اشاعت رہی ہیں۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کا ایک نواسہ وقاص خورشید مربی ہے اور ایک پوتا ان کا جامعہ احمدیہ کینیڈا میں پڑھ رہا ہے۔ ان کے والد کا نام مکرم محمد شمس الدین بھاگلپوری صاحب تھا اور ان کے خاندان میں احمدیت 1913ء میں آئی جب محترم مولوی عبدالماجد صاحب والد حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس علاقے میں ایک جلسہ کیا اور صداقت مسیح موعود کے دلائل بیان کیے۔ ان کے والد صاحب بہت متاثر ہوئے۔ سٹیج پر جا کر ملاقات کی۔ لٹریچر دیا گیا جسے پڑھ کر احمدیت کے لیے جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خواب میں حضرت اقدسؑ کی شبیہ مبارک اور مبشر خوابیں دکھائیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیعت کا خط لکھ دیا۔ آپؓ کی بیعت کی۔ اس طرح بھاگل پور کے اوّلین احمدیوں میں شامل ہوئے۔ شدید مخالفت کی وجہ سے اپنے

بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کر کے قادیان آ گئے اور وہاں اخلاص و محبت میں ترقی کرتے چلے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے کار ڈرائیور کے طور پر بھی ان کو خدمت کی توفیق ملی۔

ناصر قریشی صاحب قادیان میں پیدا ہوئے تھے۔ پارٹیشن کے بعد کراچی میں رہائش اختیار کی۔ یہیں تعلیم پائی۔ بڑی محنت اور لگن سے نامساعد حالات کے باوجود پڑھتے رہے۔ بی ای الیکٹریکل انجنیئرنگ کی اور پھر اس کے بعد اپنے محکمہ ٹیلیفون میں ملازمت اختیار کی۔ جنرل مینیجر کے عہدے تک ترقی کی۔ ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے تو بڑے محنتی اور ایماندار افسر کی شہرت کے ساتھ ریٹائرمنٹ حاصل کی۔ جماعت احمدیہ کراچی کے حلقہ ناظم آباد میں صدر حلقہ اور جہاں بھی رہے دوسری جگہ میں بھی صدر کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

ان کی اہلیہ امۃ الباری صاحبہ لکھتی ہیں کہ ہمیشہ ان کو میں نے صوم وصلوٰۃ کا پابند پایا۔ مسجد میں دل اٹکا رہتا تھا۔ ذمہ دار شوہر، بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھنے والا پایا۔ ضرورتمندوں کی مدد کی توفیق ان کو ملتی تھی۔ خلافت سے والہانہ محبت کرنے والے تھے۔ صاف سیدھی سچی اور کھری بات کہتے تھے اور خدا کے فضل سے موصی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 15 ستمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 173 صفحہ 02 تا 07)

35

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ یکم ستمبر 2023ء بمطابق یکم تبوک 1402 ہجری شمسی
بمقام جلسہ گاہ (Mess, Stattgart)، جرمنی

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

الحمد للہ آج جماعت احمدیہ جرمنی کا جلسہ سالانہ چار سال کی پابندیوں کے بعد وسیع پیمانے پر منعقد ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب شاملین جلسہ کو جلسہ کے مقاصد کو حاصل کرنے والا بنائے اور وہ اس بات پر خوش نہ ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوبارہ اکٹھا ہونے کا موقع دیا ہے تو ایک دوسرے کو مل لیں گے، کچھ مجلسیں لگا لیں گے اور بس۔ **نہیں! بلکہ ایک بہت بڑا مقصد ہے جلسے کے انعقاد کا** جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں بتایا ہے اور بڑے درد سے اس کا اظہار بھی کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپؑ کی بیعت میں شامل ہونے والے دینی علم سیکھیں، روحانیت میں ترقی کریں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت میں بڑھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرنے والے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تعلق ہو۔ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور دین مقدم ہو۔ آپ علیہ السلام ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے۔"

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 351)

پس پہلی کوشش حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے والوں کی یہ ہونی چاہیے کہ ہم ان مخلصین میں شامل ہونے والے ہوں جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب آ جائے اور ہمارے ہر قول و فعل سے اس کا اظہار بھی ہوتا ہو۔ اس سال جماعت احمدیہ کو جرمنی میں قائم ہوئے سو سال بھی ہو گئے ہیں۔ جرمن جماعت کے افراد اس بات پر بڑے excited بھی ہیں، خوش بھی ہیں کہ ہم اس سال جماعت کے قیام کے سو سال پورا ہونے پر یہ جلسہ کر رہے ہیں جو جماعت کے سو سال کے قیام کا جلسہ ہے۔ بہت لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یقیناً یہ خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے سو سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے اسلام کا خوبصورت پیغام اس ملک میں پہنچایا ہے بلکہ آپؑ کی زندگی میں بھی یہاں پیغام آ چکا تھا۔ اس لیے پیغام آئے ہوئے تو سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے اور سوچنا چاہیے کہ ان سو سالوں میں ہم نے کیا حاصل کیا۔ ہم نے اپنے ایمانوں کی کس حد تک حفاظت کی۔

جب جماعت یہاں شروع ہوئی تو چند ایک لوگ تھے۔ پھر پاکستان کے حالات بدلے، دنیا کے حالات بدلے تو بہت سے احمدی اس ملک میں آکر آباد ہوئے۔ وہ اس لیے یہاں آئے کہ وہ احمدی تھے اور احمدی ہونے کی وجہ سے اپنے ملک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم پر عمل کرنے اور کھل کر اس کا اظہار کرنے پر ان پر پابندیاں لگا دی گئی تھیں۔ پس جب یہاں آکر ان کو یہ مذہبی آزادی ملی کہ وہ کھل کر اپنے دین پر عمل کر سکیں تو پھر انہیں ایک خاص محنت سے اپنی حالت میں وہ پاک تبدیلیاں پیدا کر کے پھر ان پر قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیے جن کا تقاضا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت سے کیا ہے۔ کیا وہ کوشش ہم نے کی؟ کیا ہم نے اپنی روحانی حالتوں کو بہتر کرنے کے ساتھ اپنے بچوں کو بھی دین سے جوڑے رکھنے کی خاص کوشش کی؟ تا کہ ان مخلصین میں شامل ہو سکیں جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے ہیں۔ اگر کی تو یہی وہ حقیقی شکرانہ ہے جو سو سال پورے ہونے پر ہم ادا کرنے والے ہوں گے اور جس کی ایک احمدی سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر نہیں تو صرف دنیاوی رسم ورواج کے مطابق سو سال پورے ہونے پر خوشی بے فائدہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد **جگہ اپنی بیعت میں آنے والوں کو اپنے اندر پاک اور انقلابی** تبدیلیاں پیدا کرنے کے لیے لائحہ عمل دیا ہے۔ انہیں نصائح فرمائی ہیں۔ پس اگر ہم حقیقی طور پر ان مخلصین میں شامل ہیں جو آپؑ کی بیعت میں آئے تو ہمیں پھر ہر وقت ان کی جگالی کرتے رہنا چاہیے اور پھر اپنے قول و فعل کا اس کے ساتھ موازنہ بھی کرتے رہنا چاہیے کہ کس حد تک ہم اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں آنے کا مقصد ہے۔ کہیں ہم اس ترقی یافتہ دنیا میں آکر اپنے اس مقصد کو بھول تو نہیں گئے۔ کہیں دنیا کی چکاچوند نے ہمیں بیعت کے مقصد کو بھلانے والا تو نہیں بنا دیا۔ اگر بھلا دیا ہے تو یہ سو سالہ جشن بے فائدہ ہے۔ اس وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض ارشادات آپ کے سامنے رکھوں گا جو ہمیں ہمارے مقصد کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

سب سے پہلے میں آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد پیش کروں گا جس میں آپؑ نے فرمایا کہ **ہماری بیعت ہم سے کیا تقاضا کرتی ہے۔** فرماتے ہیں:

"یہ مت خیال کرو کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہو جاتا ہے یہ تو صرف پوست ہے۔" باہر کی کھال ہے۔ "مغز تو اس کے اندر ہے۔ اکثر قانون قدرت یہی ہے کہ ایک چھلکا ہوتا ہے اور مغز اس کے اندر ہوتا ہے۔ چھلکا کوئی کام کی چیز نہیں ہے مغز ہی لیا جاتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں مغز رہتا ہی نہیں اور مرغی کے ہوائی انڈوں کی طرح جن میں نہ زردی ہوتی ہے نہ سفیدی جو کسی کام نہیں آسکتے اور ردّی کی طرح پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ایک دو منٹ تک کسی بچے کے کھیل کا ذریعہ ہو تو ہو۔ اسی طرح پر وہ انسان جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ ان دونو باتوں کا مغز اپنے اندر نہیں رکھتا تو اسے ڈرنا چاہئے کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اس ہوائی انڈے کی طرح ذرا سی چوٹ سے چکنا چور ہو کر پھینک دیا جائے گا۔" جو پیچھے ہٹتے ہیں جماعت سے ان کا یہی حال ہے۔ اسی طرح فرمایا "اسی طرح جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کو ٹٹولنا چاہئے کہ کیا میں چھلکا ہی ہوں یا

مغز؟" اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ "جب تک مغز پیدا نہ ہو ایمان، محبت، اطاعت، بیعت، اعتقاد، مریدی اسلام کا مدعی سچا مدعی نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور مغز کے سوا چھلکے کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ معلوم نہیں موت کس وقت آجاوے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ موت ضرور ہے۔ پس نرے دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہو جاؤ وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔ جب تک انسان اپنے آپ پر بہت موتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے وہ انسانیت کے اصل مقصد کو نہیں پا سکتا۔"
(ملفوظات جلد 2 صفحہ 167)

پس بیعت کا حق ادا کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ تبھی ادا ہو سکتا ہے جب ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع چلنے کی کوشش کریں۔ دنیاوی لذات کو دُور کر کے ہی انسان ایسا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا میں رہ کر پھر دین کو مقدم رکھنا یہی اصل جہاد ہے جس کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنا کیا ہے! کیا دنیا کو بالکل ترک کر دینا ہے؟ اس کی وضاحت فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان سست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لئے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کو اس وقت بھی مد نظر رکھیں تا کہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کر لے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ اصل مقصود دین ہو۔ پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اس کے تصور سے ہی انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوئے۔ نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں کہ مسلمان ترقی کریں مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔" یہ عام مسلمانوں کا حال ہے۔ "پھر ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دنیا ہی کے لیے ہیں۔ یاد رکھو جب تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرے ذرے پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہو گی۔" یہ لکھی ہوئی بات ہے۔ "اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔ ان کے لئے اَور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دی گئی ہے۔ تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ ان کے لئے الگ معاملہ اور مواخذہ کا دن ہے۔" ان کا مواخذہ کیا ہو گا کب ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہوں گے اور ہو گا یقیناً لیکن ہو سکتا ہے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کرے، اس دنیا میں نہ کرے۔ لیکن ہم جو دعویٰ کرتے ہیں ایمان کا پھر اگر عمل نہیں کرتے تو ہمارا مواخذہ اس دنیا سے بھی شروع ہو سکتا ہے۔ پس بڑے فکر کی بات ہے۔ فرمایا "تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑو گے تو تمہارے لئے اسی دنیا میں جہنم موجود ہے۔ ایسی حالت میں قریباً ہر شہر میں مسلمانوں کی بہتری کے لئے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں لیکن کسی ہمدرد

اسلام کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔ اس پر عمل کرو۔

اگر کہتے ہیں تو بس یہی کہ انگریزی پڑھو، کالج بناؤ، بیرسٹر بنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔ حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر دوا فائدہ نہ کرے تو اپنے علاج سے رجوع کر لیتے ہیں۔" یہ علاج چھوڑ کے دوسرا علاج شروع کرتا ہے۔" یہاں ناکامی پر ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر خدا نہیں ہے تو اس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کر لیں گے لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے پھر اس کو چھوڑ کر کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے، اس کی بے عزتی کر کے، اس کی کتاب کی بے ادبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاوے، کبھی نہیں"۔ غیر مسلموں کو قرآن کریم جلانے کی کیوں جرأت پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ ہم نے عملاً قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اسی وجہ سے ان کو جرأت پیدا ہوئی جس سے ہم بھی گناہگار ہوئے۔ مسلمان گناہگار ہوئے۔ فرمایا" ہماری رائے تو یہی ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔ اگر ہم ان باتوں کو ان دنیا پرستوں کی مجلس میں بیان کریں تو وہ ہنسی میں اڑا دیں مگر ہم کو رحم آتا ہے کہ افسوس یہ لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 158-159)

فرمایا میں تو ایسی نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ **مسلمانوں کی تباہی ہی تباہی ہے اگر قرآن کریم پر عمل نہیں** کریں گے۔ پس مسلمان کہلا کر پھر دو عملی نہیں چل سکتی۔ مسلمانوں کی حالت کا نقشہ ہمارے لیے کافی سبق ہے۔ نام تو دین کا لیتے ہیں لیکن باتیں دنیا کی کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ من حیث القوم ہر جگہ مسلمانوں کی حالت خستہ ہے۔ پس یہ بہت غور کا مقام ہے، بڑے فکر کا مقام ہے۔ پھر دین کو ہر حال میں دنیا پر مقدم کرنے کے بارے میں مزید ایک جگہ آپؑ نے یوں فرمایا:" دیکھو دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے۔" پہلے بھی وضاحت فرمائی "نہیں، صحابہ تجارتیں بھی کرتے تھے مگر وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے ان کے دلوں کو لبریز کر دے انہوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگائے۔" پس یہ ہر احمدی کے لیے راہنما اصول ہے۔" کوئی امر ان کو سچائی کے اظہار سے نہیں روک سکا۔" مداہنت نہیں دکھانی، اپنا دین نہیں چھپانا۔ فرمایا "میرا مطلب اس سے صرف یہ ہے کہ جو بالکل دنیا ہی کے بندے اور غلام ہو جاتے ہیں گویا دنیا کے پرستار ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان اپنا غلبہ اور قابو پا لیتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی ترقی کی فکر میں ہو جاتے ہیں یہ وہ گروہ ہوتا ہے جو حزب اللہ کہلاتا ہے اور جو شیطان اور اس کے لشکر پر فتح پاتا ہے۔" دنیاوی حزب اللہ نہیں، لڑائیاں کرنے والے، جنگیں کرنے والے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والا گروہ ہے جو حزب اللہ کہلاتا ہے۔ جو شیطان سے اور اس کے لشکر پر فتح پاتا ہے۔" مال چونکہ تجارت سے بڑھتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی طلب دین اور ترقی دین کی خواہش کو ایک تجارت ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ

اَلِیْمٍ (الصف: 11)" کیا میں تمہیں ایسی تجارت پر مطلع کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ کیا ہے؟ دین کی تجارت۔

فرمایا "**سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے** جو دردناک عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پس میں بھی خدا تعالیٰ کے ان ہی الفاظ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ میں زیادہ امید ان پر کرتا ہوں جو دینی ترقی اور شوق کو کم نہیں کرتے۔ جو اس شوق کو کم کرتے ہیں مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ شیطان ان پر قابو نہ پالے۔ اس لئے کبھی سست نہیں ہونا چاہئے۔ ہر امر کو جو سمجھ میں نہ آئے پوچھنا چاہئے تاکہ معرفت میں زیادت ہو۔ پوچھنا حرام نہیں۔ بحیثیت انکار کے بھی پوچھنا چاہئے اور عملی ترقی کے لئے بھی۔" اگر انکار کرنا ہے کسی بات کا تب بھی پوچھو۔ سوال تو کرو۔ جواب تو حاصل کرو اور علمی ترقی کے لیے بھی پوچھنا چاہیے۔ "جو علمی ترقی چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کریں۔ اگر بعض معارف سمجھ نہ سکے تو دوسروں سے دریافت کر کے فائدہ پہنچائے۔ قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 193-194)

پس دین کا علم حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی راہنمائی کو پکڑنا ضروری ہے اور یہ قرآن کریم ہی اب صحیح راہنمائی کرے گا۔ اور یہی طریقہ ہے جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی طرف راہنمائی کرے گا۔ پس ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ کتنے ہیں جو غور کر کے قرآن کریم کو پڑھتے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپؑ یہ توجہ دلاتے ہوئے کہ قرآن شریف کے ہم پر بہت احسانات ہیں اس لیے اس کو بہت غور سے اور توجہ سے پڑھنا چاہیے فرماتے ہیں:

"پس یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے جو ان کی تعلیموں کو جو قصہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دے دیا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جب تک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وہ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ۔ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ (الطارق: 14-15)" یہ فیصلہ کرنے والا قول ہے کوئی فضول باتیں نہیں ہیں اس میں۔ "وہ میزان، مہیمن، نور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اسے قصہ سمجھتے ہیں انہوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا بلکہ اس کی بے حرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوئے ہیں؟ صرف اسی لئے کہ ہم قرآن شریف کو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نور، حکمت اور معرفت ہے دکھانا چاہتے ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارہ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے اس لئے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پروا کریں۔ غرض میں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشفِ حقائق کے لئے قائم کیا ہے۔" حقائق کے ظاہر کرنے

کے لیے بتانے کے لیے قائم کیا ہے "کیونکہ بدوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نور پیدا نہیں ہو سکتا اور میں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خوبی دنیا پر ظاہر ہو جیسا کہ خدا نے مجھے اس کام کے لئے مامور کیا ہے۔ اس لئے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا قصہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 155)

پس قرآن کریم کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بہت سے سوال اکثر احمدی کرتے ہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کو غور سے پڑھیں تو وہیں ان کو ان کے جواب بھی مل جائیں گے۔ مختلف فنکشنز (functions) میں جب قرآن کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو سننے والے متاثر ہوتے ہیں، اسلام کی خوبیوں کے معترف ہوتے ہیں۔

پس اعتماد کے ساتھ ہر احمدی کو قرآن کریم کو استعمال کرنا چاہیے۔ جہاں یہ ہماری تربیت کے لیے راہنما ہے وہاں غیروں کے اعتراضوں کے جواب دینے کے لیے بھی ایک زبردست ہتھیار ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کا خدا تعالیٰ سے بھی تعلق پیدا ہو جائے۔ احکامات کا پتہ چل جائے تو پھر ان احکامات دینے والے سے تعلق ہونا چاہیے، خدا تعالیٰ سے بھی تعلق ہونا چاہیے اور یہ تعلق عبادت سے پیدا ہوتا ہے اور عبادت کا اسلام میں بہترین ذریعہ نماز ہے۔

پس ہر احمدی کو یہ جائزہ لینا چاہیے **کہ اس کی نماز کی کیا حالت ہے۔** اگر ہماری یہ حالت درست ہو گئی اور ہمارا اللہ تعالیٰ سے اس طرح تعلق قائم ہو گیا تو پھر ہی وہ حالت ہے جب ہمیں حقیقی خوشی ملے گی۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"میرا مذہب تو یہ ہے کہ جس کو بلا سے بچنا ہو وہ پوشیدہ طور پر خدا سے صلح کر لے اور اپنی ایسی تبدیلی کر لے کہ خود اسے محسوس ہووے کہ میں وہ نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:12) "یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے تبدیل نہ کریں جو ان کے نفسوں میں ہے، ان کے دلوں میں ہے۔ فرمایا "سچے مذہب کی جڑ خدا پر ایمان ہے اور خدا پر ایمان چاہتا ہے کہ سچی پرہیز گاری ہو۔ خدا کا خوف ہو۔ تقویٰ والے کو خدا تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ آسمان سے اس کی مدد کرتا ہے۔ فرشتے اس کی مدد کو اترتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ متقی سے معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صفائی کر لے اور ان افعال اور اعمال کو چھوڑ دے جو اس کی ناراضمندی کا موجب ہیں تو وہ سمجھ لے کہ ہر ایک کام برکت سے طے پا جائے گا۔ ہمارا ایمان تو آسمانی کارروائیوں ہی پر ہے۔" آسمان سے کام ہوں گے تو ہوں گے اَور کوئی ذریعہ نہیں۔ "یہ سچی بات ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کسی کا ہو جائے تو سارا جہان اپنی مخالفت سے کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ جس کو خدا محفوظ رکھنا چاہے اس کو گزند پہنچانے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس خدا پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔" فرمایا "پس خدا پر بھروسہ کرنا ضروری ہے اور یہ بھروسہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہر ایک شئے سے بکلی یاس ہو۔ اسباب ضروری ہیں مگر خلق اسباب بھی تو خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر ایک سبب کو پیدا کر سکتا ہے اس لئے اسباب پر بھی بھروسہ نہ کرو اور یہ بھروسہ یوں پیدا ہوتا ہے کہ نمازوں کی پابندی کرو اور نمازوں میں دعاؤں کا

التزام رکھو۔ ہر ایک قسم کی لغزش سے بچنا چاہئے اور ایک نئی زندگی کی بنیاد ڈالنی چاہئے۔

یہ یاد رکھو! عزیز بھی ایسے دوست نہیں ہوتے جیسے خدا عزیز ہوتا ہے۔ وہ راضی ہو تو کُل جہان راضی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی پر رضامندی ظاہر کرے تو الٹے اسباب کو سیدھا کر دیتا ہے۔" بگڑے کام بھی بن جاتے ہیں۔ "مضر کو مفید بنا دیتا ہے۔ یہی تو اس کی خدائی ہے۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس کے لیے دعا کی جاتی ہے اس کو ضروری ہے کہ خود اپنی صلاحیت میں مشغول رہے۔" دعا کے لیے کہتے ہیں، دعا کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کرنے میں خود بھی مشغول ہونا پڑے گا۔ "اگر وہ کسی اَور پہلو سے خدا کو ناراض کر دیتا ہے تو وہ دعا کے اثر کو روکنے والا ٹھہرتا ہے۔ مسنون طریق پر اسباب سے مدد لینا گناہ نہیں ہے مگر مقدم خدا کو رکھے اور ایسے اسباب اختیار نہ کرے جو خدا تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہوں۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 184-185)

نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ اور اس کا علاج بیان فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

"غرض میں دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازوں میں غافل اور سست اس لئے ہوتے ہیں کہ ان کو اس لذت اور سرور سے اطلاع نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر رکھا ہے اور بڑی بھاری وجہ اس کی یہی ہے پھر شہروں اور گاؤں میں تو اَور بھی سستی اور غفلت ہوتی ہے۔ سو پچاسواں حصہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہیں جھکاتا۔ پھر سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ ان کو اس لذت کی اطلاع نہیں اور نہ کبھی انہوں نے اس مزہ کو چکھا۔ اَور مذاہب میں ایسے احکام نہیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مؤذن اذان دے دیتا ہے۔ پھر وہ سننا بھی نہیں چاہتے گویا ان کے دل دکھتے ہیں" کہ اذان ہو گئی اور نماز کے لیے جانا پڑے گا۔ "یہ لوگ بہت ہی قابل رحم ہیں۔ بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ ان کی دکانیں دیکھو تو مسجدوں کے نیچے ہیں مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے۔ پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہئے کہ جس طرح پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزہ چکھا دے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو! اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے تو اس کی ساری حالت باعتبار اس کے مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اٹھ کر سردی میں وضو کر کے خواب راحت چھوڑ کر کئی قسم کی آسائشوں کو کھو کر پڑھنی پڑتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسے بیزاری ہے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز میں ہے اس کو اطلاع نہیں ہے۔ پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے در پے پیالے پیتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانش مند اور بزرگ انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے" باقاعدگی سے پڑھے "اور پڑھتا جاوے یہاں تک کہ اس کو سرور آجاوے اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا

ہے اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اسے سرور کا حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جاوے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اسے ہوتے ہیں اور احسان پیش نظر رہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود:115) نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو کہ صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی روح مردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا۔ اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجود یکہ معنے وہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے۔ وہ نماز یقیناً یقیناً برائیوں کو دور کرتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں ہے۔ نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 162 تا 164)

پس ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ کیا ہم نمازوں میں سرور حاصل کرتے ہیں؟ کیا ہم مکمل بھروسہ صرف اسباب پر تو نہیں رکھتے؟ اگر ہم نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں تو ہم بیعت کا حق ادا کرنے والے ہیں، اپنے مقصد کو پورا کرنے والے ہیں۔ ورنہ قابل فکر حالت ہے۔ پھر علم و معرفت میں ترقی اور شیطان کے حملے سے بچنے کے بارے میں توجہ دلاتے ہوئے اور یہ کہ مرشد اور مرید کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں فرماتے ہیں:

"مرشد اور مرید کے تعلقات استاد اور شاگرد کی مثال سے سمجھ لینے چاہئیں۔ جیسے شاگرد استاد سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح مرید اپنے مرشد سے لیکن شاگرد اگر استاد سے تعلق تو رکھے مگر اپنی تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھائے تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہی حال مرید کا ہے۔ پس اس سلسلہ میں تعلق پیدا کر کے اپنی معرفت اور علم کو بڑھانا چاہئے۔ طالبِ حق کو ایک مقام پر پہنچ کر ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہئے ورنہ شیطان لعین اَور طرف لگا دے گا اور جیسے بند پانی میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔" کھڑے پانی میں سڑاند پیدا ہو جاتی ہے، کیڑے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں، کئی بیماریوں کی وجہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی حالت ہوتی ہے جو ایک جگہ ٹھہر گیا۔ پس ہمارے قدم آگے بڑھتے چلے جانے چاہئیں۔ فرمایا: "اسی طرح اگر مومن اپنی ترقیات کے لئے سعی نہ کرے تو وہ گر جاتا ہے۔ پس سعادت مند کا فرض ہے کہ وہ طلب دین میں لگا رہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دنیا میں نہیں گزرا لیکن آپ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:115) کی دعا تعلیم ہوئی تھی پھر اَور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کر کے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جوں جوں انسان اپنے علم اور معرفت میں

ترقی کرے گا اسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں۔ بعض امور کو وہ ابتدائی نگاہ میں (اس بچے کی طرح جو اقلیدس کے اشکال کو محض بیہودہ سمجھتا ہے)''یعنی جیومیٹری کی شکلیں ہیں یا جو مختلف ڈایاگرام (diagram) سائنسدانوں کی طرف سے بنائے جاتے ہیں تو بچہ ان کو لکیریں سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگ ایسے ہی ہیں جو بچے کی طرح ہیں۔ ان چیزوں کو ''بالکل بیہودہ سمجھتے تھے۔'' فرمایا''لیکن آخر وہی امور صداقت کی صورت میں ان کو نظر آئے۔''جب بڑے ہوئے عقل آئی تو یہ پتا لگا اس میں تو بڑی کام کی باتیں ہیں۔''اس لئے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے ساتھ ہی علم کو بڑھانے کے لئے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔ تم نے بہت ہی بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلہ کو قبول کیا ہے۔''فرمایا بہت سی بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلے کو قبول کیا ہے''اگر تم اس کی بابت پورا علم اور بصیرت حاصل نہیں کرو گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوا۔ تمہارے یقین اور معرفت میں قوت کیونکر پیدا ہو گی۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوک اور شبہات پیدا ہوں گے اور آخر قدم کو ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 193)

پس بعض لوگ جن کے ایمان ڈگمگاتے ہیں اس لیے کہ وہ علم میں ترقی نہیں کرتے یا اپنی من گھڑت تشریحیں اور توجیہیں کرتے ہیں۔ **حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتے۔** اگر ہم دینی علم کی طرف توجہ دیں تو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان میں بھی ہم ترقی کریں گے اور اسلام اور احمدیت کی سچائی پر بھی ایمان میں ہم بڑھنے والے ہوں گے۔ اپنے بچوں کی ایمان کی بھی حفاظت کرنے والے ہوں گے اور اس طرف بھی بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر میری بیعت کی ہے تو مجھے حَکَم اور عَدَل تسلیم کرو۔ اس بات پر یقین رکھو کہ جو بات میں کہوں گا خدا تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص راہنمائی سے کہوں گا۔ پس آپؑ نے فرمایا کہ اپنے ایمان کی یہ حالت پیدا کرو کہ حکم اور عدل کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ فرمایا کہ:

''جو شخص ایمان لاتا ہے اسے اپنے ایمان سے یقین اور عرفان تک ترقی کرنی چاہئے۔ نہ یہ کہ وہ پھر ظن میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو ظن مفید نہیں ہو سکتا۔''بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں۔''خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (یونس:37)''یقیناً ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ حق بہر حال حق ہے۔ بدظنیاں پیدا کرنے سے حق چھپ نہیں سکتا۔''یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بامراد کر سکتی ہے۔''فرمایا''یقین کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انسان ہر بات پر بدظنی کرنے لگے تو شاید ایک دم بھی دنیا میں نہ گزار سکے۔''اگر دنیاوی باتوں میں تم بدظنیاں کرنے لگو۔ وہیں سے مثال دیکھ لو۔''وہ پانی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شئے ہو۔ پھر کس طرح وہ رہ سکتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے۔''جن کو وہم کی بیماری ہوتی ہے وہ تو اس طرح سوچ سوچ کے اپنی زندگی اجیرن کر لیتے ہیں۔ روحانی امور میں بھی یہی چیز دیکھنی چاہیے کہ ایسی بدظنیاں پیدا نہ ہوں۔ فرمایا''اسی طرح پر انسان روحانی امور میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اب تم خود یہ سوچ لو

اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود حکم عدل مانا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہو گا لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حکم ہے تو پھر اس کے حکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کافی ہے وہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہو گا۔ وہ حکم عدل ہو گا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوئی تو پھر کب ہو گی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ میں اگر صادق نہیں ہوں تو پھر جاؤ اَور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اَور صادق نہیں مل سکتا اور پھر اگر دوسرا کوئی صادق نہ ملے اور نہیں ملے گا تو پھر میں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا ہے۔ جن لوگوں نے میرا انکار کیا ہے اور جو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا اور جس نے مجھے تسلیم کیا اور پھر اعتراض رکھتا ہے وہ اَور بھی بدقسمت ہے کہ دیکھ کر اندھا ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ معاصرت بھی رتبہ کو گھٹا دیتی ہے۔ اس لئے حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کو اہل وطن سے کیا کیا تکلیفیں اور صدمے اٹھانے پڑے تھے۔ سو یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک سنت چلی آتی ہے ہم اس سے الگ کیونکر ہو سکتے ہیں۔"

نبیوں کی مخالفت ہوتی ہے۔ اگر ہمارے سے ہو رہی ہے تو یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ "اس لئے ہم کو جو کچھ اپنے مخالفوں سے سننا پڑا یہ اسی سنت کے موافق مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الحجر:12)" کہ کوئی رسول ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے تمسخر کرتے ہیں۔ "افسوس اگر یہ لوگ صاف نیت سے میرے پاس آتے تو میں ان کو وہ دکھاتا جو خدا نے مجھے دیا ہے اور وہ خدا خود ان پر اپنا فضل کرتا اور انہیں سمجھا دیتا مگر انہوں نے بخل اور حسد سے کام لیا اب میں ان کو کس طرح سمجھاؤں۔" اب بھی ایک سو تیس بتیس سال ہونے لگے یہ لوگ نشانات دیکھ کے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ فرمایا "جب انسان سچے دل سے حق طلبی کے لئے آتا ہے تو سب فیصلے ہو جاتے ہیں لیکن جب بدگوئی اور شرارت مقصود ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا....." فرماتے ہیں کہ "حجج الکرامہ میں ابن عربی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو اسے مفتری اور جاہل ٹھہرایا جائے گا اور یہاں تک بھی کہا جاوے گا کہ وہ دین کو تغیر کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس قسم کے الزام مجھے دیئے جاتے ہیں ان شبہات سے انسان تب نجات پا سکتا ہے جب وہ اپنے اجتہاد کی کتاب ڈھانپ لے اور اس کی بجائے وہ یہ فکر کرے کہ کیا یہ سچا ہے یا نہیں۔ بعض امور بیشک سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں لیکن جو لوگ پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں وہ حسن ظن اور صبر اور استقلال سے ایک وقت کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر اصل حقیقت کو کھول دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صحابہ سوال نہ کرتے تھے بلکہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی آکر سوال کرے تو فائدہ اٹھاتے تھے ورنہ خود خاموش سر تسلیم خم کئے ہوئے بیٹھے رہتے تھے اور جرأت سوال کی نہ کرتے تھے۔ میرے

نزدیک اصل اور اسلم طریق یہی ہے کہ ادب کرے۔ جو شخص آداب النبی کو نہیں سمجھتا اور اس کو اختیار نہیں کرتا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ ہلاک نہ کیا جائے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 73 تا 75)

یہ آپؑ اپنے زمانے کی باتیں کر رہے ہیں جب لوگ آپؑ کی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ آج آپؑ کی کتابوں کو دیکھ کے بھی، پڑھ کے بھی اور دلائل سن کے بھی اس قسم کی باتیں ہی لوگ کرتے ہیں۔ فرمایا یہ شخص آداب النبی کو نہیں سمجھتے اور یہی اندیشہ ہے کہ وہ ہلاک نہ ہو جائیں۔

پس مسلمان تو اپنی بدقسمتی کی وجہ سے یہ پیغام سننے اور سمجھنے میں بڑی حیل و حجت کرتے ہیں اور ان کی حالتِ زار بھی ان کو اس طرف متوجہ نہیں کرتی کہ دیکھیں کہ کیا وجہ ہے ہماری یہ جو حالت ہوئی ہوئی ہے من حیث القوم ہم کیا بن رہے ہیں۔ زمانہ بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بھی پوری ہو رہی ہیں تو کم از کم آنے والے موعود کو تلاش تو کریں۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر میں نہیں تو کوئی اَور لیکن تمہیں اَور کوئی نہیں ملے گا۔ لیکن دنیا میں پڑ کر سب بھول رہے ہیں لیکن ہمارا کام پھر بھی یہ ہے کہ ان کو بچانے کی کوشش کریں اور مسیح موعودؑ کا پیغام ہر ایک تک پہنچائیں اور صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر فرد تک چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے یا لامذہب ہے یہ پیغام پہنچائیں۔ ابھی تو بہت کام ہمارا کرنے والا ہے۔ جرمنی میں جماعت کو سو سال پورے ہونے پر بھی ہم جرمنوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا سکے۔ پس اس لحاظ سے بھی جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ اسلام کا پیغام پہنچانے اور تبلیغ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"**اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں**۔ ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو دوسرے یورپ پر اتمام حجت کریں۔ عرب پر اس لئے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہو گا کہ ان کو معلوم بھی نہ ہو گا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے۔" آج بھی حقیقت ہے ہر عرب تک ہمارا پیغام نہیں پہنچا باوجود یکہ پہلے زمانے کے لحاظ سے کوششیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ اگر پہنچا ہے تو مخالفین کے ذریعہ سے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کا استہزا کر کے قادیانی کے نام سے ہمیں پکار کر ہمیں دنیا میں یا اپنے لوگوں میں متعارف کرایا ہے اور ہر جھوٹ اور من گھڑت کہانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو بتائی ہے۔ ایک طرف کا پیغام ان کو پہنچا ہے۔ اگر تعارف ہے تو مخالفین کے ذریعے سے لیکن ہمارے ذریعے سے تعارف اچھی طرح ابھی نہیں ہوا۔

بہرحال فرمایا: "اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کو پہنچائیں اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہو گی۔ ایسا ہی یورپ والے حق رکھتے ہیں کہ ان کی غلطیاں ظاہر کی جاویں کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دور جا پڑے ہیں۔ یورپ کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ واقعی اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ کا مصداق ہو گیا ہے۔" یعنی وہ زمین کی طرف جھک گئے ہیں۔ سوائے دنیاداری کے عام طور پر لوگوں میں کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔ ہمارے بعض لوگ اور نوجوان ان کی اس ترقی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ انہیں بتائیں کہ تم جس طرف جا رہے ہو یہ صرف تباہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تبلیغ کرنی چاہیے۔ فرمایا "طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

مغربی ممالک میں ترقی یافتہ ملکوں میں۔ ”اس سے تعجب مت کرو کہ یورپ ارضی علوم وفنون میں ترقی کر رہا ہے۔“ امپریس (Impress) نہ ہو جاؤ کہ یہ ترقی ہو رہی ہے۔ ”یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آسمانی علوم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو پھر زمین ہی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔ یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی بھی کلیں بنایا کرتے تھے۔“ پرزے بنایا کرتے تھے ”یا ان کی ساری کوششیں اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 253-254)

پس یہ بات ہے جو ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں گڑ جانی چاہیے کہ ہم نے دنیا کمانے کے لیے احمدیت قبول نہیں کی بلکہ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنے کے لیے احمدیت قبول کی ہے اور یہ پیغام ہم نے دنیا والوں کو پہنچانا بھی ہے۔ یہی چیز ہے جو ہماری دنیا و آخرت سنوارنے والی ہو گی۔ آپؑ اپنے آنے کی غرض اور مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میرے آنے کی اصل غرض اور مقصد یہی ہے کہ توحید، اخلاق اور روحانیت کو پھیلاؤں۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو اپنا مطلوب، مقصود اور محبوب اور مطاع یقین کر لیا جاوے۔ موٹی موٹی بت پرستی اور شرک سے لے کر اسباب پرستی کے شرک اور باریک شرک اپنے نفس کو بھی کچھ سمجھ لینے تک دور کر دیا جاوے۔“ ہر بات میں اپنے نفس کا بھی شرک شامل نہ ہو۔ کسی باریک سے باریک چیز کا بھی شرک شامل نہ ہو، یہ توحید ہے۔ ”جس میں دنیا گرفتار ہے“ آجکل اس سے بچنا ہے ”اور اخلاق سے مراد یہ ہے کہ جس قدر قویٰ انسان لے کر آیا ہے ان کو اپنے محل اور موقع پر خرچ کیا جاوے۔ یہ نہیں کہ بعض کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جاوے اور بعض پر بہت زور دیا جاوے۔ مثلاً اگر کوئی ہاتھ کو بالکل کاٹ دے تو کیا اس سے کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ سچے اور کامل اخلاق یہی ہیں کہ جو جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں ان کو اپنے محل پر ایسے طور سے خرچ کیا جاوے کہ جس میں افراط اور تفریط پیدا نہ ہو۔ افراط یہ ہے کہ مثلاً جس کو قوتِ شامہ میں افراط ہو تو حدت الحس کی مرض ہو جاوے گی“ یعنی اس انسان کی سونگھنے کی حس اگر تیز ہو جائے تو انسان کے لیے ایک مشکل کھڑی ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کی خوشبو کی حس تیز ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے ان کو تکلیف شروع ہو جاتی ہے سر درد شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اَور دوسری خوشبوئیں ہیں ان کی وجہ سے بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں تو یہی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اعتدال میں رکھے اور ہر مرض سے بچائے روحانی مرض سے بھی۔ فرمایا تفریط یہ ہے۔ افراط تو حدت الحس کی مرض ہو جاوے گی ”اور پھر اس سے اَور امراض شدیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔“ بیماریاں بڑھتی ہیں۔ ”تفریط یہ ہے کہ اس کی حس بالکل مفقود ہو جاتی ہے اور اعتدال یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے محل اور مقام پر رہیں اور یہی وہ درجہ اور مقام ہے جہاں اخلاق اخلاق کہلاتے ہیں اور اسی کو میں قائم کرنے آیا ہوں۔“ درمیانہ رستہ اختیار کرنا چاہیے اور اعلیٰ اخلاق جن کا اسلام میں حکم ہے ان کو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرمایا ”روحانیت سے مراد وہ آثار اور علامات ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا ہونے پر مترتب ہوتے ہیں اور یہ کیفیتیں ہیں جب تک پیدا نہ ہوں انسان سمجھ نہیں سکتا مگر اصل غرض یہی ہیں۔“ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 297)

پس یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں ایک ایسا انسان بناتی ہیں جو حقیقی مومن ہے۔ پس یہ جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اس معیار پر ہیں کہ ہمارا مقصود و مطلوب اور سب سے زیادہ محبوب خدا تعالیٰ کی ذات ہو۔ اگر یہ نہیں تو ہم ابھی اپنے ایمان کے کمزور درجے پر ہیں۔ پس جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر ہماری ہر دنیاوی خواہش بے حقیقت ہے کہ نہیں، اس کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ہو گا تو تبھی ہم مسجدوں کے بھی حق ادا کرنے والے ہوں گے۔ اسی طرح جب ہم مسجدیں بنا رہے ہیں تو ان کو آباد کرنے کی بھی ایک فکر ہونی چاہیے۔

پس ہر احمدی کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ توحید کا کس حد تک اس کے دل میں زور ہے، شوق ہے، جذبہ ہے۔ اسی طرح اعلیٰ اخلاق کا اظہار ہے تو ہر احمدی سے ہونا چاہیے۔ یہ اعلیٰ اخلاق ہیں جو ہمارا پیغام پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ مختلف مساجد کے افتتاح میں جب میں جاؤں تو جو احمدیوں کے واقف لوگ ہیں وہ اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ احمدیوں کے اخلاق اچھے ہیں لیکن ایک کمی میں نے دیکھی ہے۔ یہ اچھے اخلاق دکھا کر پھر اسلام اور احمدیت کا تعارف صحیح طور پر نہیں کرایا جاتا۔ اگر یہ تعارف کروایا جائے تو پھر ہی ہم جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا احمدیت اور اسلام کا صحیح پیغام یورپ کے لوگوں تک، اس ملک کے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ اخلاق کا اظہار آپس کے تعلقات میں بھی ہونا چاہیے۔ صرف یہ نہیں کہ غیروں کے لیے۔ ان کو تو اعلیٰ اخلاق دکھا دیے اور گھر میں اور اپنے معاشرے میں ایک فساد برپا ہو۔ پس یہ باتیں ہیں جن کو ہمیں اخلاق کے حوالے سے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ یہی اعلیٰ اخلاق ہیں جن کے پیدا کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آئے تھے اور پھر فرمایا کہ روحانیت کے معیار کا نتیجہ تب مترتب ہوتا ہے، تب ظاہر ہوتا ہے، تب اس کا پتا چلے گا کہ روحانیت پیدا ہوئی ہے جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے اعلیٰ معیار قائم ہوں گے۔ اپنوں اور غیروں کو ایک حسن ہمارے اندر نظر آ رہا ہو گا۔ ہمارے بچے ہمارے سے سبق لینے والے ہوں گے تبھی ہم کہہ سکیں گے کہ ہم یہ معیار حاصل کرنے والے ہیں۔

امیر صاحب جرمنی گذشتہ دنوں مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ **ہمارا اگلی صدی کا ٹارگٹ کیا ہے**۔ پہلی بات تو یہ کہ جن چند باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے، یہ ساری باتیں نہیں ہیں چند باتیں ہیں جن کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں توجہ دلائی ہے۔ کیا یہ ہم نے اس گزری ہوئی صدی میں حاصل کر لیا ہے؟ کیا ہمارا خدا تعالیٰ سے پختہ تعلق پیدا ہو گیا ہے؟ کیا ہماری نمازوں کے اعلیٰ معیار قائم ہو گئے ہیں؟ کیا ہم نماز کے اوقات میں دنیاوی کاموں کو چھوڑ کر نماز کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں یا صرف مسجدیں بنانے پر ہی زور ہے؟ کیا ہم قرآن کریم کی تلاوت میں باقاعدہ ہیں؟ کیا ہم قرآنی احکامات کو تلاش کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے بچوں کو دین سے جوڑنے کے لیے بھرپور کوشش کر رہے ہیں؟ کیا ہمیں صرف اپنے بچوں کی دنیاوی تعلیم کی فکر ہے یا ان کی دین کی بھی فکر ہے۔ کیا ہمارے اعلیٰ اخلاق آپس کے تعلقات میں وہ معیار حاصل کر چکے ہیں جو رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (الفتح:30) کا نظارہ ہمیں دکھائیں؟ کیا اعلیٰ اخلاق کے نمونے غیروں پر ظاہر کر کے انہیں اسلام کی خوبصورت تعلیم سے ہم آگاہ کر رہے

ہیں یا صرف کہیں اعلیٰ اخلاق دکھا کر ہم یہ بتا رہے ہیں کہ ہم پُر امن لوگ ہیں؟ بہت سی جگہوں پر جب مجھے غیروں سے کچھ کہنے کا موقع ملا تو اکثر لوگوں نے یہی کہا ہے کہ ہمیں اسلام کی اس خوبصورت تعلیم کا پہلی دفعہ علم ہوا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ اپنے تعلقات اور اخلاق اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے استعمال نہیں کر رہے جس طرح کرنے چاہئیں۔ لاکھوں کی تعداد میں پمفلٹ تقسیم کرنے کا کیا فائدہ ہے جب اس سے اسلام کی تعلیم کا تعارف ہی لوگوں میں نہ ہو۔

پس پہلے یہ جائزہ لیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معیاروں کو کس حد تک ہم نے حاصل کر لیا ہے۔ اگر حاصل کر لیا ہے جو میرے نزدیک ابھی حاصل نہیں ہوا اور خود اپنے جائزے سے ہر ایک کو پتہ لگ جائے گا، میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اگلی صدی کا نیا ٹارگٹ کیا ہے! اگلی صدی کا ٹارگٹ یہی مختصر لائحہ عمل ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں میں نے بیان کیا ہے۔ ہم یہ دعویٰ لے کر اٹھے ہیں کہ ہم نے دنیا کے دل جیتنے ہیں۔ اس دنیا کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل کرنا ہے۔ دنیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈالنا ہے۔ پس اس حوالے سے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے جائزے لینے چاہئیں اور ایک نئے عزم کے ساتھ جرمنی کی جماعت احمدیہ کو نئی صدی میں داخل ہونا چاہیے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے اور اپنی اولادوں اور نسلوں کو بھی یہ نصیحت کرتے رہیں گے اور ان کی اس طرح تربیت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کی یہ جاگ ایک نسل سے دوسری نسل میں لگتی چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 22/ ستمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 179 صفحہ 20 تا 07)

36

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 08/ ستمبر 2023ء بمطابق 08/ تبوک 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد بیت السبوح، فرینکفرٹ، جرمنی

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل اور احسان ہے کہ جماعت احمدیہ جرمنی کا جلسہ گذشتہ ہفتہ کامیابی سے منعقد ہوا۔ پس سب سے پہلے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایک وقفہ کے بعد وسیع پیمانے پر عام حالات کے مطابق جلسہ منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس پر سب انتظامیہ کو بھی اور شاملین جلسہ کو بھی اللہ تعالیٰ **کا شکر ادا کرنا چاہیے**۔ کارکنوں کو اس بات پر خاص طور پر **اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے** کہ اس نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کی توفیق دی۔ اسی طرح شاملین کو بھی ان کارکنوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے جلسے کے دنوں میں ان کی خدمت کی کوشش کی۔ اس وسیع انتظام میں اور نئی جگہ میں بہت سی کمیاں رہ گئی ہوں گی بلکہ رہیں اور بعض لحاظ سے بعض مہمانوں کو تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی ہو گی اور بعض باتیں جو مجھے پہنچی ہیں، تکلیفیں ہوئیں بھی، لیکن کیونکہ دینی مقصد کے لیے آئے تھے اس لیے عموماً مہمانوں نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کیا لیکن میرے پتہ کرنے پر مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض انتظامات صحیح نہیں تھے۔ بعض تو مَیں نے خود محسوس کیے۔ جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے انہوں نے تو عموماً بڑی محنت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ معاونین ہیں یا دوسرے کارکن ہیں، جہاں ان کی طرف سے کوئی کمزوریاں ظاہر ہوئیں یا اس شعبے میں کوئی کمزوری ظاہر ہوئی تو وہ عموماً ان کے افسران کی غلط ہدایات کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اس لیے جہاں جہاں مہمانوں کو تکلیف ہوئی ہے وہاں جلسے کی انتظامیہ کے افسران بھی ذمہ دار ہیں اور امیر صاحب کو اس بات کو خاص طور پر نوٹ کرنا چاہیے، دیکھنا چاہیے، کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے۔

ان کو استغفار کرنا چاہیے اور آئندہ کے **لیے اپنی کمیوں کو اپنی سرح کتاب میں لکھ کر اصلاح کی کوشش** کرنی چاہیے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس جگہ پر آئندہ وہ بہتر انتظام کر بھی سکتے ہیں کہ نہیں یا کہیں اَور انتظام کیا جائے۔ عمومی طور پر بعض مشکلات کا بعض دفعہ سامنا کرنا پڑا جو یہ ہیں۔ کسی نے مجھے لکھا کہ ایسکلیٹر (escalator) خراب تھے، اوپر نیچے جانے میں دقت پیدا ہوئی۔ لفٹ کام نہیں کر رہی تھی، اس سے دقت پیدا ہوئی۔ رہائش تو دے دی لیکن غسل خانے کی بہت کمی تھی یا پانی کا انتظام صحیح نہیں تھا۔ کارلسروئے میں جب انہوں

نے جگہ لی تھی تو وہاں شروع میں یہ لوگ مجھے لے کر گئے تھے اور میں نے یہ دیکھا تھا اور وہاں انہیں توجہ دلائی تھی کہ غسل خانوں اور پانی کا انتظام بھی صحیح ہونا چاہیے۔ اسی طرح آواز کو میں نے وہاں مختلف جگہوں پہ کھڑے ہو کے چیک کیا تھا اور وہ ہال چھوٹے بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہاں کمی نظر آ رہی تھی جس کو حل کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ حد تک حل کر لیا گیا لیکن یہاں اس بات کو صحیح طرح سے دیکھا نہیں گیا۔ مجھے اس دفعہ اس جگہ کی تفصیل تو انہوں نے نہیں بتائی تھی، بس تعریفی رپورٹس بھجواتے رہے کہ یہ بہت اچھی جگہ ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ افسران کی غلط ہدایات کی وجہ سے سیکیورٹی والے بلاوجہ بعض روکیں ڈالتے رہے۔ عمومی طور پر تو انہوں نے اچھا کام کیا ہے لیکن بعض جگہ انفرادی طور پہ ایسی باتیں ہوئیں اور اسی وجہ سے لجنہ کو شکایت ہے کہ وہاں لجنہ کی طرف کھانا پہنچانے میں بھی دقّت پیدا ہوتی رہی۔

سیکیورٹی والوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا کام صرف روکنا نہیں بلکہ راہنمائی کرنا بھی ہے اور اس شعبہ کی ایک ایسی ٹیم ہونی چاہیے جو مہمانوں کو سہولت سے معیّن جگہ پر پہنچائے اور ان کے لیے سہولیات مہیا کرے۔ اسی طرح ٹرانسلیشن کے بارے میں لجنہ کی طرف سے پہلے دن دقّت کا سامنا کرنے کی رپورٹ ملی اور یہ مجھے لجنہ نے نہیں بتایا بلکہ ہمارے ایم ٹی اے کے ٹرانسلیشن کے شعبے نے بتایا ہے کہ صحیح طرح ٹرانسلیشن نہیں ہوتی رہی۔ بعد میں باہر سے آئی ہوئی بعض مہمانوں نے شکوہ کیا کہ ٹرانسلیشن نہ ہونے کی وجہ سے ہم خطبہ نہیں سن سکے۔ آواز کا مسئلہ مردانہ ہال میں خاص طور پر رہا اور اس کے لیے میں جلسہ کے دوران بھی انتظامیہ کو توجہ دلاتا رہا ہوں۔ افسر جلسہ سالانہ اور افسر جلسہ گاہ اور آواز کے شعبہ کے انچارج جو لوگ ہیں یہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ لوگ یہاں جلسہ سننے آتے ہیں۔ اگر ان کو اس کے سنانے کا صحیح انتظام نہیں تو پھر جلسے کا فائدہ کیا ہے! باقی انتظامی معاملوں میں تو کمیاں برداشت ہو جاتی ہیں لیکن جلسہ سننے کے انتظامات میں کوئی کمی برداشت نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ یہ کوئی میلہ نہیں ہے۔

(ماخوذ از شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 395)

جہاں لوگ جمع ہو جائیں اور نہ میرا مقصد لوگوں کو اس طرح اکٹھا کرنا ہے کہ لوگوں کو اپنی برتری بتاؤں۔ لیکن آواز نہ آنے کی وجہ سے بعض جگہ پیچھے میلے والا حال تھا۔ بعض لوگوں نے اس کی ویڈیو بنالی، میں نے دیکھی ہیں۔ کوئی جلسے کا ماحول نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق کم از کم سات آٹھ ہزار افراد ایسے ہوں گے جنہوں نے جلسہ صحیح نہیں سنا۔ انتظامیہ لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ باتیں کر رہے تھے لیکن میرے نزدیک افسر جلسہ گاہ اور ساؤنڈ سسٹم والے اور تربیت والے اس کے ذمہ دار ہیں اور ان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے۔ مجھے تو یہ حالت دیکھ کر شرم آئی، امید ہے ان کو شرم آئی ہو گی۔ اگر لوگ باتیں کر رہے تھے تو پھر بھی تربیت کی کمی ہے اور مشنری انچارج اور مربیان اس کے ذمہ دار ہیں کہ وہ کیوں سارا سال تربیت نہیں کرتے اور لوگوں میں مجالس کے تقدّس کا خیال پیدا نہیں کرتے۔ لوگوں پر الزام نہ دیں۔

احمدی کو تو اگر توجہ دلائی جائے تو عموماً مثبت ردّ عمل دکھاتا ہے اور یہ لوگ تو جلسہ پر آئے تھے اور یہ ہو نہیں

سکتا کہ اگر توجہ دلائی جاتی تو فوراً اصلاح نہ ہوتی۔ بہر حال اپنے نقص تھے جس کے نتیجہ میں دوسرے نقص پیدا ہوئے۔ میں نے یہی دیکھا ہے کہ جہاں افسر عاجزی سے اور محنت سے کام کرنے والا ہو وہ تمام شعبہ بہتر ہوتا ہے ورنہ اگر عام کارکن اچھا کام کرنا بھی چاہے تو افسران کی وجہ سے صحیح کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے مجھے کارکنوں سے شکوہ نہیں ہے۔ ہر خادم، ہر ناصر اور لجنہ کی ہر ممبر کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی طرف سے بہت محنت کی لیکن افسران کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ اس دفعہ عورتوں میں ڈسپلن مردوں کی نسبت کچھ بہتر مجھے نظر آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردوں کے شعبہ تربیت کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ترقی کرنے والی قومیں اپنی کمزوریوں پر نظر رکھیں تو تبھی کامیاب ہوتی ہیں۔ 'سب اچھا ہے' یہ کہہ کر اپنی ترقی کے راستے بند نہ کریں اور نہ اس میں کوئی شرم کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ شعبہ جات کے افسران کو اپنی اصلاح کی توفیق دے۔ بہر حال ان سب کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہماری پردہ پوشی فرمائی اور یہاں آئے ہوئے غیر از جماعت مہمانوں نے عموماً جلسے کا بڑا اچھا اثر لیا ہے اور اگر جلسہ میں نے کہا کامیاب ہوا تو اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی نے بہت زیادہ کام کیا اور اتنے غیر معمولی تاثرات ان لوگوں نے دیے۔ اسی طرح دنیا میں جہاں ایم ٹی اے کے ذریعے سے جلسہ دکھایا گیا تھا انہوں نے بھی جلسے کی عمومی رنگ میں تعریف کی ہے۔

اس **وقت میں بعض مہمانوں کے تاثرات بھی** آپ کے سامنے رکھوں گا۔ بڑے اچھے خیالات کا عموماً اظہار ہے۔ پس اس بات پر جماعت جرمنی کو اللہ تعالیٰ کا بہت شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے اس جلسے کی وجہ سے اسلام کی حقیقی تعلیم کو لوگوں پر ظاہر کرنے کی توفیق دی۔

بلغاریہ سے آنے والی عیسائی خاتون ڈاکٹر ویرونیکا ستوئی لووا (Veronika Stoilova) جو وکیل اور یونیورسٹی لیکچرر ہیں، پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں، کہتی ہیں کہ ایسا بہترین منظم جلسہ منعقد کیا گیا۔ جو چہرہ بھی میں نے دیکھا کسی پر گھبراہٹ یا غصہ نہیں پایا۔ تمام لوگ بہت مخلص اور ہر طرح ہر وقت مدد کرنے کو تیار نظر آتے۔ ہر شخص اپنی حالت پر شکر گزار تھا۔ بلاشبہ اس تقریب نے مجھے روحانی طور پر بحال کیا۔ تمام تنظیمیں، مرد، عورتیں یہاں تک کہ بچے بھی منظم تھے۔ مجھے ان دنوں جماعت احمدیہ کے متعلق بہت سی دلچسپ چیزیں سیکھنے کو ملیں مثلاً رواداری اور دوسروں کو باوجود اختلافات کے قبول کرنا۔ میں بلاشبہ اس بات سے بہت متاثر ہوں کہ برلن کی مسجد عورتوں نے اپنے زیوروں اور پیسوں سے بنائی۔ عورتوں کا انتظام بھی مجھے بہت اچھا لگا۔ میں بہت سے دوسرے جلسوں میں جاتی ہوں مگر میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ یہ بات میں نے کہیں اَور نہیں دیکھی۔ ایسی مثال بہت کم کوئی قائم کر سکے گا۔ پھر میری تقاریر کے **بارے میں انہوں نے کہا کہ روحانیت، انسانیت اور امن کے خیالات نے مجھے بہت متاثر کیا۔** میرا ماننا ہے کہ ہم سب سے پہلے انسان ہیں، پھر ملک کے شہری اور پھر مذہبی برادری کا حصہ ہیں۔ ہمیں اپنے درمیان مشترکہ چیزوں کو تلاش کرنا چاہیے نہ کہ اختلافات کو جو ہمیں الگ کریں۔

پھر بلغاریہ سے آنے والی ایک عیسائی خاتون نتالیہ صاحبہ پہلی دفعہ جلسے پہ آئیں۔ کہتی ہیں جلسہ میرے

ذہن میں نقش رہے گا۔ میں نے پہلی بار ہزاروں مسلمانوں کو ایک ساتھ عبادت کرتے دیکھا۔ یہ نہایت خوبصورت نظارہ تھا۔ میں عیسائی ہوں اور اس طرح کے جلسے میں پہلی بار شامل ہوئی ہوں۔ تمام لوگ ہم سے بہت ادب اور شائستگی سے پیش آتے جس نے ایک عجیب مسرت کا احساس دیا۔ جلسے کا اختتامی حصہ مجھے بہت اچھا لگا جس میں خلیفۂ وقت کی تقریر بہت سبق آموز تھی۔ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ سب لوگ ہم سے ایسے ادب سے پیش آتے جیسے ہم بہت خاص ہوں۔ ڈیوٹی پر موجود لوگ اس بات کو یقینی بنانے کی پوری کوشش کر رہے تھے کہ کسی مہمان کو کوئی مشکل نہ ہو۔ پھر یہ کہتی ہیں پہلے دن ہمیں ترجمے کے لحاظ سے تھوڑا مسئلہ محسوس ہوا۔ شکایت انہوں نے بڑے ڈھکے چھپے الفاظ میں کی ہے لیکن یہی تھا کہ خطبہ سن ہی نہیں سکی جو کہ بعد میں ٹھیک ہو گیا۔

پھر مقدونیا کے ایک مہمان ہیں۔ ایک عیسائی صحافی لیوبِنکا آیتووسکا (Ljubinka Ajtovska) صاحبہ کہتی ہیں کہ جلسہ سالانہ کی تنظیم بہت اعلیٰ سطح پر تھی۔ یہ میرے لیے ایک خاص اعزاز ہے کہ میں ایک اتنے بڑے اور منظّم پروگرام کا حصہ بن سکی جس میں مختلف مذاہب اور قوموں کے لوگوں نے شرکت کی۔ یہ بات اس نعرے کی تصدیق ہے کہ **صرف محبت ہی دنیا کو ایک بہتر جگہ بنا سکتی ہے۔**

پھر مقدونیا سے ہی ایک مسلمان صحافی سینادر اسیموو (Senad Rasimov) کہتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کے مختلف موضوعات پر خطابات نے مجھے متاثر کیا۔ کہتے ہیں مقدونیا کے ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے مجھے جلسے پر بہت سے احمدی مسلمانوں سے بات کرنے کی توفیق ملی جنہوں نے ہمیشہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے بات کی۔ میں جلسے کی صفائی اور تمام تنظیم سے بہت متاثر ہوں۔ آپ کا ماٹو محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں واقعی طور پر دکھائی دیا اور اسی ماٹو سے امن ہو سکتا ہے۔ صرف ڈیوٹی والے نہیں بلکہ لوگوں کے رویّے نے بھی مہمانوں کو بہت متاثر کیا۔

سلواکیہ سے آنے والی ایک خاتون ٹیچر ہیں مارٹینا صاحبہ کہتی ہیں میں شکر گزار ہوں کہ پہلی مرتبہ جلسے میں شامل ہوئی ہوں۔ **میں نے مہمان نوازی کا ایسا منظر دیکھا ہے جو غالباً پوری دنیا میں نہیں پایا جاتا۔** ہر ایک خوش اخلاقی اور ایک مسکراتے ہوئے چہرے سے ملتا تھا۔ اس پورے جلسے نے میرے دل پر ایک گہرا اثر ڈالا اور خاص طور پر بیعت اور نماز کے دوران میں اپنے جذبات پہ قابو نہیں پا سکی۔ بیعت کی پوری تقریب کے دوران روتی رہی۔ اس لمحے کو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی کہ کس طرح تمام احمدی خلیفہ کے ہاتھ پر ایک جان ہو کر بیعت میں شامل ہوئے۔ اسی طرح میں احمدیوں کے خلیفہ سے ملاقات کو کبھی نہیں بھولوں گی اور ایک دن بعد بھی ملاقات کا میرے دل پر اثر ہے۔ کہتی ہیں کہ میں ضرور ان سے ایک اَور مرتبہ ملنا چاہتی ہوں (یعنی خلیفۂ وقت سے) اور اسلام کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ یہ مسلمان نہیں لیکن ان پہ اثر ہوا۔

سلواکیہ سے آنے والے ایک مہمان اُنڈرسکا (Ondriska) صاحب، بزنس مین ہیں۔ کہتے ہیں جلسہ سالانہ سے قبل مجھے اسلام کے بارے میں کچھ نہیں پتہ تھا۔ میری حالت یہاں تک تھی کہ مجھے لگتا تھا کہ مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خدا مانتے ہیں، نعوذ باللہ۔ جلسہ میں شامل ہو کر مجھے اسلام کی تعلیم، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام کا تعارف حاصل ہوا اور یہ بھی پتہ لگا کہ اسلام دراصل ایک امن پسند

مذہب ہے اور یہاں پر خاص طور پر میڈیا اسلام کے بارے میں غلط تاثر پیش کرتا ہے۔ میرے لیے حیرانگی ہے کہ یہ پورا جلسے کا انتظام احمدی خود کرتے ہیں اور کتنی لگن اور کتنے جوش اور جذبے کے ساتھ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جب میں نے خلیفۂ وقت کو دیکھا تو میرے دل میں امن اور روح پر مثبت اثر پڑا۔ کہتے ہیں میرا پختہ ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی مجھے اس جلسے میں شامل کیا۔

پھر سلواکیہ سے آنے والے ایک مہمان جُودر مارٹن (Judr Martin) صاحب (مختلف ممالک سے کافی بڑے بڑے گروپ آئے تھے) کہتے ہیں میں نے پہلی مرتبہ جلسہ سالانہ میں شرکت کی ہے۔ مجھے احمدیوں کے اخلاق اور مہمان نوازی دیکھ کر بڑی خوشی محسوس ہوئی ہے۔ جلسہ سالانہ پر مجھے بہت باتیں سیکھنے کو ملیں۔ مسلمان اور خاص طور پر احمدی امن پسند اور اپنی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں۔ جماعت نے جو exhibition تیار کی تھی وہ پسند آئی اور مجھے اسلام اور اس کی خوبصورت تعلیم کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ احمدیوں کے خلیفہ کے بارے میں میں نے دیکھا کہ ہر احمدی ان سے بڑا پیار کرتا ہے اور **وہ بھی۔ ایسا بھائی چارہ اور پیار دنیا میں کم نظر آتا** ہے۔ exhibition میں سربیا اور بوسنیا کا جو نقشہ بنایا گیا تھا، اس کے بارے میں میرا خیال ہے غالباً سربین کو شکوہ بھی ہے کہ ہمارا نقشہ صحیح نہیں بنا۔ وہاں نمائش والوں کو وہ دیکھ لینا چاہیے۔

البانیہ کے ایک مہمان پروفیسر ڈاکٹر رجیپ شکورتی (Rexhep Shkurti) صاحب جو فیکلٹی آف نیچرل سائنسز ترانا یونیورسٹی (Tirana University) میں پروفیسر ہیں اپنی اہلیہ کے ساتھ آئے تھے۔ کہتے ہیں جلسہ بہت عظیم الشان تھا۔ یہ مسلمان ہیں۔ کہتے ہیں میں دس سال سے روزہ رکھتا ہوں اور اسلام کے دوسرے احکام کی بھی تعمیل کرتا ہوں اگرچہ سارے نہیں۔ یہاں جلسے میں مَیں نے اسلام دیکھا ہے۔ دوسرے مسلمانوں سے آپ کے پاس واضح فرق خلافت ہے اور اس کی وجہ سے آپ کے پاس اتحاد بھی ہے۔

البانیہ سے ایک مہمان خاتون ایرمیرا (Ermira) صاحبہ تھیں جو نرس ہیں۔ کہتی ہیں اس سے پہلے بھی جلسے پر آئی تھی اس بار اسی روحانی تڑپ کی وجہ سے دوبارہ جلسے پر آئی ہوں۔ (غیر بھی ہوں تو ایک دفعہ آ گئے تو پھر عادت پڑ جاتی ہے) کہتی ہیں اس بار پہلی دفعہ میں نے نماز پڑھی ہے۔ ان کی کوئی سہیلی تھی وہ نماز پڑھتی تھی کہتی ہیں اس کو دیکھ دیکھ کر میں پڑھتی جاتی تھی۔ کہتی ہیں پہلی بار میری روح کا ہر ذرہ گویا حرکت میں آیا۔ سجدے میں رو رو کر دعائیں کر رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ میری ساری نفرتیں پگھلتی جا رہی تھیں۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے ایمان پر مضبوطی عطا کرے اور پھر میرے سے ملاقات کی اس کا بھی کہتی ہیں میں بڑی یاد رکھوں گی۔ پس جلسے کے ماحول کا اثر غیر بھی لیتے ہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ احمدی نہ لیں؟ پس جہاں عہدیداروں کو احمدیوں سے شکوہ ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ اصلاح کے صحیح طریقے اختیار کریں۔ پہلے اپنی اصلاح، اپنا نمونہ۔ پھر لوگوں کو سمجھائیں۔

البانیہ سے آنے والی ایک مہمان خاتون دریتے شکرتی (Drite Shkurti) صاحبہ ہائی سکول کی ٹیچر ہیں۔ کہتی ہیں جلسے کے انتظامات نہایت اعلیٰ تھے۔ میں سکول میں ٹیچر ہوں اور جانتی ہوں کہ آجکل کے بچے کتنے aggressive ہوتے ہیں لیکن یہاں پر بچے بھی اتنے سلجھے ہوئے تھے کہ اپنی ڈیوٹیوں میں مگن تھے۔ (اطفال نے،

بچوں نے بھی نیک نمونے دکھا کے تبلیغ کے راستے کھولے) کہتی ہیں میرے لیے بہت حیران کن تھا۔ تجسس مجھے جلسے کے دوران عام کھانے کے ہال کی طرف لے گیا جو بازار سے پہلے تھا۔ وہاں پر بھی میں نے دیکھا کہ ہزاروں مرد کھانا کھا رہے تھے لیکن کوئی جھگڑا، چھینا جھپٹی وغیرہ بالکل نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے سب شہد کی مکھیاں ہیں جو صرف کام کرنا جانتی ہیں۔ لوگ ہر کام کے لیے تیار تھے اور اخلاق اتنے اعلیٰ کہ تھوڑا سا بھی دھکا لگتا تو فوراً سوری (sorry) کہتے۔

البانیہ سے آنے والے ایک مہمان جعفر کوچی (Xhaferr Kuci) صاحب نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا ہے اور چار سال کی تحقیق کے بعد انہوں نے بیعت بھی کر لی ہے۔ کہتے ہیں کہ جلسہ ان کے لیے بے حد inspiring تھا۔ بہت positive energy دے گیا ہے۔ جلسہ گاہ میں خلیفۂ وقت کے ساتھ نمازوں میں مجھے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا اور اس طرح بیعت کی تقریب بھی نہایت جذباتی تھی **اور مجھے ہمیشہ خلیفۂ وقت کے ساتھ بیٹھ کے تحفظ کا احساس** ہوا اور مجھے یہی احساس ہوا کہ خلیفۂ وقت ہی ہے جو میرا عزیز اور مطاع ہے۔ کہتے ہیں اس کے علاوہ ایک بات جو مجھے اچھی نہیں لگی، وہ لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کو بھی لوگوں کو نوٹ کر لینا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ جلسے میں کئی بار بعض لوگ تقریر کے اختتام سے قبل ہی اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ پس ہمیں اس بات کی بھی فکر کرنی چاہیے کہ نومبائعین پر منفی اثر نہ چھوڑیں۔

بوسنیا سے آنے والے تاریخ کے ایک پروفیسر حارث صاحب کہتے ہیں۔ جلسہ پر آنے سے قبل مجھے معلوم ہوا کہ وہاں ہزاروں لوگ ہوں گے اور خلیفہ بھی ہم سے خطاب کریں گے۔ میں قدرے خوفزدہ تھا اور کسی قدر تحفظات بھی رکھتا تھا۔ ہر چیز کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا۔ کیونکہ احمدیوں کے بارے میں اس قدر وسیع جلسہ اور ان کے مذہبی رسومات کے بارے میں مجھے تفصیل سے علم نہیں تھا اور میں بنیادی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ پھر کہتے ہیں یہ تو میری سوچ تھی اور جب پہنچا تو کیا ہوا کہ اس سے پہلے مجھے اتنے اچھے لوگوں میں وقت گزارنے کا موقع ہی کبھی نہیں ملا۔ جلسے میں ہر چیز کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ سوچ کیا تھی، عمل کیا دیکھا۔ اچھی منصوبہ بندی۔ ہر کوئی اپنے کام پر لگا ہوا تھا۔ عظیم تنظیم اور خوبصورتی سے منظم۔ کہتے ہیں **خلیفہ کی پہلی تقریر کے بعد میرا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ میں** لوگوں کا پیچھا کرتا تھا کہ وہ کیسے بولتے اور کیا کہتے تھے۔ ان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق تھا۔ (تجسس تھا، لوگوں کے پیچھے چلتے رہے) کہتے ہیں میں یہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہا۔ میں نے اپنے مسلمان بھائیوں میں خود کو محفوظ پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ کسی نے مجھے برا نہیں کہا، نہ ہی مجھے حسد یا اجنبیت کی آنکھ سے دیکھا یا کسی بات پر مجھے تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان تمام باتوں میں جو بات میرے لیے قابل رشک اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے جس کا تجربہ مجھے اپنی زندگی میں اس سے قبل نہیں تھا وہ خلیفۂ وقت کی ملاقات تھی لیکن مجھے سکون محسوس ہوا جیسے میری پیٹھ سے کوئی پتھر گر گیا ہو۔ میں پریشان تھا مگر اب بے فکر ہو گیا ہوں۔ میں مطمئن لوٹ رہا ہوں اور بلاشبہ علم سے مالا مال نئے اور اچھے لوگوں سے مالا مال ہوں جن سے ملا ہوں۔

بوسنیا سے آنے والی ایک خاتون اندرا حیدر (Indira Haidar) صاحبہ جو ریڈ کراس کی سیکرٹری ہیں

کہتی ہیں۔ میرے سے ملاقات کا ذکر کر رہی ہیں کہ ان سے ملاقات فرینکفرٹ میں ہوئی اور بڑی پر مسرت رہی اور اس لیے کہ آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے خلیفۂ وقت کو براہِ راست سننے کا موقع ملا۔ کہتی ہیں جماعت احمدیہ اور ہیومینٹی فرسٹ مختلف دشواریوں کے باوجود ہمارے ملک میں جس اخلاص سے خدمت خلق کے کام کو کر رہی ہے یہاں آکر مجھے یقین ہو گیا کہ ان کے رضاکاروں میں بنی نوع انسان کی اس قدر بے لوث خدمت کے جذبہ کی وجہ صرف خلافت ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔

اور پھر کہتی ہیں دنیا کے مختلف حصوں سے مختلف انسانوں کو **جماعت احمدیہ نے کس قدر وحدت کی لڑی میں پرویا ہوا ہے**۔ میں نے محسوس کیا کہ ان تمام بنی نوع انسان کو امّتِ واحدہ بنانے میں اور دنیا کو بہتر بنانے کی خاطر اپنا کردار ادا کرنے کے سلسلے میں اس تجربے نے مجھے باہمت بننے میں میری سمجھ کو گہرا کر دیا ہے۔ اس موقع نے نہ صرف مجھے مسلمان ہونے پر فخر محسوس کرنے کی تقویت بخشی بلکہ مجھے انسانی ہمدردی کی کوششوں اور بین المذاہب مکالمے کے فروغ میں مزید شامل ہونے کی ترغیب دی۔

بوسنیا سے آنے والی ایک خاتون مہمان امینہ صاحبہ ہیں۔ کہتی ہیں رضاکاروں کی تنظیم بہت اچھی تھی۔ خواتین کے حصے میں ترجمے کے مسئلے کی وجہ سے ہم بعض پروگراموں کی پیروی نہیں کر سکے کیونکہ خواتین کے حصے میں کوئی ترجمہ نہیں تھا۔ (جو میں نے شروع میں بات کی اس کی یہ بھی تصدیق کر رہی ہیں) خلیفۂ وقت کی تقریر کا ترجمہ میرے لیے ہماری خواتین کی گروپ لیڈر نے کیا۔ یہ بات مجھے پسند آئی کہ ہمیشہ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم اور اس کے ترجمے سے ہوتا تھا اور کہتی ہیں مجھے خلیفۂ وقت کی نصیحت کہ مسلمان اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دیں اور اپنے علم کو عملی جامہ پہنائیں۔ یہی واحد راستہ ہے جس سے امّت کے موجودہ حالات بدلے جا سکتے ہیں۔ دوسرے دن پھر ترجمہ میں مسئلہ ہوا تو ہماری خواتین ترجمہ سننے کے لیے مردوں کے حصے میں گئیں اور کہتی ہیں اس وقت (میرا کہا کہ) وہ خواتین کے حصے میں تھے بہرحال کہتی ہیں کہ جو عورتوں کا خطاب تھا وہ بڑا معاون تھا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی عورتوں کی مثالیں تھیں جو مجھے بڑی پسند آئیں۔ پھر کہتی ہیں اتوار کے پروگرام میں بھی بنیادی اسلامی اصولوں اور دوسروں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں بات کی۔ ہمیں ہر چیز میں بہتر ہونا چاہیے اس چیز نے مجھ پر بڑا اثر کیا اور اگر ہم انصاف کریں گے تبھی ہم ترقی کریں گے اور معاشرے میں امن قائم ہو گا اس بارے میں بتایا۔ پھر کہتی ہیں **یہ سب باتیں جو میں لے کے جا رہی ہوں میرے لیے مشعل راہ ہیں**۔

جارجیا سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون لیا (Lia) صاحبہ کہتی ہیں میں اس وقت ہالینڈ میں تھیالوجی (Theology) اور ریلیجیس سٹڈیز (Religious Studies) میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔ رہنے والی جارجیا کی ہیں۔ کہتی ہیں پہلی بار جلسہ دیکھنے کو ملا۔ کس طرح چھوٹے اور بڑے خاص جانفشانی سے اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ عالمی بیعت کو دیکھ کر جذبات کو کنٹرول میں نہیں لایا جا رہا تھا۔ یہ جلسے کے آخری دن میں ایک وعدہ سب سے لیا جا رہا تھا کہ ہم اسلام کے مطابق آئندہ اپنی زندگی سنواریں گے۔ اس بیعت سے یہ انہوں نے سبق سیکھا ہے۔ کہتی ہیں میرے ذہن میں ایک اہم بات نقش کر گئی ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ نے قلمی جہاد کا تصور ہمارے سامنے

رکھا جس کی میں سو فیصد تصدیق کرتی ہوں۔ مجھے بہت پسند آیا کہ عورتوں کو بھی اسلام تلقین کرتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم کو پھیلائیں۔ میرا پختہ ایمان ہے کہ مستقبل میں دنیا اسلام کے بارے میں غور و فکر کرے گی اور اس کے ذریعہ لوگ اپنے خدا کو پہچاننے والے بنیں گے۔

جارجیا سے ایک سنی سکالر مسٹر ویسل (Veisel) آئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں میں جارجیا میں رہتا ہوں۔ پندرہ سال کی عمر میں مَیں نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ سال میں نے مدینہ منورہ میں گزارے، اسلام کا علم اور عربی زبان میں نے مدینہ میں سیکھی۔ میری پڑھائی کے دوران مجھے آپ کی جماعت کے بارے میں منفی باتیں سننے کو ملی تھیں کہ احمدی ہمیں کافر کہتے ہیں اور احمدیوں کا عقیدہ ہی مختلف ہے۔ کہتے ہیں جارجیا میں مَیں آپ کی جماعت کے مشنری سے ملا ہوں اور جماعت احمدیہ کا تعارف بھی ملا ہے۔ آپ نے مختلف دیہات میں قربانی کا گوشت تقسیم کیا۔ ہم سے رابطہ کیا، مدد کی۔ پھر ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے جلسے پر آنے سے پہلے جامعۃ الازھر سے جماعت کے بارے میں فتوے دیکھے کہ احمدیوں کے پاس جارہا ہوں، جامعہ ازہر کیا کہتی ہے۔ کہتے ہیں مَیں نے تمام امّتِ اسلامیہ کے جماعت کے بارے میں خیالات کو پڑھا۔ تمام فتاوٰی دیکھ کر مَیں نے یہی **فیصلہ کیا کہ مَیں جماعت احمدیہ کو نزدیک سے دیکھنا چاہتا ہوں۔** لوگ تو کافر کہتے ہیں، میں دیکھوں یہ ہیں کیا۔ پھر جلسے میں آکر جماعت کو قریب سے دیکھ کر کہنے لگے کہ جماعت احمدیہ یقیناً اسلام کا حصہ ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ مَیں نے خلیفہ کے خطابات کو غور سے سنا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ لوگوں کو کافر کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ بھی دوسرے فرقوں کی طرح اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ کہتے ہیں میں خلیفہ کی بہت قدر کرتا ہوں۔ میرے ذہن میں کئی سوالات تھے جو جلسے کے تین دنوں میں مختلف نشستوں میں حل ہوئے۔ آپ کی جماعت اور آپ کے بانی کے بارے میں تفصیل سے بات کرنے کا موقع ملا۔ واپس جارجیا جاکر آپ کی جماعت کی مختلف کتب کا مطالعہ شروع کروں گا۔ مجھے آپ سے مل کے خوشی ہوئی۔

پھر کوسوو سے آنے والے مہمان جو میونسپلٹی آف دیکان کے آفیشل ڈائریکٹر آف ایجوکیشن ہیں۔ کہتے ہیں جلسہ کے دنوں میں مَیں نے لیکچر سنے، باتیں سیکھیں میری یادداشت میں ہمیشہ نقش رہیں گی۔ میں کوسوو میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو اس جلسے کے حوالے سے بتانے کے لیے بے چین ہوں۔ خاص طور پر **میں خلیفۂ وقت کی بیان کردہ تعلیمات پر عمل کروں گا۔** مزید برآں میں نے اور میرے ساتھیوں نے جو غیر معمولی اور محبت سے بھری ہوئی مہمان نوازی کا تجربہ کیا وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ رہے گا۔ اللہ آپ سب کو ڈھیروں خوشیاں دے۔

پھر کوسوو سے آنے والے ایک مہمان ہیں اَوْنی جشاری(Avni Jashari)صاحب لیپجان (Lipjan)میونسپلٹی کے میئر کی کابینہ کے سربراہ ہیں۔ کہتے ہیں میرے لیے غیر معمولی اور واقعی متاثر کن تجربہ تھا۔ میں نے خلیفۂ وقت کے خطابات اور دیگر تقاریر کو سنا اور دلچسپ اور متاثر کن معلومات کا خزانہ حاصل کیا جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔ کہتے ہیں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اس تجربے نے مجھ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ کہتے ہیں میرے لیے جلسہ سالانہ علم کی دنیا میں ایک ایسا باغ ہے جو تعاون اور بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے اور اس کے ساتھ

ہی یہ ایک ایسا موقع تھا جہاں آپ کی کمیونٹی کے مثالی کام اور مسلسل کوششوں کو دکھایا گیا کہ کس طرح جماعت احمدیہ معاشرے کو فائدہ پہنچانے کی خاطر منصوبے بنا رہی ہے اور اقدامات کر رہی ہے۔

الیزان (Elez Han) کوسووکے میئر مسٹر مہمت کہتے ہیں۔ اس غیر معمولی جلسے نے مجھ پر ایک گہرا نقش چھوڑا اور میں اتحاد امن اور بھائی چارے کے اس جذبے سے بہت متاثر ہوا ہوں جو اس اجتماع کے ہر پہلو پہ چھایا ہوا تھا۔ تقریب کے دوران تقاریر بہت عمدہ تھیں۔ خاص طور پر **خلیفۂ وقت کی تقریر میرے لیے حیرت انگیز اور ایمان افروز تھی**۔ میں اب اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھ چکا ہوں۔ مجھے انتظامیہ کی مہمان نوازی کی تعریف بھی کرنی چاہیے اور سب نے بڑی اچھی مہمان نوازی کی۔

تاجکستان سے آنے والے ایک دوست آرزو کریم صاحب ہیں۔ یہ دوست عربی اور تاجک زبان پر مہارت رکھتے ہیں اور جامعہ ازہر سے تعلیم یافتہ ہیں۔ بہت سی عربی کتب کا تاجک زبان میں ترجمہ بھی کر چکے ہیں اور کئی تاجک کتب کے مصنف بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مَیں نے جلسے کو بہت غور سے سنا اور لوگوں کو دیکھا اور جماعت احمدیہ کے ان اوصاف کا ذکر کروں گا جو کہ اب دیگر دینی جماعتوں میں ختم ہو رہے ہیں اور وہ احمدیوں کے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ (پس ہر احمدی کو بہت اعلیٰ اخلاق دکھانے چاہئیں) میں نے بہت سے اسلامی فرقوں میں تحقیق کی ہے۔ اگر باقی سب فرقے اس وقت اسلام پر ایک فیصد عمل پیرا ہیں تو یہ جماعت اسلام کی تعلیمات پر ننانوے فیصد عمل پیرا ہے۔ ایک بک سٹال پر مختلف زبانوں میں لٹریچر آپ کی تبلیغی کاوشوں کا ثبوت ہے۔ کہتے ہیں میں رابطہ رکھوں گا اور جماعت کے بارے میں مزید جاننا چاہوں گا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا سوائے خدا کے۔ اور خلیفۂ وقت سے ملاقات بھی مجھے بہت اچھی لگی۔ میں خلیفۂ وقت کی اس بات سے اتفاق کروں گا کہ اصل کمزوری ہم لوگوں میں ہے اور ہم ہر وقت حکومت اور ریجیم (regime) کو کوستے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں مَیں امید کروں گا کہ میری دوبارہ ملاقات ہو اور مَیں فائدہ اٹھاؤں۔

تاجکستان کے وفد میں شامل ایک غیر از جماعت تاجک دوست نے کہا کہ خلیفۂ وقت سے ملاقات میں تاجکستان کے سیاسی مسائل اور دینی پابندیوں پر بہت سیر حاصل بات ہوئی۔ مجھے اچھا لگا کہ انہیں ساری انسانیت کی بہت فکر ہے۔ کہتے ہیں آنے سے قبل مجھے جماعت احمدیہ کے بارے میں منفی خبریں دی گئی تھیں لیکن مجھے آپ کی جماعت سے بھائی چارہ اور انسانیت کا درس سیکھنے کا موقع ملا ہے۔

تاجکستان کے ایک مبلغ لکھتے ہیں کہ تاجکستان کے وفد میں بہت معترض طبیعت کے ایک دوست شامل تھے۔ جلسے کے پہلے دو دن اعتراض ہی کرتے رہے۔ ایک اعتراض کرتے اور جواب سنے بغیر دوسرا اعتراض کر دیتے۔ ان کو اپنے دوستوں نے کہا کہ ہمیں مشاہدہ تو کرنا چاہیے، دیکھیں، یونہی اعتراض نہ کیے جاؤ۔ بہرحال پھر جلسے کے دوسرے دن وفود کی میرے سے ملاقات تھی۔ ان کی بھی ملاقات ہوئی تو مَیں نے ان سے ہی بات شروع کی اور ان کا تعارف لیا۔ ماسک پہنا ہوا تھا میں نے کہا اتاریں، ذرا چہرہ دکھائیں۔ کافی تفصیلی ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ بہرحال مربی صاحب کہتے ہیں ملاقات کے بعد انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ میری ملاقات خلیفۂ وقت سے

ہو گئی اور پھر مجھے دعائیں بھی دیتے رہے اور کہتے ہیں لیکن عجیب بات ہے اس کے بعد دو دن انہوں نے کوئی بھی اعتراض نہیں کیا **اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا دل ایسا صاف ہوا کہ اعتراض ختم ہو گئے۔**

جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والے بعض عرب احباب کے تاثرات ہیں۔ ایک مہمان محمد علی صاحب ہیں، سیریا سے ان کا تعلق ہے۔ کہتے ہیں میرے ایک دوست کے ذریعہ سے مجھے احمدیت کا تعارف ہوا تھا۔ میرا دوست مجھے جلسے پر لے کے آیا میرا ارادہ تھا کہ دن گزار کر شام کو واپس گھر چلا جاؤں گا، گھر قریب ہی ہے کیونکہ یہاں جگہ آرام دہ نہیں تھی۔ جب میں نے ماحول اور تنظیم کو دیکھا کہ ہر شخص مسکراتا ہے اور بڑا اچھا ماحول ہے گویا ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ کہتے ہیں ایسا ماحول میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور میں نے سوچا کہ میں یہاں جلسہ پہ زمین پہ ہی سو جاؤں گا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا نیچے میٹرسیں بچھی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں جلسے کے دوسرے ہی دن احمدیت کی صداقت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی۔ کہتے ہیں میں احمدیوں کے نظام کی پابندی، نظم وضبط کا خیال رکھنا اور عدم انتشار سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ہر کوئی اپنے فرائض کو جانتا ہے چاہے منتظم ہو یا مہمان۔

عبد الرحمٰن اسماعیل صاحب لکھتے ہیں: جلسہ سالانہ میں پہلی بار شریک ہوا ہوں۔ دنیا بھر میں کوئی ایسا گروہ نہیں جو ایسا کام کرتا ہو۔ حاضرین پوری دنیا سے شامل ہوئے لیکن کسی قسم کی لڑائی جھگڑا نہیں دیکھا۔ **آپس میں پیار محبت اور بھائی چارے کی اعلیٰ مثالیں دیکھیں۔** کہتے ہیں جو توقع کی جا رہی تھی اس سے بڑھ کر تعداد شامل ہوئی اور مجھے بہت استفادہ کرنے کی توفیق ملی۔

عبد اللہ عزت عقیلی صاحب مصر سے ہیں، آجکل فرانس میں فزکس میں ماسٹرز کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں فزکس میں ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لیے ہر چیز میں شک کرنا میری طبیعت کا حصہ بن گیا ہے۔ میں نے بیعت تو بہت عرصہ پہلے کی تھی اور جماعت اور خلافت کے ساتھ تعلق بھی تھا لیکن آہستہ آہستہ دیگر امور کے علاوہ جماعت کے بارے میں بھی شکوک پیدا ہو گئے اور میں جماعت سے دور ہونے لگا۔ کہتے ہیں اس سال جلسہ سالانہ جرمنی میں شامل ہونے کے لیے حاضر ہوا تو رجسٹریشن میں کچھ تاخیر ہو گئی (اور رجسٹریشن کی شکایت یہی تھی کہ رجسٹریشن وقت پہ نہیں ہو رہی تھی اور لوگوں کو بڑی دقّت کا سامنا تھا لیکن بہر حال ان کو اس تاخیر نے، لیٹ ہونے نے فائدہ دے دیا) وہ کہتے ہیں جب میں پہنچا ہوں تو خطبہ شروع ہو چکا تھا اور جب میں جلسہ گاہ میں داخل ہوا تو خطبے کے جو الفاظ میرے کانوں میں پڑے وہ یہ تھے کہ اگر انسان ہر بات پہ بدظنی کرنے لگے تو شاید ایک دم بھی دنیا میں نہ گزار سکے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقتباس میں پڑھ رہا تھا۔ وہ پانی بھی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شئے ہو۔ پھر کس طرح وہ زندہ رہ سکتا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 3 صفحہ 73)

کہتے ہیں یہ الفاظ سنتے ہی میں اندر سے ہل کے رہ گیا۔ ایسے لگا کہ جیسے میرا اس وقت جلسہ گاہ میں آنا خدائی تقدیر تھی کیونکہ پہلا جملہ ہی میرے مرض کا علاج تھا اور جیسے یہ مجھے مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں یہ کوئی

اتفاقی بات نہیں ہو سکتی۔ اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے شکوک اور بدظنیاں ختم ہو گئیں۔ الحمدللہ کہ خدا تعالیٰ نے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی بدولت مجھے شکوک اور بدظنیوں سے نجات دی۔ یہ واقعہ انہوں نے مجھے خود بھی سنایا ہے۔

کیمرون سے امام صاحب آئے ہوئے تھے، وہاں کے بڑے امام ہیں، کیمرون کے دوالا (Dovala) شہر کے چیف امام ہیں اور دو ریجنز کی علماء کونسل کے چیئرمین بھی ہیں۔ غیر از جماعت ہیں۔ کہتے ہیں میں پہلی دفعہ اتنے بڑے پروگرام میں شامل ہوا ہوں۔ میرے لیے بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ جلسہ سالانہ میں مختلف رنگوں کے لوگ سب خوشی سے ملے اور آپس میں سب ایک فیملی کے افراد کی طرح پیار و محبت سے ملے اور تین دنوں میں مجھے کسی قسم کا کوئی جھگڑا نظر نہیں آیا۔ پھر کہتے ہیں نمائشوں میں جا کر بہت علم میں اضافہ ہوا اور میں جماعت کی خدمات سے بہت متاثر **ہوا ہوں۔ پھر کہتے ہیں امام جماعت کے خطابات بہت پُر حکمت تھے۔** اسلامی تعلیمات کی بہترین عکاسی کرتے تھے۔ عورتوں سے خطاب نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اگر ہم سب ان زریں ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کر دیں تو یہ زندگی جنت بن جائے۔ پھر کہتے ہیں جلسہ کے دوران امام جماعت کا غیر از جماعت مہمانوں سے خطاب اسلامی تعلیمات سے پُر تھا۔ امام جماعت نے ایسی تعلیم پیش کی کہ ہر مسلمان کو اپنے دین پر فخر کرنا چاہیے۔ ہم سب کو عملی طور پر اس تعلیم کو پوری دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے خلیفہ کو بہترین اسلامی تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کھڑا کیا ہے۔ اور کہتے ہیں باقی علماء کی جو تقاریر تھیں ان سے بھی میرے علم میں بہت اضافہ ہوا۔

پھر چیک ریپبلک سے اس دفعہ پہلی بار ایک ریٹائرڈ پروفیسر ڈینیئل صاحب شامل ہوئے۔ کہتے ہیں میرا جلسہ سالانہ کا پہلا تجربہ ہے بہت ساری چیزوں نے مجھے متاثر کیا۔ ایک یہ کہ نماز کے وقت میں نے دیکھا کہ خلیفۂ وقت کے ساتھ احباب جماعت جس انداز میں نماز پڑھ رہے تھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خلیفۂ وقت کے سانس کے ساتھ وہ سانس لے رہے ہیں۔ گویا وہ ایک وجود بن گئے ہیں۔ میں نے دنیا میں بہت سی قوموں، مذہبوں اور لوگوں کو دیکھا ہے۔ اس طرح کی یکجہتی اور اکائی آج پہلی دفعہ دیکھنے کو ملی جس کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ پھر مزید کہتے ہیں کہ دنیا میں بڑی سے بڑی نمائشوں میں بھی جانے کا موقع ملا۔ ان میں جہاں بھی سیکیورٹی دیکھی وہاں سیکیورٹی اہلکاروں کا رویہ تلخ ہی پایا مگر اس جلسہ سالانہ پر سیکیورٹی سے لے کر ہر کارکن کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی، نرمی دیکھی جس کا یقیناً پورے **جلسہ کے ماحول پر مثبت اثر پڑا۔ ایک پُرامن فضا قائم تھی۔** اتنے بڑے مجمع میں بغیر کسی رکاوٹ کے چلنا یقیناً حیران کن ہے۔

بعض احمدیوں کو شکوہ ہے سیکیورٹی سے لیکن شکر ہے کہ غیروں کو سیکیورٹی کا رویّہ اچھا لگا۔ عموماً ایک آدھ ہو گا جو کسی نے دکھایا ہو گا یا بعض دفعہ پابندی کی ہو گی کسی علاقے میں لیکن عمومی طور پر سیکیورٹی والے بھی اچھے ڈیوٹی دینے والے تھے۔ پھر میرے سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے دیکھا بڑا متاثر ہوا اور مَیں بڑا شکر گزار ہوں۔ یہ ملاقات بھی میری زندگی کا ایک زرّیں حصہ ہے اور میں نے باتوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔

پھر ایک اَور شخص چیک ریپبلک سے آئے ہوئے ایک نوجوان مہمان ہیں۔ کہتے ہیں مجھے اس جلسہ سالانہ پر احمدیوں کے ذریعہ سے خداد کھائی دیا ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کرتے ہیں کہ خدا کے متعلق آگاہ کریں مگر اس جلسے پر لوگوں کے خاموش، اچھے اخلاق کو دیکھ کر مجھے آپ کی جماعت میں خدا کا وجود نظر آیا ہے۔ یہ بھی ایک خاموش تبلیغ ہے۔

لتھوینیا یونیورسٹی کی ایک عربی پروفیسر گنتارے سرے کائتے(Gintare Serekaite)جلسے میں شامل ہوئیں۔ انہوں نے رضاکارانہ طور پر اسلامی اصول کی فلاسفی کا لتھوینین زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ کہتی ہیں اسلامی دنیا میں جماعت احمدیہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ جماعت احمدیہ جس طرح غیر از جماعت اور غیر مسلموں کے ساتھ رابطہ رکھتی ہے کوئی اَور جماعت ایسا نہیں کرتی۔ ایک ریسرچر ہونے کی حیثیت سے مجھے اسلامی کلچر اور اسلامی روایات میں کافی دلچسپی ہے لیکن لتھوینیا میں جماعت احمدیہ کے علاوہ کسی بھی اسلامی جماعت کے ساتھ ملنا اور رابطہ رکھنا بہت مشکل ہے۔ جلسہ سالانہ نے مجھے شاندار موقع دیا کہ میں جماعت احمدیہ کو ہر لحاظ سے پرکھ سکوں۔ یقیناً جماعت احمدیہ اپنے ماٹو محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں پر حقیقی رنگ میں عمل پیرا ہے۔ اور یہاں مجھے سینتالیس ہزار لوگوں میں کوئی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔

پھر لتھوینیا سے ایک مصنف اور جرنلسٹ جرونی ماس (Jeronimas) صاحب کہتے ہیں میں دنیا میں موجود بدامنی اور بے انتہا غربت سے بہت پریشان ہوں۔ ہمیشہ سوچتا ہوں کہ ایسے حالات میں ایک عام آدمی کیا کر سکتا ہے؟ لیکن جب یہی سوال میں نے خلیفۃ المسیح سے پوچھا تو مجھے نہایت ہی مطمئن جواب ملا کہ انسان کا مقصد تو وہی ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ لوگوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ اگر لوگ اس طرف توجہ نہیں دیں گے تو دنیا میں ہمیشہ بدامنی رہے گی۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ خلیفۂ وقت کی توجہ پہلے سے ہی اس مسئلے کی طرف ہے اور وہ لوگوں کو اپنے خطابات اور خطبات میں دنیا کے مسائل کے حل بھی بتا رہے ہیں۔

پھر قرغیزستان سے کاچیو (Kachiev) صاحب آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں: جلسے کے دوران میں نے اپنے مذہب اور جماعت کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔ مجھے میرے بہت سے سوالات کے جواب مل گئے۔ میں اپنی زندگی میں پہلی دفعہ جلسے میں شامل ہوا ہوں اور پہلی دفعہ ہی بیرون ملک نکلا ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنے لوگوں کا ہجوم جلسے کے دوران ہوگا میں نے وہاں ہونے والی تمام باتیں سنیں اور مجھے بہت دلچسپ لگیں۔ سب کچھ بہترین تھا۔

قزاخستان سے آنے والے ایک احمدی دوست علی بیگ صاحب کہتے ہیں: جلسہ میں شامل ہونا بہت اچھا لگا۔ جب بیعت کی تو ایک الگ ہی احساس تھا اور جب **خلیفۂ وقت سے ملاقات ہوئی تو میرے سب احساسات، جذبات** اپنے آخری نکتہ پر پہنچ گئے اور میرا جلسے پر آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ جلسہ میں شمولیت کا اثر اتنا زیادہ ہے کہ میرے بیوی اور بچے بھی کہہ رہے تھے کہ تم بدل گئے ہو۔ اگلے سال ان شاء اللہ بیوی اور بچوں کے ساتھ جلسے میں شامل

ہونے کا ارادہ ہے۔

یاسمین صاحبہ ایک ترک خاتون ہیں۔ پیشے کے اعتبار سے ٹیچر ہیں۔ یہاں جرمنی میں ہی رہتی ہیں۔ وہ شامل ہوئیں۔ کہتی ہیں خلیفۂ وقت کا خطاب میرے سوالوں کا جواب تھا۔ جلسے کا ماحول مجھے بہت پسند آیا۔ اتنے بڑے اجتماع کے باوجود اتنے زیادہ امن اور سکون سے ہر کام کا ہونا مجھے تسکین قلب عطا کرتا رہا۔ اتنے زیادہ لوگوں کا صرف رضائے باری کے لیے اکٹھے ہونا اور پھر ان سب کا **محبت کی لڑی میں پروئے ہونا ایک غیر معمولی** حیران کن بات تھی۔ کہتی ہیں مختصر یہ کہ وہاں جو کچھ کہا گیا اور جس سوچ کا اظہار کیا گیا مجھے اسی کی تلاش تھی۔ اس دن میں نے ایک پزل (puzzle) کے ہر حصے کو اپنی اپنی جگہ فٹ بیٹھتے دیکھا۔

سربیا سے آنے والے ایک جرنلسٹ ستانیس لاؤ (Stanislav) صاحب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ باوجود ایک آرتھوڈوکس عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ انٹرنیٹ میں آپ کے خلاف بہت نفرت پھیلی ہوئی ہے میں آپ کی جماعت سے بہت متاثر ہوا۔ آپ کی انتظامیہ اور سسٹم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں بہت ہی افسردہ ہوں کہ ہم احمدیت کی حقیقی تعلیم دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیلا نہیں سکتے۔ ہم نے آپ کے ماٹو محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں کا ہر قدم پر مشاہدہ کیا۔ ہمیں نہ انتظامیہ میں اور نہ چھیالیس ہزار افراد میں کوئی بری بات نظر آئی۔ ہر جگہ امن تھا۔ ہر ایک نے دوسرے کی عزت کی اسی طرح جس طرح آپ کی تعلیم ہے۔ کہتا ہے میرے لیے الفاظ میں یہ بیان کرنا مشکل ہے۔

سربیا سے آنے والی ایک جرنلسٹ خاتون میا (Mia) صاحبہ کہتی ہیں میرے دل میں جلسہ سالانہ کی انتظامیہ، مقررین اور تمام شامل ہونے والوں کے بارے میں بہت مثبت تاثرات ہیں۔ سب سے زیادہ میں خلیفہ کے لجنہ کی طرف خطاب سے متاثر ہوئی۔ اسی طرح میں تمام انتظامیہ کی انتہائی شکر گزار ہوں۔

پھر ایک لوکل پولش احمدی خاتون کہتی ہیں: تین سال پہلے ایک خواب میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک ملاقات میں ہوں اور مجھ سے وہ کچھ سوال کرنا چاہتی ہیں۔ کہتی ہیں لیکن مجھے سوال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس پر کہتی ہیں میں بہت پریشان ہوئی۔ سوال میرا بہت ضروری تھا۔ لیکن کہتی ہیں اس مرتبہ جلسہ سالانہ جرمنی میں شامل ہوئی اور ملاقات کا موقع ملا تو مجھے وہ سوال کرنے کا موقع **مل گیا اور خلیفۂ وقت کی طرف سے ایک نہایت مطمئن کر** دینے والا جواب بھی مجھے مل گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک عجیب سی سکینت حاصل ہوئی۔ میں بہت مشکور ہوں۔

ایک جرمن مہمان گونتا موا (Gunter Moar) صاحب نے کہا۔ میں مذہب اسلام کو critical نظر سے دیکھتا ہوں۔ مگر میں نے پھر بھی خلیفہ کے خطاب کو بہت توجہ سے سنا ہے یہاں تک کہ خلیفہ نے جو حوالے اپنے خطاب میں بیان کیے تھے میں نے ان کو بھی چیک کیا ہے۔ (اتنی گہرائی سے بعض لوگ دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی جو آیتیں مَیں نے quote کی تھیں، کہیں وہ غلط تو نہیں، صرف دکھانے کے لیے تو نہیں۔ جا کے قرآن شریف چیک کیا ہے) کہتے ہیں میں تسلیم کرنے پر مجبور ہوں کہ خلیفہ کا خطاب سن کر مجھے بہت حیرانگی ہوئی کہ خلیفہ نے امن اور بھائی چارے پر اتنا زور دیا ہے۔ بلاشک خلیفہ نے بہت اچھا خطاب کیا۔

مَیں یہ بار بار کہنے پر مجبور ہوں کہ میری حیرانگی کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کیونکہ اسلام کی ایک امن پسند تصویر آپ نے دکھائی ہے جو یہاں عموماً نظر نہیں آتی۔ یقیناً اسلام کے بارے میں میرے نظریہ میں آج بہت بڑا اضافہ ہوا ہے کیونکہ اس سے پہلے میں اسلام کو امن کا مذہب تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اسلام کی امن کی تعلیمات کا مجھے علم نہیں تھا۔

میں نے آج سب سے پہلے خلیفہ کا لجنہ سے خطاب مردانہ ہال کی سکرین پر دیکھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ خلیفہ ہیں مگر اس خطاب کو سن کے بھی بہت متاثر ہوا اور جب مہمانوں کے سٹیج پہ آئے تب مجھے پتہ لگا۔ تب مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میں براہ راست آپ کو سنوں گا۔

ایک جرمن مہمان کیون (Kevin) صاحب کہتے ہیں **میں تو خلیفہ کے خطاب کو سن کر حیران رہ گیا** ہوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ کیا کہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہر ایک کو ان سب باتوں پر عمل کرنا چاہیے جو خلیفہ نے بیان کیں اور خلیفہ نے مسکراہٹ کے بارے میں جو بات بیان کی ہے وہ بہت ضروری ہے۔ اس کی کمی جرمنی میں بہت زیادہ ہے۔ خود اپنی باتیں بتا رہے ہیں کہ ہمیں مسکراتے رہنا چاہیے جو ہم میں نہیں ہے۔ اور ہمارے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کے مقام کے بارے میں آپ کے ارشادات سے مکمل طور پر متفق ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جو بھی خلیفہ نے بیان کیا وہ سب سچ ہے۔

ایک جرمن مہمان عیسائی کرسٹیان (Christian) کیتھولک ٹی وی کے نمائندے ہیں۔ کہتے ہیں: خلیفہ کا خطاب بہت متاثر کن تھا۔ خطاب کا دائرہ سامعین کی وسعت کے مطابق تشکیل دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح خلیفہ نے بنیادی اصول بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ بنیادی اصول بھی خدا نے سکھائے ہیں نہ کہ آج یونائیٹڈ نیشنز یا کسی اَور کے قائم کردہ ہیں۔ اس طرز پر باقی مذہبی راہنماؤں کو اس وضاحت کے ساتھ اپنے خطاب دینے چاہئیں۔ کہتے ہیں خلیفہ کا خطاب ایسا تھا کہ محض سن لینا کافی نہیں بلکہ اس پر بہت غور و فکر کرنا چاہیے کہ آپ کی بیان کردہ باتوں سے مراد کیا ہے۔ میں نے اسلام کی حقیقی تعلیم کے بارے میں بہت تحقیق کی ہے اور اسلام کے بارے میں میرا تصور بہت اچھا ہے۔ خلیفہ نے اسلام میں عورتوں کے بارے میں جو تعلیمات بیان کی ہیں وہ بہت دلچسپ ہیں مگر میری خواہش ہے کہ لوگ یہ یاد رکھیں کہ یہ حقوق اور مقام کسی این جی او یا یو این او نے قائم نہیں کیے بلکہ خدا تعالیٰ نے مذہب کے ذریعہ سے قائم کیے ہیں۔

ایک جرمن مہمان یولیان (Julian) صاحب کہتے ہیں میری بات کر رہے ہیں کہ بڑے اوپن تھے اور میں نے ان کی مجلس میں بڑا ہمدرد انہیں محسوس کیا۔ جو باتیں کیں گہرے تجربے کی بنیاد پر بڑی گہری باتیں تھیں اور یہ کہ انسان جس ملک میں رہے اس ملک کی خدمت کرے۔ ہمسایوں کی تعریف کے ساتھ چالیس گھروں تک وسعت دینا یہ میرے لیے بڑی بات تھی کیونکہ یونہی حقیقی طور پر ہر ایک کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ عیسائیت نے بھی ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں تعلیمات دی ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ ہمسائیگی میں کون کون شامل ہیں۔ اسی وجہ سے صرف ساتھ والے کو ہمسایہ شمار کیا جاتا ہے جبکہ اسلام نے اس سے زیادہ بہتر تعلیم پیش کی ہے۔ یہ ایک عیسائی کہہ رہے ہیں۔

ایک جارجین خاتون کہتی ہیں، میں نے آج خلیفہ کے دونوں خطاب سنے۔ بہت متاثر ہوئی۔ ان خطابات نے آج یہ بات مجھے سمجھائی ہے کہ حقیقیintegration کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے مذہب قوم اور انسانیت کی خدمت کرے۔ کہتی ہیں مجھے جلسہ سالانہ کا ماحول پسند آیا کیونکہ یہاں ہر قسم کی قوم و نسل کے اور ہر قسم کے لوگ بڑی محبت اور اتفاق سے اور پُر امن طور پر اکٹھے ہوئے تھے جو کہیں اَور دیکھنے کو نہیں ملتا۔ لجنہ کا جو خطاب تھا اس میں مجھے پہلی دفعہ پتہ لگا کہ اسلام میں عورتوں کا کیا مقام ہے۔ ایسی مسلمان عورتیں بھی گزری ہیں جنہوں نے جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ یہ میرے لیے بڑی حیران کن بات تھی۔

مہمان علی بکر صاحب گرین مسلم پارٹی کے ترجمان کہتے ہیں خلیفہ کا خطاب دلچسپ، متاثر کن تھا۔ آپ نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ معاشرے کے ہر طبقے کے لیے ضروری ہیں اور یہ کہنا کہ امن صرف مسلمان ممالک میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے میرے لیے بہت دلچسپ بات تھی۔

پھر ایک جرمن خاتون مہمان ماغی (Marie) صاحبہ ہیں۔ یہ مسلمان نہیں تھیں اس کے باوجود وہاں احترام کے لیے دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھی تھیں۔ کہتی ہیں میں عیسائی ہوں اور خلیفہ کے خطاب کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ ہمارا آپس میں فرق صرف معمولی ہے۔ ہم مل جل کر پر امن طریقے سے رہ سکتے ہیں اور میں بہت متاثر ہوئی ہوں۔ دوران خطاب میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہوں نے عورتوں کے بارے میں جو تعلیمات بیان کی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام عورتوں کو جو حقوق دیتا ہے وہی ہیں جو خلیفہ کی تقریر میں بیان ہوئے اور جو دوسری کمیونیٹیز بیان کرتی ہیں۔ میں نے خود جلسہ سالانہ پر مشاہدہ کیا ہے کہ ان تعلیمات پر عمل بھی کیا جاتا ہے، صرف تعلیم نہیں۔ کہتی ہیں: ان کی باتیں سیدھا دل کو چھونے والی تھیں اور میں نے یہاں لوگوں کو باتیں سن کے روتے بھی دیکھا ہے۔ جلسے پر سات ممالک کے انتالیس افراد نے بیعت کی بھی توفیق پائی جو ان دنوں متاثر ہوئے۔

اور ایک سربیا سے آنے والے مہمان اُورش (Uros) صاحب ہیں۔ کہتے ہیں: جلسہ سالانہ دنیا بھر کی احمدیہ جماعت کے ممبروں کو جمع کرنے والی عالمی تقریب ہے۔ **سب سے زیادہ بیعت کی تقریب نے میرے پر** روحانی اور جذباتی اثر ڈالا ہے۔ پہلے لمحہ سے ہم سب نے ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ مجھے ایک بھی لفظ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر جو کچھ بھی کہا گیا وہ کسی طرح میرے جسم اور دماغ سے گزرا اور کپکپی طاری ہو گئی جو مجھے روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب تر لے گئی۔ بیعت کی وجہ سے مجھے آنسو آ گئے تھے۔

ایک ترک نوجوان جان مرت (Jan Mert) صاحب ہیمبرگ سے ہیں۔ کہتے ہیں اس جلسے میں شامل ہو کر میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمدیوں کے دلوں میں فتح اسلام کے لیے ایک نہ بجھنے والی آگ جلا دی ہے۔ جان مرت صاحب نے جلسے کے آخری دن تحریری بیعت کرنے کے بعد میرے ہاتھ پر بھی بیعت کی۔ یہ حالات تھے ان کے بعض لوگوں کے جو میں نے بیان کیے۔

جلسہ جرمنی میں میڈیا کوریج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی اچھی ہوئی۔ چار ٹی وی چینل میں اے آر ڈی (ARD)، آر ٹی ایل، Regio ٹی وی، ایس ڈبلیو آر۔ ان ٹی وی چینل کے ذریعہ سے کہتے ہیں کہ

اکتالیس ملین لوگوں تک جماعت کی، جلسے کی خبر پہنچی۔

اخبارات جرمنی کی گیارہ اخبارات نے مختلف خبریں اور آرٹیکل شائع کیے۔ اس کے ذریعہ سے بھی پچاس ملین سے زائد لوگوں تک جماعت کا پیغام اور جلسے کی خبر پہنچی۔

ریڈیو سٹیشن جو ہیں، پانچ ریڈیو سٹیشنز نے خبریں نشر کیں۔ ان کے ذریعہ بھی کہتے ہیں چودہ ملین لوگوں تک پیغام پہنچا۔

آن لائن میڈیا کوریج کے ذریعہ دو ملین لوگوں تک پیغام پہنچا اور ٹوٹل اعداد و شمار جو ہیں اس کے ذریعہ سے ان کا خیال ہے ایک سو آٹھ ملین سے زائد افراد تک جلسہ سالانہ کی کوریج پہنچی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ اس کے آئندہ بھی بہتر نتائج بھی پیدا کرے۔ یہ مختصر کوائف تھے جیسا کہ میں نے کہا مَیں نے لوگوں کے جو تاثرات لیے ہیں، بہت سے تاثرات تھے ان میں سے چند ایک میں نے لیے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ شکر اور احسان ہے کہ وہ ہماری پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اسی طرح مختلف مساجد کے جو افتتاح ہوئے ہیں ان میں بھی لوگوں نے اپنے مثبت تاثرات دیے ہیں۔ بعض نے اظہار کیا کہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ احمدیت کیا ہے، اسلام کی تعلیم کیا ہے، اسلام کس طرح حقوق العباد اور حقوق اللہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ مختلف فنکشنوں میں لوگوں نے اظہار کیا ہے، یہ سب باتیں سن کر آج ہمیں اسلام کی تعلیم کے بارے میں پتہ لگا اور ہماری رائے بدل گئی ہے۔ لوگوں نے شکوہ یہ بھی کیا ہے کہ ہمارے واقف احمدیوں نے بھی کبھی ہمیں اسلام کی خوبصورت تعلیم سے آگاہ نہیں کیا۔ پس اس بارے میں بھی تبلیغ کا مؤثر پروگرام بنانے کی ضرورت ہے۔ ہر احمدی کو بغیر کسی احساس کمتری کے اسلام کا تعارف اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعارف کروانا چاہیے۔

مثلاً جلسے پر ایک ایرانی لڑکا آیا ہوا تھا۔ ہمارے ایک احمدی سے اس کی بات ہوئی۔ اس کو اس کا ایک احمدی دوست لے کے آیا ہوا تھا۔ کہنے لگا کہ میں یہاں آ کے بڑا اپ سیٹ ہوں۔ انہوں نے وجہ پوچھی۔ اس نے کہا مجھے آج یہاں پتہ لگا ہے کہ تم لوگ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو نبی مانتے ہو۔ بہر حال جب اس کو تفصیل سے سمجھایا گیا کہ کس قسم کا نبی ہم مانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آیا ہوا نبی مانتے ہیں، آپؐ کے دین کو پھیلانے والا اور آپؐ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والا سمجھتے ہیں اور وہی عیسیٰ ہیں جس نے آنا تھا۔ کہتا ہے یہ سب تو ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں مہدی عیسیٰ کا جو تمہارا نظریہ ہے ٹھیک ہے، عقل کو لگتا ہے لیکن میرے دوست نے مجھے کیوں نہیں بتایا! کئی سالوں سے میرا دوست تھا۔ تو بہر حال بغیر کسی احساس کمتری کے اپنے دوستوں کو، واقف کاروں کو ہمیں تبلیغ کرنی چاہیے اور اس بارے میں مؤثر تبلیغ کی ضرورت ہے۔ شعبہ تبلیغ کا صرف پمفلٹ تقسیم کر دینا، لیف لیٹس بانٹ دینا یا لیٹر بکسوں میں لیف لیٹس ڈال دینا مقصد پورا نہیں کرتا۔ امن کی باتیں تو ہم نے کر لیں اَب اگلی بات کی ضرورت ہے کہ امن کس طرح قائم ہو گا۔ مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ کو مان کے قائم ہو گا اس لیے اس کو قبول کرو۔ تبلیغ کے لیے ہر موقع سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہاں میں نے دیکھا ہے کہ لوگوں کو ابھی بھی مذہب کی باتیں سننے میں دلچسپی ہے، ایک طبقہ ایسا ہے۔ پس ہمیں ایسے پروگرام بنانے چاہئیں کہ جہاں ایسے لوگوں کو بلایا

جائے، ان سے باتیں کی جائیں۔

بہر حال ہمیں ہر جگہ اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ جہاں جہاں انتظامی کمزوریاں ہیں جلسہ کے **انتظامات میں کسی بھی مستقل شعبہ میں، ان پر خاص طور پر غور کرنا چاہیے**۔ صرف جلسے کے انتظامات نہیں، ہر شعبہ کو دیکھنا چاہیے۔ تبلیغ کا شعبہ اللہ کے فضل سے اچھا کام کرتا ہے لیکن ابھی بہتری کی بہت گنجائش ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہمیں رہنا چاہیے۔ اچھی پلاننگ کر کے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے دعا کرتے ہوئے اپنے کام کریں۔ بعض لوگوں نے بعض شکوے بھی کیے ہیں، آئندہ ان شکووں کو بھی دُور کرنا ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ ان شاء اللہ ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ ہم نے، انتظامیہ نے بھی اور شاملین نے بھی جلسہ کے مقصد کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی ہے۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا ایک مہمان نے ذکر کیا کہ شاملین جلسہ کی کارروائی کے دوران اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ ان کو اچھا نہیں لگا۔ تو اس بات کو بھی خاص طور پہ دیکھنا چاہیے تربیت کے شعبے کو۔ اَور بہتر رنگ میں اس میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور آئندہ سب کو بہتر رنگ میں جلسے کے مقصد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 29/ ستمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 185 صفحہ 20 تا 10)

37

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ 15/ ستمبر 2023ء بمطابق 15/ تبوک 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو انسان بھی اس دنیا میں آیا اس نے ایک وقت گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے لیکن خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کی صرف نیک یادیں ہوتی ہیں، جو نافع الناس ہوتے ہیں، جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی نمونہ ہوتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والے ہوتے ہیں، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنے والے ہوتے ہیں، جو خلافتِ احمدیہ سے حقیقی وفا رکھنے والے ہوتے ہیں، جو حقوق العباد کی ادائیگی کی حتی المقدور کوشش کرنے والے ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہمہ وقت کوشش کرنے والے ہوتے ہیں، جن کے لیے ہر زبان سے صرف تعریفی کلمات ہی نکلتے ہیں اور یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت حدیث 1367)

اس وقت میں ایک ایسے وجود کا ذکر کرنے لگا ہوں جس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزارنے کی کوشش کی۔ یہ ذکر ہے مکرمہ امۃ القدوس صاحبہ کا جو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی بیٹی اور صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم کی اہلیہ تھیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہو تھیں۔ یہ رہتی تو قادیان میں تھیں لیکن کچھ عرصہ سے ربوہ میں اپنی بیٹیوں کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ ربوہ میں گذشتہ دنوں، چھیانوے سال کی عمر میں بقضائے الٰہی ان کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے 1/9 کی موصیہ تھیں۔ ان کی زندگی کے کچھ حالات کا ذکر کروں گا۔

1951ء کے جلسہ سالانہ کے افتتاح پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کا نکاح ان کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ میں بعض حالات کی وجہ سے افتتاحِ جلسہ سے پہلے دو نکاحوں کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک ان کا تھا، ایک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیٹی کا تھا اور کہتے ہیں صرف میں دو نکاح کروں گا کیونکہ اگر میں پہلے اعلان کرتا تو پھر بہت سے نکاحوں کی درخواست آ جاتی ہے لیکن پھر جلسے کا جو یہ ماحول ہے اس میں اگر زیادہ تعداد ہو تو پھر ساری تقریر کا وقت بھی نکل جاتا ہے بہرحال اس جلسے پر آپؓ نے یہ دو نکاح پڑھے اور ان کی طرف سے وکیل

ان کے چچازاد بھائی سید داؤد احمد صاحب مقرر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس نکاح میں یہ بھی فرمایا تھا کہ عموماً میں اپنی لڑکیوں کے نکاح واقفینِ زندگی سے ہی پڑھتا ہوں۔ پیر معین الدین صاحب کے ساتھ امۃ النصیر صاحبہ کا نکاح ہوا تھا۔

(ماخوذ از خطباتِ محمودؓ جلد سوم صفحہ 650-651)

جب ان کی شادی ہوئی تو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیگم صاحبہ کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ رخصتانہ کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔

(ماخوذ از روزنامہ الفضل لاہور 26/ اکتوبر 1952ء صفحہ 3)

اپنے بیٹے کی طرف سے شامل نہیں ہوئے، بارات لے کر نہیں آئے بلکہ لڑکی والوں کی طرف سے شامل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا۔ ایک بیٹی ان کی امۃ العلیم صاحبہ آجکل صدر لجنہ پاکستان ہیں، منصور احمد خان صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید کی بیگم ہیں۔ باقی دو بیٹیاں جو ہیں، ایک کیپٹن ماجد خان صاحب کی اہلیہ ہیں امۃ الکریم صاحبہ، دوسری امۃ الرؤوف صاحبہ ڈاکٹر ابراہیم منیب کی بیوی ہیں۔ مرزا کلیم احمد ان کے بیٹے امریکہ میں رہتے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعے پر مرزا وسیم احمد صاحب کو فرمایا تھا جبکہ آپ شادی کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے اور شادی کو ابھی چند دن ہوئے تھے اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے جانے کے لیے کاغذات تیار کروا رہے تھے تو جیسا کہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، ان دنوں میں ایسی کھچاوٹ پیدا ہو گئی کہ حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں کہا کہ بیوی کے کاغذات تو بنتے رہیں گے تم اس کو چھوڑو اور واپس فوری طور پر قادیان چلے جاؤ کیونکہ وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا کوئی فرد ہونا چاہیے۔ اور فوری طور پر سیٹ بک کرواؤ جہاز کی، اگر جہاز میں سیٹ نہیں بھی ملتی تو تمہارا فوری جانا ضروری ہے چاہے چارٹرڈ جہاز کرا کے جانا پڑے۔ آپؓ نے فرمایا کیونکہ **اگر تم وہاں نہیں ہو گے اور اپنا نمونہ پیش نہ کیا اور قربانی نہ دی تو لوگ پھر کس طرح قربانی دیں گے**۔ جہاں یہ قربانی مرزا وسیم احمد صاحب کی تھی وہاں صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ کی بھی قربانی تھی۔ یہ پتہ نہیں تھا کہ کب کاغذات مکمل ہوں گے۔ حالات کشیدہ ہیں اور کہیں حالات مزید خراب نہ ہوتے جائیں لیکن خلیفۂ وقت کا حکم تھا اس لیے بڑی خوشی سے اپنے خاوند کو رخصت کیا اور دین کو دنیا پر مقدّم رکھا۔ جب حضرت مصلح موعودؓ میاں وسیم احمد صاحب کو روانہ کرنے کے لیے لاہور ایئرپورٹ پر آئے تھے تو ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے بتایا کہ جب تک جہاز نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایئرپورٹ پر کھڑے مسلسل جہاز کو دیکھتے رہے اور دعائیں کرتے رہے پھر جب شادی کے ایک سال کے بعد ان کے کاغذات مکمل ہو گئے تو کہتی ہیں مَیں قادیان جانے لگی تو حضرت مصلح موعودؓ نے خاص طور پر مجھے ہدایت کی تھی کہ اُمّ ناصر کے مکان میں رہنا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کثرت سے قدم پڑے ہیں اور ان کے صحن میں حضورؑ نے درس بھی دیا ہوا ہے۔

(ماخوذ از خطبات مسرور جلد 5 صفحہ 180-181، 184-185)

صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ نے قادیان جا کر جماعت کی خواتین کو، عورتوں کو اکٹھا کرنے میں،

آرگنائز (organise) کرنے میں، درویشوں کے بیوی بچوں سے ہمدردیاں کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اور ان کی وجہ سے وہاں کی عورتوں کو بڑی تسلی ہوتی تھی۔ بے شمار خطوط مجھے اس بارے میں وہاں کے درویشوں کی بیویوں کے یا بیٹیوں کے آئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے لندن پہنچنے کے بعد پہلا خطبہ جمعہ 4/ مئی 84ء میں دیا اور دنیا کے احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ کہہ کر پکارا اور اشاعت اسلام کے لیے ایک وسیع پروگرام کا اعلان کیا۔

(ماخوذ از خطباتِ طاہر جلد 3 صفحہ 232-233 خطبہ 4/ مئی 1984ء)

اور یہ بھی فرمایا کہ ان اغراض کو پورا کرنے کے لیے ایک بڑے کمپلیکس کی ضرورت ہے۔ دو نئے مراکز یورپ کے لیے بنانے کا پروگرام ہے، ایک انگلستان میں اور ایک جرمنی میں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ روپیہ اپنے فضل سے مہیا کرے گا۔

(ماخوذ از خطباتِ طاہر جلد 3 صفحہ 264 تا 266 خطبہ 18/ مئی 1984ء)

اور لوگوں کو تحریک کی کہ اس میں شامل ہوں۔ چنانچہ قادیان کی لجنہ نے ایک مرتبہ پھر والہانہ لبیک کہا اور صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ جو صدر لجنہ بھارت تھیں انہوں نے اپنی رپورٹ میں تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لجنہ اماء اللہ بھارت نے حضورؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور زیور اور نقدی، جس کے پاس جو کچھ تھا پیش کر دیا ہے۔ خود انہوں نے بھی اپنا سارے کا سارا زیور پیش کر دیا۔ لجنہ بھارت کی طرف سے پہلے قادیان کی لجنہ کے وعدہ جات حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں بھجوائے گئے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 10/ اگست 84ء کے خطبہ جمعہ میں قادیان کی لجنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”قادیان کی لجنات کے متعلق مجھے ایک رپورٹ ملی ہے اور اس کا مجھے انتظار تھا کیونکہ جب تحریکِ جدید کی قربانیوں کا آغاز ہوا تھا تو قادیان کی مستورات کو غیر معمولی قربانی کے مظاہرہ کی توفیق ملی تھی۔ اب تو بہت تھوڑی خواتین وہاں رہ گئی ہیں لیکن جتنی بھی ہیں مجھے انتظار تھا کہ ان کے متعلق بھی اطلاع ملے کیونکہ ان کا حق ہے کہ وہ قربانی کے میدان میں آگے رہیں اور قادیان کا نام جس طرح اس زمانے میں خواتین نے اونچا کیا تھا آج پھر اسے اونچا کریں تو الحمدللہ کہ وہاں کی رپورٹ بھی موصول ہوئی ہے۔ صدر لجنہ اماء اللہ بھارت اطلاع دیتی ہیں کہ میں نے قادیان کی لجنہ اور ناصرات کے وعدے نئے مراکز کے لئے حضور کی خدمت میں 16/ جولائی کو لکھے تھے۔“ انہوں نے لکھا کہ ”حضور کے خطبات نے ایک تڑپ یہاں کی عورتوں میں پیدا کر دی اور محض اللہ کے فضل سے جو کچھ ان کے پاس تھا انہوں نے پیش کر دیا ہے لیکن پیاس ہے کہ ابھی نہیں بجھی۔ اتنی شدید تڑپ ابھی ہے کہ اَور ہو تو خدا کے کاموں کے لئے اَور بھی پیش کر دیں۔“

(خطباتِ طاہر جلد 3 صفحہ 434 خطبہ جمعہ 10/ اگست 1984ء)

یہ خط صاحبزادی امۃ القدوس کا خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو تھا۔ 1991ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہندوستان تشریف لے گئے، قادیان تشریف لے گئے تو آپؒ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہندوستان کی لجنات میں سب کے متعلق تو مَیں نہیں کہہ سکتا لیکن قادیان کی لجنہ کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ مالی قربانی میں یہ

بے مثل نمونے دکھانے والی ہے۔ قادیان کی **جماعت ایک بہت غریب جماعت ہے لیکن میں نے ہمیشہ دیکھا ہے** کہ جب بھی کوئی تحریک کی جائے یہاں کی خواتین اور بچیاں ایسے ولولے اور جوش کے ساتھ اس میں حصہ لیتی ہیں کہ بعض دفعہ میرا دل چاہتا ہے کہ ان کو روک دوں کہ بس کرو، تم میں اتنی استطاعت نہیں ہے اور واقعۃً مجھے خوشی کے ساتھ ان کا فکر بھی لاحق ہو جاتا ہے لیکن پھر میں سوچتا ہوں کہ جس کی خاطر انہوں نے قربانیاں کیں وہ جانتا ہے کہ کس طرح ان کو بڑھ چڑھ کر عطا کرنا ہے۔ وہی اللہ اپنے فضل کے ساتھ ان کے مستقبل کو دین اور دنیا کی دولتوں سے بھر دے گا۔

پھر آپؒ نے فرمایا کہ ایک موقع پر جب میں نے مراکز کے لیے تحریک کی تو احمدی بچیوں نے جو چھوٹی چھوٹی کجیاں بنا رکھی تھیں وہ ٹوٹنے لگیں اور چند پیسے، چند ٹکے انہوں نے جو بچائے ہوئے تھے وہ دین کی خاطر پیش کر دیے۔ پھر فرمایا کہ ہمارا رب بھی کتنا محسن ہے، کتنا عظیم الشان ہے۔ بعض دفعہ بغیر محبت اور ولولے کے کروڑوں بھی اس کے قدموں میں ڈالے جائیں تو وہ رد کر دیتا ہے، ٹھوکر بھی نہیں مارتا، ان کی کوئی حیثیت نہیں مگر ایک مخلص اور غریب پیار محبت کے ساتھ اپنی جمع پونجی پیش کرے تو اسے بڑھ کر پیار اور محبت سے قبول کرتا ہے جیسے آپ اپنے محبت کرنے والے اور محبوبوں کے تحفوں کو لیتی اور چومتی ہیں، خدا کے بھی چومنے کے کچھ رنگ ہوا کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان معنوں میں خدا نے ان چند کوڑیوں کو ضرور چوما ہو گا۔

(ماخوذ از حوّا کی بیٹیاں صفحہ 87-88، جلسہ سالانہ قادیان مستورات سے خطاب فرمودہ 27/ دسمبر 1991ء)

یہ آپؒ نے وہاں جلسے پہ لجنہ میں جو خطاب فرمایا تھا اس کا ایک اقتباس ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان کو جب قادیان بھجوایا تو یہ بھی نصیحت فرمائی تھی کہ لجنہ کی جماعتوں کو اکٹھا کرنا ہے۔ آپ وہاں جاتے ہی پہلے جنرل سیکرٹری قادیان بنیں۔ پھر 1955ء میں صدر لجنہ مقامی اور پھر صدر لجنہ بھارت منتخب ہوئیں۔ 59ء میں لجنہ مقامی کی صدارت کے لیے کسی اَور کا انتخاب ہوا اور آپ صدر لجنہ بھارت کے طور پر کام کرتی رہیں۔ اللہ کے فضل سے 1999ء تک اس خدمت پر فائز رہیں۔ اس کے بعد اعزازی ممبر رہیں۔ اپنے عرصۂ خدمت کے دوران ہندوستان کی مجالس کے دورے بھی کیے، ان کی خدمات کا عرصہ چھیالیس سال بنتا ہے۔ لجنہ کے کام کو آرگنائز کرنے کے لیے آغاز میں بہت زیادہ مشکلات پیش آئیں۔ خط لکھتیں تاہم اس کا جواب نہ آتا۔ پھر صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے نام سے ایک ایڈریس دیا گیا اس طرح آہستہ آہستہ آپ نے جماعتوں کو متحد کرنا شروع کیا۔ ہندوستان میں بہت ساری لوکل زبانیں ہیں، ایک دِقّت یہ بھی آئی کہ لوکل زبانوں میں خطوط موصول ہوتے تھے۔ چنانچہ معلمین سے ان کے تراجم کرائے جاتے پھر آہستہ آہستہ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کے ساتھ مل کر بیرونی جماعتوں کے دورے بھی شروع کیے اور اس طرح انہوں نے ان جماعتوں کو جن کو پارٹیشن کے بعد کافی زیادہ مدد کی ضرورت تھی، آرگنائز کرنے کی ضرورت تھی آرگنائز کیا۔

پھر اسی طرح ان کی بیٹی امۃ العلیم لکھتی ہیں کہ خلافتِ رابعہ میں بھارت سے موصول ہونے والے دعائیہ خطوط کے خلاصہ جات کی ایک ٹیم بھی انہوں نے بنائی اور حضورؒ کو خلاصے لکھے جاتے تھے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

نے بڑی خوشنودی کا اظہار کیا۔ قرآن کی بہت زیادہ خدمت کی ہے۔ قادیان کی 250 سے زائد بچیوں کو قرآن پڑھایا، سکھایا۔ سکول کی لڑکیاں قرآن پڑھنے پہلے صبح صبح آتیں پھر دوپہر کو آتیں اور گروپس میں آتیں۔ بھارت میں جن بچیوں نے ایف اے یا ایف ایس سی کیا ہوتا تھا تو پڑھائی سے وقفہ کے دوران وہ تین تین ماہ قادیان میں رہائش اختیار کرتیں۔ ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ ہماری امی انہیں صبح دوپہر اور شام ترجمہ قرآن پڑھاتیں۔

لجنات کو بہت منظم کیا۔ بہت محنت سے انہوں نے کام سکھایا۔ خلافت سے تعلق کی واقعاتی رنگ میں تلقین کرتی تھیں اور جب واقعات بیان کرتی تھیں تو اس سے پھر بچیوں کا، عورتوں کا خلافت سے تعلق بڑھتا تھا۔ غیر معمولی وصف مہمان نوازی تھا۔ ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ ہمارے ابا کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ بہت غریبانہ حالات تھے۔ دوپہر کو صرف مونگ کی دال ہوتی تھی اور ابا نے دودھ دہی کے لیے ایک بھینس رکھی ہوئی تھی۔ کوئی مہمان آتا تو جو کچھ کھانے کے لیے میسر ہوتا، جو پکا ہوتا وہ بلا تکلف پیش کر دیتیں۔ جو مہمان آتا اس کو موسم کے اعتبار سے شربت اور چائے بھی پیش کیا کرتیں۔ بعد میں جب کشائش ہوئی تو اسی لحاظ سے کھانا پیش کرتیں۔ اور لوگ اپنا گھر سمجھ کر آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک اچھی بیوی تھیں، ہر وقت ساتھ دینے والی، مشکل وقت میں ساتھ کھڑی ہونے والی۔ کبھی کسی چیز کی ڈیمانڈ نہیں کی۔ جو بھی ان کے خاوند کی طرف سے، میاں وسیم احمد صاحب کی طرف سے گزارہ ملتا خوشی سے اسی میں گزارہ کرتیں اور اللہ تعالیٰ غیر معمولی برکت بھی اس میں ڈالتا۔ صفائی پسند، سلیقہ شعار تھیں۔ ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ مرزا وسیم احمد صاحب کی جب وفات ہوئی ہے تو انہوں نے خواب دیکھا کہ گویا وہ آخری سفر پر جا رہی ہیں، وہ بھی تیاری کر رہی ہیں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ خواب میں ان کی آئے اور فرمایا ابھی تمہارا ویزہ نہیں لگا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے اس خواب کے بعد انہوں نے لمبی زندگی پائی اور گزاری۔

2007ء میں جب مرزا وسیم احمد صاحب بیمار ہوئے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی تو شفا کے بعد انہوں نے حیدرآباد کی جماعتوں کے دورے کا پروگرام بنایا اور اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے۔ وہیں امۃ القدوس صاحبہ نے ایک خواب دیکھی۔ منذر خواب تھی، ڈر گئیں کہ جس طرح مرزا وسیم احمد صاحب کا وہ آخری وقت ہے تو اس وقت اچھے بھلے تندرست تھے لیکن بہرحال اس کے بعد انہوں نے اصرار کیا کہ واپس قادیان چلیں۔ قادیان آتے ہی وہ دوبارہ بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں ان کی وفات بھی ہو گئی۔

آخری عمر میں نظر چلی گئی تھی اور آلے کے ساتھ شنوائی بھی ہوتی تھی۔ شنوائی بھی ختم ہو گئی تھی لیکن بہت خوشی سے زندگی بسر کی، کبھی ناشکری نہیں کی، جب بھی حال پوچھا گیا تو ہمیشہ ہر دفعہ الحمدللہ کہتی تھیں۔ مراکز کی تحریک پر بھی جو اُن کے پاس زیور تھا وہ انہوں نے فوراً دے دیا جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی بھی تحریک ہوتی تو پہلا چندہ قادیان میں مرزا وسیم احمد صاحب کی طرف سے اور ان کی اہلیہ کی طرف سے ہوتا تھا۔ ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ ہم قرآن کریم پڑھنے میں کوئی غلطی کرتے اور ہماری امی کسی دوسرے کمرے میں ہوتیں تو وہیں سے ہمیں تصحیح کروا دیا کرتی تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے ان کو قرآن یاد ہو جبکہ وہ حافظہ نہیں تھیں لیکن بکثرت تلاوتِ قرآن کی وجہ سے ان کو یاد ہو گیا تھا۔ جب مرزا وسیم احمد صاحب اعتکاف بیٹھتے۔ ان کو کھانا بھجواتیں تو ساتھ

ہی غریب معتکفین کو بھی کھانا بھجواتیں۔ اسی طرح بورڈنگ میں موجود لڑکوں کو اور معلمین کے لیے بھی کھانا بھجواتیں۔ اسی طرح لوگوں کا اتنا خیال تھا کہ چاہے بیمار ہوں، بخار ہو، کچھ بھی ہو کہیں کسی خوشی غمی میں جانا ہوتا تو ضرور جاتیں۔ قادیان میں مختلف طبقات کے لوگ تھے، ان کی بچیوں کو سلائی سکھاتیں، دلہن بنا دیا کرتیں۔ ایک کلچر سب کے ساتھ مل جل کر رہنے کا پیدا کر دیا تھا۔ ربوہ میں 2005ء میں لجنہ نے سرائے مسرور بنایا ہے، اچھی بڑی بلڈنگ ہے تو وہاں بھی بجائے اپنی طرف سے چندہ دینے کے اپنے خاوند کی طرف سے ایک لاکھ روپے کی رقم دی۔

پھر کہتی ہیں کہ پارٹیشن کے بعد رتن باغ لاہور میں اور ربوہ کے کچے گھروں میں حضرت اماں جانؓ کو قرآن کریم سنایا کرتی تھیں اور اسی طرح کہتی ہیں کہ اماں جانؓ کسی نہ کسی سے ملفوظات بھی سنا کرتی تھیں، اس کے سنانے کا بھی موقع ملتا تھا۔

ان کی چھوٹی بیٹی امۃ الرؤوف کہتی ہیں کہ بیت الریاضت میں شاہ جی اور سرخ چھینٹوں والے کمرے میں عطر دین صاحب اور حضرت اماں جانؓ کے بڑے والے کمرے میں حافظ صاحب مقیم تھے، یہ تین شخص تھے۔ بعد میں بھائی عبدالرحیم صاحب بھی یہاں رہتے تھے تو کہتی ہیں جو بھی گھر میں پکتا وہ کھانا ان سب کو بھیجا جاتا تھا اور بیت الدعا کے وقت وہاں آنے کا جو عورتوں کا وقت ہوتا تھا اس کے بعد عورتیں پھر گھر میں آ جاتی تھیں۔ گھر ہر وقت کھلا ہوتا تھا، کوئی پابندی نہیں تھی، کوئی گھنٹی نہیں تھی۔ آرام سے عورتیں اندر داخل ہو جایا کرتی تھیں۔ پھر یہ کہتی ہیں جب مرزا وسیم احمد صاحب کی وفات ہو گئی اور انعام غوری صاحب ناظر اعلیٰ بنے تو امی نے ان کی کامل اطاعت کا اظہار کیا اور ہر کام کے لیے معیّن طریق سے درخواست دیا کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنی وصیت کا چندہ اور حصہ جائیداد اپنی زندگی میں ادا کر دیا اور اسی طرح تحریکِ جدید کے دفتر اوّل میں شامل تھیں۔ پھر اپنی بچیوں کو، بچوں کو نصیحت کی کہ نماز اول وقت میں ادا کیا کرو کیونکہ سب سے پہلا حساب نماز کے بارے میں لیا جائے گا۔ اگر وہ حساب صاف تو سب صاف۔

پھر کہتی ہیں مسلسل کئی بچیاں انہوں نے پالیں۔ نہ صرف ان کی بہت اچھے رنگ میں پرورش کی، ان کی تربیت کی، پہلے انہیں ناظرہ قرآن پڑھایا، پھر ترجمہ پڑھایا، پھر ان کی شادیاں بھی کروائیں۔ بہار رانچی سے ایک شخص اپنی بیٹی کے ساتھ احمدی ہوئے۔ بہت بوڑھے تھے۔ اپنی بیٹی کو ہماری امی کے پاس لائے اور کہا کہ نامعلوم کتنا عرصہ میں زندہ رہوں۔ میرے بعد اس لڑکی کے بھائی اسے مار دیں گے اس لیے آپ پاس رکھیں۔ اس وقت لڑکی کی عمر تقریباً پچیس سال تھی۔ کہتی ہیں میری امی نے اس عمر میں اسے قرآن ناظرہ پڑھایا پھر ترجمہ سے پڑھایا حالانکہ اسے زبان بھی نہیں آتی تھی اور اَن پڑھ تھی۔ بعد میں پھر اس کی شادی بھی کروائی۔

زمانہ درویشی کے دوران معاشی حالات خراب تھے۔ کسی درویش کی بیٹی کی شادی ہوتی تو اسے اپنا زیور دے آتیں اور کہتیں کہ جب تک تمہارا دل کرے اسے پہنو پھر واپس کر دینا۔ پھر اگلے کسی درویش کی شادی ہوتی تو پھر وہ اس کو دے دیا جاتا۔ اس طرح بہت سی بچیوں نے آپ کے زیور سے استفادہ کیا کیونکہ شروع درویشی کے زمانے میں درویشوں کے حالات بھی اتنے اچھے نہیں تھے لیکن جب بعد میں بچے باہر نکلے، پھر پیسے آنے لگے۔ بچے

بڑے ہو گئے، کمانے بھی لگے تو کچھ بچت وچت جو بھی ہوتی تھی اس وقت ان کے پاس وہ اپنے گھروں کو غیر محفوظ سمجھنے کی وجہ سے ان کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیا کرتے تھے اور یہ کہتی ہیں کہ ہماری امی نے الماری میں ساری امانتیں رکھی ہوتی تھیں۔ کسی کے زیور ہیں، کسی کے پیسے ہیں، کچھ ہے اور بے شمار امانتیں کہتی ہیں مَیں نے دیکھی ہیں ان کے پاس اور جو بھی امانت لینے واپس آتا تو مجھے کہتیں کہ الماری میں سے فلاں جگہ سے نکال لاؤ۔ تو جس کو امانت واپس کرتیں پہلے اسے کہتیں کہ میرے سامنے کھول کے دیکھ لو، تمہاری ساری چیزیں پوری ہیں اور جب وہ کہتی کہ ہاں پوری ہیں تو پھر مطمئن ہوتیں۔ تو بہر حال اس زمانے میں غربت تھی۔ لیکن سب درویش اچھے فیملیوں کے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کی بچیاں جب ابتدائی تعلیم حاصل کر کے اگر آگے تعلیم حاصل کر رہی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ یہ ان کو دفتر بلا لیا کرتیں، لجنہ کے کام کروایا کرتیں کہ فارغ نہیں بیٹھنا۔ جب تک شادی نہیں ہوتی لجنہ کے کام کرو۔ پھر دفتر تو باقاعدہ تھا کوئی نہیں تو گھر میں چھوٹا سا دفتر بنایا ہوا تھا اور اسی میں سکول کا بھی کام ہوتا تھا۔ کافی رش ہوتا تھا لیکن خوشی سے سارے کام سرانجام دے رہی ہوتی تھیں پھر جو بھی بچیاں کام کے لیے آتیں ان کی ضیافت وغیرہ کرتیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اگر کھانا نہیں تو چائے وغیرہ پلاتیں۔ اسی طرح ان بچیوں کو سکھاتی بھی تھیں کہ کھانے کی میزیں کس طرح لگانی ہیں اور اس طرح بعض کو کہتی تھیں کہ سیکھ لو آج کیونکہ جب تمہارے اچھے گھروں میں رشتے ہو جائیں گے تو یہ نہ ہو کہ تمہیں کوئی جاہل کہے۔ اتنی فکر ہوتی تھی لڑکیوں کی اور کئی لڑکیاں جب اچھے گھروں میں بیاہی گئیں تو ان کی اس تربیت کی وجہ سے ان کو کوئی دِقّت نہیں ہوئی۔ کئی خواتین نے، لڑکیوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہم نے اس طرح ان سے تربیت حاصل کی ہے اور اس وجہ سے پھر سسرال کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ میں بھی کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔ **اسی طرح بہت ساری بچیوں کا جہیز اپنے ہاتھ سے سیا۔**

عید والے دن درویشوں کی بیوگان کے گھروں میں عیدی دینے کے لیے خود جاتیں۔ مرزا وسیم احمد صاحب بھی ساتھ ہوتے اگر وہ کبھی نہ جاتے تو یہ خود اکیلی چلی جایا کرتی تھیں۔ کسی نے ان کے سامنے ذکر کیا کہ فلاں شخص نے ربوہ میں بڑا عالیشان گھر بنایا ہے تو کہتی ہیں کہ میری امی نے اس پہ کہا مَیں نے اللہ سے ایک بات کی ہے کہ مجھے قادیان میں یہ برکتوں والا گھر ملا ہے یعنی یہاں رہنے کی توفیق ملی اور یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بہو بن کے آئی ہوں میرے لیے یہی بہت ہے۔ ہاں جنت میں مجھے ضرور ایک عالیشان گھر عطا کرنا۔ یہ ہے مومنانہ شان اور دنیا کی چیزوں سے بے نیازی۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ کیونکہ میں بچپن سے ہی ذرا نفاست پسند تھی اس لیے میر صاحب اپنے کمرے کی صفائی کی کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے صرف میں جاتی تھی کیونکہ میں ان کی چیزیں جہاں پڑی ہوتی تھیں نوٹس، کتابیں، کاغذ جو بھی کچھ جہاں پڑا ہوتا تھا وہیں دوبارہ صاف کر کے رکھ دیا کرتی تھی اور اس لیے انہوں نے کہا تھا کہ سوائے امۃ القدوس کے میرے کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔

بعض بچیاں عبد الرحمٰن جٹ صاحب سے بھی قرآن کریم پڑھتی تھیں۔ پھر جو بچی دسویں کا امتحان دیتی تھی اس سے پوچھتی تھیں کہ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا ہے؟ جو بچیاں دسویں کلاس پاس کر

کے نکلتیں کہتی ہیں کہ وہ ہماری امی کے پاس آ جاتیں اور ترجمہ پڑھتیں۔ ایک وقت میں تین کلاسیں چل رہی ہوتی تھیں اور تین سال کے اندر اندر ان کو پورا قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاتیں اور ساتھ ساتھ گرائمر بھی بتاتی جاتی تھیں۔ کئی لوگوں نے، بچیوں نے، عورتوں نے، مجھے لکھا کہ ہمیں فقہ وغیرہ بھی پڑھایا کرتی تھیں۔

یہ ضرور کہا جاتا تھا کہ قرآن مجید مکمل کرنا، تو ایک لگن ہوتی تھی کہ کوئی بھی بچی مجھ سے قرآن کریم ختم کیے بغیر نہ جائے۔ تہجد کی نماز کا بہت اہتمام کرتی تھیں۔ آخری بیماری میں جب زیادہ بیمار ہو گئیں تب بھی یہی خیال تھا کہ تہجد کے لیے مجھے جگانا ہے۔ جب تک روزے کی طاقت تھی روزہ رکھتی رہیں۔ تراویح کے لیے باقاعدہ مسجد میں جایا کرتی تھیں۔ قادیان میں باقی دنوں میں تو گھر میں نمازیں پڑھتی تھیں لیکن رمضان میں خاص طور پر نمازوں کے لیے مسجد جایا کرتی تھیں۔

خلافت سے بے انتہا محبت تھی۔ خلیفہ وقت کو خط لکھتی تھیں ان کی بیٹی کہتی ہیں جواب میں اگر کبھی کوئی خوشنودی کا اظہار ہوتا تو بڑے شوق سے ہم لوگوں کو بتایا کرتی تھیں کہ دیکھو یہ خوشنودی کا اظہار ہوا ہے۔

1991ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا جب دورہ ہوا ہے تو اپنے ہاتھ سے سارے کمرے کو درست کیا گھر کو ٹھیک کیا۔ اسی طرح 2005ء میں جب میں نے دورہ کیا ہے تو اس وقت بھی خود ہمارے کمرے کو ٹھیک کیا، کروایا، پلنگ وغیرہ سیٹ کیے، بستر وغیرہ بچھائے اور ایک اخلاص کے ساتھ، وفا کے ساتھ سب کام کرنے والی تھیں۔ اسی طرح اصرار کر کے باوجود میرے یہ کہنے پر کہ کھانا علیحدہ ہمارا پکتا رہے گا انہوں نے کہا کہ ایک کھانا تو ہماری طرف سے روزانہ آیا کرے۔ اور واقعی ایک ڈش بھیجتی رہیں۔ اور بڑے اہتمام سے پکایا کرتی تھیں۔ کہتی ہیں کہ میرے ابا کی وفات کے بعد امی نماز پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں اور وہی الفاظ کہہ رہی تھیں جو حضرت اماں جانؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت کہے تھے کہ اے خدا! یہ تو ہمیں چھوڑے جا رہے ہیں، تُو نہ ہمیں چھوڑنا اور کہتی ہیں کہ میرا مشاہدہ ہے اور میرا یقین ہے کہ دعا قبول ہوئی کیونکہ اس کے بعد ہمیں ویزے ملے۔ بچیاں ساری کیونکہ بیاہ کے پاکستان میں آ گئی تھیں تو ملٹی پل (multiple) ویزے بھی مل گئے اور آنا جانا بھی رہا اور ان کے اکیلے پن کا ان کو احساس نہیں ہوا۔ بیٹیاں ان کے پاس آتی جاتی تھیں۔

ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ زیادہ تر مہمان دارالمسیح میں ٹھہرتے تھے اور ہماری امی گیارہ بارہ سال کے بچوں کی خود ٹریننگ کرتیں کہ کس طرح کمروں میں گرم پانی پہنچانا ہے۔ مہمان کی ضرورت کا خیال رکھا کرتی تھیں۔ اسی طرح جب سرکاری عہدیداروں کے ساتھ میاں وسیم احمد صاحب کے تعلق تھے تو یہ ان کی بیگمات کو بھی جماعت کا تعارف کرواتیں اور پھر یہ تعلق بعد میں بھی ان کے ساتھ قائم رکھا۔

ستنام سنگھ باجوہ وہاں کے ایک بڑے سیاست دان تھے۔ جب پارٹیشن ہوئی تو وہ پاکستان سے ہندوستان منتقل ہوئے۔ جو آجکل پرتاپ سنگھ باجوہ ہیں ان کے والد تھے۔ یہ ممبر پارلیمنٹ ہیں تو ان کی اہلیہ کا بھی کہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے گھر بڑا آنا جانا تھا اور وہ اپنی امانتیں بھی ہمارے پاس ہماری امی کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے امانت رکھوائی تو وہاں انہوں نے ان سے صاحبزادی امۃ القدوس سے پوچھا کہ آپ نے اس کو کھول کے دیکھ لیا ہے؟ تو

انہوں نے کہا آپ کی امانت تھی میں کس طرح اسے کھول سکتی تھی۔ آپ دیکھ لیں اس کو یہ ٹھیک ہے کہ نہیں۔

غرباء کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ کہتے ہیں کہ اڑیسہ کے کسی گاؤں میں دورے پہ گئیں۔ وہاں کچھ لوگوں کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا تو کہتے ہیں کہ ہم سارے بچے ساتھ گئے ہوئے تھے تو بچوں کے جو زائد کپڑے تھے ان لوگوں کو دے دیے تا کہ اپنا تن ڈھانک سکیں کیونکہ وہ لوگ بہت مفلس حال اور خستہ حال میں تھے۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ ہماری امی نے جس قرآن سے بچیوں کو ناظرہ اور ترجمہ پڑھایا تھا وہ قرآن حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے ترجمہ پر مشتمل تھا اور قرآن کا وہ نسخہ ان کو حضرت اماں جانؓ نے تحفہ کے طور پر دیا تھا۔

ابراہیم منیب ان کے داماد ہیں، کہتے ہیں کہ میاں وسیم احمد صاحب کی وفات کے بعد دس سال تک قادیان میں رہیں۔ شدید بیمار ہوئیں تو پھر ان کی بیٹیاں ان کو ربوہ لے آئیں، ویزا بھی اللہ کے فضل سے ایکسٹنڈ (extend) ہوتا رہا لیکن ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ میں نے قادیان سے باہر لمبا عرصہ نہیں رہنا اور جب تک خلیفۂ وقت کی اجازت نہیں ہوتی اس وقت تک میں یہاں چند مہینے سے زیادہ نہیں رہوں گی۔ بہر حال انہوں نے مجھے خط لکھا، مَیں نے ان کو لکھا کہ جتنا عرصہ چاہیں آپ رہیں۔ پاسپورٹ، ویزا extend ہوتا ہے تو کرواتی رہیں۔ اس کے بعد پھر انہوں نے وہاں کچھ عرصہ گزارا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کو قادیان جاتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ قادیان کے ہندو بازاروں میں نہیں جانا کیونکہ وہاں کے لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دی ہوئی ہیں۔ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی بات کا اس قدر لحاظ رکھا، خیال رکھا کہ بعد میں حالات بدل بھی گئے۔ لوگوں نے بڑی شرافت سے پیش آنا شروع کر دیا اور جلسہ پر بہت سارے لوگ وہاں جاتے تھے، احمدی بھی جاتے تھے، خاندان کے لوگ بھی وہاں جاتے تھے لیکن آپ ستر سال تک قادیان کے بازار میں نہیں گئیں، امرتسر جا کے شاپنگ کیا کرتی تھیں۔

ان کی نواسی لکھتی ہیں کہ قادیان کے چھوٹے بچے آپ کو نانی امی کہا کرتے تھے اور ہر ایک سے آپ نے نانی جیسا محبت اور شفقت کا سلوک کیا۔ پھر ان کی نواسی لکھتی ہیں کہ ایک دفعہ کمزوری طبیعت کی وجہ سے آرام کر رہی تھیں۔ شام کے وقت کچھ خواتین کسی دُور کی جماعت سے ملنے آ گئیں۔ کوئی بڑا گھر میں نہیں تھا، مَیں نے کہہ دیا کہ نانی آرام کر رہی ہیں اور وہ ایک دعا کی چٹھی دے کے چلی گئیں۔ جب میری نانی اٹھیں۔ ان کو میں نے کہا کہ دو عورتیں آئی تھیں تو فوراً چٹھی منگوا کر پڑھی دعا کی۔ پھر ٹیلیفون کروا کر کسی کو ہدایت دی کہ جو بھی انہوں نے لکھا تھا چٹھی میں اس کی تعمیل کروا دیں۔ پھر مجھے سمجھایا کہ لوگ بڑی دُور دُور سے محبت کے ساتھ تمہارے نانا کے پاس آتے تھے وہ ان کو ایسے واپس نہیں جانے دیتے تھے تو اس لیے تم بھی مہمانوں کو عزت سے بٹھایا کرو۔ مجھے اطلاع کر دیتی۔ نانی کا سمجھانے کا انداز بہت پیارا تھا جو اب تک میرے ذہن میں نقش ہے۔

ان کے نواسے سید حاشر کہتے ہیں مَیں نے ان کو پوچھا کہ میں مربی بن رہا ہوں کوئی نصیحت کر دیں۔ جامعہ کینیڈا میں پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے کہا نصیحت تو خلیفہ وقت کی طرف سے سن رہے ہو۔ نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کی باتوں کو غور سے سنو اور ان پہ عمل کرو۔ اور پھر مجھے یہ بھی کہا کہ رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ

وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کی دعا پڑھتے رہا کرو۔ پھر فون پر صرف یہی نصیحت ہوتی تھی کہ اپنے وقف کو پورے طور پر نبھانا اور خلافت کا سلطانِ نصیر بن کے رہنا۔

بہت سے غیر مسلم جنازے میں شامل ہوئے۔ بڑی عقیدت سے ان کا ذکر کیا۔ جن میں سابقہ ممبر اسمبلی فتح جنگ سنگھ بھی ہیں۔ انہوں نے بھی ان کا ذکر کیا کہ ہمارا تو بچپن ان کے ہاتھوں میں گھروں میں گزرا ہے۔ وہ میت کو واہگہ بارڈر پر بھی لینے گئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں مَیں نے اپنی ماں کو ہی دوسری مرتبہ دفنایا ہے۔ کہتے ہیں ہم چھوٹے چھوٹے تھے تو گھر میں جایا کرتے تھے اور یہ ہمیں کھلایا پلایا کرتی تھیں۔

ان کی ایک نواسی مالا کہتی ہیں خلافت سے پیار اور اطاعت میں ہمارے لیے ایک مثال تھیں۔ کہتی ہیں جب سے فوت ہوئی ہیں سینکڑوں فون ان کی تعزیت کرنے کے مجھے آئے ہیں اور ہر ایک ان کی بڑی تعریف کر رہا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے لیے یہ وہاں گئی تھیں، وہاں قادیان میں رہیں تو کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ قادیان کے لوگ کتنا ان سے پیار کرتے تھے اور وہ ان قادیان کے لوگوں سے کتنا پیار کرتی تھیں۔ اسی طرح کہتی ہیں 2008ء میں انہوں نے مجھے لکھا جب کہ آپ نے قادیان جانا تھا، جب حالات کی وجہ سے نہ جا سکے۔ دہلی سے واپس آ گئے اور دورہ ملتوی ہو گیا تو بڑی اداس تھیں کہ پتہ نہیں اب ملاقات ہو سکتی ہے کہ نہیں۔

عابد خان یہاں رہتے ہیں، ان کی نواسی کے خاوند ہیں، کہتے ہیں اپنے مثالی نمونوں سے ہمیں سکھایا کہ انسان کو اپنا وقف کیسے پورا کرنا چاہیے۔ بڑا نرم مزاج تھا لیکن کہتے ہیں کہ صرف ایک دفعہ مَیں نے ان کو سختی سے بولتے دیکھا کہ قادیان کی ایک مقامی لڑکی کی شادی تھی تو وہ بیمار ہو گئیں۔ اس دن صاحبزادی امۃ القدوس کو شدید سر درد تھا تو ان کی بیماری کو دیکھ کے ان کی نواسی نے ان کو کہا کہ معذرت کر دیں۔ شادی میں شرکت نہ کریں۔ آج آرام کر لیں تو انہوں نے کہا کہ مالا میں شادی میں ضرور شرکت کروں گی۔ تم نہیں جانتی کہ میرا قادیان والوں کے ساتھ کیسا تعلق ہے۔

اسی طرح عقیلہ عفت صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد ناصر درویش قادیان کہتی ہیں ہمیشہ ناصرات اور لجنہ کے زیر اہتمام درویشوں کی ازواج اور بیٹیوں کی راہنمائی کیا کرتی تھیں۔ بہت عمدگی سے انتظامی معاملات سرانجام دینے میں مہارت رکھتی تھیں۔ ان کے ساتھ کام کرتے وقت انسان آپ کی محبت، پیار، حمایت اور عزت اور احترام کو محسوس کر سکتا تھا۔ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ تمام کام اور ذمہ داریاں اگلی نسل تک پہنچائیں۔ ایک خود اعتماد اور منظّم شخصیت تھیں۔ جو کچھ بھی کرتیں اس کام میں صفائی ہوتی۔ ہمیں قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھایا بلکہ فقہ بھی سکھایا۔ آپ کی تربیت یافتہ جماعت احمدیہ کی نوجوان لڑکیاں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور جماعتوں کی خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔

اسی طرح حیدرآباد دکن کی بشریٰ مبارکہ صاحبہ ہیں۔ کہتی ہیں ہمارا ان سے گہرا خاندانی تعلق تھا۔ جلسے کے موقع پر مہمان نوازی کرنے کے لیے آدھی رات تک خود کھڑے ہو کر مہمانوں کے کھانے پینے اور آرام کا خیال کرتیں اور کہتی تھیں کہ یہ ہمارے نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمان ہیں، ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

ہر چھوٹی چھوٹی چیز کا جائزہ لیتیں۔

اسی طرح ساجدہ تنویر صاحبہ خالد الہ دین صاحب کی اہلیہ ہیں، کہتی ہیں ہندوستان کی ممبراتِ لجنہ کے لیے ایک ماں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جس طرح ایک ماں اپنے شِیر خوار بچے کو تمام آدابِ زندگی انگلی پکڑ کر سکھاتی ہے عین اسی طرح حضرت آپا جان نے ہر پہلو سے، ہر لمحہ ہماری تعلیم و تربیت کا خیال رکھا جس کے لیے ہم اور ہماری نسلیں ہمیشہ آپ کی ممنون رہیں گی۔ تو بے شمار خط ہیں جو مجھے قادیان کی خواتین کے بھی آئے ہیں اور ان سب خواتین کی طرف سے بھی آئے ہیں جن سے ان کا کسی بھی طرح واسطہ پڑا۔ اسی طرح قادیان کے پرانے رہنے والوں کی مرد اولادوں نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک ماں کی طرح پالا ہے۔

خلافت سے تعلق کا ان کے بچوں نے بھی ذکر کیا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور دوسری خواتین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ عاجزی اور کامل وفا کا جس طرح انہوں نے خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے اظہار کیا تھا وہ تعلق جاری رہا اور مجھ سے بھی وہی تعلق قائم رہا۔ یہ ایک مثال ہے۔ یہاں بھی مجھے ملیں تو انتہائی ادب اور احترام سے۔ 2005ء میں قادیان گیا ہوں تو فکر کے ساتھ مہمان نوازی کی کوشش کی۔ پھر ہر ملاقات پر خوش ہوتیں جو چہرے پر عیاں ہوتی تھی۔ 2005ء میں باوجود طبیعت کی خرابی کے قادیان سے واپسی کے سفر پر دہلی تک آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قادیان کے لوگوں کو جس محبت سے انہوں نے رکھا ہے اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ آپس میں بھی اسی محبت سے رہیں۔ اب خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا براہِ راست خونی تعلق کا رشتے والا تو وہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کرے کہ وہاں ایسے حالات ہو جائیں کہ وہاں کوئی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے۔

ایک جنازہ حاضر ہے۔ (آ گیا ہے ناں جنازہ؟) جو محمد ارشد احمدی صاحب یوکے کا ہے۔ یہ گذشتہ دنوں اکہتر سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یوسف احمدی صاحب کے بیٹے تھے۔ نیروبی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انہوں نے بیعت کی تھی۔ ان کے بیٹے تھے یا پوتے تھے؟ بہرحال یوسف احمدی صاحب نے (1935ء میں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی، ان کی نسل سے ہیں۔ ارشد احمدی پندرہ سال کی عمر میں نیروبی سے یوکے آئے۔ ان کی شادی امۃ البصیر صاحبہ سے ہوئی جو حضرت خلیفہ صلاح الدین صاحب کی بیٹی اور حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مرحوم موصی تھے۔ اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ جماعت سے بڑا پختہ تعلق تھا۔ جہاں بھی رہے مختلف حیثیت سے جماعت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ خدام الاحمدیہ میں بھی مہتمم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ بیس سال سے زائد عرصہ تک جماعت برطانیہ کے نیشنل سیکرٹری اشاعت کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ علم دوست انسان تھے۔ جب سلمان رشدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کتاب لکھی تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اور ہدایات کی روشنی میں اس کی تردید کے لیے ایک کتاب لکھنے کی توفیق پائی۔ نماز باجماعت کی پابندی کرنے والے، جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں تو اپنی رہائش بھی اسلام آباد

کے قریب اس غرض سے لے لی تھی کہ یہاں آ کے نمازیں پڑھتے رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق کا تعلق تھا۔ قرآن کریم کی باقاعدگی سے تلاوت کرنے والے۔ مرحوم کو تبلیغ کا بھی شوق تھا۔ اسی طرح چندہ جات میں باقاعدہ تھے۔ لوگوں سے پیار اور محبت سے ملنے والے خوش گفتار اور خلافت کے ساتھ عقیدت کا گہرا تعلق رکھنے والے مخلص انسان تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ ان کے بارہ میں فرمایا: ارشد احمدی صاحب کو ہمیشہ میں نے اتنا فرمانبردار پایا کہ اس کی بہت ہی کم مثال ملتی ہو گی۔ جو بھی میں نے ان کو کہا فوراً مان گئے اور اس پہلو سے ان کی اور ان کی وجہ سے سارے خاندان کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ اور حقیقت میں خلافت کے ساتھ یہ فرمانبرداری اور اطاعت آگے بھی قائم رہی۔ میں نے بھی انہیں عاجز اور خلافت کا وفادار دیکھا ہے۔ جماعتی وقار اور عزت کو انہوں نے ہمیشہ ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ ان سے رحم اور مغفرت کا سلوک فرمائے اور ان کی اولاد میں بھی ان کی نیکیاں جاری رکھے۔ ان کے ایک بیٹے واقف زندگی بھی ہیں۔

ایک جنازہ غائب ہے جو احمد جمال صاحب افریقن امریکن کا ہے۔ امریکہ میں رہتے تھے۔ گذشتہ دنوں بانوے سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ 1930ء میں پیدا ہوئے۔ 1951ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں میں مرحوم کو مسجد صادق شکاگو کے لیے مالی قربانی کی توفیق ملی۔ بہت عاجز اور منکسر المزاج شخصیت کے حامل تھے۔ جماعت اور خلافت کے ساتھ بہت عشق اور وفا کا تعلق تھا۔ ایم ٹی اے دیکھنے کے لیے پہلے اپنے گھر پر ڈش انٹینا اور بعد ازاں آن لائن انتظام کیا ہوا تھا۔ میرے خطبات بڑے اہتمام کے ساتھ باقاعدہ سنتے تھے۔ اپنے ملنے والوں سے خطبہ کے حوالے سے پھر گفتگو بھی کیا کرتے تھے۔ صرف سن نہیں لیا بلکہ نوٹس لے کے گفتگو بھی کرتے تھے۔ مرحوم مسجد سے نوّے 90 میل کی مسافت پر رہتے تھے پھر بھی اپنی عمر اور کمزور صحت کے باوجود باقاعدگی سے نمازِ جمعہ پر آتے رہے۔ چندہ جات کی ادائیگی باقاعدگی سے کرتے۔ کبھی انہیں یاددہانی نہیں کروانی پڑی۔ دیگر مالی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ایک بیٹی ہے ان کی لیکن وہ جماعت سے منسلک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی دعائیں اپنی بیٹی کے لیے بھی قبول ہو جائیں اور اس کو بھی توفیق مل جائے کہ احمدیت قبول کر لے۔ تو ابھی ایک تو جنازہ حاضر ہے اور یہ دو غائب جنازے ہیں۔ جمعے کے بعد میں یہ جنازہ پڑھاؤں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 06/ اکتوبر 2023ء جلد 30 شمارہ 191 صفحہ 02 تا 07)

38

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 22/ ستمبر 2023ء بمطابق 22/ تبوک 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

کچھ عرصہ پہلے غزوۂ بدر کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غزوے سے تعلق میں واقعات بیان کیے تھے۔ آج بدر کے **حوالے سے ہی بعض متعلقہ باتیں اور واقعات پیش کروں گا۔ ان کا تاریخ میں ذکر ہے اور جاننا بھی ضروری ہے۔** جیسا کہ پہلے خطبات میں ذکر ہو چکا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین روز تک میدانِ بدر میں مقیم رہے۔ تیسرے روز آپؐ نے سواریوں کے کجاوے کسنے کا ارشاد فرمایا۔ میدانِ بدر سے ہی آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ کی جانب بدر کی فتح کی خوشخبری کا پیغام دیتے ہوئے بھیجا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس فتح نصیب قافلے کے ساتھ قریش مکہ کے ستر قیدی بھی تھے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد2صفحہ 420، 425، 426 باب غزوۃ بدر الکبرٰی، دارالمعرفہ بیروت)

(صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر3986)

کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ راستے میں ہی ان میں سے دو قیدیوں کو ان کے سنگین جنگی جرائم کے تحت اس وقت کے عام دستور کے مطابق قتل کر دیا گیا تھا جن میں سے ایک نضر بن حارث اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔ لیکن اس پہ سب تاریخ دانوں کا اتفاق نہیں ہے۔ علامہ ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ بدر سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفراء کے مقام پر پہنچے تو نضر بن حارث کو قتل کیا گیا اور حضرت علیؓ نے اسے قتل کیا تھا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 438دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

سیرت حلبیہ میں مذکور ہے کہ نضر حالتِ قید میں تھا کہ اس نے اپنے ساتھی سے کہا: اللہ کی قسم! محمدؐ مجھے قتل کرنے والا ہے کیونکہ اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا ہے جس میں مجھے موت نظر آئی ہے۔ اس شخص نے نضر سے کہا اللہ کی قسم! ایسا صرف رعب کی وجہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رعب تم پہ پڑا ہے اس کی وجہ سے تمہیں لگ رہا ہے۔ تو نضر نے مصعب بن عمیر سے کہا: اے مصعب! اس شخص کی نسبت تم رحمی رشتہ داری میں میرے زیادہ قریب ہو۔ پس تم اپنے ساتھی سے بات کرو کہ وہ مجھے قیدیوں میں ایک شخص بنا دے۔ اللہ کی قسم! وہ مجھے قتل کرنے والا ہے تو اس پر مصعب نے کہا تم اللہ کی کتاب کے بارے میں فلاں اور فلاں بات کہا کرتے تھے اور تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ اور یہ کہا کرتے تھے اور تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ایذا اور

تکلیف دیا کرتے تھے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 429-430باب غزوۃ بدر الکبریٰ، دارالمعرفہ بیروت)

تو یہ پرانی باتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم قتل ہو رہے ہو تو اس جرم میں ہو سکتا ہے ہو رہے ہو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ نضر بن حارث کی بہن قُتَیلہ بنت حارث نے اپنے بھائی کی موت پر کچھ اشعار کہے۔ بعض کے نزدیک یہ اس کی بیٹی نے کہے تھے اور بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشعار کا علم ہوا تو آپؐ بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ آپؐ کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اشعار مجھے اس یعنی نضر بن حارث کے قتل سے پہلے پہنچتے تو میں اس پر احسان کرتے ہوئے اس کو معاف کر دیتا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ430باب غزوۃ بدر الکبریٰ، دارالمعرفہ بیروت)

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 510-511 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

لیکن بعض سیرت نگار اس طرح کے اشعار اور ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی روایت کی تردید کرتے ہیں۔ بعض تو واقعے کی تردید کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیا صحیح ہے۔ اگر واقعی یہ واقعہ ہوا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نرم دل سے یہ اظہار بعید نہیں ہے۔ آپؐ بہت نرم دل کے واقع ہوئے تھے۔ رحم آپؐ کے دل میں تھا۔ اسی طرح نضر بن حارث کے بارے میں یہ بھی روایت آتی ہے کہ وہ قتل نہیں ہوا جیسا کہ مَیں نے کہا بلکہ زندہ رہا تھا اور غزوۂ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو اونٹ تالیف قلب کے طور پر دیے تھے۔

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جلد 1صفحہ 482 دارالکتب العلمیۃ)

پھر میدانِ بدر سے واپسی پر دوسرے قتل کا جو ذکر تاریخ میں آتا ہے وہ عقبہ بن ابی معیط تھا۔ اس کو مدینے کے راستے میں عِرْق ظَبْیَہ مقام پر قتل کیا گیا تھا۔ حضرت عاصم بن ثابت انصاریؓ نے عقبہ کو قتل کیا اور ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے اسے قتل کیا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 438-439 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ایک مصنف لکھتا ہے کہ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں اسلام کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانے والوں میں سے تھے اور مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے والوں کے سرغنہ تھے۔

(اللؤ لؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد5صفحہ 490-491مکتبہ دارالسلام)

اس لیے ان کو یہ سزا ملی۔ بہرحال ان دونوں قتل ہونے والوں کے بارے میں خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی ان دونوں قیدیوں کو راستے میں قتل کیا بھی گیا تھا کہ نہیں کیونکہ بعض ایسی روایات بھی ہیں جن میں بڑی وضاحت سے یہ موجود ہے کہ عقبہ بن ابی معیط بدر کے میدان میں ہی قتل ہو گیا تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام صفحہ477 دارالکتب العلمیۃ2001ء)

جبکہ نضر بن حارث کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ہیں۔ اس کے قتل کیے جانے کی بھی اور یہ بھی کہ قتل نہیں ہوا تھا بلکہ بعد میں زندہ رہا اور غزوۂ حنین کے موقعے پر اسلام قبول کر لیا تھا گو کہ یہ روایات قدرے

کمزور سمجھی جاتی ہیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں بدر کے قیدیوں میں سے قتل ہونے والے ان دونوں کا جو ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

"بعض مؤرخین نے قید ہونے والے رؤساء میں عقبہ بن ابی معیط کا نام بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت حالتِ قید میں قتل کر دیا گیا تھا مگر یہ درست نہیں ہے۔ حدیث اور تاریخ میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ روایت آتی ہے کہ عقبہ بن ابی معیط میدانِ جنگ میں قتل ہوا تھا۔" جنگ کے دوران ہوا تھا، قیدی نہیں بنا تھا۔ "اور ان رؤساء مکہ میں سے تھا جن کی لاشیں ایک گڑھے میں دفن کی گئی تھیں؛ البتہ نضر بن حارث کا حالتِ قید میں قتل کیا جانا اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ان بے گناہ مسلمانوں کے قتل کے براہِ راست ذمہ دار تھے جو مکہ میں کفار کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اور اغلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حارث بن ابی ہالہ جو ابتداء اسلام میں نہایت ظالمانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے، ان کے قتل کرنے والوں میں نضر بن حارث بھی شامل تھا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ نضر کے سوا کوئی قیدی قتل نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسلام میں صرف دشمن ہونے اور جنگ میں خلاف حصہ لینے کی وجہ سے قیدیوں کے قتل کرنے کا دستور تھا؛ چنانچہ اس کے متعلق بعد میں ایک معیّن حکم بھی قرآن شریف میں نازل ہوا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گو بہت سی روایات میں نضر بن حارث کے قتل کئے جانے کا ذکر آتا ہے لیکن بعض ایسی روایتیں بھی پائی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ بدر کے بعد مدت تک زندہ رہا اور بالآخر غزوۂ حنین کے موقعہ پر مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا تھا مگر مقدم الذکر" یعنی پہلی "روایات کے مقابلہ میں یہ روایتیں عموماً کمزور سمجھی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

بہر حال اگر قیدیوں میں سے کوئی شخص قتل کیا گیا تو وہ صرف نضر بن حارث تھا جو قصاص میں قتل کیا گیا تھا اور اس کے متعلق بھی یہ روایت آتی ہے کہ جب اس کے قتل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہن کے وہ دردناک اشعار سنے جن میں آپؐ سے رحم کی اپیل کی گئی تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اشعار مجھے پہلے پہنچ جاتے تو میں نضر کو معاف کر دیتا۔ بہر حال نضر کے سوا کوئی قیدی قتل نہیں کیا گیا۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 366-367)

یہ جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نتیجہ ہے یہ انہوں نے تاریخی کتب سے اخذ کیا۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کے بڑے بڑے سرداروں سمیت ستر کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور ستر ہی مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی ہوئے۔ قیدیوں کی تعداد کے حوالے سے انچاس اور چوہتر کی تعداد کے اقوال بھی ملتے ہیں، بعض روایتیں ہیں لیکن مشہور اور درست ستر کافروں کا گرفتار ہونا ہی ہے۔

(ماخوذ از دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 245 دار المعارف لاہور)

تاریخ کی مختلف کتب میں یہ ستر ہی لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں ایک روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے بدر کے دن مشرکوں کے ایک سو چالیس آدمیوں کا نقصان کیا تھا یعنی ستر قیدی اور ستر مقتول تھے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر 3986)

مشرکین کے قیدی جو جنگِ بدر کے بعد اسلام میں شامل ہوئے انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسیرانِ بدر سے بہت حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان قیدیوں میں کچھ خوش نصیب ایسے تھے جو اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کے اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی انہوں نے تفصیل سے لکھے بھی ہیں۔ عباس بن عبد المطلب، عقیل بن ابو طالب، نوفل بن حارث، ابو العاص بن ربیع، ابو عزیز ان کا نام زُرَارہ بن عُمیر عَبْدَرِی تھا سائب بن ابو حُبَیش، خالد بن ہِشام مخزومی، عبد اللہ بن ابو سائب، مُطَّلِب بن حَنْطَب ابو وَدَاعَہ سَہْمِی، عبداللہ بن اُبَیّ بِنِ خَلَف جُمَحِّی، وَہْب بن عُمیر جُمَحّی، سُہَیل بن عمرو عَامِرِی، عبد اللہ بن زَمْعَہ جو ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے بھائی تھے۔ قیس بن سائِب اور نِسْطَاس جو امیہ بن خَلَف کا غلام تھا۔ سائب بن عُبَید۔ ان سب نے بدر کے دن اپنا فدیہ ادا کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

(سبل الھدٰی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد 4 صفحہ 78-79، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

بدر کی جنگ کے ساتھ رومی سلطنت کی فتح کا بھی ایک تعلق ہے۔ رومی سلطنت کی فتح کی ہی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی اور اس کا تعلق جیسا کہ مَیں نے کہا جنگِ بدر سے بھی ہے اس لیے یہاں اس کا بیان بھی مناسب ہے۔ نبوت کے پانچویں سال میں سورۂ روم نازل ہوئی جس میں رومی سلطنت کے غلبے کی بابت پیشگوئی کی گئی تھی۔

(دلائل النبوۃ للبیھقی جلد 7 صفحہ 143، باب ذکر السور التی نزلت بمکۃ... ، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1988ء)
(سیرت النبیؐ از علامہ شبلی نعمانی جلد 2 حصہ سوم صفحہ 315، ادارہ اسلامیات ستمبر 2002ء)

اس کی تفصیل تو مَیں آگے بیان کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکے کے اطراف میں اس سورت کی ان آیات کو پڑھتے ہوئے اعلان کرنے لگے کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (الروم:2 تا 5) یعنی اہلِ روم مغلوب کیے گئے قریب کی زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر ضرور غالب آجائیں گے تین سے نو سال کے عرصے تک۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ مکّے کی بات ہے، مکّہ کے جو مشرکین تھے پسند کرتے تھے کہ اہلِ فارس اہلِ روم پر غالب آجائیں کیونکہ یہ اور وہ بت پرست تھے۔ فارس کے لوگ، ایرانی لوگ بت پرست تھے، آتش پرست تھے اور مکّے کے لوگ بھی بت پرست تھے۔ وہ پسند کرتے تھے کہ فارس کے لوگ غالب آجائیں اور مسلمان پسند کرتے تھے کہ اہلِ روم اہلِ فارس پر غالب آجائیں اس لیے کہ وہ اہلِ کتاب تھے۔

انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابو بکرؓ سے کیا اور حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا

ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا وہ ضرور غالب آ جائیں گے یعنی رومی غالب آ جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کا ذکر مشرکین سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کر لو یعنی شرط رکھ لو۔ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارے لیے یہ اور یہ ہو گا اور اگر تم غالب آ گئے تو تمہارے لیے یہ اور یہ ہو گا تو انہوں نے پانچ سال کی مدت رکھی۔ ایک روایت کے مطابق چھ سال کی مدت رکھی۔ شرح سنن الترمذی تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ روم کے فارس پر غلبے کے دن مومن خوش ہوئے اور انہیں اس بات کا علم بدر کے دن ہوا جب جبرئیل علیہ السلام اس غلبے کی خبر کے ساتھ ان کی یعنی مشرکین کے خلاف بدر میں ان کی مدد کی خوشخبری لے کر نازل ہوئے تھے۔

(تحفة الاحوذی شرح سنن الترمذی جلد 2 صفحہ2169، مکتبہ بیت الافکار الدولیہ)

(سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ الروم حدیث3194)

یہ تعلق ہے بدر کے ساتھ اس کا کہ جس دن بدر کی فتح ہوئی ہے اسی دن رومیوں کی فتح کی بھی خوشخبری ملی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے، اس کی شرح میں علامہ بدر الدین عینیؒ غلبۂ روم والی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب اہلِ فارس اور اہلِ روم کے درمیان جنگ ہوئی تو مسلمان اہلِ فارس پر اہلِ روم کی فتح کو پسند کرتے تھے کیونکہ وہ اہلِ کتاب تھے۔ اہلِ روم کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردی اس لیے تھی کہ اہلِ روم اہلِ کتاب تھے جبکہ کفار قریش اہلِ فارس کی فتح کو پسند کرتے تھے کیونکہ وہ مجوسی تھے اور کفارِ قریش بھی بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پس اس بات پر حضرت ابو بکرؓ اور ابو جہل کے درمیان شرط لگ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں بِضع کا لفظ ہے اور بِضع تو نو برس یا سات برس پر اطلاق پاتا ہے۔ پس مدت کو بڑھا دو۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس اہلِ روم غالب آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ بِنَصْرِ اللّٰهِ (الروم:2 تا6) ترجمہ یہ ہے۔ الٓمّٓ۔ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ یعنی میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ اہلِ روم مغلوب کیے گئے قریب کی زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر ضرور غالب آ جائیں گے۔ تین سے نو سال کے عرصے تک۔ حکم اللہ ہی کا چلتا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اس دن مومن بھی اپنی فتوحات سے بہت خوش ہوں گے جو اللہ کی نصرت سے ہو گی۔ اور شعبی کہتے ہیں کہ اس وقت شرط لگانا حلال تھا۔

(ماخوذ از عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد7 صفحہ29 دارالفکر بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن واقعات کی پیشگوئی کی ہے ان میں سے ایک صاف اور صریح اور معرکۃ الآراء غلبۂ روم کی پیشگوئی تھی۔ عرب کے دونوں اطراف میں روم اور فارس کی حکومتیں قائم تھیں۔ اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بعثت نبویؐ کے پانچویں سال 614ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہبِ اسلام قبول نہیں کیا تاہم رومی حضرت عیسیٰؑ کے پیرو اور اہلِ کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے اس لیے لازمی طور پر مسلمانوں کو رومی عیسائیوں

کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اس لیے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔ ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ اور فرات کے کناروں پر آ کر ملتے تھے۔ رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک حدود عراق، شام، فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایرانیوں نے دو طرفہ حملہ کیا۔ ایک طرف تو وہ دجلہ اور فرات کے کنارے سے شام کی طرف بڑھے اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائیجان سے آرمینیا ہو کر موجودہ اناطولیہ میں داخل ہو گئے اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو دھکیل دیا۔ شام کی سمت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے اس ارضِ مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے چھین لیا۔ 614ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم ایرانیوں کے زیر سایہ آ گیا۔ کنیسوں کو مسمار کر دیا گیا۔ مذہبی شعائر کی توہین کی گئی۔ شہنشاہِ ایران کے قصرِ اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرائش کی گئی، قتل کر کے ان کے سر قصر میں رکھے گئے۔ ایرانی فتوحات کا سیلاب اس سے آگے بڑھ کر 616ء میں پوری وادیٔ نیل یعنی مملکتِ مصر پر محیط ہو گیا اور آخر اسکندریہ کے ساحل پر جا کر تھما اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کر رکا اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرایا۔ شہنشاہِ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے کھڑے کر دیے اور اب رومیوں کے بجائے عراق و شام اور فلسطین و مصر و ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہو گئی۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھ کر رومی شہنشاہ کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہو گئیں۔ افریقہ میں بھی شورش ہوئی۔ خود قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل و غارت گری میں مصروف ہو گئیں۔ غرض اس وقت سلطنت روما کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے۔

جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلافِ امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم بھی غالب ہوتے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں نے کہا ہم مسلمانوں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وقت رومیوں کی جو افسوسناک حالت تھی وہ تو جیسا ہم نے دیکھا بہت بُری حالت تھی۔ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ فوج منتشر تھی۔ ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں۔ شہنشاہِ روم ہرقل ہمہ تن عیاش، بے پروا، سست اور مبتلائے اوہام تھا۔ ایسا بڑا بادشاہ تھا جو کسی قابل نہیں تھا۔ ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازے پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسبِ ذیل شرائط پیش کرتا ہے کہ رومی باج ادا کریں۔ ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، (ٹالنٹ قدیم یونانی پیمانہ ہے جو آجکل کے تقریباً تئیس کلو گرام وزن کے برابر ہے) ایک ہزار ریشم کے تھان، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار کنواری لڑکیاں ایرانیوں کے حوالے کریں۔

رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے ان شرمناک شرائط کو قبول کر لیا۔ اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہِ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیغام لے کر گیا تو مغرور خسرو نے جو جواب دیا وہ یہ تھا: ٹھیک ہے تم نے قبول کر لیا لیکن مجھ کو یہ نہیں، جو چیزیں یہ لے کے آیا ہے یہ نہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ بادشاہ روم جو ہے وہ میرے تخت کے نیچے مجھے چاہیے اور اس وقت تک صلح نہیں

کروں گا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے گا۔ عیسائیت سے توبہ نہیں کرے گا۔ تو لکھنے والے نے لکھا ہے کہ کارزارِ عالم کا یہ نقشہ تھا کہ معرکۂ جنگ سے بہت دُور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادۂ امن نمودار ہوا اور واقعاتِ عالم کے بالکل خلاف یہ پیشگوئی فرمائی جس کی آیتیں میں آگے پڑھوں گا اور جو قرآن شریف میں ہے۔ پس یہ تفصیل میں نے اس لیے بیان کی ہے کہ پیشگوئی کی جو شان ہے اس کا پتہ لگے۔ یہ پیشگوئی کیا تھی جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی پڑھا۔ دوبارہ پڑھتا ہوں:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ یَوْمَىٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الروم: 2 تا 7) مَیں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ اہلِ روم مغلوب کیے گئے قریب کی زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر ضرور غالب آجائیں گے۔ تین سے نو سال کے عرصے تک۔ حکم اللہ ہی کا چلتا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اس دن مومن بھی اپنی فتوحات سے بہت خوش ہوں گے جو اللہ کی نصرت سے ہو گی۔ وہ نصرت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ کامل غلبہ والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

لکھنے والے نے لکھا ہے کہ یہ پیشگوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابلِ یقین تھی یعنی یہ بہت دُور کی بات لگتی تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی۔ اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا۔ آخر چند سال بعد دنیا نے خلافِ امید پلٹا کھایا۔ تاریخِ زوالِ روم کا مشہور مصنف اور مؤرخ ایڈورڈ گبن (Gibbon) ہرقل کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں مستی، عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا۔ جس طرح صبح و شام کا کہر آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے دفعۃً 621ء میں محلوں کا آرکاڈیوس (Arcadius)، میدانِ جنگ کا سیزر (Caesar) بن گیا۔ یعنی یہی شہنشاہِ روم جو تھا اور روم و ہرقل کی عزت چھ مہمات کے ذریعہ نہایت شاندار طریقے سے بچالی گئی۔ انہوں نے آرکاڈیوس کی جو مثال دی ہے یہ رومی سلطنت کا ایک بادشاہ تھا جس کا زمانہ 408 قبل مسیح اور 378 قبل مسیح تک ہے۔ بڑا مضبوط تھا۔ اسی طرح سیزر بھی ایک پرانا فوجی جرنیل تھا۔ بہرحال جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ عظیم روما کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے لیکن عرب کے نبیٔ اُمی کی پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور **عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔** مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے ساحلوں کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشگوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور جو غیر ہیں وہ اس پیشگوئی کے قائل ہو رہے ہیں۔ اس حیرت ناک پیشگوئی کی

سچائی سے متحیر ہو کر واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد ایڈورڈ گبن کہتا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرق کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جبکہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اس نے اس پیشگوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی عَلم پر سایہ فگن ہو گی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کوئی پیشگوئی اس سے زیادہ دُور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ یقین ہی کوئی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ہر قل کی بارہ سال کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔

ہر قل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رُو سے اس حیرت ناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخِ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم، یہ بات علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں لکھتے ہیں کہ انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکے سے دُور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لیے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔ مستدرک اور جامع ترمذی میں ہے کہ روم و فارس کی جنگ جب شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرفدار تھے کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کیونکہ وہ اہلِ کتاب تھے۔ اس وقت ایرانی روم کو دباتے جا رہے تھے، اس پر سورۂ روم کی پیشگوئی نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے چلّا چلّا کر تمام مشرکین کو یہ پیشگوئی سنائی۔ مشرکین نے کہا کہ اس پیشگوئی کے لیے کوئی سال مقرر کرو۔ حضرت ابو بکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بِضْعِ سِنِیْنَ کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ اس لیے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی۔ چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشگوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آ گئے۔ بعض نوجوان اور جوانی میں قدم رکھنے والے بچے بھی پوچھتے ہیں، کئی خط لکھتے ہیں، پچھلے ہفتے بھی بعض خط آئے کہ ہمیں کس طرح پتہ چلے کہ اسلام سچا مذہب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سچے نبی ہیں، باقی نہیں؟ یہاں کے ماحول نے ان پر یہ اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ ان کو اسلام کی سچائی کے بارے میں شک پڑنا شروع ہو گیا ہے۔ انہیں اس تاریخ اور غیروں کے اس اظہار سے یقین کر لینا چاہیے اور پھر اس زمانے کے بارے میں قرآن کریم میں جو پیشگوئیاں ہیں انہیں بھی دیکھنا چاہیے۔ والدین خود بھی قرآن کریم پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی یہ پیشگوئیاں دکھائیں کہ کس طرح یہ اسلام کی سچائی پر ایک دلیل ہیں۔ اسلام کی سچائی کے ثبوت تو ہزاروں ہیں۔ پس والدین کو بھی اور نوجوانوں کو بھی اپنے علم کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ صرف سوال کر دینا کافی نہیں ہے۔

اگر سوال کرنا ہے تو خود علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اسی طرح جو ہماری تنظیمیں ہیں، ان کو بھی اس بارے میں بھی ان کو علم دینا چاہیے۔ یہ سوال کئی دفعہ مجھ سے پوچھا گیا ہے۔ بہرحال یہ وضاحت ضروری تھی اس لیے مَیں نے یہاں ذکر کر دیا۔ اب اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں برس پیش آیا تھا۔ اس سے نو برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہو گا۔ اس بنا پر پیشگوئی کا زمانہ پانچ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ چودہ بعثت یا ایک ہجری ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا

سال یعنی چھ ہجری بیان کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصدِ نبوی جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو اس وقت وہ قیصر فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لیے شام آیا ہوا تھا اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانے میں روانہ ہوئے تھے اس لیے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصولِ فتح کی بھی یہی تاریخ ہے مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ فتح کی تاریخ نہیں بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے۔

اس وقت وہ جشن منانے کے لیے آیا ہوا تھا۔ بہر حال تاریخ کی مطابقت سے یہ بات ثابت ہے کہ 609ء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ 610ء سے روم اور فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ 613ء میں اعلان جنگ ہوا۔ 614ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا۔ 616ء میں رومی شکست تکمیل کو پہنچ گئی۔ 622ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا۔ 623ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا اور 625ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس ترتیب سے دیکھیں تو ظاہر ہو گا کہ اس پیشگوئی کی خوبی یہ ہے کہ اگر آغازِ شکست سے آغازِ فتح تک جوڑیں تو بھی نو برس ہوتے ہیں اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑیں تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔ اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سست اور عیاش قیصر بن گیا جو پہلے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دستِ قدرت نے صرف اس پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیے چند سال کے واسطے اس کے دل و دماغ کو بیدار کیا اور دست و بازو کو ہوشیار کر دیا۔ پیشگوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر سلا دیا۔

(ماخوذ از سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی جلد 2 حصہ سوم صفحہ 313 تا 316، ادارہ اسلامیات ستمبر 2002ء)
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد 2 صفحہ 341) (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد 4 صفحہ 938)

یہ سارا بھی علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ رومیوں کی فتح کے بارے میں بعض جگہ تاریخ کا جو اختلاف ہے اسے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح حل کیا ہے کہ ”بعض روایات میں یہ مروی ہوا ہے کہ فتح روم صلح حدیبیہ کے زمانہ میں حاصل ہوئی تھی مگر یہ دونوں روایتیں متضاد نہیں ہیں کیونکہ دراصل روم کی فتح کا زمانہ جنگِ بدر سے لے کر صلح حدیبیہ کے زمانہ تک پھیلا ہوا تھا۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 377)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ ”آپؐ ابھی مکہ میں ہی تھے کہ عرب میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دے دی ہے۔ اِس پر مکہ والے بہت خوش ہوئے کہ ہم بھی مشرک ہیں اور ایرانی بھی مشرک۔ ایرانیوں کا رومیوں کو شکست دے دینا ایک نیک شگون ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ مکہ والے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آجائیں گے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بتایا کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الروم: 3 تا 5) رومی حکومت کو شام کے علاقہ میں بے شک شکست ہوئی ہے لیکن اِس شکست کو تم قطعی نہ سمجھو۔ مغلوب ہونے کے بعد رومی پھر 9 سال کے اندر غالب آجائیں گے۔ اِس پیشگوئی کے شائع ہونے پر مکہ والوں نے بڑے بڑے قہقہے لگائے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بعض کفار نے سو سو اونٹ کی شرط باندھی کہ اگر اتنی شکست کھانے کے بعد بھی روم ترقی کر جائے تو ہم تمہیں سو اونٹ دیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو تم ہمیں سو اونٹ دینا۔ بظاہر

اِس پیشگوئی کے پورا ہونے کا امکان دُور سے دُور تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ شام کی شکست کے بعد رومی لشکر متواتر کئی شکستیں کھا کر پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ ایرانی فوجیں بحیرہ مارمورا (MARMARA SEA) کے کناروں تک پہنچ گئیں۔ قسطنطنیہ اپنی ایشیائی حکومتوں سے بالکل منقطع ہو گیا اور روم کی زبردست حکومت ایک ریاست بن کر رہ گئی مگر خدا کا کلام پورا ہونا تھا اور پورا ہوا۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں روم کے بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سمیت آخری حملہ کے لیے قسطنطنیہ سے خروج کیا اور ایشیائی ساحل پر اتر کر ایرانیوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کی طرح ڈالی۔ رومی سپاہی باوجود تعداد اور سامان میں کم ہونے کے قرآن کریم کی پیشگوئی کے مطابق ایرانیوں پر غالب آئے۔ ایرانی لشکر ایسا بھاگا کہ ایران کی سرحدوں سے ورے اس کا قدم کہیں بھی نہ ٹھہرا اور پھر دوبارہ رومی حکومت کے افریقی اور ایشیائی مفتوحہ ممالک اس کے قبضہ میں آ گئے۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 445)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے شرط لگائی اور قرآن شریف کی وہ پیشگوئی مدار شرط رکھی کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (الروم:2 تا 5) اور تین برس کا عرصہ ٹھہرایا تو آپؐ پیشگوئی کی صورت کو دیکھ کر فی الفور دُور اندیشی کو کام میں لائے اور شرط کی کسی قدر ترمیم کرنے کے لیے ابو بکر صدیق کو حکم فرمایا اور فرمایا کہ بِضْعِ سِنِیْنَ کا لفظ مجمل ہے اور اکثر نو برس تک اطلاق پاتا ہے۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 310-311)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ:

"آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایرانی لوگ مشرک تھے اور قیصر روم جو کہ عیسائی تھا دراصل موحّد تھا" اور یہ بھی ایک وجہ ہے مسلمانوں کی ملنے کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ قیصر روم جو عیسائی تھا دراصل موحد تھا" اور مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا اور جب اس کے سامنے مسیح کا وہ ذکر جو قرآن میں درج ہے پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ میرے نزدیک مسیح کا درجہ اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں جو قرآن نے بتلایا ہے۔

حدیث میں بھی اس کی گواہی بخاری میں موجود ہے کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی کلام ہے جو کہ توریت میں ہے اور اس کی حیثیت نبوت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم:2 تا 5) یعنی روم اب مغلوب ہو گیا ہے مگر تھوڑے عرصہ میں (9 سال میں) پھر غالب ہو گا۔ عیسائی لوگ نہایت شرارت سے کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے دونوں طاقتوں کا اندازہ کر لیا تھا اور پھر فراست سے یہ پیشگوئی کر دی تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مسیح بھی بیماروں کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا جو اچھے ہونے کے قابل نظر آتے تھے ان کا سلبِ امراض کر دیتا۔" یہاں پھر موازنہ کر رہے ہیں اور پھر آپؑ نے اصل میں ان کے اعتراض کا جواب

دیا ہے۔ ”اس طرح تو سارے معجزات ان کے ہاتھ سے جاتے ہیں۔ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ اس دن مومنوں کو دو خوشیاں ہوں گی ایک تو جنگِ بدر کی فتح دوسرے روم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کی۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 298-299)

اگر یہ اعتراض ہے کہ جنگ کو دیکھ لیا تھا تو جنگِ بدر میں تو حالات ایسے نہیں تھے۔ اس کی فتح کی خوشخبری بھی تو ساتھ ہی تھی اور یہ دونوں خوشخبریاں اکٹھی ملیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ:

”قرآن شریف بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنت کی نسبت ایک زبردست پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے۔ اور یہ اس وقت کی پیشگوئی ہے جبکہ مجوسی سلطنت نے ایک لڑائی میں رومی سلطنت پر فتح پائی تھی اور کچھ زمین ان کے ملک کی اپنے قبضہ میں کر لی تھی تب مشرکینِ مکہ نے فارسیوں کی فتح اپنے لیے ایک نیک فال سمجھی تھی اور اس سے یہ سمجھا تھا کہ چونکہ فارسی سلطنت مخلوق پرستی میں ہمارے شریک ہے ایسا ہی ہم بھی اس نبی کا استیصال کریں گے جس کی شریعت اہلِ کتاب سے مشابہت رکھتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ پیشگوئی نازل فرمائی کہ آخر کار رومی سلطنت کی فتح ہو گی اور چونکہ روم کی فتح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الروم رکھا گیا ہے اور چونکہ عرب کے مشرکوں نے مجوسیوں کی سلطنت کی فتح کو اپنی فتح کے لئے ایک نشان سمجھ لیا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں یہ بھی فرما دیا کہ جس روز پھر روم کی فتح ہو گی اس روز مسلمان بھی مشرکوں پر فتحیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اس بارہ میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (الروم:2 تا 5)

(ترجمہ) مَیں خدا ہوں جو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ رومی سلطنت بہت قریب، زمین میں مغلوب ہو گئی ہے اور وہ لوگ پھر نو سال تک تین سال کے بعد مجوسی سلطنت پر غالب ہو جائیں گے اس دن مومنوں کے لئے بھی ایک خوشی کا دن ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور تین سال کے بعد نو سال کے اندر پھر رومی سلطنت ایرانی سلطنت پر غالب آ گئی اور اسی دن مسلمانوں نے بھی مشرکوں پر فتح پائی کیونکہ وہ دن بدر کی لڑائی کا دن تھا جس میں اہل اسلام کو فتح ہوئی تھی۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 320)

پھر فرمایا ”اب غور کر کے دیکھو کہ یہ کیسی حیرت انگیز اور جلیل القدر پیشگوئی ہے۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی جب مسلمانوں کی کمزور اور ضعیف حالت خود خطرہ میں تھی۔ نہ کوئی سامان تھا نہ طاقت تھی۔ ایسی حالت میں مخالف کہتے تھے کہ یہ گروہ بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔ مدت کی قید بھی اس میں لگا دی اور پھر یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کہہ کر دوہری پیشگوئی بنا دی یعنی جس روز رومی فارسیوں پر غالب آئیں گے اسی دن مسلمان بھی بامراد ہو کر خوش ہوں گے۔ چنانچہ جس طرح پر یہ پیشگوئی کی تھی اسی طرح بدر کے روز یہ پوری ہو گئی۔ ادھر رومی غالب آئے اور ادھر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔“ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 387)

بہر حال یہ سلسلہ ابھی چلے گا۔ یہ واقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہیں۔ باقی ان شاء اللہ آئندہ بیان کروں گا۔ نماز کے بعد میں ایک جنازہ غائب بھی پڑھاؤں گا جو مکرم فراس علی

عبدالواحد صاحب (یوکے) کا ہے۔ یہ گذشتہ دنوں سینتالیس سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ عراقی الاصل تھے اور 2012ء میں بیعت کر کے جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ قرآن کریم بھی انہوں نے حفظ کر لیا تھا۔ بچپن میں ہی کیا ہوا تھا۔ بڑے ہوئے تو متشدّد دینی راہ اختیار کرتے ہوئے بہت متشدد قسم کے مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے گھر کا ٹی وی بھی بیچ دیا کہ یہ دیکھنا حرام ہے۔ سب تصویریں گھر کی پھاڑ دیں کہ یہ بھی حرام ہیں۔ ایک اچھے آرٹسٹ تھے۔ یعنی جب کسی مولوی کے تحت رہ کے دین کا علم حاصل کیا تو بالکل ہی fanatic ہو گئے اور ہر قسم کی تصویریں بنانے سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ لیکن ان کے دل میں شکوک تھے کہ پتہ نہیں میں صحیح ہوں کہ نہیں۔ اسلام سچا ہے کہ نہیں؟ ایک عیسائی کلاس فیلو ان کا دوست تھا۔ کچھ عرصے کے بعد اس سے متاثر ہو گئے اور اسلام کے بارے میں جو شکوک تھے اور جو سوالات تھے ان کے جوابات نہ ملنے کی وجہ سے پھر یہ عیسائی ہو گئے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پھر جوش میں آئی تو پھر انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ بہرحال یہ اچھے محنتی تھے، پڑھنے والے تھے۔ یونیورسٹی آف بصرہ سے انہوں نے ڈگری حاصل کی۔ وہاں کے کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور اکنامکس میں تعلیم حاصل کی۔ زبانیں سیکھنے کا شوق تھا۔ اس لیے انہوں نے اچھی انگریزی زبان سیکھی۔ فرنچ بھی سیکھی، سپینش سیکھی، جرمن سیکھی اور کسی قدر رشین زبان بھی جانتے تھے۔ 2009ء میں یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ یہاں یوکے شفٹ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں انہیں ایک بیٹی بھی دی۔ برطانیہ پہنچنے کے بعد فراس صاحب نے اتفاقاً ایم ٹی اے العربیہ دیکھا اور اس پر انہیں ان کے سوالات کے جوابات ملنے شروع ہو گئے۔ آخر ان کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اس حد تک گھر کر گئی کہ اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے گئے قصائد گنگناتے رہتے تھے۔ اسی دوران انہوں نے رؤیا میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ ایک بڑی سفید مسجد میں خطاب فرما رہے ہیں اور آپؒ کے چہرہ مبارک سے نور نکل رہا ہے۔

پھر بعد میں ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا جو اخباری نمائندے کی طرح مائیکروفون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت خوبصورت ناموں سے ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو آپ کی اتباع کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔ آخر انہوں نے اس بنا پر 2012ء میں بیعت کر لی۔ شیفلیڈ (Sheffield) کے ڈاکٹر بلال طاہر صاحب سے ان کا رابطہ ہوا۔ ان کے ذریعہ سے انہوں نے بیعت کی درخواست بھجوائی۔ پھر ان کے ساتھ مل کر سلسلے کی مختلف کتب اور سوال و جواب کا مطالعہ کیا اور بہت جلد جماعتی افکار و عقائد کی تبلیغ اور اعتراضات کے جواب دینے اور جماعت کا مؤثر علمی دفاع کرنے لگ گئے۔

اردن سے یزن رَبَابَعَہ صاحب لکھتے ہیں کہ برادرم فراس عبدالواحد صاحب بہت اچھے احمدی تھے۔ جماعتی کتب کا مطالعہ کرتے۔ معاندین اور مرتدّین کو جواب دیا کرتے تھے۔ وہ حقیقی طور پر اسلام احمدیت کا دفاع کرنے والے تھے۔ فیس بک پر احمدی احباب ان کو فارس احمدیت یعنی احمدیت کا گھڑ سوار جنگجو کہتے تھے۔ میری

آنکھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے نم ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

تمیم ابو دقہ صاحب لکھتے ہیں کہ فراس صاحب غیر معمولی محقق اور عربی اور انگریزی میں ترجمہ کرنے اور لکھنے کی بہترین صلاحیت رکھتے تھے۔ جماعتی ویب سائٹ پر سوالوں کے جواب دینے والی ٹیم کے سرگرم ممبر تھے۔ ان کے جوابات ہمیشہ مکمل اور مدلّل ہوا کرتے تھے جن کی تائید میں وہ جماعتی اور غیر جماعتی عربی اور انگریزی وساطت سے حوالے بیان کیا کرتے تھے۔ بعض عرب مرتدین اور منافقین نے جب فتنہ کھڑا کیا تو مرحوم فراس صاحب ان کے اعتراضات کے جواب دینے والوں اور ان کا مقابلہ کرنے والوں کی صف اوّل میں شامل تھے۔ اپنے کامل ایمان اور محبت کی وجہ سے بڑی شدت سے جماعت اور خلافت کا دفاع کرتے تھے۔

ڈاکٹر ایمن عودہ صاحب کہتے ہیں کہ مرحوم بھائی فراس عبدالواحد کو ان کے وسیع علم اور غیر معمولی ذہانت، ان کے مضامین اور تحریروں کے حوالے سے خاص طور پر جانتے تھے۔ انہیں جماعت میں شامل ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا پھر بھی انہوں نے نہایت قلیل عرصے میں جماعتی افکار و عقائد کے بارے میں گہرا علم حاصل کر کے اپنے مؤثر جوابات سے مخالفین کے منہ بند کر دیے تھے۔ مرحوم کو چند سال قبل ہماری عربی ویب سائٹ پر سوالوں کے جواب دینے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جسے انہوں نے آخری وقت تک بڑی تندہی سے نبھایا۔ بڑی لگن اور خلوص سے کام کیا۔ سوال و جواب کی عربی ویب سائٹ ''بساط احمدی'' پر ان کے تقریباً آٹھ سو آرٹیکل یا اعتراضات کے جوابات ان کی گہری علمی شخصیت ہونے اور جماعتی افکار و عقائد کو پھیلانے اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے کی لگن کی گواہی دیتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ اور بچی کا بھی کفیل ہو۔ صبر اور حوصلہ انہیں عطا فرمائے۔ ان کی نیک خواہشات اپنے اہل و عیال کے لیے قبول فرمائے۔ دعائیں قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ جماعت کو بھی ان جیسے مزید نعم البدل عطا فرمائے۔ نماز کے بعد ان شاء اللہ جیسا کہ مَیں نے کہا نماز جنازہ ادا کروں گا۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 13/ اکتوبر 2023ء جلد 30 شمارہ 197 صفحہ 02 تا 07)

39

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 29/ ستمبر 2023ء بمطابق 29/ تبوک 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جنگِ بدر کے بعد کے واقعات کا ذکر ہو رہا تھا۔ ان واقعات سے اگر تاریخ پڑھیں تو جہاں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور زندگی کے واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے وہاں بعض تاریخی باتیں بھی علم میں آتی ہیں اور بعض غلط روایات کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جنہوں نے اسلام کا غلط چہرہ غیروں کے سامنے پیش کیا ہے اور مخالفینِ اسلام اس سے اسلام کو بدنام کرنے کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور شدت پسند مسلمان اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔ بہر حال آج جو واقعات مَیں بیان کرنے لگا ہوں ان میں پہلا واقعہ عُمَیر بن وَھْب کا ہے جو جنگ کے بعد اپنی ناکامی، مشرکین کو جو ناکامی ہوئی تھی اس کا بدلہ **لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مکہ سے مدینہ آیا تھا** لیکن وہاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے کچھ اَور کام کیا اور اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں وھب بن عمیر بھی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اسے رِفَاعَہ بن رافع نے گرفتار کیا تھا۔ اس کا باپ عُمَیر قریش کے سرغنوں میں سے تھا یعنی عمیر بن وھب جس نے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائی تھیں مگر پھر غزوۂ بدر کے بعد یہ مسلمان ہو گیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے عمیر اور صفوان بن امیہ ایک دن مکہ میں حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہ دونوں جنگِ بدر میں اپنی شکست اور اپنے بڑے بڑے سرداروں کے متعلق باتیں کر رہے تھے جو اس جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔ صفوان نے کہا خدا کی قسم! ان سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی کا مزہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ عمیر نے کہا کہ خدا کی قسم! تم سچ کہتے ہو۔ اس نے کہا کہ اگر میرے اوپر ایک شخص کا قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہو رہا اور پھر اپنے پیچھے اپنے بیوی بچوں کی پریشانی کا خیال نہ ہوتا جو میرے بعد تنگدستی میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر ان کو قتل کر دیتا کیونکہ میرے وہاں پہنچنے کی وجہ بھی موجود ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھوں میں قید ہے۔ یہ سنتے ہی صَفْوان نے عُمیر کے قرض کی ذمہ داری لے لی اور کہا تمہارا قرض میرے ذمہ رہا مَیں اس کو ادا کر دوں گا اور تمہارے بیوی بچے میرے بیوی بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ ہیں مَیں ان کی کفالت اور پرورش کا ذمہ لیتا ہوں۔ تم جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نعوذ باللہ قتل کر ڈالو۔ عمیر یہ سنتے ہی جانے پہ راضی ہو گیا۔ اس نے صفوان سے

کہا۔ میرے اور تمہارے درمیان جو یہ معاملہ ہوا ہے اس کو راز میں رکھنا۔ صفوان نے وعدہ کر لیا۔ اب عمیر نے گھر جا کر اپنی تلوار نکالی اس پہ دھار لگائی، اس کو زہر میں بجھایا اور اس کے بعد مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچا۔

جب عمیر مسجد نبویؐ پہنچا تو یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور غزوۂ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ عمیر نے جونہی مسجد نبویؐ کے دروازے پر اپنی اونٹنی بٹھائی تو حضرت عمرؓ کی اس پر نظر پڑی کہ عمیر تلوار ہاتھ میں لیے اتر رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھتے ہی کہا کہ خدا کا دشمن عُمیر بن وہب ضرور کسی بُرے ارادے سے یہاں آیا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپؐ کے حجرۂ مبارک میں گئے اور عرض کیا: اے پیغمبرِ خداؐ! خدا کا یہ دشمن عُمیر بن وہب ننگی تلوار لیے آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے میرے پاس اندر لے آؤ۔ کوئی بات نہیں میرے پاس اندر لے آؤ۔ حضرت عمرؓ سیدھے عمیر کے پاس آئے اور تلوار کا جو پٹکا اس کی گردن میں پڑا ہوا تھا اس کو مضبوطی سے پکڑ کر عمیر کو لے چلے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ اس وقت وہاں جو انصاری مسلمان موجود تھے ان سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر چلو اور آپؐ کے قریب ہی بیٹھو کیونکہ اس کی طرف سے مجھے اطمینان نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں آرہے ہیں کہ ہاتھ سے عمیر کی تلوار کا وہ پٹکا مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے جو اس کی گردن میں تھا تو آپؐ نے فرمایا۔ عمر! اس کو چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: عُمیر قریب آؤ۔ چنانچہ عمیر قریب آیا اور اس نے جاہلیت کے آداب کے مطابق اَنْعَمُوْا صَبَاحًا کہتے ہوئے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمیر ہمیں اسلام نے تمہارے اس سلام سے بہتر سلام سے سرفراز فرمایا ہے جو جنت والوں کا سلام ہے۔ تم کس لیے آئے ہو؟ عمیر نے کہا میں اپنے اس قیدی یعنی اپنے بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے۔ میری درخواست ہے کہ اس کے سلسلے میں آپ لوگ اچھا اور نیک معاملہ کریں۔ آپؐ نے اس کی ننگی تلوار دیکھ کے فرمایا: پھر اس تلوار کا کیا مطلب ہے؟ عمیر نے کہا خدا اس تلوار کا ناس کرے۔ کیا آپ نے ہمیں کسی قابل چھوڑا ہے؟ اس تلوار نے پہلے کونسا ہمارا ساتھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ آپؐ کو اس کی بات پہ یقین نہیں آیا۔ عمیر نے کہا میں واقعی اس کے سوا اَور کسی ارادے سے نہیں آیا کہ اپنے قیدی کے متعلق آپ سے بات کروں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ ایک دن تم اور صَفْوَان بن امیہ حطیم کے پاس بیٹھے تھے اور قریش کے ان مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے جن کو جنگِ بدر میں قتل کر کے گڑھے میں ڈالا گیا ہے۔ اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر مجھ پر ایک قرض نہ ہوتا اور اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمدؐ کو قتل کر دیتا۔ صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تمہارا قرض اتارنے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری لے لی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے بتا دی تھیں کہ اس طرح ہوا۔ یہ سنا تو اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ عمیر فوراً بول اٹھا کہ:

مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہؐ! آپؐ کے پاس آسمان سے جو خبریں آیا

کرتی ہیں اور آپؐ پر جو وحی نازل ہوتی ہے ہم اس کو جھٹلایا کرتے تھے اور جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے تو اس وقت حطیم کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور نہ ہی کسی اَور کو ہماری اس گفتگو کی خبر ہے۔ اس لیے خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے سوا آپؐ کو اَور کوئی اس کی خبر نہیں دے سکتا۔

پس حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اسلام کی طرف ہماری راہنمائی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راہ پر چلنے کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد **عمیر نے کلمہ شہادت پڑھا۔** پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور اس کو قرآن پاک پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو۔ صحابہؓ نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی۔ پھر حضرت عمیرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مَیں ہر وقت اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے ان کو زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔ پس اب مَیں پسند کرتا ہوں کہ آپؐ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں تا کہ وہاں مکے والوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرما دے ورنہ پھر مَیں ان لوگوں کو ان کی بت پرستی کی بنا پر اسی طرح تکلیفیں پہنچاؤں گا جیسے مَیں اسلام کی وجہ سے آپؐ کے صحابہؓ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکہ جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ تکلیفیں پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ تبلیغ کے لیے۔ چنانچہ وہ مکے واپس پہنچ گئے اور ان کے بیٹے وہب بن عمیر بھی مسلمان ہو گئے۔

ادھر عمیر کے مکے سے روانہ ہونے کے بعد صفوان لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میں تمہیں ایک ایسے واقعے کی خوشخبری سناتا ہوں جو عنقریب رونما ہونے والا ہے اور اس کے نتیجے میں تم جنگِ بدر کے حادثے اور مصیبت کو بھول جاؤ گے۔ اور صفوان ہر آنے والے سوار سے عمیر کی کارگزاری کے متعلق پوچھا کرتا تھا۔ آخر ایک سوار مکے پہنچا اور اس نے صفوان کو بتایا کہ عمیر اسلام قبول کر چکے ہیں۔ صفوان نے حلف اٹھایا کہ کبھی اس سے بات نہیں کروں گا اور کبھی اس کو کوئی نفع نہیں پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد جب عمیر مکہ پہنچے تو اب وہ مسلمان ہو گئے تھے تو وہ پہلے صفوان کے گھر نہیں گئے بلکہ سیدھا اپنے گھر گئے وہاں انہوں نے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ جب صفوان کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا مَیں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کیوں وہ پہلے میرے پاس آنے کی بجائے اپنے گھر گیا ہے۔ وہ بے دین اور گمراہ ہو گیا ہے۔ مَیں اب کبھی اس سے بات نہیں کروں گا اور نہ اسے اور نہ اس کے گھر والوں کو کبھی میری ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

مشرکین بھی اپنے شرک کو دین سمجھتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کو گمراہی۔ آجکل بھی یہی حال ہے۔ اس کے بعد عمیر صفوان بن امیہ کے پاس پہنچے اور اس کو پکار کر کہا تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم پتھروں کی پوجا اور ان کے لیے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ کیا یہ کوئی دین ہوا! مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر صفوان نے عمیر کی بات کا نہ کوئی جواب دیا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 268 تا 270، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

اس واقعہ کے متعلق حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں بھی لکھا ہے کہ کفار مکہ جو اب تک صرف ظاہری زور اور گھمنڈ پر لڑ رہے تھے اب ایک کھلے میدان میں مسلمانوں سے زک اٹھا کر مخفی اور درپردہ سازشوں کی طرف بھی مائل ہونے لگ گئے۔ چنانچہ یہ تاریخی واقعہ جو جنگِ بدر کے صرف چند دن بعد وقوع میں آیا اس خطرے کی ایک بیّن مثال ہے۔ لکھا ہے کہ بدر کے چند دن بعد عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ بن خلف جو ذی اثر قریش میں سے تھے صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے اور وہی باتیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ آپؓ نے یہاں تحریر فرمائی ہیں کہ وہ یہ باتیں کر رہے تھے۔ یہی کہہ رہے تھے کہ اب تو جینے کا مزہ نہیں رہا اور عمیر نے یہ بھی کہا کہ مَیں تو اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہوں اگر میرا قرض مجھے مانع نہ ہو اور میرے بچوں کا مجھے فکر نہ ہو اور میرے ان کے پاس جانے کا ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا لڑکا ان کے پاس قید ہے تو وہاں جاکے مَیں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دوں۔ بہرحال اس کے بعد صفوان نے قرض اتارنے اور بچوں کی پرورش کرنے کے بارے میں وعدہ کیا، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپؓ نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ بہرحال اس کے بعد عمیر اپنے گھر آیا، تلوار زہر میں بجھا کر مکے سے نکل کھڑا ہوا۔ مدینے پہنچا تو حضرت عمرؓ جو اِن باتوں میں بہت ہوشیار تھے اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوئے اور فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر عرض کیا کہ عمیر آیا ہے اور مجھے اس کے متعلق اطمینان نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ حضرت عمرؓ اس کو لینے کے لیے گئے اور جاتے ہوئے صحابہؓ کو بھی کہہ گئے کہ عمیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملانے کے لیے لاتا ہوں۔ مجھے اس کی حالت کوئی مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر بیٹھ جاؤ اور چوکس رہو۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ عمیر کو ساتھ لیے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اسے نرمی کے ساتھ اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیوں عمیر کیسے آنا ہوا؟ عمیر نے کہا میرا لڑکا آپ کے ہاتھ میں قید ہے اسے چھڑانے آیا ہوں۔

پھر آپؐ نے فرمایا تو یہ تلوار کیوں حمائل کر رکھی ہے؟ یہ کیوں گلے میں ڈالی ہوئی ہے۔ اس نے کہا آپ تلوار کا کیا کہتے ہیں؟ بدر میں تلواروں نے کیا کام کیا تھا؟ بڑی ہوشیاری سے باتیں کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیسے آئے ہو؟ اس نے وہی بات کہی کہ بات وہی ہے جو مَیں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو گویا تم نے صفوان کے ساتھ مل کر صحن کعبہ میں کوئی سازش نہیں کی۔ آپؐ نے اشارہ دیا سازش کا۔ عمیر یہ بات سن کے سناٹے میں آ گیا مگر سنبھل کر بولا۔ نہیں مَیں نے کوئی سازش نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے میرے قتل کا منصوبہ نہیں کیا؟ مگر یاد رکھو! خدا تمہیں مجھ تک پہنچنے کی توفیق نہیں دے گا۔ عمیر ایک گہرے فکر میں پڑ گیا اور پھر بولا آپ سچ کہتے ہیں ہم نے واقعی یہ سازش کی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا آپ کے ساتھ ہے جس نے آپ کو ہمارے ارادوں سے اطلاع دے دی ورنہ جس وقت میری اور صفوان کی بات ہوئی تھی اس وقت وہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور شاید خدا نے یہ تجویز میرے ایمان لانے ہی کے لیے

کروائی ہے اور مَیں سچے دل سے آپ پر ایمان لاتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمیر کے اسلام سے خوش ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا۔ اب یہ تمہارا بھائی ہے اسے اسلام کی تعلیم سے آگاہ کرو اور اس کے قیدی کو چھوڑ دو۔ الغرض عمیر بن وہب مسلمان ہو گئے اور بہت جلد انہوں نے ایمان واخلاص میں نمایاں ترقی کر لی اور بالآخر نورِ صداقت کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باصرار عرض کیا کہ مجھے مکہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تا کہ میں وہاں کے لوگوں کو جا کر تبلیغ کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور عمیر نے مکہ پہنچ کر اپنے جوش تبلیغ سے کئی لوگوں کو خفیہ خفیہ مسلمان بنا لیا۔ صفوان جو دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبریں سننے کا منتظر تھا اور قریش سے کہا کرتا تھا کہ اب تم ایک خوشخبری سننے کے لیے تیار رہو۔ اس نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بے خود سا رہ گیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 374 تا 376)

بدر کے بعد بعض لوگ مسلمان بھی ہوئے لیکن منافقانہ رنگ رکھتے تھے ان میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا۔ علامہ ابن کثیر سورہ بقرہ کی آیت نو، دس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمے کو غالب کیا اور اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی تو عبد اللہ بن ابی بن سلول جو مدینے کا رئیس اور بنو خزرج میں سے تھا اور زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبائل یعنی اوس اور خزرج کا سردار تھا ان لوگوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ان پر حکومت کرے گا۔ یعنی عبد اللہ بن ابی کو اپنا سردار بنا رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی قوم تاج بنوا کر اسے بادشاہ بنانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اسی دوران بھلائی آ پہنچی یعنی اسلام کا پیغام پہنچ گیا اور لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسے بھول گئے۔ اس وجہ سے اسلام اور اہل اسلام اس کے دل میں کھٹکنے لگے۔ جب بدر کا واقعہ ہوا تو وہ کہنے لگا یہ امر تو اب غالب آتا جا رہا ہے۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ تھوڑے سے لوگ ہیں جب بدر کی جنگ جیتی گئی تو اس سے اس کو فکر پیدا ہوئی چنانچہ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا اور اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے پیروکاروں کی ایک جماعت نے بھی اسلام قبول کر لیا اور بعض اہلِ کتاب بھی ان کے ساتھ تھے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 87 زیر آیات و من الناس من یقول... وما یشعرون، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1998ء)

(سبل الھدیٰ والرشاد جلد 3 صفحہ 418 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح لکھا ہے کہ:

"ابھی تک مدینہ میں قبائل اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ شرک پر قائم تھے۔ بدر کی فتح نے ان لوگوں میں ایک حرکت پیدا کر دی اور ان میں سے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم الشان اور خارق عادت فتح کو دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے قائل ہو گئے۔ اور اس کے بعد مدینہ سے بت پرست عنصر بڑی سرعت کے ساتھ کم ہونا شروع ہو گیا مگر بعض ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں اسلام کی اس فتح نے بغض وحسد کی چنگاری روشن کر دی اور انہوں نے برملا مخالفت کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہوئے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا لیکن اندر ہی اندر اس کے استیصال کے درپے ہو ہو کر منافقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ ان مؤخر الذکر لوگوں میں زیادہ ممتاز عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا جو قبیلہ خزرج کا ایک نہایت نامور رئیس تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ

میں تشریف لانے کے نتیجہ میں اپنی سرداری کے چھینے جانے کا صدمہ اٹھا چکا تھا۔ یہ شخص بدر کے بعد بظاہر مسلمان ہو گیا لیکن اس کا دل اسلام کے خلاف بغض وعداوت سے لبریز تھا اور اہلِ نفاق کا سردار بن کر اس نے مخفی مخفی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ بعد کے واقعات سے پتہ لگے گا کہ کس طرح یہ شخص بعض اوقات اسلام کے لئے نہایت نازک حالت پیدا کر دینے کا باعث بنا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 376-377)

اس کی ایک لمبی ایک علیحدہ تاریخ ہے۔

غزوۂ بنو سُلَیم یا قَرْقَرَۃُ الکُدْر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر سے لَوٹے تو چند ہی دنوں بعد آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنو سُلَیم اور بنو غطفان کے لوگ قَرقَرۃُ الکُدر کے مقام پر جمع ہیں اور مدینے پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ قَرقَرۃ الکُدر ایک چٹیل میدان میں ایک چشمہ تھا اس کا نام ہے۔ یہ ادھر نجد کے راستے میں مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر مدینے سے چھیانوے میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ بہرحال یہ خبر ملتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ بنو سلیم اور بنو غطفان کی طرف از خود فوری پیش قدمی کر کے ان کے فاسد ارادوں کو خاک میں ملا دینا چاہیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو صحابہؓ کا لشکر لے کر بنفس نفیس قَرقَرۃ الکُدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جنگ کے لیے روانگی کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ ابن اسحاق کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپسی کے سات دن بعد آخر رمضان یا شروع شوال دو ہجری میں اس مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے غزوۂ بنو سلیم چھ جمادی الاولیٰ کو پیش آیا۔ واقدی کے مطابق غزوہ نصف محرم تین ہجری میں پیش آیا۔ واقدی کی زیادہ روایات عموماً کمزور ہی ہوتی ہیں۔ اس غزوے کی قیادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار حضرت علیؓ تھے اور اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

(سیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 281، غزوہ سُلیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

(الطبقات الکبریٰ جلد2 صفحہ 27 ،غزوۃ رسول اللہ بنی سلیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

(السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق جلد 1 صفحہ 319 غزوہ سُلیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 182، غزوۃ قرارۃ الکُدر، عالم الکتب بیروت 1984ء)

(فرہنگ سیرت صفحہ242،معجم البلدان جلد 4 صفحہ 501،المنجدصفحہ33 زیر مادہ " برد" و"قرقر"صفحہ624)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کو اپنی نیابت کا شرف عطا فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعے پر حضرت سِبَاعْ بن عُرْفُطَہ غِفَارِیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ بہرحال ان دونوں باتوں کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ انتظامی فیصلوں کے لیے حضرت سِبَاعؓ کو نیابت سونپی اور حضرت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کو حسبِ معمول نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔

(سیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 280، غزوہ سُلیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

بہرحال دشمن کو جب پتہ لگا کہ اسلامی لشکر آ رہا ہے۔ بنو سلیم اور بنو غطفان کے لوگوں کو اچانک یہ خبر پہنچی کہ تین سو لوگ آ رہے ہیں تو ان کے لیے یہ بڑا غیر متوقع تھا۔ خوفزدہ ہو کر وہ لوگ وہاں سے دوڑ گئے اور

پہاڑوں کی چوٹیوں کے اوپر جا پہنچے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد2 صفحہ 26 ،غزوۃ رسول اللہ بنی سلیم، دارالکتب العلمیۃ بیروت1990ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ وادی کدر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹوں کے قدموں کے نشان کے علاوہ پانی کے گھاٹ بھی نظر آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس علاقے میں دشمن کا ایک آدمی بھی نہیں ملا۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 182، غزوۃ قرارۃ الکُدر، عالم الکتب بیروت1984ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کا ایک دستہ وادی کی بالائی جانب روانہ فرمایا اور خود کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قبائل کے کچھ چرواہے ملے ان میں یسار نامی ایک غلام بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بنو سلیم اور غطفان کے لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ مَیں تو بس اونٹوں کو پانی پلاتا ہوں۔ کچھ کو پانچویں دن کچھ کو چوتھے دن باری آتی ہے اور مقامی لوگ چشموں کی طرف اوپر چڑھ گئے ہیں جبکہ ہم اونٹوں کے ریوڑ کے ساتھ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ بہرحال یہ لوگ کیونکہ جنگ کے ارادے سے آئے ہوئے تھے، ان کا سامان تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں اور چرواہوں کو حراست میں لے لیا۔ تین رات آپؐ نے وہاں قیام فرمایا ایک روایت کے مطابق دس راتیں آپؐ مقیم رہے۔ جتنا عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قیام پذیر رہے کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی لڑائی کے فتحیاب ہو کر واپس آ گئے۔

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جلد 2 صفحہ 345، غزوۃ بنی سُلیم، دارالکتب العلمیۃ بیروت1996ء)

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اونٹ بطور مالِ غنیمت ملے ان کی تعداد پانچ سو تھی۔ کیونکہ یہ لوگ جنگ کی غرض سے آئے ہوئے تھے اور اپنا مال وہاں چھوڑ گئے تھے۔ اس لیے اس وقت کے رواج کے مطابق یہ جائز تھا کہ ان کا وہ مال لے آیا جائے۔ وہ مالِ غنیمت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خمس نکالا۔ بقیہ چار سو مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ ہر مجاہد کو دو دو اونٹ ملے۔ یہ لشکر دو سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ یسار آپؐ کے حصے میں آیا تو آپؐ نے اسے آزاد کر دیا۔ چرواہا جو تھا اسے آپؐ نے آزاد کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مہم کے لیے پندرہ روز تک مدینے سے باہر رہے۔

(سبل الھدیٰ و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد4 صفحہ 172، دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

اس کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں اس طرح لکھی ہے کہ:

”ہجرت کے بعد قریشِ مکہ نے مختلف قبائلِ عرب کا دورہ کر کے بہت سے قبائل کو مسلمانوں کا جانی دشمن بنا دیا تھا۔ ان قبائل میں طاقت اور جتھے کے لحاظ سے زیادہ اہم عرب کے وسطی علاقہ نجد کے رہنے والے دو قبیلے تھے جن کا نام بنو سُلیم اور بنو غطفان تھا اور قریش مکہ نے ان دو قبائل کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ساتھ گانٹھ کر مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا تھا، چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ قریش مکہ نے اب اپنی توجہ اس نجدی علاقہ کی طرف پھیری

اوراس علاقہ کے قبائل کے ساتھ آگے سے بھی زیادہ گہرے تعلقات قائم کر لئے اور اس وقت کے بعد قبائل سلیم وغطفان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سخت دشمن ہو گئے اوران کی اس دشمنی نے مسلمانوں کے خلاف عملی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ قریش کی اشتعال انگیزی اور ابوسفیان کے عملی نمونہ کے نتیجہ میں انہوں نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تجویز پختہ کر لی۔" یہ مستشرق ہے، اس نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر مدینے پر حملہ کرنا چاہتے تھے اس لیے جو بھی سلوک ان کے ساتھ ہوا اور جو مال غنیمت لائے وہ بالکل جائز تھا۔ بہر حال آگے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ:

"چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو ابھی آپؐ کو مدینہ میں پہنچے ہوئے صرف چند دن ہی ہوئے تھے کہ آپؐ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ قبائل سُلَیم وغَطفان کا ایک بڑا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کی نیت سے قَرقرہ الکُدر میں جمع ہو رہا ہے۔ جنگِ بدر کے اس قدر قریب اس اطلاع کا آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب قریش کا لشکر مسلمانوں کے خلاف حملہ آور ہونے کی نیت سے مکہ سے نکلا تھا تو رؤساء قریش نے اسی وقت قبائل سُلَیم وغطفان کو یہ پیغام بھیج دیا ہو گا کہ تم دوسری طرف سے مدینہ پر حملہ آور ہو جاؤ۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کے ساتھ بچ کر نکل گیا، تو اس نے کسی قاصد وغیرہ کے ذریعہ ان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف نکلنے کی تحریک کی ہو۔ بہر حال ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہنچے ہی تھے کہ یہ وحشت ناک اطلاع موصول ہوئی کہ قبائل سُلَیم وغطفان مسلمانوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خبر سن کر آپ فوراً صحابہؓ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر پیش بندی کے طور نجد کی طرف روانہ ہو گئے لیکن جب آپؐ کئی دن کا تکلیف دہ سفر طے کر کے موضع الکُدر کے قَرقَرہ یعنی چٹیل میدان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ بنو سلیم اور بنو غطفان کے لوگ لشکر اسلام کی آمد آمد کی خبر پا کر پاس کی پہاڑیوں میں جا چھپے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں مسلمانوں کا ایک دستہ روانہ فرمایا اور خود بطن وادی کی طرف بڑھے مگر ان کا کچھ سراغ نہیں ملا۔ البتہ ان کے اونٹوں کا ایک بڑا گلہ ایک وادی میں چرتا ہوا مل گیا جس پر قوانین جنگ کے ماتحت" جو اس وقت کے قوانینِ جنگ تھے "صحابہؓ نے قبضہ کر لیا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس لوٹ آئے۔ ان اونٹوں کا چرواہا ایک یسار نامی غلام تھا جو اونٹوں کے ساتھ قید کر لیا گیا تھا۔ اس شخص پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ عادت اسے بطور احسان کے آزاد کر دیا مگر وہ مرتے دم تک آپؐ کی خدمت سے جدا نہیں ہوا۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 452، 453)

پھر مسلمانوں کی پہلی عید الفطر کے بارے میں جو شوال دو ہجری میں ہوئی اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہجرت کے دوسرے برس ماہ رمضان کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عید الفطر ادا فرمائی۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 362 مطبوعہ دار المعارف لاہور 2022ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ دَورِ جاہلیت میں تم جو دو دن خوشیاں منایا کرتے تھے ان

کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ وہاں کے رہنے والوں نے عرض کیا کہ اس سے پہلے ہم یہ تہوار بالکل اسی طرح منایا کرتے تھے جواب بھی رائج ہیں۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان دو تہواروں سے بہتر دن تمہارے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے بصد اشتیاق پوچھا وہ کون سے دن ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید الفطر اور عید الاضحی۔ ان دنوں میں کوئی روزہ نہ رکھے بلکہ کھائے پیئے اور خوشیاں منائے۔ ان دونوں عیدوں میں آپؐ عید گاہ تشریف لے جاتے۔ عید گاہ مدینے کے مشرقی حصے کی طرف تھی۔ آپؐ عید کے دن عید گاہ ایک راستے سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے اس سے جلوس کی شکل ہو جاتی اور غیر مسلموں پر رعب طاری ہوتا۔ ایک بار عید الفطر کی نماز آپؐ نے مسجد نبوی میں بھی پڑھائی کیونکہ اس نماز کے وقت بارش بہت تیز ہوئی تھی۔

(سیرت النبی ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا از سید قاسم محمود جلد اوّل صفحہ 411، مکتبہ الفیصل لاہور 2014ء)

اس عید کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ عید الفطر کے ضمن میں یہ جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

"رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد رمضان کا آخر آیا تو آپؐ نے خدا سے حکم پاکر صدقۃ الفطر کا حکم جاری فرمایا کہ ہر مسلمان جسے اس کی طاقت ہو اپنی طرف سے اور اپنے اہل و عیال اور توابع کی طرف سے فی کس ایک صاع کے حساب سے کھجور یا انگور یا جو یا گندم وغیرہ بطور صدقہ عید سے پہلے ادا کرے اور یہ صدقہ غرباء اور مساکین اور یتامیٰ اور بیوگان وغیرہ میں تقسیم کر دیا جاوے تا کہ ذی استطاعت لوگوں کی طرف سے عبادت صوم کی کمزوریوں کا کفارہ ہو جاوے اور غرباء کے لئے عید کے موقعہ پر ایک امداد کی صورت نکل آئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر عید رمضان سے پہلے صدقہ الفطر باقاعدہ طور پر ہر چھوٹے بڑے مرد عورت مسلمان سے وصول کیا جاتا تھا اور یتامیٰ اور غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عید الفطر بھی اسی سال شروع ہوئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو جانے پر شوال کی پہلی تاریخ کو مسلمان عید منایا کریں۔ یہ عید اس بات کی خوشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان کی عبادت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مگر کیا شان دلربائی ہے کہ آپؐ نے اس خوشی کے اظہار کے لئے بھی ایک عبادت ہی مقرر فرمائی۔ چنانچہ حکم دیا کہ عید کے دن تمام مسلمان کسی کھلی جگہ جمع ہو کر پہلے دو رکعت نماز ادا کیا کریں اور پھر اس نماز کے بعد بے شک جائز طور پر ظاہری خوشی بھی منائیں کیونکہ روح کی خوشی کے وقت جسم کا بھی حق ہے کہ وہ خوشی میں حصہ لے۔ دراصل اسلام نے ان تمام بڑی بڑی عبادتوں کے اختتام پر جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، عیدیں رکھی ہیں، چنانچہ نمازوں کی عید جمعہ ہے جو گویا ہر ہفتہ کی نمازوں کے بعد آتا ہے اور جسے اسلام میں ساری عیدوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ پھر روزوں کی عید عید الفطر ہے جو رمضان کے بعد آتی ہے اور حج کی عید عید الاضحی ہے جو حج کے دوسرے دن منائی جاتی ہے اور یہ ساری عیدیں پھر خود اپنے اندر ایک عبادت ہیں۔ الغرض اسلام کی عیدیں اپنے اندر ایک عجیب شان رکھتی ہیں اور ان سے اسلام کی حقیقت پر بڑی روشنی پڑتی اور یہ اندازہ کرنے کا موقعہ ملتا ہے کہ کس طرح اسلام مسلمانوں کے ہر کام کا ذکر الٰہی کے ساتھ پیوند کرنا چاہتا ہے۔"

پس یاد رکھنا چاہیے کہ عیدوں کی یہ اہمیت ہے کہ ہمیشہ صرف خوشیاں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہونا چاہیے اور عبادت بھی ہونی چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ ”مجھے تاریخ سے ہٹنا پڑتا ہے ورنہ میں بتاتا کہ کس طرح اسلام نے ایک مسلمان کی ہر حرکت وسکون اور ہر قول وفعل کو خدا کی یاد کا خمیر دیا ہے۔ حتیٰ کہ روزمرہ کے معمولی اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، نہانے دھونے، کپڑے بدلنے، جوتا پہننے، گھر سے باہر جانے، گھر کے اندر آنے، سفر پر جانے، سفر سے واپس آنے، کوئی چیز بیچنے، کوئی چیز خریدنے، بلندی پر چڑھنے، بلندی سے اترنے، مسجد میں داخل ہونے، مسجد سے باہر آنے، دوست سے ملنے، دشمن کے سامنے ہونے، نیا چاند دیکھنے، بیوی کے پاس جانے، غرض ہر کام کے شروع کرنے اور ختم کرنے حتیٰ کہ چھینک اور اباسی تک لینے کو کسی نہ کسی طرح خدا کے ذکر کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔“ پس یہ اسلام کی تعلیم ہے جسے ہمیشہ ہر حقیقی مسلمان کو سامنے رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر بات میں ہمارے سامنے ہونا چاہیے۔ ”اس حالت میں اگر مشرکین عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق، جو دراصل اس تعلیم کے لانے والے لیکن کفار کے خیال میں اس تعلیم کے بنانے والے تھے، یہ کہتے ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا جنون ہو گیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ واقعی ایک دنیادار کو یہ باتیں جنون کے سوا اَور کچھ نظر نہیں آسکتیں مگر جس نے اپنی ہستی کی حقیقت کو سمجھا ہے وہ جانتا ہے کہ زندگی اسی کا نام ہے۔“

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 337-338)

حقیقی زندگی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد ہمیشہ انسان کو رہے۔ اس عرصے میں جنگِ بدر کے بعد اور احد سے پہلے دو مشتبہ واقعات کا بھی ذکر ملتا ہے جن کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے، اور صاف پتہ لگ رہا ہے کہ **من گھڑت کہانی ہے۔ پہلا واقعہ عَصْمَاء بنت مروان کا قتل ہے۔** یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا قتل کیا گیا اور اس کی تفصیل میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عُمَیر بن عَدِی خِطْمِیؓ ایک نابینا صحابی تھے۔ حضرت عمیرؓ قبیلہ بنو خِطْمہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ رمضان کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُمیر بن عدی خِطْمِیؓ کو عَصماء بنت مروان کی طرف بھیجا جو یہودی عورت تھی اور مَرثَد بن زید بن حِصْن انصاریؓ کی بیوی تھی جو مسلمان ہو گئے تھے۔ عَصماء بنت مروان کے قتل کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ اسلام کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس لیے بھیجا کہ اسلام کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو ابھارتی تھی اور اشعار کہتی تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ عورت گندے کپڑے مسجد نبویؐ میں لے جا کر ڈال دیا کرتی تھی۔ اس کہانی کو بنانے کے لیے اس روایت میں یہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچایا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ رات کے اندھیرے میں اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ بقول ان کے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو رات کے اندھیرے میں اس عورت کے گھر گئے، اس کی اولاد اس کے ارد گرد سوئی ہوئی تھی اور ایک بچے کو وہ دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے اسے ٹٹولا اور اس بچے کو اس سے دُور کیا اور اپنی تلوار اس کے سینے پر رکھ کر پورا زور ڈال دیا یہاں تک کہ تلوار اس کی کمر سے پار ہو کر نکل گئی۔ اس کے بعد عمیر بن عدی نے مدینے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عمیر پر پڑی۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ کیا اس کے قتل کے نتیجہ میں مجھ پر کوئی گناہ ہوا ہے؟ اب یہ پوچھ رہے ہیں۔ ایک طرف تو لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا تھا۔ اب یہ پوچھ رہے ہیں کیا قتل کے نتیجے میں مجھے گناہ ہوا ہے۔ آپؐ نے جواب میں عربی کا ایک غیر معروف محاورہ بولا اور فرمایا۔ لَا یَنْتَطِحُ فِیھَا عَنْزَانِ، اس کی وجہ سے تو دو بکریاں بھی باہم نہ لڑیں گی۔ یعنی اس عورت کا قتل اتنا حقیر اور معمولی ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔ لکھتے ہیں یہ کلمہ یا محاورہ ان کلمات میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی زبان سے نہیں سنے گئے۔ یہی ایک روایت یہاں ملتی ہے۔ بہر حال اس واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُمیر کا نام بصیر یعنی بینا رکھ دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا اس اندھے کی طرف دیکھو جس نے اطاعتِ الٰہیہ میں رات بسر کی ہے۔ آپؐ نے اسے فرمایا انہیں اندھا نہ کہو بلکہ انہیں بصیر کہو۔

ایک روایت میں عَصمَاء کے قتل کا واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عَصمَاء بنت مروان کے قتل کا ارادہ کیا تو لوگوں سے فرمایا کیا کوئی شخص ہے جو ہمیں اس عورت سے نجات دلا سکے؟ اس پر عمیر بن عدی نے کہا کہ اس کا کام تمام کرنا میرے ذمہ ہے۔ اس کے بعد یہ عَصمَاء کے پاس پہنچے۔ وہ عورت کھجور فروخت کر رہی تھی۔ عمیر نے اس کے سامنے رکھی کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا تمہارے پاس ان کھجوروں سے اچھی کھجوریں ہیں؟ اس نے کہا ہاں اور وہ یہ کہہ کر اپنے مکان کے اندر گئی اور کھجوریں اٹھانے کے لیے جھکی۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے دائیں بائیں دیکھا۔ مَیں نے اس کے سر پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اگر تم ایسے شخص کی طرف دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عَصمَاء بنت مروان کا خون جائز قرار دیا تو حضرت عمیرؓ نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگِ بدر سے خیریت کے ساتھ مدینہ پہنچنا نصیب فرمایا تو میں عَصمَاء کو قتل کروں گا یعنی بدر کی جنگ میں جانے سے پہلے یہ حکم دیا تھا اور انہوں نے کہا کہ جنگ سے واپسی پر مَیں قتل کر دوں گا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے کامیاب و کامران ہو کر مدینہ منورہ واپس آ گئے تو حضرت عمیرؓ نے اپنی منت پوری کرنے کے لیے عَصمَاء کے گھر جا کر اس کو قتل کیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عَصمَاء بنت مروان کو قتل کرنے کے بعد جب حضرت عمیرؓ اس محلے میں واپس آئے تو اس عورت کے بیٹے ایک گروہ کے ساتھ اپنی ماں کو دفن کر رہے تھے۔ عمیر کو دیکھ کر انہوں نے کہا عمیر کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چلو پھر مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے اگر تم سارے مل کر بھی وہی باتیں کہو جو یہ عورت کہا کرتی تھی تو تم سب کی گردنیں اپنی اس تلوار سے اڑانا شروع کر دوں گا یہاں تک کہ یا تو

میں شہید ہو جاؤں گا یا تمہیں واصل جہنم کر دوں گا۔ اس روز سے قبیلہ بنو خِطمَہ میں کھل کر اسلام پھیلنے لگا ورنہ اس سے پہلے ان میں جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی اپنا مسلمان ہونا چھپایا کرتے تھے۔ علامہ سُہَیلی نے لکھا ہے کہ عَصماء کو قتل کرنے والے اس کے شوہر تھے اور کتاب استیعاب میں حضرت عمیرؓ کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو بھی قتل کیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی مگر استیعاب میں عمیر کی بہن کا نام مذکور نہیں۔

(سیرت حلبیہ (مترجم) جلد 3 صفحہ 482 تا 485، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی 2009ء)

(سبل الھدٰی والرشاد جلد6 صفحہ21، دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

تو یہ ساری کہانی بیان کی گئی ہے۔ تاریخ و سیرت کی بعض کتب میں یہ واقعہ ملتا ہے لیکن صحاحِ سِتّہ اور حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے کے بعض لوگوں نے اس طرح کے فرضی اور من گھڑت واقعات کو نہ صرف اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے بلکہ توہینِ رسالت کی سزا کے ضمن میں دلیل کے طور پر پیش کرنے لگ گئے ہیں اور آجکل کے مُلّاں اس بات کو لے کے یہی تو دلیل دیتے ہیں کہ جو توہین رسالت کرے اس کو قتل کر دو جبکہ توہین رسالت کی کسی قسم کی کوئی ایسی سزا شریعت اسلام میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کے واقعات کی کوئی حقیقت ہے۔ مثلاً جب ہم اس واقعہ کا تجزیاتی مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوّل تو سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے اور علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ناصر الدین البانی نے اسے اپنی کتاب سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة میں لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی محمد بن عمر واقدی ہے جو کذاب ہے اور ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(سلسلة الاحاديث الضعيفة و الموضوعة جلد 13 صفحہ 34-35 روایت نمبر 6013 مکتبہ المعارف الریاض 2004ء)

اس کے علاوہ درایت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس روایت کے بارے میں کئی سوالات اٹھتے ہیں۔ مثلاً صحابی نابینا ہونے کے باوجود اس عورت کے گھر تک اکیلے کیسے پہنچے؟ وہ یہ کہہ دیں کہ جی پہلے جاتے ہوں گے تو راستہ دیکھا ہوا تھا۔ باقاعدہ جاتے ہوں تو پھر راستہ ٹٹول کے پہنچ گئے لیکن عین رات کو اکیلے وہاں پہنچ بھی گئے، دروازہ پر بھی پہنچ گئے، اندر بھی چلے گئے۔ پھر یہ کہ عورت کو رات کے اندھیرے میں کیسے ڈھونڈ نکالا؟ یہ پتہ کس طرح لگا کہ ارد گرد اس کے بچے بھی سو رہے ہیں؟ چلو ہر ایک کو ٹٹولتے رہے اور پھر پتہ لگا اور اس ٹٹولنے کے دوران میں کوئی نہ جاگا۔ ٹٹول کر یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پھر اس مقتولہ نے موت کو سامنے دیکھ کر بھی نابینا سے اپنے دفاع یا بچے کو بچانے کے لیے کوئی کوشش یا مزاحمت نہیں کی حالانکہ قاتل نے روایت کے مطابق اس دودھ پیتے بچے کو زبردستی الگ کیا تھا۔ وہ نابینا تھے اور عورت کی آنکھیں تھیں تب بھی اس نے نہ شور مچایا نہ کوئی مزاحمت کی۔ اس کا شوہر بھی وہاں سو رہا تھا اس کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نابینا صحابی کو کوئی آواز دیے بغیر کیسے پتہ چل گیا کہ وہی عورت عصماء بنت مروان ہی تھی، عمومی طور پر نابینا آوازوں سے پہچانتے ہیں۔ ایک دوسری روایت جو ہے۔ کہانیاں بھی مختلف ہیں ناں۔ اب دوسری کہانی میں یہ ہے کہ وہ عورت جب کھجور

لینے اندر گئی تو صحابی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ صحابی تو نابینا تھے۔ اس صورت میں اِدھر اُدھر کیسے دیکھ سکتے تھے اور کیسے کہہ سکتے تھے کہ مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا بلکہ پہلے سے پڑی ہوئی کھجوروں کو دیکھ کر یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ کھجوریں عمدہ نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہاتھ لگا کے دیکھا تھا تو چلو ٹھیک ہے لیکن اِدھر اُدھر دیکھنے والی بات تو بہر حال ہے ناں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب وہ صحابی اس عورت کو قتل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اس کے قتل کی اطلاع دی اور جب دوبارہ وہاں واپس لَوٹے تو وہاں اس عورت کے بیٹے اسے دفن کر رہے تھے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اِدھر وہ اسے قتل کرے اُدھر اس کے بیٹے اسے کچھ ہی دیر میں دفن بھی کرنے آ جائیں۔ تھوڑے سے وقفے میں فوری سارے کام ہو گئے۔ ہمارے لوگوں کی یہ بھی تحقیق ہے اور یہ بیان کر دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ دیگر اختلافات جو اس واقعہ کا فرضی اور من گھڑت ہونا ثابت کرتے ہیں ان میں یہ ہے کہ اکثر روایات میں عورت کا نام عَصمَاء بنت مروان درج ہے جبکہ مصنف الاستیعاب کے نزدیک وہ عَصمَاء نہیں بلکہ عُمیر کی بہن بنت عدی تھی۔

(الاستیعاب فی معرفة الاصحاب جلد 3 ذکر عمیر بن عدی الخطمی صفحہ 291 مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت2002ء)

دوسرے یہ کہ قاتل کا نام اکثر جگہوں پہ عُمیر بن عدی آیا ہے لیکن بعض جگہ عمرو بن عدی بھی آیا ہے۔

(جوامع السیرة لابن حزم صفحہ19 دارالکتب العلمیة بیروت2003ء)

جبکہ ابن دُرَید کے نزدیک قاتل کا نام غِشْمِیْر تھا۔

(شرح زرقانی علی المواھب اللدنیہ جزء2صفحہ342 دارالکتب العلمیة بیروت1996ء)

بعض اَور روایات کے مطابق مذکورہ بالا میں سے کوئی بھی قاتل نہیں تھا بلکہ اس عورت کی قوم کے کسی شخص نے اسے قتل کیا تھا جبکہ وہ کھجور بیچ رہی تھی۔

(شرح زرقانی علی المواھب اللدنیہ جزء2صفحہ344 دارالکتب العلمیة بیروت،1996ء)

ابن سعد کے مطابق قتل کا وقت رات کا درمیانی حصہ ہے جبکہ زرقانی کی روایت میں دن یا شام کا وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ روایت کے مطابق اس وقت مقتولہ کھجوریں بیچ رہی تھی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 21 دارالکتب العلمیة بیروت1990ء)

(ماخوذ از شرح زرقانی علی المواھب اللدنیہ جزء2صفحہ344 دارالکتب العلمیة بیروت 1996ء)

پھر اس واقعہ کے طریقِ واردات میں بھی اختلاف ہے۔ مقتولہ کا گلا دبایا گیا۔ اس کے پیٹ میں خنجر وغیرہ گھونپ کر اسے قتل کیا گیا۔ اسے رات سوتے میں قتل کیا گیا یا اسے کھجوریں لینے کے بہانے اس کے گھر جا کر گلا دبایا گیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ سیرت ابنِ ہشام کے مطابق جب ابو عَفَک کو قتل کر دیا گیا تو وہ منافق ہو گئی۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ پہلے مسلمان تھی اور ابو عَفَک کے قتل کا سن کر منافق ہو گئی۔ اگر اس سے پہلے مسلمان تھی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کیسے ہجو لکھ سکتی تھی اور مسجد کی بے حرمتی کیسے کر سکتی تھی۔

واقدی کی روایت کے مطابق عمیر نے کہا اے اللہ! مجھ پر تیرے لیے نذر ہے کہ اگر مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ واپس گیا تو مَیں ضرور اسے قتل کروں گا جبکہ دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف کے بقول وہ نابینا تھے اور اس وجہ سے غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے اور اسی مصنف نے اس واقعہ کے تناظر میں واقدی کے قول کا ذکر کیا ہے کہ وہ نابینا ہونے کے باوجود جہاد میں حصہ لیتے تھے۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ صفحہ 428-429 دارالمعارف لاہور 2022ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 161 دارالکتب العلمیۃ بیروت 2013ء)

خود ہی غلط قسم کی روایات خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اگر یہ فرضی اور من گھڑت واقعہ نہیں ہے تو تاریخ و سیرت کی بعض کتب مثلاً تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر وغیرہ نے اس واقعے کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ صرف چند کتب مثلاً طبقات الکبریٰ ابن سعد وغیرہ نے سرسری سا ذکر کیا ہے جبکہ چند نے سرے سے ہی اس واقعہ کا تذکرہ تک نہیں کیا لیکن واقدی نے اس واقعہ کا ذکر نسبتاً تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کتبِ احادیث میں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا حالانکہ مصنفین کتبِ احادیث نے ان تمام روایات کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوئی ہیں تو پھر اس واقعہ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس روایت کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس صحابی کو اس عورت کے قتل کے لیے بھیجا تھا تو پھر صحابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے پوچھنے کا کیا مطلب ہے کہ مجھے اس کے قتل کرنے سے گناہ تو نہیں ملے گا جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا۔ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہود لازماً یہ کہتے کہ عملی طور پر مسلمانوں نے پہلے عَصماء بنت مروان کا قتل کر کے عہد کو توڑا ہے اور مدینے کے امن کو خراب کرنا چاہا ہے جبکہ مؤرخین مثلاً الروض الانف اور تاریخ الطبری کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کی پہلی مخاصمت غزوۂ بنو قینقاع ہے۔

(الروض الانف جلد 3 صفحہ 225، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 48، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2012ء)

خود یہودیوں کا تو کوئی ردّ عمل ایسا نہیں ہے لہٰذا یہ امور اس واقعے کو بہت زیادہ مشتبہ بلکہ غلط ثابت کرتے ہیں۔ شدّت پسند مُلّاں نے ان واقعات کو اہمیت دے کر اسلام کی خوبصورت تعلیم کو بدنام کیا ہے اور آجکل اسی طرح من گھڑت کہانیاں بنا کر یہ مولوی احمدیوں کے خلاف بھی شدّت پسندی کے اظہار کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ دوسرا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہی ہے وہ ان شاء اللہ آئندہ بیان کروں گا۔ وہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ غلط ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 20/ اکتوبر 2023ء (خصوصی اشاعت بابت سیرت النبیؐ) جلد 30 شمارہ 203 صفحہ 20 تا 07)

40

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 06/ اکتوبر 2023ء بمطابق 06/ اخاء 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

عصماء کے قتل کا واقعہ جو گذشتہ خطبے میں بیان کیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے۔ دوسرا واقعہ بھی محض ایک من گھڑت کہانی لگتی ہے۔ یہ **دوسرا واقعہ ابو عفک یہودی کا قتل ہے۔** یہاں لکھا ہے کہ سیرت کی کتب میں ایک اَور فرضی واقعہ ابو عفک یہودی کے قتل کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے جو بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کون ہے جو میرے لیے اس خبیث یعنی ابو عفک سے نپٹ سکتا ہے؟ یعنی کون ہے جو اس کا کام تمام کر سکتا ہے اس کو مار سکتا ہے؟ یہ شخص یعنی ابو عفک بہت زیادہ بوڑھا آدمی تھا یہاں تک کہ کہا جاتا ہے اس کی عمر ایک سو بیس برس ہو چکی تھی مگر یہ شخص لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا اور اپنے شعروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی اور گستاخی کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت سالم بن عمیرؓ اٹھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے حد رویا کرتے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ غرض انہوں نے عرض کیا مجھ پر نذر یعنی منّت ہے کہ میں یا تو ابو عفک کو قتل کر ڈالوں گا اور یا اس کوشش میں اپنی جان دے دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت سالم بن عمیرؓ موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔ ایک روز جبکہ رات کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی تو ابو عفک اپنے گھر کے صحن میں سویا جو اس کے مکان کے باہر تھا۔ حضرت سالمؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت سالمؓ نے اپنی تلوار ابو عفک کے جگر پر رکھی اور اس پر پورا دباؤ ڈال دیا یہاں تک کہ تلوار اس کے پیٹ میں پار ہو کر بستر میں بندھ گئی اور ساتھ ہی خدا کے دشمن ابو عفک نے ایک بھیانک چیخ ماری۔ حضرت سالمؓ اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر وہاں سے چلے آئے۔ ابو عفک کی چیخ سن کر فوراً ہی لوگ دوڑ پڑے اور اس کے کچھ ساتھی اسی وقت اسے اٹھا کر مکان کے اندر لے گئے مگر وہ خدا کا دشمن اس کاری زخم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد3صفحہ300، دارالمعرفہ بیروت2012ء)

ایک سیرت کی کتاب میں یہ واقعہ اس طرح لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ واقعہ بھی کسی معتبر سند سے مروی نہیں ہے۔ صحاح ستّہ میں بھی یہ مذکور نہیں۔ سیرت کی بعض کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے جیسے سیرت الحلبیہ،

شرح زرقانی، طبقات الکبریٰ لابن سعد، سیرت النبویہؐ لابن ہشام، البدایہ والنھایہ، کتاب المغازی للواقدی اور سبل الھدیٰ والرشاد وغیرہ میں لیکن تاریخ کی اکثر کتب میں یہ واقعہ درج نہیں ہے۔ مثلاً الکامل فی التاریخ، تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون وغیرہ جبکہ تاریخ کی بعض کتب جیسا پہلے بیان ہوا ہے مثلاً تاریخ الخمیس میں یہ واقعہ درج ہے۔

اس واقعہ کے متعلق بھی واقعہ عصماء کی طرح یہ شہادت بیان کی جاتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں لوگوں کو ابھارا کرتا تھا۔ جنگِ بدر کے بعد یہ بغض و حسد میں مزید بڑھ گیا اور کھلم کھلا باغی ہو گیا۔ قتل ابو عفک والی روایت کے اندرونی تضادات بھی اس واقعے کو مشتبہ کر دیتے ہیں مثلاً نمبر ایک قاتل میں اختلاف۔ ابن سعد اور واقدی کے نزدیک ابو عفک کے قاتل سالم بن عمیر تھے جبکہ بعض دیگر روایات میں سالم بن عمر کا ذکر ہے جبکہ ابن عُقبہ کے نزدیک سالم بن عبد اللہ بن ثابت انصاری نے اسے قتل کیا۔ دوسرے یہ کہ قتل کے سبب میں اختلاف ہے۔ ابن ہشام اور واقدی کے نزدیک سالم نے خود جوش میں آکر اسے قتل کیا جبکہ بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسے قتل کیا گیا۔

(شرح زرقانی جزء2صفحہ347 دارالکتب العلمیۃ بیروت1996ء)

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 887 دارالکتب العلمیۃ بیروت2001ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 163 دارالکتب العلمیۃ2013ء)

(سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد 6 صفحہ 23، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

ابن ہشام نے اس طرح لکھا ہے۔ ایک تیسری بات مذہب کے اختلاف کے بارے میں ہے۔ ابن سعد کے نزدیک ابو عفک یہودی تھا جبکہ واقدی کے نزدیک یہ یہودی نہیں تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 21، دارالکتب العلمیۃ بیروت1990ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 163 دارالکتب العلمیۃ2013ء)

پھر زمانہ قتل میں بھی اختلاف ہے۔ واقدی اور ابن سعد کے نزدیک یہ واقعہ عصماء بنت مروان کے قتل کے بعد کا واقعہ ہے جبکہ ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ کے نزدیک یہ واقعہ عصماء کے قتل سے پہلے کا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ20 21-، دارالکتب العلمیۃ بیروت1990ء)

(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ161، 163، دارالکتب العلمیۃ2013ء)

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 886-887، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

ان واضح اختلافات سے بھی ظاہر ہے کہ یہ محض بناوٹی اور جعلی قصہ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر بفرض محال ابو عفک کا قتل ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کے دیگر جرائم سربراہ مملکت کو قتل کرنے پر اکسانا، ہجو یہ شعر کہہ کر جنگ پر ابھارنا، امنِ عامہ کو خطرے میں ڈالنا اور جنگ کی آگ بھڑکانا ہی سزائے موت کے لیے کافی ہیں جن پر آج کل بھی سزائے موت دی جاتی ہے جب حکومت کے خلاف بغاوت ثابت ہو جائے۔ محض گالیاں دینا اس قتل کی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عصماء کے واقعہ کی طرح یہاں بھی ابو عفک کے قتل کے بعد یہود کا کوئی ردّ عمل ثابت نہیں ہے۔ اس کے قتل پہ یہود کا کوئی ردّ عمل ہونا چاہیے تھا لیکن کوئی ردّ عمل ثابت نہیں ہے۔ پس ان کا خاموش رہنا اس واقعے کے فرضی ہونے پر دلیلِ قاطعہ ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ان واقعات کا زمانہ جنگِ بدر

سے قبل یا معاً بعد کا بیان کیا جاتا ہے کہ فوری پہلے ہوا ہے یا پہلے تھا یا فوری طور پر ہوا اور جملہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کی پہلی مخاصمت غزوۂ بنو قینقاع ہے۔ اگر بدر سے پہلے بھی کوئی واقعہ ہوتا تو اس کے ذیل میں ضرور ذکر کرتے کہ اس طرح یہ واقعہ ہوا ہے اور یہود ابو عفک اور عصماء کے قتل کے واقعات کی بنا پر بجا طور پر مسلمانوں پر یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ مسلمانوں نے عملی چھیڑ چھاڑ میں ان سے پہل کی ہے لیکن کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ مدینے کے یہود نے ان واقعات کو لے کر کبھی کوئی ایسا سوال اٹھایا ہو۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے عصماء اور ابو عفک کے قتل کے فرضی واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیینؐ میں جو بیان فرمایا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

"جنگ بدر کے حالات کے بعد واقدی اور بعض دوسرے مؤرخین نے دو ایسے واقعات درج کئے ہیں جن کا کتبِ حدیث اور صحیح تاریخی روایات میں نشان نہیں ملتا اور درایتاً بھی غور کیا جائے تو وہ درست ثابت نہیں ہوتے مگر چونکہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ظاہری صورت اعتراض کی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے بعض عیسائی مؤرخین نے حسب عادت نہایت ناگوار صورت میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ فرضی واقعات یوں بیان کئے گئے ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت عصماء نامی رہتی تھی" عصماء کا دوبارہ یہاں ذکر آ رہا ہے۔ "جو اسلام کی سخت دشمن تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت زہر اگلتی رہتی تھی اور اپنے اشتعال انگیز اشعار میں لوگوں کو آپؐ کے خلاف بہت اکساتی تھی اور آپؐ کے قتل پر ابھارتی تھی۔ آخر ایک نابینا صحابی عُمیر بن عدیؓ نے اشتعال میں آکر رات کے وقت اس کے گھر میں جبکہ وہ سوئی ہوئی تھی اسے قتل کر دیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اس صحابی کو ملامت نہیں فرمائی بلکہ ایک گونہ اس کے فعل کی تعریف کی۔" یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فعل کی تعریف کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حقیقت میں کی۔ یہ واقعہ ہے جو بیان کیا جاتا ہے جس کا غلط ہونا پہلے میں ثابت کر چکا ہوں۔ "دوسرا واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بڈھا یہودی ابو عفک نامی مدینہ میں رہتا تھا۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشتعال انگیز شعر کہتا تھا اور کفار کو آپؐ کے خلاف جنگ کرنے اور آپؐ کو قتل کر دینے کے لئے ابھارتا تھا۔ آخر ایک دن اسے بھی ایک صحابی سالم بن عُمیرؓ نے غصہ میں آکر رات کے وقت اس کے صحن میں قتل کر دیا۔" یہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ "واقدی اور ابن ہشام نے بعض وہ اشتعال انگیز اشعار بھی نقل کئے ہیں جو عَصْماء اور ابو عفک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہے تھے۔ ان دو واقعات کو سر ولیم میور وغیرہ نے نہایت ناگوار صورت میں اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے۔" یہ جو مستشرقین ہیں انہوں نے ان کو لے کے بہانہ بنایا کہ دیکھو کتنے ظلم ہوئے۔ "مگر حقیقت یہ ہے کہ جرح اور تنقید کے سامنے یہ واقعات درست ثابت ہی نہیں ہوتے۔ پہلی دلیل جو ان کی صحت کے متعلق شبہ پیدا کرتی ہے یہ ہے کہ کتب احادیث میں ان واقعات کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ یعنی کسی حدیث میں قاتل یا مقتول کا نام لے کر اس قسم کا کوئی واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ حدیث تو الگ رہی بعض مؤرخین نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اگر اس قسم کے واقعات واقعی ہوئے ہوتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ

کتب حدیث اور بعض کتب تاریخ ان کے ذکر سے خالی ہوتیں۔ اس جگہ یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ چونکہ ان واقعات سے بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف ایک گونہ اعتراض وارد ہوتا تھا اس لئے محدثین اور بعض مؤرخین نے ان کا ذِکر ترک کر دیا ہو گا، کیونکہ اوّل تو یہ واقعات ان حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جن میں وہ وقوع پذیر ہوئے قابل اعتراض نہیں ہیں۔" اگر دیکھا بھی جائے کہ اس طرح اشتعال کر رہا ہے، حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے، تو اگر ہوئے بھی تو قابل اعتراض نہیں تھے۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ جی مؤرخین نے اس لیے یا حدیث میں اس لیے ذکر نہیں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا تھا۔ "دوسرے جو شخص حدیث و تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی رکھتا ہے اس سے یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ مسلمان محدّثین اور مؤرخین نے کبھی کسی روایت کے ذکر کو محض اس بنا پر ترک نہیں کیا کہ اس سے اسلام اور بانی اسلام پر بظاہر اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مسلّمہ طریق تھا کہ جس بات کو بھی وہ ازروئے روایت صحیح پاتے تھے اسے نقل کرنے میں وہ اس کے مضمون کی وجہ سے قطعاً کوئی تامل نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں سے بعض محدثین اور اکثر مؤرخین کا تو یہ طریق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے متعلق جو بات بھی انہیں پہنچتی تھی خواہ وہ روایت و درایت دونوں لحاظ سے کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہو وہ اسے دیانتداری کے ساتھ اپنے ذخیرہ میں جگہ دے دیتے تھے اور اس بات کا فیصلہ مجتہد علماء پر یا بعد میں آنے والے محققین پر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ اصول روایت و درایت کے مطابق صحیح و سقیم کا خود فیصلہ کر لیں اور ایسا کرنے میں ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ کوئی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی طرف منسوب ہوتی ہے خواہ وہ درست نظر آئے یا غلط وہ جمع ہونے سے نہ رہ جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی ابتدائی کتابوں میں ہر قسم کے رطب و یابس کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ سب قابلِ قبول ہیں بلکہ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان میں سے کمزور کو مضبوط سے جدا کر دیں۔

بہر حال اس بات میں ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں کہ کسی مسلمان محدث یا مؤرخ نے کبھی کسی روایت کو محض اس بنا پر ردّ نہیں کیا کہ وہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کی شان کے خلاف ہے یا یہ کہ اس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلام پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ چنانچہ کعب بن اشرف اور ابو رافع یہودی کے قتل کے واقعات جو عصماء اور ابو عفک کے مزعومہ واقعات سے بالکل ملتے جلتے ہیں ... حدیث و تاریخ کی تمام کتابوں میں پوری پوری صراحت اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور کسی مسلمان راوی یا محدث یا مؤرخ نے ان کے بیان کو ترک نہیں کیا۔ اندریں حالات عصماء اور ابو عفک یہودی کے قتل کا ذکر کسی حدیث میں نہ پایا جانا بلکہ ابتدائی مؤرخین میں سے بعض مؤرخین کا بھی اس کے متعلق خاموش ہونا اس بات کو قریباً قریباً یقینی طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ قصّے بناوٹی ہیں اور کسی طرح بعض روایتوں میں راہ پا کر تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔

پھر اگر ان قصّوں کی تفصیلات کا مطالعہ کیا جاوے تو ان کا بناوٹی ہونا اَور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ مثلاً عصماء کے قصہ میں ابنِ سعد وغیرہ کی روایت میں قاتل کا نام عُمیر بن عدی بیان کیا گیا ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں ابن دُرَید کی روایت میں قاتل کا نام عمیر بن عدی نہیں بلکہ عُشَیر ہے۔ سُہَیلی ان دونوں ناموں کو غلط قرار دے کر یہ کہتا

ہے کہ دراصل عصماء کو اس کے خاوند نے قتل کیا تھا جس کا نام روایتوں میں یزید بن زید بیان ہوا ہے۔ اور پھر بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ مذکورہ بالا لوگوں میں سے کوئی بھی عصماء کا قاتل نہیں تھا بلکہ اس کا قاتل ایک نامعلوم الاسم شخص تھا جو اسی کی قوم میں سے تھا۔ مقتولہ کا نام ابنِ سعد وغیرہ نے عصماء بنت مروان بیان کیا ہے، لیکن علامہ ابن عبد البرؒ کا یہ قول ہے کہ وہ عصماء بنت مروان نہیں تھی بلکہ دراصل عمیر نے اپنی بہن بنتِ عدی کو قتل کیا تھا۔ قتل کا وقت ابنِ سعد نے رات کا درمیانی حصہ لکھا ہے لیکن زرقانی کی روایت سے دن یا زیادہ سے زیادہ رات کا ابتدائی حصہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مقتولہ اس وقت کھجوریں بیچ رہی تھی۔'' یہ ساری تفصیل میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔

پھر ''دوسرا واقعہ'' جس کا اب ذکر ہو رہا ہے وہ ''ابو عفک کے قتل کا ہے۔ اس میں ابنِ سعد اور واقدی وغیرہ نے قاتل کا نام سالم بن عمیر لکھا ہے لیکن بعض روایتوں میں اس کا نام سالم بن عمرو بیان ہوا ہے۔ اور ابنِ عُقبہ نے سالم بن عبد اللہ بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابو عفک مقتول کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ یہودی تھا لیکن واقدی اسے یہودی نہیں لکھتا۔ پھر ابنِ سعد اور واقدی دونوں سے یہ پتہ لگتا ہے کہ سالم نے خود جوش میں آکر ابو عفک کو قتل کر دیا تھا، لیکن ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے قتل کیا گیا تھا۔ زمانہ قتل کے متعلق بھی ابن سعد اور واقدی اسے عصماء کے قتل کے بعد رکھتے ہیں لیکن ابنِ اسحاق اور ابو الزبیر اسے عصماء کے قتل سے پہلے بیان کرتے ہیں۔ یہ جملہ اختلافات اس بات کے متعلق قوی شبہ پیدا کرتے ہیں کہ یہ قصے جعلی اور بناوٹی ہیں یا اگر ان میں کوئی حقیقت ہے تو وہ ایسی مستور ہے'' چھپی ہوئی ہے ''کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا ہے اور کس نوعیت کی ہے۔

ایک اَور دلیل ان واقعات کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ ان دونوں قصّوں کا زمانہ وہ بیان کیا گیا ہے جس کے متعلق جملہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک ابھی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کوئی جھگڑا یا تنازعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ تاریخ میں غزوہ بنی قینقاع کے متعلق یہ بات مسلّم طور پر بیان ہوئی ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان یہ پہلی لڑائی تھی جو وقوع میں آئی اور یہ کہ بنو قینقاع وہ پہلے یہودی تھے جنہوں نے اسلام کی عداوت میں عملی کارروائی کی۔ پس یہ کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس قسم کا کشت و خون ہو چکا تھا اور پھر اگر غزوہ بنو قینقاع سے قبل ایسے واقعات ہو چکے تھے تو یہ ناممکن تھا کہ اس غزوہ کے بواعث وغیرہ کے بیان میں ان واقعات کا ذکر نہ آتا۔'' جب غزوے کی وجوہات بیان کی گئیں تو ان واقعات کا ذکر نہ آتا۔ لکھا جانا چاہیے تھا کہ اس طرح ہمارے یہ دو قتل بھی ہوئے۔ ''کم از کم اتنا تو ضروری تھا کہ یہودی لوگ جو ان واقعات کی بنا پر مسلمانوں کے خلاف ایک ظاہری رنگ اعتراض کا پیدا کر سکتے تھے کہ انہوں نے ان کے ساتھ عملی چھیڑ چھاڑ کرنے میں پہل کی ہے ان واقعات کے متعلق واویلا کرتے۔ اگر کسی تاریخ میں حتیٰ کہ خود ان مؤرخین کی کتب میں بھی جنہوں نے یہ قصے روایت کئے ہیں قطعاً یہ ذکر نہیں آتا کہ مدینہ کے یہود نے کبھی کوئی ایسا اعتراض کیا ہو اور اگر کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ شاید انہوں نے اعتراض اٹھایا ہو مگر مسلمان مؤرخین نے اس کا ذکر نہ کیا ہو تو یہ

ایک غلط اور بے بنیاد خیال ہو گا کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کبھی کسی مسلمان محدث یا مؤرخ نے مخالفین کے کسی اعتراض پر پردہ نہیں ڈالا۔ چنانچہ مثلاً جب سریہ نخلہ والے قصہ میں مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کے خلاف اشہر حرم کی بے حرمتی کا الزام لگایا تو مسلمان مؤرخین نے کمال دیانت داری سے ان کے اس اعتراض کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔ پس اگر اس موقعہ پر بھی یہود کی طرف سے کوئی اعتراض ہوا ہوتا تو تاریخ اس کے ذکر سے خالی نہ ہوتی۔

الغرض جس جہت سے بھی دیکھا جاوے یہ قصّے صحیح ثابت نہیں ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کسی مخفی دشمن اسلام نے کسی مسلمان کی طرف منسوب کر کے یہ قصے بیان کر دیئے تھے اور پھر وہ مسلمانوں کی روایتوں میں دخل پا گئے اور یا کسی کمزور مسلمان نے اپنے قبیلہ کی طرف یہ جھوٹا فخر منسوب کرنے کے لئے کہ اس سے تعلق رکھنے والے آدمیوں نے بعض موذی کافروں کو قتل کیا تھا یہ روایتیں تاریخ میں داخل کر دیں۔ واللہ اعلم۔

یہ تو وہ اصل حقیقت ہے جو ان واقعات کی معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسا کہ "پہلے "...اشارہ کیا ہے اگر یہ واقعات درست بھی ہوں تو پھر بھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے جن کے ماتحت وہ وقوع پذیر ہوئے وہ قابل اعتراض نہیں سمجھے جاسکتے۔ ان ایام میں جو نازک حالت مسلمانوں کی تھی اس کا ذکر... کیا جا چکا ہے۔ ان کا حال بعینہٖ اس شخص کی طرح ہو رہا تھا جو ایک ایسی جگہ میں گھر جاوے جس کے چاروں طرف دُور دُور تک خطرناک آگ شعلہ زن ہو اور اس کے لیے کوئی راستہ باہر نکلنے کا نہ ہو اور پھر اس کے پاس بھی وہ لوگ کھڑے ہوں جو اس کے جانی دشمن ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی نازک حالت میں اگر کوئی شریر اور فتنہ پرداز شخص ان کے آقا اور سردار کے خلاف اشتعال انگیز شعر کہہ کہہ کر لوگوں کو اس کے خلاف اکساتا اور اس کے قتل پر دشمنوں کو ابھارتا تھا، تو اس زمانہ کے حالات کے ماتحت اس کا علاج سوائے اس کے اَور کیا ہو سکتا تھا کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جاتا اور پھر یہ قتل بھی مسلمانوں کی طرف سے انتہائی اشتعال کی حالت میں ہوا۔ جس حالت میں کہ معمولی قتل بھی قصاص کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ مسٹر مارگولیس جیسا شخص" یہ بھی orientalist ہے۔ "جو عموماً ہر امر میں مخالفانہ پہلو لیتا ہے ان واقعات کی وجہ سے مسلمانوں کو قابلِ ملامت نہیں قرار دیتا۔ چنانچہ مسٹر مارگولیس لکھتے ہیں:

'چونکہ عصماء نے اپنے اشعار میں اگر وہ اس کی طرف صحیح طور پر منسوب کئے گئے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل پر ان کے دشمنوں کو عمداً ابھارا تھا۔ اس لیے اس کا قتل خواہ اسے دنیا کے کسی معیار کے مطابق ہی جج کیا جاوے ایک بے بنیاد اور ظالمانہ فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اشتعال انگیزی کا وہ طریق جو ہجو کے اشعار کی صورت میں اختیار کیا گیا وہ عرب جیسے ملک میں دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا..... اور یہ بات کہ صرف مجرموں کو ہی قتل کیا گیا عرب کے رائج الوقت دستور پر ایک بہت بڑی اصلاح تھی کیونکہ 'صرف جو مجرم تھا اس کو قتل کیا گیا ہے باقی لوگوں کو قتل نہیں کیا۔ کیونکہ 'عربوں میں اشتعال انگیز اشعار کی وجہ سے صرف افراد تک معاملہ محدود نہیں رہتا تھا بلکہ سالم کے سالم قبائل میں خطرناک جنگ کی آگ مشتعل ہو جایا کرتی تھی۔ اس کی جگہ اسلام میں یہ صحیح اصول قائم کیا گیا کہ جرم کی سزا صرف مجرم کو ہونی چاہئے نہ کہ اس کے عزیز و اقارب کو بھی۔'

مسٹر مارگولیس کو اگر ان قتلوں کے متعلق کوئی اعتراض ہے تو اس طریق کی وجہ سے ہے جو اختیار کیا گیا یعنی یہ کہ کیوں نہ ان کے جرم کا باقاعدہ اعلان کر کے انہیں باضابطہ طور پر قتل کی سزا دی گئی۔ سو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر ان واقعات کو درست بھی سمجھا جاوے تو وہ بعض مسلمانوں کے محض انفرادی فعل تھے جو ان سے سخت اشتعال کی حالت میں سرزد ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ابن سعد کے بیان سے یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ دوسرے اگر بالفرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی سمجھا جاوے تو پھر بھی یقیناً اس زمانہ کے حالات ایسے تھے کہ اگر عصماء اور ابوعفک کے قتل کے متعلق باقاعدہ طور پر ضابطہ کا طریق اختیار کیا جاتا اور مقتولین کے متعلقین کو پیش از وقت اطلاع ہو جاتی کہ ہمارے آدمی قتل کئے جائیں گے تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہو سکتے تھے اور اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ یہ واقعات مسلمانوں اور یہودیوں اور نیز مسلمانوں اور مشرکین مدینہ کے درمیان ایک وسیع جنگ کی آگ مشتعل کر دیتے۔" حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ "تعجب ہے کہ مسٹر مارگولیس نے جہاں محض قتل کے فعل کو عرب کے مخصوص حالات کے ماتحت جائز قرار دیا ہے وہاں طریقہ قتل کے متعلق ان کی نظر اس زمانہ کے مخصوص حالات تک کیوں نہیں پہنچی۔ اگر وہ اس پہلو میں بھی اس وقت کے حالات کو مدِ نظر رکھتے تو غالباً انہیں یقین ہو جاتا کہ جو طریق اختیار کیا گیا" اگر یہ صحیح ہے کہ قتل کیا گیا تھا۔ "وہی اس وقت کے حالات اور امنِ عامہ کے مفاد کے لیے مناسب اور ضروری تھا....." لیکن عملاً تو ہوا ہی نہیں۔ "خلاصہ کلام یہ کہ اوّل تو عصماء اور ابوعفک یہودی کے قتل کے واقعات روایتاً اور درایتاً درست ثابت ہی نہیں ہوتے اور اگر بالفرض انہیں درست سمجھا بھی جاوے تو وہ اس زمانہ کے حالات کے ماتحت قابل اعتراض نہیں سمجھے جاسکتے اور پھر یہ کہ جو بھی صورت ہو یہ واقعاتِ قتل بہر حال بعض مسلمانوں کے انفرادی افعال تھے جو سخت اشتعال کی حالت میں ان سے سرزد ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق حکم نہیں دیا تھا۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 446 تا 451)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ یہ الزام ہی غلط ہے کہ آپؐ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کرو۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان مؤرخین نے جو لکھا، بعد میں چاہیے تو یہ تھا کہ اس کا صحیح طرح تجزیہ کیا جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ ہمیں اس نے زمانے کے امامؑ کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی اور ہر بات کو ہم دیکھ کر، پرکھ کر اور اس کی حقیقت کو سمجھ کر پھر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوئی بھی الزام اس قسم کا جو ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر آتا ہو اس کو ردّ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **اللہ تعالیٰ ان علماء کو بھی عقل دے جو ان باتوں کو رائج** کر کے صرف اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہنے کو تو ایک طرف وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے عمل ہی ہیں جنہوں نے ان میں شدت پسندی پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی عقل عطا فرمائے۔

اس وقت مَیں بعض مرحومین کا ذکر بھی کروں گا جس میں سے پہلا ذکر ہے:

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد خان صاحب جو پرویز پروازی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ گذشتہ دنوں کینیڈا

میں ستاسی سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

آپ قادیان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد مولانا احمد خان صاحب نسیم مبلغ سلسلہ تھے۔ پھر بڑا لمبا عرصہ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی رہے اور وہ بھی بڑے دبنگ قسم کے آدمی تھے۔ جماعتوں کو انہوں نے بڑا آرگنائز کیا۔ ان کی والدہ رحمت بی بی تھیں۔ پروازی صاحب نے قادیان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر میٹرک کے بعد انہوں نے کالج میں داخلہ نہیں لیا کیونکہ تعلیم الاسلام کالج اس وقت لاہور میں ہوتا تھا۔ پھر جب کالج ربوہ میں شفٹ ہوا تو انہوں نے وہاں کالج میں داخلہ لیا۔ 1958ء میں بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ 1960ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج سے ایم اے کیا اور 68ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر ناصر پروازی صاحب 1960ء میں اردو میں ایم اے کرنے کے بعد لیکچرر مقرر ہوئے اور تدریس کا آغاز انہوں نے حکومت کے گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ سے کیا۔ پھر ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ الفضل میں، ماہنامہ مصباح میں، خالد وغیرہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اسی طرح شعر وشاعری سے بھی ان کو خاص شغف تھا۔ اچھے شعر کہا کرتے تھے۔ جب تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بن گیا تو وقف کر کے 1961ء میں یہ وہاں آ گئے اور 1969ء تک لیکچرر کے طور پر کام کیا۔ 1969ء سے 75ء تک تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں اردو ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کے طور پر مقرر کیے گئے۔ 1975ء سے 79ء تک اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز (Osaka University of Foreign Studies) جاپان میں وزیٹنگ پروفیسر مقرر ہوئے جہاں خدمات کے دوران انہوں نے پاکستان اور جاپان کے بہترین تعلقات کی بڑی کوشش کی۔ ٹوکیو میں جماعت کے قیام کے سلسلے میں بھی انہوں نے مدد کی۔ 1979ء میں یہ واپس آ گئے تو پھر کالج قومیائے جانے کے بعد پاکستان کے مختلف کالجوں میں یہ اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر پڑھاتے رہے۔ 86ء سے 90ء تک یہ بطور اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پڑھایا کرتے تھے۔ احمدی ہونے کی وجہ سے اس دَور میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر جب نوبت گرفتاری تک پہنچ گئی تو سب چھوڑ چھاڑ کے یہاں یوکے آ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر ان کے حکم سے سویڈن ہجرت کی اور وہاں 1991ء سے 2001ء تک اُپسالہ یونیورسٹی (Uppsala University) سویڈن میں پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ سویڈن میں قیام کے دوران نوبیل پرائز کمیٹی فار لٹریچر کے رکن بھی بنے اور سولہ سال خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 2003ء میں کینیڈا ہجرت کر گئے۔ دنیائے ادب اور تعلیم کے میدان میں آپ کا نام کافی مشہور ہے۔ ان کی اہلیہ امۃ المجید صاحبہ بنت مولوی محمد احمد صاحب جلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا۔

ان کی اہلیہ کہتی ہیں کہ تریسٹھ سال کا ہمارا ساتھ تھا۔ ہر اونچ نیچ، خوشی غمی، عسر و یسر میں انہوں نے خوب ساتھ نبھایا اور کیونکہ میں والدین کی بڑی بیٹی تھی، ربوہ میں رہی۔ انہوں نے بھی، (پروفیسر پروازی صاحب نے بھی) کبھی مجھے ان کی خدمت سے نہیں روکا بلکہ میرے سے بڑھ کر ان کا خیال رکھا۔ کہتی ہیں ان کا سلوک میرے سب رشتے داروں سے یعنی اپنے سسرالی رشتے داروں سے بھی بہت مثالی تھا۔ ایتائے ذی القربیٰ کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔

انتہائی محبت اور اخلاص سے رشتے داروں سے پیش آیا کرتے تھے۔ ان کی ہر خوشی غمی میں شریک ہونا۔

ان کے بیٹے طاہر احمد خان کہتے ہیں: کسی بھی حال میں اور حالت میں چہرے پر مسکراہٹ ہی ہوتی تھی۔ ہمیشہ خلافتِ احمدیہ سے والہانہ محبت کرتے رہے اور لکھا ہے کہ تادم مرگ میرے سے ان کا رابطہ رہا اور دعا کی درخواست کرتے رہے۔ گذشتہ دنوں شدید بیماری میں بھی جب ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اور ان سے ہاتھ سے لکھنا بھی مشکل تھا پہلے تو پیغام بھیجتے رہے پھر بعض دفعہ بڑی شکستہ تحریر میں اپنے ہاتھ سے اپنے بستر سے لیٹے لیٹے ہی دعا کا خط لکھ کے مجھے بھجوایا کرتے تھے۔ بڑا اخلاص ووفا کا تعلق تھا۔ ان کے بیٹے لکھتے ہیں کہ جاپان میں قیام کے دوران والد صاحب کو انسائیکلوپیڈیا کا انعام ملا جو اس زمانے میں ایک بڑا انعام ہوتا تھا وہ انہوں نے خلافت لائبریری کو donate کر دیا۔ 1980ء کی دہائی میں علامہ اقبال گولڈ میڈل فار لٹریچر سے بھی نوازا گیا لیکن احمدی ہونے کی وجہ سے ان کو بلایا نہیں گیا اور ان کا میڈل گھر میں بھیج دیا گیا۔

ان کی بیٹی امۃ الودود کہتی ہیں: میرے والد کو قرآن کریم سے عشق تھا۔ بلاناغہ روزانہ پورے سیپارے کی تلاوت کرتے تھے اور کہتی ہیں کبھی مجھے کسی مضمون یا تقریر کے لیے کوئی حوالہ چاہیے ہوتا تو ایک منٹ میں بتا دیتے کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں یہ تلاش کرو۔ کہتی ہیں کہ ہمارے والد نے ہمیں خلافت سے محبت سکھائی۔ confidence دیا کہ اپنے دل کی بات بیان کر سکوں اور خلیفہ وقت سے تعلق پیدا کر سکوں۔

ان کی دوسری بیٹی سعدیہ کہتی ہیں: میرے والد خلافت کے شیدائی تھے۔ ہمیشہ ان کی گفتگو میں اور رویّے میں خلافت احمدیہ کے لیے انتہا درجے کی محبت اور ادب دیکھا۔ ہمیشہ دیکھتے تھے کہ ہمارے والد ہر کام سے پہلے خلیفہ وقت کو خط لکھتے تھے، دعا کی درخواست کرتے تھے اور بیماری کے آخری ایام میں بھی جب ڈاکٹر نے آکر تشویش کا اظہار کیا، ناامیدی کی باتیں کیں تو ڈاکٹر کے ان کے کمرے سے نکلتے ہی انہوں نے مجھے کہا کہ پین اور کاغذ لاؤ اور کمزور اور کانپتے ہاتھوں سے دعا کے لیے انہوں نے مجھے خط لکھا جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ خط لکھتے تھے۔ صدقہ بہت دیتے تھے۔ جتنی رقم ہوتی صرف صدقہ میں دے دیتے تھے۔

نائلہ محمود نواسی ہیں۔ ظفر محمود ان کے والد ہیں۔ کہتی ہیں میں نے اپنے نانا کے ذریعے سے دیکھا اور سیکھا کہ ایمان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کیسے نظر آتی ہے۔ کہتی ہیں مَیں آپ کی حالت اور آخری سانس تک مسلسل شہادت والی انگلی اٹھا اٹھا کر بار بار اللہ تعالیٰ کو دل سے الحمد للہ الحمد للہ کہنے پر حیران رہ جاتی تھی کہ آخری وقت میں بھی مستقل الحمد للہ پڑھتے رہے۔ کہتی ہیں ان کی محبت کو دیکھ کر میرے دل میں ایک شعلہ بھڑکا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک اور خلافت سے جیسی محبت انہیں تھی ویسی مجھے بھی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں اور نسل کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔

دوسرا جنازہ شریف احمد صاحب بھٹی ابن امیر خان صاحب بھٹی ربوہ کا ہے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم موصی تھے۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ ایک بیٹے حفاظت مرکز میں کام کر رہے ہیں۔ دوسرے بیٹے طاہر احمد بھٹی

مربی سلسلہ سیرالیون میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

ان کے بیٹے طاہر بھٹی صاحب، جو مربی ہیں لکھتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے تھے کہ جب پنڈت لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی پوری ہوئی تو اس وقت ان کے والد محترم امیر خان صاحب بھٹی نو عمر تھے۔ ان کے بقول اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے ان کے دل میں احمدیت کی صداقت گھر کر گئی تاہم بوجہ نو عمری قادیان جانے اور بیعت کرنے سے محروم رہے اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ 1974ء میں پھوٹنے والے فسادات اور مخالفانہ حالات کے سبب یہ اس وقت لالیاں ہوتے تھے وہاں سے چھوڑ کے ربوہ آ گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ ٹیکسٹائل ملز میں یہ ملازمت کیا کرتے تھے۔ کبھی بھی اپنی احمدیت کو نہیں چھپایا۔ جہاں بھی جانا ہوتا پہلے دن ہی لوگوں کو بتا دیا کرتے تھے کہ میں احمدی ہوں۔ اگر میرے سے تعلق رکھنا ہے تو رکھو کیونکہ میں تو احمدی رہ کے ہی اپنی شناخت کرواؤں گا۔

ان کے بھائی لطیف احمد صاحب جرمنی میں ہیں۔ کہتے ہیں ٹیکسٹائل مل میں ملازمت کرتے تھے تو ایک معاند احمدیت ان کے ڈیپارٹمنٹ میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ تم احمدی ہو تو آپ نے کہا: ہوں احمدی۔ تو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دشنام طرازی کی۔ کہنے لگا کہ اب اس مل میں یا تم رہو گے یا میں۔ اور اس نے مل مالکان کو بھی فساد پر اکسانے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ اسی وقت دعا میں لگ گئے کہ یا اللہ اپنے مسیح موعودؑ کی خاطر مدد کر اور اس شرارت کو ناکام کر دے۔ کہتے ہیں کچھ دیر بعد ایک ورکر نے آ کے ان کو بتایا کہ جو شخص آپ سے بدتمیزی کر رہا تھا وہ مل کے باہر پریشان بیٹھا ہے اور مل کے مالکان نے ایک سودے میں اس کی بڑی چوری پکڑی ہے اور اس کو مل سے فارغ کر دیا ہے۔

تہجد گزار، پنجوقتہ نمازوں کے پابند اور ہمیشہ دعاؤں میں مشغول رہنے والے انسان تھے۔ سلسلے کے لٹریچر کو بہت پڑھا کرتے تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد تو اَور بھی زیادہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ہمیشہ سلسلے کی کوئی نہ کوئی تصنیف ان کے سرہانے موجود رہتی تھی اور اس کے مطالعے میں مشغول رہتے۔ اور جب بھی خلفائے احمدیت کی طرف سے کوئی دعا کی تحریک ہوتی تو اس میں فوری طور پر مشغول ہو جاتے۔ درود شریف بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ ان کے مربی بیٹے کہتے ہیں کہ جب میں سکول میں چھٹی جماعت میں تھا تو مجھے کہا کرتے تھے کہ سکول آتے جاتے درود شریف پڑھا کرو اور انہوں نے، بھٹی صاحب نے اپنا بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں دن میں ہزار سے زائد مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

اگلا ذکر ہے پروفیسر عبدالقادر ڈاہری صاحب کا جو سابق امیر جماعت ضلع نوابشاہ تھے۔ بانوے سال کی عمر میں یہ وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں ان کی ہیں۔ ان کے بیٹے ثمر احمد لکھتے ہیں کہ خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے والد رئیس محمد مقیم خان ڈاہری صاحب مرحوم کے ذریعے ہوا۔ عبدالقادر صاحب بڑے دلیر اور سچے انسان تھے۔ بیٹے لکھتے ہیں کہ معاشرے میں پسے ہوئے طبقات کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے میں

کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ وہاں تو رواج کے مطابق بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے کہ کسی غریب کو برابر میں بٹھایا جائے۔ یونیورسٹی سے سندھی لٹریچر میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ اس دَور میں سندھ میں تعلیمی اداروں کی کمی تھی تو تعلیم کے شوق کی وجہ سے حیدرآباد میں ایک کالج میں بطور لیکچرر کام شروع کیا۔ ان کے شوق کو دیکھ کر وہاں کے پرنسپل نے ان کو کہا کہ نوابشاہ میں ایک تعلیمی ادارہ کھولیں اور evening کلاسز وہاں شروع کریں۔ چنانچہ وہ کلاسیں کھولی گئیں اور اس نے بڑی ترقی کی۔ اس کے بعد وہ کالج بن گیا اور ان کی محنت کی وجہ سے سندھ کے مشہور کالجوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اسی طرح سندھ کے تمام بڑے سیاسی گھرانوں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور کھل کر ان کو بتاتے تھے کہ میرا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے اور بچوں کو بھی یہ کہا کہ کبھی خوف نہیں کرنا کہ اپنی احمدیت کو چھپاؤ اور سندھی میں ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو احمدیت کے زیور پہنے ہوئے ہیں جو ایک امتیازی نشان ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر آپ کو سندھی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی سعادت بھی ملی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد کے مطابق تفسیر صغیر کا سندھی میں دو جلدوں پر مشتمل ترجمہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے اور منتخب آیات کے ایک پمفلٹ کی اشاعت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ چار افراد پر C-295 کا مقدمہ درج ہوا تھا جن میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ سندھی زبان کے علاوہ اردو زبان پر بھی اس قدر عبور حاصل تھا کہ جس کو بھی مخاطب ہو کر لکھتے وہ تحریر سے متاثر ہوتا۔ فضل عمر فاؤنڈیشن کے ممبر بھی رہے۔ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے سٹوڈنٹ بھی آپ سے راہنمائی لینے کے لیے آتے تھے۔ آپ کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا۔ سندھی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی جو تعلیمی ماہرین اور شاگردوں کی راہنمائی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ سندھ کے ڈاہر قبیلے کے بارے میں ڈکشنری میں موجود مواد کو جس میں تضحیک آمیز زبان استعمال کی گئی تھی آپ نے قرآن کریم کے احکامات کی روشنی میں متعدد حکام کو دلائل سے قائل کیا اور اس ڈکشنری سے تضحیک آمیز الفاظ منہا کروائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کے بچوں کو بھی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

ایک ذکر اَور ہے جو پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب کا ہے جو آجکل امریکہ میں تھے۔ چوراسی سال کی عمر میں یہ وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ 1939ء میں تنزانیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں احمدیت ان کے والد ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب کے ذریعہ آئی جنہوں نے تنزانیہ میں احمدیت قبول کی تھی۔ شریف خان صاحب نے ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے 1954-55ء کے خطبات کے نتیجے میں آٹھویں کلاس میں زندگی وقف کر دی۔ پھر 1963ء میں پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل لیتے ہوئے ایم ایس سی زوآلوجی کیا۔ 96ء میں پنجاب یونیورسٹی سے زوآلوجی میں پی ایچ ڈی کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق 63ء میں خدمت کے لیے تعلیم الاسلام کالج سے وابستہ ہوئے اور 98ء میں اپنی ریٹائرمنٹ تک انہیں پینتیس سال خدمت کی توفیق ملی۔ دنیا بھر کے رسائل میں پروفیسر صاحب کے دو سو پچاس کے قریب ریسرچ پیپر شائع ہوئے ہیں۔ آپ کا پہلا تحقیقی مقالہ 1972ء میں شائع

ہوا جو رپٹائلز (Reptiles) کے بارے میں ان کا مضمون تھا۔ بہت ریسرچ کیا کرتے تھے اور سانپوں اور چھپکلیوں وغیرہ کے، کیڑوں وغیرہ کے بارے میں اور قدرت کے حشرات الارض ہیں ان کے بارے میں بڑی تحقیق تھی۔ مَیں بھی ان کا شاگرد رہا ہوں۔ ہماری کلاس کو باہر لے جایا کرتے تھے اور پھر جا کے یہ چیزیں دکھایا کرتے تھے کہ قدرت نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں اور کس کس طرح کے کیڑے اس میں پائے جاتے ہیں اور کس قسم کی قسمیں ہیں۔ 2002ء میں انہیں پاکستان میں Zoologist Of The Year کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

مجیب اللہ چودھری صاحب امریکہ لکھتے ہیں کہ 2008ء میں مَیں نے مسجد کا چندہ اکٹھا کرنے کے سلسلے میں بات کی تو کہنے لگے ہمارے پاس پیش کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن انہوں نے کہا گھر آجاؤ۔ گھر گیا تو بیگم بھی ان کی آ گئیں اور ایک پوٹلی نکال کر سامنے رکھ دی اور جو زیور تھا ان کے ماں باپ کی طرف سے یا سسرال کی طرف سے جو کچھ بھی ملا تھا وہ سامنے پیش کر دیا کہ یہی ہمارے پاس ہے یہ لے جاؤ۔ بڑے شریف النفس اور عاجز انسان تھے۔ طلباء سے ہمیشہ گھل مل کر دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

ان کی یہ بعض باتیں بعد میں آئی ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے ظفر اللہ صاحب بھی لکھتے ہیں کہ کچھ سائنسدان امریکہ اور کینیڈا سے پروفیسر ڈاکٹر شریف خان صاحب سے ملنے ربوہ آئے اور بقول ان سائنسدانوں کے پاکستان میں رپٹالوجی (reptology) یعنی جو رپٹائلز وغیرہ ہیں ان کے اوپر کہتے ہیں کہ شریف خان صاحب سے بڑا اَور کوئی ماہر پاکستان میں نہیں ہے۔ بہت ماہر تھے۔

ان کے بیٹے راشد زبیر کہتے ہیں جوانی سے ہی تہجد گزار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور مسجد قمر میں نماز کی امامت بھی کروایا کرتے تھے۔ باجماعت نماز کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس پر مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔

مشہود احمد خان ان کا پوتا ہے۔ کہتا ہے ہمارے دادا نے جو بڑی روحانی شخصیت تھے اور گہرا سائنسی ادراک بھی تھا انہوں نے ہمیں سکھایا کہ خدا کی ہستی کا ثبوت فطرت میں پایا جاتا ہے۔ نمازوں کو بروقت ادا کرنے کی اور قرآن کریم کا مطالعہ کرنے پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ خلافت احمدیہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور ہمیشہ خلیفہ وقت کو خط لکھتے اور خطبات سننے کی طرف اپنی بھی توجہ تھی اور گھر والوں کو بھی توجہ دلاتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 27/ اکتوبر 2023ء خطبہ نمبر جلد 30 شمارہ 209 صفحہ 02 تا 07)

41

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 13/ اکتوبر 2023ء بمطابق 13/ اخاء 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعض واقعات جو بدر کے موقع پر یا اس کے فوری بعد کے تھے ان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ **ان واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہؓ سے شادی** کا بھی ذکر ہے۔ اس لیے یہاں یہ بیان کر دیتا ہوں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ایک دن حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ شادی نہیں کرنا چاہتے۔ آپؐ نے پوچھا کس سے؟ کہتی ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو کنواری سے بھی کر سکتے ہیں اور آپؐ کا ارادہ بیوہ سے شادی کا ہو تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کنواری کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ عائشہ بنت ابو بکر۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بیوہ کون ہے؟ عرض کی کہ وہ سودہ بنت زمعہ ہے۔ وہ آپؐ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپؐ کی اتباع بھی اختیار کر چکی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہؓ سے فرمایا: جاؤ اور ان دونوں کے گھر والوں سے میرے متعلق بات کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت ملنے پر حضرت خولہؓ وہاں سے نکلیں اور پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر حضرت عائشہؓ کے رشتے کی بات کرنے کے لیے گئیں۔ گھر پر حضرت ابو بکرؓ تو موجود نہیں تھے البتہ ان کی اہلیہ حضرت ام رومانؓ موجود تھیں۔ حضرت خولہؓ نے ان سے بات کی اور مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ ام رومان! اللہ عزّوجل نے آپ کو کتنی زبردست خیر و برکت سے نوازا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ خیر و برکت کیا ہے؟ حضرت خولہؓ نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ام رومان نے کہا کہ پھر ابو بکرؓ کے آنے کا انتظار کرو۔ کچھ دیر انتظار کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ گھر تشریف لے آئے تو حضرت خولہؓ ان سے بھی وہی کچھ کہتی ہیں جو ام رومان سے کہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے استفسار کیا کہ خولہ یہ تو بتاؤ کہ وہ خیر و برکت ہے کیا؟ حضرت خولہؓ نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں آپؐ کی طرف عائشہ سے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔ یہ سن کے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ کیا عائشہ سے آپؐ کا نکاح ٹھیک ہے؟ آپؐ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان کو خیال آیا تو حضرت خولہؓ واپس گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یہ بات عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جا کے ان سے کہو میں اسلام میں تمہارا بھائی ہوں اور

تم میرے بھائی ہو۔ تمہاری بیٹی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے۔ شرعاً تو اس میں کوئی عذر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت خولہؓ واپس گئیں اور حضرت ابو بکرؓ سے یہ بات کی تو انہوں نے کہا کہ انتظار کرو۔ وہ باہر نکل گئے۔ حضرت ام رومانؓ نے کہا مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے کا عائشہ کے لیے ذکر کیا تھا۔ اللہ کی قسم! ابو بکر نے کبھی کوئی عہد نہیں کیا جس کی انہوں نے عہد شکنی کی ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ مطعم بن عدی کے پاس گئے اور اس کے پاس اس کی بیوی ام الفتیٰ بھی تھی۔ اس خاتون نے کہا اے ابن قحافہ! اگر ہم تمہارے ہاں اپنے بیٹے کی شادی کر دیں تو ہو سکتا ہے کہ تم اسے اپنے اس دین میں داخل کر لو جس میں تم ہو۔ حضرت ابو بکرؓ نے مطعم بن عدی سے کہا کہ کیا تم بھی اس طرح کہتے ہو؟ میاں بیوی دونوں سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ جیسا اس نے کہا ہے وہی میں بھی کہتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ مطعم کے پاس سے آئے اور اللہ نے ان کے دل سے اس وعدہ کے بارے میں سب انقباض دُور کر دیا۔ جب اس نے یہ بات کر دی کہ ہمارا بیٹا اب مسلمان تو نہیں ہو سکتا تو پھر وہ رشتہ ختم ہو گیا اور یہ انقباض دُور ہو گیا۔ جس کا وعدہ کیا تھا کہ اگر تم رشتہ بھیجو گے تو ہم کریں گے۔ وہ بات بھی ختم ہو گئی۔ پھر انہوں نے حضرت خولہؓ سے کہا میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت خولہؓ نے آپؐ کو پیغام پہنچایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی۔ یہ واقعہ مسند احمد بن حنبل میں درج ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 8 صفحہ 409-410 مسند عائشۃ حدیث 26288 عالم الکتب بیروت 1998ء)
(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 5 صفحہ 442-443)

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے بعد فرمایا:

تم مجھے رؤیا میں دو مرتبہ دکھائی گئی قبل اس کے کہ میں تم سے شادی کرتا۔ میں نے فرشتے کو دیکھا اس نے تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ یہ آپؐ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ کپڑا ہٹاؤ۔ اس نے کپڑا ہٹایا تو کیا دیکھا کہ وہ تم ہو۔ میں نے خیال کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ پھر تم مجھے رؤیا میں دکھائی گئی وہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے کہا کپڑا اٹھاؤ تو اس نے کپڑا ہٹایا۔ کیا دیکھا کہ وہ تم ہو۔ پھر میں نے یہی کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ یہ روایت بخاری میں درج ہے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے۔

(صحیح البخاری کتاب التعبیر باب کشف المراۃ فی المنام، حدیث 7011)
(صحیح البخاری کتاب التعبیر باب ثیاب الحریر فی المنام، حدیث 7012)

صحابہؓ کے حالات پر مشتمل کتاب الاستیعاب میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی اہلیہ کی رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے۔ عائشہ سے رشتہ تو ہو گیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے خود عرض کیا کہ رخصتی کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہر کی رقم کی وجہ سے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو ساڑھے بارہ اوقیہ دیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مال یعنی مہر ہمارے ہاں بھجوا دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 167 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارے میں بھی مؤرخین اور سیرت نگاروں اور بعد کے راویوں کے بیان کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور غیر بھی اس سے بڑے اعتراضات اٹھاتے رہتے ہیں وگرنہ اصولی بات یہ ہے کہ عائشہؓ کی جب شادی ہوئی تو عمر کے اعتبار سے کسی بھی قسم کی کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ وہاں کے لوگوں کے درمیان کوئی سوال یا اعتراض پیدا ہوتا۔ اگر حیرت انگیز طور پر کوئی غیر معمولی بات ہوتی تو منافقین یا مخالفین ضرور اعتراضات کی بھرمار کر دیتے لیکن کسی بھی کتاب میں کوئی ایسا اعتراض مذکور نہیں ہے۔ جن کتب میں حضرت عائشہؓ کی عمر غیر معمولی چھوٹی کر کے بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ان کو بے سروپا اقوال قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عائشہؓ کا نو سالہ ہونا تو صرف بے سروپا اقوال میں آیا ہے۔ کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں۔''
(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 64)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت عائشہؓ کی رخصتی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ شادی فرمائی تھی۔ یہ سنہ نبوی کا دسواں سال اور شوال کا مہینہ تھا۔ اور اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ''جب رشتہ کیا تھا'' سات سال کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نشوونما اس وقت بھی غیر معمولی طور پر اچھا تھا، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ خولہ بنت حکیم کو جو اُن کے نکاح کی محرک بنی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے لیے ان کی طرف خیال جاتا لیکن بہر حال ابھی تک وہ بالغ نہیں ہوئی تھیں، اس لیے اس وقت نکاح تو ہو گیا مگر رخصتانہ نہیں ہوا اور وہ بدستور اپنے والدین کے پاس مقیم رہیں، لیکن اب ہجرت کے دوسرے سال جب کہ ان کی شادی پر پانچ سال گذر چکے تھے'' نکاح پہ ''اور ان کی عمر بارہ سال کی تھی وہ بالغ ہو چکی تھیں، چنانچہ خود حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصتانہ کی تحریک کی۔ جس پر آپؐ نے مہر کی ادائیگی کا انتظام کیا... اور ماہ شوال 2ھ میں حضرت عائشہؓ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر حرمِ نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔''
(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 423)

یہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تحقیق ہے لیکن بعض مؤرخین کے نزدیک اس سے زیادہ عمر بھی بیان کی جاتی ہے۔ شادی کے وقت ''حضرت عائشہؓ کی والدہ مدینہ کے مضافات میں ایک جگہ السُّنح نامی میں مقیم تھیں۔ چنانچہ انصار کی عورتوں نے وہاں جمع ہو کر حضرت عائشہؓ کو رخصتانہ کے لیے آراستہ کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں تشریف لے گئے اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حرمِ نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔''
(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 429-430)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت عائشہؓ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''باوجود..... صغر سنی کے'' چھوٹی عمر ہونے کے ''حضرت عائشہؓ کا ذہن اور حافظہ غضب کا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے ماتحت انہوں نے نہایت سرعت کے ساتھ حیرت انگیز طور پر ترقی کی۔ اور دراصل اس چھوٹی عمر میں ان کو اپنے گھر میں لے آنے سے آپؐ کی غرض ہی یہ تھی کہ تا آپؐ بچپن سے ہی

اپنے منشاء کے مطابق ان کی تربیت کر سکیں اور تا انہیں آپؐ کی صحبت میں رہنے کا لمبے سے لمبا عرصہ مل سکے اور وہ اس نازک اور عظیم الشان کام کے اہل بنائی جا سکیں جو ایک شارع نبی کی بیوی پر عاید ہوتا ہے۔ چنانچہ آپؐ اس منشاء میں کامیاب ہوئے اور حضرت عائشہؓ نے مسلمان خواتین کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا وہ کام سرانجام دیا جس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ احادیثِ نبویؐ کا ایک بہت بڑا اور بہت ضروری حصہ حضرت عائشہؓ ہی کی روایات پر مبنی ہے حتیٰ کہ ان کی روایتوں کی کل تعداد دو ہزار دو سو دس تک پہنچتی ہے۔ **ان کے علم و فضل اور تفقہ فی الدین کا یہ عالم تھا** کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ ان کا لوہا مانتے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ کو کوئی علمی مشکل ایسی پیش نہیں آئی کہ اس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ مل گیا ہو اور عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ میں نے کوئی شخص علم قرآن اور علم میراث اور علم حلال و حرام اور علم فقہ اور علم شعر اور علم طِب اور علم حدیثِ عرب اور علم انساب میں عائشہؓ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔ زہد و قناعت میں ان کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک دفعہ ان کے پاس کہیں سے ایک لاکھ درہم آئے انہوں نے شام ہونے سے پہلے پہلے سب خیرات کر دیئے۔ حالانکہ گھر میں شام کے کھانے تک کے لئے کچھ نہیں تھا۔ انہی اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے جن کی جھلک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی نظر آنے لگ گئی تھی آپؐ انہیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے... ایک دفعہ فرمایا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل گذرے ہیں لیکن عورتوں میں کاملات بہت کم ہوئی ہیں۔ پھر آپؐ نے آسیہ اہلیہ فرعون اور مریم بنت عمران کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ عائشہ کو عورتوں پر وہ درجہ حاصل ہے جو عرب کے بہترین کھانے ثرید کو دوسرے کھانوں پر ہوتا ہے۔

ایک دفعہ بعض دوسری ازواج مطہرات نے کسی اہلی امر میں حضرت عائشہؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کہی مگر آپؐ خاموش رہے، لیکن جب اصرار کے ساتھ کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا 'میں تمہاری ان شکایتوں کا کیا کروں۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ کبھی کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر میرے خدا کی وحی نازل نہیں ہوئی مگر عائشہ کے لحاف میں وہ ہمیشہ نازل ہوتی ہے'۔ اللہ اللہ! کیا ہی مقدس وہ بیوی تھی جسے یہ خصوصیت حاصل ہوئی اور کیا ہی مقدس وہ خاوند تھا جس کی اہلی محبت کا معیار بھی تقدّس و طہارت کے سوا کچھ نہیں تھا!!..... احادیث میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ آخری ایام میں حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی اور اس طرح حضرت عائشہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا دوہرا موقعہ میسر آگیا تھا..... چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال تھا اور وہ اپنی عمر اور حالات کے لحاظ سے اس قابل تھیں کہ ان پر خاص توجہ صرف کی جاوے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باری کے متعلق سودہؓ کی تجویز منظور فرمالی۔ مگر اس کے بعد بھی آپؐ حضرت سودہؓ کے پاس باقاعدہ تشریف لے جایا کرتے تھے اور دوسری بیویوں کی طرح ان کی دلداری اور آرام کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کے خواندہ ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔'' پڑھے لکھے ہونے کے بارے میں ''مگر بخاری کی ایک روایت سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے پاس ایک نسخہ قرآن شریف کا لکھا ہوا موجود تھا۔ جس پر سے انہوں نے

ایک عراقی مسلمان کو بعض آیات خود املاء کرائی تھیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کم از کم خواندہ ضرور تھیں اور اغلب ہے کہ انہوں نے اپنے رخصتانہ کے بعد ہی لکھنا سیکھا تھا لیکن جیسا کہ بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے وہ غالباً لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کم و بیش اڑتالیس سال زندہ رہیں اور 58ھ کے ماہِ رمضان میں اپنے محبوب حقیقی سے جاملیں۔ اس وقت ان کی عمر قریباً اڑسٹھ سال کی تھی۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 430 تا 432)

پھر ایک واقعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بدر کے فوری بعد ہوا وہ آپؐ کی **بیٹی حضرت زینبؓ کا ہے جو مکّے میں تھیں اور پھر وہ مدینہ تشریف لائیں۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بن ربیع بھی غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ ان کی بیوی حضرت زینبؓ مکّے میں تھیں۔ انہوں نے وہ ہار اپنے شوہر کے فدیہ میں بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کی شادی کے موقع پر بیٹی کو پہنایا تھا۔ یہ فدیہ لے کر آنے والا ابو العاص کا بھائی عمرو بن ربیع تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہار دیکھا تو آپؐ بہت زیادہ دلگیر اور آبدیدہ ہو گئے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کر دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہؐ! چنانچہ ابو العاص کو رہا کر دیا گیا۔ حضرت زینبؓ کا ہار بھی لوٹا دیا گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کو اس شرط پر رہا کیا کہ مکّہ جاتے ہی وہ حضرت زینبؓ کو اجازت دیں گے کہ وہ مدینہ کو ہجرت کر سکیں۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 264-265، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رہائی کے بعد ابو العاص جب مکہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ تم بَطنِ یأجَجْ میں ٹھہرو۔ (مکے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔) یہاں تک کہ زینب تمہارے پاس سے گزرے تو تم اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ فوراً روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے قریباً ایک ماہ بعد رونما ہوا۔

ابو العاص نے مکے پہنچ کر حضرت زینبؓ کو آپؐ کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو وہ زادِ راہ تیار کرنے لگیں۔ حضرت زینبؓ بیان کرتی ہیں کہ میں زادِ سفر کی تیاری میں مصروف تھی کہ ہند بنت عتبہ نے مجھے کہا اے بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تُو اپنے والد کے پاس جانا چاہتی ہے تو میں نے اسے طرح دیتے ہوئے ٹال دیا۔ یہ سن کر اس نے کہا اے بنت عم! ایسا وطیرہ اختیار نہ کر۔ اگر تمہیں سامان کی ضرورت ہے جو سفر میں تمہارے کام آئے یا مال کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے تُو اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے تو میرے پاس تیری ضرورت کا سارا سامان موجود ہے مجھ سے انقباض نہ رکھو۔ خواتین کے دلوں میں وہ رنج و ملال نہیں ہوتا جو مردوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ حضرت زینبؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس نے یہ بات خلوص سے کہی تھی مگر میں اس سے خائف تھی اس لیے میں نے اسے طرح دے دی۔ بہانہ کر دیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت زینبؓ نے سفر کی تیاری کی اور جب وہ اپنے سفر کی تیاری سے فارغ ہو گئیں تو ابو العاص کے بھائی کِنَانہ بن ربیع نے سواری پیش کی۔ آپؓ

سوار ہو گئیں اور کِنَانہ نے اپنی کمان اور ترکش ساتھ لے لیا اور ان کو دن کی روشنی میں اس حال میں لے کر چل پڑا کہ حضرت زینبؓ اپنے ہودج میں تھیں۔ قریش میں یہ بات جب موضوع بحث بنی تو وہ ان کی تلاش میں چل پڑے اور چلتے چلتے ذِی طُوٰی میں ان کو پالیا۔ ذِی طُوٰی بھی مکہ کی ایک مشہور وادی ہے اور مسجد حرام سے نصف میل کے فاصلے پر ہے۔ بہر حال سب سے پہلے ان کی طرف هَبَّار بن اَسْوَد فِهرِی آیا اور اس نے نیزے سے سواری کو ڈرا دیا اور حضرت زینبؓ جو کہ حاملہ تھیں ان کا حمل ضائع ہو گیا اور ان کا دیور تیر نکال کر بیٹھ گیا اور اعلان کر دیا جو میرے قریب آئے گا ان تیروں کا نشانہ بنے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ هَبَّار نے سواری کو نیزہ چبھویا تو اس سے حضرت زینبؓ ایک پتھر پر گر گئیں جبکہ وہ حاملہ تھیں۔ اس طرح ان کا جنین ساقط ہو گیا۔ بہر حال یہ واقعات دیکھ کے لوگ ان کے پاس سے لوٹ آئے۔ پھر ابوسفیان اور رؤسائے قریش آئے اور اس کو کہا کہ جوان! تیر مت چلا حتیٰ کہ ہم تم سے بات چیت کر لیں۔ چنانچہ وہ تیر اندازی سے رک گئے اور ابوسفیان نے کہا تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ کھلے عام خاتون کو لے کر چلا ہے حالانکہ تو ہماری جان کی مصیبت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے کو خوب جانتا ہے۔ جب تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو علانیہ اور کھلے عام لے جائے گا تو لوگ سمجھیں گے یہ ہماری ذلت اور رسوائی کا موجب ہے اور ہماری کمزوری اور ناتوانی کا باعث ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے زندگی کی قسم! ہمیں اس کو روکنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور اس کے خلاف کوئی جوش اور جذبہ بھی نہیں لیکن اچھی صورت یہ ہے کہ تم اس کو واپس لے چلو۔ جب حالات بہتر اور پر سکون ہو جائیں اور لوگ سمجھیں کہ ہم نے اس کو واپس لوٹا لیا ہے تو اس کو چپکے سے اس کے باپ کے پاس لے جاؤ۔ پھر کِنَانہ نے اس منصوبے پر عمل کیا۔ بقول ابن اسحاق حضرت زینبؓ دو چار روز مکّے میں مقیم رہیں یہاں تک کہ جب چہ میگوئیاں ختم ہو گئیں تو رات کو چپکے سے حضرت زینبؓ کو حضرت زیدؓ اور ان کے ساتھی کے سپرد کر دیا۔ وہ حضرت زینبؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات کی تاریکی میں لے آئے۔

امام بیہقی نے **حضرت عائشہؓ سے حضرت زینبؓ کے مکہ سے آنے کا واقعہ بیان کر کے کہا** ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنی انگوٹھی دے کر مکہ روانہ کیا کہ زینب کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ چنانچہ اس نے اپنی حکمت و دانائی سے یہ انگوٹھی ایک چرواہے کو دی اور اس نے حضرت زینبؓ کو پہنچا دی۔ حضرت زینبؓ یہ انگوٹھی دیکھ کر پہچان گئیں تو اس سے پوچھا: تجھے یہ کس نے دی ہے؟ اس نے بتایا مکے سے باہر ایک آدمی نے مجھے دی ہے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ رات کو مکے سے باہر آئیں اور اس کے پیچھے سوار ہو گئیں اور وہ آپؓ کو مدینہ لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

میری سب بیٹیوں سے زینب افضل ہے کہ اس کو میری وجہ سے تکلیف پہنچی۔

(السیرۃ النبویۃ ﷺ لابن کثیر جلد2 صفحہ516 تا518 دار المعرفہ بیروت1976ء)

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 445 حاشیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

(فرہنگ سیرت صفحہ 59، 180 مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں یہ تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد فدیہ کے قائم مقام ابوالعاص کے ساتھ یہ شرط مقرر کی کہ وہ مکہ میں جاکر زینب کو مدینہ بھجوادیں اور اس طرح ایک مومن روح دارِ کفر سے نجات پاگئی۔ کچھ عرصہ بعد ابوالعاص بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر آئے اور اس طرح خاوند بیوی پھر اکٹھے ہو گئے۔ حضرت زینبؓ کی ہجرت کے متعلق یہ روایت آتی ہے کہ جب وہ مدینہ آنے کے لیے مکہ سے نکلیں تو مکہ کے چند قریش نے ان کو بزور واپس لے جانا چاہا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو ایک بدبخت ھَبَّار بن اسود نامی نے نہایت وحشیانہ طریق پر ان پر نیزے سے حملہ کیا جس کے ڈر اور صدمہ کے نتیجہ میں انہیں اسقاط ہو گیا۔ بلکہ اس موقع پر ان کو کچھ ایسا صدمہ پہنچ گیا کہ اس کے بعد ان کی صحت کبھی بھی پورے طور پر بحال نہیں ہوئی اور بالآخر انہوں نے اسی کمزوری اور ضعف کی حالت میں بے وقت انتقال کیا۔''

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 368-369)

اس وقت اس کو اتنا ہی بیان کروں گا۔ آجکل کے دنیا کے حالات جو ہیں ان کے بارے میں اس وقت میں ایک دعا کے لیے بھی کہنا چاہتا ہوں۔

گذشتہ چند دنوں سے حماس اور اسرائیل کی جنگ چل رہی ہے جس کی وجہ سے اب دونوں طرف کے شہری عورتیں، بچے، بوڑھے بلا امتیاز مارے جا رہے ہیں یا مارے گئے ہیں۔

اسلام تو جنگی حالات میں بھی عورتوں بچوں اور کسی طرح بھی جنگ میں حصّہ نہ لینے والوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا اور اس بات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے ہدایت بھی فرمائی ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی دعاء المشرکین حدیث 2614)

دنیا یہ کہہ رہی ہے اور حقائق بھی کچھ ایسے ہیں کہ اس جنگ میں پہل حماس نے کی اور اسرائیلی شہریوں کے بلا امتیاز قتل کے مرتکب ہوئے۔ قطع نظر اس کے کہ اسرائیلی فوج پہلے اس طرح کتنے معصوموں کو فلسطینیوں کو قتل کرتی رہی ہے مسلمانوں کو بہرحال اسلامی تعلیم کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اسرائیلی فوجوں نے جو کیا، وہ ان کا فعل ہے اور اس کے حل کرنے کے اَور طریقے تھے۔ اگر کوئی جائز لڑائی ہے تو فوج سے تو ہو سکتی ہے، عورتوں بچوں اور بے ضرر لوگوں سے نہیں۔ بہرحال اس لحاظ سے حماس نے جو غلط قدم اٹھایا وہ غلط تھا۔ اس کا نقصان زیادہ ہوا فائدہ کم۔ یہ جو بھی تھا اس کی سزا یا اس سے جنگ حماس تک ہی محدود رہنی چاہیے تھی۔ اصل جرأت اور بہادری تو یہ ہے کہ یہ ردّ عمل ہوتا لیکن اب جو اسرائیل کی حکومت کر رہی ہے وہ بھی بہت خطرناک ہے اور یہ معاملہ اب لگتا ہے کہ رکے گا نہیں۔ کتنی بے حساب جانیں معصوم لوگوں اور عورتوں اور بچوں کی ضائع ہوں گی اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیلی حکومت کا تو یہ اعلان تھا کہ ہم غزہ کو بالکل مٹا دیں گے اور اس کے لیے بے شمار، بے تحاشا بمبارمنٹ (bombardment) انہوں نے کی۔ شہر راکھ کا ڈھیر ہی کر دیا۔ اب نئی صورت یہ پیدا ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک ملین سے زیادہ لوگ غزہ سے نکل جائیں۔ کچھ اس میں سے نکلنے بھی شروع ہو گئے ہیں۔ اس پر شکر ہے کہ مری مری آواز سے ہی سہی لیکن کچھ آواز تو یو این (UN) والوں کی طرف سے نکلی ہے کہ یہ انسانی حقوق کی

پامالی ہے اور یہ غلط ہو گا اور اس سے بہت مشکلات پیدا ہوں گی اور اسرائیل کو اپنے اس حکم پہ سوچنا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ سختی سے اس کو کہیں کہ یہ غلط ہے۔ ابھی بھی درخواست ہی کر رہے ہیں۔

بہر حال ان معصوموں کا کوئی قصور نہیں جو جنگ نہیں کر رہے۔ اگر دنیا اسرائیلی عورتوں بچوں اور عام شہری کو معصوم سمجھتی ہے تو یہ فلسطینی بھی معصوم ہیں۔ ان اہل کتاب کی تو اپنی تعلیم بھی یہ کہتی ہے کہ اس طرح قتل و غارت جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر اگر الزام ہے کہ انہوں نے غلط کیا تو یہ لوگ اپنے گریبان میں بھی جھانکیں۔ بہر حال ہمیں بہت دعا کی ضرورت ہے۔ فلسطین کے سفیر نے یہاں ٹی وی میں غالباً بی بی سی کو انٹرویو دیا اور سوال کرنے والے کے جواب میں کہا کہ حماس ایک militant گروپ ہے، حکومت نہیں ہے اور فلسطین کی حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ سوال بھی اٹھایا اور ان کی یہ بات درست ہے کہ اگر حقیقی انصاف قائم کیا جاتا تو یہ باتیں نہ ہوتیں۔ اگر بڑی طاقتیں اپنے دوہرے معیار نہ رکھتیں یا نہ رکھیں تو اس قسم کی بدامنی اور جنگیں دنیا میں ہو ہی نہیں سکتیں۔ پس ان دوہرے معیاروں کو ختم کرو تو جنگیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ یہی باتیں میں اسلام کی تعلیم کی روشنی میں ایک عرصے سے کہہ رہا ہوں لیکن سامنے تو یہ کہتے ہیں ٹھیک ہے ٹھیک ہے لیکن عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

اب تمام بڑی طاقتیں یا مغربی طاقتیں انصاف کو ایک طرف کر کے فلسطینیوں پر سختی کے لیے اکٹھی ہو رہی ہیں اور ہر طرف سے فوجوں کے بھجوانے کی باتیں ہو رہی ہیں اور مظلوموں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں کہ اس طرح ظلم ہو رہا ہے۔ غلط سلط رپورٹیں میڈیا میں دکھائی جاتی ہیں اور آجاتی ہیں، ایک دن یہ خبر آتی ہے کہ اسرائیلی عورتوں اور بچوں کا یہ حشر ہو رہا ہے، ان کی یہ بُری حالت ہو رہی ہے۔ اگلے دن پتہ چلتا ہے کہ وہ اسرائیلی نہیں تھے وہ تو فلسطینی تھے لیکن اس کی میڈیا میں کوئی معذرت نہیں ہوتی اور کوئی ہمدردی کا لفظ ان کے لیے نہیں کہا جاتا۔ یہ لوگ جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل کرتے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں دنیا کی معیشت ہے ان کے آگے ہی انہوں نے جھکنا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو لگتا ہے کہ بڑی طاقتیں جنگ بھڑکانے پر تُلی ہوئی ہیں بجائے اس کو ٹھنڈا کرنے کے۔ یہ لوگ جنگ ختم کرنا نہیں چاہتے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جنگوں کے خاتمے کے لیے بڑی طاقتوں نے لیگ آف نیشنز بنائی لیکن انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے اور اپنی برتری قائم رکھنے کی وجہ سے یہ ناکام ہو گئی اور دوسری جنگ عظیم ہوئی اور کہتے ہیں سات کروڑ سے زیادہ جانیں ضائع ہوئیں۔

اب یہی حال یو این (UN) کا ہو رہا ہے۔ بنائی تو اس لیے گئی تھی کہ دنیا میں انصاف قائم کیا جائے گا اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے گا۔ جنگوں کے خاتمے کی کوشش کی جائے گی لیکن ان باتوں کا دُور دُور تک پتہ نہیں۔ اپنے مفادات کو ہی ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔ اب جو اس بے انصافی **کی وجہ سے جنگ ہو گی اس کے نقصان کا تصور ہی عام آدمی** نہیں کر سکتا اور یہ سب بڑی طاقتوں کو پتہ ہے کہ کتنا شدید نقصان ہو گا لیکن پھر بھی انصاف قائم کرنے پر کوئی توجہ نہیں ہے اور توجہ دینے پر کوئی تیار بھی نہیں ہے۔ ایسے حالات میں مسلمان ملکوں کو کم از کم ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اپنے اختلافات مٹا کر اپنی وحدت کو قائم کرنا چاہیے۔ اگر مسلمانوں کو یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے

تعلقات بہتر کرنے کے لیے دی ہے کہ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ (آل عمران:65) اس کلمے کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو مسلمان جن کا کلمہ مکمل طور پر ایک ہے کیوں اختلافات ختم کر کے اکٹھے نہیں ہو سکتے؟ پس سوچیں اور اپنی وحدت کو قائم کریں اور یہی دنیا سے فساد دُور کرنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور پھر ایک ہو کر انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہر جگہ مظلوم کے حقوق قائم کرنے کے لیے بھرپور آواز اٹھائیں۔ ایک ہوں گے، وحدت ہو گی تو آواز میں بھی طاقت ہو گی ورنہ معصوم مسلمانوں کی جانوں کے ضائع ہونے کے یہ لوگ ذمہ دار ہوں گے، مسلمان حکومتیں ذمہ دار ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے اور یہ ان طاقتوں کا کام ہے رکھیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔

(صحیح البخاری کتاب المظالم بَابُ اَعِنْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا حدیث 2443)

پس اس اہم بات کو سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان **حکومتوں کو بھی عقل اور سمجھ دے اور وہ ایک** ہو کر انصاف قائم کرنے والے بنیں اور دنیا کی طاقتوں کو بھی عقل اور سمجھ دے کہ دنیا کو تباہی میں ڈالنے کی بجائے دنیا کو تباہی سے بچانے کی کوشش کریں اور اپنی اناؤں کی تسکین کو اپنا مقصد نہ بنائیں۔ ہمیشہ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب تباہی ہو گی تو یہ طاقتیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی۔ بہرحال ہمارے پاس تو دعا ہی کا ہتھیار ہے اسے ہر احمدی کو پہلے سے بڑھ کر استعمال کرنا چاہیے۔ غزہ میں بعض احمدی گھرانے بھی گھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی محفوظ رکھے اور سب معصوموں مظلوموں کو وہ جہاں بھی ہیں محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ حماس کو بھی عقل دے اور یہ لوگ خود اپنے لوگوں پر ظلم کرنے کے ذمہ دار نہ بنیں اور نہ کسی پر ظلم کریں۔ اسلامی تعلیم کے مطابق جو حکم ہے اس کے مطابق اگر جنگیں کرنی بھی ہیں تو اس طرح کریں۔ کسی قوم کی دشمنی بھی ہمیں انصاف سے دُور کرنے والی نہ ہو یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی طاقتوں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ دونوں طرف انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے امن قائم کرنے والی بنیں۔ یہ نہیں کہ ایک طرف جھکاؤ ہو جائے اور دوسری طرف کا حق مارا جائے۔ ظلم و زیادتی میں بڑھنے والی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم دنیا میں امن و سلامتی دیکھنے والے ہوں۔

نماز کے بعد میں دو جنازے بھی پڑھاؤں گا۔ ایک جنازہ حاضر ہے۔ جنازہ حاضر جو ہے وہ ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب کا ہے۔ یہاں یوکے میں ہی حلقہ مسجد فضل میں رہتے تھے۔ گذشتہ دنوں بانوے سال کی عمر میں ان کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ حضرت میر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے نواسے اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق امیر جماعت صوبہ سرحد کے داماد اور محمد خواص خان صاحب آف پشاور کے بیٹے تھے۔ مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند، خلافت سے گہرا اعتقاد کا تعلق رکھنے والے، غریب پرور، نیک اور مخلص بزرگ تھے۔ نصرت جہاں سکیم کے تحت وقف کر کے یہ احمدیہ ہسپتال ٹیچیمان (Techiman) گھانا میں بھی گئے۔ وہاں انہوں نے کچھ عرصہ خدمت کی توفیق پائی۔ گھانا سے واپس آنے کے بعد ان کو اسلام آباد کے دیہی علاقوں میں احمدی ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر میڈیکل کیمپ لگانے کی توفیق ملتی رہی۔

یو کے شفٹ ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانے میں بھی خطبات جمعہ کی ٹرانسلیشن اور خلاصے بنانے کی خدمت بخوبی سرانجام دیتے رہے۔ قرآن کریم سے محبت تھی۔ باقاعدگی سے قرآن کریم غور و تدبر سے پڑھتے۔ اپنے بچوں کو بھی ترجمہ سکھایا۔ چھوٹی عمر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک دَور میں ان کو لمبا عرصہ قادیان میں جا کر وقت گزارنے کا موقع ملتا رہا۔ بہت ساری تقریریں حضرت مصلح موعودؓ کی زبانی یاد تھیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے بعض حوالے بڑے یاد تھے، نظمیں یاد تھیں۔

مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں ہیں۔ ان کے داماد ڈاکٹر مُسَلَّم الدروبی صاحب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز تہجد کے پابند تھے۔ ایک معصوم اور مومن انسان تھے۔ متقی، شجاع اور بہادر انسان تھے۔ خلافت اور جماعت سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے۔ میں نے ان سے خلفاء کی محبت جیسی قیمتی چیز سیکھی ہے۔ مرحوم کو تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا اس کے لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ مُسَلَّم صاحب کہتے ہیں کہ جب میں سیریا اور اردن میں تھا اور مرحوم جب بھی میرے پاس تشریف لاتے تو میں دیکھتا کہ بہت جلد میرے ہمسایوں کے بہت اچھے دوست بن جاتے نیز میرے گارڈز یا ملازمین وغیرہ سے بہت اچھا تعلق بنا لیتے، ان کو احمدیت کے بارے میں بتاتے رہتے۔

ان کی اہلیہ زبیدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ خلافت ثالثہ کے دَور میں نصرت جہاں سکیم کے تحت ان کو مغربی افریقہ جانے کا حکم ہوا تو کامل اطاعت کے ساتھ فوری طور پر تیار ہو گئے۔ کہتی ہیں اتنی جلدی تیار ہوئے کہ مجھے بھی اس کی بڑی حیرت ہوئی۔ کہتی ہیں ہماری بیٹی دو ماہ کی تھی لیکن آپ نے کہا کہ امام کا حکم ہے فوری تیاری کی جائے چنانچہ ہم چاروں بچوں کے ساتھ ربوہ پہنچے۔ حضور رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، ہدایات حاصل کیں اور واپس بنوں آ کر چھٹی کی درخواست دی اور دعائیں بھی مانگنی شروع کر دیں کیونکہ اس وقت حکومت کی طرف سے ڈاکٹروں کے باہر جانے پر پابندیاں تھیں اور وہ بھٹو صاحب کا دَور تھا۔ لیکن بہرحال ان کو اجازت مل گئی اور یہ چلے گئے۔

باجماعت نمازوں کے قیام کے لیے جتنی بھی مشکلات پیش آئیں ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ کسی طرح یہ حل ہو جائیں اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ حل کروا دیتا تھا اور ان کو باجماعت نمازوں کی توفیق ملتی رہی۔ کہتی ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں گاڑی کی توفیق دی تو آتے جاتے اپنے دوستوں کو بھی مسجد میں لے آتے اور لے کے جاتے اور اس بات پہ بڑے خوش ہوتے۔ مسجد فضل کے قریب گھر ملا تو اس بات پر خوشی تھی کہ آپ پانچ نمازیں مسجد جا کر ادا کریں گے۔ خدمت دین کا ہر ذریعہ اور ہر طریقہ استعمال کرتے۔ تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ چندوں کی ادائیگی بروقت کرتے اور اسی کی تلقین ہم سب کو کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک جنازہ غائب بھی ہے جو مکرمہ وسیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر شفیق سہگل صاحب کا ہے۔ شفیق سہگل صاحب سابق امیر جماعت ضلع ملتان رہے ہیں پھر نائب وکیل التصنیف بھی رہے ہیں۔ ان کی انانوے (89) سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ شوہر کے علاوہ پسماندگان میں تین بیٹے ہیں۔ ان

کے شوہر ڈاکٹر محمد شفیق سہگل صاحب لکھتے ہیں کہ خاکسار کی اہلیہ حضرت شیخ مشتاق حسین صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی اور جسٹس شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم لاہور کی بیٹی اور سیدہ ام وسیم صاحبہ کی بھانجی تھیں۔ خلافت سے ہر دَور میں ان کا گہرا تعلق رہا اور بہت وفا کے ساتھ ہر دَور میں خلافت کے ساتھ وابستہ رہیں۔

ان کے پوتے محی الدین صاحب کہتے ہیں میری دادی میں قربانی کا خاص مادہ تھا۔ روحانی خزائن کا بہت مطالعہ کرتیں۔ کہتے ہیں کہ میرے دادا چونکہ وقف زندگی ہیں تو ایک بار میں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی وقف ہیں؟ تو اس پر جواب دیا کہ خلفاء یہی کہتے ہیں کہ واقفین زندگی کی بیویاں بھی وقف ہوتی ہیں۔

عائشہ ان کی بہو اور بھتیجی بھی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میری پھوپھی ایک ہر دلعزیز شخصیت کی مالک تھیں۔ لجنہ میں جو عہد دہرایا جاتا ہے کہ میں اپنی جان، مال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لیے تیار رہوں گی وہ اس کی عملی مثال تھیں۔ کہتی ہیں میری شادی کے بعد انہوں نے بہت سارے تربیتی امور میں میری راہنمائی کی۔ مجھے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ بھی سکھایا۔

پھر زکیہ ان کی بھانجی ہیں اور بہو بھی۔ کہتی ہیں میری خالہ غریب پرور اور مثالی خاتون تھیں ہر ایک سے محبت کرنے والی۔ خاوند کی کبھی کوئی بات رد نہیں کی۔ ایسی نافع الناس وجود تھیں جو لوگوں کے کام آنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ نعیمہ جمیل صاحبہ ان کی ہمشیرہ ہیں وہ کہتی ہیں میری ماں کی طرح شفیق تھیں۔ میں پچاس سال کی عمر میں بیوہ ہو گئی تو اُن کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے فرشتہ بنا دیا۔ ہمیشہ ہر طرح سے میری مدد کی اور راہنمائی کی۔ پھر کہتی ہیں کہ عبادت گزار تو تھیں ہی حقوق العباد میں بھی کئی بچیوں کی شادی کی ذمہ داری اٹھائی۔ کسی غریب دیہاتی کو بھی اپنے سے کم تر نہیں سمجھا۔ محتاج ملازمین کی مالی معاونت کی بھرپور کوشش کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ ان سے بھی مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل (خطبہ جمعہ نمبر) مورخہ 03/ نومبر 2023ء جلد 30 شمارہ 215 صفحہ 02 تا 07)

42

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 20/ اکتوبر 2023ء بمطابق 20/ اخاء 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج بھی بدر کے فوری بعد ہونے والے بعض واقعات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے ذکر کروں گا۔ تاریخ میں **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص کے قبولِ اسلام کا واقعہ** یوں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاولیٰ چھ ہجری میں زید بن حارثہؓ کی کمان میں ایک سریہ عیص مقام کی جانب روانہ فرمایا۔ عِیص مدینے سے چار دنوں کی مسافت پر ہے۔ دنوں کی مسافت کا یہ ذکر جب ہوتا ہے تو تاریخ دان یہ کہتے ہیں ایک دن کی مسافت بارہ میل ہوتی ہے۔ اس طرح یہ مقام اڑتالیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس سریہ کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاولیٰ چھ ہجری میں زید بن حارثہ کو ستر صحابہؓ کی کمان میں مدینہ سے روانہ فرمایا۔ اس مہم کی وجہ یہ لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تھی کہ شام کی طرف سے قریش مکہ کا ایک قافلہ آرہا ہے تو آپؐ نے اس دستے کو روانہ فرمایا۔ اور وہ جو تجارتی سامان کا قافلہ تھا ان کا مقصد یہ تھا کہ اس کی آمد سے پھر مسلمانوں پہ حملہ کیا جائے اور جنگ کی جائے۔ بہرحال انہوں نے اس کو روک لیا اور ان کا ساز و سامان قبضے میں لے لیا۔ بعض قیدی بھی پکڑے۔ ان قیدیوں میں ابو العاص بھی گرفتار ہوئے تھے۔

(ماخوذ از شرح الزرقانی علیٰ المواهب اللدنية جلد 3 صفحه 124-125، دار الكتب العلمية بيروت 1996ء)
(اردو لغت جلد 17 صفحہ 772 زیر لفظ "مرحلہ")

سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کو یوں لکھا ہے کہ:

"ان قیدیوں میں جو سریہ بطرف عِیص میں پکڑے گئے ابو العاص بن الربیع بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور حضرت خدیجہؓ مرحومہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس سے قبل وہ جنگِ بدر میں بھی قید ہو کر آئے تھے مگر اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ مکہ پہنچ کر آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مدینہ بھجوا دیں۔ ابو العاص نے اس وعدہ کو تو پورا کر دیا تھا مگر وہ خود ابھی تک شرک پر قائم تھے۔ جب زید بن حارثہ انہیں قید کر کے مدینہ میں لائے تورات کا وقت تھا مگر کسی طرح ابو العاص نے حضرت زینبؓ کو اطلاع بھجوا دی کہ میں اس طرح قید ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں۔ تم اگر میرے لئے کچھ کر سکتی ہو تو کرو۔ چنانچہ عین اس وقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ صبح کی نماز میں مصروف تھے

(حضرت) زینبؓ نے گھر کے اندر سے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے مسلمانو! مَیں نے ابو العاص کو پناہ دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جو کچھ زینب نے کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا ہو گا۔ واللہ! مجھے اس کا علم نہیں تھا۔" یہ بات میرے علم میں نہیں تھی "مگر مومنوں کی جماعت ایک جان کا حکم رکھتی ہے اگر ان میں سے کوئی کسی کافر کو پناہ دے تو اس کا احترام لازم ہے۔ پھر آپؐ نے (حضرت) زینبؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جسے تم نے پناہ دی ہے اسے ہم بھی پناہ دیتے ہیں اور جو مال اس مہم میں ابو العاص سے حاصل ہوا تھا وہ اسے لوٹا دیا۔ پھر آپؐ گھر میں تشریف لائے اور اپنی صاحبزادی زینبؓ سے فرمایا ابو العاص کی اچھی طرح خاطر تواضع کرو۔ مگر اس کے ساتھ خلوت میں مت ملو کیونکہ موجودہ حالت میں تمہارا اس کے ساتھ ملنا جائز نہیں ہے۔ چند روز مدینہ میں قیام کر کے ابو العاص مکہ کی طرف واپس چلے گئے مگر اب ان کا مکہ میں جانا وہاں ٹھہرنے کی غرض سے نہیں تھا کیونکہ انہوں نے بہت جلد اپنے لین دین سے فراغت حاصل کی اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ جس پر آپؐ نے حضرت زینبؓ کو ان کی طرف بغیر کسی جدید نکاح کے لوٹا دیا..... بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس وقت حضرت زینبؓ اور ابو العاص کا دوبارہ نکاح پڑھا گیا تھا مگر پہلی روایت زیادہ مضبوط اور صحیح ہے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 670-671)

کہ نکاح کی ضرورت نہیں تھی۔

اس سے یہ فتویٰ بھی مل گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے کفر کی وجہ سے علیحدہ ہوتی ہے تو پھر خاوند کے ایمان لانے پر دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت زینبؓ اپنے خاوند کے اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہیں۔ آٹھ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام عطیہؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق غسل دیا۔

(سیر الصحابہ جلد 6 صفحہ 90، دار الاشاعت کراچی 2004ء)

حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں حکم دیا کہ وہ آپؐ کی بیٹی کو غسل دیں تو آپؐ نے فرمایا تھا اس کے داہنے پہلو سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرنا۔ ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل یوں ملتی ہے کہ حضرت ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینبؓ فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا اس کو طاق یعنی تین یا پانچ دفعہ غسل دینا اور پانچویں دفعہ کافور ڈالنا یا فرمایا کچھ کافور ڈالنا۔ جب تم ان کو غسل دے چکو تو مجھے اطلاع کرنا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم نے آپؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے ہمیں اپنا ازار عطا فرمایا اور فرمایا اسے اس کا شعار بنا دینا۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب فی غسل المیت حدیث 2173، 2176)

کپڑا جو کمر پہ باندھتے ہیں وہ دیا۔ شعار وہ کپڑا ہے جو بدن کے ساتھ لگا ہوا ہو۔

(لغات الحدیث جلد 2 صفحہ 486 نعمانی کتب خانہ لاہور 2005ء)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ خود قبر میں اترے اور اپنی صاحبزادی کو سپرد خاک کیا۔ حضرت زینبؓ نے اولاد میں دو بچے چھوڑے۔ علی اور امامہ۔ ایک روایت کے مطابق علی نے بچپن میں ہی وفات پائی جبکہ دوسری روایت کے مطابق سن رُشد کو پہنچے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکے میں انہوں نے شہادت پائی۔ فتح مکہ میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔

(سیر الصحابہ جلد 6 صفحہ 90، دار الاشاعت کراچی 2004ء)

حضرت امامہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 25، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

حضرت ابو العاصؓ کا تجارتی کاروبار مکّہ میں تھا اس لیے وہ مدینہ میں قیام نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر پھر مکّہ لوٹ آئے۔ مکّہ کے قیام کی وجہ سے انہیں غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا۔ صرف ایک سریہ میں جو دس ہجری میں حضرت علیؓ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا اس میں شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ نے یمن سے واپسی میں انہیں یمن کا عامل بنایا تھا۔ حضرت زینبؓ کے انتقال کے بعد ابو العاص بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور بارہ ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔

(سیر الصحابہ جلد 7 صفحہ 491 دار الاشاعت کراچی)

(اسد الغابۃ جلد 6 صفحہ 182-183 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ابو العاص کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بن الربیع حضرت خدیجہؓ مرحومہ کے قریبی رشتہ دار یعنی حقیقی بھانجے تھے اور باوجود مشرک ہونے کے ان کا سلوک اپنی بیوی سے بہت اچھا تھا اور مسلمان ہونے کے بعد بھی میاں بیوی کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہت سے ابو العاص کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے کہ اس نے میری لڑکی کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ابو العاص حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں 12ھ میں فوت ہوئے مگر ان کی زوجہ محترمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئیں۔" اس روایت سے تو یہ لگتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں پہلے جو روایت ہے کہ انہوں نے عامل بنایا وہ ذرا مشکوک ہے۔ "ان کی لڑکی امامہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھی حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں مگر اولاد سے محروم رہیں۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 674)

غزوۂ سویق دو ہجری ذوالحجہ میں ہوا۔ غزوۂ سویق کا سبب یہ ہے کہ جب مشرکین شکست خوردہ اور غمناک، مکّہ کی طرف واپس آئے تو ابو سفیان نے خود پر تیل لگانا حرام کر دیا۔ اس نے نذر مانی کہ وہ غسل نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے بدر کا انتقام لے لے۔ ایک روایت کے

مطابق ابوسفیان دو سو سواروں کے ساتھ جبکہ دوسری روایت کے مطابق چالیس سواروں کو لے کر اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے نکلا اور مدینے کی طرف جانے والا عام اور معمول کا راستہ ترک کرتے ہوئے نجد کے راستے روانہ ہوا۔ جب وہ وادی قَنَاۃ کے سرے پر پہنچا تو اس نے یَتِیب نامی پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈالا جو مدینے سے قریباً بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ قَنَاۃ مدینہ اور احد کے درمیان مدینہ کی تین مشہور وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ وہ رات کے وقت نکلا اور رات کی تاریکی میں ہی قبیلہ بنو نضیر کی طرف گیا اور حُیَیّ بِن اخطب کے پاس پہنچ کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ پھر ابوسفیان وہاں سے سَلَّام بن مِشْکَم کے پاس گیا جو اس وقت بنو نضیر کا سردار اور ان کا خزانچی تھا۔ ابوسفیان نے اس سے اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی اور اس کی خاطر تواضع کی، کھلایا پلایا اور لوگوں کی راز کی باتیں بتائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز بتائے یعنی کہ آپؐ کا جو بھی روزانہ کا معمول تھا اس کے بارے میں بتایا کہ کیا کرتے ہیں، کس وقت کہاں ہوتے ہیں۔

پھر ابوسفیان رات کے آخری حصے میں وہاں سے روانہ ہوا اور اپنے ساتھیوں سے جاملا۔ پھر اس نے قریش کے چند لوگوں کو مدینے کے نواح میں عُرَیْض نامی جگہ کی طرف بھیجا۔ عُرَیْض بھی مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک نخلستان ہے۔ انہوں نے وہاں کھجوروں کے درختوں کے کئی جھنڈ جلا دیے اور ایک انصاری شخص اور اس کے حلیف کو قتل کر دیا۔ ایک روایت میں اس انصاری کا نام حضرت معبد بن عمروؓ بیان ہوا ہے۔ پھر جب ابوسفیان نے سمجھا کہ اس کی قسم پوری ہو چکی ہے، نقصان جو اس نے پہنچا دیا تو کچھ نہ کچھ بدلہ لے لیا۔ انتقام کی آگ کچھ ٹھنڈی ہوئی تو وہ اپنا لشکر لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان نے یہ کام اس وقت سرانجام دیا جس رات وہ سَلّام بن مِشْکَم سے مل کر واپس آیا تھا۔

بہرحال جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت ابولُبابہ بشیر بن عبدالمنذرؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہجرت کے بائیسویں ماہ، پانچ ذوالحجہ کو اتوار کے دن مہاجرین اور انصار میں سے دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر ان کے تعاقب میں نکلے یہاں تک کہ آپؐ قَرْقَرَۃُ الْکُدْر پہنچ گئے۔ قَرْقَرَۃُ الْکُدْر، مَعْدن کے نواح میں آرحَضِیّہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان چھیانوے میل کی مسافت ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بنو سُلَیم کا چشمہ ہے۔

بہرحال ابوسفیان اور اس کا لشکر چھپتے چھپاتے بھاگتے جا رہے تھے اور ستو کے تھیلے پھینکتے جا رہے تھے اور یہی ان کا عام زادِ راہ تھا۔ مسلمان انہیں اٹھاتے جا رہے تھے۔ اس لیے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق یعنی ستوؤں والا غزوہ پڑ گیا۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔

ابوسفیان اور اس کا لشکر بھاگ گیا۔ مسلمان انہیں پکڑ نہ سکے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے آئے۔ جب صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ پسند کرتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے غزوہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد 4 صفحہ 174، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 22-23، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)(سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی جلد اول صفحہ 211)
(سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد 6 صفحہ 65-66)(فرہنگ سیرت صفحہ 234، 239، 242 مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی)

یہ غزوہ ہی ہے چاہے جنگ ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل سیرت خاتم النبیینؐ میں یوں بیان ہوئی ہے کہ:

"بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لے لے گا کبھی اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا اور نہ کبھی اپنے بالوں کو تیل لگائے گا۔ چنانچہ بدر کے دو تین ماہ بعد ذوالحجہ کے مہینہ میں ابوسفیان دو سو مسلح قریش کی جمعیت کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے نکلا اور نجدی راستہ کی طرف سے ہوتا ہوا مدینہ کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے لشکر کو تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر چھوڑا اور خود رات کی تاریکی کے پردہ میں چھپتا ہوا یہودی قبیلہ بنو نضیر کے رئیس حُیِی بن اَخْطَب کے مکان پر پہنچا اور اس سے امداد چاہی مگر چونکہ اس کے دل میں اپنے عہد و پیمان کی کچھ یاد باقی تھی اس نے انکار کیا۔ "اس نے کہا ہمارا عہد ہے میں نہیں بتا سکتا تمہیں، نہ پناہ دے سکتا ہوں۔" پھر ابوسفیان اسی طرح چھپتا ہوا بنو نضیر کے دوسرے رئیس سلام بن مشکم کے مکان پر گیا اور اس سے مسلمانوں کے خلاف اعانت کا طلب گار ہوا۔ اس بدبخت نے کمال جرأت کے ساتھ سارے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر ابوسفیان کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے اپنے پاس رات کو مہمان رکھا اور اس سے مسلمانوں کے حالات کے متعلق مخبری کی۔ صبح ہونے سے قبل ابوسفیان وہاں سے نکلا اور اپنے لشکر میں پہنچ کر اس نے قریش کے ایک دستے کو مدینہ کے قریب عریض کی وادی میں چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ وہ وادی تھی جہاں ان ایام میں مسلمانوں کے جانور چرا کرتے تھے اور جو مدینہ سے صرف تین میل پر تھی اور غالباً اس کا حال ابوسفیان کو سلام بن مشکم سے معلوم ہوا ہو گا۔ جب قریش کا یہ دستہ وادی عریض میں پہنچا تو خوش قسمتی سے اس وقت مسلمانوں کے جانور وہاں موجود نہ تھے، البتہ ایک مسلمان انصاری اور اس کا ایک ساتھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ قریش نے ان دونوں کو پکڑ کر ظالمانہ طور پر قتل کر دیا۔ اور پھر کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا کر اور وہاں کے مکانوں اور جھونپڑیوں کو جلا کر ابوسفیان کی قیام گاہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ ابوسفیان نے اس کامیابی کو اپنی قسم کے پورا ہونے کے لئے کافی سمجھ کر لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ صحابہ کی ایک جماعت ساتھ لے کر اس کے تعاقب میں نکلے مگر چونکہ ابوسفیان اپنی قسم کے ایفاء کو مشکوک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایسی سراسیمگی کے ساتھ بھاگا کہ مسلمان اس کے لشکر کو پہنچ نہیں سکے اور بالآخر چند دن کی غیر حاضری کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس لوٹ آئے۔" انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ "اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ابوسفیان مکہ کو واپس لوٹا تو تعاقب کے خیال کی وجہ سے کچھ تو گھبراہٹ میں اور کچھ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے وہ اپنا سامانِ رسد جو زیادہ تر سویق یعنی ستو کے تھیلوں پر مشتمل تھا راستہ میں پھینکتا گیا تھا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 453-454)

غزوۂ سویق کے متعلق آتا ہے کہ اس نام کا غزوہ چار ہجری میں غزوۂ احد کے بعد بھی ہوا تھا۔ چنانچہ طبری نے دو سویق نامی غزوات کا ذکر کیا ہے۔ ایک غزوۂ بدر سے پہلے جس کی تفصیلات ابھی بیان ہوئی ہیں۔ یہ غالباً غزوۂ احد ہو گا جس کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں اور دوسرا غزوۂ احد کے بعد لیکن باقی سیرت کی کتابوں میں جیسے سیرت ابن ہشام،

سبل الہدیٰ وغیرہ نے **اس غزوہ کو غزوۂ بَدْرُ الْمَوْعِد کے نام سے بیان کیا** ہے۔ اس غزوہ کی بھی تفصیل تھوڑی سی بیان کر دیتا ہوں۔ خلاصۃً یوں ہے کہ ابوسفیان نے احد کے دن واپس جانے کا ارادہ کیا تو آواز لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک سال بعد بَدْرُ الصَّفْرَاء کا وعدہ ہے ہم وہاں لڑیں گے۔ عرب کے جمع ہونے کی جگہ اور یہ بَدْرُ الصَّفْرَاء ان کا بازار تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ کہو ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ۔ تو لوگ اس وعدے پر منتشر ہو گئے۔ چنانچہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوسفیان سے ہونے والے وعدہ کے مطابق اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ابوسفیان کے انتظار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ راتیں قیام فرمایا۔ ابوسفیان اہل مکہ کے ساتھ مَرُّالظَّهْرَان کے نواح میں مَجَنَّہ آکر ٹھہرا۔ مَجَنَّہ بھی مکّہ سے چند میل پر مرالظہران میں جبل الاصفر کے قریب ایک شہر ہے۔ اس کے بعد خشک سالی کا بہانہ بنا کر اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اسے آگے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اہل مکہ اس فوج کو جیش السویق کہنے لگے کیونکہ یہ ستو پیتے ہوئے گئے تھے۔

(ماخوذ از تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 87، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2012ء)

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ 337 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

(فرہنگ سیرت صفحہ 259 مطبوعہ زوار اکیڈیمی کراچی)

پہلی عید الاضحی کے بارے میں لکھا ہے کہ دو ہجری میں غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحی ادا فرمائی۔ یہ مسلمانوں کی پہلی عید الاضحی تھی۔ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو آپؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ باجماعت نماز ادا فرمائی اور وہیں اپنے دستِ مبارک سے قربانی بھی کی۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 362-363 مطبوعہ دارالمعارف لاہور 2022ء)

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنو قینقاع سے واپس مدینہ تشریف لائے تو عید الاضحی آ گئی۔ آپؐ نے اور آپ کے صحابہ میں سے جس کو قربانی میسر تھی دسویں ذوالحجہ کو قربانی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ نے عید الاضحی کی پہلی نماز پڑھائی۔ عید الاضحی کی یہ پہلی نماز ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں صحابہ کو پڑھائی اور وہیں عید گاہ میں آپؐ نے اپنے ہاتھ سے دو بکریاں یا ایک بکری ذبح کی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بنو قینقاع سے واپس آ کر ہم نے ذوالحجہ کی دسویں تاریخ میں قربانی کی۔ یہ پہلی قربانی تھی جو مسلمانوں کے سامنے ہوئی۔ ہم نے بنو سلمہ میں قربانی کی تھی۔ میں نے قربانیوں کا شمار کیا۔ اس روز اس مقام پر سترہ قربانیاں شمار کی گئیں۔

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 49، دارالکتب العلمیۃ بیروت 2012ء)

یہ حوالہ تاریخ طبری میں سے ہے۔ سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کے ضمن میں یوں لکھا ہے کہ:

”اسی سال ماہ ذی الحجہ میں دوسری اسلامی عید یعنی عید الاضحی مشروع ہوئی جو ماہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ

کو تمام اسلامی دنیا میں منائی جاتی ہے۔ اس عید میں علاوہ نماز کے جو ہر سچے مسلمان کی حقیقی عید ہے ہر ذی استطاعت مسلمان کے لئے واجب ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی چوپایہ جانور قربان کر کے اس کا گوشت اپنے عزیز واقارب اور دوستوں اور ہمسایوں اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کرے اور خود بھی کھائے۔'' حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ذرا تفصیل اس لیے لکھ دیتے ہیں تا کہ بنیادی مسائل کا بھی بیچ میں پتہ لگتا رہے۔ تو یہ ہے اس گوشت کی تقسیم جو قربانی کا ہے۔ ''چنانچہ عید الاضحی کے دن اور اس کے بعد دو دن تک تمام اسلامی دنیا میں لاکھوں کروڑوں جانور فی سبیل اللہ قربان کئے جاتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کے اندر عملی طور پر اس عظیم الشان قربانی کی یاد زندہ رکھی جاتی ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ نے پیش کی اور جس کی بہترین مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی اور ہر ایک مسلمان کو ہوشیار کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے آقا و مالک کی راہ میں اپنی جان اور مال اور اپنی ہر ایک چیز قربان کر دینے کے واسطے تیار رہے۔ یہ عید بھی عید الفطر کی طرح ایک عظیم الشان اسلامی عبادت کی تکمیل پر منائی جاتی ہے اور وہ عبادت حج ہے۔''

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 454-455)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی دو ہجری میں ہوا۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست کی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی قبول فرمایا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست کی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ نے کہا تھا۔ پھر بعد میں حضرت علیؓ نے کہا تھا جو آگے روایات کھلتی ہیں۔ بہر حال حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کی شادی مجھ سے کریں گے! آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے البتہ زرہ کو بیچ دو۔ چنانچہ میں نے اپنی زرہ کو چار سو اسّی درہم میں بیچ کر حق مہر کی رقم کا انتظام کیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے زرہ حضرت عثمانؓ کو بیچی اور حضرت عثمانؓ نے زرہ کی قیمت بھی ادا کر دی اور زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں وہ رقم لے کر آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے مٹھی بھر بلال کو دیتے ہوئے فرمایا اس سے کچھ خوشبو خرید لاؤ اور کچھ لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز تیار کرو۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے لیے ایک چارپائی، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی یہ سب تیار کیا گیا۔ تو یہ ہے حق مہر کا استعمال۔ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں شادی ہو گئی تو ہم حق مہر نہیں دیں گے لیکن وہاں یہ مثال نظر آتی ہے کہ حق مہر سے ہی خرچ پورا ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ سے یہ رشتہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔ میرے رب نے مجھے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

رخصتی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا جب فاطمہ تمہارے پاس آئیں تو

جب تک میں نہ آؤں کوئی بات نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ام ایمنؓ کے ساتھ آئیں اور گھر کے ایک حصے میں بیٹھ گئیں۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا میرا بھائی یہاں ہے؟ ام ایمن نے کہا کہ آپؐ کا بھائی؟ اور آپؐ نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں کیونکہ ایسے رشتے میں شادی ہو سکتی ہے وہ بہر حال سگا بھائی نہیں ہے اور اس طرح کزن کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ آپؐ اندر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے کہا میرے پاس پانی لاؤ۔ وہ اٹھیں اور گھر میں رکھے ہوئے ایک پیالے میں پانی لائیں۔ آپؐ نے اسے لیا اور پھر منہ میں کچھ دیر رکھ کر دوبارہ پیالے میں ڈال دیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ آگے بڑھو۔ وہ آگے ہوئیں۔ آپؐ نے ان پر اور ان کے سر پر کچھ پانی چھڑکا اور دعا دیتے ہوئے کہا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ اے اللہ! اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسری طرف رخ کرو۔ جب انہوں نے دوسری طرف رخ کیا تو آپؐ نے ان کے کندھوں کے درمیان پانی چھڑکا۔ پھر ایسا ہی حضرت علیؓ کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؓ سے فرمایا اپنے اہل کے پاس جاؤ اور اللہ کا نام اور برکت کے ساتھ۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں وضو کیا پھر اس پانی کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ پر چھڑکا اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمَا وَبَارِکْ لَھُمَا فِیْ شَمْلِھِمَا۔ اے اللہ! ان دونوں میں برکت رکھ اور ان دونوں کے جمع ہونے میں برکت رکھ دے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ ہم فاطمہ کو تیار کریں یہاں تک کہ ہم اس کو حضرت علیؓ کے پاس لے جائیں چنانچہ ہم گھر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہم نے اس کو بطحا کے نواح کی نرم مٹی سے لیپا۔ پہلے گھر ٹھیک کیا۔ پھر کھجور کے ریشوں سے دو تکیے بھرے۔ ہم نے اس کو اپنے ہاتھوں سے دُھنا۔ پھر ہم نے کھجور اور منقہ کھانے کے لیے اور میٹھا پانی پینے کے لیے رکھا اور ایک لکڑی لی اور اس کو کمرے میں ایک طرف لگا دیا تا کہ اس پر کپڑے وغیرہ لٹکائے جا سکیں اور اس پر مشکیزہ لٹکایا جائے۔ ہم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی سے اچھی شادی کوئی نہیں دیکھی۔ دعوت ولیمہ کھجور، جَو، پنیر اور حَیْس پر مشتمل تھا۔ حَیْس اس کھانے کو کہتے ہیں جو کھجور اور گھی اور پنیر وغیرہ سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بیان کرتی ہیں کہ اس زمانے میں اس دعوت ولیمہ سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔

(شرح العلامہ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جلد 2 صفحہ 357 تا 366 ذکر تزویج علی بفاطمۃ دار الکتب العلمیۃ 1996ء)(تاریخ الخمیس جزء 2 صفحہ 77 فی الوقائع من اول ھجرتہ ﷺ الی وفاتہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2009ء)(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الولیمۃ حدیث نمبر 1911)(طبقات الکبریٰ جزء 8 صفحہ 19 دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)(لغات الحدیث جلد 1 صفحہ 542 نعمانی کتب خانہ لاہور 2005ء)

یہ وہ شادی اور دعوت ولیمہ ہے جو سادگی کی مثال ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شادی کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے۔ یہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔ بعض باتیں اس میں زائد بھی ہیں اس لیے بیان ضروری ہے۔ لکھا ہے کہ:

’’حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اور آپؐ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ کو عزیز رکھتے تھے۔ اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے وہی اس امتیازی محبت کی سب سے زیادہ اہل تھیں۔‘‘ ان میں خوبیاں بھی بہت تھیں۔ ’’اب ان کی عمر کم وبیش پندرہ سال کی تھی اور شادی کے پیغامات آنے شروع ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے درخواست کی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا مگر ان کی درخواست بھی منظور نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے یہ سمجھ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ سے تحریک کی کہ تم فاطمہؓ کے متعلق درخواست کر دو۔ حضرت علیؓ نے جو غالباً پہلے سے خواہش مند تھے مگر بوجہ حیا خاموش تھے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کر دی۔

دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی وحی کے ذریعہ یہ اشارہ ہو چکا تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہونی چاہئے، چنانچہ حضرت علیؓ نے درخواست پیش کی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق پہلے سے خدائی اشارہ ہو چکا ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا وہ بوجہ حیا کے خاموش رہیں۔‘‘ بولی نہیں لیکن شرمائیں۔ تو لکھتے ہیں کہ ’’یہ ایک طرح سے اظہارِ رضا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو جمع کر کے حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا نکاح پڑھ دیا۔ یہ سنہ 2 ہجری کی ابتداء یا وسط کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد جب جنگ بدر ہو چکی تو غالباً ماہ ذوالحجہ سنہ ۲ ہجری میں رخصتانہ کی تجویز ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس مہر کی ادائیگی کے لئے کچھ ہے یا نہیں؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! میرے پاس تو کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے اس دن (یعنی بدر کے مغانم میں سے) تمہیں دی تھی؟‘‘ جو غنیمت کا مال ملا تھا اس میں سے زرہ میں نے تمہیں دی تھی وہ کہاں گئی؟ ’’حضرت علیؓ نے عرض کیا وہ تو ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بس وہی لے آؤ۔

چنانچہ یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رقم میں سے شادی کے اخراجات مہیا کئے۔ جو جہیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو دیا وہ ایک بیل دار چادر۔ ایک چمڑے کا گدیلا جس کے اندر کھجور کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک مشکیزہ تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کے جہیز میں ایک چکی بھی دی تھی۔ جب یہ سامان ہو چکا تو مکان کی فکر ہوئی۔ حضرت علیؓ اب تک غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کے کسی حجرہ وغیرہ میں رہتے تھے مگر شادی کے بعد یہ ضروری تھا کہ کوئی الگ مکان ہو جس میں خاوند بیوی رہ سکیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم کوئی مکان تلاش کرو جس میں تم دونوں رہ سکو۔ حضرت علیؓ نے عارضی طور پر ایک مکان کا انتظام کیا اور اس میں حضرت فاطمہؓ کا رخصتانہ ہو گیا۔ اسی دن رخصتانہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور تھوڑا سا پانی منگا کر اس پر دعا کی اور پھر وہ پانی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ ہر دو پر یہ الفاظ فرماتے ہوئے چھڑکا: ’’پہلے بھی میں دعا بتا چکا ہوں کہ: ’’اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا

نَسْلَهُمَا۔ ''یہ دعا ہے جو شادی کرنے والے جوڑوں کے لیے ان کے ماں باپ کو بھی کرنی چاہیے۔ آج کل شادی کے بعد لڑکا لڑکی میں جو مسائل پیدا ہو جاتے ہیں ان میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف دنیا کی ہوا و ہوس ہے جو بہت زیادہ ہو گئی ہے اور دین اور خدا تعالیٰ کے احکامات پر توجہ کم ہے۔ اگر دین کو مقدم رکھا جائے اور اس طرح دعا کی جائے اور اس طرح والدین بھی اپنا کردار ادا کریں تو رشتے قائم رہ سکتے ہیں۔

بہر حال اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ ''یعنی اے میرے اللہ! تو ان دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور ان کے ان تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوں اور ان کی نسل میں برکت دے۔ اور پھر آپؐ اس نئے جوڑے کو اکیلا چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جو ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حَارِثہ بن نُعمان انصاریؓ کے پاس چند ایک مکانات ہیں آپؐ ان سے فرماویں کہ وہ اپنا کوئی مکان خالی کر دیں۔ ''ہمارے لیے ہم وہاں چلے جائیں آپؐ کے قریب آ جائیں۔ ''آپؐ نے فرمایا وہ ہماری خاطر اتنے مکانات پہلے ہی خالی کر چکے ہیں کہ اب مجھے تو انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حارثہ کو کسی طرح اس کا علم ہوا تو وہ بھاگے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

یارسول اللہؐ! میرا جو کچھ ہے وہ حضور کا ہے اور واللہ! جو چیز آپؐ مجھ سے قبول فرما لیتے ہیں وہ مجھے زیادہ خوشی پہنچاتی ہے بہ نسبت اس چیز کے جو میرے پاس رہتی ہے اور پھر اس مخلص صحابیؓ نے باصرار اپنا ایک مکان خالی کروا کے پیش کر دیا اور حضرت علیؓ اور فاطمہؓ وہاں اٹھ گئے۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 455-456)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اپنی تنگدستی اور **غربت کے باوجود زہد و قناعت کا نمونہ دکھایا کرتے تھے۔** چنانچہ احادیث میں ذکر ہے کہ حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ نے چکی چلانے سے اپنے ہاتھ میں تکلیف کی شکایت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئیں اور آپؐ کو نہ پایا۔ آپؓ حضرت عائشہؓ سے ملیں اور ان کو بتایا کہ کس طرح میں آئی تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کے اپنے ہاں آنے کا بتایا۔ حضرت فاطمہؓ کہتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمارے گھر تشریف لے آئے جبکہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں جو تم نے مانگا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب تم دونوں اپنے بستروں پر لیٹو تو چونتیس 34 مرتبہ اللہ اکبر کہو، تینتیس 33 دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس 33 دفعہ الحمد للہ کہو۔ یہ تم دونوں کے لیے خادم سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپؐ سے خادم مانگنے کے لیے حاضر ہوئیں اور کام کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: تم اس خادم کو ہمارے پاس نہیں پاؤ گی۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسی بات نہ بتاؤں جو تیرے لیے خادم سے بہتر ہے۔ تم اپنے بستر پر جاتے ہوئے تینتیس 33 دفعہ سبحان اللہ کہو، تینتیس 33 مرتبہ الحمدللہ کہو اور چونتیس 34 دفعہ اللہ اکبر کہو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاوالتوبة...باب التسبیح اوّل النهار و عند النوم حدیث نمبر 6915، 6918)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، اس واقعہ کو بخاری کے حوالے سے آپ نے بیان فرمایا ہے۔ فرمایا کہ:

"حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی کہ چکّی پیسنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے۔ پس آپؓ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لے گئیں لیکن آپؐ کو گھر پر نہ پایا۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی آمد کی وجہ سے اطلاع دے کر گھر لوٹ آئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے جنابؐ کو حضرت فاطمہؓ کی آمد کی اطلاع دی جس پر آپؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ میں نے آپؐ کو آتے دیکھ کر چاہا کہ اٹھوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر لیٹے رہو۔ پھر ہم دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں کی خنکی میرے سینہ پر محسوس ہونے لگی۔ جب آپؐ بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں کوئی ایسی بات نہ بتادوں جو اس چیز سے جس کا تم نے سوال کیا ہے بہتر ہے اور وہ یہ کہ جب تم اپنے بستروں پر لیٹ جاؤ تو چونتیس 34 دفعہ تکبیر کہو اور تینتیس 33 دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس 33 دفعہ الحمدللہ کہو۔ پس یہ تمہارے لئے خادم سے اچھا ہوگا۔" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اموال کی تقسیم میں ایسے محتاط تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت فاطمہؓ کو ایک خادم کی ضرورت تھی اور چکّی پیسنے سے آپؓ کے ہاتھوں کو تکلیف ہوتی تھی مگر پھر بھی آپؐ نے ان کو خادم نہ دیا بلکہ دعا کی تحریک کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجّہ کیا۔ آپؐ اگر چاہتے تو حضرت فاطمہؓ کو خادم دے سکتے تھے کیونکہ جو اموال تقسیم کے لئے آپؐ کے پاس آتے تھے وہ بھی صحابہؓ میں تقسیم کرنے کے لئے آتے تھے اور حضرت علیؓ کا بھی ان میں حق ہو سکتا تھا اور حضرت فاطمہؓ بھی اس کی حق دار تھیں لیکن آپؐ نے احتیاط سے کام لیا اور نہ چاہا کہ ان اموال میں سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو دے دیں کیونکہ ممکن تھا کہ اس سے آئندہ لوگ کچھ کا کچھ نتیجہ نکالتے اور بادشاہ اپنے لئے اموال الناس کو جائز سمجھ لیتے" لیکن بدقسمتی سے آجکل کے بادشاہ، مسلمان بادشاہ تو پھر بھی جائز ہی سمجھتے ہیں۔ "پس احتیاط کے طور پر آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ان غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو آپؐ کے پاس اس وقت بغرض تقسیم آئیں کوئی نہ دی۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن اموال میں آپؐ کا اور آپ کے رشتہ داروں کا خدا تعالیٰ نے حصہ مقرر فرمایا ہے ان سے آپؐ خرچ فرما لیتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی دیتے تھے۔ ہاں جب تک کوئی چیز آپؐ کے حصہ میں نہ آئے اسے قطعاً خرچ نہ فرماتے اور اپنے عزیز سے عزیز رشتہ داروں کو بھی نہ دیتے۔ کیا دنیا کسی بادشاہ کی مثال پیش کر سکتی ہے جو بیت المال کا ایسا محافظ ہو۔ اگر کوئی نظیر مل سکتی ہے تو صرف اسی پاک وجود کے خدام میں سے ورنہ دوسرے مذاہب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے۔"

(سیرۃ النبیؐ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 544-545)

باقی ان شاء اللہ آئندہ۔

اس وقت میں دوبارہ **دنیا کے حالات کے حوالے سے دعا کے لیے** بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اب تو مغربی دنیا بلکہ امریکہ کے بھی بعض لکھنے والوں نے اخباروں میں یہ لکھا ہے کہ بدلے کی بھی کوئی انتہا ہونی چاہیے اور امریکہ اور مغربی ممالک کو حماس اور اسرائیل کی جنگ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور صلح اور جنگ بندی کی کوشش کرنی چاہیے لیکن لکھنے والے یہ بھی لکھتے ہیں کہ لگتا ہے یہ لوگ جنگ بند کروانے کی بجائے بھڑکانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی کل خبر تھی کہ وزارت خارجہ کے ایک بڑے افسر نے اس بات پر استعفیٰ دے دیا کہ اب انتہا ہو چکی ہے۔ فلسطینی معصوموں پر بہت زیادہ ظلم ہو رہا ہے اور بڑی طاقتوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ تو ان لوگوں میں بھی شرفاء موجود ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ میڈیا پہ آتا ہے بعض یہودی ربائی (Rabbis) بھی ان کے حق میں بول رہے ہیں اور ظلم کے خلاف بول رہے ہیں۔

روس کے وزیر خارجہ نے بھی بیان دیا ہے کہ اگر اسی طرح یہ ممالک اپنا رویّہ رکھے رہے تو یہ جنگ پورے خطے میں پھیل جائے گی بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں پھیل جائے گی۔ پس ان لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اسی طرح مسلمان ممالک کو جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا ایک ہو کر اور ایک آواز ہو کر بولنا چاہیے۔ اگر دنیا کے ترپّن، چوّن ممالک کہے جاتے ہیں کہ مسلمان ہیں وہ ایک آواز میں بولیں تو یہ بڑی طاقت ہو گی اور اس کا اثر بھی ہو گا۔ ورنہ پھر اَلَّا دُکّا آوازیں کوئی اثر نہیں رکھتیں اور یہی ایک طریقہ ہے دنیا میں امن قائم کرنے کا اور اس جنگ کے خاتمے کا۔

پس مسلمان ممالک کو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی توفیق بھی دے۔ لیکن ہمیں بہرحال دعاؤں پر زور دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا خاتمہ کرے اور معصوم مظلوم فلسطینیوں کی حفاظت بھی فرمائے۔ ان پر مزید ظلم نہ ہوں اور ظلم کو جہاں بھی ظلم ہیں، دنیا سے ختم کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دعاؤں کی توفیق دے۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 10 / نومبر 2023ء خطبہ جمعہ جلد 30 شمارہ 221 صفحہ 02 تا 07)

43

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 27/ اکتوبر 2023ء بمطابق 27/ اخاء 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر ہو رہا تھا۔ روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **اپنی بیٹی اور داماد کو تہجد کی نماز کی طرف توجہ دلانے کے واقعہ** کا بخاری میں یوں ذکر ہے۔ حضرت علی بن ابو طالبؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ان کے اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟ تو مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہے کہ ہمیں اٹھائے تو ہمیں اٹھاتا ہے۔ تہجد کی نماز کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جبکہ آپؐ واپس جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے کہ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف:55) کہ انسان سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب التھجد باب تحریض النبیﷺ علیٰ قیام اللیل والنوافل... حدیث نمبر 1127)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ:

”ایک دفعہ آپؐ رات اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور فرمایا کیا تہجد پڑھا کرتے ہو؟ (یعنی وہ نماز جو آدھی رات کے قریب اٹھ کر پڑھی جاتی ہے) حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! پڑھنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت کسی وقت ہماری آنکھ بند رہتی ہے تو پھر تہجد رہ جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تہجد پڑھا کرو اور اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے اور راستہ میں بار بار کہتے جاتے تھے وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف:55) یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اکثر اپنی غلطی تسلیم کرنے سے گھبراتا ہے اور مختلف قسم کی دلیلیں دے کر اپنے قصور پر پردہ ڈالتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بجائے اِس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ یہ کہتے کہ ہم سے کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے انہوں نے یہ کیوں کہا کہ جب خدا تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے کہ ہم نہ جاگیں تو ہم سوئے رہتے ہیں اور اپنی غلطی کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 389-390)

اس بات کو مزید کھول کر بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"**حضرت علیؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں** جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک موقع پر جبکہ حضرت علیؓ نے آپؐ کو ایسا جواب دیا جس میں بحث اور مقابلہ کا طرز پایا جاتا تھا تو بجائے اس کے کہ آپؐ ناراض ہوتے یا خفگی کا اظہار کرتے آپؐ نے ایک ایسی لطیف طرز اختیار کی کہ حضرت علیؓ غالباً اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس کی حلاوت سے مزہ اٹھاتے رہے ہوں گے اور انہوں نے جو لطف اٹھایا ہوگا وہ تو انہی کا حق تھا۔ اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اظہار ناپسندیدگی کو معلوم کر کے ہر ایک باریک بین نظر محو حیرت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے اور فاطمۃ الزہراؓ کے پاس تشریف لائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور فرمایا کہ کیا تم تہجد کی نماز نہیں پڑھا کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ! ہماری جانیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جب وہ اٹھانا چاہے اٹھا دیتا ہے۔ آپؐ اس بات کو سن کر لوٹ گئے اور مجھے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں نے آپؐ سے سنا اور آپؐ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہہ رہے ہیں کہ انسان تو اکثر باتوں میں بحث کرنے لگ پڑتا ہے۔

اللہ! اللہ! کس لطیف طرز سے حضرت علیؓ کو آپؐ نے سمجھایا کہ آپ کو یہ جواب نہیں دینا چاہئے تھا۔ کوئی اَور ہوتا تو اوّل تو بحث شروع کر دیتا کہ میری پوزیشن اور رتبہ کو دیکھو پھر اپنے جواب کو دیکھو کہ کیا تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس طرح میری بات کو ردّ کر دو۔ یہ نہیں تو کم سے کم بحث شروع کر دیتا کہ یہ تمہارا دعویٰ غلط ہے کہ انسان مجبور ہے اور اس کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہے کرواتا ہے چاہے نماز کی توفیق دے چاہے نہ دے اور کہتا کہ جبر کا مسئلہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ کہہ سکتے تھے "لیکن آپؐ نے ان دونوں طریق میں سے کوئی بھی اختیار نہ کیا اور نہ تو ان پر ناراض ہوئے، نہ بحث کر کے حضرت علیؓ کو ان کے قول کی غلطی پر آگاہ کیا بلکہ ایک طرف ہو کر ان کے اس جواب پر اس طرح اظہار حیرت کر دیا کہ انسان بھی عجیب ہے کہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی پہلو اپنے موافق نکال ہی لیتا ہے اور بحث شروع کر دیتا ہے۔ حقیقت میں آپؐ کا اتنا کہہ دینا ایسے ایسے منافع اندر رکھتا تھا کہ جس کا عشر عشیر بھی کسی اَور کی سو بحثوں سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس حدیث سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔" آگے تجزیہ کیا ہے آپؓ نے کہ کیا کیا باتیں معلوم ہوتی ہیں "جن سے آنحضرتؐ کے اخلاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور اسی جگہ ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اوّل تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو دینداری کا کس قدر خیال تھا کہ رات کے وقت پھر کر اپنے قریبیوں کا خیال رکھتے تھے۔ بہت لوگ ہوتے ہیں جو خود تو نیک ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ان کے گھر کا حال خراب ہوتا ہے اور ان میں یہ مادہ نہیں ہوتا کہ اپنے گھر کے لوگوں کی بھی اصلاح کریں اور انہی لوگوں کی نسبت مثل مشہور ہے کہ چراغ تلے اندھیرا۔ یعنی جس طرح چراغ اپنے آس پاس تمام اشیاء کو روشن کر دیتا ہے لیکن خود اس کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ دوسروں کو تو نصیحت کرتے پھرتے ہیں مگر اپنے گھر کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری روشنی سے ہمارے اپنے گھر کے لوگ کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر آنحضرتؐ کو اس بات کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عزیز بھی اس نور سے منور ہوں جس سے وہ دنیا کو روشن کرنا چاہتے تھے اور اس کا

آپؐ تہجد بھی کرتے تھے اور ان کے امتحان و تجربہ میں لگے رہتے تھے اور تربیت اَعِزَّاء ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے جو اگر آپؐ میں نہ ہوتا تو آپؐ کے اخلاق میں ایک قیمتی چیز کی کمی رہ جاتی" لیکن آپؐ کیونکہ اعلیٰ اخلاق پر قائم تھے اس لیے یہ جوہر بھی آپؐ میں خوب تھا۔

"دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ کو اس تعلیم پر کامل یقین تھا جو آپؐ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے اور ایک منٹ کے لئے بھی آپؐ اس پر شک نہیں کرتے تھے اور جیسا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ دنیا کو اُلّو بنانے کے لئے اور اپنی حکومت جمانے کے لئے آپؐ نے یہ سب کارخانہ بنایا تھا۔" مخالفین اسلام یہی اعتراض کرتے ہیں "ورنہ آپؐ کو کوئی وحی نہ آتی تھی۔" کئی اورینٹلسٹ (orientalist) اس طرح ہی لکھتے رہتے ہیں اور اُس وقت کافر بھی یہی کہا کرتے تھے۔ "یہ بات نہ تھی بلکہ آپؐ کو اپنے رسول اور خدا کے مامور ہونے پر ایسا ثلج قلب عطا تھا" اتنا پکا یقین تھا "کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں میں آپؐ بناوٹ سے کام لے کر اپنی سچائی کو ثابت کرتے ہوں لیکن یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ رات کے وقت ایک شخص خاص طور پر اپنی بیٹی اور داماد کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے کہ کیا وہ اس عبادت کو بھی بجالاتے ہیں جو اس نے فرض نہیں کی بلکہ اس کا ادا کرنا مومنوں کے اپنے حالات پر چھوڑ دیا ہے اور جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اس وقت آپؐ کا جانا اور اپنی بیٹی اور داماد کو ترغیب دینا کہ وہ تہجد بھی ادا کیا کریں اس کامل یقین پر دلالت کرتا ہے جو آپؐ کو اس تعلیم پر تھا جس پر آپؐ لوگوں کو چلانا چاہتے تھے ورنہ ایک مفتری انسان جو جانتا ہو کہ ایک تعلیم پر چلنا نہ چلنا ایک سا ہے اپنی اولاد کو ایسے پوشیدہ وقت میں اس تعلیم پر عمل کرنے کی نصیحت نہیں کر سکتا۔" چلنا یا نہ چلنا ایک جیسا ہے۔ اپنی تعلیم پر چلنے کی اپنی اولاد کو نصیحت نہیں کر سکتا۔ "یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک آدمی کے دل میں یقین ہو کہ اس تعلیم پر چلے بغیر کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔

تیسری بات وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے لئے مَیں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ ہر ایک بات کے سمجھانے کے لئے تحمل سے کام لیا کرتے تھے اور بجائے لڑنے کے محبت اور پیار سے کسی کو اس کی غلطی پر آگاہ فرماتے تھے چنانچہ اس موقع پر جب حضرت علیؓ نے آپؐ کے سوال کو اس طرح ردّ کرنا چاہا کہ جب ہم سو جائیں تو ہمارا کیا اختیار ہے کہ ہم جاگیں کیونکہ سویا ہوا انسان اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا۔ جب وہ سو گیا تو اب اسے کیا خبر ہے کہ فلاں وقت آ گیا ہے اب میں فلاں کام کر لوں۔ اللہ تعالیٰ آنکھ کھول دے تو نماز ادا کر لیتے ہیں ورنہ مجبوری ہوتی ہے (کیونکہ اس وقت الارم کی گھڑیاں نہ تھیں) اس بات کو سن کر آنحضرتؐ کو حیرت ہونی ہی تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو ایمان تھا وہ کبھی آپؐ کو ایسا غافل نہ ہونے دیتا تھا کہ تہجد کا وقت گزر جائے اور آپؐ کو خبر نہ ہو اس لئے آپؐ نے دوسری طرف منہ کر کے صرف یہ کہہ دیا کہ انسان بات مانتا نہیں جھگڑتا ہے۔ یعنی تم کو آئندہ کے لئے کوشش کرنی چاہئے تھی کہ وقت ضائع نہ ہو نہ کہ اس طرح ٹالنا چاہئے تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں میں نے پھر کبھی تہجد میں ناغہ نہیں کیا۔"

(سیرۃ النبیؐ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 588 تا 590)

پس یہ واقعہ ہمیں تہجد پڑھنے کی طرف توجہ دلانے کے لیے یاد رکھنا چاہیے۔ اور خاص طور پر مربیان اور واقفین زندگی اور عہدیداران کو اس طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ راتوں کی دعائیں ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو زیادہ کھینچتی ہیں اور آج کل تو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے ان کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

پھر واقعات میں غزوۂ بنو قَیْنُقَاع کا ذکر آتا ہے جو دو ہجری میں ہوئی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد عرب کے کفار کا معاملہ ایک جیسا نہ رہا۔ وہ تین قسموں میں بٹ چکے تھے۔ ایک وہ تھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پہ صلح کر لی تھی کہ وہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپؐ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والے یہود کے تینوں قبائل بنو قُریظہ، بنو نَضِیر اور بنو قَیْنُقَاع تھے۔ دوسرے وہ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی اور وہ قریش تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کے منتظر تھے جیسے عرب کے دیگر قبائل۔ ان کی صورتحال بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسے قبیلہ بنو خُزَاعہ تھا۔ بعض لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا جیسے بنو بَکْر کے لوگ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ظاہر طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندر خانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب یہود سے معاہدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مابین معاہدہ لکھا گیا۔ ہر قوم اپنے حلیف کے ساتھ مل گئی۔ اب آپؐ نے اپنے اور ان کے مابین امان نامہ لکھا۔ ان پر بہت سی شرائط عائد کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔

(سبل الھدٰی و الرشاد جلد 4 صفحہ 179، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 1993ء)

یہ تو معاہدہ تھا۔ اب بنو قینقاع کی جو فتنہ انگیزی تھی اس کے بارے میں تاریخ میں جو حوالے آتے ہیں اس میں ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شَاسْ بن قَیس نامی ایک بوڑھا شخص جس کا دل مسلمانوں کے بارے میں کینہ اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے کچھ صحابہؓ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ شَاسْ بن قیس کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب انہیں زمانہ جاہلیت کی دشمنی بھلا کر اسلام کی بدولت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے دیکھا تو وہ جل کر رہ گیا۔ بَنُو قَیْلَہ یعنی اوس اور خزرج کے سردار اس شہر میں متحد ہو چکے تھے۔ اس نے بے ساختہ بنو قیلہ، اوس اور خزرج کے ان سرداروں کو کہا جو متحد ہو گئے تھے کہ اللہ کی قسم! جب ان کے معزز لوگ متحد ہو گئے تو ہمارے لیے یہاں ان کے ساتھ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ایک یہودی نوجوان تھا۔ اس نے اسے یہ حکم دیا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ پھر ان کے سامنے جنگ بُعَاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا ذکر چھیڑو اور اس کے متعلق انہوں نے آپس میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے بھی کچھ شعر سناؤ۔ جنگ بُعَاث زمانہ جاہلیت میں

اوس اور خزرج کے درمیان برپا ہوئی تھی جس میں اوس کو خزرج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اوس کا سردار حُضَیر بن سِمَاكْ اَشْهَلِی تھا۔ یہ حضرت اُسَیدؓ کا والد تھا۔ خزرج کا سردار عَمْرو بنِ نُعْمَان بَیَاضِی تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس جوان یہودی نے مسلمانوں میں بیٹھ کر وہی ذکر چھیڑا اور آگ بھڑکائی۔ اوس اور خزرج کے سوئے ہوئے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور وہ مشتعل ہو گئے۔ ان کے درمیان تُو تُو مَیں مَیں شروع ہو گئی۔ وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی آمنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپس میں تکرار کرنے لگے۔ مقابلہ بڑھ گیا۔ اوس کی طرف سے اَوس بن قَیْظِی تھے اور خزرج کی طرف سے جَبَّار بن صَخْر۔ بحث کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم اس جنگ کو اب دوبارہ چھیڑ کر تازہ کر دیں۔ چنانچہ دونوں فریق غصہ میں آ گئے اور بولے ہم تیار ہیں۔ اب ایک طرف مسلمان ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف یہ جہالت بھی ساتھ چل رہی ہے۔ اور پھر یہ کہنے لگے کہ تمہارے وعدے کی جگہ حَرَّہ ہے۔ مدینہ دو حرّوں کے درمیان ایک حرّہ ہے۔ حَرَّہ سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور مشرق کی جانب حرّۂ واقم ہے اور اس کو حرّۂ بنو قریظہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا حَرَّةُ الوَبْرَہ ہے جو مغرب کی جانب ہے۔ ایک مشرق کی جانب ایک مغرب کی جانب۔ دونوں (یعنی حرّۃ الوَبْرَہ اور مدینہ) کے درمیان میں تین میل کا فاصلہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور برپا ہو گیا۔ ہتھیار! ہتھیار! اس کے بعد ماحول انتہائی گرم ہو گیا اور دونوں طرف سے زور و شور سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں قبیلوں کے لوگ وقت مقررہ پر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو جاتی لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورتحال کی اطلاع پہنچ گئی۔ خبر سنتے ہی آپؐ فوراً مہاجر صحابہؓ کو ساتھ لے کر اوس اور خزرج کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ! اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمہیں عزت بخشی ہے۔ تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ تمہیں کفر سے نجات دلائی ہے اور تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی ہے۔

ان چیزوں کے باوجود اب تم یہ جہالت کر رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گفتگو کا ان پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے فعل پر سخت ندامت کا اظہار کیا اور رونا شروع کر دیا۔ اوس اور خزرج کے لوگ جو ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ گئے۔ یہ سیرت ابن ہشام کی تفصیل ہے۔

(سیرت ابن هشام صفحه 385-386 دار الكتب العلمية بيروت 2001ء)

(فرہنگ سیرت صفحہ 101-102 زوار اکیڈمی کراچی)

یہود کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کے بارے میں لکھا ہے کہ جب غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں کی سرکشی کھل کر سامنے آ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

مسلمانوں سے ان کا حسد ظاہر ہو گیا۔ اپنی اس جلن اور بغض کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاہدے کو ختم کر دیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اے محمد! آپ خیال کرتے ہیں کہ ہم آپ کی قوم جیسے ہیں۔ آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ نے ایک ایسی قوم سے مقابلہ کیا جو جنگ سے اناڑی اور ناواقف ہے اور آپ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا یعنی جنگِ بدر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مکہ کے کافروں کو تو آپؐ نے شکست دے دی ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم بہت بہادر ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہم نے آپؐ سے جنگ کی تو آپؐ کو پتہ چل جائے گا کہ مرد تو ہم ہیں اور یہود کے تینوں قبائل میں سے جنہوں نے سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنو قینقاع کے یہودی تھے۔ ان کی مسلمانوں کے ساتھ جو چھیڑ چھاڑ تھی اس شرارت کے بارے میں یہ ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ جو ایک مسلمان عورت کا ہے۔ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عداوت کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ بھی ہوا کہ ایک انصاری کی بیوی اپنا تجارتی سامان لے کر بنو قینقاع کے بازار میں آئی جس میں اونٹ اور بکریاں وغیرہ تھیں تا کہ یہ مال فروخت کر کے نفع حاصل کرے۔ یہ مال اس نے بنو قینقاع کے بازار میں فروخت کیا اور اس کے بعد وہیں ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھ گئی کوئی زیور وغیرہ لینے کے لیے۔ اس نے اپنے بدن اور چہرے کو چھپایا ہوا تھا۔ کچھ اوباش یہودیوں نے اس سے چہرہ ظاہر کرنے پر اصرار کیا جس پر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر دکاندار سنار نے اٹھ کر اس کے نقاب کا ایک کونہ چپکے سے اس کی پشت کی طرف کسی چیز سے باندھ دیا یا ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ اس نے خاموشی سے اس کی چادر کا ایک سرا ایک کانٹے یا کیل میں الجھا دیا۔ عورت کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا۔ جب وہ عورت جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو کپڑا الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے کھل گیا اور اس کا ننگ ظاہر ہو گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہے لگائے۔ عورت نے ان کی اس بیہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے جیسے ہی یہودیوں کی یہ شرارت دیکھی وہ یہودی سنار کی طرف جھپٹا اور تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں بنو قینقاع کے یہودیوں کے خلاف سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلوں کو فرمایا کہ اس قسم کی حرکتوں کے لیے ہمارا اور ان کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں اور ان کافروں کے معاہدے سے بری ہوتا ہوں۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 284 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، 2002ء)

(سیرت ابن ہشام صفحہ 514 دار الکتب العلمیۃ 2001ء)

بہر حال **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو سمجھانے کی کوشش** کی لیکن انہوں نے بجائے سمجھنے کے کھلی دھمکی دینی شروع کر دی۔ اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ بنو قینقاع کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ یہود! اللہ سے ایسی تباہی نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقع پر قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور اس عہد کو بھی جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں۔ اس دھوکہ میں نہ

رہیے کیونکہ اب تک آپ کو ایسی ہی قوم سے واسطہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریق نہیں جانتے۔ لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا لیکن خدا کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غزوۂ بدر کے موقع پر یہود کی بدعہدی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کر کے یہ تنبیہ فرمائی تھی۔

بہر حال یہ تنبیہ کی تھی۔ اس پر ان کا یہ جواب تھا۔ اس کے بعد بنو قینقاع کے یہود وہاں سے جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ ساری باتیں ہوئیں تو وہ چلے گئے اور اپنے قلعہ میں چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابُولَبَابہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ آپؐ کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور اسے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ بنو قینقاع کا محاصرہ کیا گیا۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک بنو قینقاع کے یہودیوں کا سخت محاصرہ کئے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے لیے شوال کی پندرہ تاریخ کو روانہ ہوئے اور ذوالقعدہ کے چاند تک وہیں رہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2صفحہ 285،دارالکتب العلمیۃ بیروت،2002ء)

(سبل الھدٰی والرشاد جلد 4 صفحہ 179، دارالکتب العلمیۃ بیروت 1993ء)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرما دیا۔ بنو قینقاع کے ان یہودیوں میں چار سو جنگجو تھے جو قلعہ کی حفاظت پہ مامور تھے اور تین سو زرہ پوش تھے۔ آخر محاصرے سے تنگ آ کر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں تو ہم مدینہ سے جلاوطن ہو کر ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے اور صرف ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمارے لیے چھوڑ دیں جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں اور باقی مال و دولت آپ رکھ لیں اور مال میں ہتھیار وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی یہ بات قبول فرمالی اور انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ سیرت الحلبیہ میں اس طرح درج ہے۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 285و287 مکتبہ دارالکتب العلمیۃ بیروت2002ء)

لیکن سیرت کی اکثر کتب میں یہ بھی لکھا ہے۔ عبداللہ بن اُبَی بن سَلُول کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ اس موقع پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوا۔ وہ کیونکہ بنو قینقاع کا حلیف تھا اس لیے اس نے بار بار سفارش اور التجا کی اور مختلف طریقوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کو معاف کر دیں۔ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جانے دیں اور انہیں بخش دیں۔

(سبل الھدی والرشاد جلد4 صفحہ179-180 دارالکتب العلمیۃ بیروت1993ء)

(سیرت ابن ھشام صفحہ 514 دارالکتب العلمیۃ 2001ء)

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جلد 2 صفحہ 351 دارالکتب العلمیۃ بیروت1996ء)

اس روایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ کہ عبداللہ بن اُبَی کی مسلسل سفارش سے **ان کو معاف کیا گیا تھا لیکن یہ درست نہیں ہے۔** کبھی آپؐ نے ان کی عورتوں، بچوں یا ان لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ درحقیقت اس طرح کی جو روایات ہیں وہ مشکوک ہیں۔

چنانچہ ایسی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک مؤرخ سید برکات احمد ہیں۔ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ یہود کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد جب عبد اللہ بن اُبَی حضورؐ کی خدمت میں آیا اور بولا میرے آدمیوں کے لیے نرمی کا برتاؤ کیجئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو مجھے چھوڑ دے۔ ابن اُبَی نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ واللہ! میں آپؐ کو جانے نہیں دوں گا جب تک آپؐ میرے آدمیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کریں گے۔ کیا آپؐ ان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ خدا کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ حالات تبدیل ہو کر رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی بات ہے۔ تو تم ہی انہیں لے جاؤ۔ ابن اسحاق، واقدی اور ابنِ سعد تینوں اس قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ ان تینوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عبد اللہ بن اُبَی کا کچھ اثر تھا لیکن خود عبد اللہ بن اُبَی کے سفارشی الفاظ مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق کے بیان میں اس کا قطعاً اظہار نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات فرمائی ہو جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ آپؐ بنو قینقاع کو تہ تیغ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ایک مؤرخ سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا۔ واقدی کے ہاں اس ارادہ کی طرف اشارہ ضرور ملتا ہے اور اسی بات کو ابن سعد نے بھی دہرایا ہے لیکن اس موقع پر ہمیں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاسی راہنما بھی تھے لیکن دشمنوں کے ساتھ بے جا سختی کا معاملہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ تشدد کو ناپسند کرتے تھے اور میدان جنگ میں بھی اگر جاتے تو بوجہ مجبوری جاتے تھے اور وہاں بھی خواہ مخواہ خونریزی سے پرہیز کرتے تھے۔

(ماخوذ از رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز از سید برکات احمد صفحہ 98-99، مکتبہ عالیہ لاہور)

بہرحال محاصرہ تو ہوا تھا اور انہوں نے پناہ بھی مانگی تھی۔ اس لیے بنو قینقاع کی جلاوطنی بھی ہوئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ اس یہودی قبیلہ کی درخواست کے مطابق ان کو جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہود کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُبَادَہ بن صامتؓ کے سپرد فرمائی اور مدینہ سے تین دن میں نکل جانے کی مہلت دی۔ چنانچہ وہ تین دن میں مدینہ سے چلے گئے، نکل گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہود نے عبادہؓ سے مزید مہلت طلب کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایک گھنٹے کی مزید مہلت نہیں دی اور اپنی نگرانی میں جلاوطن کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکل کر اَذْرِعَات کے علاقے میں چلے گئے جو شام کی طرف ایک شہر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جلاوطن کرنے پر حضرت محمد بن مَسْلَمَہؓ کو مامور فرمایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ دونوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی ہو۔ بہرحال جب وہ لوگ چلے گئے تو یہود کے گھروں سے کافی ہتھیار ملے کیونکہ یہ دوسرے یہودیوں میں سے سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے۔ کمانوں کے نام کَتُوم، رَوْحَاء اور بَیْضَاء ہے۔ کَتُوم غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ دو زرہیں جن کے نام صَغْدِیَہ اور فِضَّہ ہیں۔ اسی طرح تین نیزے اور تین تلواریں منتخب فرمائیں۔ ایک تلوار کو قَلَعِی دوسرے کو بَتَّار کہا جاتا تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہیں تھا۔ سیرت الحلبیہ کی یہ روایت ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد دوم صفحہ 287 مکتبہ دارالکتب العلمیۃ بیروت، 2002ء)

(معجم البلدان جلد 1 صفحہ 165، المکتبۃ العصریۃ)

بنو قینقاع کے غزوے کا ذکر سیرت خاتم النبیینؐ میں یوں ہے:

''جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے اس وقت مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ان کے نام بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آتے ہی ان قبائل کے ساتھ امن وامان کے معاہدے کر لئے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدہ کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن وامان قائم رکھیں اور اگر کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ شروع شروع میں تو یہود اس معاہدہ کے پابند رہے اور کم از کم ظاہری طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی جھگڑا پیدا نہیں کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں زیادہ اقتدار حاصل کرتے جاتے ہیں تو ان کے تیور بدلنے شروع ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کا تہیہ کر لیا اور اس غرض کے لئے انہوں نے ہر قسم کی جائز و ناجائز تدابیر اختیار کرنا شروع کیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا کہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کر کے خانہ جنگی شروع کرا دیں۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک موقعہ پر قبیلہ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے باہم محبت واتفاق سے باتیں کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہود نے اس مجلس میں پہنچ کر جنگِ بُعاث کا تذکرہ شروع کر دیا۔ یہ وہ خطرناک جنگ تھی جو ان دو قبائل کے درمیان ہجرت سے چند سال قبل ہوئی تھی اور جس میں اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔'' جیسے پہلے بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ ''اس جنگ کا ذکر آتے ہی بعض جوشیلے لوگوں کے دلوں میں پرانی یاد تازہ ہو گئی اور گزشتہ عداوت کے منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہم نوک جھونک اور طعن و تشنیع سے گزر کر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی مجلس میں مسلمانوں کے اندر تلوار کھچ گئی مگر خیر گزری کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپؐ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ فوراً موقعہ پر تشریف لے آئے اور فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور پھر ملامت بھی فرمائی کہ تم میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کا طریق اختیار کرتے ہو اور خدا کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے کہ اس نے اسلام کے ذریعہ تمہیں بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ انصار پر آپؐ کی نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

جب جنگِ بدر ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو باوجود ان کی قلت اور بے سروسامانی کے قریش کے ایک بڑے جرّار لشکر پر نمایاں فتح دی اور مکہ کے بڑے بڑے عمائد خاک میں مل گئے تو مدینہ کے یہودیوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا نوک جھونک شروع کر دی اور مجلسوں میں برملا طور پر کہنا شروع کیا کہ قریش کے لشکر کو شکست دینا کون سی بڑی بات تھی ہمارے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ ہو تو ہم بتا دیں کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک مجلس میں انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اسی قسم کے الفاظ کہے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے ایک دن یہودیوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت فرمائی

اور اپنا دعویٰ پیش کر کے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپؐ کی اس پُر امن اور ہمدردانہ تقریر کا رؤسائے یہود نے ان الفاظ میں جواب دیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم شاید چند قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو تو تمہیں پتہ لگ جاوے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ یہود نے صرف عام دھمکی پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بھی منصوبے شروع کر دیئے تھے کیونکہ روایت آتی ہے کہ جب ان دنوں میں طُلَحَہ بن بَرَاء جو ایک مخلص صحابی تھے فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مروں تو نماز جنازہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی جاوے تا ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپؐ پر یہود کی طرف سے کوئی حادثہ گزر جاوے۔ الغرض جنگِ بدر کے بعد یہود نے کھلم کھلا شرارت شروع کر دی اور چونکہ مدینہ کے یہود میں بنو قینقاع سب میں زیادہ طاقتور اور بہادر تھے اس لئے سب سے پہلے انہی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہوئی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ..... مدینہ کے یہودیوں میں سے سب سے پہلے بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑا جو اُن کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور بدر کے بعد انہوں نے بہت سرکشی شروع کر دی اور برملا طور پر بغض و حسد کا اظہار کیا اور عہد و پیمان کو توڑ دیا۔ مگر باوجود اس قسم کی باتوں کے مسلمانوں نے اپنے آقا کی ہدایت کے ماتحت ہر طرح سے صبر سے کام لیا اور اپنی طرف سے کوئی پیش دستی نہیں ہونے دی مگر حدیث میں آتا ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جو یہود کے ساتھ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر یہود کی دلداری کا خیال رکھتے تھے۔"

ان کی طرف سے دشمنی کا روّیہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلداری کا روّیہ۔

"چنانچہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی تمام انبیاء پر فضیلت بیان کی۔ صحابی کو اس پر غصہ آیا اور اس نے یہودی کے ساتھ کچھ سختی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل بیان کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ ناراض ہوئے اور اس صحابی کو ملامت فرمائی اور کہا کہ تمہارا یہ کام نہیں کہ تم خدا کے رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے پھرو۔ اور پھر آپؐ نے موسیٰؑ کی ایک جزوی فضیلت بیان کر کے اس یہودی کی دلداری فرمائی مگر باوجود اس دلدارانہ سلوک کے یہودی اپنی شرارت میں ترقی کرتے گئے اور بالآخر خود یہود کی طرف سے ہی جنگ کا باعث پیدا ہوا اور ان کی قلبی عداوت ان کے سینوں میں سمانہ سکی اور یہ اس طرح پر ہوا کہ ایک مسلمان خاتون بازار میں ایک یہودی کی دکان پر کچھ سودا خریدنے کے لئے گئی۔" جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ "بعض شریر یہودیوں نے جو اس وقت اس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اسے نہایت اوباشانہ طریق پر چھیڑا اور خود دکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس عورت کے تہ بند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں کسی کانٹے وغیرہ سے اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت ان کے اوباشانہ طریق کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر لَوٹنے لگی تو وہ ننگی ہو گئی۔ اس پر اس یہودی دکاندار اور اس کے ساتھیوں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان خاتون نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مدد چاہی۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس وقت قریب موجود تھا۔ وہ لپک کر موقعہ پر پہنچا اور باہم لڑائی میں یہودی

دکاندار مارا گیا۔ جس پر چاروں طرف سے اس مسلمان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ غیور مسلمان وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو غیرت قومی سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دوسری طرف یہود جو اس واقعہ کو لڑائی کا بہانہ بنانا چاہتے تھے ہجوم کر کے اکٹھے ہو گئے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے رؤسائے بنو قینقاع کو جمع کر کے کہا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ ''اب آپؐ کا طریقہ دیکھ لیں۔ کس طرح آپؐ نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ معاملہ ٹھنڈا ہو۔ ''تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اظہار افسوس و ندامت کرتے اور معافی کے طالب بنتے سامنے سے نہایت متمردانہ جواب دیئے۔'' یعنی بڑی سرکشی اور نافرمانی والا جواب دیا'' اور پھر وہی دھمکی دہرائی کہ بدر کی فتح پر غرور نہ کرو۔ جب ہم سے مقابلہ ہو گا تو پتہ لگ جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ناچار آپؐ صحابہؓ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب یہ آخری موقعہ تھا کہ وہ اپنے افعال پر پشیمان ہوتے۔ ''جب آپؐ روانہ ہوئے تب بھی معافی مانگ لیتے تو معاملہ ختم ہو جاتا۔ ''مگر وہ سامنے سے جنگ پر آمادہ تھے۔ الغرض جنگ کا اعلان ہو گیا اور اسلام اور یہودیت کی طاقتیں ایک دوسرے کے مقابل پر نکل آئیں۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق جنگ کا ایک طریق یہ بھی ہوتا تھا کہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور فریق مخالف قلعوں کا محاصرہ کر لیتا تھا اور موقعہ موقعہ پر گاہے گاہے ایک دوسرے کے خلاف حملے ہوتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ یا تو محاصرہ کرنے والی فوج قلعہ پر قبضہ کرنے سے مایوس ہو کر محاصرہ اٹھا لیتی تھی اور یہ محصورین کی فتح سمجھی جاتی تھی اور یا محصورین مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے آپ کو فاتحین کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی بنو قینقاع نے یہی طریق اختیار کیا اور اپنے قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک برابر محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر جب بنو قینقاع کا سارا زور اور غرور ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس شرط پر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہو جائیں گے مگر ان کی جانوں اور ان کے اہل و عیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرما لیا کیونکہ گو موسوی شریعت کی رو سے یہ سب لوگ واجب القتل تھے اور معاہدہ کی رو سے ان لوگوں پر موسوی شریعت کا فیصلہ ہی جاری ہونا چاہئے تھا مگر اس قوم کا یہ پہلا جرم تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم و کریم طبیعت انتہائی سزا کی طرف جو ایک آخری علاج ہوتا ہے ابتدائی قدم پر مائل نہیں ہو سکتی تھی لیکن دوسری طرف ایسے بدعہد اور معاند قبیلہ کا مدینہ میں رہنا بھی ایک مار آستین کے پالنے سے کم نہ تھا۔ خصوصاً جب اوس اور خزرج کا ایک منافق گروہ پہلے سے مدینہ میں موجود تھا اور بیرونی جانب سے بھی تمام عرب کی مخالفت نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فیصلہ ہو سکتا تھا کہ بنو قینقاع مدینہ سے چلے جائیں۔ یہ سزا ان کے جرم کے مقابل میں اور نیز اس زمانہ کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بہت نرم سزا تھی اور دراصل اس میں صرف خود حفاظتی کا پہلو ہی مد نظر تھا۔ ورنہ عرب کی خانہ بدوش اقوام کے نزدیک نقل مکان کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ کسی قبیلہ کی جائیدادیں زمینوں اور باغات کی صورت میں نہ ہوں جیسا کہ بنو قینقاع کی نہیں تھیں۔'' کوئی ان کی جائیدادیں ایسی نہیں تھیں جو غیر منقولہ ہوں۔ زمینیں یا اس قسم کی جائیدادیں جن پر ان کا انحصار ہو۔'' اور پھر

سارے کے سارے قبیلہ کو بڑے امن وامان کے ساتھ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جاکر آباد ہونے کا موقعہ مل جاوے۔ چنانچہ بنو قینقاع بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔ ان کی روانگی کے متعلق ضروری اہتمام اور نگرانی وغیرہ کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبادہ بن صامتؓ کے سپرد فرمایا تھا جو ان کے حلفاء میں سے تھے۔" یہ ان کے یعنی بنو قینقاع کے حلیف تھے۔" چنانچہ عبادہ بن صامتؓ چند منزل تک بنو قینقاع کے ساتھ گئے اور پھر انہیں حفاظت کے ساتھ آگے روانہ کرکے واپس لوٹ آئے۔ مالِ غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ صرف آلاتِ حرب اور آلاتِ پیشہ زرگری پر مشتمل تھا۔ بنو قینقاع کے متعلق بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تو ان کی بدعہدی اور بغاوت اور شرارتوں کی وجہ سے آپؐ کا ارادہ ان کے جنگجو مردوں کو قتل کروا دینے کا تھا مگر عبداللہ بن اُبَی بن سَلُول رئیس منافقین کی سفارش پر آپؐ نے یہ ارادہ ترک کر دیا لیکن محققین نے ان روایات کو صحیح تسلیم نہیں کیا کیونکہ جب دوسری روایات میں یہ صریحاً مذکور ہے کہ بنو قینقاع نے اس شرط پر دروازے کھولے تھے کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی جان بخشی کی جائے گی تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد دوسرا طریق اختیار فرماتے" اور اس شرط کو توڑ دیتے۔" البتہ بنو قینقاع کی طرف سے جان بخشی کی شرط کا پیش ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود ہی سمجھتے تھے کہ ان کی اصل سزا قتل ہی ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کے طالب تھے اور یہ وعدہ لینے کے بعد اپنے قلعے کا دروزاہ کھولنا چاہتے تھے کہ ان کو قتل کی سزا نہیں دی جاوے گی لیکن گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحیم النفسی سے انہیں معاف کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ لوگ اپنی بداعمالی اور جرائم کی وجہ سے اب دنیا کے پردے پر زندہ چھوڑے جانے کے قابل نہیں تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جس جگہ یہ لوگ جلاوطن ہو کر گئے تھے وہاں انہیں ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان میں کوئی ایسی بیماری وغیرہ پڑی کہ سارے کا سارا قبیلہ اس کا شکار ہو کر پیوند خاک ہو گیا۔

غزوۂ بنو قینقاع کی تاریخ کے متعلق کسی قدر اختلاف ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے شوال دو ہجری بیان کی ہے اور متاخرین نے" بعد میں آنے والے مؤرخین نے" زیادہ تر اسی کی اتباع کی ہے۔ لیکن ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اسے غزوہ سویق کے بعد رکھا ہے جو مسلمہ طور پر ماہ ذی الحجہ دو ہجری کے شروع میں ہوا تھا اور حدیث کی ایک روایت میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ غزوۂ بنو قینقاع حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد ہوا تھا کیونکہ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ولیمہ کی دعوت کا خرچ مہیا کرنے کے لئے یہ تجویز کی تھی کہ بنو قینقاع کے ایک یہودی زرگر کو ساتھ لے کر جنگل میں جائیں اور وہاں سے اذخر گھاس لاکر مدینہ کے زرگروں کے پاس فروخت کریں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے وقت جو عام مؤرخین کے نزدیک ذوالحجہ دو ہجری میں ہوا تھا ابھی تک بنو قینقاع مدینہ میں ہی تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر" حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کہتے ہیں کہ" میں نے غزوہ بنو قینقاع کو غزوۂ سویق اور حضرت فاطمہؓ کے رخصتانہ کے بعد اَواخر 2 ہجری میں رکھا ہے ..... اس موقعہ پر یہ ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ غزوۂ بنو قینقاع کا سبب بیان کرتے ہوئے مسٹر مارگولیس نے اپنی

طرف سے ایک عجیب و غریب بات بنا کر لکھی ہے جس کا قطعاً کسی روایت میں اشارہ تک نہیں آتا۔ بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں (اس وقت تک ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی) حضرت علیؓ کے دو اونٹ مار دیئے تھے جو انہیں جنگِ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئے تھے۔ اس منفرد واقعہ کو بغیر کسی قسم کی تاریخی سند کے غزوۂ بنو قینقاع کے ساتھ جوڑ کر مسٹر مارگولیس رقمطراز ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو قینقاع پر اس غرض سے چڑھائی کی تھی کہ تا اس کی غنیمت سے حضرت علیؓ کے اس نقصان کی تلافی کریں۔" کوئی بے تکی بات جوڑی ہے۔ "تاریخ نویسی میں یہ جرأت غالباً اپنی مثال آپ ہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ مسٹر مارگولیس اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات اپنی طرف سے قیاس کر کے زائد کی ہے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 457 تا 462)

حوالے تو کوئی نہیں ملے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس لیے اَور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ دو اونٹوں کی قیمت کے لیے ایک قبیلے سے پوری جنگ کی جائے۔ عجیب سوچیں ہیں ان کی۔ مستشرقین یا غیر مسلم تاریخ دان جو ہیں مسلمانوں کے بغض اور عداوت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان کے لیے بڑا آسان ہے اور یہ اکثر جگہ نظر آتا ہے۔ بہرحال اس ضمن میں باقی باتیں ان شاء اللہ آئندہ۔

آج کل دنیا کے جو حالات ہیں مَیں دعا کے لیے ان کی یاددہانی دوبارہ کروا دوں۔ حماس اور اسرائیل کی جنگ اور اس کے نتیجہ میں معصوم فلسطینی عورتوں اور بچوں کی شہادتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ جنگ کے حالات جس تیزی سے شدت اختیار کر رہے ہیں اور اسرائیل کی حکومت اور بڑی طاقتیں جس پالیسی پر عمل کرتی نظر آ رہی ہیں اس سے تو عالمی جنگ اب سامنے کھڑی نظر آ رہی ہے۔ اور اب تو بعض مسلمان ملکوں کے سربراہوں نے بھی کھل کے یہ کہنا شروع کر دیا ہے۔ روس، چین نے بھی اور اسی طرح مغربی تجزیہ نگاروں نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ اب جنگ کا یہ دائرہ وسیع ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اگر فوری حکمت والی پالیسی اختیار نہ کی گئی تو دنیا کی تباہی ہے۔ سب کچھ خبروں میں آ رہا ہے۔ آپ سب کے سامنے صورتحال ہے۔ اس لیے احمدیوں کو دعاؤں کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ relax نہ ہو جائیں۔ کم از کم ہر نماز میں ایک سجدہ یا کم از کم کسی ایک نماز میں ایک سجدہ تو ضرور اس کے لیے ادا کرنا چاہیے۔ اس میں دعا کرنی چاہیے۔ مغربی دنیا کا تو کسی بھی ملک کا سربراہ ہو وہ اس معاملے میں انصاف سے کام لینا نہیں چاہتا۔ نہ اس بارے میں کچھ کہنے کی جرأت رکھتا ہے۔ احمدی ان بحثوں میں نہ پڑیں کہ کس ملک کا وزیراعظم یا سربراہ اچھا ہے اور کس کا اچھا نہیں اور اس کو یہ نہیں کہنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اس کے خلاف نہیں بولنا چاہیے۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ جب تک کوئی جرأت سے جنگ بندی کی کوشش نہیں کرتا وہ بہرحال دنیا کو تباہی کی طرف لے جانے کا ذمہ دار ہے۔

پس اپنے ماحول میں دعاؤں کے ساتھ اس بات کو پھیلانے کی کوشش کریں کہ ظلم کو روکو۔ اگر کسی احمدی کے کسی سے تعلقات ہیں تو اسے سمجھائیں۔ یہی جرأت ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کا معیار ہے۔ اسرائیلی حکومت کے نمائندے کہتے ہیں کہ حماس نے ہمارے معصوموں کو مارا، ہم بدلہ لیں گے اور یہ بدلہ اب تمام حدیں پار کر گیا ہے۔ جتنا اسرائیلی جانوں کو نقصان ہوا ہے جو بیان کی جاتی ہیں اس سے چار پانچ گنا زیادہ فلسطینی جانوں

کا نقصان ہو چکا ہے۔ اگر ان کا حماس کو ختم کرنے کا ٹارگٹ ہے جیسے یہ کہتے ہیں تو پھر ان سے دُوبدُو جنگ کریں۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو کیوں نشانہ بنا رہے ہیں؟ پھر پانی، خوراک، علاج سب سے ان لوگوں کو محروم کر دیا ہے۔ حقوقِ انسانی اور جنگوں کے اصول کے ان حکومتوں کے تمام دعوے یہاں آکر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہاں بعض اس طرف توجہ بھی دلاتے ہیں جیسے گذشتہ دنوں امریکہ کے سابق صدر اوبامہ نے کہا تھا کہ جنگ اگر کرنی بھی ہے تو جنگی اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔ سویلین پر ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ یو این (UN) کے سیکرٹری جنرل صاحب بھی بولے تھے۔ اس پر اسرائیلی حکومت نے شور مچا دیا۔ تو باقی دنیا کے امن کے دعویداروں نے جو اپنے آپ کو سب سے بڑا امن کو قائم کرنے والا سمجھتے ہیں یا چیمپئن سمجھتے ہیں سیکرٹری جنرل کے بیان کی تائید میں کچھ نہیں بولے بلکہ انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

بہر حال حالات خطرناک ہیں اور خطرناک تر ہوتے جا رہے ہیں۔ مغربی میڈیا ایک طرف کی خبریں تو بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور دوسری طرف کی ایک کونے میں چھوٹی سی خبر۔ جیسے گذشتہ دنوں رہائی پانے والی جو عورتیں تھیں ان میں سے ایک عورت نے کہا کہ مجھ سے قید میں بہتر سلوک ہوا۔ اس کی خبر تو ایک کونے میں چلی گئی اور جو یہ بیان ہے کہ حماس کی قید جہنم تھی اسے مستقل بڑی خبر کا حصہ بنا کے پیش کیا جاتا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ سب صورتحال سامنے رکھی جائے پھر دنیا کو اپنا فیصلہ کرنے دیں کہ کون ظالم ہے، کون مظلوم ہے اور کس حد تک یہ جنگ جائز ہے اور کہاں جا کے یہ ختم ہونی چاہیے۔ دنیا کے سامنے ساری صورتحال آنی چاہیے نہ کہ ایک طرفہ رائے۔ بہر حال ہمیں دعاؤں کی طرف بہت توجہ دینی چاہیے۔ ظلم کو ختم کرنے کے لئے اپنے دائرے میں کوشش بھی کرنی چاہیے اور دعا بھی۔ مسلمان مظلوموں کے لیے بھی اور مسلمان حکومتوں کو ایک جامع اور دیرپا منصوبہ بندی کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کی مشکلات دُور ہونے کے لیے ہمیں خاص درد رکھنا چاہیے۔ ہم تو اس مسیح موعودؑ کے ماننے والے ہیں جس نے مسلمانوں کے لیے باوجود اس کے کہ ہمیں ان سے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا کہ:

"اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوئے حب پیمبرمؐ"

(ازالہ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 182)

اے دل! تُو ان لوگوں کا لحاظ رکھ۔ آخر وہ میرے پیغمبرؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے بہت دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بھی دے اور مسلمانوں کو بھی اور دنیا کو عقل بھی دے۔

(الفضل انٹرنیشنل 17 / نومبر 2023ء جلد 30 شمارہ 227 صفحہ 02 تا 07)

44

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 03 نومبر 2023ء بمطابق 03 نبوت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۔ (آل عمران: 93)

تم ہر گز نیکی کو پا نہیں سکو گے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت کرتے ہو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو تو یقیناً اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ **نیکی کے اعلیٰ معیار اس وقت ہی حاصل ہوتے ہیں جب تم** خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ خرچ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

"تم حقیقی نیکی کو جو نجات تک پہنچاتی ہے ہر گز پا نہیں سکتے بجز اس کے کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ مال اور وہ چیزیں خرچ کرو جو تمہاری پیاری ہیں۔"

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 38)

پھر ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ:

"**مال کے ساتھ محبت نہیں چاہئے**۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ تم ہر گز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جن سے تم پیار کرتے ہو۔"

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد دوم صفحہ 130)

فرمایا: "بیکار اور نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی آدمی نیکی کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نیکی کا دروازہ تنگ ہے۔ پس یہ امر ذہن نشین کر لو کہ نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔" اس نیکی کے دروازے میں "کیونکہ نصِّ صریح ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:93) جب تک عزیز سے عزیز اور پیاری سے پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے اس وقت تک محبوب اور عزیز ہونے کا درجہ نہیں مل سکتا۔ اگر تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے اور حقیقی نیکی کو اختیار کرنا نہیں چاہتے تو کیونکر کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہو۔" فرمایا "کیا صحابہ کرامؓ مفت میں اس درجہ تک پہنچ گئے جو اُن کو حاصل ہوا۔ دنیاوی خطابوں کے حاصل کرنے کے لیے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ تب کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہو سکتی ملتا ہے۔" خطاب ایسا ملتا ہے کہ ضروری نہیں اس سے دلی سکینت بھی حاصل ہو لیکن اس

کے لیے انسان محنت کرتا ہے۔ ”پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولیٰ کریم کی رضامندی کا نشان ہے کیا یونہی آسانی سے مل گیا؟“ صحابہؓ کو۔ ”بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں۔ خدا ٹھگا نہیں جا سکتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے تکلیف کی پروا نہ کریں کیونکہ ابدی خوشی اور دائمی آرام کی روشنی اس عارضی تکلیف کے بعد مومن کو ملتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 75-76)

پس یہ مال خرچ کرنے کا وہ ادراک ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، ہر احمدی پر احسان ہے جس نے اس بات کو سمجھا اور اس نے اپنا مال دین کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے پیش کیا کہ باوجود اپنی ضروریات کے افرادِ جماعت کی **ایک بڑی تعداد اپنا مال دینی ضرورت کے لیے پیش کرتی ہے۔ ہزاروں مثالیں ایسی ہیں جو اپنی** ضروریات کو پس پشت ڈال کر دینی ضروریات کے لیے اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاشی حالات عموماً خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں، خاص طور پر ترقی پذیر ممالک کے۔ ویسے تو ترقی یافتہ ممالک کا بھی اب وہ حال نہیں رہا جہاں ان کو ہر چیز میں آسانیاں اور کشائش تھی اور اب جو دنیا میں جنگ کے حالات ہیں اور یورپ میں بھی جو یوکرین اور روس کی جنگ ہو رہی ہے اس نے یورپ کے حالات بھی کافی خراب کر دیے ہیں۔ بہرحال ترقی پذیر ملکوں کی معیشت پر تو زیادہ اثر پڑا ہے۔ پھر ان ملکوں کے سیاستدانوں کی کرپشن نے بھی بہت بُرے حالات کر دیے ہیں لیکن اس کے باوجود احمدی اپنی مالی قربانی میں آگے ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک دنیادار کی نظر میں یہ ایک ایسی بات ہے جس کو سمجھنا مشکل ہے لیکن جن کے ایمان مضبوط ہیں انہیں پتہ ہے کہ یہ قربانی اس لیے ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل نظر آتے ہیں۔

نومبر کے پہلے خطبہ میں جیسا کہ احباب جانتے ہیں تحریکِ جدید کے نئے سال کا اعلان ہوتا ہے تو تحریکِ جدید کے **حوالے سے ہی میں بعض واقعات پیش کروں گا۔**

صدر لجنہ ضلع لاہور نے مجھے لکھا کہ ایک مجلس میں مجھے تحریکِ جدید کے چندے کی طرف توجہ دلانے کے لیے کہا گیا۔ ایک درمیانی کمائی کرنے والے اوسط درجہ کے لوگوں کی یہ مجلس ہے۔ کہتی ہیں کہ مجھے شرم بھی تھی اور ہچکچاہٹ بھی تھی کہ میں کیا ان کو تحریک کروں کیونکہ یہ پہلے ہی بہت زیادہ قربانیاں کر رہے ہیں لیکن بہرحال مجھے کہا گیا تھا اس لیے توجہ دلانی پڑی۔ وہ کہتی ہیں کہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ کس طرح بڑھ بڑھ کر عورتوں نے اپنی قربانیاں پیش کی ہیں۔ کہنے لگیں کہ مجھے شرم اَب اس بات پر آئی کہ کم آمدنی والے لوگ اس **طرح قربانی کر رہے ہیں جس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور بہت سارے امیر بھی سوچ نہیں سکتے۔** نقد اور زیور کی صورت میں کئی لاکھ روپے دے دیے۔ اسی طرح وکیل المال اوّل کی رپورٹ میں ان خواتین کی کئی صفحوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے اپنے زیور پیش کیے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تحریکِ جدید کا اعلان فرمایا تھا اور اس وقت جو مطالبات رکھے تھے ان میں سے ایک عورتوں کی قربانی کے تعلق میں یہ بھی تھا کہ

زیور نہ بنائیں یا کم بنائیں اور قربانی کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیور کی قربانی دینا جو بنا بنایا زیور ہے اس سے بڑی قربانی ہے کہ زیور نہ بنایا جائے۔ جو سامنے چیز ہے اس کو دینا بہت مشکل کام ہے۔

پس احمدی عورتوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر اس وقت بھی یہ قربانی دی اور آج بھی دے رہی ہیں۔ صرف ایک ملک میں نہیں بلکہ ان مغربی ممالک میں بھی ایسی عورتیں ہیں جو اپنے زیور دیتی ہیں بلکہ تمام زیور چندے میں دے دیتی ہیں۔ پھر نیا بناتی ہیں تو پھر چین نہیں آتا پھر وہ زیور چندے میں دے دیتی ہیں کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: ابدی اور دائمی خوشی حاصل کرنا چاہتی ہیں جو قربانی کے بغیر نہیں ملتی۔

پھر غریب لوگ ہیں جو اپنے پیٹ کاٹ کر چندہ دیتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پھر فوری نواز بھی دیتا ہے اور ان کو اس چندے سے بڑھ کر ایسے طریقوں سے عطا فرما دیتا ہے کہ انہیں خود بھی حیرت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے کچھ واقعات میں یہاں بیان کروں گا لیکن ساتھ ہی میں ان امیر لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ بھی اس سے سبق سیکھیں اور اپنی قربانیوں کے معیار کو بڑھائیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ غریب لوگ تو ایسے بھی ہیں جو اپنی ایک مہینے کی آمد کا پینتالیس فیصد تک دے دیتے ہیں اگر ان کی روزمرہ کی خوراک کو بنیاد بنایا جائے اور اس کے مطابق چندے کا خرچ نکالا جائے، لیکن امیر لوگ صرف ڈیڑھ فیصد دیتے ہیں بلکہ اب تو غریبوں میں سے ایسے بھی ہیں جو سو فیصد دے دیتے ہیں اور امیر شاید ایک فیصد دیتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے غریبوں کا جو سو فیصد ہے وہ امیروں کی کل رقم سے بہت کم ہوتا ہے لیکن قربانی کا معیار بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔

(ماخوذ از خطباتِ محمودؓ جلد 15 صفحہ 443)

پس **اس لحاظ سے خوشحال لوگوں کو بھی اپنے جائزے لینے چاہئیں۔** یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ادھار نہیں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا کہ سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ بڑھا کر عطا فرما دیتا ہے۔ تو بہرحال جیسا کہ میں نے کہا چند مثالیں قربانی کرنے والوں کی میں یہاں پیش کرتا ہوں۔ جہاں ان کی قربانی اور ایمان کے جذبے کا پتہ چلتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا فضل بھی فوری طور پر ان پر ہوتا نظر آتا ہے۔

گنی بساؤ افریقہ کا ایک ملک ہے۔ وہاں کے محمود صاحب ہیں جو موٹر سائیکل مکینک ہیں۔ ان کو مشنری صاحب نے چندہ تحریکِ جدید کی تحریک کی تو انہوں نے اپنی جیب میں جتنی بھی رقم تھی سب نکالی جو کہ دس ہزار فرانک سیفا تھی۔ گھر میں بیٹھے تھے کہ اسی وقت ان کی بہو بھی آئی۔ انہوں نے گھر میں کھانا پکانے کے لیے پیسے مانگے۔ محمود صاحب وہ ساری رقم تحریکِ جدید چندہ میں ادا کرنے کی نیت کر چکے تھے اور ساری رقم چندے میں ادا کر دی اور بہو کو کہا کہ آپ صبر کریں۔ اس وقت بہو واپس چلی گئی۔ محمود جرگہ صاحب کہتے ہیں کہ ابھی وہ اس پریشانی میں تھے کہ بہو کو کس طرح خرچ دیں کہ گورنمنٹ کے ایک دفتر سے فون آیا کہ آپ دفتر آجائیں۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے گذشتہ سال ہماری موٹر سائیکلوں کی مرمت کی تھی جس کی رقم ہم نے آپ کو ادا نہیں کی تھی اور ایک لاکھ نوے ہزار فرانک سیفا کا چیک ان کو دیا۔ چیک وصول کرنے کے بعد محمود صاحب فوراً اپنے گھر آئے۔ اپنی بہو اور باقی گھر والوں کو بلا کر کہا کہ دیکھو! اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی برکتیں۔ جس رقم کی مجھے امید بھی

نہیں تھی وہ میرے ربّ نے مجھے دلوادی۔

فجی کے مبلغ لکھتے ہیں: ناندی کے ایک دوست اشفاق صاحب ہیں۔ کہتے ہیں انہوں نے سفر کے دوران میرا تحریکِ جدید کا جو پچھلا خطبہ تھا وہ سنا اور جو میں نے واقعات بیان کیے تھے وہ سنے۔ کہتے ہیں کہ ان واقعات کا ان پر بڑا اثر ہوا اور دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے سیکرٹری تحریکِ جدید کو فون کیا کہ میرا تحریکِ جدید کا چندہ دوگنا کر دیں۔ یہ بزنس کرتے ہیں۔ اس کے بعد بزنس کی سالانہ مالی رپورٹ تیار ہوئی تو اس سال ان کا منافع بھی دوگنا تھا۔ جس پر وہ بیان کرتے ہیں کہ میرا یقین ہے کہ یہ دوگنا منافع ہماری محنت اور کوششوں سے نہیں ملا بلکہ محض اللہ تعالیٰ **کے فضل سے یہ چندے کو دوگنا کرنے سے ملا ہے۔**

ماسکو کے مبلغ لکھتے ہیں کہ رسلان کِیکِینیُو صاحب قرغیزستان سے ہیں۔ چودہ سال سے یہ ماسکو میں مقیم ہیں۔ کہتے ہیں پہلے بھی یہ مالی قربانی کی طرف توجہ کرتے تھے۔ تقریباً ایک سال قبل انہوں نے جب مالی قربانیوں کا میرا یہ خطبہ سنا تو کہتے ہیں کہ سن کے مجھے بڑا مزہ آیا اور اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوتا ہوں جو قربانیاں کرنے والے ہیں اور بلاناغہ روزانہ کی آمد کا دس فیصد حصہ چندے کی آمد میں بھجوانا شروع کر دیا۔ کچھ صدقہ میں تھا اور باقی چندے میں۔ کہتے ہیں کہ یہی طریق ایک سال سے انہوں نے قائم رکھا ہوا ہے۔ مبلغ کی جب دوسری جگہ بدلی ہوئی تو اس وقت ان صاحب کا، یہ روسی نژاد ہیں، قرغیزستان کے ہیں، پہلا سوال یہ تھا کہ کیا اب بھی میں اپنا چندہ جس طرح میں ادا کرتا تھا اس طرح جاری رکھ سکوں گا۔ **تو یہ انقلاب ہے جو مسیح موعود علیہ السلام نے لوگوں میں پیدا کیا ہے۔ ایک فکر ہے چندہ دینے کی۔**

تنزانیہ کے امیر صاحب لکھتے ہیں وہاں کی ایک جماعت میں ایک شخص محمد ثانی صاحب ہیں۔ وہاں نوکری کر رہے تھے کہ اس کمپنی کو جہاں نوکری کرتے تھے مالی نقصان ہو گیا اس وجہ سے مالک نے کہہ دیا کہ تمام کارکنان کی تنخواہوں میں سے کٹوتی ہو گی۔ اس پر انہیں بہت دکھ ہوا۔ چندہ تحریکِ جدید کی ادائیگی کا آخری مہینہ تھا۔ معلم نے جب ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے اپنی مشکلات کا اظہار تک نہیں کیا کہ کیا مشکل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے اپنا وعدہ مکمل کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگلے ہی دن ان کے مالک کا فون آیا کہ ان کی تنخواہ میں سے کٹوتی نہیں ہو گی۔ چنانچہ دیگر ساتھیوں کی تنخواہوں میں کٹوتی ہوئی لیکن ان کی تنخواہ مکمل وصول ہوئی۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ **میں نے اس وقت جو چندہ تحریکِ جدید کا ادا کر دیا تھا یہ اس کی وجہ سے ہے۔**

ملاوی ایک ملک ہے وہاں کی ماگوچی (Mangochi) ڈسٹرکٹ سے تعلق رکھنے والی ایک بزرگ خاتون ہیں۔ کھیتی باڑی کرتی ہیں۔ اسی پہ ان کا گزارہ ہے۔ انہوں نے تحریکِ جدید کا وعدہ لکھوایا لیکن ادا نہیں کر سکیں۔ سال کے اختتام پر جب یاددہانی کروائی گئی کہ اگر کسی کا وعدہ نامکمل ہے تو ادائیگی کر دیں تو کہتی ہیں انہوں نے کام کی بہت کوشش کی اور دعا بھی کی کہ کام مل جائے تاکہ وہ اپنی آمد سے وعدہ مکمل کر سکیں۔ کوشش کے باوجود انہیں کام نہیں مل سکا۔ ایک دن وہ مسجد میں نماز عصر ادا کر کے واپس گھر پہنچیں تو انہیں خبر ملی کہ ان کے پوتے نے انہیں پینتالیس ہزار کواچے جو وہاں کی کرنسی ہے تحفۃً بھجوائی ہے۔ چنانچہ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے فوراً معلم

کے پاس جا کے اپنے وعدہ کی ادائیگی کی اور بار بار وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ انہیں اپنا وعدہ مکمل کرنے کی توفیق ملی۔ اب غریب لوگ بھی ایک فکر کے ساتھ چندے کی ادائیگی کرتے ہیں۔

تنزانیہ کے امیر صاحب کہتے ہیں شیانگا کی ایک جماعت ہے۔ وہاں مریم صاحبہ ایک خاتون ہیں۔ کہتی ہیں کہ مجھے معلم کا فون آیا۔ انہوں نے تحریکِ جدید کے بقایا کی طرف توجہ دلائی۔ کہتی ہیں گھر کے استعمال کے لیے اس وقت میرے پاس صرف دس ہزار شلنگ تھے وہ میں نے چندے میں ادا کر دیے۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لاکھ شلنگ لوٹا دیے اور وہ بھی کہتی ہیں کہ یہ سب چندے کی برکات ہیں۔

گنی بساؤ سے ایک نومبائع عثمان صاحب ہیں۔ ان کی زندگی میں بہت ساری معاشی مشکلات تھیں۔ جو بھی کاروبار کرتے کامیابی نہیں ملتی تھی۔ اس پریشانی میں وہ رات کو سوئے تو کہتے ہیں مجھے آواز آئی کہ عثمان اپنا چندہ باقاعدگی سے ادا کیا کرو۔ صبح ہوتے ہی عثمان صاحب مشنری کے پاس آئے اور اپنی خواب سنائی۔ جس پر مشنری نے انہیں تحریکِ جدید اور دیگر چندہ جات کے بارے میں بتایا جس پر عثمان صاحب نے فوراً تحریکِ جدید کا چندہ ادا کیا۔ اپنے تمام چندہ جات کی فہرست بنائی اور باقاعدگی سے اپنے چندے ادا کرنے شروع کر دیے۔ عثمان صاحب کہتے ہیں کہ جب سے انہوں نے اپنے تمام چندے باقاعدگی سے ادا کرنے شروع کیے ہیں تب سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کاروبار میں برکت عطا فرمائی ہے اور تمام گھریلو پریشانیاں بھی دُور ہو گئی ہیں۔ اب یہ ان کا پختہ یقین ہے کہ یہ سب تحریکِ جدید اور باقی چندوں کی ادائیگی کی برکات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سلوک ہے اور کس طرح نومبائعین کو بھی یاددہانی کرواتا ہے۔ **اللہ تعالیٰ کو تو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ صرف نوازنے کے لیے یہ کرتا ہے۔**

آسٹریلیا سے مربی کامران صاحب ہیں۔ کہتے ہیں ایک خادم نے قریباً دس سال سے چندہ نہیں دیا تھا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھا اور اس کو مالی قربانی کی برکات کے متعلق بتایا۔ اس کے بعد اس نے اپنا چندہ دینا شروع کر دیا اور ساتھ ہی تحریکِ جدید اور وقف جدید کا چندہ ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کچھ دن گزرے تھے کہ اس کا فون آیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے کام میں پروموشن ہو گئی ہے جس کی مجھے بالکل بھی امید نہیں تھی اور کہنے لگا کہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کی وجہ سے ہے اور جو دس سال سے سست تھا کہنے لگا کہ اب **میں کبھی چندوں میں سستی نہیں کروں گا۔**

گیمبیا کا گاؤں ہے نیامینا(Niamina) ۔ وہاں بھی ایک دوست عثمان صاحب ہیں۔ سیکرٹری تحریکِ جدید ان کے گاؤں گئے چندہ کی ادائیگی کی تحریک کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ نہ صرف یہ کہ مالی تحریک ہے بلکہ اس کے مقاصد میں سے علم بڑھانا اور تبلیغ کرنا بھی ہے۔ آپ تحریکِ جدید میں شامل ہونے والے ہیں تو صرف یہی نہ سمجھیں کہ چندہ دے دیا اور کام ختم ہو گیا۔ وہ تو دے دیا اس کے علاوہ ان کو اپنا دینی علم بھی بڑھانا چاہیے اور پھر تبلیغ کے میدان میں بھی آنا چاہیے۔ گذشتہ دنوں خدام انصار سے جب میں نے عہد لیا تھا تو اس کو بھی اگر یہ جماعت والے سامنے رکھیں تو تبلیغ کے میدان میں ہمیں بہت آگے آنا چاہیے۔ صرف مالی قربانی دے کے نہ سمجھ لیں کہ ہم نے فرض ادا کر دیا۔

تحریکِ جدید کا ایک مقصد تبلیغ بھی تھا اور بہت بڑا مقصد یہی تھا جس کی وجہ سے شروع کی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں اس سے بہت متاثر ہوا اور میں نے نہ صرف بیعت کر کے جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کہتے ہیں اس وقت تک انہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ جب تحریکِ جدید کے مقاصد کا پتہ لگا تو بیعت کر کے جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور ایک سو پچاس ڈلاسی چندہ تحریکِ جدید کا وعدہ بھی کر دیا۔ ادائیگی بھی کر دی۔ کہتے ہیں کہ چندے کی ادائیگی کے بعد وہ اپنے اندر ایک پاک تبدیلی محسوس کرتے ہیں اور میں احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اسلام احمدیت کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ نیز اب باقاعدگی سے چندہ عام بھی ادا کر رہا ہوں۔

گیمبیا سے ہی ایک خاتون لکھتی ہیں کہ جب سے میں نے چندہ ادا کیا ہے میں اپنے اور اپنے بچوں کے اندر ایک انقلاب محسوس کرتی ہوں اور دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کی راہ میں نیکی اور قربانی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بناتی چلی جاتی ہے۔

گنی کناکری افریقہ کا ملک ہے۔ وہاں کے لوکل مشنری کمارا صاحب نے کہا کہ چندے کی وصولی کے لیے ایک گاؤں کا دورہ کر رہا تھا کہ ایک نومبائع امام کی اہلیہ سے چندے کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو محترمہ نے پانچ ہزار گنی نکال کر آسمان کی طرف ہاتھ کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! میرے پاس صرف یہی کُل رقم ہے جو میں تیری راہ میں ادا کر رہی ہوں تُو اسے قبول فرما اور وہ رقم چندے میں ادا کر دی۔ نومبائعہ ہے۔ افریقہ کے دُور دراز علاقے میں رہنے والی ہے۔ لوکل مشنری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں جب گاؤں کا دورہ کر کے واپس پہنچا تو وہ محترمہ جنہوں نے پانچ ہزار فرانک گنی چندہ ادا کیا تھا بڑی خوشی سے بتانے لگی کہ آج کے سودے میں جو مَیں نے اللہ سے کیا تھا مجھے بہت منافع ہوا ہے۔ کہتی ہیں آپ کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک رشتہ دار کے ذریعہ اسّی ہزار فرانک گنی بھجوا دیے جو میری قربانی سے کہیں زیادہ ہے۔

گنی کناکری سے ہی لوکل مشنری جالو صاحب کہتے ہیں کہ عشرہ تحریکِ جدید منانے کے دوران ایک گاؤں کونتایا(Kontayah) میں معلم صاحب چندے کی وصولی کے لیے پہنچے۔ ایک نومبائع شیخو صاحب نے تیس ہزار فرانک گنی چندہ تحریکِ جدید کی مد میں ادا کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ جب انہیں ادائیگی کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس آج گھر کے خرچ کے لیے کل رقم تیس ہزار ہی ہے لیکن میں اسے اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں اللہ اسے قبول فرمائے۔ اگلے روز موصوف کا بڑے پرجوش انداز میں فون آیا کہ اللہ نے میری قربانی قبول کر لی ہے۔ ابھی چندہ ادا کیے چند گھنٹے گزرے تھے کہ میرے بیٹے نے مجھے تین لاکھ فرانک گنی گھر کے اخراجات کے لیے بھجوا دیے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ایمان کو اس واقعہ کے بعد بہت تقویت عطا کی ہے۔ جماعت جو چندہ ہم سے وصول کرتی ہے وہ اللہ کی راہ میں ہی خرچ ہوتا ہے اور میں اب اسی طرح قربانی کرتا رہوں گا۔ یہ بھی ان کی تسلی ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو نوازا ہے تو اس لیے کہ اس رقم کا مصرف بھی صحیح ہے اور رقم ضائع نہیں ہوئی۔

قازقستان سے ایک دوست بائیگا میتوف صاحب ہیں۔ چندوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جون کے مہینے میں مجھے نوکری سے فارغ کر دیا گیا اور میری جتنی بھی تنخواہ بنتی تھی وہ مالکان نے ادا کر دی۔ اب

کہتے ہیں میں پینشن پہ ہوں۔ نوکری سے نکلنے کے کچھ ماہ بعد مجھے کچھ بیماری کی وجہ سے مہنگی دوائیاں اور دیگر اشیاء خریدنی پڑیں لیکن مالی توفیق نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان رہتا تھا۔ اگلے روز گلی میں چلتے ہوئے مجھے اپنا کریڈٹ کارڈ چیک کرنے کا خیال آیا۔ میں جانتا تھا کہ میرا کریڈٹ کارڈ خالی ہو گا۔ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس میں پیسے نہیں ہو سکتے پھر بھی چیک کرنے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے چیک کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ کارڈ میں ایک لاکھ نوے ہزار مقامی کرنسی موجود تھی۔ میں حیران تھا اللہ کا بے حد شکر کرتا رہا۔ رقم کوئی بھی وجہ بتائے بغیر اس کمپنی نے جس سے میں مستعفی ہوا تھا میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی تھی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کمپنی میں فون کیا اور وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ کمپنی کے مالک نے یہ رقم ان کی ایمانداری اور سچائی کی وجہ سے بطور تحفہ بھیجی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سب تحریکِ جدید اور وقف جدید کے چندوں میں باقاعدگی کا نتیجہ ہے۔

ملائیشیا سے ایک دوست بھکرا (Bhakra) صاحب ہیں۔ کہتے ہیں میرا ذاتی تجربہ ہے 17-2016ء کے درمیان میں نے تحریکِ جدید میں ایک ہزار رنگٹ کا وعدہ کیا۔ اس دوران میں اپنے مالی حالات کی وجہ سے ادائیگی کرنے سے قاصر تھا جو اس وقت واقعی مشکل تھا اور میرا کاروبار متاثر ہو رہا تھا۔ میں پریشانی کی حالت میں تھا اور امید رکھتا تھا کہ وعدہ کی مکمل ادائیگی ہو جائے گی لیکن میں پیسے بھی جمع نہیں کر سکتا تھا۔ میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اگر میری نیت سچی ہے اور جماعت واقعی حق پر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کرے گا۔ وعدہ جات کی ادائیگی کرنے کے آخری دن سے ایک دن پہلے اتفاقاً کاروبار سے آمدنی آئی اور رقم بالکل ایک ہزار رنگٹ تھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے سیکرٹری مال کے گھر گیا اور انہیں ایک ہزار رنگٹ ادا کیے۔ اس واقعہ کے بعد سے مجھے اس جماعت پر مکمل یقین ہے کہ اگر ہمارے مقاصد جماعت اور اسلام کی ترقی کے لیے مخلص ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور غیر معمولی طور پر آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ **پس یہ ایک طرح کی سوچ ہے جو دنیا کے ہر ملک میں رہنے والے احمدی کی ہے۔** حالانکہ بیچ میں ہزاروں میل کا فاصلہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس طرح ایمان مضبوط کرتا ہے اور جماعت کی سچائی بھی ان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ ایمان کو بھی مضبوط کر دیتا ہے۔

جرمنی کے ایک دوست کہتے ہیں: میری فرم کے مالی حالات خراب ہونے پر کام کا عرصہ کم ہو گیا جس کی وجہ سے میری آمدنی کم ہو گئی۔ جس روز تحریکِ جدید کا سیمینار تھا اس وقت ایمان افروز واقعات سنتے ہوئے میں نے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ میں پانچ سو یورو مزید ادا کروں گا۔ اس سلسلہ میں کہتے ہیں انہوں نے مجھے دعا کے لیے خط بھی لکھا خود بھی دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تحریکِ جدید کے پہلے وعدے کی ادائیگی کے بعد مزید چھ سو یورو ان کو ادا کرنے کی توفیق ہوئی۔ کچھ روز کے بعد کسی اَور فرم کا فون آیا کہ اگر آپ پہلی فرم کو چھوڑ کر ہمارے پاس کام کریں تو آپ کی تنخواہ پہلی فرم سے ایک ہزار یورو زیادہ ہو گی۔ میں نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ اس نئی فرم میں کام کروں گا۔ اس فرم کے مالک نے کہا چونکہ آپ نے اپنی پرانی فرم چھوڑ دی ہے اس لیے آپ کو تین ماہ تک ہر مہینے باقاعدہ دو ہزار یورو بھی تین قسطوں میں بونس دیا جائے گا اور کام کے متعلق بتایا کہ جمعہ ہفتہ اور اتوار کو چھٹی ہو گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحریکِ جدید میں اضافی قربانی کے نتیجہ میں نہ صرف میری

تنخواہ میں اضافہ ہو گیا بلکہ نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی مستقل انتظام ہو گیا۔

آئیوری کوسٹ کے مبلغ لکھتے ہیں کہ تحریکِ جدید کے چندے کی وصولی کے سلسلہ میں یاؤلے سو (Yaollesso) نامی گاؤں میں چندے کی تحریک کی۔ ایک معمر بزرگ جو نہایت غریب تھے اور ان کی مالی حیثیت کے مطابق ہمارا خیال تھا کہ اگر دو سو یا تین سو فرانک بھی دے دیں تو بڑی بات ہے۔ وہ اٹھے اور گھر گئے۔ نہ صرف خود چندے کی رقم لے کر آئے بلکہ ساتھ اپنے بیٹے کو بھی لے کر آئے کہ تم بھی چندہ ادا کرو۔ چنانچہ انہوں نے دو ہزار فرانک پیش کیا جو اُن کی حیثیت کے مطابق ایک خطیر رقم تھی۔ ان کے بیٹے نے بھی پانچ سو فرانک ادا کیا۔ یہ ہے مال کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر قربانی کا جذبہ۔

سینیگال افریقہ کا ایک اَور ملک ہے۔ معلم صاحب کہتے ہیں محمد انجائے صاحب ایک غریب لیکن مخلص احمدی ہیں۔ ان کی اہلیہ بیمار تھیں۔ ڈاکٹر نے جو ادویات لکھ کر دیں ان کی قیمت پندرہ ہزار فرانک سیفا تھی جو اُن کے پاس موجود نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی دوست کے پاس قرض کے حصول کے لیے گئے۔ اس سے قرض لیا۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز کی ادائیگی کے لیے مشن ہاؤس آئے۔ اپنی بیوی کی صحت کے متعلق معلم صاحب سے ذکر کیا اور ابھی پوری تفصیل نہیں بتائی تھی صرف ذکر ہی کیا تھا کہ معلم صاحب نے اپنی بات پہلے شروع کر دی اور عشرہ تحریکِ جدید کے حوالے سے ذکر کرنا شروع کیا کہ خدا کی راہ میں قربانی کریں۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ بہرحال انہوں نے اپنی مجبوری کا ذکر کیا اور کہا کہ دو چار دن بعد میں ادائیگی کر دوں گا۔ ابھی تو مجھے مجبوری ہے۔ اس وقت اہلیہ کی دوا خریدنے کے لیے قرض لیا ہے وہ لے لوں۔ بہرحال وہ مشن ہاؤس سے چلے گئے۔ چند منٹ گزرے تھے کہ واپس آئے اور کہا کہ مشن ہاؤس سے نکلتے ہی مجھے خیال آیا کہ مجھے معلم نے تحریک کی ہے اور مَیں نے اس تحریک پہ کچھ بھی ادائیگی نہیں کی۔ اس پر میرا دل بہت بوجھل ہو گیا۔ اس لیے آپ یہ پانچ ہزار فرانک سیفا تحریکِ جدید میں کاٹ لیں۔ میں صرف ضروری دوا خرید لوں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے رسید لی اور چلے گئے۔ مشن ہاؤس سے نکل کر ابھی فاریسی تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک کال آئی۔ ایک صاحب نے کہا کہ میں نے ایک بیڈ بنوانا ہے۔ مَیں آپ کو پچاس ہزار فرانک سیفا میں ٹیلیفون کے ذریعہ کریڈٹ بینک کو آرڈر کر کے ٹرانسفر کر رہا ہوں۔ جب آپ کی اہلیہ ٹھیک ہو جائیں تو میرا بیڈ بنا دیں اور بقیہ رقم بعد میں ادا کر دوں گا۔ یہ کہتے ہیں فاریسی پر جانے کی بجائے وہ صاحب پھر واپس مشن ہاؤس آئے اور معلم کو یہ سارا واقعہ بتایا اور **کہا کہ چندے کی برکت سے خدا تعالیٰ نے** خاص فضل فرمایا ہے اور میری ضرورت سے زائد رقم مجھے مل گئی ہے۔

سینیگال سے ہی معلم صاحب بیان کرتے ہیں۔ ایک مخلص دوست واگن صاحب نے تحریکِ جدید کے چندہ کا دس ہزار فرانک سیفا کا وعدہ کیا۔ ان کو بتایا گیا کہ تحریکِ جدید کا سال اختتام پذیر ہونے والا ہے اور آپ کا چندہ ابھی بقایا ہے۔ انہوں نے کہا ابھی تو میرے پاس پیسے نہیں ہیں لیکن بہرحال فکر نہ کریں عرصہ ختم ہونے سے پہلے میں ادا کر دوں گا چاہے مجھے اپنے کپڑے بیچ کر ہی رقم ادا کرنی پڑے۔ یہ جذبہ ہے ان کا۔ معلم صاحب بتاتے ہیں کہ چند دن بعد وہ خود ہی میرے گھر آئے اور کہا کہ میرا تحریکِ جدید کا چندہ وصول کر لیں اور بتایا کہ اس کی بہت فکر تھی

اور آج ہی میری بیٹی نے مجھے ناقابل یقین طور پر پیسے بھیجے ہیں تو سب سے پہلے میں چندہ دینے آ گیا ہوں۔ ایسے ایسے مخلص جماعت میں ہیں کہ پروا نہیں کرتے کسی چیز کی۔

نائیجر کے امیر صاحب کہتے ہیں۔ ایک معلم ہیں ان کی اہلیہ گھریلو خاتون ہیں۔ اپنی کوئی آمدنی نہیں۔ معلم صاحب ہی ان کا تحریکِ جدید کا وعدہ ادا کیا کرتے تھے۔ جب ان کی اہلیہ کو علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس سال میں اپنا چندہ خود ادا کروں گی اور میرا وعدہ آٹھ ہزار سیفا لکھ لیں۔ ان کے معلم شوہر نے کہا کہ کیسے ادا کرو گی۔ انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میری قربانی اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اور پھر اس طرح ہی ہوا کہ کچھ دن گزرے تھے کہ ان کے پڑوس سے ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ اگر آپ کو سلائی آتی ہو تو میرے کپڑے سلائی کر دیں اور ساتھ ہی تین ہزار سیفا ایڈوانس بھی دے دیا جو انہوں نے فوراً تحریکِ جدید کی مد میں ادا کر دیا۔ اس کے بعد سے ان کے پاس اتنا کام آیا کہ انہوں نے بآسانی اپنا چندہ مکمل کر لیا۔ جب تحریک شروع ہوئی تھی تو عورتوں نے اس وقت حضرت مصلح موعودؓ کو لکھا تھا کہ آج آپ نے کہا تھا کہ پانچ روپے یا دس روپے دو لیکن یہ اتنی رقم ہم یک مشت نہیں دے سکتے۔ ایک ایک، دو دو روپیہ ہم ادا کر سکتی ہیں۔ ہمیں اجازت دی جائے مہینے کے دے دیں۔ یہ جذبہ جو اس وقت دکھایا گیا تھا آج بھی قائم ہے بلکہ ان لوگوں میں ہے جو ہزاروں میل دُور بیٹھے ہیں۔ خلیفۂ وقت کی براہِ راست آواز تو سن لیتے ہیں لیکن ان کو سمجھ نہیں آتی۔ **بعض زبان بھی نہیں جانتے لیکن اخلاص میں بڑھے ہوئے ہیں۔**

سینیگال سے معلم صاحب لکھتے ہیں۔ تامبا کونڈا ایک جماعت ہے جہاں پر سعیدی صاحب کے پاس گائے اور بھیڑوں کا اپنا ریوڑ ہے۔ انہوں نے کال کر کے انہیں پوچھا کہ تحریکِ جدید کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں سے سن لیا تھا کہ احمدیوں کو تحریکِ جدید کا چندہ دینا چاہیے۔ معلم صاحب نے ان کو تحریکِ جدید کے متعلق تفصیل سے بتایا اور یہ بھی بتایا کہ ان دنوں عشرہ تحریکِ جدید بھی چل رہا ہے۔ موصوف نے بتایا کہ ان کے والد بڑے مالدار آدمی تھے مگر وہ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ میں کمزور تھے مگر مولویوں کی خاطر مدارات کرتے رہتے تھے۔ ان کے والد کی وفات کے بعد کافی جانور ان کے حصہ میں آئے ہیں مگر ان کو بھی انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوئی۔ جب معلم صاحب نے ان کو زکوٰۃ اور دیگر چندہ جات کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے ایک گائے اور دو بھیڑیں چندہ میں دیں اور کہا کہ ایک بھیڑ خاص تحریکِ جدید کے لیے ہے۔ اس کے سات دن بعد ان کو خواب آئی کہ جانوروں میں ایک خاص قسم کی وبا پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے جسم سے پانی بہتا ہے اور جانور مرتے جا رہے ہیں۔ چونکہ وہ خود بھی ایک بڑے ریوڑ کے مالک ہیں تو انہوں نے خواب میں ہی پریشانی میں یہ خیال کیا کہ ان کے جانور بھی تو ہیں۔ تو انہوں نے خواب میں ہی دعا کی کہ اے خدا! میرے جانوروں کی حفاظت فرما۔ اس پر ان کو خواب میں بڑے زور سے آواز آئی کہ تحریکِ جدید کی وجہ سے تمہارے جانور محفوظ رہیں گے۔ اس دوران انہوں نے ایک کاغذ دیکھا جس پر پہلی لائن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا اور ان کا نام بھی درج تھا۔ ان کی آنکھ کھل گئی۔ معلم صاحب کو کال کی۔ خواب بتائی۔ معلم نے بتایا کہ جو رسید آپ کو دی ہوئی ہے اس کی سب سے اوپر والی لائن پڑھیں۔ وہاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے آپ کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ اور پھر نیچے تحریکِ جدید کا چندہ لکھا ہوا

ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ پڑھ نہیں سکتے تھے تو بہر حال یہ کہتے ہیں جب میں نے رسید کو بھی دیکھا اور خواب بھی تو یہ واقعہ میرے ایمان میں زیادتی کا موجب ہوا۔ **عجیب عجیب طریقے سے اللہ تعالیٰ بھی راہنمائی کرتا ہے۔**

شیانگا، تنزانیہ کے معلم لکھتے ہیں۔ جماعت کے ایک نومبائع احمدی بزرگ رمضان صاحب نے چندہ تحریکِ جدید کے لیے اچھا معیاری وعدہ لکھوایا۔ ان کا گزر بسر کھیتی باڑی سے ہوتا تھا اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کسانوں کی فصل اچھی نہیں ہو سکی۔ رمضان صاحب نے بتایا کہ وہ ہر وقت اسی پریشانی میں تھے کہ وہ اپنا وعدہ تحریکِ جدید کیسے پورا کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس خیال میں تھا کہ ایک دن میرے ایک عزیز کا فون آیا جس نے عرصہ دراز سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے فون کر کے کہا کہ میں آپ کو کچھ پیسے بھیج رہا ہوں، رقم بھجوا رہا ہوں جس سے آپ اپنے گھر کے لیے کچھ کھانے کا سامان لے لیں۔ ان بزرگ کو جب رقم ملی تو وہ سیدھا سیکرٹری مال کے پاس گئے اور اپنا وعدہ پورا کیا اور زائد بھی ادا کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سب میرے اللہ نے میری مدد فرمائی ہے تا کہ میں چندے کا وعدہ مکمل کر سکوں۔

تو یہ تھے ان لوگوں کے قربانی کے معیار اور ان کے بھی جو نئے شامل ہونے والے ہیں۔ کہاں تو جماعت مخالف جماعت کو ختم کرنے کے لیے زور لگا رہے تھے اور پھر دیکھیں کیسے اللہ تعالیٰ نے نومبائعین کے دل میں جماعت کی خاطر قربانی کی تحریک پیدا کی اور پھر نواز بھی رہا ہے۔ کیا ان مخالفین کی پھونکوں سے یہ چراغ بجھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جلایا ہوا ہے۔ جتنا چاہے زور لگا لیں ناکامی اور نامرادی ہی مخالفین کا مقدّر ہے اور جماعت دنیا کے ہر کونے **میں قربانیوں کی مثالیں قائم کرتے ہوئے ترقی کرتی چلی جا رہی** ہے۔ تحریکِ جدید حضرت مصلح موعودؓ نے شروع ہی اس وجہ سے کی تھی کہ جماعت کے خلاف ہر طرف سے شورش تھی حتیٰ کہ حکومت کے افسران بھی مخالفین کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ تحریکِ جدید کا مقصد ہی یہ تھا کہ تبلیغ کر کے جماعت کو بڑھایا جائے اور دنیا کے ہر ملک میں جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کا جھنڈا لہرایا جائے۔ پس یہ جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی آغوش میں آئے ہوئے لوگ ہیں جو ایمان و یقین اور قربانی میں مثالیں قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ان سب کو اس وقت یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تحریکِ جدید کے حوالے سے کچھ مزید بھی بتا دوں نیز اس کا تاریخی پس منظر بھی۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے جماعت کے خلاف ہر طرف سے فتنہ اور فساد اٹھ رہا تھا۔ خاص طور پر احرار نے تو فساد پیدا کرنے کے لیے اپنا تمام زور لگا لیا تھا اور یہ نعرہ تھا کہ احمدیت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔ قادیان کا نام و نشان مٹا دیں گے اور قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی باتیں ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کے پروگرام تھے اور حکومت کی طرف سے بھی مخالفین کی طرف زیادہ رجحان نظر آتا تھا باوجود اس کے کہ اس وقت انگریز حکومت تھی۔ بجائے فتنہ ختم کرنے کے ان کی حمایت کی جاتی تھی۔ تو ان حالات میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت کو ایک پروگرام دے کر تحریک کی جس میں مالی قربانی کی طرف بھی توجہ دلائی۔ یہ 1934ء کی بات ہے۔ نومبر میں آپؓ نے پہلے کچھ خطبات دیے جن میں کچھ تمہید اور پس منظر بیان کیا کہ کیوں میں تحریک کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے ابھی یہ

ذکر ہی کیا تھا اور پوری تفصیل بیان نہیں فرمائی تھی لیکن مخلصین نے آپؓ کو ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے لکھنا شروع کر دیا جس پر آپؓ نے خوشنودی کا اظہار بھی فرمایا اور فرمایا میں یہ تفصیل اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ جماعت تیار ہو قربانی کے لیے کیونکہ بعض دفعہ قربانیاں لمبی کر دینی پڑتی ہیں اور عورتیں اور بچے بھی اس کے لیے تیار ہوں۔ یہ صرف مردوں کا کام نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا ہو گا۔ گو اس وقت یہ ہر احمدی کے لیے لازم نہیں تھی لیکن اخلاص و وفا کا غیر معمولی جذبہ جماعت نے دکھایا۔

(ماخوذ از خطبات محمودؓ جلد 15 صفحہ 411)

بہر حال 1934ء میں آپؓ نے باقاعدہ ایک فنڈ کا اعلان فرمایا اور بتایا کہ ہم نے دشمن کی ریشہ دوانیوں کا جواب ان کی طرح فساد کر کے نہیں بلکہ تبلیغ کر کے دینا ہے۔ کیونکہ دشمن کو یہ موقع ہی اس لیے ملا ہے کہ ہم نے پوری طرح تبلیغ کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کے متعلق جس سنجیدگی سے سوچ کر منصوبہ بندی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں کی۔ احمدیت کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے جو کوشش ہونی چاہیے تھی وہ نہیں کی۔ اس کا حق جس طرح ادا ہونا چاہیے تھا اس کا حق ادا نہیں ہوا۔ آپؓ نے اس وقت جماعت کو ایک پروگرام دے کر جس میں اپنی اصلاح اور قربانی کے معیار کو بلند کرنے کی طرف توجہ دلائی مالی قربانی کی بھی تحریک کی جو کہ ستائیس ہزار روپے تھی جو کہ تین سال میں جمع کرنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اخلاص و وفا سے بھری ہوئی جماعت کو اپنے فضل سے خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک لاکھ روپے ایک سال میں ہی دینے کی توفیق عطا فرمائی اور اس وقت جماعت کے مالی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ چند چند آنوں کی قربانیاں ہوتی تھیں۔ اس وقت اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر قربانی کرنے کا جو نمونہ قائم کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا قبول فرمایا کہ جہاں دنیا میں تبلیغ کے غیر معمولی راستے کھلے وہاں یہ قربانیاں ان تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ آج بھی ایسے نمونے ہمیں نظر آتے ہیں جیسا کہ ان واقعات میں ہیں جو مَیں نے بیان کیے ہیں۔ بہر حال ان لوگوں نے جہاں مالی قربانیاں کیں وہاں دین کے لیے اپنی زندگیاں بھی وقف کیں۔ دُور دراز ملکوں میں تبلیغ کے لیے گئے اور بعض کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے شروع میں اس تحریک کو دس سال تک کے لیے بڑھا دیا تھا۔ تین سال سے پھر دس سال کر دیا تھا۔ پھر دس سال مکمل ہونے پر اس کے خوش کن نتائج ظاہر ہونے پر اور مزید قربانیاں کرنے والوں کی خواہش پر اسے مزید بڑھا دیا اور پھر یہ مستقل تحریک بن گئی۔

(ماخوذ از خطبات محمودؓ جلد 25 صفحہ 699-700)(ماخوذ از خطبات محمودؓ جلد 18 صفحہ 591)

آج ہم اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے جو نظارے دیکھ رہے ہیں وہ ان ابتدائی لوگوں کی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے

جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا بلکہ اب بھی نئے شامل ہونے والوں کو بعض دفعہ خوابوں کے ذریعہ اس تحریک میں اور مالی قربانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جیسا کہ میں نے واقعات میں بیان کیا۔ ان ابتدائی قربانی کرنے والوں کی نسلوں کو آج بھی اپنے آباء و اجداد کی قربانیوں کو یاد رکھتے ہوئے جہاں خود اور اپنی نسلوں کو ان قربانیوں کے تسلسل کو جاری رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے وہاں اپنے پر جو فضل ہوئے ہیں اس پر خود بھی زیادہ سے زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔

بہر حال اس تحریک کے مطابق جو ابتدائی لوگ تھے ان کی تعداد پانچ ہزار تھی اور یہ دفتر اوّل تحریکِ جدید کے مجاہد تھے اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے خاص تحریک کی گئی کہ ان کے بچوں اور نسلوں کو ان کی قربانیوں کو زندہ رکھنے کے لیے تاقیامت ان کی طرف سے چندہ دیتے رہنا چاہیے۔

(ماخوذ از خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 865)

اور پھر میں نے بھی جب دفتر پنجم کا آغاز کیا تو اس طرف خاص توجہ دلائی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سب کے کھاتے زندہ ہیں۔ دفتر اوّل کے مجاہدین کو جب دس سال پورے ہو گئے تو پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دوسرے دفتر کا اعلان فرمایا اور اس میں بعد میں آنے والے شامل ہوئے اور اس کا عرصہ انہوں نے انیس سال مقرر فرمایا اور فرمایا کہ آئندہ یہ دفتر انیس سال کے بعد قائم ہوتے چلے جائیں گے۔ ہر انیس سال کے بعد ایک دفتر انیس سال کا ہو گا۔ پھر اگلا شروع ہو جائے گا۔

(ماخوذ از خطبات محمودؓ جلد 25 صفحہ 731-732)

تو اس کے مطابق پھر دفتر سوئم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا لیکن کیونکہ انیس سال بعد یہ 1964ء میں جاری ہونا چاہیے تھا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیماری کی وجہ سے اس وقت اس کا اعلان آپؓ نہیں فرما سکے۔ اس لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا کہ اس دفتر کا اعلان تو میں کر رہا ہوں لیکن یہ حضرت مصلح موعودؓ کی طرف منسوب ہو گا اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کا ثواب دے دے گا۔ اس کا اعلان 1966ء میں ہوا لیکن آپؒ نے فرمایا کہ یہ 1965ء نومبر سے جاری ہو گا۔

(ماخوذ از خطبات ناصر جلد 1 صفحہ 228)

پھر 1985ء میں دفتر چہارم کا اجرا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا۔

(ماخوذ از خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 870)

پھر اس کے انیس سال کے عرصہ کو قائم رکھتے ہوئے یہ جو دفتر چہارم تھا انیس سال قائم رہا۔ 2004ء میں جب انیس سال کا یہ عرصہ ختم ہوا تو پھر میں نے دفتر پنجم کا اجرا کیا اور آج پھر انیس سال پورے ہونے پر میں **دفتر ششم کے آغاز کا اعلان کرتا ہوں**۔ اب نئے شامل ہونے والے نومبائعین بھی اور نئے پیدا ہونے والے بچے بھی یا جو بھی پہلے کسی دفتر میں نہیں ہیں دفتر ششم میں شامل ہوں گے۔

پس جماعتی انتظامیہ اب اپنی اپنی جماعتوں میں اس کے مطابق عمل کریں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نئے دفتر کا اعلان فرمایا تھا تو اس وقت ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے بعد یعنی دفتر دوم کے بعد تحریکِ جدید کے دورِ سوم اور چہارم اور دورِ پنجم آئیں گے اور ہم دین کے لیے قربانیاں کرتے چلے جائیں گے۔ جس دن ہم نے دین کے لیے جدوجہد چھوڑ دی اور جس دن ہم میں وہ لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے کہا کہ دور اوّل بھی گزر گیا، دور سوئم بھی گزر گیا، دور چہارم بھی گزر گیا، دور پنجم بھی گزر گیا، دور ششم بھی گزر گیا، دور ہفتم بھی گزر گیا اب ہم کب تک اس قسم کی قربانیاں کرتے چلے جائیں گے۔ آخر کہیں نہ کہیں تو ختم کرنا چاہیے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کا اقرار ہو گا کہ اب ہماری روحانیت سرد ہو چکی ہے اور ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔ ہم تو امید رکھتے

ہیں کہ تحریکِ جدید کے یہ دور غیر محدود دور ہوں گے اور جس طرح آسمان کے ستارے گنے نہیں جاتے اسی طرح تحریکِ جدید کے دور بھی گنے نہیں جائیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تیری نسل گنی نہیں جائے گی اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل نے دین کا بہت کام کیا یہی حال تحریکِ جدید کا ہے۔ تحریکِ جدید کا دور چونکہ آدمیوں کا نہیں بلکہ دین کے لیے قربانی کے سامانوں کا مجموعہ ہے اس لیے اس کے دور بھی اگر نہ گنے جائیں تو یہ ایک عظیم الشان بنیاد اسلام اور احمدیت کی مضبوطی کی ہو گی۔

(ماخوذ از خطبات محمودؓ جلد 27 صفحہ 65)

پس اس سوچ کے ساتھ **ہر احمدی کو اپنے قربانیوں کے معیار کو سامنے رکھنا چاہیے**۔ اللہ تعالیٰ ان قربانی کرنے والوں کو کس طرح نوازتا ہے اس کے چند واقعات جیسا کہ میں نے کہا میں نے بیان کیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت ہے کہ یہ الٰہی تحریک ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ نے تحریکِ جدید کے ضمن میں ایک جگہ اس کو وصیت کے نظام کے ساتھ جوڑتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ تحریکِ جدید کا جو نظام ہے، جو تحریک ہے یہ میں اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہوں کہ یہ نظام وصیت کے ارہاص کے طور پر ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے نظام وصیت بھی مضبوط ہو گا۔ یہ مالی قربانیوں کی عادت ڈالنے کی بنیاد ہو گی۔ یہ پیش رو ہے یعنی آگے چلنے والی چیز ہے۔ اطلاع دینے والا جو ایک دستہ ہوتا ہے اس طرح کا ہے۔ لوگوں کو اطلاع دیتا چلا جائے گا کہ ایک عظیم نظام اس کے پیچھے آرہا ہے یہ نظام وصیت کہلائے گا۔

(ماخوذ از نظام نو، انوار العلوم جلد 16 صفحہ 600)

پس جیسا کہ میں نے نظام وصیت میں شمولیت کے لیے تحریک کرتے ہوئے 2005ء میں اس کی طرف کہا تھا کہ **نظامِ وصیت کے ساتھ نظام خلافت کا بھی گہرا تعلق ہے**۔ اب نظامِ وصیت کے ساتھ ہی قربانیوں کے معیار بھی بڑھنے ہیں تو پہلے قربانیوں کی عادت ڈالنے کے لیے تحریکِ جدید کا نظام ہی ہے اس طرف بھی توجہ دینی ہو گی۔ پس اس طرف توجہ کریں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے آسودہ حال طبقے کو بھی اس طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض اچھا کمانے والے بہت توجہ کرتے ہیں لیکن ابھی اس میں مزید لوگوں کو شامل کرنے کی جو اپنے وسائل کے مطابق چندہ دیں بہت گنجائش ہے۔ غریب تو جیسا کہ میں نے کہا قربانی میں بہت بڑھ گیا ہے لیکن امیروں کو بھی اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

اب میں گذشتہ سال کے اعداد و شمار بھی پیش کر دیتا ہوں۔ تحریکِ جدید کے پھل کا پہلے میں بتا دوں جو ہمیں نظر آئے۔ پہلے کیا ابتدا میں تو ہم قادیان سے باہر نہیں نکل رہے تھے یا ہندوستان تک تھوڑے سے پھیلے ہوئے تھے لیکن اب دنیا کے 220 ممالک میں مساجد کی کُل تعداد نو ہزار تین سو سے اوپر ہے۔ مشن ہاؤسوں کی تعداد تین ہزار چار سو سے اوپر ہے۔ اور ابھی درجنوں مساجد بن رہی ہیں۔ مشن ہاؤس بھی بن رہے ہیں زیر تعمیر ہیں۔ مبلغین کی تعداد اور معلمین کی تعداد دنیا میں پانچ ہزار کے قریب ہے۔ یہ بھی بڑھ رہی ہے۔ اللہ کے فضل سے قرآن کریم کے تراجم بھی ہو رہے ہیں۔ ستتر (77) زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ لٹریچر چھپ رہا ہے۔ مختلف

زبانوں میں لٹریچر کا ترجمہ ہو رہا ہے اور بے شمار کام اس کے ذریعہ سے ہو رہا ہے جو تحریکِ جدید کے ذریعہ سے کام کے شروع ہونے سے شروع ہوا۔ گو اس میں باقی چندے بھی شامل ہوئے ہیں لیکن تحریکِ جدید کا بھی بہت بڑا کردار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب میں نئے سال کا اعلان کرتا ہوں۔ تحریکِ جدید کا نواسیواں (89) سال 31/ اکتوبر کو اختتام پذیر ہوا اور اب ہم نوے ویں (90) سال میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت عالمگیر کو 17.20 ملین پاؤنڈ کی قربانی پیش کرنے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ۔

اور باوجود دنیا کے معاشی حالات کے گذشتہ سال سے سات لاکھ انچاس ہزار پاؤنڈ زیادہ ہے۔ جماعت جرمنی اس دفعہ بھی دنیا بھر کی جماعتوں میں پہلے نمبر پر ہے۔ اعزاز اپنا برقرار رکھا ہوا ہے۔ کرنسیوں کے ریٹ دنیا میں معاشی حالات کی وجہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے پاکستان میں بھی لیکن عمومی طور پر ہر ایک نے اپنی قربانی کے معیار کو مقامی طور پر بڑھایا ہے۔ پاکستان کے علاوہ جو پہلی دس پوزیشنیں ہیں ان میں جرمنی جیسا کہ میں نے کہا وہ تو مکمل طور پہ اوّل ہے۔ ہر ایک سے اوپر ہے۔ نمبر ایک پر جرمنی ہے۔ پھر برطانیہ ہے۔ پھر کینیڈا ہے۔ یہ اب تیسرے نمبر پہ آ گئے ہیں۔ امریکہ چوتھے نمبر پہ چلا گیا ہے۔ پانچویں نمبر پر مڈل ایسٹ کی جماعتیں ہیں۔ چھٹے نمبر پر بھارت ہے۔ ساتویں پہ آسٹریلیا ہے۔ آٹھویں پہ انڈونیشیا ہے۔ نویں پہ پھر مڈل ایسٹ کی ایک جماعت ہے اور دسویں پہ گھانا ہے یہاں بھی کرنسی بہت زیادہ ڈی ویلیو ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود گھانا نے اپنی دسویں پوزیشن اس سال بھی برقرار رکھی ہے۔

جو جماعتیں چھوٹی ہیں ان میں قابلِ ذکر آئر لینڈ، ماریشس، ہالینڈ، ملائیشیا، سنگاپور، نیوزی لینڈ، قزاقستان، جارجیا وغیرہ ہیں۔

افریقن ممالک میں نمایاں پوزیشن والے ہیں: گھانا، ماریشس، نائیجیریا، برکینا فاسو، تنزانیہ، گیمبیا، یوگنڈا، لائبیریا، سیرالیون، بینن۔

شامل ہونے والوں کی مجموعی تعداد سولہ لاکھ سینتیس ہزار سے تجاوز کر گئی ہے اور اس میں زیادہ کام کرنے والے جو ممالک ہیں وہ گنی کناکری، جیکا، قرغیزستان، زیمبیا، نیپال، گھانا، کینیا، تنزانیہ، کونگو کنشاسا، کونگو برازاویل، نائیجیریا، سینیگال، آئیوری کوسٹ اور مڈل ایسٹ کی ایک جماعت شامل ہے۔

جرمنی کی پہلی دس جماعتیں جو ہیں ان میں روئڈر مارک (Rodermark)۔ روڈگاؤ (Rodgau)۔ کیل۔ اوسنابروک (Osnabrück)۔ پنے برگ (Pinneberg)۔ نوئس (Neuss) ۔ نیڈا (Nidda) ۔ کولون (Köln)۔ مہدی آباد۔ فلورس ہائم (Florsheim) ۔

اور امارتیں جو ہیں ان میں ہیمبرگ (Hamburg) نمبر ایک پہ۔ پھر فرینکفرٹ (Frankfurt)۔ گروس گیراؤ (Gross-Gerau)۔ ویزبادن (Wiesbaden)۔ ڈٹسن باخ (Dietzenbach)۔ ریڈشٹڈ (Riedstadt)۔ رزلز ہائم (Russelheim)۔ مورفلڈن (Mörfelden)۔ وال ڈارف۔ ڈامشٹڈ (Darmstadt)۔ من ہائم (Mannheim) ۔

برطانیہ کے پہلے پانچ ریجنز میں بیت الفتوح نمبر ایک۔ پھر اسلام آباد۔ مڈلینڈز (Midlands)۔ مسجد فضل اور بیت الاحسان۔

بڑی جماعتیں جو برطانیہ کی ہیں ان میں فارنہم (Farnham) ۔ووسٹر پارک (Worcester Park)۔ ساؤتھ چیم (South Cheam)۔ اسلام آباد۔ والسال (Walsall)۔ ایش (Ash)۔ جلنگھم (Gillingham)۔ آلڈرشاٹ ساؤتھ (Aldershot South)۔یول (Ewell)۔بریڈفورڈ نارتھ۔

چھوٹی جماعتوں میں سپن ویلی (Spen Valley)، سوانزی (Swansea)، نارتھ ہیمپٹن (North-Hampton)، نارتھ ویلز (North Wales) ، نیوپورٹ (Newport) ۔

کینیڈا کی امارات میں وان (Vaughan) نمبر ایک پہ۔ پھر کیلگری (Calgary) ۔ پیس ولیج (Peace Village)۔ وینکوور (Vancouver) ۔ مسسساگا (Mississauga)۔ ٹورانٹو (Toronto) ۔

چھوٹی جماعتیں کینیڈا کی ہیں ہیملٹن ماؤنٹن (Hamilton Mountain) ، آٹوا ایسٹ (Ottawa East)، بریڈ فورڈ ایسٹ (Bradford East)، ہیملٹن ویسٹ (Hamilton West)، مونٹریال ویسٹ (Montreal West)، وینی پیگ (Winnipeg)، رجائنا (Regina) ، لائڈمنسٹر (Lloydminster)، ایبٹس فورڈ (Abbotsford)

امریکہ کی جماعتیں ہیں میری لینڈ (Maryland) نمبر ایک پہ۔ نارتھ ورجینیا (North Virginia)۔لاس اینجلیس (Los Angeles)۔ سیئٹل (Seattle) ۔شکاگو (Chicago) ۔ سیلیکون ویلی (Silicon Valley)۔ ڈیٹرائٹ (Detroit)۔ ہیوسٹن (Houston)۔ اوش کوش (Oshkosh)۔ نارتھ جرسی (North Jersey)۔ ساؤتھ ورجینیا (South Virginia)۔(Central Jersey)۔ڈیلس (Dallas)

پاکستان عمومی وصولی کے لحاظ سے اوّل نمبر پہ لاہور ہے۔ پھر دوئم ربوہ ہے سوئم کراچی۔

ضلعوں میں فیصل آباد نمبر ایک پہ ہے۔ پھر گوجرانوالہ۔ پھر گجرات۔ عمر کوٹ۔ حیدر آباد۔ میرپور خاص۔ لودھراں۔ بہاولپور۔ کوٹلی آزاد کشمیر اور جہلم۔

وصولی کے اعتبار سے پاکستان کی شہری جماعتوں میں امارت ٹاؤن شپ لاہور۔ امارت علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ امارت دارالذکر لاہور۔ امارت عزیز آباد کراچی۔ امارت مغل پورہ لاہور۔ ملتان۔ امارت بیت الفضل فیصل آباد۔ گوجرانوالہ۔ کوئٹہ۔ پشاور

چھوٹی جماعتیں جو ہیں وہاں کی ان میں کھوکھر غربی، چونڈہ، کوٹ شریف آباد، بشیر آباد سندھ، کھاریاں، حیات آباد، پنڈی بھاگو، دارالفضل کنری، نواز آباد فارم، خیرپور۔

انڈیا کے جو دس صوبہ جات ہیں ان میں نمبر ایک پہ کیرالہ۔ پھر تامل ناڈو۔ کرناٹک۔ تلنگانہ۔ جموں اور کشمیر۔ اڈیشہ۔ پنجاب۔ بنگال۔ دہلی۔ مہاراشٹرا۔

قربانی کے لحاظ سے دس جماعتیں۔ کوئمبٹور (تامل ناڈو)۔ پھر قادیان۔ پھر حیدرآباد۔ کالی کٹ۔ منجیری۔

میلا پالم۔ بنگلور۔ کلکتہ۔ کیرولائی۔ کیرنگ۔

آسٹریلیا کی پہلی دس جماعتیں: میلبرن لانگ وارِن (Melbourne Lang warrin)، میلبرن بیروک (Melbourne Berwick)، مارسڈن پارک (Marsden Park)، پین رتھ (Penrith)، پرتھ (Perth)، ایڈیلائڈ ویسٹ (Adelaide West)، کاسل ہل (Castle Hill)، برزبن لوگن ایسٹ (Brisbane Logan East)، پیراماٹا (Parramatta)، میلبرن کلائڈ (Melbourne Clyde)۔ یہ ان کی دس جماعتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب قربانی کرنے والوں کے اموال و نفوس میں برکت عطا فرمائے اور یہ لوگ پہلے سے بڑھ کر قربانیاں دینے والے ہوں۔

فلسطینیوں کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ انہیں نہ بھولیں۔ عورتیں اور بچے جس ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اللہ تعالیٰ جلد ان کی رہائی کے سامان فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل 24/ نومبر 2023ء جلد 30 شمارہ 233 صفحہ 02 تا 08)

45

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 10 رنومبر 2023ء بمطابق 10 رنبوت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے بدر کے فوری بعد واقعات کا میں ذکر کر رہا تھا۔ اس حوالے سے دو ہجری کے اہم واقعات میں سے ایک مدینہ کے **قبرستان جنت البقیع کا قیام بھی ہے**۔ جنت البقیع کی بنیاد اور ابتدا کے بارے میں جو تفصیل ملی ہے وہ اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ورود کے بعد وہاں بہت سے قبرستان تھے۔ یہودیوں کے اپنے قبرستان ہوا کرتے تھے جبکہ عربوں کے مختلف قبائل کے اپنے اپنے قبرستان تھے۔ مدینہ طیبہ چونکہ اس وقت مختلف علاقوں میں بٹا ہوا تھا اس لیے ہر قبیلہ اپنے ہی علاقے میں کھلی جگہ پر اپنی میتوں کو دفنا دیتا تھا۔ قبا کا الگ قبرستان تھا جو زیادہ مشہور تھا گو کہ وہاں چھوٹے چھوٹے کئی اَور قبرستان بھی تھے۔ قبیلہ بنو ظفر کا اپنا قبرستان تھا۔ بنو سلمہ کا اپنا الگ قبرستان تھا۔ دیگر قبرستانوں میں بنو ساعدہ کا قبرستان تھا جس کی جگہ بعد میں سوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہوا۔ جس جگہ پر مسجد نبویؐ تعمیر ہوئی وہاں بھی کھجوروں کے جھنڈ میں چند مشرکین کی قبریں تھیں۔ ان تمام قبرستانوں میں بقیع الغرقد سب سے پرانا اور مشہور قبرستان تھا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسلمانوں کے قبرستان کے لیے منتخب کر لیا تو اس کے بعد سے آج تک اسے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔

حضرت عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں صرف مسلمانوں کی قبریں ہوں اور اس غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جگہوں کو ملاحظہ بھی فرمایا۔ جا کے دیکھا۔ یہ فخر بقیع الغرقد کے حصہ میں لکھا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو یعنی بقیع الغرقد کو منتخب کر لوں۔ اسے اس دَور میں بقیع الخبخبہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں بے شمار غرقد کے درخت اور خودرو جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ مچھروں اور دیگر حشرات الارض کی اس جگہ پر بھرمار تھی اور مچھر جب اس جگہ گندگی کی وجہ سے یا جنگل کی وجہ سے اڑتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ دھویں کے بادل چھا گئے ہیں۔ وہاں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نشانی کے طور پر رکھ دیا اور فرمایا یہ ہمارے پیشرو ہیں۔ ان کے بعد جب بھی کسی کی فوتیدگی ہوتی تو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ

انہیں کہاں دفن کیا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ہمارے پیشرو عثمان بن مظعون کے قریب بقیع میں دفن کرو۔ بقیع عربی میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں درختوں کی بہتات ہو۔ بہت زیادہ درخت ہوں۔ بہر حال مدینہ طیبہ میں اس مقام کو بقیع الغرقد کے نام سے جانا جانے لگا کیونکہ وہاں غرقد کے درختوں کی بہتات تھی جیسا کہ میں نے بتایا۔ اس کے علاوہ وہاں دیگر خودرو صحرائی جھاڑیاں بھی بہت زیادہ تھیں۔ اسے جنت البقیع بھی کہا جاتا ہے۔ جنت کا لفظ جو ہے اس کا عربی میں ایک مطلب باغ یا فردوس کے بھی ہیں۔

اس لیے یہ جگہ زیادہ تر عجمی زائرین میں جنت البقیع کے نام سے جانی جاتی ہے۔ عبدالحمید قادری صاحب ہیں انہوں نے یہ تفصیل لکھی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عرب عموماً اپنے مقابر اور قبرستانوں کو جنت ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کا ایک نام مقابر البقیع بھی ہے جو اعرابیوں میں زیادہ مشہور ہے۔

(ماخوذ از جستجوئے مدینہ از عبدالحمید قادری صفحہ 598 مطبوعہ اورینٹل پبلی کیشنز لاہور پاکستان 2007ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس بارے میں سیرت خاتم النبیینؐ میں جو بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

"اسی سال کے آخر میں" یعنی دو ہجری میں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے لیے مدینہ میں ایک مقبرہ تجویز فرمایا جسے جنت البقیع کہتے تھے۔ اس کے بعد صحابہؓ عموماً اسی مقبرہ میں دفن ہوتے تھے۔ سب سے پہلے صحابی جو اس مقبرہ میں دفن ہوئے وہ عثمان بن مظعونؓ تھے۔ عثمان بہت ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور نہایت نیک اور عابد اور صوفی منش آدمی تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ بالکل تارک الدنیا ہو کر اور بیوی بچوں سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی زندگی خالصۃً عبادتِ الٰہی کے لیے وقف کر دوں۔ مگر آپؐ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ جو لوگ ترکِ دنیا تو اختیار نہیں کرتے تھے لیکن روزہ اور نماز کی اس قدر کثرت کرتے تھے کہ اس سے ان کے متعلقین کے حقوق پر اثر پڑتا تھا ان کے متعلق بھی آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں چاہئے کہ خدا کا حق خدا کو دو۔ بیوی بچوں کا حق بیوی بچوں کو دو۔ مہمان کا حق مہمان کو دو اور اپنے نفس کا حق نفس کو دو کیونکہ یہ سب حقوق خدا کے مقرر کردہ ہیں اور ان کی ادائیگی عبادت میں داخل ہے۔" ان حقوق کی ادائیگی بھی عبادت میں داخل ہے۔ "الغرض آپؐ نے عثمان بن مظعونؓ کو ترکِ دنیا کی اجازت نہیں دی اور اسلام میں تبتل اور رہبانیت کو ناجائز قرار دے کر اپنی امّت کے لیے افراط و تفریط کے درمیان ایک میانہ روی کا رستہ قائم کر دیا۔ عثمان بن مظعونؓ کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور روایت آتی ہے کہ وفات کے بعد آپؐ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس وقت آپؐ کی آنکھیں پرنم تھیں۔ ان کے دفنائے جانے کے بعد آپؐ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر بطور علامت کے نصب کروا دیا اور پھر آپؐ کبھی کبھی جنت البقیع میں جا کر ان کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔ عثمان پہلے مہاجر تھے جو مدینہ میں فوت ہوئے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 462-463)

اب میں غزوۂ ذِی اَمَر یا غزوۂ بنی غَطَفَان کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع

موصول ہوئی کہ غطفان قبیلے کی شاخ بنو ثعلبہ اور بنومُحَارِب، ذِی آمَر مقام پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ غطفان کے علاقے میں ایک بستی ہے۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ ریاستِ مدینہ کے ارد گرد کے علاقوں پر حملہ کریں۔ ان سب کی جتھہ بندی کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے والا بنو محارب کا ایک شخص دُعْثُور بن حارث تھا۔ یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور ساڑھے چار سو صحابہؓ کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس چند گھوڑے بھی تھے اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو اپنا قائمقام مقرر فرمایا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ290 دارالکتب العلمیۃ)(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ176 دارالکتب العلمیۃ)

ماہ ربیع الاول تین ہجری میں غزوۂ غطفان پیش آیا۔ بارہ ربیع الاول کو آپؐ اس غزوہ کے لیے روانہ ہوئے۔ گیارہ دن اہلِ مدینہ کو آپؐ کی جدائی برداشت کرنی پڑی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوبیس ربیع الاول کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غَطَفَان کی سرکوبی کے لیے غَطَفَان کے ہاں جس جگہ پڑاؤ کیا اس کا نام ذِی امر تھا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ ذی امر اور غطفان قبیلے کی بنا پر اسے غزوۂ بنو غطفان بھی کہا جاتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ290 دارالکتب العلمیۃ)

(ماخوذ از دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد6 صفحہ 367-368 مکتبہ دارالمعارف، لاہور)

مشرکین کی جتھہ بندی کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی تفصیل میں یوں لکھا ہے کہ

مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ کو ذُوالْقَصَّہ مقام میں بنو ثعلبہ کا ایک شخص ملا۔ ذُوالْقَصَّہ رَبَذَہ کے راستے پر مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر تھا۔ اس شخص کا نام جبار تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا یثرب جانا چاہتا ہوں اور اپنے روزگار کی تلاش کے لیے جا رہا ہوں تو اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ جب اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا علم ہوا کہ آپؐ بنو ثعلبہ اور بنو محارب پر چڑھائی کے لیے نکلے ہیں تو اس نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہرگز آپؐ کا سامنا نہیں کریں گے۔ اگر انہیں آپؐ کی آمد کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ فرار ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں گے۔ مدینہ کے ارد گرد تو بے شک حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن سامنا نہیں کریں گے مسلمانوں کا۔ اور کہا کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبار کو بلال کے سپرد کر دیا۔ وہ شخص مسلمانوں کو ایک دوسرے راستے سے لے کر چلا اور ان کے علاقے میں لے آیا۔ وہاں موجود لوگوں نے جب اسلامی لشکر آتے دیکھا تو وہ سب نکل بھاگے اور پہاڑوں پر جا چڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کرتے ہوئے ذی امر نامی چشمہ پر پہنچے۔ وہاں پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہاں بہت تیز بارش شروع ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے کپڑے بھیگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گیلے کپڑے سوکھنے کے لیے درخت پر ڈال دیے اور خود اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ دوسرے صحابہ کرامؓ اپنے اپنے کاموں میں

مصروف تھے۔ یہیں **نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی**۔ اس بارے میں لکھا ہے جو تلوار سونتنے والے شخص کا واقعہ آتا ہے۔ یہ لوگ جو پہاڑوں کی چوٹیوں میں چھپ گئے تھے وہ اوپر سے پہاڑوں پر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ مشرکوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے سردار دُعْثُور کے پاس آئے۔ یہ شخص ان میں سب سے زیادہ بہادر تھا۔ مشرکوں نے اسے کہا کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تنہا لیٹے ہوئے ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ ان سے نمٹ لو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خود دُعْثُور نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ اگر اس وقت بھی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہ کروں تو اللہ خود مجھے ہلاک کر دے۔ بہر حال یہ کہہ کر دُعْثُور تلوار سونتتے ہوئے چلا اور بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے پہنچ کر رکا۔

پھر اچانک اس نے آپؐ کو مخاطب کر کے کہا۔ آج، یا یہ کہا کہ اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے فرمایا: اللہ مجھے تم سے بچائے گا! اس پر وہ زمین پر گر گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کی تلوار اٹھالی اور اسے فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس پر دعثور نے کہا لَا أَحَدٌ، وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَا أُكَثِّرُ عَلَيْكَ جَمْعًا أَبَدًا۔ کوئی بھی نہیں۔ مجھے تو اب کوئی نہیں بچا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی آپؐ کے خلاف لوگوں کی جتھہ بندی نہیں کروں گا۔ یہ اس نے عہد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اسی کو عنایت فرما دی اور ایک روایت میں ہے کہ دعثور آپؐ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگا۔ اللہ کی قسم! آپؐ احسان کرنے کے معاملے میں مجھ سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ أَنَا أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ۔ میں تم سے اس بات کا زیادہ حقدار ہوں کہ احسان کروں اور دُعْثُور اپنی قوم کی طرف لوٹ آیا لیکن اس کا حال ہی بدلہ ہوا تھا اور وہ اپنی قوم کو تبلیغ کر رہا تھا۔ دُعْثُور نے واقعہ بیان کیا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا، کس طرح میں گر گیا۔ وہ گرنے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ کہتا ہے کہ میں نے وہاں ایک دراز قد آدمی کو دیکھا۔ جب میں وہاں تلوار سونت کے کھڑا تھا تو میں نے دیکھا ایک بہت دراز قد آدمی وہاں آیا ہے۔ اس نے میرے سینے کو دھکا دیا تو میں پیٹھ کے بل گر گیا، ہاتھ مارا اس نے تو میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ تب میں نے جان لیا کہ یہ کوئی انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی فرشتہ ہے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اقرار کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کہتا ہے اللہ کی قسم! میں ان کے خلاف کبھی کوئی جنبش نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ بہر حال اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے اور کہیں کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ اس غزوہ کے لیے آپؐ کل گیارہ دن مدینہ سے باہر رہے اور ایک قول کے مطابق پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے اور ابو عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد میں صفر کا پورا مہینہ رہے۔ بہر حال یہ مختلف روایتیں ہیں لیکن یہ چند دن کا ہی سفر تھا۔

بعض علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار سونتنے کا اوپر بیان کردہ واقعہ جو ہے آپؐ پر جو قاتلانہ

حملہ تھا، اس کو غزوۂ ذات الرقاع کا واقعہ قرار دیا ہے اور اسے ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے لیکن اکثر محققین نے کہا ہے کہ یہ دونوں واقعات دو الگ الگ غزوات کے ہیں۔ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر حملہ کرنے والے شخص کا نام غورث بھی بیان ہوا ہے اور اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ بھی ہے کہ اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ کبھی آپؐ کے مقابل پر نہیں آئے گا۔ بخاری کی بھی یہ روایت ہے۔

(ماخوذ از السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ290 دارالکتب العلمیۃ)(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ176 دارالکتب العلمیۃ)(سیرت انسائیکلو پیڈیا جلد6 صفحہ71 مکتبہ دارالمعارف)(شرح الزرقانی جلد2 صفحہ381-382 دارالکتب العلمیۃ بیروت)(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرقاع حدیث4136)

اس عرصہ کے واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ **حضرت رقیہؓ کی وفات ہوئی** اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی ہوئی جس کی تفصیل یوں ہے جو عبداللہ بن مُکنِف بن حَارِثَہ انصاری نے بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کے پاس چھوڑا۔ وہ بیمار تھیں اور انہوں نے اس روز وفات پائی جس دن حضرت زید بن حارثہؓ مدینہ کی طرف فتح کی خوشخبری لے کر آئے جو اللہ تعالیٰ نے بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے لیے بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا اور آپؐ کا حصہ جنگ بدر میں شامل ہونے والوں کے برابر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ کی شادی کر دی۔

(الطبقات الکبرٰی لابن سعد، الجزءالثالث صفحہ41، ذکر اسلام عثمان بن عفان، دارالکتب العلمیۃ بیروت1990ء)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے مسجد کے دروازے پر ملے اور فرمانے لگے کہ عثمان یہ جبرئیل ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ **نے ام کلثومؓ کا نکاح رقیہؓ جتنے حق مہر** پر اور اس سے تمہارے حسن سلوک پر تمہارے ساتھ کر دیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ افتتاح الکتاب فضل عثمان رضی اللہ عنہ حدیث نمبر110)

وہی جو رقیہ کا حق مہر تھا اسی پر تمہارے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔ یعنی دوسری بیٹی کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ سے کر دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی تو آپؐ نے حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا: میری بیٹی ام کلثومؓ کو تیار کر کے عثمان کے ہاں چھوڑ آؤ اور اس کے سامنے دف بجاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد حضرت ام کلثومؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ ام کلثوم نے عرض کیا وہ بہترین شوہر ہیں۔

(سیرۃ امیرالمؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ از علی محمد الصلابی، صفحہ41، الفصل الاول، ذوالنورین عثمان بن عفان بین مکۃ والمدینۃ، زواجہ من ام کلثوم سنۃ 3ھ، دارالمعرفۃ بیروت2006ء)

حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمانؓ کے ہاں نو ہجری تک رہیں۔ اس کے بعد وہ بیمار ہو کر وفات پا گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر کے پاس بیٹھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثومؓ کی قبر کے پاس اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

(سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیته وعصره از علی محمد الصلابی، صفحہ 42، المبحث الثالث: ملازمته للنبی ﷺ فی المدینة/ وفاة ام کلثوم، دار المعرفة بیروت 2006ء)

بخاری کی ایک روایت میں اس واقعہ کا یوں ذکر ہوا ہے کہ ہلال نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے جنازے پر موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب من یدخل قبر المرأة، حدیث نمبر 1342)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثومؓ کی وفات پر فرمایا: اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کی شادی بھی عثمان سے کروا دیتا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الجزء الثالث صفحہ 41، عثمان بن عفان، دار الکتب العلمیة بیروت، 1990ء)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت عثمانؓ وہاں بیٹھے تھے اور حضرت ام کلثومؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے غم میں رو رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپؐ کے دونوں ساتھی یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے عثمان! تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میرا آپؐ سے دامادی کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ دونوں لڑکیاں میرے سے بیاہی گئیں، دونوں فوت ہو گئیں۔ اب دامادی کا تعلق ختم ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مت رو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور ایک ایک کر کے فوت ہو جاتیں تو میں ہر ایک کے بعد دوسری کو تجھ سے بیاہ دیتا یہاں تک کہ سو میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی۔

(کنز العمال جزء 13 صفحہ 21 کتاب الفضائل، فضائل الصحابة، فضائل ذوالنورین عثمان بن عفان حدیث نمبر 36201 دار الکتب العلمیة بیروت 2004ء)

بہر حال یہ ایک محبت کا اور تعلق کا اظہار تھا جو دونوں طرف سے ہوا۔ حضرت عثمانؓ کو اس بات کا غم کہ اب دامادی کا رشتہ ختم ہو گیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دلجوئی فرماتے ہوئے یہ یقین دہانی فرمائی کہ یہ تعلق تو قائم ہے، تم اس بات پر پریشان نہ ہو۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس شادی کا تذکرہ سیرت خاتم النبیینؐ میں یوں فرمایا ہے کہ:

"رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت عثمانؓ بن عفان..... کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری لڑکی ام کلثوم کی شادی جو حضرت فاطمہؓ سے بڑی مگر رقیہ سے چھوٹی تھیں، حضرت عثمانؓ

سے کر دی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو 'ذوالنورین' دونوروں والا کہتے ہیں۔ ام کلثوم کی یہ دوسری شادی تھی کیونکہ وہ اوران کی بہن رقیہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے دولڑکوں سے بیاہی گئی تھیں مگر قبل اس کے کہ ان کا رخصتانہ ہوتا مذہبی مخالفت کی بناء پر یہ رشتہ منقطع ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت عثمانؓ سے رقیہؓ کی شادی کی اور رقیہ کی وفات کے بعد ام کلثومؓ کی شادی کر دی مگر افسوس ہے کہ ان دونوں صاحبزادیوں کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا کیونکہ ام کلثوم کے تو کوئی بچہ ہوا ہی نہیں اور رقیہ کا صاحبزادہ عبداللہ چھ سال کا ہو کر وفات پا گیا۔ ام کلثومؓ کا نکاح ربیع الاول تین ہجری میں ہوا تھا۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 463-464)

اس عرصہ کے واقعات میں **غزوۂ بُحْرَان کا بھی ذکر** ہے۔ اس کو غزوہ بُحْرَان کے علاوہ غزوۂ فُرُع اور غزوۂ بَنُوسُلَیم بھی کہا جاتا ہے۔ بحران وادی فُرُع کے نواح میں اہلِ حجاز کی ایک معدنیات کی کان ہے اور وادی فُرُع مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بنو سلیم کی بھاری تعداد بحران میں جمع ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما کر جبکہ ایک اَور روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کو اپنا نائب مقرر فرما کر تین سو صحابہؓ کا لشکر لے کر بحران کی طرف نکلے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے کی وجہ ظاہر نہیں کی اور جب اسلامی لشکر بحران سے ایک رات کے فاصلے پر پہنچا تو وہاں انہیں بنو سلیم کا ایک آدمی ملا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ لوگ منتشر ہو گئے ہیں۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ایک صحابی کے سپرد کر دیا اور آگے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ بحران پہنچ گئے۔ آپؐ نے وہاں کسی کو نہ پایا کیونکہ سب اپنے اپنے پانی کے مقامات کی طرف منتشر ہو چکے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹ گئے اور جنگ کی کوئی نوبت نہ آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے لیے چھ جمادی الاولیٰ کو مدینہ سے نکلے اور دس راتیں باہر رہنے کے بعد آپؐ سولہ جمادی الاولیٰ کو واپس تشریف لے آئے۔ اس کے برعکس ابنِ اسحاق نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے تجارتی قافلے کو روکنا چاہتے تھے یہاں تک کہ آپ بحران پہنچ گئے جو حجاز میں وادیٔ فرع کے نواح میں ایک کان ہے۔ پس آپؐ نے وہاں ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس دوران کسی لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

(ماخوذ از شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية جلد2 صفحه382-383 دارالكتب العلمية1996ء)(سیرت ابن هشام صفحه513 دارالكتب العلمية 2001ء)(فرہنگ سیرت صفحہ226 زوار اکیڈمی کراچی 2003ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے غزوۂ بحران کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ:

"ابھی غزوۂ ذی اَمْر پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا یعنی اواخر ربیع الاول تین ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحشت ناک اطلاع موصول ہوئی کہ بنو سُلَیم پھر موضع بُحْرَان میں مدینہ پر اچانک حملہ کرنے کی غرض سے بہت بڑی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ قریش کا بھی ایک جتھہ ہے۔ ناچار آپؐ پھر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے، لیکن حسبِ عادت عرب کے یہ وحشی درندے جو اپنے شکار پر اچانک

اور غفلت کی حالت میں حملہ کرنے کا موقعہ چاہتے تھے آپؐ کی آمد آمد کی خبر پا کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے واپس تشریف لے آئے۔

بنو سلیم اور بنو غطفان کا اس طرح بار بار مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے جمع ہونا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ صحرائے عرب کے یہ وحشی اور جنگجو قبائل اسلام کے سخت جانی دشمن تھے اور دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی موقعہ ملے تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں۔ ذرا مسلمانوں کی اس وقت کی نازک حالت کا اندازہ لگاؤ کہ ان پر اس زمانہ میں کیسے دن گزر رہے تھے۔ ایک طرف مکہ کے قریش تھے جن کو اسلام کی عداوت اور جنگِ بدر کی انتقامی روح نے اندھا کر رکھا تھا اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹ لپٹ کر قسمیں کھائی ہوئی تھیں کہ جب تک مسلمانوں کو ملیامیٹ نہ کر لیں گے چین نہیں لیں گے۔ دوسری طرف صحرائے عرب کے یہ خونخوار درندے تھے جن کو قریش کی انگیخت اور اسلام کی دشمنی نے مسلمانوں کے خون کی پیاس سے بے چین کر رکھا تھا۔ چنانچہ دیکھو کہ بدر کے بعد چند ماہ کے اندر اندر آپؐ کو کتنی دفعہ بذاتِ خود ان وحشی قبائل عرب کے خونی ارادوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے سفر کرنا پڑا۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے تصریح کی ہے۔ یہ دن بھی بہت سخت گرمیوں کے دن تھے اور گرمی بھی عرب کے صحرا کی گرمی تھی۔ اگر خدا کی خاص نصرت شامل حال نہ ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیدار مغزی مسلمانوں کو ہر وقت ہوشیار اور چوکس نہ رکھتی اور آپؐ دشمن کی جمعیت کو چھاپہ مارنے سے قبل ہی منتشر کر دینے کی تدابیر اختیار نہ کرتے تو ان دنوں میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کوئی شک نہیں تھا اور یہ صرف بیرونی خطرات تھے۔ باقی اندرونی خطرات بھی کسی طرح کم نہ تھے۔ خود مدینہ کے اندر مسلمانوں سے ملے جلے رہنے والے منافقین موجود تھے جن کو مارِ آستین کہنا یقیناً کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ غدار اور خفیہ سازشوں کے عادی یہودی لوگ تھے جن کی عداوت کی گہرائی اور وسعت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اللہ! اللہ! ان ابتدائی مسلمانوں کے لیے یہ کیسی مصیبت کے دن تھے!! خود ان کی زبان سے سنیے۔ اُبَی بن کَعْب..... روایت کرتے ہیں: 'اس زمانہ میں صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ ڈر کے مارے راتوں کو ہتھیار لگا لگا کر سوتے تھے اور دن کو بھی ہر وقت مسلح رہتے تھے کہ کہیں ان پر کوئی اچانک حملہ نہ ہو جاوے اور وہ ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ دیکھئے ہم اس وقت تک زندہ بھی رہتے ہیں یا نہیں کہ جب ہم امن و اطمینان کی زندگی گزاریں گے اور خدا کے سوا ہمیں کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔' ان الفاظ میں کس مصیبت اور کس بے کسی کا اظہار ہے اور امن اور اطمینان کی زندگی کی کتنی تڑپ مخفی ہے۔ اس کا اندازہ ہر انصاف پسند شخص خود کر سکتا ہے۔'' (سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 464-465)

اور یہی آجکل بھی بعض جگہ کے حالات ہیں اور خاص طور پر فلسطینیوں کے بھی۔

ایک سریہ زید بن حارثہ تھا جس کی تفصیل میں یہ لکھا ہے کہ بنو سُلَیم کی پسپائی بنو قینقاع کی جلاوطنی، غزوۂ سویق میں ابوسفیان کا راہِ فرار اور غزوہ بنو غَطْفَان میں بنو ثَعْلَبہ اور بنو مُحَارِب کی پسپائی، یہ عسکری تگ و تاز یعنی فوجی برتری مدینہ کی ابھرتی ہوئی قوت پر دلالت کر رہی تھی۔ سب سے بڑھ کر غزوۂ بدر میں اہلِ ایمان کی کامیابی اور مشرکین کی ذلت آمیز شکست کی

بنا پر اعدائے اسلام اقتصادی مشکلات و مصائب سے بہت پریشان ہوئے کیونکہ مکہ سے شام جانے والی معروف شاہراہ کا گزر مدینہ کے مغرب میں بحیرۂ احمر کے ساتھ ساتھ تھا۔ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو مسلمانوں نے اسی راستے پر روکنے کی کوشش کی تھی۔ مدینہ کے آس پاس کے قبائل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کر چکے تھے۔ اس لیے مشرکینِ مکہ اس راستے کو تجارت کے لیے اختیار کرنے کو کسی طرح بھی تیار نہیں تھے۔ اہلِ اسلام کی طرف سے مشرکین کی معاشی ناکہ بندی کی وجہ سے وہ لوگ انتہائی پریشان ہوئے اور شام کے معروف راستے کو چھوڑ کر نئے راستے کی تلاش میں رہنے لگے۔ ایک روز صَفْوَان بن اُمَیَّہ کفارِ مکہ سے کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں نے ہمارا جینا دشوار کر دیا ہے۔ ہمارے تجارتی مرکز تک جانے سے ہمیں روک دیا ہے۔ اب ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہم کیا کریں۔ وہ تو ساحل سمندر سے پیچھے ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے۔ ساحل کے اکثر رہائش پذیر قبائل نے بھی ان سے مصالحت اور سمجھوتہ کر لیا ہے اور وہ ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اب ہم جائیں تو کس طرف اور کریں تو کیا کریں۔ یہیں مکہ میں رہے تو ہم اپنا راس المال بھی کھا جائیں گے۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب کھا جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا جس کے سہارے ہم زندگی گزار سکیں۔ یہی مال گرمی میں ہم شام اور سردی میں حبشہ کی طرف تجارت کی غرض سے لے جایا کرتے تھے۔ اب کیا ہو گا؟ صَفْوَان بن امیہ کی یہ بات سن کر سب پریشان تھے۔ اَسْوَدْ بن مُطَّلِب نے مشورہ دیا کہ ساحلِ سمندر کا راستہ چھوڑ کر عراق کی طرف سے شام جایا جا سکتا ہے۔ صَفْوَان نے کہا مجھے تو اس راستے کا بالکل علم نہیں۔ اَبُوزَمْعَہ نے کہا کہ میں تجھے ایک ایسے رہبر کے متعلق بتاتا ہوں جسے اس راستے کی مکمل پہچان ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ فُرَات بن حَیَّان عِجْلِی ہے۔ وہ اس راستے سے آتا جاتا رہتا ہے اور اسے اس گزرگاہ سے مکمل شناسائی ہے۔ صَفْوَان نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بہت خوب۔ مَیں تو یہی چاہ رہا تھا۔ فُرَات کو بلوایا گیا۔ اس کے آنے پر صَفْوَان نے اسے کہا کہ میں قافلہ تجارت لے کر شام جانا چاہتا ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تجارت کے حوالے سے ہمیں پریشان کر رکھا ہے کیونکہ ہمارے قافلے انہی کے قریب سے گزرتے ہیں۔ میں عراق کے راستے سے شام جانا چاہتا ہوں۔ فُرَات نے کہا کہ میں تمہیں عراق کے ایسے راستے سے لے کر جاؤں گا جہاں سے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل خبر نہ ہو گی۔ یہ بے آب و گیاہ اور غیر آباد راستہ ہے۔ صَفْوَان نے کہا میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اس کی بیابانی ہمارے لیے کوئی زیادہ پریشانی کا سبب نہیں کیونکہ اب سردی کا موسم ہے اس لیے ہمیں راستے میں پانی کی ضرورت بہت کم ہی پڑے گی جسے ہم برداشت کر لیں گے۔

بہرحال سفر کی تیاری شروع ہو گئی۔ اس کے بعد صَفْوَان بن امیہ نے قافلے کی تیاری کے لیے سب کو کہہ دیا۔ جمع پونجی اپنے ساتھ لی۔ چاندی کے برتن، چاندی کی ڈلیاں اور دیگر ساز و سامان بھی ساتھ لے لیا۔ اَبُوزَمْعَہ نے بھی صَفْوَان کو تین سو مثقال سونا اور چاندی کی ڈلیاں تھمائیں تاکہ وہ اس کے لیے خریداری کر سکے۔ ایک مثقال سونا تقریباً سوا چار گرام، 4.37 گرام کے برابر ہے۔ بہرحال کافی مقدار میں تھا یہ۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صَفْوَان بہت سامال لے کر نکلا جس میں چاندی کی ڈلیاں اور چاندی کے برتن تھے جن کا وزن تیس ہزار درہم کی

مالیت کا تھا۔ ابوسفیان بن حرب بھی اپنے ساتھ کثیر چاندی لے کر نکلا اور دیگر قریش کے لوگوں نے بھی اپنی اپنی خریداری کے لیے سونا چاندی وغیرہ شرکائے قافلہ کے سپرد کر دیا۔ صَفْوَان اور ابوسفیان کے علاوہ بھی کئی لوگ اس تجارتی قافلے کے ہمراہ ہو لیے جیسے عبدُاللہ بن ابی رَبِیعَہ۔ حُوَیْطِبْ بن عَبْدُالْعُزّٰی وغیرہ۔ یوں فُرات بن حیّان کی رہبری میں براستہ طریق عراق، عراق کے رستے سے شام کی طرف تجارت کے لیے قریش کا یہ قافلہ روانہ ہوا۔

سریہ کی تاریخ اور دیگر نام کے بارے میں آتا ہے کہ یہ سریہ جمادی الْاُخْرٰی تین ہجری میں پیش آیا۔ سریہ کی جگہ کے لحاظ سے اس کارروائی کو سریہ قَرَدَہ بھی کہا جاتا ہے۔ قَرَدَہ نجد کے پانیوں میں سے ایک پانی ہے۔ قریش مکہ نے اپنی طرف سے پوری احتیاط سے اس راستے کو اختیار کیا جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح بھی اس کی خبر مدینہ نہ پہنچے ورنہ ہمارا اس راستے سے جانا بھی محال ہو جائے گا لیکن اللہ کو کچھ اَور ہی منظور تھا۔ اہل مکہ سے تو یہ خبر چھپ نہ سکتی تھی۔ چنانچہ نُعَیْم بن مسعود اَشْجَعِی کو اس منصوبے کا علم ہو گیا۔ انہی ایام میں اسے کسی کام سے مدینہ جانا پڑا۔ یہ ابھی بے دین اور مشرک تھا۔ اس نے مدینہ میں بَنُو نَضِیر کے سردار کِنَانہ بن ابی حُقَیق کے ہاں قیام کیا۔ اس نے اسے شراب پلائی۔ ایک صحابی سَلِیْط بن نُعمان بن اسلم کا بنو نضیر کے ہاں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ اس دوران یہ بھی وہاں آ گئے جہاں کِنَانہ بن ابی حُقَیق اور نُعَیْم مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ نُعَیْم شراب کے نشے میں دھت تھا۔ اس لیے وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور نشے میں ہی راز فاش کر دیا۔ اس نے صَفْوَان بن امیہ کی نگرانی میں عراق کے راستے سے شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کے متعلق سب کچھ کہہ دیا۔ سَلِیْط بنِ نُعمان سن کر باہر نکلے اور جا کر یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً تیاری شروع کی اور ایک سو شہ سواروں کا لشکر روانہ کر دیا۔ اس کی سالاری حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد کی۔ حضرت زید بن حارثہؓ کے لیے یہ سب سے پہلا موقع تھا جب انہیں کسی اسلامی لشکر کی سپہ سالاری پر مامور کیا گیا اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ وہ ان کی طرف روانہ ہوئے اور قافلے کو جا لیا۔ قافلے والوں میں سے سردار جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ صحابہؓ نے ایک یا دو آدمیوں کو قیدی بنایا اور قافلہ کا سامان لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پانچ حصے کیے اور خمس کی مالیت اس وقت بیس ہزار درہم کی قیمت کے برابر ہوئی۔ باقی مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ والوں میں تقسیم فرما دیا۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد 6 صفحہ 395 تا 398 مکتبہ دار المعارف لاہور) (کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 198 مکتبہ عالم الکتب) (فرہنگ سیرت صفحہ 233 زوار اکیڈمی کراچی 2003ء)

ایک اَور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ نے نہایت تیزی سے راستہ طے کیا اور ابھی قریش کا قافلہ بالکل بے خبری کے عالم میں قَرَدَہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ اسے جا لیا اور اچانک یلغار کر کے پورے قافلے پر قبضہ کر لیا۔ صَفْوَان بن امیہ اور دیگر لوگوں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ مسلمانوں نے قافلے کے راہنما فُرَات بن حَیَّان کو اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ برتنوں اور چاندی کی بہت بڑی

مقدار جو قافلے کے پاس تھی اور جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا بطور غنیمت ہاتھ آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال کر مال غنیمت لشکر کے افراد میں تقسیم کر دیا۔ قریش کے رہبر فُرَات بن حیان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔

(الرحیق المختوم مترجم صفحہ 337 مکتبہ سلفیّہ)

پھر اس کی باقی باتیں ان شاء اللہ آئندہ۔ یہ جو قافلے **چلتے تھے ان کو جو روکنا تھا یہ اس لیے تھا کہ** وہ مسلمانوں کے خلاف جنگوں کی تیاری کے لیے سامان اکٹھا کرتے تھے۔ آج کل کے زمانے میں جس طرح sanctions لگائی جاتی ہیں یہ اسی طرح کی ایک قسم تھی۔ یہ تو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں بلکہ بعض جگہ تو غلط قسم کی لگا دیتے ہیں۔ مثلاً امریکہ نے یوگنڈا پہ sanctions اس لیے لگا دیں کہ انہوں نے پارلیمنٹ میں LGBT کے خلاف قانون پاس کیا ہے۔ گو یہ نام نہیں لیتے لیکن اصل اندر سے یہی بات ہے۔ تو ان لوگوں کا تو یہ حال ہے۔ اسلام پر انہوں نے کیا اعتراض کرنا ہے۔ بہرحال یہ باتیں ان شاء اللہ آئندہ بھی ہوں گی۔

فلسطین کے مظلوموں کے لیے میں دعا کے لیے دوبارہ کہتا ہوں۔ اب کم از کم اتنا ہوا ہے کہ کچھ غیر مسلم اور بعض سیاستدان ڈرتے ڈرتے ہی کچھ نہ کچھ اس ظلم کے خلاف بولنے لگ گئے ہیں بلکہ اب تو بعض یہودیوں نے بھی اس عمل سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور اسرائیلی حکومت کو کہا ہے کہ ہمیں بدنام کیوں کر رہے ہو۔ تو بہرحال چھوٹی چھوٹی آوازیں کہیں نہ کہیں سے غیروں میں بھی اٹھنے لگ گئی ہیں۔ اب یہ کہتے ہیں کہ چار گھنٹے کے لیے روزانہ جنگ روکیں جس کو pause کا نام انہوں نے دیا ہے تاکہ فلسطینیوں تک مدد پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس پر کتنا عمل ہو گا اور باقی جو بیس گھنٹے کا وقت ہے اس میں انہوں نے فلسطینیوں پر کتنے ظلم کرنے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کتنی بمبارمنٹ کریں گے۔ اکثر بڑی حکومتیں اور سیاستدان بھی فلسطینیوں کی جانوں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے۔ ان کے اپنے مفادات ہیں لیکن بہرحال ان لوگوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک وقت تک ڈھیل دیتا ہے اور صرف یہی دنیا نہیں، اگلا جہان بھی ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں اس دنیا میں ہم نے فائدے اٹھا لیے تو سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ اس دنیا میں بھی پکڑ ہو سکتی ہے اور اگلے جہان میں بھی پکڑ ہو گی۔ بہرحال ہمیں بھی دعاؤں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم فلسطینیوں کی دادرسی کرتے ہوئے انہیں ان ظلموں سے نجات دلوائے۔ اس وقت نماز کے بعد میں جنازے غائب بھی پڑھاؤں گا۔

پہلا جنازہ، ایک جنازہ ہے منصورہ باسمہ صاحبہ کا، جو حمید الرحمٰن خان صاحب کی اہلیہ تھیں۔ گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ نواب عبداللہ خان صاحب اور حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کی پوتی تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت بوزینب بیگم صاحبہ کی نواسی تھیں۔ میاں عباس احمد خان صاحب اور امۃ الباری بیگم صاحبہ کی بیٹی تھیں۔ اللہ کے فضل سے موصیہ بھی تھیں۔ اچھی نیک فطرت خاتون تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان کے نکاح کا جب اعلان فرمایا تو جو خطبہ دیا اس میں بعض نصائح بھی

تھیں۔ اس لیے میں خطبہ کا کچھ حصہ سنا بھی دیتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا کہ نکاح کے ساتھ لڑکی اور لڑکے پر ایسی نئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو اس سے قبل ان پر عائد نہیں تھیں۔ فرمایا ایک تو میاں بیوی کی باہمی ذمہ داریاں ہیں یعنی خاوند کی بیوی پر اور بیوی کی خاوند پر اور دوسرے دونوں نے مل کر کچھ ذمہ داریاں نبھانی ہیں جن کا تعلق ان کی اولاد سے ہوتا ہے۔ جہاں تک اولاد سے تعلق ہے کچھ ذمہ داریاں بٹی ہوتی ہیں۔ ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے، باپ نہیں پلاتا۔ باپ گھر سے باہر بچے کا خیال رکھتا ہے کہ اس میں آوارگی پیدا نہ ہو۔ عورت کی ذمہ داری گھر کی حدود کے اندر سے تعلق رکھتی ہے۔ بہر حال دونوں اگر اپنے یہ حقوق ادا کریں تو بہت ساری قباحتوں سے آج بھی ہمارے بچے بچ سکتے ہیں۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ جو آیات ہم اس موقع پر پڑھتے ہیں اس قسم کی نئی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک تو ضروری ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ (النساء:2) یہاں آیت میں اتَّقُوا اللّٰهَ بھی ہے اور بہت سے context میں تقویٰ کا ذکر ہے لیکن اس آیت میں جو نکاح کے موقع پر پڑھی جاتی ہے رب کا تقویٰ۔ اور یہ رب کا تقویٰ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ربوبیت کرنے والا ہے تم دونوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ اسی طرح تم پر بھی ربوبیت کی ذمہ داریاں کچھ نئی پڑنے والی ہیں اور اسی صورت میں تم ادا کر سکو گے جب تم حقیقی رب، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے۔ دوسرے یہ کہ یہ رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں، بے احتیاطیوں کے نتیجہ میں پیدا ہو سکتی ہیں اور اس کے بچاؤ کے لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:71) کہ محض سچ سے یہاں کام نہیں بنے گا بلکہ ایسے بول جن میں کسی قسم کی کجی نہیں ہو گی، سیدھے ہوں گے اس راہ کو اگر تم اختیار کرو گے تو تمہارے درمیان کوئی misunderstanding ، کوئی رنجش پیدا نہیں ہو گی۔ اور تیسرے یہ کہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:19) تمہارے بڑوں نے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے تمہاری تربیت کی اور تم نے اپنے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے اپنے بچوں کی تربیت کرنی ہے۔ یہ جو مستقبل ہے جس کا تعلق اس تربیت سے ہے جو ماں باپ بچوں کی کرتے ہیں یہ ہر نسل کا علیحدہ مستقبل ہے۔ یہ ایک ہی قسم کا مستقبل نہیں۔ اس واسطے کہ دنیا اور دنیا کا معاشرہ حرکت میں ہے۔ فرمایا اب زمانہ بدل کے کچھ کا کچھ بن گیا ہے۔ وہ انقلابِ عظیم جس کی ہمیشہ بشارت دی گئی تھی اس کے آثار افق پر ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ اس لیے آج باپ کی ذمہ داری مختلف ہے اس ذمہ داری سے جو ہماری ذمہ داری تھی بلکہ زیادہ احتیاط کے ساتھ زیادہ وسعتوں والی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے بچوں کی ذمہ داری اٹھانی ہے تا کہ احمدیت کی تربیت کا، وہ تربیت جس کا تعلق ساری دنیا کے ساتھ ہے بوجھ پڑے آنے والی نسل پر، تو ہر آنے والی نسل اس کو اٹھانے کے لیے تیار ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چیزوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

پھر آپؓ نے فرمایا کہ جس نکاح کے لیے میں کھڑا ہوا ہوں ایک عزیزہ بچی کا ہے جو ہمارے چھوٹے پھوپھا نواب عبد اللہ خان کی پوتی اور پھوپھی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی پوتی ہے۔ آپؓ نے فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چوتھی نسل شروع ہو گئی ہے۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی یہ نواسی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اور اس دوسرے رستے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس کا تعلق ہے۔ ذمہ داریاں دوہری ہیں۔ اگر ذمہ داریاں

دوہری ہیں، اگر ہمارے لیے بشارات بھی دوہری ہیں تو اس لیے انذار بھی دوہرا ہے۔ اور پھر آپ نے سمجھایا خاندان کے بچوں کو اور بڑوں کو بھی کہ ان کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر دوہری ذمہ داریاں ادا نہیں کریں گے تو پھر دوہرے انذار کو بھی دیکھنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ خاندان کے بڑے اور بچے اس بات کو سمجھنے والے بھی ہوں۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ میں جب کسی ایسے نکاح کا اعلان کرتا ہوں جس میں بچے اور بچی کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہو رشتے کے لحاظ سے تو میری طبیعت میں فکر بھی پیدا ہوتی ہے اور دعاؤں کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام کو پہچاننے کی توفیق عطا کرے کہ وہ خادم ہونے کے لحاظ سے دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کو زیادہ بڑے خادم بن کر دنیا میں اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔

(ماخوذ از خطبات ناصر جلد دہم صفحہ 710 تا 713 خطبہ نکاح 5/ اکتوبر 1981ء)

بہر حال یہ نصیحت والے الفاظ تھے اس لیے میں نے بیان بھی کر دیے۔ عزیزہ باسمہ منصورہ کی ذاتی زندگی کے بارے میں ان کی بیٹی رابعہ نے لکھا کہ بچپن میں ہی اللہ میاں سے ہمارا تعارف کروایا۔ اپنے نصیب کے لیے دعا پر زور دیتیں۔ اکثر کہتیں کہ دعا کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارا اچھے لوگوں سے واسطہ ڈالے اور اس دعا کا مطلب پھر ہمیں بڑے ہو کر سمجھ آیا، بچپن میں تو سمجھ نہیں آتا تھا۔ کہتی ہیں میری امی لوگوں سے بہت پیار کرنے والی تھیں۔ اپنے نفس کی قربانی کر کے لوگوں کا خیال رکھتی تھیں اور یہی حقیقت بھی ہے۔ بظاہر لوگوں کو یہ تاثر ملتا کہ وہ اپنی جان پر خرچ کرنے والی ہیں، لیکن نہیں۔ وہ خود کی قربانی کرتیں اور دوسروں کا خیال رکھتیں۔ مثلاً جلسہ پر لندن بھی آتیں تو غریبوں کے لیے تحفے لے کر جاتیں۔ اپنے لیے کچھ نہ لیتیں۔ ایک لڑکی کو پالا بھی اور اس کی اچھی تربیت کی پھر اس کی شادی بھی کی۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری لڑکیوں کی شادیاں کیں۔ اور گھر میں بھی آنا جانا لوگوں کا رہتا تھا۔ ہمسایوں کو بھی کھانا وغیرہ بھیجتی رہتی تھیں۔ ایک لنگر خانہ ہی چلتا تھا یہاں تک کہ باہر سڑک پر جھاڑو دینے والا آدمی تھا وہ بھی کھانے کے وقت ان کے پاس ہی آ کے کھانا کھایا کرتا تھا۔ بہت سوں کے انہوں نے وظیفے لگائے ہوئے تھے۔ اگر ان کو کہتے کہ اپنے لیے بھی کچھ جمع کریں تو کہتی ہیں میں نے کل کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ اللہ تعالیٰ میری مالی ضروریات کا مالک ہے۔ واقفِ زندگی کا بہت ادب کرتیں، بہت عزت کرتیں، ان کا خیال رکھتیں۔ جو رشتہ دار واقفین زندگی ہیں ان سے تعلق رکھتیں، دعوت کرتیں اور کہتی ہیں ہمیں بھی کہا کرتی تھیں کہ واقفینِ زندگی تو قربانی کرتے ہیں، ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہر رشتہ بڑی خوبی سے نبھایا۔ ہمیشہ یہ کہتی تھیں کہ میں یہ نہیں سوچتی کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میں تو جب بھی ہو، کبھی غلطی ہوتی اور زیادتی ہو بھی جاتی ہے تو معافی مانگنے میں پہل کرتیں۔ ملازم کو بھی ڈانٹتیں تو اس سے بھی معافی مانگ لیتیں اور انعام بھی دیتیں۔

ان کے داماد مرزا تقی الدین کہتے ہیں کہ بڑی چھوٹی عمر میں انہوں نے وصیت بھی کی تھی۔ میں نے بھی دیکھا۔ وصیت فارم دیکھ کے پہلے میں حیران تھا کہ تقریباً چودہ سال کی عمر میں انہوں نے وصیت کر دی تھی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے بچپن کا خواب سنایا تھا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ کا پاؤں سختی سے پکڑ کے رو رہی ہوں اور کہتی تھیں کہ جب میں بیدار ہوئی تو میں واقعی رو رہی تھی۔ کہتی ہیں کہ اب تک اللہ تعالیٰ میرے سارے کام پورے

کر دیتا ہے۔ یہاں ان کی ایک واقف ہیں روحی شاہ صاحبہ۔ وہ کہتی ہیں کہ دوستی اگر کرتیں تو خوب نبھاتیں۔ بڑی شکر گزار طبیعت کی مالک تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے والی، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والی تھیں اور لوگوں سے احسان کا سلوک کرتیں۔ پھر شکر گزاری بہت کرتیں، اتنی زیادہ کہ انسان شرمندہ ہو جاتا۔

ان کی بھاوجہ طاہرہ فاروق صاحبہ کہتی ہیں کہ بھابھی کی بجائے مجھے دوست اور بہن بنا کے رکھا۔ بے لوث محبت کرنے والی کھری شخصیت کی مالک تھیں۔ رشتے نبھانے آتے تھے۔ جو اپنے لیے پسند کرتیں وہی دوسرے کے لیے پسند کرتیں اور کبھی کوئی بات دل میں نہیں رکھتی تھیں۔ صاف، کھری باتیں کہنے والی تھیں۔ نماز، روزہ کی پابند، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والی، خلافت کے ساتھ بے انتہا تعلق اور وابستگی تھی۔ جماعتی کاموں میں جو بھی سپرد کر دیے جاتے دلچسپی لیتیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کے جو خاوند ہیں انہیں بھی صبر اور حوصلہ دے اور بچوں کو بھی صبر اور حوصلہ دے۔

دوسرا جنازہ چودھری رشید احمد صاحب کا ہے جو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں سابق ڈپٹی رجسٹرار تھے۔ آجکل امریکہ میں تھے۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔

ان کے بیٹے رفیق طاہر صاحب وہاں لاس اینجلس میں جماعتی خدمت بجالا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ خاندان میں سب سے پہلے احمدیت ان کے بڑے بھائی چودھری برکت علی صاحب سے آئی تھی اور اس کے بعد ان کے والد اور باقی گھر والوں نے بیعت کی سعادت پائی۔ 74ء کے فسادات میں ایک ہجوم نے حالانکہ ان کا گھر یونیورسٹی کے ایریا کے اندر تھا، یونیورسٹی کے کوارٹروں میں تھا، لیکن پھر بھی ہجوم نے حملہ کیا اور گھر لُوٹ کے ان کا سارا سامان نظر آتش کر دیا۔ بہرحال وہ تو اس وقت وہاں سے چلے گئے اور جب دو تین مہینے بعد حالات بہتر ہوئے تو یونیورسٹی واپس آئے۔ وائس چانسلر نے کہا کہ کریسنٹ مل کا مالک جو ہے وہ کہتا ہے کہ میں آپ کا نقصان پورا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیں کہ کتنا نقصان ہوا ہے؟ تو چودھری رشید صاحب نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا کہ بالکل نہیں۔ میں کسی سے نہیں مدد لوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ نقصان برداشت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ نقصان مجھے ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نقصان کو پورا کرے گا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے پھر ایسا فضل فرمایا کہ بڑے کم وقت میں سارے نقصان کی تلافی بھی ہو گئی۔ خلافت کے ساتھ بڑا محبت اور اطاعت کا ایک رشتہ تھا۔ احکامات کی لفظ بہ لفظ تکمیل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایمانداری اتنی حد تک تھی کہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے ممبر تھے۔ بڑا اعزاز ہے یہ بھی۔ اور ایک دفعہ میٹنگ تھی ان کو میٹنگ میں جانے کے لیے ٹرین کے کرایہ کے اے سی کے ٹکٹ کے پیسے ملے۔ واپسی پہ ان کے کچھ رشتہ داروں نے کہا کہ ہم نے ساتھ جانا ہے تو انہوں نے اپنا ٹکٹ چینج کروالیا اور سیکنڈ کلاس میں رشتہ داروں کے ساتھ گئے اور باقی پیسے جو تھے وہ حکومت کو واپس کر دیے۔ ایک دفعہ یہ وہاں ان کا یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کا جو چیئرمین تھا اس کے دفتر میں گئے تو انہوں نے ان کو ملنے کے لیے اپنا کارڈ بھیجا تو ڈائریکٹر صاحب جو تھے وہ خود باہر آ گئے اور اپنے ایک دوست

کو جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے کہ یہ وہ شخص ہے جس کی دیانتداری کا میں آپ سے ذکر کر رہا تھا کہ ایسا دیانتدار شخص ہے۔ تو انہوں نے وہاں فوراً جماعتی تعارف بھی کروا دیا کہ میں احمدی ہوں۔ یہ ساری جو امانتداری ہے یہ احمدی ہونے کی وجہ سے میرے اندر ہے۔ پس احمدیوں کے لیے بھی ایک سبق ہے۔ ہمیشہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں اور کسی قسم کا کبھی مالی لالچ نہیں کرنا چاہیے۔

چندوں کی ادائیگی اور مالی قربانی میں پیش پیش ہوتے تھے۔ والدین، بہن بھائیوں کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بھی باقاعدگی سے تحریکِ جدید اور وقفِ جدید کے چندے دیا کرتے تھے۔ بہت پیار کرنے والی شخصیت تھی۔ یونیورسٹی کے سارے طلبہ کو بچوں اور بھائیوں کی طرح رکھا۔ ایک نماز، مغرب کی نماز خاص طور پہ ہم سب اکٹھے ہو کر ان کے گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ ہمیشہ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے تھے۔ بڑے قانع انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 01/ دسمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 239 صفحہ 02 تا 07)

46

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 17 / نومبر 2023ء بمطابق 17 / نبوت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ خطبہ کے آخر پر جو تاریخ بیان ہو رہی تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان ہو رہی تھی اس کے ضمن میں **فرات بن حیان کے قبول اسلام کا بھی** ذکر ہوا تھا۔ اس کے قبول اسلام کی مزید تفصیل یہ ہے کہ یہ گرفتار ہو کر قیدیوں میں تھا جیسا کہ گذشتہ خطبہ میں بیان ہوا تھا۔ غزوۂ بدر کے روز بھی وہ زخمی ہوا تھا تاہم کسی طرح قید سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب پھر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے: اب بھی تم اپنے طرز عمل کو نہیں بدلو گے؟ فرات بولا اگر اس دفعہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ کر نکل گیا تو پھر میں قابو نہ آؤں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے پھر اسلام قبول کر لو۔ اگر تم نے بچ کے نکلنا ہی ہے تو ایک ہی طریقہ ہے کہ پھر اسلام قبول کر لو۔ بہر حال فرات بن حیان حضرت ابو بکرؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا۔ اپنے ایک انصاری دوست کے پاس سے گزرتے ہوئے کہنے لگا کہ مَیں تو مسلمان ہوں۔ انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ إِنَّ مِنْكُمْ رِجَالًا نَكِلُهُمْ إِلَى إِيمَانِهِمْ کہ بلاشبہ تم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں ہم ان کے ایمان کے حوالے کرتے ہیں۔ اگر یہ کہتا ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ پھر اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پہ اسے رہا کر دیا۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد 6 صفحہ 398، مکتبہ دار المعارف لاہور)

(الاصابہ جلد 5 صفحہ 273 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1995ء)

تفصیل میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کا ایک سریہ جمادی الآخر سنہ 3 ہجری میں قردہ کے مقام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ سیرت خاتم النبیینؐ میں اسی واقعہ کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں لکھا ہے کہ بنو سُلَیم اور بنو غطفان کے حملوں سے کچھ فرصت ملی تو مسلمانوں کو ایک اَور خطرہ کے سدّباب کے لیے وطن سے نکلنا پڑا۔ اب تک قریش اپنی شامی تجارت کے لیے عموماً حجاز کے ساحلی راستے سے شام کی طرف جاتے تھے لیکن اب انہوں نے یہ راستہ ترک کر دیا کیونکہ اس علاقہ کے قبائل مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے اور قریش کے لیے شرارت کا موقع کم تھا بلکہ ایسے حالات میں وہ اس ساحلی راستے کو خود اپنے لیے خطرے کا موجب سمجھتے تھے۔ صرف یہی وجہ

نہیں تھی کہ مسلمانوں سے خطرہ تھا بلکہ وہ خود جو حرکتیں کرنا چاہتے تھے، اب ان کا خیال تھا کہ ان قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی وجہ سے وہ ہم نہیں کر سکیں گے اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ بہرحال اب انہوں نے اس راستے کو ترک کر کے نجدی راستہ اختیار کر لیا جو عراق کو جاتا تھا اور جس کے آس پاس قریش کے حلیف اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ پہلے رستے وہ تھے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا تھا اور اس رستے پر جس کو قریش نے اختیار کیا وہاں ان کے اپنے معاہدے والے تھے اور وہ لوگ اور قبائل آباد تھے جو مسلمانوں کے بھی جانی دشمن تھے جو قبائل سلیم اور غطفان تھے۔ چنانچہ جمادی الآخر کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ نجدی راستہ سے گزرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قریش کے قافلوں کا ساحلی راستے سے گزرنا مسلمانوں کے لیے موجب خطرہ تھا تو نجدی راستے سے ان کا گزرنا ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر اندیشہ ناک تھا کیونکہ برخلاف ساحلی راستے کے، اس راستے پر قریش کے حلیف آباد تھے جو قریش ہی کی طرح مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے ساتھ مل کر قریش بڑی آسانی کے ساتھ مدینہ میں خفیہ چھاپہ مار سکتے تھے یا کوئی شرارت کر سکتے تھے اور پھر قریش کو کمزور کرنے اور انہیں صلح جوئی کی طرف مائل کرنے کی غرض کے ماتحت بھی ضروری تھا کہ اس راستہ پر بھی ان کے قافلوں کی روک تھام کی جاوے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کے ملتے ہی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کی سرداری میں اپنے صحابہؓ کا ایک دستہ روانہ فرما دیا۔

قریش کے اس تجارتی قافلے میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے رؤساء بھی موجود تھے۔ زید نے نہایت چستی اور ہوشیاری سے اپنے فرض کو ادا کیا اور نجد کے مقام قردہ میں ان دشمنانِ اسلام کو جا پکڑا۔ اور اس اچانک حملہ سے گھبرا کر قریش کے لوگ قافلہ کے اموال اور جو بھی ان کا مال تھا اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور زید بن حارثہؓ اور ان کے ساتھی ایک کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ میں کامیاب و کامران واپس آئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قریش کے اس قافلہ کا راہبر ایک فرات نامی شخص تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوا اور مسلمان ہونے پر رہا کر دیا گیا۔ لیکن دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا جاسوس تھا مگر بعد میں مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر کے آ گیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 465-466)

ایک واقعہ انہی دنوں **میں کعب بن اشرف کے قتل کا ہے**۔ کعب بن اشرف مدینے کے سرداروں میں سے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ میں شامل تھا لیکن معاہدہ کر کے بعد میں اس نے فتنہ پھیلانے کی کوشش کی اور اس کے قتل کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔

بخاری میں اس واقعہ کی تفصیلات یوں درج ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف سے کون نپٹے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو سخت دکھ دیا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہو گئے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے مار

ڈالوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! چنانچہ محمد بن مسلمہؓ کعب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اس شخص نے ہم سے صدقہ مانگا ہے اور اس نے ہمیں مشقّت میں ڈال دیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات منسوب کر کے کہا کہ آپؐ نے ان سے صدقہ مانگا ہے اور مشقت میں ڈال دیا ہے۔ میں تمہارے پاس آیا ہوں تم سے ادھار لوں۔ اس نے کہا بخدا! تم اس سے اکتا جاؤ گے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتا جاؤ گے اور پیچھے ہٹ جاؤ گے۔ بہرحال محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ چونکہ ہم نے اس کی پیروی اختیار کر لی ہے اس لیے ہم پسند نہیں کرتے کہ اسے چھوڑ دیں یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے اور ہم چاہتے ہیں ایک یا دو وسق ہمیں ادھار دو۔ کعب نے کہا اچھا! میرے پاس کچھ رہن رکھو۔ انہوں نے کہا تم کیا شے چاہتے ہو؟ کعب نے یہ کہا کہ اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھو۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے رہن رکھیں جبکہ تم عربوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ اس نے کہا پھر اپنے بیٹے میرے پاس رہن رکھو۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو طعنہ دیا جائے گا، کہا جائے گا کہ وہ ایک یا دو وسق کے لیے رہن رکھے گئے تھے۔ یہ ہمارے لیے عار ہے لیکن ہم تمہارے پاس اپنی زرہیں رہن رکھتے ہیں۔ زرہوں سے مراد یہاں جنگی سامان بھی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کعب سے پھر اس کے پاس آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ وہ اس کے پاس رات کو آئے اور ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے جو کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ اس نے انہیں قلعہ میں بلایا اور وہ ان کے پاس قلعہ میں جب چلے گئے تو وہ اپنے بالاخانہ سے نیچے اترا۔ اس کی بیوی اس سے کہنے لگی کہ اس وقت تم کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا یہ تو محمد بن مسلمہ اور میرے بھائی ابو نائلہ ہیں۔ انہوں نے بلایا ہے۔ ان کے پاس جا رہا ہوں۔ اس کی بیوی نے کہا مَیں ایسی آواز سنتی ہوں کہ گویا جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب بولا کہ معزز آدمی کو رات کے وقت حملے کے لیے بھی بلایا جائے تو وہ ضرور جائے گا۔ بہرحال محمد بن مسلمہؓ اپنے ساتھ دو آدمی بھی لے گئے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے ان آدمیوں کو کہا کہ جب کعب آئے تو میں اس کے بال پکڑوں گا اور اسے سونگھوں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو تم بڑھ کر اس کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ کعب ان کے پاس چادر لپیٹے ہوئے نیچے آیا اور اس سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا۔ آج جیسی خوشبو تو میں نے کہیں نہیں پائی یعنی بہترین خوشبو ہے۔ کعب نے کہا میرے پاس عرب کی عورتوں میں سے سب سے زیادہ معطر ہیں اور سب سے زیادہ خوبصورت۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ تمہارے سر کو سونگھوں؟ اس نے کہا ہاں تو انہوں نے اس کو سونگھا پھر اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں پھر جب محمد بن مسلمہؓ نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم اس کو پکڑو اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ کو بتایا۔

(ماخوذ از صحیح البخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف روایت 4037)

کعب کے زخمی ہونے کی مزید تفصیل بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں یہ لکھی ہے کہ محمد بن مسلمہؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب کعب بن اشرف پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا تو ان کے ایک ساتھی حضرت حارث

بن اوسؓ کو تلوار کی نوک لگی اور وہ زخمی ہو گئے۔ اپنے ساتھیوں کی تلوار کی نوک سے زخمی ہوئے تھے۔ چنانچہ آپؓ کے ساتھی انہیں اٹھا کر تیزی سے مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن اوسؓ کے زخم پر اپنا لعاب لگایا اور اس کے بعد انہیں تکلیف نہیں ہوئی۔

(عمدۃ القاری جلد 17 صفحہ 192 کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت 2003ء)

کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ سیرت خاتم النبیینؐ میں جو لکھا گیا ہے وہ اس طرح ہے جس کا اس وقت میں یہاں مختصر بیان کروں گا۔ بدر کی جنگ نے جس طرح مدینہ کے یہودیوں کی دلی عداوت کو ظاہر کر دیا تھا اور بنو قینقاع کی جلاوطنی بھی دوسرے یہودیوں کو اصلاح کی طرف مائل نہ کر سکی تھی اور وہ اپنی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں میں ترقی کرتے گئے۔ چنانچہ کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کعب گو مذہباً یہودی تھا لیکن دراصل یہودی النسل نہ تھا بلکہ عرب تھا۔ اس کا باپ اشرف بنونبہان کا ایک ہوشیار اور چلتا پرزہ آدمی تھا جس نے مدینے میں آکر بنو نضیر کے ساتھ تعلقات پیدا کیے۔ ان کا حلیف بن گیا اور بالآخر اس نے اتنا اقتدار اور رسوخ پیدا کر لیا کہ قبیلہ بنو نضیر کے رئیس اعظم ابورافع بن ابو الْحُقَیق نے اپنی لڑکی اسے رشتہ میں دے دی۔ اس لڑکی کے بطن سے کعب پیدا ہوا جس نے بڑے ہو کر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر رتبہ حاصل کیا۔ حتی کہ بالآخر اسے یہ حیثیت حاصل ہو گئی کہ تمام عرب کے یہودی اسے گویا اپنا سردار سمجھنے لگ گئے۔ کعب ایک وجیہ اور شکیل شخص ہونے کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر اور نہایت دولتمند آدمی تھا۔ ہمیشہ اپنی قوم کے علماء اور دوسرے ذی اثر لوگوں کو اپنی مالی فیاضی سے اپنے ہاتھ کے نیچے رکھتا تھا مگر اخلاقی نکتۂ نظر سے وہ ایک نہایت گندے اخلاق کا آدمی تھا اور خفیہ چالوں اور ریشہ دوانیوں کے فن میں اسے کمال حاصل تھا۔ کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو اس میں نہ ہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو کعب بن اشرف نے دوسرے یہودیوں کے ساتھ مل کر اس معاہدہ میں شرکت اختیار کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان باہمی دوستی اور امن وامان اور مشترکہ دفاع کے متعلق تحریر کیا گیا تھا۔ ظاہراً تو یہ معاہدہ اس نے کیا مگر اندر ہی اندر کعب کے دل میں بغض وعداوت کی آگ سلگنے لگی اور اس نے خفیہ چالوں اور مخفی ساز باز سے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ کعب ہر سال یہودی علماء ومشائخ کو بہت سی خیرات کر دیا کرتا تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہ لوگ اپنے سالانہ وظائف لینے کے لیے اس کے پاس آئے تو اس نے باتوں باتوں میں ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شروع کر دیا اور ان سے آپؐ کے متعلق مذہبی کتب کی بنا پر رائے دریافت کی۔ تو انہوں نے کہا کہ بظاہر تو یہ وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کا ہمیں توریت میں وعدہ دیا گیا ہے۔ کعب اس جواب پر بڑا بگڑ گیا اور سب کو بڑا سخت سست کہا اور برا بھلا کہا اور رخصت کر دیا۔ اور جو خیرات انہیں دیا کرتا تھا وہ نہ دی۔ یہودی علماء کی جب روزی بند ہو گئی تو کچھ عرصہ کے بعد پھر کعب کے پاس گئے اور کہا کہ ہمیں علامات سمجھنے میں غلطی لگ گئی تھی ہم نے دوبارہ غور کیا ہے۔ دراصل محمد صلی اللہ

علیہ وسلم وہ نبی نہیں ہیں جس کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اس جواب سے پھر کعب کا مطلب حل ہو گیا اور اس نے خوش ہو کر ان کو سالانہ خیرات دے دی۔ بہر حال یہ تو ایک مذہبی مخالفت تھی جو گو ناگوار صورت میں کی گئی لیکن قابل اعتراض نہیں ہو سکتی تھی کہ اس پر سزا ملے اور نہ اس بنا پر کعب کو زیر الزام سمجھا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد کعب کی مخالفت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی اور بالآخر جنگِ بدر کے بعد تو اس نے ایسا روّیہ اختیار کیا جو سخت مفسدانہ اور فتنہ انگیز تھا۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لیے نہایت خطرناک حالات پیدا ہو گئے۔ دراصل بدر سے پہلے کعب یہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کا جوشِ ایمان ایک عارضی چیز ہے اور آہستہ آہستہ یہ سب لوگ خود بخود منتشر ہو کر اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے لیکن جب بدر کے موقع پر مسلمانوں کو غیر متوقع فتح نصیب ہوئی اور رؤسائے قریش اکثر مارے گئے تو اس نے سمجھ لیا کہ اب یہ نیا دین یونہی مٹتا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ بدر کے بعد اس نے اپنی پوری کوشش اسلام کے مٹانے اور تباہ و برباد کرنے میں صرف کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

اس کے دلی بغض اور حسد کا سب سے پہلا اظہار اس موقع پر ہوا جب بدر کی فتح کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اس خبر کو سن کر کعب نے علیٰ رؤوس الاشہاد یہ کہہ دیا، بڑا کھل کے گواہی دیتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ خبر بالکل جھوٹی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ایسے بڑے لشکر پر فتح حاصل ہو اور مکہ کے اتنے نامور رئیس خاک میں مل جائیں اور اگر یہ خبر سچ ہے تو پھر اس زندگی سے مرنا بہتر ہے۔ بہر حال جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی اور کعب کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی بدر کی فتح نے اسلام کو وہ استحکام دے دیا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا تو وہ غیض و غضب سے بھر گیا اور فوراً سفر کی تیاری کر کے اس نے مکہ کی راہ لی۔ وہاں جا کر اپنی چرب زبانی اور شعر گوئی کے زور سے قریش کے دلوں کی سلگتی ہوئی آگ کو شعلہ بار کر دیا اور آگ بھڑکائی۔ ان کے دل میں مسلمانوں کے خون کی نہ بجھنے والی پیاس پیدا کر دی۔ ان کے سینے جذباتِ انتقام و عداوت سے بھر دیے۔ اور جب کعب کی اشتعال انگیزی سے ان کے احساسات میں ایک انتہائی درجہ کی بجلی پیدا ہو گئی تو اس نے ان کو خانہ کعبہ کے صحن میں لے جا کر اور کعبہ کے پردے ان کے ہاتھوں میں دے دے کر ان سے قسمیں لیں کہ جب تک اسلام اور بانیٔ اسلام کو صفحہ دنیا سے ملیامیٹ نہ کر دیں گے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ مکہ میں یہ آتش فشاں فضا پیدا کر کے اس بدبخت نے دوسرے قبائل کا رخ کیا اور قوم بقوم پھر کر مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا۔ پھر مدینہ میں واپس آ کر اپنے جوش دلانے والے اشعار میں نہایت گندے اور فحش طریق پر مسلمان خواتین کا ذکر کیا۔ حتیٰ کہ خاندان نبوت کی مستورات کو بھی اپنے اوباشانہ اشعار کا نشانہ بنانے سے دریغ نہیں کیا اور ملک میں ان اشعار کا چرچا کروایا۔ بالآخر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور آپؐ کو کسی دعوت وغیرہ کے بہانے سے اپنے مکان پر بلا کر چند نوجوان یہودیوں سے آپؐ کو قتل کروانے کا منصوبہ باندھا مگر خدا کے فضل سے اس کی وقت پر اطلاع ہو گئی اور اس کی یہ سازش کامیاب نہیں ہوئی۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور کعب کے خلاف عہد شکنی، بغاوت، تحریکِ جنگ، فتنہ پردازی، فحش گوئی اور سازش قتل کے الزامات پایہ ثبوت کو پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس بین الاقوامی

معاہدہ کی رُو سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے میں تشریف لانے کے بعد اہالیانِ مدینہ سے ہوا تھا، آپؐ مدینہ کی جمہوری سلطنت کے صدر اور حاکمِ اعلیٰ تھے۔ آپؐ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ کعب بن اشرف اپنی کارروائیوں کی وجہ سے واجب القتل ہے اور اپنے بعض صحابیوں کو ارشاد فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ اس وقت کعب کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے مدینے کی فضا ایسی ہو رہی تھی کہ اگر اس کے خلاف باضابطہ طور پہ اعلان کر کے اسے قتل کیا جاتا تو مدینہ میں ایک خطرناک خانہ جنگی شروع ہو جانے کا احتمال تھا۔ جس میں نہ معلوم کتنا کشت وخون ہونا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ممکن اور جائز قربانی کر کے بین الاقوامی کشت وخون کو روکنا چاہتے تھے کہ مسلمان اور یہودی دونوں آپس میں لڑ مر کر نقصان نہ پہنچائیں، ایک دوسرے سے مارے نہ جائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ کعب کو برملا طور پر قتل نہ کیا جائے بلکہ چند لوگ خاموشی کے ساتھ کوئی مناسب موقع نکال کر اسے قتل کر دیں اور یہ ڈیوٹی آپؐ نے قبیلہ اوس کے ایک مخلص صحابی محمد بن مسلمہؓ کے سپرد فرمائی اور انہیں تاکید فرمائی کہ جو طریق بھی اختیار کریں قبیلہ اوس کے رئیس سعد بن معاذؓ کے مشورہ سے کریں۔ محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! خاموشی کے ساتھ قتل کرنے کے لیے تو کوئی بات کہنی ہو گی۔ یعنی کوئی عذر وغیرہ بنانا پڑے گا جس کی مدد سے کعب کو اس کے گھر سے نکال کر کسی محفوظ جگہ میں قتل کیا جا سکے۔ آپؐ نے ان عظیم الشان اثرات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اس موقع پر ایک خاموش سزا کے طریق کو چھوڑنے سے پیدا ہو سکتے تھے فرمایا کہ اچھا۔ چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے سعد بن معاذ کے مشورہ سے ابونائلہ اور دو تین اور صحابیوں کو اپنے ساتھ لیا اور کعب کے مکان پر پہنچے اور کعب کو اس کے اندرون خانہ سے بلا کر کہا کہ ہمارے صاحب یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے صدقہ مانگا ہے اور ہم تنگ حال ہیں۔ کیا تم مہربانی کر کے ہمیں کچھ قرض دے سکتے ہو؟ یہ بات سن کر کعب خوشی سے کود پڑا۔ کہنے لگا۔ واللہ! ابھی کیا ہے۔ وہ دن دُور نہیں جب تم اس شخص سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دو گے۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا کہ خیر! ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کر چکے ہیں اور اب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس سلسلہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ قرض دو گے یا نہیں؟ کعب نے کہا کہ ہاں اگر کوئی چیز رہن رکھو۔ اور اس نے پہلے عورتوں پھر بیٹوں کے رہن رکھنے کا کہا جیسا کہ ابھی بخاری کے حوالے سے میں نے بیان کیا ہے اور آخر پر ان کے ہتھیار رہن رکھنے پر کعب راضی ہو گیا۔ اور محمد بن مسلمہؓ اور ان کے ساتھی رات کو آنے کا وعدہ دے کر واپس چلے گئے۔ جب رات ہوئی تو یہ پارٹی ہتھیار وغیرہ ساتھ لے کر کعب کے مکان پر پہنچے اور اس کو گھر سے نکال کر باتیں کرتے کرتے ایک طرف لے آئے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد چلتے چلتے اس کو قابو کر کے وہ صحابہؓ جو پہلے ہتھیار بند تھے انہوں نے تلوار چلائی اور اسے قتل کر دیا۔ بہرحال کعب قتل ہو کر گرا اور محمد بن مسلمہؓ اور ان کے ساتھی وہاں سے رخصت ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپؐ کو اس قتل کی اطلاع دی۔

جب کعب کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو شہر میں ایک سنسنی پھیل گئی اور یہودی لوگ سخت جوش میں آ گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت یہودیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ ہمارا سردار کعب بن اشرف اس طرح قتل کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں

سن کر فرمایا **کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کعب کس کس جرم کا مرتکب ہوا تھا** اور پھر آپؐ نے اجمالاً ان کو کعب کی عہد شکنی، تحریک جنگ اور فتنہ انگیزی اور فحش گوئی اور سازش قتل وغیرہ کی کارروائیاں یاد دلائیں۔ جس پر یہ لوگ ڈر کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہیں چاہیے کہ کم از کم آئندہ کے لیے ہی امن اور تعاون کے ساتھ رہو اور عداوت اور فتنہ و فساد کا بیج نہ بوؤ۔ چنانچہ یہود کی رضامندی کے ساتھ آئندہ کے لیے ایک نیا معاہدہ لکھا گیا اور یہود نے مسلمانوں کے ساتھ امن وامان کے ساتھ رہنے اور فتنہ وفساد کے طریقوں سے بچنے کا از سر نو وعدہ کیا اور یہ عہد نامہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپردگی میں دے دیا گیا۔

تاریخ میں کسی جگہ بھی مذکور نہیں کہ اس کے بعد یہودیوں نے کبھی کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر کر کے مسلمانوں پر الزام عائد کیا ہو کیونکہ ان کے دل محسوس کرتے تھے کہ کعب اپنی مستحق سزا کو پہنچا ہے۔ پس اس وقت کے رائج قانون یا طریق کے مطابق کعب سے جو سلوک ہوا اس پر یہودیوں کا خاموش رہنا بتاتا ہے کہ انہوں نے اس سزا اور اس سلوک کو تسلیم کیا۔

بعض مؤرخین بعد میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ناجائز قتل کروایا اور یہ غلط چیز تھی۔ **واضح ہو کہ یہ ناجائز قتل نہیں تھا** کیونکہ کعب بن اشرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقاعدہ امن کا معاہدہ کر چکا تھا اور مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنا تو درکنار رہا اس نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ ہر بیرونی دشمن کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے گا۔ اس نے اس معاہدہ کی رُو سے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ جو رنگ مدینہ میں جمہوری سلطنت کا قائم کیا گیا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدر ہوں گے اور ہر قسم کے تنازعات وغیرہ میں آپؐ کا فیصلہ سب کے لیے واجب القبول ہو گا۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسی معاہدہ کے تحت یہودی لوگ اپنے مقدمات وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آپؐ ان میں احکام جاری فرماتے تھے۔ اب ان حالات کے ہوتے ہوئے کعب نے تمام عہد وپیمان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چھوڑ دیا، عمل نہ کیا اور مسلمانوں سے بلکہ حق یہ ہے کہ حکومت وقت سے غداری کی۔ یہاں مسلمانوں سے غداری کا سوال نہیں ہے۔ اس نے حکومت وقت سے غداری کی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ حکومت تھے اور مدینہ میں فتنہ وفساد کا بیج بویا اور ملک میں جنگ کی آگ مشتعل کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے خلاف قبائل عرب کو خطرناک طور پر ابھارا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے کیے۔ یہ سب کچھ ایسی حالت میں کیا کہ مسلمان جو پہلے ہی چاروں طرف سے مصائب میں گرفتار تھے ان کے لیے سخت مشکل حالات پیدا کر دیے اور ان حالات میں کعب کا جرم بلکہ بہت سے جرموں کا مجموعہ ایسا نہ تھا کہ اس کے خلاف کوئی تعزیری قدم نہ اٹھایا جاتا؟ چنانچہ یہ قدم اٹھایا گیا اور آجکل کے مہذب کہلانے والے ممالک میں بغاوت اور عہد شکنی اور اشتعال جنگ اور سازش کے جرموں میں مجرموں کو قتل کی سزا دی جاتی ہے پھر اعتراض کس چیز کا۔ بلکہ آجکل فلسطین اور اسرائیل کے درمیان میں جو ہو رہا ہے۔ وہ تو بہت بڑھ کے ہو رہا ہے اور بہر حال کئی لحاظ سے جائز بھی نہیں۔

پھر دوسرا سوال قتل کے طریق کا ہے۔ رات کو مارا گیا ہے تو اس کو خاموشی سے کیوں قتل کیا؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ عرب میں اس وقت کوئی باقاعدہ سلطنت نہیں تھی۔ ایک سربراہ تو مقرر کر لیا تھا لیکن صرف اسی کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اگر اپنے اپنے فیصلے کرنا چاہے تو ہر شخص اور ہر قبیلہ آزاد اور خود مختار بھی تھا۔ مجموعی طور پر مشترکہ فیصلے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور اگر اپنے طور پر قبیلوں نے کرنے ہوتے تو وہ بھی ہوتے تھے۔ تو ایسی صورت میں وہ کون سی عدالت تھی جہاں کعب کے خلاف مقدمہ دائر کر کے باقاعدہ قتل کا حکم حاصل کیا جاتا؟ کیا یہود کے پاس شکایت کی جاتی جن کا وہ سردار تھا اور جو خود مسلمانوں سے غداری کر چکے تھے، آئے دن فتنے کھڑے کرتے رہتے تھے؟ اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہود کے پاس جایا جاتا۔ قبائل سُلَیم اور غطفان سے دادرسی چاہی جاتی جو گذشتہ ماہ میں تین چار دفعہ مدینے پر چھاپہ مارنے کی تیاری کر چکے تھے؟ وہ بھی ان کے قبیلے تھے تو ظاہر ہے کہ ان سے بھی کوئی انصاف نہیں ملنا تھا۔ بہرحال اس وقت کی حالت پر غور کرو اور پھر سوچو کہ مسلمانوں کے لیے سوائے اس کے وہ کون سا راستہ کھلا تھا کہ جب ایک شخص کی اشتعال انگیزی اور تحریک جنگ اور فتنہ پردازی اور سازش قتل کی وجہ سے اس کی زندگی کو اپنے لیے اور ملک کے امن کے لیے خطرہ پاتے تو خود حفاظتی کے خیال سے موقع پا کر اسے قتل کر دیتے کیونکہ یہ بہت بہتر ہے کہ ایک شریر اور مفسد آدمی قتل ہو جاوے بجائے اس کے کہ بہت سے پُرامن شہریوں کی جان خطرے میں پڑے اور ملک کا امن برباد ہو۔

اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ فتنہ قتل سے بڑا ہے۔

بہرحال اس معاہدہ کی رُو سے جو ہجرت کے بعد مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معمولی شہری کی حیثیت حاصل نہیں تھی بلکہ آپؐ اس جمہوری سلطنت کے صدر قرار پائے تھے جو مدینے میں قائم ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جملہ تنازعات اور اُمور سیاسی میں جو فیصلہ مناسب خیال کریں صادر فرمائیں۔

پس اگر آپؐ نے ملک کے امن کے مفاد میں کعب کی فتنہ پردازی کی وجہ سے اسے واجب القتل قرار دیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی اس لیے تیرہ سو سال بعد اسلام پر اعتراض کرنے والوں کا اعتراض جو آجکل کے orientalists کرتے ہیں، مستشرقین کرتے ہیں یہ بودہ ہے کیونکہ اس وقت تو یہودیوں نے آپؐ کی بات سن کر اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 466 تا 472)

اسی عرصہ میں **حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی دوسری شادی بھی** ہوئی۔ حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اور ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بارے میں جو ذکر ملتا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت حفصہؓ کے شوہر جنگِ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ سے واپسی پر بیمار ہو کر انتقال کر گئے تو بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے ساتھ شادی کی۔

اس کی تفصیل بخاری میں یوں درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ جب حضرت حفصہ بنت

عمرؓ خُنَیس بن حُذَافہ سَہمیؓ سے بیوہ ہوئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تھے اور بدر میں شریک تھے۔ مدینہ میں انہوں نے وفات پائی تو روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے ملا۔ ان کے پاس حفصہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر آپؓ چاہیں تو حفصہ بنت عمرؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا میں اپنے اس معاملے پر غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں چنانچہ میں کئی روز تک ٹھہرا رہا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کچھ دنوں کے بعد کہا کہ مجھے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ان دنوں شادی نہ کروں۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے پھر میں حضرت ابو بکرؓ سے ملا کہ اگر آپؓ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمرؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں۔ حضرت ابو بکرؓ خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ عثمانؓ کی نسبت میں نے ان سے زیادہ محسوس کیا یعنی احساس زیادہ ہوا کہ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ کہتے ہیں پھر میں کچھ دن ٹھہرا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کا پیغام بھیجا اور میں نے آپؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی، حدیث 4005)

سیرت خاتم النبیینؐ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ: ”حضرت عمر بن خطابؓ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام حفصہ تھا۔ وہ خُنَیس بن حُذَافہ کے عقد میں تھیں جو ایک مخلص صحابی تھے اور جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ بدر کے بعد مدینہ واپس آنے پر خُنَیس بیمار ہو گئے اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کو حفصہ کے نکاح ثانی کا فکر دامن گیر ہوا۔ اس وقت حفصہ کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی فطرتی سادگی میں خود عثمان بن عفان سے مل کر ان سے ذکر کیا کہ میری لڑکی حفصہ اب بیوہ ہے۔ آپؓ اگر پسند کریں تو اس کے ساتھ شادی کر لیں مگر حضرت عثمانؓ نے ٹال دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے بھی خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو بہت ملال ہوا اور انہوں نے اسی ملال کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے ساری سرگزشت عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ عمر! کچھ فکر نہ کرو۔ خدا کو منظور ہوا تو حفصہ کو عثمان و ابو بکرؓ کی نسبت بہتر خاوند مل جائے گا اور عثمان کو حفصہ کی نسبت بہتر بیوی ملے گی۔ یہ آپؐ نے اس لیے فرمایا کہ آپؐ حفصہ کے ساتھ شادی کر لینے اور اپنی لڑکی ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ بیاہ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے جس سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو اطلاع تھی اور اسی لیے انہوں نے حضرت عمرؓ کی تجویز کو ٹال دیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی فرما دی..... اور اس کے بعد آپؐ نے خود اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کو حفصہ کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے بڑھ کر اَور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے نہایت خوشی سے اس رشتہ کو قبول کیا اور شعبان 3ھ میں حضرت حفصہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ کر حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔ جب یہ رشتہ ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شاید آپؓ کے دل میں میری طرف سے کوئی ملال ہو۔ بات یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے اطلاع تھی لیکن میں آپؐ کی اجازت کے بغیر آپؐ کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر آپؐ کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو میں بڑی

خوشی سے حفصہ سے شادی کر لیتا۔

حفصہ کے نکاح میں ایک تو یہ خاص مصلحت تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں جو گویا حضرت ابو بکرؓ کے بعد تمام صحابہؓ میں افضل ترین سمجھے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین خاص میں سے تھے۔ پس آپس کے تعلقات کو زیادہ مضبوط کرنے اور حضرت عمرؓ اور حفصہ کے اس صدمہ کی تلافی کرنے کے واسطے جو خُنَیس بن حُذَافہ کی بے وقت موت سے ان کو پہنچا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ حفصہ سے خود شادی فرمالیں اور دوسری عام مصلحت یہ مد نظر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی عورتوں میں جو بنی نوع انسان کا نصف حصہ بلکہ بعض جہات سے نصف بہتر حصہ ہیں دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا کام زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ آسانی اور زیادہ خوبی کے ساتھ ہو سکے گا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 477-478)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ مزید فرماتے ہیں کہ "حضرت حفصہؓ کی عمر شادی کے وقت قریباً اکیس سال تھی اور بوجہ اس کے کہ حضرت عائشہؓ کے بعد وہ صحابہؓ میں سے ایک افضل ترین شخص کی صاحبزادی تھیں۔ ازواجِ مطہرات میں ان کا ایک خاص درجہ سمجھا جاتا ہے اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ بھی ان کا بہت جوڑ تھا اور سوائے کبھی کبھار کی کش مکش کے جو ایسے رشتہ میں ہو جایا کرتی ہے وہ دونوں آپس میں بہت محبت کے ساتھ رہتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں ایک روایت آتی ہے کہ انہوں نے ایک صحابی عورت شفاء بنت عبد اللہؓ سے لکھنا سیکھا تھا۔ ان کی وفات 45ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر کم و بیش تریسٹھ سال کی تھی۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 480)

پھر **اسی دوران میں حضرت امام حسنؓ کی پیدائش کا واقعہ** بھی ہوا۔ حضرت امام حسن بن علی بن ابو طالب نصف رمضان تین ہجری کو پیدا ہوئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی ولادت شعبان 3 ہجری میں ہوئی۔ بعض کہتے ہیں غزوۂ احد کے ایک سال بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں دو سال بعد ہوئی۔ شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ پہلی رائے زیادہ درست ہے اور محکم ہے۔ حضرت علیؓ نے ان کا نام حَرْب رکھا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر حَسَن کر دیا۔ ولادت کے ساتویں دن آپؐ نے ان کا عقیقہ کیا اور ان کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ ان کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی جائے۔ اُمّ فضل نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا ایک عضو آپؐ کا میرے گھر میں ہے یا کہا میرے کمرے میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ فاطمہ سے ایک بچہ پیدا ہو گا تم اس کی دیکھ بھال کرو گی اور تم اس کو قُثَم کے ساتھ دودھ پلاؤ گی۔ ام فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں اور قُثَم ان کے بیٹے کا نام تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے اور ام فضل نے ان کو قُثَم کے ساتھ دودھ پلایا۔

حضرت حسن بن علیؓ سے عرض کیا گیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں یاد ہیں تو بیان کیجیے۔ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات یاد ہے۔ میں نے ایک مرتبہ صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میرے منہ سے نکال دیا اس

حال میں کہ اس میں میرا لعاب مل چکا تھا اور اس کو صدقے کی کھجوروں میں ملا دیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہؐ! ایک کھجور کی کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے لیے یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت حسنؓ کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ اے صاحبزادے! تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔ ان کو اپنے نواسے سے بڑا پیار تھا۔

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسن بن علی کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے اللہ! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔ بعض روایات میں اس بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی وفات زہر سے ہوئی تھی۔

(الاصابہ جلد اول صفحہ 492، الحسن بن علی، دارالفکر بیروت 2001ء)

(اسد الغابہ جلد2 صفحہ 13 تا16 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

بہرحال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت امام حسنؓ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ”دو ہجری کے واقعات میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے ہاں رمضان تین ہجری میں یعنی نکاح کے قریباً دس ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رکھا۔ یہ وہی حسنؓ ہیں جو بعد میں مسلمانوں میں امام حسن علیہ الرحمۃ کے نام سے ملقّب ہوئے۔ حسنؓ اپنی شکل وصورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح اپنی اولاد حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت تھی اسی طرح حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے بھی آپؐ کو خاص محبت تھی۔ کئی دفعہ فرماتے تھے کہ خدایا! مجھے ان بچوں سے محبت ہے تُو بھی ان سے محبت کر اور ان سے محبت کرنے والوں سے محبت کر۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ نماز میں ہوتے تو حسنؓ آپؐ سے لپٹ جاتے۔ رکوع میں ہوتے تو آپؐ کی ٹانگوں میں سے راستہ بنا کر نکل جاتے۔ بعض اوقات جب صحابہؓ انہیں روکتے تو آپؐ صحابہ کو منع فرما دیتے کہ روکو نہیں۔ دراصل چونکہ ان کا لپٹنا آپؐ کی توجہ کو منتشر نہیں کرتا تھا اس لیے آپؐ ان کی معصوم محبت کے طفلانہ مظاہرہ میں مزاحم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ امام حسنؓ کے متعلق ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میرا یہ بچہ سید یعنی سردار ہے اور ایک وقت آئے گا کہ خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ چنانچہ اپنے وقت پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔“

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 480-481)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”**حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہو گئے۔** پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اَور خون ہوں۔ اس لئے معاویہ سے گذارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے“ یعنی معاہدہ کر لینے سے ”شیعہ پر رَد ہوتی ہے اس لئے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے۔ ہم تو

دونو کے ثناخواں ہیں۔" یعنی حسن کے بھی اور حسین کے بھی۔ "اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جداجدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونوں کی نیت نیک تھی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 278-279)

یہ تھا ان بچوں کا قصہ۔

جیسا کہ میں کئی خطبوں سے **فلسطینیوں کے لیے دعا کا ذکر کر رہا ہوں**۔ آج بھی اسی بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ دعائیں جاری رکھیں۔ اب تو ظلم کی انتہا ہوتی جا رہی ہے۔ حماس سے جنگ کے نام پر معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں کو مارا جا رہا ہے۔ ہر قسم کے جنگی اصول و ضوابط کو اس نام نہاد مہذب دنیا نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان ممالک کو بھی سمجھ دے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہتّر، تہتّر سال پہلے یہ تنبیہ کی تھی کہ مسلمانوں کو ایک ہونا چاہیے۔ اگر ایک نہ ہوئے تو وہ فیصلہ کریں کہ ایک ایک کر کے مرنا ہے۔ ایک ایک کر کے اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے یا ایک ہی وجود ہو کر اپنا ایک وجود برقرار رکھنا ہے اور باقی رہنا ہے۔ کاش کہ اب بھی یہ لوگ اس بات کو سمجھ جائیں اور ایک ہو جائیں! حالت تو یہ ہے کہ مجھے کسی نے بتایا کہ عمرہ پر جانے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ وہاں جا کر فلسطین یا اسرائیل کی جنگ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔ وہاں کی حکومت ویزا دیتے ہوئے یہ ہدایت کرتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت کی طرف سے، مسلمان حکومت کی طرف سے انتہائی بزدلی کا اظہار ہے۔ بہرحال عمرہ کی عبادت کا حق ادا کرنا چاہیے۔ اس دوران تو بہرحال کسی قسم کی ایسی باتیں نہیں ہوں گی لیکن مظلوم فلسطینیوں کے لیے دعا تو ضرور کرنی چاہیے اور جو جانے والے ہیں وہ کاش کہ ان دعاؤں کو بھی یاد رکھیں۔

مسلمان حکومتیں بھی آواز اٹھاتی ہیں آجکل تو بڑی کمزور آواز ہے۔ بعض آوازیں اٹھی ہیں۔ اس سے زیادہ زوردار آواز تو بعض غیر مسلم لوگوں اور سیاستدانوں اور حکومتوں نے اٹھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بھی جرأت اور حکمت پیدا فرمائے۔ یو این کے سیکرٹری جنرل بھی اچھا بولتے ہیں آجکل تو وہ زیادہ اچھا بول رہے ہیں لیکن ان کی آواز کی لگتا ہے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ اس جنگ کے خاتمے کے بعد یا اگر یہ مزید پھیل گئی اور عالمی جنگ کی صورت اختیار کر لی تو یو این کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو عقل دے۔ لگتا ہے کہ اب دنیا اپنی تباہی کو قریب تر لے کے آ رہی ہے اور اس تباہی کے بعد جو لوگ بچیں گے انہیں اللہ تعالیٰ عقل دے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا کریں اور اس کی طرف لَوٹ کر آئیں۔ بہرحال ہمیں اس حوالے سے بہت دعائیں کرنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا پر رحم فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل 08/ دسمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 245 صفحہ 02 تا 07)

47

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 24/ نومبر 2023ء بمطابق 24/ نبوت 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تحریرات اور اپنے ارشادات میں بے شمار جگہ اپنے آنے کی غرض اور اس زمانے میں کسی مصلح کے آنے کی ضرورت کا بیان فرمایا ہے۔ اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ آپؑ **کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا عین وقت کی ضرورت تھا** اور اللہ تعالیٰ کی سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ ”اتمام حجت کے لئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ..... خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کو تاریک پا کر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راستبازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے کہ تا وہ دوبارہ دنیا میں علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگوں کے حملہ سے بچائے جو فلسفیت اور نیچریت اور اِباحَت اور شرک اور دہریت کے لباس میں اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

سو اَے حق کے طالبو سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ وقت وہی وقت نہیں ہے جس میں اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی۔ کیا ابھی تک تم پر یہ ثابت نہیں ہوا کہ گذشتہ صدی میں جو تیرھویں صدی تھی کیا کیا صدمات اسلام پر پہنچ گئے اور ضلالت کے پھیلنے سے کیا کیا ناقابلِ برداشت زخم ہمیں اٹھانے پڑے۔ کیا ابھی تک تم نے معلوم نہیں کیا کہ کن کن آفات نے اسلام کو گھیرا ہوا ہے۔ کیا اس وقت تم کو یہ خبر نہیں ملی کہ کس قدر لوگ اسلام سے نکل گئے کس قدر عیسائیوں میں جا ملے کس قدر دہریہ اور طبعیہ ہو گئے اور کس قدر شرک اور بدعت نے توحید اور سنت کی جگہ لے لی اور کس قدر اسلام کے ردّ کے لئے کتابیں لکھی گئیں اور دنیا میں شائع کی گئیں۔ سو تم اب سوچ کر کہو کہ کیا اَب ضرور نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس صدی پر کوئی ایسا شخص بھیجا جاتا جو بیرونی حملوں کا مقابلہ کرتا۔ اگر ضرور تھا تو تم دانستہ الٰہی نعمت کو ردّ مت کرو اور اس شخص سے منحرف مت ہو جاؤ جس کا آنا اس صدی پر اس صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور جس کی ابتدا سے نبی کریم نے خبر دی تھی۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 251 تا 253)

پھر آپؑ کسی آنے والے شخص کی سچائی کے پرکھنے کے معیار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”کسی شخص کے سچا ماننے کے لئے یہ ضروری نہیں..... کہ اس کی کھلی کھلی خبر کسی آسمانی کتاب میں موجود بھی ہے۔ اگر یہ شرط ضروری ہے تو کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہو گی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کے دعویٰ نبوت پر سب سے پہلے زمانہ کی ضرورت دیکھی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی سوچا جاتا ہے کہ خدا نے اس کی تائید کی ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ دشمنوں نے جو اعتراض اٹھائے ہیں ان اعتراضات کا پورا پورا جواب دیا گیا یا نہیں۔ جب یہ تمام باتیں پوری ہو جائیں تو مان لیا جائے گا کہ وہ انسان سچا ہے ورنہ نہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ زمانہ اپنی زبان حال سے فریاد کر رہا ہے کہ اِس وقت اسلامی تفرقہ کے دُور کرنے کے لئے اور بیرونی حملوں سے اسلام کو بچانے کے لئے اور دنیا میں گم شدہ روحانیت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے بلاشبہ ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے جو دوبارہ یقین بخش کر ایمان کی جڑھوں کو پانی دیوے۔ اور اس طرح پر بدی اور گناہ سے چھڑا کر نیکی اور راستی کی طرف رجوع دیوے۔

سو عین ضرورت کے وقت میں میرا آنا ایسا ظاہر ہے کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ بجز سخت متعصّب کے کوئی اس سے انکار کر سکے۔ اور دوسری شرط یعنی یہ دیکھنا کہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ یہ شرط بھی میرے آنے پر پوری ہو گئی ہے کیونکہ نبیوں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ جب چھٹا ہزار ختم ہونے کو ہو گا تب وہ مسیح موعود ظاہر ہو گا۔ سو قمری حساب کے رُو سے چھٹا ہزار جو حضرت آدمؑ کے ظہور کے وقت سے لیا جاتا ہے مدت ہوئی جو ختم ہو چکا ہے اور شمسی حساب کے رُو سے چھٹا ہزار ختم ہونے کو ہے۔" وہ بھی ہو چکا ہے۔ "ماسوا اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد آئے گا جو دین کو تازہ کرے گا اور اب اِس چودھویں صدی میں سے اکیس سال گزر ہی چکے ہیں۔" جب آپؑ نے فرمایا یہ اس وقت کی بات ہے۔ "اور بائیسواں گزر رہا ہے۔ اب کیا یہ اس بات کا نشان نہیں کہ وہ مجدد آ گیا۔"

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 194-195)

غیر لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ ہمارے مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کو تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ تو پکار پکار کر اب خود بھی کہہ رہے ہیں اور ہر جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ **اسلام میں کسی مہدی اور مصلح کی ضرورت ہے جو اسلام کی کشتی کو سنبھالے لیکن جو آنے والا ہے** وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آیا اور جو وقت کی ضرورت کے مطابق آیا اس کو ماننے کو تیار نہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اپنی سچائی کی تائید میں بے شمار نشانات بھی پیش فرمائے ہیں۔ ان سب کا، تمام کا ذکر کرنا تو یہاں ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں کہ "ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ آج سے تئیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ الہام موجود ہے کہ لوگ کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ کو مٹا دیں اور ہر ایک مکر کام میں لائیں گے مگر مَیں اس سلسلہ کو بڑھاؤں گا اور کامل کروں گا اور وہ ایک فوج ہو جائے گی۔ اور قیامت تک ان کا غلبہ رہے گا اور میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک شہرت دوں گا اور جوق در جوق لوگ دُور سے آئیں گے اور ہر ایک طرف سے مالی مدد آئے گی۔ مکانوں کو وسیع کرو کہ یہ طیاری آسمان پر ہو رہی ہے۔ اب دیکھو" فرماتے ہیں کہ "دیکھو کس زمانہ کی یہ پیشگوئی ہے جو آج پوری ہوئی۔ یہ خدا کے نشان ہیں جو آنکھوں والے ان کو دیکھ رہے ہیں مگر جو اندھے ہیں ان کے

نزدیک ابھی تک کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔"

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 384-385)

آج بھی جماعت احمدیہ کی ترقی اور ہر سال لوگوں کا لاکھوں کی **تعداد میں جماعت میں شامل ہونا، قربانیوں میں بڑھنا آپؑ کی سچائی کا ثبوت ہے۔** آج دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں آپؑ کا پیغام نہ پہنچا ہو، جہاں آپؑ کے پیغام کی وجہ سے سعید روحوں کو اسلام کی طرف توجہ پیدا نہ ہوئی ہو اور انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو بلکہ بعض جگہ ایسے واقعات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود لوگوں کی راہنمائی فرمائی ہے اور وہ جماعت میں شامل ہوئے۔ مخالفین کی مخالفت کے باوجود افراد جماعت کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط فرمایا اور فرماتا چلا جا رہا ہے۔

پس آج بھی جو ہم اللہ تعالیٰ کی تائیدات کے نظارے دیکھ رہے ہیں یہ ایک احمدی کے لیے مضبوطی ایمان کا ذریعہ ہیں۔ بعض لوگوں کے واقعات میں اس وقت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

بابائیو اسلام بیک (Boboev Islombek) صاحب روسی ہیں، قرغیزستان کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرا تعلق قرغیزستان میں کاشغر قشلاق سے ہے اور کہتے ہیں میرے خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کرتے ہوئے حقیقی اسلام یعنی جماعت میں شامل ہو رہا ہوں۔ **احمدیت میں شامل ہونے کی وجہ یہ ہے** کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے اسلام کی خوبیوں کو بہت عمدہ طریق پر بیان کیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ صرف امام مہدیؑ ہی اس طرح اسلام کی خوبیوں کو بیان کر سکتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے متقی بنا دے اور دس شرائط بیعت پر عمل کرنے والا بنا دے۔ یہ ایک دُور دراز کے علاقے میں بیٹھے ہوئے شخص کا بیان ہے۔ اب ایک جگہ نہیں ہر ملک میں یہ حال ہے۔

کانگو کا ایک صوبہ منیما (Maniema) ہے۔ وہاں ایک جگہ ہے رَوْدِیکا (Rodika)۔ وہاں ایک عیسائی دوست فیروز ماجک صاحب ہیں۔ ان تک جماعت کے پمفلٹ پہنچے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور جماعت احمدیہ میں نظام خلافت کی نعمت کا بیان تھا تو اس کو پڑھ کر ان کی کایا پلٹ گئی۔ کہنے لگے میں اسی اسلام کی تلاش میں تھا۔ بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح ایک اَور دوست حسین صاحب نے بھی جماعت کے پمفلٹ پڑھ کر نہ صرف بیعت کر لی بلکہ انہوں نے آگے تبلیغ بھی شروع کر دی اور ان کی تبلیغ سے ہی اب تک جب یہ رپورٹ آئی تھی پانچ لوگ انہوں نے احمدیت میں داخل کر لیے۔ تو اس طرح لوگ صرف خود ہی نہیں شامل ہو رہے بلکہ تبلیغ بھی کر رہے ہیں اور یہ پرانے احمدیوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ ان کو بھی تبلیغ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

پھر تنزانیہ کا ایک ریجن ہے شیانگا۔ وہاں کی ایک جماعت ہے مونگالانگا (Mwangalanga)۔ یہاں جماعت میں جب احمدیت کا آغاز ہوا تو شروع میں احمدی احباب درختوں کے سائے میں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ اسی دوران وہاں پر ایک شخص محمد فونگونگا (Fungagunga) نے جماعت کی شدید مخالفت شروع کر دی اور چند احباب سے مل کر مشہور کر دیا کہ یہ احمدی تو مسلمان ہی نہیں ہیں اور ہم مسلمان جلد ہی یہاں مسجد بنائیں گے۔ اس

شخص نے ایک صاحبِ حیثیت خاتون کی ضمانت بھی لے لی کہ وہ مسجد کے لیے رقم دے گی۔ دوسری طرف جب ایک مخلص احمدی رمضان صاحب نے اپنی زمین مسجد کے لیے وقف کی تو اس شخص نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ قطعہ زمین غیر از جماعت مسلمانوں کو مل جائے مگر وہ احمدی ثابت قدم رہے یہاں تک کہ جماعت کی مسجد بننا شروع ہوئی اور پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اس اثنا میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ اس مخالف شخص کے گھر تک پہنچی۔ اب یہ مخالفت کر رہا ہے اور اس کے گھر بھی احمدیت کا پیغام پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی اور بچوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق بخشی اور اب وہ اپنی مخالفت میں اکیلا رہ گیا ہے۔ اب اگر اس شخص میں عقل ہو اور اس جیسے بہت سے ایسے لوگ ہیں تو ان کے لیے یہی نشان کافی ہے کہ باوجود مخالفت کے اللہ تعالیٰ نے اس کے بیوی بچوں کے دل میں حقیقی اسلام کا جوش پیدا کیا اور اس کا کوئی زور نہیں چلا۔ یہ ایمان، یہ تبدیلی کوئی انسان پیدا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی ہوتا ہے۔

پھر ایک اَور مثال ہے ایمان کی مضبوطی کی، اللہ تعالیٰ کی تائید کی۔ ارجنٹائن اب ایک دُور سے امریکہ کے علاقے میں بالکل دوسرا علاقہ ہے۔ ایک افریقہ چل رہا ہے۔ کوئی روس چل رہا ہے۔ کبھی امریکہ ہے۔ وہاں کی ایک خاتون ہیں ماریلہ (Mariela) صاحبہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن وہ مسلمانوں کے عملی رویّے کی وجہ سے اسلام سے دُور جا رہی تھیں۔ احمدی نہیں ہوئی تھیں۔ اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب موصوفہ کا جماعت احمدیہ سے تعارف ہوا اور وہ مشن ہاؤس آ کر ہماری عربی اور اسلام کلاسز میں شامل ہوتی رہیں اور کچھ ماہ بعد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئیں۔ کہنے لگیں کہ مجھے بیعت کر کے اطمینان ہوا ہے کیونکہ میں نے جماعت کی تعلیمات اور عمل میں مطابقت پائی ہے اور حقیقی اخوّت کی فضا محسوس کی ہے۔ اس میں ہر ایک کو خواہ نیا آنے والا ہو خدمت کا موقع دیا جاتا ہے اور کسی قسم کی discrimination نہیں ہے، فرق نہیں ہے۔ موصوفہ کی بیٹی جو کہ غیر مسلم ہے وہ سنّی اسلامک سنٹر میں پڑھ رہی تھی، یہ ان کا ہائی سکول تھا۔ عربوں نے وہاں پیسہ خرچ کیا ہوا ہے۔

جب سکول کی ایڈمنسٹریشن کو اس کی والدہ کے جماعت میں شامل ہونے کا پتہ چلا تو اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور جماعت کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے۔ جب سکول والوں کو علم ہوا کہ ان کی بیٹی نے اپنے سکول کے پراجیکٹ کے تحت اپنی ذاتی خواہش سے جماعت کے مشن ہاؤس کے لیے خاص ڈیکوریشن کے pieces بھی تیار کیے ہیں تو اس پر سکول کی انتظامیہ سخت ناراض ہوئی اور اس بچی کو کہا کہ جماعت احمدیہ کی حمایت میں تمہارے لیے سکول میں مشکلات ہوں گی۔ تم اور تمہاری والدہ جماعت سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جب اس کی والدہ کو علم ہوا تو اس نے فوراً بغیر کسی تردّد کے خود ہی اپنی بیٹی کا اس اسلامی سکول سے تبادلہ کروا لیا اور کہنے لگی کہ اب مجھے بھی اور میری بیٹی کو بھی تسکین ہے کہ ہمیں کوئی بھی ہمارے مذہب کی بنا پر تنگ نہیں کرے گا۔ میں نے جماعت کو حق خیال کرتے ہوئے قبول کیا ہے تو پھر میں غیروں کے سامنے بھی خوشی اور فخر سے اس کا اظہار کروں گی خواہ انہیں برا ہی لگے۔ یہ ایمان ہے جو اُن لوگوں میں پیدا ہو رہا ہے۔

بخارا جو رشیا کا علاقہ ہے وہاں ایک مخلص احمدی سنت سلطانووچ صاحب ہیں۔ ازبکستان سے ان کا تعلق ہے

اور رشیا میں ملازمت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں اکیلا ہی احمدی ہوں اور اپنی اہلیہ اور بچے کو اسلام احمدیت کی تعلیمات سے متعارف کراتا رہتا ہوں۔ شوق ہے کہ میرے بیوی بچے بھی احمدی ہو جائیں۔ بہت دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسلام احمدیت کے نور سے منور کرے۔ کہتے ہیں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام **میری خواب میں آئے اور میرے دل** پر سر رکھ کر مسلسل سورۂ اخلاص کی تلاوت فرما رہے ہیں جس سے مجھے بہت ہی دلی سکون ملا۔ اسی طرح میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں اپنی اہلیہ اور بیٹے کے ساتھ موجود ہوں اور وہاں میں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی دیکھا۔ مجھے اس خواب سے یہ اطمینان ملا کہ جنت سے مراد اسلام احمدیت ہے جس کی تعلیم جنت نما ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میری اہلیہ اور بیٹے کو بھی اس جنت میں لے کر آئے گا۔ ابھی اس خواب کو چند دن ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے انیس سالہ بیٹے دیار بیگ سنت کا دل اسلام احمدیت کے لیے کھول دیا اور اس نے بیعت کر لی ہے۔ میرے لیے بڑا خوشی کا دن تھا۔ الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح میری اہلیہ کے دل کو بھی کھولے اور اسلام احمدیت کی آغوش میں لے آئے۔ تو یہ جوش اور جذبہ ہے ان لوگوں کا۔

یوکے کی ایک نومبائعہ ہیں۔ کہتی ہیں۔ میرا مسلمان بیک گراؤنڈ ہے۔ کٹر سنی فیملی سے تعلق تھا۔ کہتی ہیں ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ سنی اسلام ہی اصل اسلام ہے۔ ایک روز کہتی ہیں میں نے اپنی یونیورسٹی کے قریب جلنگھم میں مسجد ناصر میں اذان سنی تو میں نے گھر آ کر اپنے والد کو بہت خوش ہو کر بتایا کہ ہماری یونیورسٹی کے قریب ایک خوبصورت مسجد بھی ہے۔ اس پر میرے والد صاحب نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ تو احمدیوں کی مسجد ہے۔ بہت سختی سے مجھے منع کیا کہ یہ مسجد قادیانیوں کی ہے اور وہ ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے۔ جھوٹ ہے یہ الزام۔ اور انہوں نے اپنا نبی بنایا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے تم اس مسجد سے دُور رہنا۔ کہتی ہیں میں نے شروع میں تو ان کی بات مان لی لیکن میرا دل نہیں مانا۔ مجھے لگا کہ مجھے احمدیوں کے متعلق مزید تحقیق کرنی چاہیے لیکن دوسری طرف گھر والوں کا خوف بھی تھا کہیں پکڑی نہ جاؤں اور پھر وہ ناراض نہ ہوں۔ یونیورسٹی میں چند احمدی طلبہ سے بھی ملاقات ہوئی جن سے اسلام احمدیت کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوتی رہی۔ پہلے میں ان کو یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ سنی اسلام ہی اصل اسلام ہے لیکن اس قسم کی گفتگو سے میرا احمدیت کے متعلق ریسرچ کرنے کا شوق بڑھتا رہا۔

پھر مجھے جماعت احمدیہ کی ویب سائٹ کا پتہ چلا، وہاں بھی مجھے کافی ویڈیوز دیکھنے کو ملیں اور کافی مواد پڑھنے کو ملا۔ میرے اسلام کے متعلق بعض سوالات تھے جن کے مجھے کہیں سے تسلی بخش جوابات نہیں ملتے تھے لیکن جب میں نے جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا تو مجھے میرے مطلوبہ سوالات کے جواب ملنے شروع ہو گئے۔ اب احمدی نوجوانوں کو بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر وہ صحیح طرح علم حاصل کرنے کی کوشش کریں تو جوابات مل جائیں گے بجائے اس کے کہ غیروں سے متاثر ہوتے رہیں۔ بعض نوجوان متاثر ہو بھی جاتے ہیں۔ کہتی ہیں پھر میں نے دعائیں شروع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشان دکھلائے۔ یہ بھی ہدایت کی طرف آنے کا اور صحیح راستہ تلاش کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

چاہے وہ پرانے احمدی ہیں یا نئے، اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہمارا ایمان مضبوط رہے اور ہمیں نشان بھی کوئی دکھا اور ہدایت دیتا رہ۔ تو بہر حال کہتی ہیں اس عرصہ میں مَیں نے بہت سی خوابیں دیکھیں۔ ایک خواب میں مَیں نے دیکھا کہ میں دریا کے کنارے پہ ہوں اور دوسرے کنارے پہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کسی ہال میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر جانا چاہتی ہوں لیکن پانی کا بہاؤ تیز ہے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ خدا اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دریا ختم ہو جاتا ہے اور میں دوسری طرف پہنچ جاتی ہوں۔ اسی طرح ایک خواب میں انہوں نے مجھے بھی دیکھا اور اس حالت میں دیکھا جس سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ ایک اَور خواب میں یہ کہتی ہیں میں نے اپنی دادی کو دیکھا وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ جب اسلام آباد جاؤ تو مجھے بھی یاد رکھنا۔ کہتی ہیں یہ تمام خوابیں میرے لیے واضح نشان تھیں۔ چنانچہ میں نے بیعت کر لی۔ اب اس طرح انگلی پکڑ کر احمدیت کی طرف لے کر آنا اور دل میں ایمان کی مضبوطی پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے تائیدی نشان نہیں تو اَور کیا ہے! پھر دیکھیں افریقہ کا ایک ملک ہے اس کے گاؤں میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق دینے کے بعد پھر کس طرح ایمان میں مضبوطی عطا فرمائی۔

برکینا فاسو کے ڈوری ریجن کی جماعت ٹاکا (Taka) کے ایک احمدی خادم جابر صاحب کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ دہشت گردوں نے پکڑ لیا اور کہا جس طرح کل ہم نے مہدی آباد میں احمدیوں کو مارا ہے تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ پھر ان کا موبائل فون لے کے چیک کیا تو اس میں سے جماعتی مبلغین کی تقاریر ملیں۔ تقاریر سن کر کہنے لگے کہ ہم ان سب کی تلاش میں ہیں کیونکہ یہ ریڈیو پر احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس طرح احمدی خادم سے اس کے والد صاحب کا پتہ پوچھا اور کہا کہ کل ہم تمہارے گاؤں آئیں گے۔ جابر صاحب کو جب یہ پتہ لگا تو وہ گھر آئے اور اپنے والد اور گھر والوں کو لے کر اسی رات محمد آباد جو ڈوری میں ہے اور جہاں جماعت کی آبادی ہے وہاں آ گئے اور اب گھر بار اور سامان وغیرہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا۔ اگلے روز دہشتگرد ان کے گاؤں آئے اور ایک شخص سے زبردستی ان کے گھر کا پتہ معلوم کر کے وہاں پہنچے۔ پورے گھر کی تلاشی لی۔ سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا اور یہ ساتھ کہتے رہے کہ یہاں جو بھی احمدی ہے اسے قتل کر دیں گے۔ بہر حال وہ تو وہاں سے آ گئے تھے اور اس وقت جماعتی انتظام کے تحت وہاں محمد آباد میں مقیم ہیں۔

برکینا فاسو کے شہیدوں نے اپنی جان دے کر وہاں کے احمدیوں کا ایمان کمزور نہیں کیا بلکہ ہر روز ان کے ایمان میں مضبوطی آ رہی ہے۔ اب ان غریب لوگوں نے اپنا تھوڑا بہت جو بھی سامان تھا، گھر میں گھر بار اور جو روزی کا سامان تھا جس پر ان کا انحصار تھا سب کچھ چھوڑ دیا لیکن اپنا ایمان نہیں چھوڑا۔ ان لوگوں کو احمدیت قبول کیے ابھی چند سال گزرے ہیں لیکن ایمان میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اَور ہستی نہیں جو اس طرح ان کے ایمانوں کو مضبوط کر رہی ہے۔ ایک طرف تو احمدیت کی مخالفت کے باوجود ایمان کی مضبوطی کے ہم نظارے دیکھتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کثرت سے نظر آتا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے کے لیے کھول رہا ہے۔ آپؑ نے فرمایا یہ وقت ہے تلاش کرو اللہ تعالیٰ بھی

پھر اس میں مدد کرتا ہے۔

سینٹرل افریقہ میں ایک جگہ ہے یلوکے (Yaloke)۔ وہاں معلم کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ کے لیے گئے تو وہاں ڈیڑھ سو افراد مرد وزن تبلیغ سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے نشانات پر تقریر کی اور بعد میں سوال و جواب کیے گئے۔ وہاں کے سینٹرل امام سَامَسَہ عمر (Samasa Omer) صاحب نے بات کرنے کی اجازت چاہی اور اپنی بات کا آغاز اس آیت سے کیا کہ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل:82) اور پھر کہا کہ آپ نے جو پیغام دیا ہے ہم نے نہ کبھی سنا اور نہ ہی ریسرچ کی۔ الحمدللہ کہ آج ہمارے گاؤں میں سچائی آ گئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام جب آئے تو فوراً قبول کر لینا آج میں خود اور میرے چالیس ساتھی جماعت احمدیہ مسلمہ میں داخل ہوتے ہیں اور کہنے لگے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سچائی پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ تو اس طرح لوگ شامل ہو رہے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ مخالفین کو بھی کس طرح جماعت کی طرف کھینچ کر لے آتا ہے، اس کے بھی بے شمار واقعات ہیں۔ مالی کی کولی کَوْرَوریجن ہے، وہاں کی ایک جگہ ہے نمنا۔ کہتے ہیں اس سال وہاں کولی کورو جماعت نے اپنا ریجنل جلسہ منعقد کیا تو اس سے پہلے ریڈیو پہ اعلان کیے گئے۔ اس گاؤں کے دُور ہونے کی وجہ سے کبھی ریڈیو ادھر سنائی دیتا ہے کبھی نہیں دیتا لیکن ان دنوں ریڈیو وہاں سنائی دیا اور ایک غیر احمدی دوست صدیق جَرَیٰ صاحب نے سن کے جلسہ میں شمولیت کا ارادہ کر لیا۔ ان کے ساتھ ان کے ایک دوست تھے جو ان کو احمدیت کی تعلیمات کو نہ سننے پر قائل کرتے رہتے تھے۔ کہتے رہتے تھے کہ احمدیت کو نہ سنا کرو یہ تو کافر لوگ ہیں لیکن بہرحال ان کے اصرار پر یہ دونوں دوست جلسہ پر آ گئے اور اسّی کلو میٹر کا فاصلہ مصیبتوں سے طے کیا۔ سڑکیں تو وہاں ہیں نہیں۔ بہرحال پوچھتے پوچھاتے جلسہ سے دو دن پہلے جلسہ کی جگہ پر پہنچ گئے۔ مقامی صدر صاحب نے اور احباب جماعت نے ان کی مہمان نوازی کی۔ جلسہ سے قبل ہی ان کو احمدیت کے بارے میں تعارف ہو گیا۔

جلسہ کے دنوں میں انہوں نے تقاریر سنیں۔ باجماعت تہجد کی ادائیگی اور ممبران جماعت کا آپس میں پیار اور خلوص کا تعلق دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔ جلسہ کے آخری دن جب ان کو بطور مہمان اپنے تاثرات کا اظہار کرنے کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے احمدیت قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے فوراً بعد ان کے ساتھی نے کچھ بیان کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ **حقیقت میں مَیں اپنے دوست کو بدظن کرنے آیا تھا لیکن اب میں خود احمدیت کا قائل ہو گیا ہوں** اور اس نے بھی احمدیت قبول کر لی۔

کانگو برازاویل یہ بھی افریقہ کا ایک ملک ہے۔ ایک نوجوان سِیرِیل صاحب نے ایف اے کی، ہائر سیکنڈری سکول کی تعلیم مکمل کی اور ایک گاؤں کے کیتھولک مشنری سے عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی اور اس مشنری تعلیم کے بعد اس نے چرچ کے ذریعہ سے ہی یونیورسٹی جانا تھا۔ اس دوران اس کا رابطہ ہمارے مقامی مبلغ کے ساتھ ہو گیا۔ کہتے ہیں اس کو ہم نے تبلیغ شروع کی۔ اس نے دیکھا کہ جماعت احمدیہ کے دلائل کا اس کے پاس، نہ ہی اس کے ٹیچر مشنری کے پاس کوئی جواب ہے۔ اس طرح اس نے عیسائی مشنری بننے کی بجائے بیعت کر کے جماعت

احمدیہ میں شمولیت اختیار کر لی اور اب بطور داعی الی اللہ احمدیت کی تبلیغ کر رہا ہے۔

سینیگال کا ریجن تامبا کونڈا ہے۔ وہاں کے ایک علاقے میں تبلیغ کا پروگرام بنایا گیا۔ کہتے ہیں وہاں چند سال قبل ایک شخص نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ احمدیت قبول کی تھی لیکن گاؤں کے لوگ مخالفت کر رہے تھے۔ اس سال گاؤں کے چیف اور امام سے بار بار ملاقات کر کے تبلیغی پروگرام بنایا گیا۔ گردونواح کے گاؤں کے چیف اور اماموں کے ساتھ عام لوگوں کو بھی دعوت دی گئی۔ معلمین نے اسلام کی موجودہ حالت، مسیح موعود کی ضرورت، اور کیا اس زمانے میں ضرورت بھی ہے؟ مسیح موعود کی آمد اور اسلام کی ترقی میں جماعت احمدیہ کا کردار کے عناوین پر تقاریر کیں۔ بعد ازاں سوال و جواب ہوئے۔ قریبی گاؤں سے جو لوگ آئے تھے کہنے لگے کہ انہوں نے احمدیت کا نام ہمسایہ ملک گیمبیا میں سنا تھا مگر وہ عقائد وغیرہ کے متعلق نہیں جانتے تھے۔ آج اس جلسہ میں جماعت کے عقائد کے متعلق وضاحت سن کر بغیر کسی سوال کے انہوں نے احمدیت میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد گاؤں کے امام نے کھڑے ہو کر احمدیت کی سچائی کا اعلان کیا۔ اس کے دیہات کے چیف نے اپنی فیملی کے ساتھ احمدیت میں داخل ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ اگر کسی کو بھی تمام حاضرین میں سے کوئی شک ہے تو یہاں بیان کر دے ورنہ بعد میں کوئی حیلہ بہانہ نہیں ہو گا۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے اپنے خاندانوں سمیت احمدیت میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ پکڑ پکڑ کر بھی لاتا ہے۔

ازبکستان جو رشین سٹیٹس میں سے ایک ملک ہے۔ وہاں مُسْلِمُوْ منصور صاحب نومبائع ہیں۔ کہتے ہیں پہلے میں امام ابو حنیفہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک دن میرا دوست عربی سیکھنے کی غرض سے مجھے ایک احمدی استاد کے پاس لے گیا۔ میں عربی سیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے استاد سے اسلام کے متعلق بھی سوالات پوچھتا رہا۔ مجھے اتنے اچھے جوابات ملتے کہ میرا دل مطمئن ہو جاتا تھا۔ اگر صحیح جواب لینے ہیں، دل کو لگنے والے منطقی جواب بھی ہوں اور حقیقت بھی ہو تو وہ سوائے جماعت احمدیہ کے کہیں اَور مل نہیں سکتے کیونکہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جوابات دیے ہیں، ان کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہتے ہیں جب میں ان سے پوچھتا کہ ان جوابات کے اصل چشمے کہاں ہیں؟ اس چشمے کا تعلق کہاں سے ہے؟ اصل کہاں سے مل سکتے ہیں؟ تو ہمارے استاد نے ہمیں جماعت احمدیہ کا تعارف کروایا۔ کہتے ہیں میرا دل تو پہلے ہی مطمئن ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس راہ میں ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف لوگوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ثابت فرماتا ہے **بلکہ خلافت احمدیہ کے نظام کے ساتھ اپنی تائیدات** کے نظارے بھی دکھاتا ہے اور خواب کے ذریعہ پہلے ہی انہیں مضبوط کر دیتا ہے۔

سینیگال میں ریجن تامبا کونڈا ہے۔ وہاں کے معلم تبلیغی دورے پہ گئے۔ کہتے ہیں معلمین نے یہاں تبلیغ شروع کی، جماعت کا تعارف کرایا تو ایک دوست محمد جیالو نے کہا کیا آپ احمدیہ جماعت سے ہیں؟ معلم صاحب نے اثبات میں جواب دیا تو جیالو صاحب نے کہا کہ گذشتہ روز ہی اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس کے خواب میں آئے اور اس سے کہتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقوں میں سے فرقہ احمدیہ ہی سچا اور صحیح اسلام کا ترجمان ہے تم

اس میں داخل ہو جاؤ۔ اب اگلے ہی دن آپ لوگ آ گئے ہیں تو بہر حال اس میں کچھ سچائی یقیناً ہو گی۔ معلم صاحب نے اس کو موبائل سے خلفاء کی تصویریں دکھائیں۔ میری تصویر بھی ان کو دکھائی اور میری تصویر دیکھ کر انہوں نے بتایا کہ یہی شخص ہے جو مجھے خواب میں آیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میں جماعت احمدیہ کا خلیفہ ہوں۔ یہ واقعہ سنا کر اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور وہیں اپنے خاندان سمیت انہوں نے بڑے جذباتی ہو کر احمدیت میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔ اب وہ تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ پھر خواب کے ذریعہ ہی قبول احمدیت کا ایک اَور واقعہ ہے۔

کانگو کنشاسا بالکل ایک اَور ملک اور کئی سینکڑوں میلوں کا فاصلہ ہے۔ وہاں ایک جگہ کے صدر جماعت باسم منیر صاحب ہیں۔ عیسائیت سے احمدی ہوئے تھے۔ کہتے ہیں جب جماعت کے مبلغین یہاں تبلیغ کے لیے آئے تو میں اسلام کو دہشت گرد مذہب سمجھتا تھا۔ یہی پروپیگنڈا ہے ناں غیر مسلموں کا اسلام کے بارے میں۔ لیکن جس اسلام کی باتیں احمدی مبلغ کرتے تھے وہ میرے لیے عجیب تھا اور عیسائیت سے میں ویسے ہی اکتا چکا تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں بہت پریشان تھا۔ چنانچہ میں نے دعا کرنی شروع کر دی۔ اسی دوران ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ آ کر کہتے ہیں کہ ان کو چھوڑ دو اور اس طرف آ جاؤ۔ اس بات کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سمجھائی کہ تم عیسائیت کو ترک کر کے احمدیت کی طرف آ جاؤ۔ چنانچہ میں نے بیعت کر کے احمدیت میں شمولیت اختیار کر لی۔

چاڈ افریقہ کا ایک اَور ملک ہے اور یہاں کا ایک اَور واقعہ ہے۔ عبداللہ محمد موسیٰ جو عرب قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، کہتے ہیں ہمارے یہاں کے مبلغ انچارج نے لکھا کہ چند ماہ پہلے ہمارے لوکل معلم کی ان سے ملاقات ہوئی۔ معلم صاحب ہیومینٹی فرسٹ کے کام کے سلسلہ میں ان کے علاقے میں بھی گئے۔ جب معلم صاحب دوسری دفعہ ان کے علاقے میں گئے تو ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی جو عربی ترجمہ میں تھی پڑھنے کے لیے دی۔ کچھ ہفتوں کے بعد عبداللہ صاحب دارالحکومت چاڈ میں آئے اور معلم سے رابطہ کیا اور وفاتِ مسیح کے متعلق سوالات کیے اور کہا کہ میں نے حیاتِ مسیح کے متعلق علماء سے بہت پوچھا ہے لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ رات کو قیام معلم صاحب کے پاس کیا۔ رات بھر جماعت احمدیہ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سوالات کرتے رہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری راہنمائی فرمائے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سوئے اور اچانک بیدار ہو گئے اور معلم صاحب کو کہنے لگے جب میں سو رہا تھا تو خواب میں یہ آواز میں نے سنی۔ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف:7) معلم صاحب نے جب اس آیت کے متعلق بتایا کہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ تو بانی جماعت احمدیہ کی صداقت کی دلیل ہے تو اس پر عبداللہ صاحب کہنے لگے **خدا تعالیٰ نے میری راہنمائی کر دی ہے** اور عربی پڑھے لکھے تھے۔ بہر حال انہوں نے بتایا کہ اس آیت کا ایک یہ بھی مطلب ہے تو وہ احمدی ہو گئے۔

مارشل آئی لینڈز بالکل امریکہ کے علاقے کا ایک جزیرہ ہے۔ وہاں کے مبلغ لکھتے ہیں کہ ہرمن لاجر (Hermon Lajar) صاحب ایک کالج میں پڑھاتے تھے۔ قرآن کریم کی ایک آیت کا مارشلی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت تھی تو اس کے لیے مبلغ صاحب نے ان سے رابطہ کیا۔ ترجمہ کے لیے جب وہ ان کے پاس گئے اور

انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کریم کی آیت ہے تو گھبرا گئے کہ اسلام ان کے لیے بالکل نیا تھا۔ کہنے لگے کہ کسی بھی مذہبی چیز کا ترجمہ کرنے سے خوف محسوس کرتا ہوں خاص طور پر اس لیے کہ بائبل اور قرآن کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ بہرحال انہوں نے ترجمہ کر دیا۔ کہتے ہیں چند ماہ بعد میں نے ان سے مارشلی زبان سیکھنا شروع کر دی۔ وہ زبان سکھانے کے لیے مسجد آتے رہے۔ اس دوران کئی بار اسلام کے بارے میں بات ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے متعارف کروانا جس پر موصوف اسلام کی تعلیمات سے بہت اچھی طرح واقف ہو گئے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ میں نے مارشل آئی لینڈ کے مبلغ کو یہ پیغام بھیجا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ”ہماری تعلیم“ کا مارشلی زبان میں ترجمہ کرو۔ کیونکہ نئے احمدیوں کے لیے تربیت کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے، تو کہتے ہیں میں نے پھر لاجر صاحب سے اس بارے میں بات کی اور انہوں نے مدد کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ **اب کہتے ہیں کہ ان کا اسلام کے بارے میں روّیہ بالکل بدل چکا تھا۔** اس بار انہوں نے اپنی نوکری کی پریشانی کے بارے میں ذکر کیا۔ پھر میں نے کہا کہ دعا کریں مگر عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ چنانچہ وہ دعا کرتے رہے اور چند ہفتے بعد منسٹری آف کلچر نے ان کو ایک نئی ڈیپارٹمنٹ کھول کے ان کے فیلڈ میں نوکری دے دی۔ جہاں انہوں نے اپلائی کیا تھا وہاں ان کو فوراً نوکری مل گئی۔ موصوف نے بتایا کہ اب جب میں دعا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لینے سے روکتا ہوں اور اس کے بجائے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو ملازمت کی منظوری بھی آگئی۔ قبولیت دعا کا یہ نشان دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ پڑھ کر لاجر صاحب نے بیعت کر لی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ”ہماری تعلیم“ کا مارشلی میں ترجمہ بھی تکمیل تک پہنچ گیا۔ کس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف پھیر رہا ہے۔ کہاں تو عیسائیت دنیا میں اپنے جھنڈے گاڑنے کی باتیں کرتی تھی اور کہاں اب عیسائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے آ رہے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر بھی ان نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو پھر ان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے جماعت احمدیہ کے ذریعہ جو کام کروا رہا ہے اس نے تو ان شاء اللہ تعالیٰ پھیلنا اور پھلنا اور پھولنا ہے۔ کوئی نہیں جو اس خدائی کام کو روک سکے لیکن ہر احمدی کو اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے کہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کو مان لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا کرنی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کا حقیقی نمونہ ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے کی عملی تصویر ہوں۔ اور جب یہ ہو گا تو تب ہی ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بھی بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

فلسطینیوں کے لیے بھی دعائیں کرتے رہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس ظلم سے نجات دے جو اُن پر ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ اب چند دن کے لیے جنگ بندی ہے تا کہ ضروریاتِ زندگی کی مدد پہنچ سکے لیکن اس کے بعد پھر کیا ہو گا۔ مدد پہنچا کے پھر ان کو ماریں گے۔ اسرائیل کی حکومت کے ارادے تو خطرناک لگتے ہیں کیونکہ ان کی حکومت کے

ایک خاص مشیر نے کل پرسوں ایک اعلان یہ کیا ہے کہ اگر اس جنگ بندی کے بعد پھر فوری جنگ نہ شروع کی گئی تو میں حکومت سے نکل جاؤں گا۔ تو اس قسم کی تو ان کی سوچیں ہیں۔ بڑی طاقتیں ہمدردی کی بظاہر باتیں تو کرتی ہیں لیکن انصاف کرنا نہیں چاہتیں اور اس معاملے میں سنجیدہ ہی نہیں ہیں۔ ان کو یہ علم نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ وہیں تک محدود رہے گی لیکن ان کے جو عقلمند ہیں وہ بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ یہ جنگ صرف ان علاقوں میں محدود نہیں رہے گی بلکہ باہر بھی پھیلے گی اور ان کے ملکوں تک بھی پہنچ جائے گی۔ مسلمان حکومتیں اگر کچھ بولنا شروع ہوئی ہیں جس طرح سنا ہے سعودی بادشاہ نے بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کی ایک آواز ہونی چاہیے تو ایک آواز بنانا پڑے گی۔ اس کے لیے ایک ٹھوس کوشش کرنی پڑے گی۔ اگر یہ احساس پیدا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس احساس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ بہرحال دعاؤں کی طرف بہت توجہ دیں۔

نماز کے بعد میں چند جنازے غائب پڑھاؤں گا۔ پہلا ذکر ہے عبدالسلام عارف صاحب مربی سلسلہ کا۔ چوّن سال کی عمر میں گذشتہ دنوں یہ وفات پا گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ان کے خاندان میں احمدیت ان کے پڑنانا مکرم حاجی حسن خان کے ذریعہ آئی جنہوں نے 1937ء میں خلافتِ ثانیہ کے دَور میں احمدیت قبول کی تھی۔ ان کی اہلیہ کی بھی وفات ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹوں سے نوازا اور دونوں حافظ قرآن ہیں۔ ایک مربی سلسلہ ہیں اور دوسرے بھی میرا خیال ہے واقفِ زندگی ہیں۔

ان کے بیٹے حافظ عبدالمنعم جو مربی سلسلہ ہیں کہتے ہیں بہت پیار کرنے والے تھے۔ پیار سے تربیت کی۔ نہ صرف اپنی اولاد سے پیار کیا بلکہ برادری سے بھی صلہ رحمی اور محبت کا بہت تعلق تھا۔ لوگوں سے بھی بہت پیار کا تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ان کی وفات پر آئے اور اپنے تعلقات کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں ہمارے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلافت کی محبت اس قدر راسخ کی کہ اب ہمارے دلوں سے کبھی یہ نکل نہیں سکتی بلکہ ہمیں یہ بھی کہا کہ اپنی اولاد کو بھی تلقین کرتے چلے جانا۔ کہتے ہیں والدہ کی وفات ہوئی تو خود بھی بڑا صبر کیا اور ہمیں بھی صبر کی تلقین کی۔

ان کے ایک مربی دوست راجہ مبارک صاحب ہیں کہتے ہیں میں ان کا کلاس فیلو تھا اور اکثر وقت ان کے ساتھ جامعہ میں بھی اور فیلڈ میں بھی گزارا اور ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ عبادت میں بھی اعلیٰ مقام، بزرگی میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ نہایت مہذب زبان استعمال کرتے۔ دلیل سے بات کرتے، کبھی کسی سے نہ لڑتے۔ لوگ ان سے لڑ لیتے، زیادتی بھی کر لیتے لیکن وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے۔ کبھی ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش نہیں کی اور ہر کسی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور یہی ایک حقیقی مربی کی خصوصیت ہے۔ اور کہتے ہیں جہاں جہاں بھی وہ رہے سینکڑوں افراد کے اندر خلافت سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری۔ اتنی گہرائی میں جا کر انہوں نے تربیت کی ہے کہ ان کی وفات پر جہاں جہاں بھی وہ رہے لوگ آئے اور مربی صاحب کا ذکر کر کے دھاڑیں مار مار کر روتے تھے کہ ہماری جماعت یتیم ہو گئی۔ خود کئی کئی میل کا پیدل سفر کرتے تھے۔ پانچ دس کلومیٹر کا سفر پیدل کر لیتے تھے اور جب ان کو کہا جاتا تھا کہ جماعت سہولت دیتی ہے کرایہ رکشہ وغیرہ لے لیا کریں تو کہتے

اگر میں جماعت کے پیسے بچاتا ہوں تو تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ اور پیدل دورے کیا کرتے تھے، میلوں میل دورے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ایسے باوفا اور محنتی مربی اللہ تعالیٰ جماعت کو ہمیشہ دیتا رہے اور بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

دوسرا ذکر محمد قاسم خان صاحب کا ہے جو آجکل کینیڈا میں تھے۔ سابق نائب ناظر بیت المال خرچ تھے۔ ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ ترا سی سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ نذر احمد خان صاحب کے بیٹے اور قاضی محمد نذیر لائلپوری صاحب کے داماد تھے۔ ان کے بیٹے محمد خالد خان کہتے ہیں ان کو خلافت کے چار دَور دیکھنے کی توفیق ملی۔ خلافتِ ثالثہ کے پورے دَور میں پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں خدمت کی توفیق ملی۔ مجاہد فورس میں بطور کپتان ملک اور جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔ جنگ کے دنوں میں فرقان فورس بھی بنی تھی وہاں بھی یہ تھے۔ پنجوقتہ نماز، تلاوت قرآن کریم کا التزام بہت زیادہ تھا۔ اولاد کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ سادگی اور ایمانداری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اولاد کو بھی خلافت سے تعلق رکھنے کی تاکید کرتے رہے۔ خلافت کے لیے ایک ننگی تلوار تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

گذشتہ دنوں ہمارے جماعت کے مشہور شاعر عبدالکریم قدسی صاحب کی وفات ہوئی ہے۔ ایک ذکر ان کا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم کے خاندان میں احمدیت ان کے والد میاں اللہ دتہ صاحب کے ذریعہ آئی تھی جنہوں نے 1934ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر احمدی ہونے کے بعد ساری زندگی وقف کی طرح گزاری۔ ہمیشہ تبلیغ کرتے رہے۔ بہت سے خاندان احمدی کیے اور ساری عمر وقف کی روح کے ساتھ جماعت کی خدمت کی۔

ان کی اہلیہ بشریٰ کریم صاحبہ ہیں جن کا نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھایا تھا۔ اور ان کے چار بچے ہیں ایک بیٹے عبدالکبیر قمر صاحب مربی سلسلہ ہیں آجکل استاد جامعہ احمدیہ ربوہ ہیں۔ خود قدسی صاحب بھی جماعت کی خدمت کرتے رہے۔ تیس سال تک جماعت احمدیہ رچنا ٹاؤن ضلع لاہور کے سیکرٹری مال رہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف شعبوں میں کام کیا۔ ان کی شاعری تو اچھی تھی۔ کافی شعر کہتے تھے۔ مجموعہ بھی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام چھپ چکا ہے۔ ایک غیر معمولی کام جو ان کا ہے وہ قصیدہ یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ کا منظوم اردو ترجمہ اور پنجابی ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ درّ ثمین کے تین سو تیرہ اشعار کا پنجابی ترجمہ بھی انہوں نے کیا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں ان کو جنون چڑھا کہ جماعت سے ذرا آزاد ہونا چاہیے تو خود ہی لکھتے ہیں کہ 1968ء میں اپنے گاؤں کرتو پنڈوری سے لاہور ملازمت کے لیے آیا اور یہاں آیا تو پھر سیکولر سوچوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملنے لگا۔ نمازیں پڑھتے تھے۔ کبھی مسجد میں جاتے، کبھی نہیں کیونکہ مسجد دُور تھی۔ جمعہ کبھی کہیں پڑھ لیا، کبھی نہ پڑھا۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ایک جمعہ پر ایک دوست کے گھر دعوت تھی۔ ساتھ والی مسجد غیر احمدیوں کی تھی۔ وہاں جمعہ پڑھنے چلے گئے۔ مولوی کا حال جو انہوں نے سنایا وہ آج بھی یہی ہے۔ تو مولوی صاحب نے آدھا خطبہ شیزان کے خلاف دیا۔ شیزان جو ہے احمدیوں کی ہے۔ مشروب ہے۔ احمدی کارخانوں میں بنتا ہے۔ بہرحال کہتے ہیں باقی باتوں کے علاوہ یہ

بھی کہا کہ وہ لوگ اس میں خاکِ ربوہ بھی ملاتے ہیں یعنی ربوہ کی جو مٹی ہے وہ شیز ان میں ملاتے ہیں اس لیے یہ بالکل نہیں پینا چاہیے۔ کہتے ہیں میں نے اس کا خطبہ تو سن لیا لیکن نماز پڑھے بغیر میں بھاگ گیا۔ دوست کہنے لگا کیا ہوا؟ میں نے کہا تم نے مولوی کی بکواس نہیں سنی۔ کہنے لگا چھوڑو یہ باتیں تو کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد کہتے ہیں باہر نکلے تو ایک دکان پہ دیکھا کہ مولوی صاحب کھڑے شیز ان پی رہے تھے۔ کہتے ہیں مجھ سے نہیں رہا گیا۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا آپ تو ابھی شیز ان کے خلاف بڑا کچھ بول کے آئے ہیں، اب خود پی رہے ہیں؟ کہتا ہے ڈاکٹر نے مجھے کہا ہے سکرین والا کوئی مشروب نہیں پینا۔ شیز ان پینے کی ہدایت کی ہے۔ یہ خالص ہوتی ہے اس لیے میں دوائی سمجھ کے پیتا ہوں۔ تو میں نے کہا وہ ربوہ کی مٹی ملانے والی بات کیا ہوئی؟ تو قہقہے لگا کے مولوی صاحب کہتے کہ ایسے تڑکے نہ لگائیں تو ہماری دکانداری کیسے چلے؟ دکانداری کا الزام ہم پہ اور چلا اپنی دکانداری رہے ہیں۔ بہر حال ان کے بہت سارے ایسے واقعات ہیں۔ خلافت سے بے انتہا ان کا تعلق تھا۔ پھر اپنی اولاد اور اپنی نسل میں بھی اس تعلق کو منتقل کرنے کی انہوں نے کوشش کی اور جیسا کہ میں نے کہا جماعت کے مشہور شاعر تھے اور اسی بات کو بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ جماعتی مشاعروں میں پڑھتے بھی تھے اور جماعت کے بارے میں ان کو بے شمار نظمیں لکھنے کا بھی موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

اگلا ذکر ہے میاں رفیق احمد گوندل صاحب یہ بھی گذشتہ دنوں اکاسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ ان کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے دادا حضرت میاں خدا بخش صاحب گوندل آف کوٹ مومن کے ذریعہ ہوا۔ اپنے خاندان میں وہ اکیلے احمدی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں جب طاعون پھیلی ہے تو ان کو بھی طاعون کی گلٹیاں نکل آئیں۔ اب نشانات کا ذکر ہو رہا ہے تو یہاں ان کا یہ واقعہ بھی ایک نشان ہے۔ وہ اس کا علاج کروانے بھیرہ جایا کرتے تھے۔ بھیرے میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عبارت پڑھی کہ جو میری چار دیواری میں داخل ہو گا وہ بچایا جائے گا۔ وہ واپس گھر آئے اور بتایا کہ میں قادیان جا رہا ہوں۔ جب قادیان پہنچے تو وہاں مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف فرما تھے اور کچھ لکھ رہے تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ کچھ بات کریں لیکن حضرت اقدس علیہ السلام کی مصروفیت کی وجہ سے بول نہیں سکے۔ بہر حال جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فارغ ہوئے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ میں آپؑ کی طاعون سے محفوظ رہنے والی بات کہ جو اس گھر کی چار دیواری میں داخل ہو گا وہ طاعون سے محفوظ رہے گا سن کر آپؑ سے ملنے آیا ہوں۔ بہر حال وہاں بات ہوئی تو انہوں نے بیعت کر لی اور بیعت کے بعد ان کی گلٹیاں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ اس بات کو بھی آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک نشان سمجھتے تھے اور بیان کیا کرتے تھے۔ خود میاں رفیق گوندل صاحب اور ان کے بیٹے کو ایک دفعہ طلبہ نے لاہور میں پکڑ لیا اور خوب مارا۔ جب لڑکے ان کے بیٹے کی پٹائی کر رہے تھے۔ یہ گھر سے باہر نکلے اور ان کو بچانے کی کوشش کی تو یہ خود بھی زخمی ہوئے اور ان کا بازو بھی ٹوٹا تو بہر حال جماعت کی خاطر انہوں نے مار بھی کھائی۔ یہ ملک عمر علی صاحب کھوکھر کے داماد تھے اور ملک عمر علی صاحب کی پہلی اہلیہ حضرت میر اسحٰق

صاحبؓ کی بیٹی تھیں تو ان کی اہلیہ حضرت میر اسحٰق صاحبؓ کی نواسی تھیں۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا بیٹی امریکہ میں ہیں۔ ایک بیٹی ان کی رفعت سلطانہ ڈاکٹر مشہود احمد ہیں جو ربوہ فضل عمر ہسپتال میں کام کر رہے ہیں ان کی اہلیہ ہے۔

آپ کی اہلیہ نے لکھا کہ نمازوں اور تہجد کے پابند تھے۔ غریبوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

آخری ذکر مکرمہ نسیمہ لئیق صاحبہ امریکہ کا ہے۔ یہ مکرم سید لئیق احمد صاحب شہید ماڈل ٹاؤن لاہور کی اہلیہ تھیں۔ ان کی بھی گذشتہ دنوں میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ بھاگل پور ہندوستان میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے والد ابوالحسن صاحب احمدی نہیں تھے اور ان کی والدہ امۃ الوراع صاحبہ نے خود بیعت کی اور احمدیت میں شامل ہوئیں۔ اس زمانے میں کم از کم یہ تھا کہ اگر عورتوں نے بیعت کی تو بعض خاوند ایسے شرفاء، شریف لوگ تھے جو عورتوں کو، اپنی بیویوں کو زور نہیں دیا کرتے تھے کہ کیوں احمدی ہوئی۔ بہرحال والدہ احمدی ہوئیں اور والدہ کے پختہ ایمان اور خلافت سے مضبوط تعلق کی وجہ سے بیٹیوں کی شادیاں بھی انہوں نے احمدی گھرانوں میں کیں۔ یہ سب بہنیں احمدی ہیں۔

ان کی بیٹی حمیرا صاحبہ امریکہ میں رہتی ہیں۔ کہتی ہیں جماعت اور خلافت کے ساتھ کامل طور پر وابستہ رہیں۔ اپنی زندگی دینی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی اور جماعت کے سچے جذبہ محبت اور انسانیت کی عکاسی کی۔ ان کا دل ہمدردی سے لبریز تھا، خاص طور پر نادار لوگوں کے لیے اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کی زندگیوں پر مثبت اثر ڈالنے کے لیے انتھک محنت کرنے والی تھیں۔

نزہت صاحبہ ان کی ایک بیٹی ہیں۔ یہ یہاں والسال یوکے میں رہتی ہیں۔ کہتی ہیں انتہائی مخلص، خلافت کی وفادار، نظام جماعت کی پابند تھیں۔ انتہائی نڈر خاتون جو حق بات کہنے والی اور کبھی اس سے پیچھے نہیں ہٹتی تھیں۔ بدرسومات اور بدعات کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور اپنے بچوں کو بھی اس حوالے سے ہمیشہ تلقین کرتی تھیں کہ ایک احمدی مسلمان کو ہر طرح کی لغویات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ ان کے ایک بیٹے امریکہ میں ڈاکٹر ہیں وہ ہمارے دَوروں کے دوران ساتھ بھی رہتے ہیں۔ بڑے خدمت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 15/دسمبر 2023ء جلد 30 شمارہ 251 صفحہ 02 تا 07)

48

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 01 دسمبر 2023ء بمطابق 01 فتح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورہ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے حوالے سے کچھ بیان کروں گا۔ آپؐ کی شخصیت کے پہلو اور آپؐ کا اسوہ ان حالات میں کس طرح ہمارے سامنے آتا ہے۔ جنگ بدر کے حوالے سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح آپؐ نے قیدیوں کو سہولتیں مہیا فرمائیں۔ قیدی خود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کہ قیدیوں سے بہتر سلوک کرو صحابہؓ اپنی خوراک سے بہتر خوراک ہمیں دیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب ان قیدیوں کی رہائی کا معاملہ آیا تو بڑی آسان شرائط پر ان کو رہا کر دیا۔ بعض کا فدیہ تو صرف اتنا تھا کہ جن کو لکھنا پڑھنا آتا ہے وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ آپؐ کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ **یعنی آپؐ کے دل میں ان کے لیے کسی ذاتی دشمنی کے جذبات نہیں** تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے والوں کے خلاف جنگ تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانا چاہتے تھے ان کے خلاف جنگ تھی۔ بعض لوگ دشمن کی طرف سے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے شامل ہوتے تھے۔ ایسی بھی کئی مثالیں ہیں۔ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے لڑیں لیکن مجبوری تھی۔ ان کو آپؐ نے بہت سی سہولتیں مہیا فرمائیں۔ بعد میں ان میں سے بہت سے مسلمان بھی ہو گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **جنگ کے اصول و قواعد مقرر فرمائے۔ معاہدوں کا بھی پاس کیا** اور ان چیزوں پر انتہائی درجہ تک عمل بھی کیا۔ آجکل کی دنیا کی طرح نہیں کہ اصول وضوابط تو بے شمار بنائے ہیں لیکن عمل کوئی نہیں بلکہ دوہرے معیار ہیں۔ آپؐ کی زندگی تو قرآن کریم کے احکام کی عملی تفسیر تھی جہاں عدل و انصاف اور امن کا قیام بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المائدۃ:9) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اس تعلیم کی روشنی میں ہر پہلو پر حاوی اور اس کے اعلیٰ معیار قائم کرنے والا تھا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ آپؐ کے غزوات میں آپؐ کا طریق اور اسوہ کیا تھا۔ اس بارے میں جنگ بدر کے علاوہ باقی

غزوات کے بارے میں بھی بیان کروں گا۔ ان میں سریات بھی آجاتے ہیں یعنی وہ جنگیں جو آپؐ نے اپنی زندگی میں دوسروں کی سرکردگی میں اور دوسروں کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرمائیں۔ بہرحال یہ لمبی تاریخ ہے اس لیے اس میں بھی شاید چند خطبات لگیں۔

آج احد کے حوالے سے کچھ بیان کروں گا۔ جیسا کہ واقعات ثابت کرتے ہیں یہ جنگ بھی دشمن نے اپنی دشمنی کی آگ کی وجہ سے شروع کی تھی اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی جنگ کے لیے نکلنا پڑا۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ معرکہ بدر کے ایک برس بعد شوال 3 ہجری میں بروز ہفتہ پیش آیا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غزوہ احد شوال 3 ہجری میں پیش آیا البتہ ایک قول یہ بھی ہے اور یہ شاذ قول ہے کہ یہ غزوہ 4 ہجری میں پیش آیا۔ شوال کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ زیادہ تر 7 اور 15 شوال کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن حزم، ابن خیّاط اور طبری وغیرہ نے صرف 15 شوال کا قول نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جمعہ کے روز بعد نماز عصر روانہ ہوئے اور بروز ہفتہ سورج بلند ہونے سے قبل میدان احد پہنچے۔ احد مدینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 456 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

(سیرۃ الحلبیہ مترجم جلد 2 نصف آخر صفحہ 132 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

جبل احد موجودہ مسجد نبویؐ سے تقریباً چار کلو میٹر شمال کی سمت ہے۔ آجکل مدینہ منورہ کی آبادی کہتے ہیں اس پہاڑی کے دامن تک پہنچ چکی ہے بلکہ اس کے ارد گرد بھی پھیلی ہوئی ہے۔ احد پہاڑ حرم میں داخل ہے۔ احد شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے جس کی لمبائی چھ کلو میٹر بنتی ہے اور اس پہاڑی کا رنگ سرخی مائل ہے۔

(اٹلس سیرت النبیؐ صفحہ 245 مطبوعہ دار السلام ریاض)

(ماخوذ از اردو دائرہ معارف جلد 2 صفحہ 31، پنجاب یونیورسٹی لاہور)

سیرت خاتم النبیینؐ میں غزوۂ احد کی تاریخ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے پندرہ شوال تین ہجری 31 مارچ 624 عیسوی بروز ہفتہ بیان کی ہے۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 487)

اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ جب غزوہ بدر میں قریش کو ایک عبرتناک شکست ہوئی تو قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے جیسے عبداللہ بن **ابی ربیعہ، عِکْرِمَہ بن ابوجہل** اور صَفْوَان بن امیہ، اسود بن مُطَّلِب، جُبیر بن مُطْعَم، حارث بن ہشام، حُوَیطِب بن عبدالعُزّٰی اور قریش کے کچھ دوسرے سرکردہ ابوسفیان کے پاس آئے جن کا اس تجارتی قافلے میں مال تھا جو جنگ بدر کا سبب بنا تھا۔ یہ تجارتی مال مکہ میں لا کر حسب دستور دارالندوہ میں رکھ دیا گیا اور ان کے مال کو ان تک نہیں پہنچایا گیا کیونکہ جب یہ مال ابوسفیان لے کر آیا تو مکہ کے لوگ جنگ بدر کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جنگ بدر کے کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے آکر ابوسفیان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے بے شمار آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس لیے اس مال تجارت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ لڑنے کے لیے جنگ کی تیاری کریں۔ ممکن ہے ہم اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ پھر ان لوگوں نے مزید کہا۔ ہم خوشی سے اس بات پر تیار ہیں کہ اس مال تجارت کے نفع سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں اس تجویز کو منظور کرتا ہوں اور بنو عبد مناف میرے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد قریش نے مال میں سے نفع الگ کر کے جس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی اصل مال مالکوں کو دے دیا اور ایک قول یہ ہے کہ جو نفع علیحدہ کیا گیا وہ پچیس ہزار دینار تھا۔

(سیرۃ الحلبیہ مترجم جلد 2 نصف آخر صفحہ 133-134 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد 6 صفحہ 145 مطبوعہ دار السلام ریاض)

بہر حال جو نفع تھا وہ اس جنگ کے لیے دے دیا گیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ فَسَیُنۡفِقُوۡنَہَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِمۡ حَسۡرَۃً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ (الانفال:37) یقیناً وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اپنے مال خرچ کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ پس وہ ان کو اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے۔ وہ مال ان پر حسرت بن جائیں گے پھر وہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جہنم کی طرف اکٹھے کر کے لے جائے جائیں گے۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد4 صفحه182 دارالكتب العلمية بيروت)

اس ایک اہم سبب کے علاوہ کچھ اَور امور بھی تھے جو کہ اس جنگ کے اسباب قرار دیے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ خطبہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد اہل مکہ کا شام جانا محال ہو چکا تھا کیونکہ مکہ اور شام کی تجارت کا رستہ مدینہ کے مضافات سے گزرتا تھا جسے مسلمانوں کی طرف سے بند کر دیا گیا تھا اور کفار کے سابقہ ظلم و ستم کے باعث ان کا وہاں سے قافلوں سمیت گزرنا دشوار ہو تا جارہا تھا جس کی وجہ سے قریش کو اپنی معاشی موت نظر آرہی تھی اور تجارتی راستے کی بندش غزوات اور سرایا میں شکست اور بدر میں سرداران قریش کا قتل اور ستر مشرکین کی گرفتاری جیسے امور ان کی شہرت اور معاشرتی حالت پر بدنما داغ تھے جنہیں دھونے کے لیے اور اپنی معاشرتی ساکھ بحال رکھنے کے لیے وہ انتقام لینا چاہتے تھے تا کہ قریش مکہ کی گرتی ہوئی سیاسی اور مذہبی ساکھ کو بحال کیا جاسکے۔

(ماخوذ از دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 434 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

دوسری طرف جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کو دو مزید شرمناک ذِلّتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے ابوسفیان سمیت مکہ والوں کا غیض و غضب اَور بڑھ گیا اور انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے ایک باقاعدہ مسلح جنگ کرنے کا پختہ عزم کیا۔ چنانچہ ایک مصنف نے غزوۂ اُحد کا ایک سبب یہ بیان کیا ہے کہ قریش کو بعض مہمات میں ناکامی ہوئی اور اس کی وجہ سے ان میں رنج و غم اور انتقام کا جذبہ بہت زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ابوسفیان جو بدر کے میدان میں اترے بِنا اپنے تجارتی قافلوں کو محفوظ راستوں سے واپس مکہ لایا تھا اسے اہل مکہ کے طعنوں کا مسلسل سامنا کرنا پڑا۔ اس نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی قسم کھائی اور قریش کو باور کروایا تھا کہ وہ مدینہ جا کر مسلمانوں سے بھرپور جنگ کرے گا۔ ابوسفیان نے اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو سو افراد کا لشکر بھی تیار کر لیا اور مدینہ پہنچ بھی گیا مگر کھلی جنگ کا حوصلہ نہ کر سکا اور مدینہ کے نواح میں چند درخت گرا کر، کھیت جلا کر اور دو افراد کو

قتل کر کے فرار ہو گیا۔ اس جنگ کو جنگ سویق کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان بھی مَیں گذشتہ خطبات میں کر چکا ہوں۔ ابوسفیان کی کوشش تو یہ تھی کہ مکہ کے لوگ آئندہ اسے یہ طعنہ نہ دیں کہ میدان بدر میں تم اپنے قبیلے والوں کو چھوڑ کر واپس آ گئے تھے مگر اس ناکام مہم کے بعد تو لوگ ابوسفیان کی اس بچگانہ حرکت پر باقاعدہ فقرے کسنا شروع ہو گئے تھے۔ لہٰذا ابوسفیان اب اپنی انا کی تسکین کی خاطر بھی مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑی جنگ کے لیے بھرپور کوششیں کر رہا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ خطبات میں قَرَدَہ میں ہزیمت کے بارے میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابوسفیان کی مدینہ کے خلاف ناکام مہم کے بعد قریش نے اپنا ایک بڑا تجارتی قافلہ راستہ بدل کر عراق کی شاہراہ سے شام کو روانہ کیا تھا جس میں سونے کے زیورات، چاندی کے ظروف اور دیگر سامان تجارت جن کی مالیت کا اندازہ تقریباً ایک لاکھ درہم تھا۔ جب یہ قافلہ قردہ چشمہ پر اتر رہا تھا تو حضرت زید بن حارثہؓ نے مدینہ کی حدود کے اندر قافلۂ قریش کو روک لیا تھا۔ تمام مال تجارت قریش سے چھین کر مدینہ لے کر پہنچے تھے۔ جنگ بدر میں بدترین شکست کے بعد اہل قریش کے لیے قردہ کا واقعہ بہت بڑی ہزیمت تھی۔ یعنی وہ اس وقت مدینہ کے قریب ہی تھا اور ان کی آتش انتقام دوچند ہو گئی تھی۔ غزوۂ احد کی وجوہات میں سے ایک یہ واقعہ بھی تھا۔

(غزوات و سرایا از علامہ محمد اظہر فرید، صفحہ 156-157 مطبوعہ فرید یہ پرنٹنگ پریس ساہیوال)

بہرحال بہت سی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے کفار جنگ کی تیاری کرتے رہے اور اس کے لیے قریش کی طرف سے ارد گرد کے قبائل کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی جس کی تفصیل یوں ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کن جنگ کے لیے جب سرمایہ جمع ہو گیا تب اگلے مرحلے کی تیاری شروع ہوئی۔ قریش تو برسرپیکار تھے ہی مگر انہوں نے گردونواح کے مختلف قبائل کو اس جنگ میں شامل کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے۔ کسی کے پاس انفرادی طور پر اور کسی کے ہاں وفد کی صورت میں گئے۔ کسی کو لالچ دیا تو کسی کو مذہبی اور علاقائی غیرت و حمیت دلا کر ساتھ ملا لیا۔ اس کام کے لیے عمرو بن عاص، هُبَيْرَه بن ابی وَهْب اور عبداللہ بن زِبَعْرٰی، مُسَافِع بن عَبدِمَنَاف اور ابوعُزّہ جُمَحِی وغیرہ کو بھیجا گیا۔ یہ ابوعُزّہ جُمَحِی وہی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں میں سے آزاد کیا تھا۔ اس وقت اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میری پانچ بیٹیاں ہیں جن کا میرے سوا کوئی سہارا نہیں۔ مجھے معاف فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف معاف کیا بلکہ اسے بغیر فدیہ کے آزاد بھی کر دیا۔ یہ آپؐ کا اسوہ تھا۔ اس وقت اس نے عہد و پیمان بھی کیا کہ آئندہ نہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑوں گا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کروں گا مگر غزوۂ احد کے موقع پر صفوان بن امیہ کی طرف سے انعام و اکرام کے لالچ میں اس نے اپنے اس عہد کو توڑ دیا اور اپنے اشعار سے اہل عرب کو جوش انتقام پر ابھارنے لگا۔ یہ شعراء جا کر قبائل کو اکساتے۔ ماضی یاد کروا کر ابھارتے اور ساتھ ملنے کی دعوت دیتے۔ قبائل کِنَانَہ اہل تِہَامَہ اور دوسرے قبائل میں سے بے شمار لوگوں نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور ریاست مدینہ پر شب خون مارنے کی ہر طرف سے یقین دہانی کروائی اور یقین دہانی ہی نہیں کروائی بلکہ شمولیت بھی کی۔

(کتاب المغازی جلد 1 صفحہ 110-111 بدر القتال، عالم الکتب بیروت 1984ء)

(ماخوذ از دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 436 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

کفار کی ان تیاریوں کی جو وہ جنگ کے لیے کر رہے تھے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہو گئی** جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی ان جنگی تیاریوں اور جوش و خروش کی اطلاع آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے بھیجی جو مکہ میں تھے۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ایک خط کے ذریعہ دی تھی جو انہوں نے بَنُوغِفَار کے ایک شخص کے ہاتھ بھیجا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اس شخص کو خط لے جانے کے لیے اجرت پر تیار کیا تھا اور اس سے یہ شرط کی تھی کہ وہ تین دن رات مسلسل سفر کر کے مدینہ پہنچے اور آپؐ کو یہ خط حوالے کر دے۔ چنانچہ اس نے دن رات سفر کیا اور تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تھے جب اس شخص نے یہ خط آپؐ کو پہنچایا تو آپؐ نے اس کی مہر توڑی اور اس کے بعد اُبَی بن کعب کو خط دے کر سنانے کے لیے کہا۔ ابی بن کعب نے خط آپؐ کو سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبَی سے اس خط اور خبر کو چھپانے کے لیے فرمایا۔

(ماخوذ از سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ296 دارالکتب العلمیۃ)

ایک دوسری جگہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سعد بن ربیع کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو حضرت عباسؓ کے خط کے بارے میں بتایا اور فرمایا مجھے بھلائی کی امید ہے تم اس خبر کو مخفی رکھنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کے گھر تشریف لائے تھے تو ان کی اہلیہ ان کے پاس آئیں اور کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ گھر کے اندر سے سن رہی تھیں جو باتیں ہوئیں۔ سعد نے کہا تمہیں اس سے کیا؟ اس نے کہا میں نے ساری باتیں سن لی ہیں اور جب اس نے یہ سب کچھ بتا دیا تو سعد نے کہا اِنا للہ۔ پھر کہا میرا خیال نہ تھا کہ تم ہماری باتیں سن رہی ہو گی۔ وہ اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کا معاملہ آپؐ کو سنایا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے ڈر ہوا کہ کہیں بات لوگوں میں پھیل جائے اور آپؐ سمجھیں کہ میں نے یہ راز افشا کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے راز پوشیدہ رکھنے کا فرمایا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک ہے جانے دو۔

(سبل الھدیٰ و الرشاد جلد 4 صفحہ 182-183 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان1993ء)

اب اس عورت کو تنبیہ بھی کر دی ہو گی۔ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی جبکہ دوسری طرف یہود مدینہ اور منافقین نے مشہور کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اچھی خبر موصول نہیں ہوئی۔ اس طرح ان منافقین اور دشمنوں کو خبث باطن کے اظہار اور طعن و تشنیع کا ایک اَور موقع مل گیا۔ انہوں نے اس خبر میں رنگ آمیزی کر کے اسے خوب پھیلایا اور اسلام کے ماننے والوں کو اپنی طرف سے خوفزدہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی طرح یہ خبر مدینہ کے اطراف و اکناف میں پھیل گئی اور ہر ایک چوکنا ہو گیا۔ ہر طرف یہی شور و غوغا تھا کہ مشرکین مکہ پھر جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد6 صفحہ 443 ناشر بزم اقبال لاہور2022ء)

علامہ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ مشرکوں کی خبریں لکھ کر آپؐ کی طرف ارسال کر رہے تھے۔ مکی مسلمان عباسؓ کو اپنا سہارا خیال کرتے تھے جبکہ عباسؓ چاہتے تھے کہ میں مدینہ میں آپؐ کے پاس چلا جاؤں

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھا کہ آپؓ کا مکہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عباسؓ کی ارسال کردہ خبریں بڑی تفصیلی ہوتی تھیں۔ ایک خط میں وہ لکھتے ہیں کہ قریش کا لشکر آپؐ کی طرف روانہ ہو چکا ہے ان کے پہنچنے تک ان سے مقابلے کی حتی المقدور تیاری کر لیجیے۔ یہ کُل تین ہزار کا لشکر ہے جس کے آگے دو سو گھڑ سوار ہیں ان میں سات سو زرہ پوش ہیں اور تین ہزار اونٹ ہیں اور وہ اپنا تمام تر اسلحہ ساتھ لا رہے ہیں۔

(السیرۃ النبویۃ۔ از علی محمد صلابی، مترجم جلد 2 صفحہ 561 مطبوعہ دارالسلام)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت عباسؓ کی اطلاع کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ:

"جس تجارتی قافلہ کا ذکر جنگ بدر کے حالات میں گزر چکا ہے اس کے منافع کا روپیہ جس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی رؤسائے مکہ کے فیصلہ کے مطابق ابھی تک دارالندوہ میں مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کی تیاری کے واسطے محفوظ پڑا تھا۔ اب اس روپے کو نکالا گیا اور بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ مسلمانوں کو اس تیاری کا علم بھی نہ ہوتا اور لشکر کفار مسلمانوں کے دروازوں پر پہنچ جاتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیدار مغزی نے تمام ضروری احتیاطیں اختیار کر رکھی تھیں یعنی آپؐ نے اپنے چچا عباس بن عبد المطلبؓ کو جو دل میں آپؐ کے ساتھ تھے مکہ میں ٹھہرے رہنے کی تاکید کر رکھی تھی اور وہ قریش کی حرکات و سکنات سے آپؐ کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ عباس بن عبد المطلبؓ نے اس موقعہ پر بھی قبیلہ بنو غفار کے ایک تیز رو سوار کو بڑے انعام کا وعدہ دے کر مدینہ کی طرف روانہ کیا اور ایک خط کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے اس ارادے سے اطلاع دی اور اس قاصد کو سخت تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر آپؐ کو یہ خط پہنچا دے۔ جب یہ قاصد مدینہ پہنچا تو اتفاق سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے حوالی قُباء" یعنی قریب کی جگہ "میں تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ قاصد آپؐ کے پیچھے وہیں قُباء میں پہنچا اور آپؐ کے سامنے یہ بند خط پیش کر دیا۔ آپؐ نے فوراً اپنے کاتب خاص اُبَی بن کعب انصاریؓ کو یہ خط دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ کر سناؤ کہ کیا لکھا ہے۔ اُبَی نے خط پڑھ کر سنایا تو اس میں یہ وحشت ناک خبر درج تھی کہ قریش کا ایک جرار لشکر مکہ سے آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط سن کر اُبَی بن کعب کو تاکید فرمائی کہ اس کے مضمون سے کسی کو اطلاع نہ ہو۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 482-483)

بہر حال یہ لشکر روانہ ہوا اور اس کی تفصیل میں مزید لکھا ہے کہ قریش کا لشکر 5 رشوال کو مکہ سے نکلا۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد 4 صفحه 183 دار الكتب العلمية)

اس جنگ میں قریش کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ شاہسواروں کا نگران خالد بن ولید تھا اور عَلَمبردار بنو عبد الدَّار تھے۔ نیز بھالے اٹھائے ہوئے، زرہیں پہنے، ڈھالیں تھامے اور تیر کمان ساتھ لیے اپنے سینوں کو جوش انتقام سے بھر کر تین ہزار جنگجو افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں سے دو ہزار نو سو قریش اور ان کے موالی اور دیگر قبائل میں سے تھے جبکہ سو کنانہ قبائل میں سے تھے۔ سات سو زرہیں، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ ہمراہ لیے تھے جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ راستے میں

کھانے کے لیے ذبح کیے جانے والے اونٹ اس کے علاوہ تھے۔ بجانے کے لیے دف اور پینے کے لیے خاص مقدار میں شراب بھی ساتھ اٹھائی۔ (غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 75)

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد 6 صفحہ 441 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

پھر ایک سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ قریش نے حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ اس جنگ میں لے جانے کی کوشش کی مگر عباسؓ نے عذر کر دیا اور قریش کی اس لاپرواہی کا ذکر کیا جو جنگ بدر کے موقع پر ان کے ساتھ کی گئی تھی کہ وہ گرفتار ہوئے تھے کسی نے ان کی رہائی میں ان کی مدد نہیں کی۔

(سیرت الحلبیہ جلد 2 صفحہ 296 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

بہت سی عورتوں نے بھی جوش انتقام میں جنگ میں مَردوں کے ہمراہ جانے کے لیے اصرار کیا۔ اس پر ایک شخص نے مجلس مشاورت میں کہا کہ ہم سروں پر کفن باندھ کر جا رہے ہیں۔ اگر اپنے مقتولوں کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ اس لیے عورتوں کا ساتھ ہمارے لیے مفید ثابت ہو گا۔ یہ ہمارے جوش کو ابھاریں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا کر آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کریں گی۔ نوفل بن معاویہ دِیلی نے کہا یہ خواتین ہماری عزت و آبرو ہیں اگر ہمیں شکست ہو گئی تو ان کی بے حرمتی سے ہمارا وقار خاک میں مل جائے گا۔ مختلف رائیں سامنے آئیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بھی اس موقع پر موجود تھی۔ جب یہ دونوں طرح کی رائیں مردوں کی طرف سے آگئیں تو یہ عورت بولی کہ اے لوگو! اس بات سے نہ گھبراؤ کہ تم زندہ بچ کر نہیں آسکو گے۔ تم لوگ بدر سے بھی بحفاظت واپس آگئے تھے اور تم نے اپنی خواتین کو بھی دیکھ لیا تھا۔ تم ہمیں اس جنگ میں ساتھ جانے سے منع نہیں کر سکتے۔ یہی غلطی تم نے بدر میں کی تھی جب تم لوگوں نے اپنی خواتین کو واپس لوٹا دیا تھا۔ اگر یہ خواتین معرکہ بدر کے وقت تمہارے ساتھ موجود ہوتیں تو تم لوگوں کو غیرت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ افسوس! بدر کے میدان میں ہمارے پیارے عزیز دشمنوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(حیات محمد ﷺ از محمد حسین ہیکل صفحہ 379 مکتبہ بک کارنر جہلم)

بہر حال قریش کے سرداروں نے ہند کی بات سے اتفاق کیا اور وہ عورتوں کو لشکر کے ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئے۔ فوج کے ساتھ جانے والی عورتوں کی تعداد پندرہ بیان کی گئی ہے۔ (غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 76)

جن میں ابوسفیان نے اپنی بیوی ہند بنت عتبہ کو شامل کیا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل نے اپنی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام کو ساتھ لیا۔ اور حارث بن ہشام نے اپنی بیوی فاطمہ بنت ولید کو ساتھ لیا۔ اور صفوان بن امیہ نے اپنی بیوی بَرْزَہ بنت مسعود کو ساتھ لیا جو عبداللہ بن صفوان کی ماں تھیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ عمرو بن عاص اپنی بیوی رَیْطَہ بنت مُنَبِّہ کے ساتھ نکلا اور طلحہ بن ابی طلحہ نے اپنی بیوی سُلَافَہ بنت سعد کو ساتھ لیا۔ یہ طلحہ کے بیٹوں مُسَافِع اور جُلَاس اور کِلَاب کی ماں تھی اور یہ سب اُحد کے دن قتل ہوئے تھے۔ اور خُنَاس بنت مالک جو قبیلہ بنو مالک میں سے تھی اپنے بیٹے ابی عزیز بن عُمَیر کے ساتھ ہوئی۔ یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی ماں تھیں۔ اور عَمْرَہ بنت عَلْقَمَہ جو قبیلہ بنو حارث میں سے تھی وہ بھی لشکر کے ساتھ ہوئی۔ جنگ کے دوران ہند بنت عتبہ جب وحشی کے پاس آتی یا وحشی اس کے پاس آتا تو یہ اس سے کہتی کہ اَبُو دَسُمَہ، یہ وحشی کی کنیت ہے کہ ایسا کام کرنا جس سے ہمارے دلوں کو آرام پہنچے۔ یہ حبشی

غلام تھا۔ وحشی کے پاس ایک نیزہ تھا جو بہت کم خطا کرتا تھا اور جس کے لگ جاتا تھا اس کو زندہ نہیں چھوڑتا تھا۔ وحشی جُبَیر بن مُطْعِم کا غلام تھا۔ اس نے وحشی کو بلا کر کہا کہ تُو بھی لشکر کے ساتھ جا اور اگر تُو نے حمزہ کو شہید کر دیا یا مار دیا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا کیونکہ حمزہ نے میرے چچا طُعَیْمَہ بن عدی کو قتل کیا ہے۔

اس لشکر نے مدینہ کے مقابل پر احد کے میدان میں بطن سَبَخَہ میں وادی قَنَاۃ کے کنارے پر واقع جبل عَیْنَیْن پر ڈیرہ ڈالا۔ سَبَخَہ بھی مدینہ میں جبل عینین اور جُرُف کے پاس کی جگہ ہے اور جرف مدینہ سے تین میل شمال کی جانب ایک جگہ ہے اور عینین احد کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ احد کے اور اس کے درمیان ایک وادی ہے اور قَنَاۃ مدینہ اور احد کے درمیان مدینہ کی تین مشہور وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام صفحہ 522 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(فرہنگ سیرت صفحہ 87، 146، 216، 239 زوار اکیڈمی کراچی)

(سیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 296 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

یہ اس کا محل وقوع ہے۔ جنگ کی تفصیلات کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر قریش کے متعلق معلومات فراہم کیں اور عمرو بن سالم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی روانگی کی اطلاع پہنچائی۔ اس پر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا، اس کو پتہ لگ گیا۔ ہوا یوں کہ عمرو بن سالم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مقام ذی طُوٰی سے لشکر قریش سے علیحدہ ہو کر جلدی جلدی مدینہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر کفار کی چڑھائی کی خبر دی۔ عمرو بن سالم کا یہ دستہ مدینہ سے واپسی پر ابواء کے مقام پر ابوسفیان کے لشکر سے رات کے وقت آگے نکل گیا۔ یعنی وہ وہاں تھے تو ان کو کراس کر گیا۔ صبح ہوئی تو ابوسفیان مکہ کی طرف واپس چلا گیا۔ ابوسفیان کو رستے میں بتایا گیا کہ عمرو بن سالم اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ وقت شب مکہ کی طرف نکل گیا ہے۔ ابوسفیان گھبراتے ہوئے بولا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ضرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جا کر اسے ہماری پیش قدمی کی اطلاع دے کر آیا ہے۔ اس نے اسے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے متعلق تمام معلومات فراہم کر دی ہیں اور اسے پہلے سے ہی چوکنا کر دیا ہے۔ اب ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی مسلمان خود کو قلعوں میں محفوظ کر چکے ہوں گے۔ اس طرح تو ہم ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے اور نہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ صفوان بن امیہ فوری بولا کہ اگر وہ قلعوں سے باہر میدان میں ہمارے ساتھ مقابلے کے لیے نہ نکلیں گے تو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اوس اور خزرج کی کھجوروں کے باغ کاٹ لیں گے جس کا وہ کبھی ازالہ نہیں کر سکیں گے اور وہ اپنے مال وغلہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اگر وہ صحرا میں لڑائی کے لیے قلعوں سے باہر آ نکلے تو بھی پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہماری تعداد ان کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے اسلحے سے بھی ان کے اسلحہ کا کوئی جوڑ نہیں۔ ان کے پاس گھوڑے نہیں ہمارے پاس تو بہت گھوڑے ہیں۔ ہم جنگ میں ان کا جانی اور مالی نقصان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جبکہ وہ ہم سے یوں نہیں لڑ سکتے۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد 6 صفحہ 443-444 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

یہ انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ بہرحال مدینہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے قریش نے جب

اَبْوَاء مقام پر پڑاؤ ڈالا تو ہند بنت عتبہ نے ابوسفیان کو کہا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر کو کھود ڈالو کیونکہ ان کی قبر اَبْوَاء میں ہے۔ اگر وہ تمہارے کسی ایک آدمی کو قید کریں تو تم ہر شخص کے فدیہ میں ان کی والدہ کا ایک عضو دے دینا۔ عجیب شیطانی مشورہ تھا۔ ابوسفیان نے یہ بات قریش کو کہی اور کہا یہ ایک رائے ہے تو قریش نے جواب دیا کہ تم اس دروازے کو نہ کھولو ورنہ بَنُو بکر ہمارے مُردوں کی قبریں کھود دیں گے۔

(سبل الھدٰی و الرشاد جلد4 صفحہ183 دارالکتب العلمیۃ)

یہ بڑی خطرناک رائے ہے یہ نہ مانو۔ بہرحال یہ لوگ راستے میں جہاں بھی پڑاؤ کرتے وہاں اونٹ ذبح کیے جاتے۔ خواتین شعر پڑھ کر خوب گرماتیں۔ شراب سے بھرے جام پیش کرتیں۔ مرثیے پڑھ کر خود بھی آہ وفغاں کرتیں، دوسروں کو بھی ڈراتیں اور جوش انتقام دلاتیں۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد6 صفحہ 441 ناشر بزم اقبال لاہور 2022ء)

کفار کا یہ قافلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔ اور دوسری طرف مسلمان بھی اپنے طور پر تیاری میں تھے۔ اس بارے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَضَالَہ کے بیٹوں انس اور مونس کو جمعرات کی رات شوال کے پہلے عشرہ میں جاسوسی کے لیے بھیجا۔

(سبل الھدیٰ جلد 4 صفحہ 183 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

مدینہ میں مردم شماری:

"غالباً اسی موقعہ پر آپؐ نے مسلمانوں کی تعداد وطاقت معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مدینہ **کی تمام مسلمان آبادی کی مردم شماری کی جاوے**۔ چنانچہ مردم شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک کُل پندرہ سو مسلمان متنفس ہیں۔ اس وقت کے حالات کے ماتحت اسی تعداد کو بہت بڑی تعداد سمجھا گیا۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے تو اس وقت خوشی کے جوش میں یہاں تک کہہ دیا کہ کیا اب بھی جبکہ ہماری تعداد ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی ہے ہمیں کسی کا ڈر ہو سکتا ہے؟ مگر انہی میں سے ایک صحابی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پر ایسے ایسے سخت وقت آئے کہ بعض اوقات ہمیں نماز بھی چھپ کر ادا کرنی پڑتی تھی۔ ایک موقعہ پر اس سے پہلے بھی آپؐ نے مسلمانوں کی مردم شماری کروائی تھی تو اس وقت چھ اور سات سو کے درمیان تعداد نکلی تھی۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 483)

بہرحال دونوں صحابہؓ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر گیری کے لیے بھیجا تھا مقام عَقِیق میں قریش کو جا ملے اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور ان کو کافروں کے لشکر کی خبر دی۔ یہ عَقِیق جو ہے اس نام کی بھی جزیرۃ العرب میں کئی وادیاں ہیں اور سب سے اہم وادی مدینہ کی وادی عقیق ہے جو مدینہ کے جنوب مغرب سے شمال مشرق تک پھیلی ہوئی ہے اور اس میں مدینہ منورہ کی ساری وادیاں آ کر شامل ہو جاتی ہیں۔

(فرہنگ سیرت صفحہ 204 زوار اکیڈمی کراچی)

بہرحال ان دونوں نے آ کے بتایا کہ ان کفار کے لشکر نے اپنے اونٹ اور گھوڑے مقام عُرَیض کی کھیتی میں چھوڑے ہیں۔ عُرَیض بھی مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک نخلستان ہے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد6 صفحہ 65-66)

انہوں نے وہاں کوئی سبزہ نہیں چھوڑا سب کچھ چر گئے ہیں۔ مشرکین بدھ کے دن وادی قَنَاۃ پر اترے۔ جمعرات اور جمعہ کے دن ان کے اونٹ اس وادی کا سبزہ کھاتے رہے۔ انہوں نے کوئی سبزہ نہ چھوڑا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُبَاب بن مُنْذِرؓ کو بھی ان کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو دیکھا اور لَوٹ آئے اور ان کی تعداد اور سامان کا اندازہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی حالت کسی کو نہ بتانا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ اَللّٰهُمَّ بِكَ أَجُوْلُ وَبِكَ أَصُوْلُ۔ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ اے اللہ! تیرے ساتھ ہی میں چکر لگاتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی میں حملہ کرتا ہوں۔ اور اوس اور خزرج کے سرداروں حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت اُسَید بن حُضَیرؓ اور حضرت سعد بن عُبَادہؓ نے مشرکین کے رات کے حملے کے خطرے کی وجہ سے جمعہ کی رات کو ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر گزاری اور مدینہ کا بھی صبح تک پہرہ دیا۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد4 صفحہ183-184 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ297 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

مشرکین مکہ کے لشکر نے مسلمانوں کے مدینہ سے خروج سے قبل وادی قُنَاۃ کی نمکین اور دلدلی زمین پر پڑاؤ کیا تھا۔ (ماخوذ از غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 97)

مدینہ منورہ کے مشرق اور مغرب اور جنوب میں کھجور کے گھنے باغ تھے ان میں سے گزرتے ہوئے کسی بستی یا محلے پر حملہ آسان نہیں تھا کیونکہ باغوں میں دشمن کا صرف ایک ایک آدمی بمشکل آگے بڑھ سکتا تھا۔ اس صورت میں حملہ آور بآسانی مارے جاتے۔ صرف شمال سے حملہ ہو سکتا تھا اس لیے قریش نے شمالی اور مغربی جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔ پھر پوری آبادی ایک مقام پر نہ تھی بلکہ پہاڑوں کے درمیان وسیع میدان میں بکھری ہوئی بستیاں یا محلے آباد تھے۔ بعض قبائل نے اپنی زمینوں اور باغوں کے پاس آبادی کا انتظام کر لیا تھا اور کئی دو منزلہ گڑھیاں بنا لی گئی تھیں۔ وہ ہر خطرے کے وقت بچوں اور عورتوں کو گڑھیوں کی بالائی منزل پر پہنچا دیتے اور خود فارغ البال ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے۔

(غزواۃ النبی ﷺ از مولانا ابو الکلام آزاد صفحہ 63-64)

ایک اَور سیرت نگار لکھتا ہے کہ دشمن کی فوج نے مسلمانوں کی فوج کے درمیان اور مدینہ کے درمیان جس میں منافقین، یہود اور جنگ سے عاجز مسلمانوں اور عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی شخص باقی نہ رہا تھا رکاوٹ ڈالتے ہوئے صبح کی۔

(ماخوذ از غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 99)

حضرت مرزا بشیر احمدؓ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ غالباً رمضان 3 ہجری کے آخر یا شوال کے شروع میں قریش کا لشکر مکہ سے نکلا۔ لشکر میں دوسرے قبائل عرب کے بہت سے بہادر بھی شامل تھے۔ ابوسفیان سردار لشکر تھا۔ لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جس میں سات سو زرہ پوش شامل تھے۔ سواری کا سامان بھی کافی تھا۔ یعنی دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ سامان حرب بھی کافی وشافی تھا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں ہند زوجہ ابوسفیان اور

عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، خالد بن ولید اور دوسرے لوگوں کی بیویاں تھیں۔ یہ عورتیں عرب کی قدیم رسم کے مطابق گانے بجانے کا سامان اپنے ساتھ لائی تھیں تاکہ اشتعال انگیز اشعار گا کر اور دفیں بجا کر اپنے مردوں کو جوش دلاتی رہیں۔ قریش کا یہ لشکر دس گیارہ دن کے سفر کے بعد مدینہ کے پاس پہنچا اور چکر کاٹ کر مدینہ کے شمال کی طرف احد کی پہاڑی کے پاس ٹھہر گیا۔ اس جگہ کے قریب ہی عُرَیض کا سرسبز میدان تھا جہاں مدینہ کے مویشی چرا کرتے تھے اور کچھ کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی۔ قریش نے سب سے پہلے اس چراگاہ پر حملہ کر کے اس میں من مانی کی اور غارت مچائی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مخبروں سے لشکر کے قریب آجانے کی اطلاع موصول ہوئی تو آپؐ نے اپنے ایک صحابی حُبَاب بن مُنْذِرؓ کو روانہ فرمایا کہ جا کر دشمن کی تعداد اور اس کا پتہ کریں اور پھر یہ بھی آپؐ نے فرمادیا کہ اگر دشمن کی طاقت زیادہ ہو اور مسلمانوں کے لیے خطرہ کی صورت ہو تو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آپؐ نے فرمایا کہ ذکر نہیں کرنا بلکہ علیحدگی میں مجھے اطلاع دینی ہے تاکہ مسلمانوں میں بددلی نہ پھیلے۔

بہرحال حُبابؓ خفیہ راستے سے گئے اور نہایت ہوشیاری سے تھوڑی دیر میں واپس آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری صورتحال عرض کی۔ اب لشکر کی آمد کی خبر مدینہ میں پھیل چکی تھی اور عُرَیض پر جو اِن کا حملہ تھا اس کی اطلاع بھی عام ہو چکی تھی کس طرح انہوں نے باغ اجاڑا ہے۔ گو عامۃ الناس کو لشکر کفار کے تفصیلی حالات کا علم نہیں دیا گیا مگر پھر بھی یہ رات مدینہ میں سخت خوف اور خطرہ کی حالت میں گزری۔ خاص خاص صحابہؓ نے ساری رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے ارد گرد پہرہ دیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 483-484)

آنحضرت ﷺ کے خواب:

جب جنگ احد کی تیاری کے لیے مشاورت ہوئی تو اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات میں نے ایک خواب دیکھی ہے کہ ایک گائے ہے جو ذبح کی جارہی ہے اور اپنی تلوار یعنی ذوالفقار کی دھار میں مَیں نے دندانہ پڑا دیکھا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ میری تلوار کا دستہ ٹوٹ گیا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے دیکھا میری تلوار ذوالفقار میں دستہ کے پاس دراڑ آگئی ہے۔ یہ دونوں باتیں کسی مصیبت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہاتھ ڈال رہا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور میں ایک مینڈھے پر سوار ہوں۔ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے کچھ صحابہؓ شہید ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ذبح ہونے والی گائے سے یہ تعبیر لی ہے کہ ہم میں سے کچھ شہید ہوں گے۔ اور جہاں تک میری تلوار میں دراڑ کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے گھر والوں یا خاندان میں سے کوئی شخص قتل ہو گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ میری تلوار کی دھار میں دندانوں کا مطلب ہے کہ نقصان تم لوگوں میں سے کسی کا نہیں ہو گا یعنی غیر خاندان والوں میں سے نہیں ہو گا۔ یہاں فُلُول کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں تلوار کی دھار کا کہیں سے کند ہو جانا یا پھر تلوار کے دستہ میں شگاف پڑنا یا اس کا ٹوٹ جانا اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ دو حادثے پیش آئیں گے۔ اور مضبوط زرہ کا مطلب مدینہ ہے۔ اور مینڈھے سے مراد ہے

کہ میں دشمن کے حامیوں کو قتل کروں گا۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر مشورہ مانگا۔ ابن عُتْبہ، ابنِ اسحاق اور ابن سعد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب جمعہ کی رات کو دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صحابہؓ کرام کے پاس تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر اپنا خواب بیان کیا اور فرمایا اگر تمہاری رائے ہو تو مدینہ میں قیام کرو اور عورتوں اور بچوں کو ہم قلعوں میں پہنچا دیں۔ اگر وہ لوگ باہر ٹھہریں گے تو بری جگہ پر ٹھہریں گے اور اگر ہمارے شہر میں داخل ہوں گے تو ہم گلیوں میں ان سے لڑائی کریں گے اور ہم اِن کے راستے اُن سے زیادہ جانتے ہیں اور ٹیلوں کے اوپر سے بھی ان پر پتھراؤ وغیرہ کیا جائے گا۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے مدینہ کو تعمیر کے ذریعہ سے محفوظ کر دیا تھا۔ مدینہ ایک قلعہ کی طرح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رائے دی یہی اکابر مہاجرین اور انصار کی رائے تھی اور عبد اللہ بن اُبَی نے بھی یہی رائے دی۔ البتہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا جن میں اکثریت نوجوان صحابہؓ کی تھی اور یہ لوگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور شہادت کے خواہش مند تھے اور دشمن سے لڑنے کے خواہاں تھے کہ یا رسول اللہؐ! آپ ہمیں لے کر مدینہ سے باہر دشمن کے پاس چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم بزدل ہو گئے ہیں۔ عبد اللہ بن اُبَیّ نے کہا یا رسول اللہؐ! مدینہ میں ٹھہریں۔ مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ اللہ کی قسم! ہم جب بھی مدینہ سے باہر دشمن سے لڑے ہیں تو شکست کھائی ہے اور جب بھی مدینہ میں کوئی دشمن لڑنے آیا ہے تو ہم فتح یاب ہوئے۔

(ماخوذ از سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ297-298 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(سبل الھدیٰ جلد4 صفحہ 185 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حمزہ بن عبد المطلبؓ، سعد بن عُبادہؓ اور نُعمان بن مالکؓ نے بھی کہا یا رسول اللہؐ! ہمیں یہ ڈر ہے کہ اگر ہم مدینہ سے باہر نہ نکلے تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم ان سے لڑنے سے بزدل ہو گئے ہیں اس وجہ سے باہر نہیں نکلے تو اس وجہ سے ان کی ہمارے خلاف جرأت بڑھے گی اور بدر میں آپؐ تین سو افراد کے ساتھ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان پر فتح دی اور آج ہم کثیر تعداد میں ہیں۔

اِیَاس بن اَوْس بن عَتِیکؓ نے کہا بَنُو عَبْدُ الْاَشْھل یہ امید کرتے ہیں کہ ذبح کی ہوئی گائے ہم لوگ ہوں۔ جو خواب میں دیکھا تھا کہ گائے ذبح کی جا رہی، انہوں نے کہا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ گائے ہم ہوں۔ اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا یہ دو اچھائیوں میں سے ایک ہے، کامیابی یا شہادت۔ اللہ کی قسم! عرب یہ لالچ نہ کریں کہ وہ ہمارے گھروں میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت حمزہؓ نے کہا اس کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی! میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر میں اپنی تلوار سے ان کے ساتھ نہ لڑوں۔ چنانچہ وہ جمعہ اور ہفتہ کے دن روزے سے رہے اور جب شہید ہوئے تو وہ روزہ سے تھے۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد1 صفحہ 194)

نعمان بن مالکؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہمیں جنت سے محروم نہ کریں۔ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں جنت میں ضرور داخل ہوں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر؟ اس نے کہا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے۔ میں گواہی

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں اور میں جنگ کے دن نہیں بھاگوں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تُو نے سچ کہا ہے۔ وہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ مَالِک بن سِنَان خُدْرِی اور اِیَاس بن عَتِیک اور ایک جماعت نے لڑائی کے لیے نکلنے پر خوب ترغیب دلائی۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ 186 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی سیرت خاتم النبیینؐ میں اس کی تفصیل لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے قریش کے حملہ کے متعلق مشورہ مانگا کہ آیا مدینہ میں ہی ٹھہرا جائے یا باہر نکل کے مقابلہ کیا جائے۔ مشورہ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے حملے اور ان کے خونی ارادوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ آج رات میں نے خواب بھی دیکھی ہے اور پھر وہ خواب سنائی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ صحابہؓ کے تعبیر پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے کے ذبح ہونے سے تو مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے صحابہؓ میں سے بعض کا شہید ہونا مراد ہے۔ اور میری تلوار کے کنارے کے ٹوٹنے سے میرے عزیزوں میں سے کسی کی شہادت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے یا شاید خود مجھے اس مہم میں کوئی تکلیف پہنچے۔ اور زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس حملہ کے مقابلہ کے لیے ہمارا مدینہ کے اندر ٹھہرنا زیادہ مناسب ہے۔ اور مینڈھے پر سوار ہونے والے خواب کی آپؐ نے یہ تاویل فرمائی کہ اس سے کفار کے لشکر کا سردار یعنی علمبردار مراد ہے جو ان شاء اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا کہ موجودہ صورت حال میں کیا کرنا چاہیے؟ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب سے متاثر ہو کر یا ویسے حالات دیکھ کر یہی مشورہ دیا کہ مدینہ میں ٹھہر کے مقابلہ کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی رائے کو پسند کیا لیکن اکثر صحابہؓ نے جو خاص طور پر نوجوان تھے، جو بدر کی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اپنی شہادت سے خدمت دین کا موقع حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے، بڑے اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اس قدر اصرار کیا اور اپنی رائے پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوش کو دیکھ کر ان کی بات مان لی اور فیصلہ فرمایا کہ ہم کھلے میدان میں نکل کر کفار کا مقابلہ کریں گے اور پھر جمعہ کی نماز کے بعد آپؐ نے مسلمانوں میں عام تحریک فرمائی کہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس غزوہ میں شامل ہو کر ثواب حاصل کریں۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 484 تا 485)

تو اس کی یہ باقی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو گی۔

فلسطینیوں کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد پھر ان پر بلا تفریق بمباری ہو گی اور پھر معصوم شہید ہوں گے۔ کتنا ظلم ہو گا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ان کے مستقبل کے بارے میں بڑی طاقتوں کے ارادے جو ہیں وہ بڑے خطرناک ہیں۔ اس لیے ان کے لیے بہت دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 22/ دسمبر 2023ء "خطبہ جمعہ نمبر" جلد 30 شمارہ 257 صفحہ 02 تا 07)

49

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 08/ دسمبر 2023ء بمطابق 08/ فتح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ خطبہ میں **جنگ احد کے بارے میں** ذکر ہو رہا تھا۔ اس بارے میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مختصر طور پر بیان کیا ہے وہ بیان کرتا ہوں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ:

"کفار کے لشکر نے میدان سے بھاگتے ہوئے" یعنی بدر کے میدان سے بھاگتے ہوئے بدر کی جنگ کے بعد "یہ اعلان کیا کہ اگلے سال ہم دوبارہ مدینہ پر حملہ کریں گے اور اپنی شکست کا مسلمانوں سے بدلہ لیں گے۔ چنانچہ ایک سال کے بعد وہ پھر پوری تیاری کر کے مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ مکہ والوں کے غصہ کا یہ حال تھا کہ بدر کی جنگ کے بعد انہوں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ کسی شخص کو اپنے مُردوں پر رونے کی اجازت نہیں اور جو تجارتی قافلے آئیں گے ان کی آمد آئندہ جنگ کے لئے محفوظ رکھی جائے گی۔ چنانچہ بڑی تیاری کے بعد تین ہزار سپاہیوں سے زیادہ تعداد کا ایک لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا ہم کو شہر میں ٹھہر کر مقابلہ کرنا چاہئے یا باہر نکل کر۔ آپؐ کا اپنا خیال یہی تھا کہ دشمن کو حملہ کرنے دیا جائے تا کہ جنگ کی ابتداء کا بھی وہی ذمہ دار ہو اور مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس کا مقابلہ آسانی سے کر سکیں لیکن وہ نوجوان مسلمان جن کو بدر کی جنگ میں شامل ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اور جن کے دلوں میں حسرت رہی تھی کہ کاش! ہم کو بھی خدا کی راہ میں شہید ہونے کا موقع ملتا انہوں نے اصرار کیا کہ ہمیں شہادت سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی بات مان لی۔

مشورہ لیتے وقت آپؐ نے اپنی ایک خواب بھی سنائی۔ فرمایا خواب میں مَیں نے چند گائیں دیکھی ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کا سرا ٹوٹ گیا ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور پھر یہ کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط اور محفوظ زِرہ کے اندر ڈالا ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں ایک مینڈھے کی پیٹھ پر سوار ہوں۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے اِن خوابوں کی کیا تعبیر فرمائی؟ آپؐ نے فرمایا گائے کے ذبح ہونے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے بعض صحابہؓ شہید ہوں گے اور تلوار کا سرا ٹوٹنے سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ میرے عزیزوں میں سے کوئی اہم وجود شہید ہو گا یا شاید مجھے ہی اس مہم میں کوئی تکلیف پہنچے اور زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے کی تعبیر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا مدینہ میں ٹھہرنا زیادہ مناسب ہے اور مینڈھے پر سوار

ہونے والے خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ کفار کے لشکر کے سردار پر ہم غالب آئیں گے "یعنی ان کو ہم زیر کر لیں گے "یعنی وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ گو اس خواب میں مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ ان کا مدینہ میں رہنا زیادہ اچھا ہے مگر چونکہ خواب کی تعبیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تھی، الہامی نہیں تھی آپؐ نے اکثریت کی رائے کو تسلیم کر لیا اور لڑائی کے لئے باہر جانے کا فیصلہ کر دیا۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 247–248)

خوابوں میں اشاروں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس خواب کے ضمن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استعارات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"**استعارات جو آنحضرت** صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفات اور خوابوں میں پائے جاتے ہیں وہ حدیثوں کے پڑھنے والوں پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں۔ کبھی کشفی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں میں دو سونے کے کڑے پہنے ہوئے دکھائی دئے اور ان سے دو کذاب مراد لئے گئے جنہوں نے جھوٹے طور پیغمبری کا دعوٰی کیا تھا اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رؤیا اور کشف میں گائیاں ذبح ہوتی نظر آئیں اور ان سے مراد وہ صحابہؓ تھے جو جنگ احد میں شہید ہوئے..... ایسا ہی بہت سی نظیریں دوسرے انبیاء کے مکاشفات میں پائی جاتی ہیں کہ بظاہر صورت ان پر کچھ ظاہر کیا گیا اور دراصل اس سے مراد کچھ اَور تھا۔ سو انبیاء کے کلمات میں استعارہ اور مجاز کا داخل ہونا کوئی شاذ و نادر امر نہیں ہے۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 133، حاشیہ)

بہرحال جب جنگ باہر نکل کر کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور آپؐ خود بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کی بنا پہ شہر سے باہر جا کر لڑنا پسند نہیں آ رہا تھا مگر لوگ جب مستقل طور پر اصرار کرتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے سے اتفاق فرمایا۔ آپؐ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ پوری تندہی اور ہمت کے ساتھ جنگ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی کہ اگر لوگوں نے صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جا کر لڑنے کی تیاری کریں۔ لوگ یہ حکم سن کر خوش ہو گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ اس وقت تک وہ لوگ بھی جمع ہو گئے جو قرب و جوار سے آئے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ باندھا اور آپؐ کو جنگی لباس پہنایا۔ لوگ آپؐ کے انتظار میں صفیں باندھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگوں نے باہر نکل کر لڑنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی مرضی کے خلاف مجبور کر دیا ہے اس لیے اب بھی اس معاملے کو آپؐ کے اوپر چھوڑ دو۔ آپؐ جو بھی حکم دیں گے اور آپؐ کی جو رائے ہو گی ہمارے لیے اس میں بھلائی ہو گی۔ اس لیے آپؐ کی

فرمانبرداری کرو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپؐ نے جنگی لباس پہن رکھا تھا۔ آپؐ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی یعنی ایک کے اوپر دوسری زرہ تھی۔ یہ ذَاتُ الْفُضُول اور فِضَّہ نامی زرہیں تھیں اور ذَاتُ الْفُضُول وہ زرہ تھی جو اس وقت آپؐ کو حضرت سعد بن عُبَادہؓ نے بھیجی تھی جبکہ آپؐ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور یہی وہ زرہ تھی کہ جب آپؐ کا انتقال ہوا تو یہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے اس زرہ کو چھڑا لیا تھا۔ یعنی وہ پیسے دے کے اس سے واپس لے لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلو میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی اور پشت پر ترکش لگا رکھا تھا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؐ سَکْب نامی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، کمان لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ بہرحال ممکن ہے یہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں۔ مختلف لوگوں نے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر تشریف لائے آپؐ نے اسلحہ زیب تن فرما رکھا تھا تو آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ مالک بن عمرو نجاریؓ فوت ہو گئے ہیں اور ان کی میّت جنازے کی جگہ رکھ دی گئی ہے۔ آپؐ نے جانے سے پہلے ان کا جنازہ پڑھایا۔ لوگوں نے اس وقت آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم آپؐ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپؐ کو مجبور کریں، لہٰذا آپؐ جو مناسب سمجھیں اس کے مطابق عمل فرمائیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر آپؐ شہر سے نکل کر مقابلہ پسند نہیں فرماتے تو یہیں رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

نبی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ ہتھیار لگانے کے بعد اس وقت تک انہیں اتارے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔

ایک روایت میں اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ:

جب تک وہ جنگ نہ کرے۔

(ماخوذ از سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ298-299 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(سبل الہدیٰ جلد 4 صفحہ 186 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور صحابہؓ کی غلطی کے احساس کا ذکر

کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح لکھا ہے کہ:

آپؐ اندرون خانہ تشریف لے گئے جہاں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مدد سے آپؐ نے عمامہ باندھا اور لباس پہنا۔ پھر ہتھیار لگا کر اللہ کا نام لیتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ لیکن اتنے عرصہ میں یہ جو نوجوان تھے ان کو بعض صحابہؓ کے کہنے پر اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب یہ احساس ان کو ہوا تو اکثر ان میں سے پشیمانی کی طرف مائل تھے۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہتھیار لگائے اور دوہری زرہ اور خود وغیرہ پہنے ہوئے تشریف لاتے دیکھا تو ان کی ندامت اَور بھی زیادہ ہو گئی اور انہوں نے قریباً ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم سے غلطی ہو گئی کہ ہم نے آپؐ کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پر اصرار کیا۔ آپؐ جس طرح مناسب خیال فرماتے ہیں اسی طرح

کارروائی فرمائیں۔ ان شاء اللہ اسی میں برکت ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدا کے نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ ہتھیار لگا کر پھر اتار دے قبل اس کے کہ خدا کوئی فیصلہ کرے۔ پس اب اللہ کا نام لے کر چلو۔ اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 485-486)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے کہ:

"جب آپؐ باہر نکلے تو نوجوانوں کو اپنے دلوں میں ندامت محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آپؐ کا مشورہ ہے وہی صحیح ہے ہمیں مدینہ میں ٹھہر کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ آپؐ نے فرمایا خدا کا نبی جب زرہ پہن لیتا ہے تو اتارا نہیں کرتا۔ اب خواہ کچھ ہو ہم آگے ہی جائیں گے۔ اگر تم نے صبر سے کام لیا تو خدا کی نصرت تم کو مل جائے گی۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن انوار العلوم جلد 20 صفحہ 248)

بہر حال اسلامی لشکر کی روانگی کی تیاری شروع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کے لشکر کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جزء3 صفحہ 448)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تین نیزے منگوائے اور ان پر تین جھنڈے باندھے اور قبیلہ اوس کا جھنڈا اُسید بن حضیرؓ کو دیا اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حُباب بن مُنذِرؓ کو دیا اور بعض نے کہا ہے کہ سعد بن عبادہؓ کو دیا اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا اور مدینہ میں باقی رہنے والے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے سَبْب پر سوار ہوئے، کمان کو گلے میں ڈالا اور نیزے کو ہاتھ میں لیا۔ روایت میں آتا ہے کہ غزوۂ احد کے دن مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کا نام سَبْب تھا اور دوسرا گھوڑا حضرت ابوبُردہؓ کے پاس تھا جس کا نام مُلَاوِح تھا۔ اور مسلمانوں نے بھی ہتھیار سجا رکھے تھے۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ اور دو سعد یعنی سعد بن مُعاذؓ اور سعد بن عُبادہؓ آپؐ کے آگے دوڑنے لگے۔ ان دونوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور لوگ آپؐ کے دائیں اور بائیں تھے۔ جب آپؐ ثنیہ تک پہنچے تو ایک بہت ہتھیار والی فوج دیکھی۔ ان کے ہتھیاروں کی جھنکار تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ یہ یہود میں سے عبداللہ بن اُبَی کے حلیف ہیں۔ آپؐ نے پوچھا یہود اسلام لے آئے ہیں؟ جواب دیا گیا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا:

ہم مشرکین کے خلاف اہل کفر کی مدد نہیں لیں گے۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ186 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 380 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی لکھا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلامی کے لئے تین جھنڈے تیار کروائے۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا

اُسید بن الحضیرؓ کے سپرد کیا گیا اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حباب بن منذرؓ کے ہاتھ میں دیا گیا اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا گیا۔" بعد میں یہ جھنڈا حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دے دیا گیا" اور پھر مدینہ میں عبداللہ بن ام مکتومؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کر کے آپؐ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ نماز عصر کے بعد مدینہ سے نکلے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے رؤسا سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ آپؐ کی سواری کے سامنے آہستہ آہستہ دوڑتے جاتے تھے اور باقی صحابہؓ آپؐ کے دائیں اور بائیں اور پیچھے چل رہے تھے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 486)

(شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 398 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور شیخین کے مقام پر پہنچ کر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ مدینہ کے دو پہاڑ تھے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے اپنے لشکر کا معائنہ فرمایا اور ان نوجوانوں کو واپس فرما دیا جن کے متعلق آپؐ نے اندازہ لگایا کہ وہ پندرہ سال کی عمر کو نہیں پہنچے یا جو چودہ سال کے ہیں۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ300 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(سبل الہدیٰ مترجم جلد 4 صفحہ 175)

امام شافعیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے چودہ سال کے ان سترہ نوجوانوں کو واپس کر دیا جو آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے اور آپؐ کے سامنے پندرہ سال کے لڑکے پیش کیے گئے تو آپؐ نے ان کو اجازت دے دی۔ کم عمری کی وجہ سے جن کو واپس کیا گیا، وہ بچے پُرجوش تھے، ان **میں سے بعضوں کے نام بھی روایات میں** ملتے ہیں۔ وہ یہ ہیں: عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، بَرَاء بن عازِب، اُسید بن ظُھیر، عَرَابہ بن اوس، ابوسعید خُدری، اَوس بن ثابت، سعد بن بَحِیرْ، ابن مُعاویہ بَجَلِی، سعید بن حَبْتَہ (حَبْتَہ ان کی والدہ کا نام تھا) سعد بن عُقَیب، زید بن جَارِیہ، جابر بن عبداللہ (یہ جابر بن عبداللہ وہ نہیں ہیں جن سے احادیث مروی ہیں۔ یہ اَور ہیں۔) رافع بن خَدِیج اور سَمُرَہ بن جُنْدُب۔ رافع بن خَدِیج کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ تیر انداز ہیں تو ان کو آپؐ نے اجازت دے دی۔ پہلے ان کو کہا واپس جاؤ، جب پتہ لگا کہ یہ اچھا تیر انداز ہے تو پھر آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس پر سَمُرہ بن جندب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع بن خدیج کو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے حالانکہ میں کُشتی میں اس کو پچھاڑ سکتا ہوں۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم دونوں کشتی کرو۔ کشتی میں سَمُرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا تو آپؐ نے اس کو بھی اجازت دے دی۔ پھر روایت میں آگے ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے معائنہ سے فارغ ہوئے اور سورج غروب ہو گیا تو حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر عشاء کی اذان دی۔ آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور یہ رات مقام شیخین پر گزاری اور اس رات پہرے کے لیے محمد بن مسلمہؓ کو نگران بنایا۔ یہ پچاس افراد کے ساتھ لشکر کے ارد گرد چکر لگاتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات ہماری حفاظت میں کون رہے گا؟ یعنی سارے لشکر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کون کرے گا۔ مراد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب کون رہے گا تاکہ حفاظت کا صحیح انتظام ہو سکے

تو ذکوان بن عبد قیسؓ کھڑے ہوئے۔ اپنی زرہ پہنی اور اپنی چمڑے کی ڈھال پکڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیتے رہے اور آپؐ کے پاس سے ایک گھڑی بھی جدا نہیں ہوئے یعنی ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کے وقت تک آرام فرماتے رہے۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد4 صفحه187 دارالكتب العلمية بيروت)

روایت میں آتا ہے کہ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ **فرشتے حضرت حمزہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔**

(سيرة الحلبيه جلد 2 صفحه 300 مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

اس بارے میں سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ:

"احد کا پہاڑ مدینہ سے شمال کی طرف قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کے نصف میں پہنچ کر اس مقام میں جسے شیخین کہتے ہیں آپؐ نے قیام فرمایا اور لشکر اسلامی کا جائزہ لئے جانے کا حکم دیا۔ کم عمر بچے جو جہاد کے شوق میں ساتھ آ گئے تھے واپس کئے گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، ابوسعید خدری وغیرہ سب واپس کئے گئے۔ رافع بن خَدِیج انہیں بچوں کے ہم عمر تھے مگر تیر اندازی میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی اس خوبی کی وجہ سے ان کے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی سفارش کی کہ ان کو شریک جہاد ہونے کی اجازت دی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ سپاہیوں کی طرح خوب تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ چست اور لمبے نظر آئیں۔ چنانچہ ان کا یہ داؤ چل گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس پر ایک اَور بچہ سَمُرَہ بن جُندب نامی" جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے "جسے واپسی کا حکم مل چکا تھا اپنے باپ کے پاس گیا اور کہا کہ اگر رافع کو لیا گیا ہے تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہئے کیونکہ میں رَافع سے مضبوط ہوں اور اسے کُشتی میں گرا لیتا ہوں۔ باپ کو بیٹے کے اس اخلاص پر بہت خوشی ہوئی اور وہ اسے ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بیٹے کی خواہش بیان کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا اچھا رَافع اور سَمُرہ کی کشتی کرواؤ تا کہ معلوم ہو کہ کون زیادہ مضبوط ہے۔ چنانچہ مقابلہ ہوا اور واقع میں سَمُرہ نے پل بھر میں رافع کو اٹھا کر دے مارا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سَمُرہ کو بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس معصوم بچے کا دل خوش ہو گیا۔ اب چونکہ شام ہو چکی تھی اس لئے بلالؓ نے اذان کہی اور سب صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی اور پھر رات کے واسطے مسلمانوں نے یہیں ڈیرے ڈال دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پہرے کے لئے محمد بن مسلمہؓ کو منتظم مقرر فرمایا جنہوں نے پچاس صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ رات بھر لشکر اسلامی کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے پہرہ دیا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 486-487)

عبداللہ بن ابی بن سلول پہلے تو ساتھ آیا تھا، لیکن رستے میں واپس چلا گیا تھا۔ اس کی تفصیل میں لکھا ہے کہ:

سحری کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین کے مقام سے آگے کوچ فرمایا اور مدینہ اور احد کے درمیان میں شَوْط نامی ایک مقام پر پہنچ کر نماز کا وقت ہو گیا اور اس جگہ آپؐ نے نماز فجر ادا فرمائی۔ شوط وادی قَنَاۃ

اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ اسی جگہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے ساتھی منافقوں سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تھی جو سب منافق تھے۔ واپس ہوتے ہوئے عبداللہ بن اُبَیّ کہنے لگا کہ انہوں نے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات نہیں مانی بلکہ لڑکوں کی بات مانی ہے۔ لڑکوں کی باتوں میں آ گئے جن کی کوئی رائے نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کس بنا پر اپنی جانیں دیں۔ یہ عبداللہ نے کہا۔ اس لیے اے لوگو! واپس لوٹ چلو۔ غرض سردار منافقین کے اس حکم پر اس کے منافق ساتھی مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔ ان کو جاتے دیکھ کر حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس کے پیچھے لپکے۔ یہ بھی عبداللہ بن ابی کی طرح قبیلہ خزرج کے بڑے سردار تھے۔ انہوں نے واپس جانے والوں سے کہا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے لیے مناسب ہے کہ تم عین اس وقت اپنے نبی اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کرو جبکہ دشمن اپنی پوری قوّت وطاقت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ جنگ لڑو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہی نہ آتے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہیں ہو گی۔ اس طرح انہوں نے صاف صاف واپسی کا اعلان کر دیا حالانکہ بڑی تیاری کر کے جنگ کے لیے آئے تھے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا خدا کے دشمنو! اللہ تمہیں ہلاک و برباد کرے۔ جلد ہی اللہ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ علامہ ابن جَوزِیؒ نے یہ لکھا ہے کہ جب قبیلہ بَنُو سَلَمہ اور بنو حارثہ نے عبداللہ بن اُبَیّ کو غداری کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں بازوؤں پر تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کو اس گناہ سے بچا لیا اور انہوں نے واپس جانے کا ارادہ ختم کر دیا اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔(آل عمران :123)

کہ جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ وہ بزدلی دکھائیں حالانکہ اللہ دونوں کا ولی تھا اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکّل کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے تین سو ساتھیوں کی اس غداری کے بعد اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے تھے۔ ادھر جب عبداللہ بن اُبَیّ واپس ہوا تو انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! کیا یہود میں جو لوگ ہمارے حلیف اور حمایتی ہیں ان سے اس موقع پر مدد نہ لے لیں؟ ان کی مراد مدینے کے یہودی تھے اور ان میں شاید بنو قریظہ کے یہودی مراد تھے کیونکہ بنو قریظہ کے یہودی حضرت سعد بن معاذؓ کے حلیف تھے اور حضرت سعد بن معاذؓ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ حضرت سعدؓ کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ انصار میں ان کی حیثیت اور درجہ ایسا ہی تھا جیسا مہاجرین میں حضرت ابو بکرؓ کا تھا۔ غرض انصار کے اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا:

ہمیں ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ301 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(فرہنگ سیرت صفحہ 167 زوار اکیڈمی کراچی)

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی لکھا ہے کہ:

"دوسرے دن یعنی پندرہ شوال تین ہجری مطابق 31/مارچ 624ء بروز ہفتہ سحری کے وقت لشکر اسلامی آگے بڑھا اور راستے میں نماز ادا کرتے ہوئے صبح ہوتے ہی احد کے دامن میں پہنچ گیا۔ اس موقعہ پر بدباطن عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول رئیس المنافقین نے غداری کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے ہٹ کر یہ کہتا ہوا مدینہ کی طرف واپس لوٹ گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات نہیں مانی اور ناتجربہ کار نوجوانوں کے کہنے میں آکر باہر نکل آئے ہیں۔ اس لئے میں ان کے ساتھ ہو کر نہیں لڑ سکتا۔ بعض لوگوں نے بطور خود اسے سمجھایا بھی کہ یہ غداری ٹھیک نہیں ہے مگر اس نے ایک نہ سنی اور یہی کہتا گیا کہ یہ کوئی لڑائی ہوتی تو میں بھی شامل ہوتا مگر یہ کوئی لڑائی نہیں ہے بلکہ خود ہلاکت کے منہ میں جانا ہے۔

اب **اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو نفوس پر مشتمل** تھی جو کفار کے تین ہزار سپاہیوں کے مقابلہ میں ایک چہارم سے بھی کم تھی اور سواری اور سامان حرب کے لحاظ سے بھی اسلامی لشکر قریش کے مقابلہ میں بالکل کمزور اور حقیر تھا کیونکہ مسلمانوں کی فوج میں صرف ایک سو زرہ پوش اور فقط دو گھوڑے تھے۔ اس کے بالمقابل کفار کے لشکر میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اس کمزوری کی حالت میں جسے مسلمان خوب محسوس کرتے تھے عبداللہ بن اُبَیّ کے تین سو آدمی کی غداری نے بعض کمزور دل مسلمانوں میں ایک بے چینی اور اضطراب کی حالت پیدا کر دی تھی اور ان میں سے بعض متزلزل ہونے لگ گئے۔ چنانچہ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اسی گھبراہٹ اور اضطراب کی حالت میں مسلمانوں کے دو قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے مدینہ کی طرف واپس لوٹ جانے کا ارادہ بھی کر لیا مگر چونکہ دل میں نور ایمان موجود تھا پھر سنبھل گئے اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے موت کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی اپنے آقا کے پہلو کو نہ چھوڑا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 487)

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"آپؐ ایک ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور تھوڑے فاصلہ پر جا کر رات بسر کرنے کے لئے ڈیرہ لگا دیا۔ آپؐ کا ہمیشہ طریق تھا کہ آپؐ دشمن کے پاس پہنچ کر اپنے لشکر کو کچھ دیر آرام کرنے کا موقع دیا کرتے تھے تا کہ وہ اپنا سامان وغیرہ تیار کر لیں۔ صبح کی نماز کے وقت جب آپؐ نکلے تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ کچھ یہودی بھی اپنے معاہد قبیلوں کی مدد کے بہانہ سے آئے ہیں۔ چونکہ یہود کی ریشہ دوانیوں کا آپؐ کو علم ہو چکا تھا آپؐ نے فرمایا کہ اِن لوگوں کو واپس کر دیا جائے۔ اِس پر عبداللہ بن ابی بن سلول جو منافقوں کا رئیس تھا وہ بھی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گیا کہ اب یہ لڑائی نہیں رہی۔ یہ تو ہلاکت کے منہ میں جانا ہے۔" عبداللہ بن ابی کے جانے کی ایک یہ بھی وجہ بنی تھی کہ اس نے کہا ان یہودیوں کو کیوں نہیں شامل کرتے۔ یہ تو ہلاکت کے منہ میں جانا ہے "کیونکہ خود اپنے مددگاروں کو لڑائی سے روکا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان صرف سات سو رہ گئے جو تعداد میں کفار کی تعداد سے چوتھے حصہ سے بھی کم تھے اور سامانوں کے لحاظ سے اَور بھی کمزور کیونکہ کفار میں سات سو زِرہ پوش تھا

اور مسلمانوں میں صرف ایک سوزِرہ پوش اور کفار میں دو سو گھوڑ سوار تھا مگر مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے۔"
(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 248-249)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ جب حرہ بنو حارثہ میں پہنچے تو ایک صحابی کے گھوڑے نے اپنی دم ہلائی تو وہ ان کی تلوار کو جا لگی۔ انہوں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے اپنی تلوار سونت لی۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لینا پسند کرتے اور بدشگونی کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ جس کی وہ تلوار تھی کہ اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لو کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آج ضرور تلواریں سونتی جائیں گی۔
(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جزء3 صفحہ 448-449)

یہی فال نکلتی ہے اس سے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: کون ہے جو ہمیں قریب کے راستے سے دشمن کی طرف لے جائے۔ یعنی ایسے راستے سے جو عام گزرگاہ نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابو خَیْثَمَہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! میں لے چلوں گا۔ ابن سعد وغیرہ نے ان کا نام ابو حَثْمَہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ آپؐ کو بنو حارثہ کے محلے اور ان کی زمینوں اور املاک میں سے نکالتے ہوئے مسلمانوں کے ہمراہ لے چلے یہاں تک کہ اُحُد کی گھاٹی میں پہنچ کر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا۔ آپؐ نے اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ احد پہاڑ کو اپنی پشت کی طرف کر لیا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر کر لیا۔

(سیرت الحلبیہ جلد2 صفحہ301-302 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔ مسلمانوں نے احد کے دامن میں صف بنائی۔ اور ہفتے کے دن نماز فجر کا وقت قریب ہو گیا اور مسلمان مشرکین کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت بلالؓ نے اذان اور اقامت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو صبح کی نماز پڑھائی۔ محمد بن عمر اسلَمِی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں اس چیز کی وصیت کرتا ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وصیت کی ہے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے کی۔ تم آج کے دن اجر و ثواب کی منزل پر ہو۔ جس نے اس کو یاد رکھا، پھر اس نے اس کے لیے اپنے آپ کو صبر اور یقین اور نشاط پر آمادہ کیا۔ (جس دن کے لیے تم آئے ہو آج تمہیں ان ساری باتوں کے لیے صبر کرنا پڑے گا۔) کیونکہ دشمن سے جہاد کرنا سخت مشقت کی چیز ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس پر صبر کر سکتے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے کیونکہ اللہ اپنی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور شیطان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

پس تم جہاد پر صبر کر کے اپنے اعمال کا آغاز کرو اور اس کے ذریعہ اللہ کے وعدے کو تلاش کرو۔ اور تم پر لازم ہے وہ کام جن کا میں تمہیں حکم دوں کیونکہ میں تمہاری ہدایت پر حریص ہوں۔ اور بیشک اختلاف اور جھگڑا عجز و کمزوری کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا۔ (کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے) اور اس پر مدد اور کامیابی نہیں عطا کرتا۔ اے لوگو! یہ چیز میرے سینے میں ڈال دی گئی ہے کہ جو حرام کا ارتکاب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا جو حرام کے کام کرتا ہے۔) اور جو اللہ کے لیے اس حرام سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ اور جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجیں گے۔ اور جو کسی مسلمان یا کافر سے حسن سلوک کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اس کو دنیا میں جلدی ملے گا اور آخرت میں مؤخر کر کے۔ اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس پر جمعہ لازم ہے سوائے بچے یا عورت یا مریض یا مملوک غلام کے اور جو اس سے استغنا کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے استغنا کرے گا۔ (گویا کہ آپؐ نے پوری نصائح فرما دیں کہ مسلمانوں کو کس طرح رہنا چاہیے۔ شاید اس خواب کی بنا پر آپؐ کو خیال ہوا۔)

پھر فرمایا: اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔ اور میں جو اعمال جانتا تھا کہ وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے تو میں نے تمہیں ان کا حکم دے دیا ہے۔ اور میں جو عمل بھی جانتا تھا کہ وہ تمہیں جہنم کے قریب کر دے گا تو میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔ اور روح الامین نے میرے دل میں یہ الہام کیا ہے کہ کوئی نفس تب تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا پورا رزق وصول نہ کر لے۔ اس کے رزق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ رزق اس کو دیر سے ملے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اعمال کا بدلہ دیتا ہے۔ یہاں رزق سے تمام قسم کے رزق مراد ہیں۔) پس تم اپنے ربّ سے ڈرو اور رزق کی تلاش میں اعتدال اختیار کرو۔ اور رزق کا تاخیر سے ملنا تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اس کو اللہ کی معصیت میں تلاش کرو۔ (نیک اعمال، اعلیٰ اخلاق، پاک رزق کی تلاش میں لگے رہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے اس پر بندہ اس کی اطاعت کے ذریعہ ہی قادر ہو سکتا ہے۔ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے حرام اور حلال کو واضح بیان کر دیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان کئی مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہی جانتا ہے۔ پس جو اس کو چھوڑ دے گا تو وہ اپنی عزت و دین کی حفاظت کرے گا اور جو ان میں مبتلا ہو جائے گا (یعنی غلط چیزوں میں جو مبتلا ہو جائے گا) وہ اس چرواہے کی طرح ہو گا جو چراگاہ کے قریب ہو۔ قریب ہے کہ وہ اس میں چلا جائے گا۔ اور ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے۔ سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ (ان سے بچو جو واضح طور پر حرام ہیں۔) اور مومن تمام مومنوں میں ایسے ہے جیسے سر جسم میں ہوتا ہے۔ جب سر میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم اس پر تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جلد4 صفحہ189-190 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یہ باتیں اگر **آج مسلمان یاد رکھیں تو کسی دشمن کو** ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:

”غزوہ احد..... دشمن مکے سے چل کر مدینے پہنچے“ غزوہ احد کے دن۔ ”وہ لڑائی کا سامان جو ابوسفیان شام سے لایا تھا اور جس کی پیش بندی اور دفع دخل کے لئے آنحضرتؐ کو بدر تک سفر کرنا پڑا تھا اور جس میں کفر کی شوکت ٹوٹ گئی تھی اب وہی سامان مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع کیا گیا۔ قرآن آیت ذیل میں اسے اور اس کے خرچ کرنے والے کی طرف اشارہ کرتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔(انفال:37)اس جنگ میں قریش کے ساتھ قبیلہ بنی تہامہ اور بنی کنانہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ کفار کی فوج کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی اور سب فوج مسلح سات سو ان میں زرہ پوش سوار تھے اور سب کے سب تُلے ہوئے تھے کہ جلد مسلمانوں سے انتقام لیں گے۔ اس چھوٹے چھوٹے قبائل کی مکمل پُر غیض فوج نے بہ سرداری ابوسفیان "یعنی ابوسفیان کی سرداری میں" مدینے کے شمال مشرق میں ایک مختص مقام پر اپنا مورچہ خوب مضبوط کر لیا اور اس میں اور شہر مدینے میں حد فاصل صرف کوہ احد کی گھاٹی رہ گئی۔ اس مقام پر مورچہ باندھ کر کفار نے اہل مدینہ کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنا شروع کیا۔ اس پر صحابہؓ کو نہایت غصہ آیا اور حمیت اسلام محرک انتقام ہوئی۔ آنحضرتؐ سے بکمال اصرار دفاع کی درخواست کی۔ آپؐ ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر مقابلے کو مدینے سے باہر نکلے۔ عبداللہ بن ابی ایک سردار جو مدینے میں رہتا تھا اور جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھا اب عین معرکۂ جنگ اور اس آڑے وقت میں اپنے تین سو آدمیوں سمیت مسلمانوں سے الگ ہو گیا جس سے مسلمانوں کی جمعیت ہزار سے اب سات سو رہ گئی۔ اس قلیل جمعیت میں کُل دو گھوڑے تھے مگر مجاہدین قدم ہمت برابر آگے بڑھائے چلے جاتے تھے اور نخلہائے خرما میں سے گزر کر "یعنی کھجوروں کے باغ میں سے گزر کر" کوہ احد پر پہنچ گئے۔ لشکر اسلام رات بھر اس پہاڑ کی کھو میں پڑا رہا۔ صبح نماز فجر پڑھ کر میدان میں آ جما۔"

(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ 124-125)

یعنی اس وقت لڑائی شروع ہوئی۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ بیان ہو جائے گی۔

فلسطینیوں کے لیے میں دعاؤں کے لیے کہتا رہتا ہوں۔ دعائیں کرتے رہیں۔ گذشتہ دنوں جنگ بندی ختم ہونے کے بعد جیسا کہ خیال تھا وہی ہو رہا ہے اور اسرائیلی حکومت پہلے سے بڑھ کر شدت سے غزہ کے ہر علاقے میں اب بمباری اور حملے کر رہی ہے۔ معصوم بچے اور شہری پھر شہید ہو رہے ہیں۔ اب تو اس حرکت کے خلاف امریکہ کے ایک کانگریس کے نمائندے نے بھی جو غالباً یہودی ہیں یہ کہا ہے کہ اب بہت ہو گیا ہے۔ امریکہ کو اسے روکنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ امریکہ کے صدر بھی دبے دبے الفاظ میں اب یہ بیان دے رہے ہیں کہ یہ فائرنگ بند ہونی چاہیے، یہ گولہ باری بند ہونی چاہیے جو شمال جنوب میں یکساں ہو رہی ہے۔ پہلے کہتے تھے جنوب کی طرف چلے جاؤ کچھ نہیں ہو گا۔ اب وہاں بھی یہی حال ہے۔

بہرحال یہ صدر صاحب امریکہ کے جو الفاظ ہیں یہ کسی انسانی ہمدردی کی وجہ سے نہیں ہیں۔ کسی غلط فہمی میں ہمیں نہیں رہنا چاہیے بلکہ یہ ان کے اپنے مفاد کی وجہ سے ہے کہ امریکہ میں انتخاب ہونے والے ہیں اور وہاں کے نوجوان یہ ردّ عمل اب دکھا رہے ہیں کہ جنگ بندی ہو۔ اسی طرح مسلمان بھی جو امریکی شہری ہیں یہ شور مچا رہے ہیں۔ تو یہ اپنے ووٹ لینے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ ان کو فلسطینیوں سے یا مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ پھر مسلمان ممالک ہیں۔ ان کی آواز میں کچھ زور تو پیدا ہو رہا ہے لیکن جب تک ایک ہو کر جنگ بندی کی کوشش نہیں کریں گے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بھی وحدت پیدا فرمائے۔ غیر مسلم دنیا کو پتہ ہے کہ مسلمانوں میں وحدت نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان مسلمان کو مارنے پہ، قتل کرنے پہ لگا ہوا ہے۔ یمن میں کیا کچھ

نہیں ہو رہا؟ اسی طرح دوسرے ممالک ہیں۔ ہزاروں بلکہ بعض جگہ تو لاکھوں بچے اور معصوم ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں مَر رہے ہیں۔ اور یہی چیز غیروں کو جرأت دلا رہی ہے کہ ان پر ظلم بھی کرو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو خود اپنے آپ پہ ظلم کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کو مسلمان کی جان کی فکر نہیں تو دشمن پھر کیوں فکر کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں بڑا سخت انذار فرمایا ہے۔ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنے پر جو انذار فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جہنمی ہوں گے۔ اللہ کرے کہ مسلمان ایک ہو کر دنیا سے ظلم ختم کرنے کا ذریعہ بنیں نہ کہ آپس میں لڑنے کا۔

یو این نے اپنی آواز میں کچھ بلندی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی آواز کو کون سنتا ہے؟ یہ کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے لیکن کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کی بات ماننے والا ہی کوئی نہیں۔ جو بڑی طاقتیں ہیں وہ اپنا حق استعمال کر لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ بہرحال اس ظلم کو روکنے کے لیے پہلے بھی مَیں نے جماعتوں کے ذریعہ پیغام بھیجا ہوا ہے کہ ہمیں دعا کے ساتھ اپنے حلقۂ احباب اور اپنے علاقے کے سیاست دانوں کو ظلم ختم کرنے کے لیے آواز اٹھانے کے لیے مسلسل توجہ دلانی چاہیے۔ اسی طرح اپنے حلقۂ احباب میں یہ بات بھی پھیلائیں کہ اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ معصوموں کو ظلم سے بچالے۔

نماز کے بعد میں دو جنازے غائب بھی پڑھاؤں گا۔

پہلا مکرمہ مسعودہ بیگم اکمل صاحبہ (ہالینڈ) کا ہے۔ یہ مکرم عبدالحکیم اکمل صاحب مرحوم مربی سلسلہ کی اہلیہ تھیں۔ گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے نانا حضرت میاں عبدالصمد صاحبؓ اور پڑنانا حضرت میاں فتح دین صاحبؓ سیکھواں قادیان کے تھے۔ دونوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ مرحومہ طویل عرصہ تک ہالینڈ میں اپنے شوہر کے ساتھ خدمت دین میں مصروف رہیں۔ 1957ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر اکمل صاحب پہلی بار ہالینڈ گئے اور اہلیہ ان کی ساتھ نہیں تھیں۔ یہ 1969ء میں گئیں۔ پھر دوبارہ واپس آئے۔ پھر 1986ء میں یہ گئیں۔ اپنی شادی شدہ زندگی میں کم و بیش پندرہ سال یہ اپنے شوہر کی بیرون ملک تعیناتی پر علیحدہ رہی ہیں، تنہا انہوں نے گزارے ہیں۔

ہالینڈ قیام کے دوران ان کی قابل ذکر خدمات میں لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کا قیام خاص طور پہ شامل ہے۔ لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کی اوّلین صدر کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہے۔ خلافت سے بہت اخلاص اور وفا کا تعلق تھا۔ متقی، پرہیزگار اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں تین بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں اور سب ہی کسی نہ کسی طور پر بڑے اخلاص سے جماعت کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کے ایک بیٹے صدر انصاراللہ ہیں اور اب اس سال وہ شاید دوبارہ انصار اللہ کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے بچے بھی جماعت کی خدمات کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے بچوں کو ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

دوسرا ذکر ہے ماسٹر عبدالمجید صاحب۔ یہ واقف زندگی تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں استاد تھے۔ یہ ریٹائرمنٹ کے بعد اب کینیڈا آ گئے تھے۔ وہیں گذشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

ان کے بیٹے مظہر مجید کہتے ہیں کہ والد بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ انتہائی عاجزی اور درویشی سے زندگی بسر کی۔ والدہ بتاتی ہیں کہ شادی سے لے کر وفات تک آپ کو فرشتہ سیرت انسان پایا۔ شادی کے چند سال بعد ایک دن نماز میں اونچی آواز میں رو رو کر دعا کر رہے تھے۔ نماز کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کس چیز کے لیے دعا کر رہے ہیں تو اس پر کہنے لگے کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی وقف کر کے تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں بطور استاد خدمت سرانجام دوں۔ پہلے اپنے علاقے میں کہیں اَور تھے۔ تو میں یہ دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری خواہش کو پورا کرے اور میری بیوی کو بھی اس بات پر راضی کر دے۔ شرح صدر دے دے۔ بہرحال ان کی اہلیہ نے کہا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کو فوری طور پہ وقف زندگی کا خط لکھیں۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے انہوں نے وقف کی یہ درخواست دی، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے زمانے کی بات تھی، جو انہوں نے منظور کر لی اور یہ ربوہ منتقل ہو گئے۔

یہ کہتے ہیں کہ والد صاحب کو ہر ماہ جب تنخواہ ملتی تو سب سے پہلے سیکرٹری مال کے پاس جاتے۔ چندہ ادا کرتے۔ اس کے بعد بچی ہوئی رقم آ کے والدہ کے ہاتھ میں دے دیتے۔ ربوہ آنے کے بعد انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کیا اور کبھی شکوہ نہیں کیا۔ کبھی دنیا کی خواہش، چیزوں کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ بہن بھائیوں کو ہمیشہ وقت پر نماز ادا کرنے اور جماعت اور خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اس وقت جماعت کے جو مالی حالات تھے وہ بھی ایسے نہیں تھے، کافی تنگی ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود بڑے صبر سے انہوں نے گزارہ کیا۔ جب مَیں سکول میں تھا یہ اس وقت استاد ہو کے آئے تھے اور میں نے ان کو دیکھا ہے، یہ صرف بچے کی باتیں نہیں ہیں کہ بیٹے نے باپ کی تعریف کر دی۔ ان میں واقعی یہ خوبیاں موجود تھیں۔ غیر احمدی بھی ان سے متاثر تھے۔ سکول 73ء میں یا 74ء میں یا شاید اس کے بعد جب سکول قومیائے گئے تو اس وقت پھر یہ سکول میں ہی رہے اور کچھ عرصہ انہوں نے ہائی سکول میں گزارا۔ پھر 1985ء میں جب حکومت نے ان کو ترقی دے کے بطور ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول بھیرہ میں بھیج دیا تو وہاں کا نائب ہیڈ ماسٹر جو جامع مسجد کا امام بھی تھا اور بظاہر لگتا تھا کہ وہ احمدی ہونے کی وجہ سے ان کی مخالفت کرے گا لیکن آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے وہ آپ کی نہایت عزت کرتا تھا۔ بہت زیادہ عزت کرتا تھا۔ نہایت ادب سے رہتا تھا۔

روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس کو دوسرے اساتذہ سے کہتے ہوئے سنا کہ یہ شخص باوجود قادیانی ہونے کے فرشتہ صفت انسان ہے۔ تو اس طرح خاموش تبلیغ بھی یہ کیا کرتے تھے۔ دشمنوں پر بھی اثر ڈالتے تھے۔ اکثر اوقات آپ کے شاگرد آپ سے ملنے آیا کرتے اور کہتے کہ ہم آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ لیکن آپ سب سے زیادہ فخر ان شاگردوں پر کرتے اور ان کا ذکر کرتے جنہوں نے اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دی اور اس بارے میں بڑی خوشی سے بتاتے کہ فلاں واقف زندگی میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔ واقفین زندگی کا بہت قدر اور احترام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کے درجات بلند کرے۔ ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 29/ دسمبر 2023ء خطبہ جمعہ نمبر جلد 30 شمارہ 263 صفحہ 02 تا 07)

50

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 15 / دسمبر 2023ء بمطابق 15 / فتح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے غزوۂ اُحد کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ احد میں جب پڑاؤ فرمایا تو مسلمانوں کی فوج پر ایک طرف سے عقب میں احد پہاڑ تھا جس کی وجہ سے مسلمان فوج پشت کے حملے سے محفوظ ہو گئی تھی۔ البتہ ایک طرف پہاڑی درّہ تھا اور یہ مقام ایسا تھا کہ دشمن موقع پر اس جگہ سے حملہ آور ہو سکتا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزاکت اور خطرے کو محسوس کرتے ہوئے **پچاس تیر انداز صحابہ کرامؓ کے ایک دستہ** پر عبد اللہ بن جُبیرؓ کو امیر بنایا اور اسے درّے پر متعیّن فرمایا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 487)

ان تیر اندازوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی تھیں اس حوالے سے بخاری میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

إِنْ رَأَيْتُمُوْنَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوْا مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُوْنَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ، فَلَا تَبْرَحُوْا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ۔ فرمایا کہ اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہمیں پرندے اُچک رہے ہیں تو ہرگز اپنی اس جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں اور اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم نے دشمن قوم کو شکست دے دی اور ہم نے ان کو پامال کر دیا ہے تو بھی نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب.....روایت نمبر 3039)

بخاری کی ہی ایک اَور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہ ہٹنا اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں اور تم نہ ہٹنا اگر تم ہمیں دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ گئے ہیں۔ تم ہماری مدد نہ کرنا۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوہ احد حدیث 4043)

کسی بھی صورت میں تم نے چھوڑنا نہیں۔ ایک سیرت نگار لکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم دشمن کے گھڑ سوار دستوں کو ہم سے دُور رکھنا تا کہ وہ ہمارے پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکیں اگر ہمیں فتح ہو تو تم اپنی جگہ ٹھہرے رہنا تا کہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آ جائیں تم اپنی جگہ کو لازم پکڑنا، وہاں سے نہ ہٹنا۔ اور جب تم ہمیں دیکھو

کہ ہم نے ان کو شکست دے دی ہے اور ہم ان کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں تو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم قتل کیے جا رہے ہیں تو ہماری مدد نہ کرنا اور نہ ہمارا دفاع کرنا اور ان کو تیر مارنا کیونکہ گھوڑے تیروں کی وجہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ بے شک ہم تب تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے۔ اور پھر فرمایا اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ190 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ایک مصنف نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ ہر حالت میں ہماری حفاظت کرنا۔

(سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد6 صفحہ 231 دارالسلام)

ایک سیرت نگار پچاس تیر اندازوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جس شخص کو میدانِ کارزار کے دیکھنے اور اس جبل الرُّماۃ کے جائے وقوعہ سے جو وادی قَنَاۃ کے کنارے پر ٹکا ہوا ہے واقفیت حاصل کرنے کا موقع میسر آیا ہے اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم عسکری تجربے کا علم ہو جائے گا جس سے آپؐ معرکوں کی منصوبہ بندی اور فوجی قوی کی تنظیم کی وسیع مہارت اور تیاری کے ممتاز مواقع کے انتخاب میں جو معرکہ جیتنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں ممتاز تھے۔

(غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 101-102 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

ایک مصنف نے **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماہرانہ جنگی حکمت عملی کو بیان کرتے ہوئے** لکھا ہے کہ یہ جنگی حکمت عملی ایسی بہترین اور نفیس تھی جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوجی قیادت کی عبقریت کا پتہ چلتا ہے یعنی غیر معمولی صلاحیّت کا پتہ چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باریک، نفیس اور باحکمت جنگی منصوبہ بندی تیار نہیں کر سکتا کیونکہ آپؐ باوجود یکہ دشمن کے بعد میدانِ احد میں اترے تھے لیکن آپؐ نے اپنے لشکر کے لیے جنگی نقطہ نظر سے وہ مقام منتخب فرمایا تھا جو میدانِ جنگ میں سب سے بہترین مقام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں طرف سے وہ واحد شگاف یعنی درہ جس میں سے گزر کر دشمن اسلامی لشکر کی پشت پر پہنچ سکتا تھا اسے تیر اندازوں سے بند کر دیا تھا اور پڑاؤ کے لیے میدان سے قدرے بلند جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کنندگان کی قید میں جانے کی بجائے اسلامی لشکر محفوظ پناہ گاہ تک بآسانی پہنچ جائے اور اگر دشمن قلب چیرتا ہوا اسلامی لشکر کے مرکز پر قبضے کے لیے پیش قدمی کرے تو اسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو کھلے میدان میں نشیب کی طرف رہنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ قریش کا خیال تھا کہ لشکرِ اسلام مدینہ سے نکل کر بالکل ان کے سامنے میدان میں اترے گا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اسلام کو نیم دائرے میں گھمایا اور دشمن کو مغرب میں چھوڑتے ہوئے ان کے عقب میں محفوظ ترین مقام کو منتخب فرمایا۔ جس مقام پر اسلامی لشکر موجود تھا وہ اب ایک بہترین پوزیشن میں تھا۔ احد اور عَیْنَین پہاڑوں کی وجہ سے پشت اور دایاں حصہ محفوظ تھا۔ بائیں طرف جبل رُماۃ پر تیر انداز

درہ سنبھالے ہوئے تھے اور جنوب مشرقی حصہ جو جبل رُماۃ سے آگے تھا وہاں وادی قَنَاۃ کا عمودی کنارہ تھا جہاں سے دشمن کا حملہ کرنا ناممکن تھا۔

(غزوات و سرایا از علامہ محمد اظہر فرید، صفحہ 166-167 مطبوعہ فرید یہ پرنٹنگ پریس ساہیوال)

اس بارے میں سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی لکھا ہے، کہتے ہیں کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور احد کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ ایسے طریق پر کہ احد کی پہاڑی مسلمانوں کے پیچھے کی طرف آگئی اور مدینہ گویا سامنے رہا۔ اور اس طرح آپؐ نے لشکر کا عقب محفوظ کر لیا۔ عقب کی پہاڑی میں ایک درہ تھا جہاں سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اس کی حفاظت کا آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ عبداللہ بن جبیر کی سرداری میں پچاس تیر انداز صحابی وہاں متعین فرما دیئے اور ان کو تاکید فرمائی کہ خواہ کچھ ہو جاوے وہ اس جگہ کو نہ چھوڑیں اور دشمن پر تیر برساتے جائیں۔ آپؐ کو اس درہ کی حفاظت کا اس قدر خیال تھا کہ آپؐ نے عبداللہ بن جبیر سے بہ تکرار فرمایا کہ دیکھو یہ درہ کسی صورت میں خالی نہ رہے۔ حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے اور دشمن پسپا ہو کر بھاگ نکلا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ کو نہ چھوڑنا اور اگر تم دیکھو کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے اور دشمن ہم پر غالب آ گیا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ حتیٰ کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں تو پھر بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا حتیٰ کہ تمہیں یہاں سے ہٹ آنے کا حکم جاوے۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 487-488)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ: ”آخر آپؐ احد پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے ایک پہاڑی درہ کی حفاظت کے لئے پچاس سپاہی مقرر کئے اور سپاہیوں کے افسر کو تاکید کی کہ وہ درّہ اتنا ضروری ہے کہ خواہ ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم اِس جگہ سے نہ ہلنا۔ اِس کے بعد آپؐ بقیہ ساڑھے چھ سو آدمی لے کر دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے جو اَب دشمن کی تعداد سے قریباً پانچواں حصہ تھے۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 249)

تیر اندازوں کے دستے کو پہاڑی پر مقرر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے اور صفوں کو تیار کرنے لگے اور سالاروں کی ذمہ داریاں تقسیم کرنے لگے۔ بظاہر نظر مسلمانوں کی کفار کی نسبت سے پوزیشن بہت کمزور تھی۔ تعداد کے لحاظ سے بھی کمزور، سازوسامان کے لحاظ سے بھی کمزور، ہتھیاروں کی عمدگی کے لحاظ سے بھی فریقین میں بہت تفاوت تھا۔ عددی نسبت کے لحاظ سے ایک مسلمان کم از کم چار مشرکین کے مقابلے میں تھا۔ اس طرح مشرکین کی فوج سواروں کے دستے کے ہتھیار سے بھی ممتاز تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی فوج کے اکثر جوان بے زرہ تھے اور ان میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے جبکہ مکی فوج یعنی کافروں کی فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اور یہ تعداد ساری مدنی فوج کے برابر تھی۔

(غزوہ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 103 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

مشرکین کے لشکر نے اپنی فوج کی دس صفیں ترتیب دے رکھی تھیں جبکہ اسلامی لشکر کی صرف دو صفیں

تھیں اور پچاس تیر انداز درے پر تعینات تھے مگر میدانِ جنگ کا اہم ترین اور مضبوط مقام مسلمانوں کے پاس تھا۔
(غزوات و سرایا از علامہ محمد اظہر فرید، صفحہ 174 مطبوعہ فرید یہ پرنٹنگ پریس ساہیوال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے میمنہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ کو اور میسرہ پر منذر بن عمر غنویؓ کو مقرر کیا اور فرمایا مشرکین کا جھنڈا کس نے اٹھایا ہوا ہے؟ جواب دیا گیا طلحہ بن ابی طلحہ نے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ہم وعدہ پورا کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں تو جھنڈا حضرت علیؓ سے لے کر مصعب بن عمیرؓ کو دے دیا۔ ان کا تعلق اسی قبیلے سے یعنی بنو عبد الدار بن قُصی سے تھا جس میں سے قریش کا علمبردار تھا۔ یعنی قریش کے جس قبیلے کے شخص نے جھنڈا اٹھایا ہوا تھا اسی قبیلے کے مسلمان کے ہاتھ میں آپؐ نے اپنا جھنڈا دیا۔ لکھنے والا لکھتا ہے کہ اسلام سے قبل علمبرداری کی ذمہ داری اسی خاندان کے سپرد تھی یعنی بنو عبد الدار کے اور عہد نبھانے سے مراد قُصی کا عہد یعنی قومی وفاداری کا عہد نبھانا ہے۔ جس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہم عہد نبھانے والے ہیں اور اس دن مسلمانوں کا شعار یعنی نعرہ اَمِت اَمِت تھا۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد4 صفحه190-191 دارالكتب العلمية بيروت)
(شرح زرقانی جلد2 صفحه398 دارالكتب العلمية بيروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشوع و خضوع اور **عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں فتح و کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔** اسلامی لشکر کی صفوں میں انصار دائیں اور بائیں تھے یعنی میمنہ اور میسرہ پر انصار مدینہ تھے اور قلب لشکر جہاں دوران جنگ دشمن کا مکمل دباؤ ہوتا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت مہاجرین کے ساتھ درمیان میں آپؐ تھے۔ آپؐ کا مرکز قیام دوسری صف کے پیچھے بالکل درمیان میں تھا پہلی صف کے پیچھے فوری طور پہ درمیان میں دوسری صف میں آپؐ کھڑے تھے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ ہماری طرف سے احکامات ملنے سے قبل پیش قدمی نہ کی جائے۔
(غزوات و سرایا از علامہ محمد اظہر فرید، صفحہ 174 مطبوعہ فرید یہ پرنٹنگ پریس ساہیوال)

صحیح مسلم میں روایت ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ، إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ

کہ اے اللہ! اگر تُو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

(صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استجاب الدعاء حدیث1743)

یعنی اگر تُو نے مدد نہ کی تو پھر تو یہی حال ہو گا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے دن یہ دعا کی تھی وہاں بھی ذکر ہوا تھا۔ مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ دونوں مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہو۔ وَاللّٰہ اَعْلَمُ۔ (المنهاج شرح صحيح مسلم از نووی كتاب الجهاد والسير باب استحباب الدعاء بالنصر ... صفحه 1341 مطبوعه دار ابن حزم بيروت2002ء)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن جحشؓ نے کہا تم میرے ساتھ آؤ ہم مل کر اللہ سے دعا مانگیں گے۔ وہ لوگ ایک جگہ پر الگ ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے یوں دعا مانگی کہ اے میرے رب! کل جب ہماری دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو تو میرا سامنا طاقتور سخت جنگجو سے ہو۔ میں تیری رضا کی خاطر اس کے ساتھ لڑوں اور وہ میرے ساتھ لڑے، پھر تو مجھے اس پر فتح دے میں اس کو قتل کروں اور اس کا ساز و سامان لوٹ لوں۔

پھر عبداللہ بن جحشؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یوں دعا مانگی کہ اے اللہ! کل میرا سامنا کسی ایسے شخص سے ہو جو بہت طاقتور اور سخت جنگجو ہو میں تیری رضا کی خاطر اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر وہ مجھے پکڑ کر میرے کان اور ناک کاٹ ڈالے، پھر کل جب میں تجھ سے ملوں تو تُو مجھ سے پوچھے۔ اے اللہ کے بندے! تیرے کان اور ناک کس وجہ سے کٹے ہوئے ہیں؟ تو میں کہوں یا اللہ! تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں یہ میرے ساتھ ہوا ہے۔ پھر وہ خدا فرمائے ہاں تُو نے سچ کہا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! عبداللہ بن جحشؓ کی دعا میری دعا سے اچھی تھی۔ میں نے اسی دن شام کے وقت عبداللہ کو دیکھا کہ اس کے کان اور ناک ایک دھاگے میں لٹک رہے تھے۔

(مستدرك على الصحيحين كتاب الجهاد حديث 2409 جلد 3 صفحه 907 مكتبه نزار مصطفى، رياض2000ء)

یعنی دشمن نے ان کا مُثلہ کیا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ نے بیان کیا کہ میں نے احد سے ایک دن پہلے خواب میں مبشر بن عبدالمنذر کو دیکھا۔ ان دونوں نے جو جو دعا کی تھی ان کی دعائیں قبول ہوئیں۔ ایک نے دشمن پہ فتح پائی دوسرے نے بھی خوب جنگ کی اور آخر میں شہید بھی ہوئے۔ تو بہرحال یہ دونوں کی دعاؤں کا قصہ ہے۔

پھر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ نے بیان کیا کہ میں نے احد سے ایک دن پہلے خواب میں مبشر بن عبدالمنذر کو دیکھا۔ یہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بس آپ چند دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کہاں ہیں؟ فرمانے لگے جنت میں۔ اس میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے پھرتے ہیں۔ یعنی جنت میں۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ بدر کے دن شہید نہیں ہو گئے تھے؟ کہنے لگے ہاں۔ پھر مجھے دوبارہ زندہ کر دیا گیا۔ اس خواب کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا اے ابو جابر! یہ شہادت کی خوشخبری ہے۔

(مستدرك على الصحيحين كتاب معرفة الصحابه حديث 4979 جلد 3 صفحه 413 دارالفكر بيروت2002ء)
(سبل الهدى جلد 4 صفحه 75 مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت)

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ آپؓ کے والد احد کے دن شہید ہو گئے۔

(معرفة الصحابه لابی نعيم جلد3 صفحه194 روايت نمبر4356 دارالكتب العلمية بيروت)

اس کی مزید تفصیل میں لکھا ہے کہ مشرکین نے سَبَخَہ کے مقام پر صفیں بنائیں اور جنگ کی خوب تیاری کی۔ وہ تین ہزار تھے ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے جو آگے آگے تھے۔ پھر انہوں نے گھوڑوں کی میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا تھا اور پیدل چلنے والوں پر صفوان بن امیہ کو اور بعض نے کہا کہ عمرو بن عاص کو اور تیر اندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو۔ یہ سارے لوگ بعد میں اسلام بھی لے آئے تھے۔ انہوں نے جھنڈا

طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جو عبد الدار میں سے تھا۔ یہ اس جھنڈے کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم زیادہ حق رکھتے ہیں اس کی تفصیل بھی یہاں کچھ بیان ہوئی ہے۔ طلحہ بن ابی طلحہ کو جھنڈا دیا جو بنو عبد الدار میں سے تھا اور ابوسفیان نے بنو عبد الدار کے جھنڈے والوں کو برانگیختہ کرتے ہوئے کہا: اے بنو عبد الدار! بدر کے دن بھی تم نے ہمارا جھنڈا اٹھایا تھا تو ہماری جو حالت ہوئی تم نے دیکھ لی۔ لوگوں کی جنگ کا فیصلہ ان کے جھنڈے والوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جھنڈے والا مضبوط ہو تو لوگوں کو حوصلہ رہتا ہے۔ جب وہ بھاگتے ہیں تو لوگ بھی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر جھنڈے والا بھاگ جائے تو لوگ بھی پھر خوف سے بھاگ جاتے ہیں۔ پس یا تو تم ہمارے جھنڈے کو سنبھالو اور یا ہمارے رستے سے ہٹ جاؤ۔ ہم تمہاری طرف سے کافی ہو جائیں گے۔ ان کو غیرت دلانے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جھنڈے کو تمہارے حوالے کر دیں۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا جب ہماری مڈھ بھیڑ ہو گی کہ ہم کیا کرتے ہیں۔

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ191 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

سب سے آخر میں قریش کی خواتین کے خیمے تھے جو مسلسل دف بجا بجا کر مقتولین بدر کا تذکرہ کر کے جنگجوؤں کے جوش و جذبہ کو گرما رہی تھیں اور سابقہ ہزیمت کی تلافی پر انہیں ابھار رہی تھیں۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد6 صفحہ470)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس کی تفصیل سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھتے ہیں کہ: ”اپنے عقب کو پوری طرح مضبوط کر کے آپؐ نے لشکر اسلامی کی صف بندی کی اور مختلف دستوں کے جدا جدا امیر مقرر فرمائے۔ اس موقعہ پر آپؐ کو یہ اطلاع دی گئی کہ لشکر قریش کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں ہے۔ طلحہ اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قریش کے مورث اعلیٰ قُصَیّ بن کلاب کے قائم کردہ انتظام کے ماتحت جنگوں میں قریش کی علمبرداری کا حق رکھتا تھا۔ یہ معلوم کر کے“ جب آپؐ کو یہ پتہ لگا تو ”آپؐ نے فرمایا:

ہم قومی وفاداری دکھانے کے زیادہ حق دار ہیں چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے مہاجرین کا جھنڈا لے کر مصعب بن عمیرؓ کے سپرد فرما دیا جو اسی خاندان کا ایک فرد تھا جس سے طلحہ تعلق رکھتا تھا۔ دوسری طرف قریش کے لشکر میں بھی صف آرائی ہو چکی تھی۔ ابوسفیان امیر العسکر تھا“ سپہ سالار تھا۔ ”میمنہ پر خالد بن ولید کمانڈر تھا اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ تیر انداز عبد اللہ بن ربیعہ کی کمان میں تھے۔ عورتیں لشکر کے پیچھے دفیں بجا بجا کر اور اشعار گا گا کر مردوں کو جوش دلاتی تھیں۔“

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ488)

بہر حال جب دونوں لشکروں کی صف بندی ہو رہی تھی تو ابوسفیان نے پکار کر انصاری مسلمانوں سے کہا کہ اے گروہ اوس و خزرج! تم لوگ ہمارے اور ہمارے خاندان والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس پر انصار نے ابوسفیان کو بہت برا بھلا کہا اور اس کو سخت لعنت ملامت کی۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ303 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

جنگ کا آغاز اب ہوتا ہے۔ جنگ کے لیے سب سے پہلے ابتدا ابوعامر فاسق نے کی۔ اس کو جاہلیت میں

راہب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا تھا۔ یہ شخص مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا تھا اور قریش سے کہتا تھا کہ جب میں اپنی قوم سے جا کر ملوں گا تو ساری قوم میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس کو یہ غلط فہمی تھی کہ جب میں تمہارے ساتھ وہاں جاؤں گا میں اپنا نام لوں گا تو انصار مسلمانوں کو چھوڑ کے میرے ساتھ آ جائیں گے۔ بہر حال یہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کے ساتھ نمودار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ لوگ اس کے ساتھ مکہ سے گئے تھے اور باقی مختلف قبیلوں سے جمع کیے ہوئے اور اہل مکہ کے غلام تھے۔ اس نے آواز دی۔ اے اوس کی جماعت! میں ابو عامر ہوں۔ تو انصار نے کہا اے فاسق! اللہ تیری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ جب اس نے انصار کا یہ جواب سنا تو کہا میری قوم کو میرے بعد شر پہنچا ہے۔ پھر اس نے بڑی سخت لڑائی کی۔ پھر ان پر پتھر پھینکنے لگا۔

(سیرۃ النبی لابن ھشام صفحہ525 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(سبل الھدٰی والرشاد جلد4 صفحہ191 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہؓ مسلمانوں کی جانب سے اس جنگ میں شامل تھے۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ اپنے باپ کو خود قتل کریں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ327 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اب یہ جنگی حالات ہیں اس کے باوجود ہوش و حواس بھی قائم رکھنے کے لیے آپؐ نے یہ فرمایا۔ نہیں، تم نے نہیں کرنا۔ اس کو کوئی اَور قتل کرے گا۔ چنانچہ ابو عامر کے بعد مشرکوں کی طرف سے ایک شخص جو اونٹ پر سوار تھا میدان میں نکل کر آیا اور مبارزت طلب کی۔ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ للکارا تو حضرت زبیرؓ نکل کر اس کی طرف بڑھے اور ایک دم زور سے اچھلے اور اونٹ پر اس کے برابر پہنچ کر اس کی گردن پکڑ لی پھر دونوں میں اونٹ کے اوپر ہی زور آزمائی ہونے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں جو بھی پہلے زمین کو چھوئے گا وہی قتل ہو جائے گا۔ اسی دوران وہ مشرک اونٹ پر سے نیچے گرا اور اس کے اوپر حضرت زبیرؓ گرے۔ انہوں نے فوراً ہی اس مشرک کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا:

ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔ اور فرمایا: اگر اس مشرک کے مقابلے کے لیے زبیر نہ نکلتا تو مَیں خود نکلتا۔

(سیرت الحلبیہ جلد2 صفحہ 303 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

جب لوگوں میں مُٹھ بھیڑ ہوئی اور ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ہند بنت عتبہ عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور وہ عورتیں دف بجانے لگیں تو ہند نے اشعار میں کہا۔ دیکھو! اے بنو عبد الدار دیکھو! اپنی پشتوں کی حفاظت کرنے والو۔ آگے بڑھو اور خوب شمشیر کے جوہر دکھاؤ ہم معزز لوگوں کی بیٹیاں ہیں۔ گا گا کر یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ ہم گداز قالینوں پر چلتی ہیں، ہماری گردنوں پر موتی آویزاں ہیں، ہماری مانگ میں کستوری بھری ہوئی ہے۔ اگر تم پیش قدمی کرو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور اگر تم نے پیٹھ پھیر لی تو ہم تم سے روٹھ جائیں گی اور اس

کنارہ کشی پر ہمیں کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ ان کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو فرمایا:

اَللّٰهُمَّ بِكَ أَجُوْلُ وَبِكَ أَصُوْلُ وَ فِيْكَ أُقَاتِلُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

اے اللہ! تیرے ساتھ میں چکر لگاتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی حملہ کرتا ہوں اور تیری رضا کے لیے قتال کرتا ہوں۔ مجھے اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

(سبل الهدٰى والرشاد جلد4 صفحه191-192 دارالكتب العلمية بيروت)

اُن کا ایک دنیاوی ذریعہ تھا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بہرحال اب دونوں فوجوں میں باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ اس دن لوگوں نے بہت سخت لڑائی کی اور جنگ خوب بھڑکی۔ ابو دجانہ انصاریؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، حمزہ بن عبد المطلبؓ، علی بن ابو طالبؓ، انس بن نَضرؓ اور سعد بن ربیعؓ وغیرہ نے جنگ میں خوب شجاعت دکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور مسلمانوں نے مشرکین کو تلوار سے خوب قتل کیا یہاں تک کہ ان کو لشکر سے بھگا دیا یا ان کے لشکر کو بھگا دیا۔ مشرکین کے گھڑ سواروں نے مسلمانوں پر تین مرتبہ حملہ کیا ہر دفعہ ان کو تیروں کے ذریعہ پسپا کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس روز اپنے بھائی زیدؓ کو کہا اے میرے بھائی! میری زرہ پہن لے تو زیدؓ نے کہا میں بھی شہادت کا اسی طرح خواہش مند ہوں جیسے آپؓ ہیں۔ تو ان دونوں بھائیوں نے زرہ نہیں پہنی۔ شہادت کے شوق میں بغیر زرہ کے جنگ کی۔ جب اس دن لڑائی شدت اختیار کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے جھنڈے کے نیچے بیٹھ گئے اور علیؓ کو پیغام بھجوایا کہ جھنڈا لے کر آگے بڑھیں۔ اس پر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور کہا میں ابو القُصَم ہوں۔ اس پر مشرکوں کی صفوں میں سے ایک شخص نکلا۔ یہ طلحہ بن ابو طلحہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں مشرکوں کا پرچم تھا۔ کیونکہ جنگوں میں پرچم اٹھانے کا اعزاز بنو عبد الدار کے خاندان کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیونکہ قریشی پرچم عبد الدار نے ہی بنایا تھا۔ طلحہ بن ابو طلحہ نے مبارزت طلب کی۔ کون ہے جو میرے مقابلے کو آئے گا؟ اس نے کئی بار مسلمانوں کو للکارا مگر کوئی شخص بھی اس کی طرف نہیں نکلا۔ آخر طلحہ نے پکار کر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو! تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول یعنی شہید جنت میں جاتے ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ اے محمد کے ساتھیو! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا خیال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جلدی جلدی تمہاری تلوار کی دھار پر رکھ کر جہنم میں جھونکتا ہے اور تمہیں ہماری تلواروں سے قتل کرا کر فوراً جنت میں داخل کر دیتا ہے اس لیے تم میں سے کون ہے جو مجھے اپنی تلوار کے ذریعہ جلد از جلد جہنم میں پہنچا دے یا جلد از جلد میری تلوار کے ذریعہ جنت میں پہنچ جائے۔ اس نے بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہنے لگا کہ لات و عزیٰ کی قسم تم جھوٹے ہو۔ اگر تم اپنے اس عقیدے پر یقین رکھتے تو یقیناً تم میں سے کوئی نہ کوئی اس وقت میرے مقابلے کے لیے نکل آتا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نکل کر مقابلے کے لیے اس کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں میں تلواروں کے وار شروع ہو گئے اور حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان میں یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اچانک حضرت علیؓ اس پر جھپٹے اور اس کو پچھاڑ دیا اس کی ٹانگ کاٹ دی اور اسے زمین پر گرا دیا۔ اس طرح اس کے جسم کے

پوشیدہ اعضاء ظاہر ہو گئے۔ اس وقت طلحہ نے کہا اے میرے بھائی! میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ وہاں سے لوٹ آئے اور اس پر مزید وار نہیں کیا۔ اس پر بعض صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپؓ نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کا ستر کھل گیا تھا اور اس کا رخ میری طرف تھا اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے یہ جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا ہے۔

مشرکین کی تباہی اور مسلمانوں کی فتح:

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم نے اس کو کس لیے** چھوڑ دیا؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا اس نے خدا کا واسطہ دے کر مجھ سے رحم کی بھیک مانگی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ مشرکین کے علمبردار کا قتل ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی تصدیق تھی کہ 'میں مینڈھے کے پیچھے سوار ہوں۔' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور بلند آواز سے اللہ اکبر! کہا تو مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر! کہا اور مشرکین پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کی صفیں تتر بتر ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ مختلف گروہوں میں ہو گئے اور دشمن کو تلواروں سے کاٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کو ان کے سامنے سے دُور کر دیا۔ طلحہ کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی ابوشیبہ عثمان بن ابو طلحہ نے لے لیا۔ پھر حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کیا۔ اس کا ہاتھ کندھے تک کاٹ ڈالا اور ان کی تلوار اس کی ہنسلی تک کاٹ گئی۔ حضرت حمزہؓ اس کو قتل کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے کہ میں حاجیوں کے ساقی یعنی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد مشرکوں کے پرچم کو عثمان اور طلحہ کے بھائی نے اٹھا لیا جس کا نام ابوسعید بن ابو طلحہ تھا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر چلایا جو اس کے سینے میں لگا اور اس طرح اس کو بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد طلحہ بن ابو طلحہ جس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا اس کے بیٹے مُسَافِع نے پرچم اٹھایا تو حضرت عاصم بن ثابتؓ نے اس پر تیر چلایا اور وہ بھی قتل ہو گیا۔ اس کے بعد مُسَافِع کے بھائی حارث بن طلحہ نے پرچم سنبھالا تو پھر حضرت عاصمؓ نے تیر چلایا اور اس کو بھی قتل کر دیا۔

طلحہ کے ان دونوں بیٹوں مُسَافِع اور حارث کی ماں بھی مشرک لشکر کے ساتھ تھی۔ اس عورت کا نام سلافہ تھا۔ جس کے بھی حضرت عاصمؓ کا تیر لگتا وہی بیٹا وہاں سے زخمی ہو کر لوٹتا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ سلافہ کہتی تجھے کس نے زخمی کیا؟ بیٹا جواب میں کہتا میں نے اس شخص کی آواز سنی ہے اس نے مجھ پر تیر چلانے کے بعد کہا تھا لے اسے سنبھال میں ابوالفلح کا بیٹا ہوں۔ چنانچہ اس نے منت مانی یعنی اس کی ماں نے کہ اگر عاصم بن ثابت کا سر میرے ہاتھ لگا تو اس میں شراب بھر کر پیئوں گی۔ اور اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی عاصم بن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا تو میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گی مگر حضرت عاصمؓ اس غزوۂ احد میں شہید نہیں ہوئے۔ ان کی شہادت سریہ رجیع میں ہوئی تھی۔ غرض ان دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد ان کے تیسرے بھائی کلاب بن طلحہ نے پرچم اٹھایا جسے حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ ایک قول کے مطابق اسے قُزْمَان نے قتل کیا تھا اس کے بعد ان کے بھائی جلاس بن طلحہ نے پرچم اٹھایا تو اس کو حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ

چاروں بھائی یعنی مُسَافِع، حارث، کلاب اور جلاس اپنے باپ طلحہ کی طرح وہیں قتل ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی ان کے دونوں چچا عثمان اور ابو سعید بھی اسی دن غزوۂ احد کے دن قتل ہو گئے۔

ان کے بعد قریشی پرچم اَرْطَاۃ بن شرحبیل نے اٹھایا تو اس کو حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت حمزہؓ نے قتل کیا۔ اس کے بعد شریح بن قَارِظ نے پرچم سنبھالا تو وہ بھی قتل ہو گیا مگر اس کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد یہ پرچم ابو زید بن عمرو نے اٹھایا۔ اس کو قُزْمَان نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شرحبیل بن ہاشم کے بیٹے نے پرچم بلند کیا تو اس کو بھی قُزْمَان نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے غلام صوّاب نے یہ پرچم اٹھا لیا۔ یہ ایک حبشی شخص تھا۔ یہ لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ یہ جلدی سے بیٹھ گیا اور اپنے سینے اور گردن کے سہارے سے پرچم کو اٹھائے رہا یہاں تک کہ اس کو بھی قُزْمَان نے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے قاتل حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ تھے۔ بہر حال جب جملہ جھنڈا بردار مارے گئے تو مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کی عورتیں ان کی ہلاکت کی بد دعائیں دے رہی تھیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ علمبردار مارا جائے گا۔ وہ سب مارے گئے اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے ان کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ ان کو لشکر سے دُور کر دیا۔ قریش کے لشکر کے ساتھ آنے والی عورتیں بھی بھاگ گئیں۔ **اس پر قریش کی شکست پر کوئی شک باقی نہ رہا۔** مسلمان مشرکین کے لشکر میں داخل ہو گئے اور مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ303 تا305 دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(سبل الہدیٰ مترجم جلد4 صفحہ 184 تا186)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”سب سے پہلے لشکر قریش سے ابو عامر اور اس کے ساتھی آگے بڑھے ..... یہ قبیلہ اوس میں سے تھا اور مدینہ کا رہنے والا تھا اور راہب کے نام سے مشہور تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس کے کچھ عرصہ بعد یہ شخص بغض و حسد سے بھر گیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ چلا گیا اور قریش مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا۔ چنانچہ اب جنگِ احد میں وہ قریش کا حمایتی بن کر مسلمانوں کے خلاف شریک جنگ ہوا۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ابو عامر کا بیٹا حنظلہ ایک نہایت مخلص مسلمان تھا اور اس جنگ کے موقعہ پر اسلامی لشکر میں شامل تھا اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہوا۔ ابو عامر چونکہ قبیلہ اوس کے ذی اثر لوگوں میں سے تھا اس لئے اسے یہ پختہ امید تھی کہ اب جو میں اتنے عرصہ کی جدائی کے بعد مدینہ والوں کے سامنے ہوں گا تو وہ میری محبت میں فوراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر میرے ساتھ آملیں گے۔ اسی امید میں ابو عامر اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر سب سے پہلے آگے بڑھا اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگا۔ اے قبیلہ اوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے یک زبان ہو کر کہا۔ دُور ہو جا اے فاسق! تیری آنکھ ٹھنڈی نہ ہو اور ساتھ ہی پتھروں کی ایک ایسی باڑ ماری کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر قریش کا علمبردار طلحہ بڑے جوش کی حالت میں آگے بڑھا اور بڑے متکبرانہ لہجہ میں مبارز طلبی کی۔

حضرت علیؓ آگے بڑھے اور دو چار ہاتھ میں طلحہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے آیا اور ادھر سے اس کے مقابل پر حضرت حمزہؓ نکلے اور جاتے ہی اسے مار گرایا۔ کفار نے یہ نظارہ دیکھا تو غضب میں آکر عام دھاوا کر دیا۔ مسلمان بھی تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔

.....**الغرض قریش کے علمبردار کے مارے جانے کے بعد** دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں اور سخت گھمسان کا رن پڑا اور ایک عرصہ تک دونوں طرف سے قتل و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر آہستہ آہستہ اسلامی لشکر کے سامنے قریش کی فوج کے پاؤں اکھڑنے شروع ہوئے۔ چنانچہ مشہور انگریز مؤرخ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے خطرناک حملوں کے سامنے مکی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگ گئے۔ قریش کے رسالے نے کئی دفعہ یہ کوشش کی کہ اسلامی فوج کے بائیں طرف عقب سے ہو کر حملہ کریں۔ مگر ہر دفعہ ان کو ان پچاس تیر اندازوں کے تیر کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہاں خاص طور پر متعیّن کیے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے اُحد کے میدان میں بھی وہی شجاعت و مردانگی اور موت و خطر سے وہی بے پروائی دکھائی گئی جو بدر کے موقعہ پر انہوں نے دکھائی تھی۔ یہ انگریز مؤرخ لکھ رہا ہے۔ ”مکہ کے لشکر کی صفیں پھٹ پھٹ جاتی تھیں۔ جب اپنی خود کے ساتھ سرخ رومال باندھے ابو دجانہ ان پر حملہ کرتا تھا اور اس تلوار کے ساتھ جو اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی تھی چاروں طرف گویا موت بکھیرتا جاتا تھا۔ حمزہ اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں کی کلغی لہراتا ہوا ہر جگہ نمایاں نظر آتا تھا۔ علی اپنے لمبے اور سفید پھریرے کے ساتھ اور زبیر اپنی شوخ رنگ کی چمکتی ہوئی زرد پگڑی کے ساتھ بہادران اِلیَڈ کی طرح جہاں بھی جاتے تھے دشمن کے واسطے موت و پریشانی کا پیغام اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔“ یہ جو اِلیَڈ کا ذکر کیا ہے ولیم میور نے یہ یونانی کہانیوں کے ہیرو ہیں جو بڑے سخت جنگجو تھے۔ بہرحال وہ کہتا ہے کہ:

”یہ وہ نظارے ہیں جہاں بعد کی اسلامی فتوحات کے ہیرو تربیت پذیر ہوئے۔ غرض لڑائی ہوئی اور بہت سخت ہوئی اور کافی وقت تک غلبہ کا پہلو مشکوک رہا۔ لیکن آخر خدا کے فضل **سے قریش کے پاؤں اکھڑنے لگے** اور ان کے لشکر میں بدنظمی اور ابتری کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ قریش کے علمبردار ایک ایک کر کے مارے گئے اور ان میں سے تقریباً نو شخصوں نے باری باری اپنے قومی جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لیا مگر سارے کے سارے باری باری مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔“ جیسا کہ تفصیل میں بیان ہوا ہے۔ ”آخر طلحہ کے ایک حبشی غلام صواب نامی نے دلیری کے ساتھ بڑھ کر عَلَم اپنے ہاتھ میں لے لیا مگر اس پر بھی ایک مسلمان نے آگے بڑھ کر وار کیا اور ایک ہی ضرب میں اس کے دونوں ہاتھ کاٹ کر قریش کا جھنڈا خاک پر گرا دیا لیکن صواب کی بہادری اور جوش کا بھی یہ عالم تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر گرا اور جھنڈے کو اپنی چھاتی کے ساتھ لگا کر اسے پھر بلند کرنے کی کوشش کی مگر اس مسلمان نے جو جھنڈے کے سرنگوں ہونے کی قدر و قیمت کو جانتا تھا اوپر سے تلوار چلا کر صواب کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد پھر قریش میں سے کسی شخص کو یہ جرأت اور ہمت نہیں ہوئی کہ اپنے عَلَم کو اٹھائے۔ ادھر مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر تکبیر کا نعرہ لگاتے ہوئے پھر زور سے حملہ کیا اور دشمن کی رہی سہی صفوں کو چیرتے اور منتشر کرتے ہوئے لشکر کے دوسرے پار

قریش کی عورتوں تک پہنچ گئے اور مکہ کے لشکر میں سخت بھاگڑ پڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان قریباً صاف ہو گیا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے ایسی قابلِ اطمینان صورت حال پیدا ہو گئی کہ وہ مال غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 488 تا 491)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

:"لڑائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے تھوڑی ہی دیر میں ساڑھے چھ سو مسلمانوں کے مقابلہ میں تین ہزار مکہ کا تجربہ کار سپاہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کیا تو ان لوگوں نے جو پشت کے درہ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے انہوں نے اپنے افسر سے کہا اب تو دشمن کو شکست ہو چکی ہے اب ہمیں بھی جہاد کا ثواب لینے دیا جائے۔ افسر نے ان کو اِس بات سے روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد دلائی مگر انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا صرف تاکید کے لئے فرمایا تھا ورنہ آپؐ کی مراد یہ تو نہیں ہو سکتی تھی کہ دشمن بھاگ بھی جائے تو یہاں کھڑے رہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے درہ چھوڑ دیا اور میدانِ جنگ میں کود پڑے۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 249)

اور یہ نافرمانی کی وجہ سے پھر بعد میں جو نتائج ظاہر ہوئے ان کا ذکر بھی آئندہ ہو گا۔

ابو دجانہؓ کی تلوار کے بارے میں جس طرح ولیم میور نے لکھا ہے۔ اس کی تفصیل میں بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر اس کا حق ادا کرنے والے صحابی کون تھے؟ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں اس بارے میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن ایک تلوار پکڑی اور فرمایا۔ مَنْ يَأْخُذُ مِنِّيْ هٰذَا۔ کہ اسے مجھ سے کون لے گا؟ تو سب نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور ان میں سے ہر ایک نے کہا مَیں مَیں۔ آپؐ نے پھر فرمایا: فَمَنْ يَأْخُذُهٗ بِحَقِّهٖ کہ کون اس کو اس کے حق کے ساتھ لے گا؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں اس پر لوگ رک گئے تو حضرت سماک بن خرشہ ابو دجانہؓ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے تلوار لی اور مشرکوں کے سر پھاڑ دیے۔ یعنی اس کا حق ادا کیا۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل ابی دجانه حدیث 6353)

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

ابن عتبہ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار دکھائی تو حضرت عمرؓ نے اس کو طلب کیا تو آپؐ نے اعراض کیا۔ پہلے حضرت عمرؓ نے مانگنے کی کوشش کی پھر حضرت زبیرؓ نے مانگی تو آپؐ نے اعراض کیا، ان کو بھی نہیں دی۔ تو ان دونوں نے اس سے دل میں افسوس کیا اور ایک روایت میں ہے کہ زبیر نے تین مرتبہ تلوار مانگی۔ ہر دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔

(سبل الهدٰی والرشاد جلد 4 صفحہ 192 دار الکتب العلمیة بیروت)

ان کو بھی نہیں دی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس موقع پر جن اصحابؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تلوار ان کو عنایت

کی جائے ان میں حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ (شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 404 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپؐ نے فرمایا: اس کو حق کے ساتھ کون استعمال کرے گا؟

ابو دجانہؓ نے پوچھا اس کا حق کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کافر کے مقابلے پر نہ بھاگنا۔ یعنی ڈٹ کے مقابلہ کرنا۔

اس پر حضرت ابو دجانہؓ نے عرض کیا۔ میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو دجانہؓ کو تلوار دی تو انہوں نے اس سے مشرکین کے سر پھاڑ دیے۔ انہوں نے اس موقع پر یہ اشعار پڑھے کہ

أَنَا الَّذِیْ عَاهَدَنِیْ خَلِیْلِیْ وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَی النَّخِیْلِ

اَنْ لَّا أَقُوْمَ الدَّهْرَ فِی الْکَیُوْلِ أَضْرِبْ بِسَیْفِ اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

مَیں وہ ہوں جس سے میرے دوست نے وعدہ لیا ہے جبکہ ہم سَفح مقام پر کھجور کے درختوں کے پاس تھے اور وہ وعدہ یہ ہے کہ میں لشکر کی پچھلی صفوں میں نہ کھڑا ہوں اور اللہ اور رسولؐ کی تلوار سے دشمنوں سے لڑائی کروں۔ بہرحال حضرت ابو دجانہؓ یہ لے کر پھر بڑی تفاخرانہ چال چلتے ہوئے لشکر کی صفوں کے درمیان چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ هٰذِهٖ مِشْیَةٌ یُبْغِضُهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا فِیْ هٰذَا الْمَقَامِ کہ یہ ایسی چال ہے **جو اللہ عزّوجلّ کو ناپسند ہے سوائے اس مقام کے یعنی جنگ کے موقع پر۔**

(الاصابہ جلد 7 صفحہ 100 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(اسد الغابہ جلد 2 صفحہ 317 مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یہ جس طرح چل رہے ہیں۔ حضرت ابو دجانہؓ کا ذکر کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ مبارزت میں جب کفار قریش کو ہزیمت اٹھانی پڑی تو کفار نے یہ نظارہ دیکھا تو غضب میں آکر عام دھاوا کر دیا۔ مسلمان بھی تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ غالباً اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: کون ہے جو اسے لے کر اس کا حق ادا کرے؟ بہت سے صحابہؓ نے اس فخر کی خواہش کے لیے اپنے ہاتھ پھیلائے جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ بلکہ بعض روایات کی رُو سے حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ مگر آپؐ نے اپنا ہاتھ روکے رکھا اور یہی فرماتے گئے۔ کوئی ہے جو اس کا حق ادا کرے؟ آخر ابو دجانہ انصاریؓ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! مجھے عنایت فرمایئے۔ آپؐ نے یہ تلوار انہیں دے دی اور ابو دجانہؓ اسے ہاتھ میں لے کر بڑے تبختر کی چال سے، بڑے اکڑتے ہوئے فخر کے ساتھ کفار کی طرف آگے بڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: خدا کو یہ چال بہت ناپسند ہے مگر ایسے موقع پر ناپسند نہیں۔ زبیر جو غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لینے کے سب سے زیادہ خواہش مند تھے اور قرب رشتہ کی وجہ سے اپنا حق بھی زیادہ سمجھتے تھے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے کہ کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلوار نہیں دی اور ابو دجانہ کو دے دی ہے اور اپنی

اس پریشانی کو دُور کرنے کے لیے انہوں نے دل میں عہد کیا کہ میں اس میدان میں ابو دجانہ کے ساتھ ساتھ رہوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ اس تلوار کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ابو دجانہ نے اپنے سر پر ایک سرخ کپڑا باندھا اور اس تلوار کو لے کر حمد کے گیت گنگناتا ہوا مشرکین کی صفوں میں گھس گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ جدھر جاتا تھا گویا موت بکھیرتا جاتا تھا اور میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا جو اس کے سامنے آیا ہو اور پھر وہ بچا ہو۔ حتیٰ کہ وہ لشکر قریش میں سے اپنا راستہ کاٹتا ہوا لشکر کے دوسرے کنارے نکل گیا جہاں قریش کی عورتیں کھڑی تھیں۔ ہند زوجہ ابوسفیان جو بڑے زور شور سے اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھی اس کے سامنے آئی اور ابو دجانہ نے اپنی تلوار اس کے اوپر اٹھائی۔ جس پر ہند نے بڑے زور سے چیخ ماری اور اپنے مردوں کو امداد کے لیے بلایا مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ آیا لیکن میں نے دیکھا کہ ابو دجانہ نے خود بخود ہی اپنی تلوار نیچی کر لی اور وہاں سے ہٹ آیا۔ زبیر روایت کرتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے ابو دجانہ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ پہلے تم نے تلوار اٹھائی اور پھر نیچی کر لی۔ اس نے کہا میرا دل اس بات پر تیار نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایک عورت پر چلاؤں اور عورت بھی وہ جس کے ساتھ اس وقت کوئی مرد محافظ نہیں۔ یہ ہے اسلامی جنگ کا اصول۔ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت سمجھا کہ واقعی جو حق رسول اللہؐ کی تلوار کا تھا وہ اس نے ادا کیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 489-490)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس موقع کا ذکر بیان فرمایا کہ ایک صحابیؓ کے پوچھنے پر کہ اس عورت پر تلوار اٹھا کر پھر اسے قتل کیوں نہ کیا؟ تو اس پر ابو دجانہ نے کہا کہ میرے دل نے برداشت نہ کیا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تلوار کو ایک کمزور عورت پر چلاؤں۔ حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ادب اور احترام کی ہمیشہ تعلیم دیتے تھے جس کی وجہ سے کفار کی عورتیں زیادہ دلیری سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تھیں اس بات سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کیوں یہ واقعہ ہوا۔ اس لیے ہوا کہ آپؐ عورتوں کے احترام کی تعلیم دیتے تھے اور عورتیں اس کی وجہ سے پھر زیادہ دلیر ہو گئی تھیں اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تھیں مگر پھر بھی مسلمان ان باتوں کو برداشت کرتے چلے جاتے تھے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 421-422)

پس یہ ہیں اسلامی جنگوں کے اصول۔ ان شاء اللہ باقی آئندہ۔

فلسطینیوں کے لیے بھی دعائیں کرتے رہیں۔ ظلم کی انتہا دن بدن ہوتی چلی جا رہی ہے، بلکہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اب ظالموں کی پکڑ کے سامان کرے اور مظلوم فلسطینیوں کے لیے بھی آسانیاں پیدا فرمائے۔ مسلمان ممالک کو بھی عقل اور سمجھ دے کہ ان کی آواز ایک ہو اور وہ مسلمان بھائیوں کے لیے ان کا حق ادا کرنے کے لیے کوشش کرنے والے ہوں۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 05/ جنوری 2024ء جلد 31 شمارہ 05 صفحہ 02 تا 07)

51

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 22/ دسمبر 2023ء بمطابق 22/ فتح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج کل خطبات میں غزوۂ اُحد کا ذکر ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا تھا کہ مسلمانوں نے عام جنگ میں کافروں کو سخت نقصان پہنچایا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی حکم کے باوجود بھی **جب درّے کی حفاظت پر مامور اکثریت نے درّہ خالی کر دیا** تو دشمن نے اس طرف سے حملہ کیا اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے اور کوئی شخص بھی اب پرچم اٹھانے یا اس کے قریب آنے کی ہمت نہ کر سکا تو ایک دم مشرک پسپا ہونے لگے اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ ان کی عورتیں بھی جو کچھ ہی دیر پہلے پُر مسرت لہجوں اور پورے جوش و خروش سے دف بجا بجا کر گا رہی تھیں، دف پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگیں۔ مسلمانوں نے دشمن کو بھاگتے دیکھا تو وہ ان کا پیچھا کر کے ان کے ہتھیار لینے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اسی وقت مسلمانوں کا وہ تیر انداز دستہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی پر تعینات کر کے حکم دیا تھا کہ کسی بھی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں وہاں سے مال غنیمت جمع کرنے کے لیے بھاگا۔ یہ کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس دستے کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ نے ان کو سختی سے منع کیا کہ ان کو کسی حال میں بھی یہاں سے ہٹنے کا حکم نہیں ہے مگر وہ لوگ نہیں مانے اور کہنے لگے مشرکین کو شکست ہو گئی ہے، اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے؟ یہ کہہ کر وہ لوگ پہاڑی سے اتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے مگر ان کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور کچھ دوسرے صحابہؓ اپنی جگہ جمے رہے جن کی تعداد دس سے بھی کم ہو گی۔ انہوں نے نیچے جانے والوں سے کہا یعنی درّے سے جو نیچے اتر رہے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہر گز نہیں کروں گا۔ ان کے امیر نے یہ کہا۔ اکثر مؤرخین اور سیرت نگار درہ چھوڑنے والے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے یہی بیان کرتے ہیں کہ ان کو مالِ غنیمت کی جلدی تھی اس لیے وہ اصرار کر رہے تھے کہ جب باقی سب لوگ مال غنیمت لُوٹ رہے ہیں تو ہم کیوں پیچھے رہیں جبکہ ان کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ انہیں روک رہے تھے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم تھا کہ

جو بھی ہو تم لوگ اپنی جگہ، اس جگہ سے نہیں ہٹو گے اس لیے ہمیں یہیں رہنا چاہیے لیکن ان لوگوں کی اکثریت نے امیر کی بات سے اتفاق نہیں کیا اور مالِ غنیمت لُوٹنے کے لیے درے سے نیچے اتر آئے۔ اکثر مؤرخین نے یہ لکھا ہے اور کتب حدیث اور تفسیر میں بھی عمومی طور پر یہی ذکر ملتا ہے کہ یہ صحابہؓ مال غنیمت کی جلدی کی وجہ سے درہ چھوڑ کر چلے گئے اور سورہ آل عمران کی آیت 153 کہ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ کہ تم میں سے ایسے بھی تھے جو دنیا کی طلب رکھتے تھے اور تم میں ایسے بھی تھے جو آخرت کی طلب رکھتے تھے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے اکثر مفسرین بھی یہی لکھتے ہیں کہ صحابہؓ مال غنیمت کے حصول کے لیے جلدی جانا چاہتے تھے لیکن صحابہؓ کے بارے میں اس دنیاوی خواہش کے لیے درّے کو چھوڑنے کی بات دل کو لگتی نہیں۔

اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے بھی ایک تفسیری نوٹ لکھا تھا جو غیر شائع شدہ ہے، وہ میں آگے اس کی تفسیر میں بیان کروں گا۔ اس سے پہلے کچھ بیان کر دوں یا پوری آیت پہلے بیان کر دیتا ہوں۔ پوری آیت اس طرح ہے کہ وَ لَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَ عَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (آل عمران:153) اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا ثابت کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے ان کی بیخ کنی کر رہے تھے تا آنکہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور تم اصل حکم کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے اور تم نے اس کے باوجود بھی نافرمانی کی کہ اس نے تمہیں وہ کچھ دکھلا دیا جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں ایسے بھی تھے جو دنیا کی طلب رکھتے تھے اور تم میں ایسے بھی تھے جو آخرت کی طلب رکھتے تھے پھر اس نے تمہیں ان سے پرے ہٹا لیا تا کہ تمہیں آزمائے اور جو بھی ہوا وہ یقیناً تمہیں معاف کر چکا ہے (یعنی اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے) اور اللہ مومنوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

یہ ہے آیت جس کی تفسیر میں یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ مالِ غنیمت یا اس جنگ کے حوالے سے یہ آیت ہے۔ صحابہؓ کے بارے میں یہ کہنا بلکہ سوچنا بھی ان کی شان کے خلاف ہے کہ ان کو مال غنیمت کی پڑی ہوتی تھی۔ یہ لوگ تو اپنے بیوی بچے اور اپنی جانیں تک اپنے سب سے محبوب خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر چکے تھے اور اس سے پہلے وہ اپنے اموال و اسباب بھی اسی راہ میں لُٹا چکے تھے۔ شہادت کے شوق میں تو جیسا کہ واقعات بیان ہوئے ہیں یہ لوگ باہر نکل کر جنگ کرنا چاہتے تھے اور یہ جنگیں مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے نہیں لڑی جا رہی تھیں۔ یہ تو مسلمانوں پہ الزام ہے۔ ہاں فتح کی صورت میں اموال غنیمت مل جانا ایک ضمنی بات تو ہو سکتی ہے لیکن صحابہؓ کا مطلوب و مقصود مال غنیمت حاصل کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

بہر حال تاریخ اسلام میں اور اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح بیان کرتے ہوئے **جو مؤرخین ہیں یا جو سیرت نگار ہیں یا محدّث ہیں یا مفسر ہیں لگتا ہے کہ ان بزرگوں کو کہیں غلطی لگی ہے** اور محض کسی روایت کی سند وغیرہ پر اعتبار کر کے ان لوگوں نے اپنی سادگی میں یا اس پر یقین رکھ کے کہ یہ روایت صحیح ہو گی ایسا بیان کر دیا ہے کہ صحابہؓ مال غنیمت کے لیے نیچے اترے تھے۔ انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ عواقب

اور اثرات کے لحاظ سے یہ بات کتنی زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے اور وہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو یا آپؐ کی قوتِ قدسیہ سے فیضیاب ہونے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں، ان کی شان کے کتنی منافی ہو سکتی ہے۔ بہر حال صحابہؓ کی قربانی اور جذبۂ شہادت کو دیکھ کر یہ بات یقین کرنی مشکل ہے کہ صحابہؓ صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اس درہ کو چھوڑنے کے لیے جلدی کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ان صحابہؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو چکی ہے اور وہ دشمن کو بھگا رہے ہیں اور اس کا پیچھا کر رہے ہیں تو درے پر موجود صحابہؓ اس واضح فتح کی خوشی میں شامل ہونے کے لیے بے چین ہو گئے۔ اور فتح پر ختم ہوتی ہوئی اس جنگ کے آخری لمحات میں شامل ہونے کی تڑپ سے بے چین ہو رہے تھے کہ ہم بھی اس خوشی میں شامل ہو جائیں۔ وہ شاید سمجھ رہے ہوں کہ ہمارے دوسرے بھائی تو جہاد میں براہِ راست حصہ لے رہے ہیں اور ہم یہاں درّے میں کھڑے ہیں۔ تو جہاد میں شامل ہونے کا شوق جوش میں آیا کہ اب فتح تو ہو چکی ہے تو آج کے دن کے ختم ہوتے ہوئے جہاد میں عملاً بھی شامل ہو جائیں۔ اس فتح کی خوشی تو کم از کم منالیں۔ لیکن ان کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ جو زیادہ صاحبِ فراست ثابت ہوئے ان کی نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو یہاں سے نہیں ہٹنا یہ ان کا فیصلہ تھا اور درست فیصلہ تھا کہ جو بھی ہے ہمیں یہاں سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ کے غیر مطبوعہ نوٹس میں اس آیت کی کچھ تفسیر ملتی ہے۔ اس کے ساتھ آپؓ نے لکھا ہے کہ:

"مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا۔ **اس جگہ دنیا سے مراد مالِ غنیمت نہیں** بلکہ دنیا والی چیز مراد ہے اور آخرت سے مراد انجام اور آخری نتیجہ ہے۔ یہ خیال کرنا کہ انہیں یہ خیال آیا تھا کہ ہمیں مالِ غنیمت نہیں ملے گا واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ بدر میں تو ان لوگوں کو بھی" مالِ غنیمت میں "حصہ ملا تھا جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شامل نہیں ہو سکے تھے اس لیے یہ خیال بالکل غلط ہے۔ صحابہؓ کے متعلق دنیاداری کا خیال کرنا درست نہیں"

یہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا۔ پھر فرمایا کہ "اصل بات یہ ہے کہ ان کو یہ خواہش تھی کہ ہم بھی اس جنگِ اُحد میں شریک ہوں۔ یہ بھی دنیوی خیال تھا کہ ہم اس غزوہ میں شامل ہوں اور کافروں کو ماریں۔ لُوٹ کے مال میں شامل ہونا اس جگہ مراد نہیں۔ فرماتا ہے کہ تم کو یہ خیال تھا کہ ہم غزوہ میں شامل ہونے والوں سے پیچھے نہ رہ جائیں مگر یہ بھی ایک دنیوی خیال ہے" دنیوی خیال اس لیے ہے کہ صرف لڑنا تو کوئی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنا یہ دنیوی خیال بن جاتا ہے۔ "تمہیں تو حکم کی تعمیل کرنی چاہئے تھی اور بس" کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنا چاہے وہ دین کی خاطر جنگ ہو رہی ہو اور آپؐ نے اس سے منع کر دیا اور کہیں اَور جگہ ڈیوٹی لگا دی تو اس حکم کی تعمیل اصل میں دین ہے نہ کہ جنگ کرنا۔ پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ "وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ فرماتا ہے کہ تمہارا افسر اور اس کے ساتھی تو آخرت کو چاہتے تھے۔ ان کے مدِ نظر انجام اور نتیجہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ وہ نافرمانی کے بد نتیجہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس طرح اس کے ساتھی بھی اسے حق پر سمجھتے تھے۔ افسر اور اس کے ساتھ متفق لوگوں کی نظر اس بات کے آخری نتیجہ پر پہنچ رہی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو جنگ میں شمولیت سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔" بات واضح ہو گئی۔

"لیکن بر خلاف اس کے تمہاری نظر سطحی بات پر پڑی ہوئی تھی۔" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "یہ معنے صحابہؓ کی اس شان کے مناسبِ حال ہیں جو ان کے کاموں اور ان کی قربانیوں سے ظاہر ہوتی ہے۔"

(غیر مطبوعہ نوٹس حضرت مصلح موعودؓ زیر آیت سورت آل عمران:153)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس نوٹ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ دنیا چاہتے تھے یعنی ان سے جھگڑا کرنے والے اور دستے کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ یہ عقبیٰ چاہتے تھے۔ حضرت خلیفہ رابعؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نوٹس میں بیان کیا ہے اور ایک اچھا نکتہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں دنیا سے مراد جو لوگ یہ لیتے ہیں کہ لُوٹ مار اور مال غنیمت، یہ درست نہیں ہے۔ وہ وقتی فتح کی طرف نظر رکھ رہے تھے اور دنیا سے مراد ان کی یہاں یہ ہے کہ وہ جو معاملہ پہلے ظاہر ہو چکا ہے ان کی نظر اس پر تھی یعنی جو جنگ جیتی جا چکی تھی اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی آخرت پر نظر تھی کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں سب سے بڑی کامیابی دیکھتے تھے۔ پس وہ یہ چاہتے تھے کہ بالآخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ راضی رہے اور یہ وقتی طور پر جو چیزیں دکھائی دے رہی ہیں بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہیں۔ اصل ہماری نیکی ان کی رضا حاصل کرنا ہے۔

حضرت خلیفہ رابعؒ نے آگے بیان کیا کہ پس حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ **یہ بحث ہی بے تعلق ہے کہ وہ دنیا چاہ رہے تھے اور وہ آخرت چاہ رہے تھے** کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا وہ تھی بھی کتنی سی۔ وہ عجیب و غریب سی بات نظر آتی ہے۔ پھر تفصیل بیان کی انہوں نے کہ وہ جو درّے کی حفاظت پر مامور تھے درّے سے بھاگے ہوں گے اس وقت تک تو سب چیزیں بٹ بھی چکی ہوں گی اور یہ خیال کہ ان کو یہ جلدی تھی کہ ہم جلدی سے وہاں جا کر شامل ہو جائیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے حسنِ ظن کرو اپنے لوگوں پر کہ وہ اس خیال سے گئے تھے کہ سارے فتح کے شادیانے بجا رہے ہیں، خوش ہو رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہیں، ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہوں گے تو ہم کیوں اس منظر سے پیچھے رہیں۔ تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے کہ جہاں جشن منایا جا رہا ہو، خوشی منائی جا رہی ہو، سب دوڑ دوڑ کر وہاں پہنچتے ہیں۔ خلیفہ رابعؒ کہتے ہیں یہاں بھی اپنے قیام کے دوران بارہا دیکھ چکے ہیں کہ کوئی اچھی خبر ہو تو یہاں کوئی مال غنیمت لُوٹنے تو لوگ نہیں آتے۔ لوگ پہنچتے ہیں اور خوشی میں حصہ لینے پہنچتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک یہ تھا کہ اتنا مزہ آ رہا ہے۔ نیچے دیکھو یا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سارے لطف اٹھا رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد اکٹھے ہو کر۔ خدا کا وعدہ پورا ہوا ہے۔ ہم یہاں کھڑے اکیلے، ہم بھی وہاں جاتے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخرت پر نظر تھی کہ اس وقت خوشی سے یہ بہت زیادہ مزے کی بات ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر الگ ایک طرف بیٹھے رہیں۔ جو ہمیں حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کریں۔ اور جو اس کا لطف ہے وہ دراصل وہ لطف نہیں ہے جو وہاں خوشی میں ہے۔

(ماخوذ از درس القرآن۔ 5 رمضان المبارک 16/ فروری 1994ء)

بہر حال ایک طرف جب کفار کا لشکر بری طرح شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگ رہا تھا اور دوسری طرف پہاڑی درے پر متعین پچاس میں سے چالیس کے قریب مجاہدین درہ چھوڑ کر نیچے اتر گئے تو اسی وقت خالد بن ولید نے دیکھا کہ وہ پہاڑی درہ جہاں تیر اندازوں کا دستہ جما ہوا تھا، خالی ہو چکا ہے، صرف چند آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ خالد بن ولید اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ عکرمہ بن ابو جہل کو ساتھ لے کر اپنے گھڑ سوار دستے کے ساتھ پلٹے۔ انہوں نے پہاڑی پر پہنچ کر ان چند لوگوں پر حملہ کر دیا جو تیر انداز دستے میں سے بچے کھچے وہاں موجود تھے۔ ان کا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ایک ہی ہلے میں انہوں نے اس دستے کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ان لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کی لاش کا مثلہ کیا یعنی ہاتھ پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضاء کاٹ ڈالے۔ اس کے بعد قریش کے اس دستے نے نیچے اتر کر اچانک مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مسلمان اس وقت بے خبری کے عالم میں مال غنیمت جمع کرنے اور مشرکین کو قیدی بنانے میں مصروف تھے کہ اچانک مشرکوں کے گھڑ سوار دستے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ یہ لوگ عزیٰ اور ہبل کے نعرے لگا رہے تھے جو اُحد کے روز مشرکین کا شعار تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے پاس پہنچتے ہی بے خبری میں ان کو تلواروں پر رکھ لیا۔ مسلمان بد حواس ہو گئے اور جدھر جس کا منہ اٹھا وہ اس طرف بھاگنے لگا۔ جو کچھ مالِ غنیمت انہوں نے جمع کیا تھا اور جتنے قیدی بنائے تھے ان سب کو چھوڑ کر مسلمان ہر طرف بکھر گئے۔ نہ ان کی صفیں باقی رہیں نہ ترتیب۔ ایک کو دوسرے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ مشرکین کا پرچم اس وقت تک زمین پر پڑا ہوا تھا کہ اس نئی صورتحال کو دیکھ کر اچانک ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے اس کو اٹھا کر بلند کر دیا اور مشرکین کو اونچی آواز میں واپس بلانا شروع کیا۔ بھاگتے ہوئے مشرکین نے اپنے پرچم کو سربلند ہوتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے اور سب کے سب پلٹ کر پھر اپنے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ308 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ایک مصنف نے لکھا ہے کہ قریش کے خاک و خون میں لت پت جھنڈے کو عمرہ بنت علقمہ نامی خاتون نے پکڑ کر بلند کر دیا۔ وہ زور زور سے اسے لہرانے لگی اور میدان سے فرار ہونے والوں کو ملامت کرنے لگی۔ وہ کفار مکہ کو پلٹ آنے کے لیے پکار رہی تھی۔ یوں شکست خوردہ کفار واپس میدان احد میں اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے آگے اور پیچھے کی طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مسلمان بے فکری کی بنا پر صف بندی ختم کر چکے تھے اس لیے اب ان کی کوئی ترتیب نہ تھی۔

(دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ جلد6 صفحہ 486-487 بزم اقبال لاہور)

اس روز مسلمانوں کی خاصی تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ پہلے جو فتح ہوئی تھی اب وہ شکست کے ابتلا میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ایک مصنف اس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے تیر اندازوں کی غلطی کے بعد اپنی تنظیم کو کھو دیا اور ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور انہوں نے غنائم کو اپنے ہاتھوں سے پھینک دیا اور بد حواسی کے عالم میں ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ان میں سے بہت سے لوگ سرگرداں ہو گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جائیں خصوصاً مشرکین کے منادی کے اعلان کے بعد کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے

ہیں۔ یہ ایک سخت آزمائش تھی جس میں بہت سے مسلمان اپنے بھائیوں کے ہاتھوں بلاارادہ قتل ہو کر گر پڑے۔ بعض دفعہ غلطی سے مسلمانوں نے مسلمانوں کو بھی قتل کر دیا اور متوقع تھا کہ دشمنوں کی کثرت تعداد جس نے خالد کی کارروائی کے بعد دوبارہ اپنے آپ کو منظم کر لیا تھا مسلمانوں کی قلیل تعداد کو تباہ کر دے گی اور ان کا خاتمہ کر دے گی۔
(غزوۂ احد از محمد احمد باشمیل صفحہ 140 نفیس اکیڈمی کراچی 1989ء)

لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے پھر فضل فرمایا اور وہ دشمن جو چاہتے تھے وہ تو نہیں ہوا۔ حضرت حذیفہؓ کے والد یمان کا مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ صحابہؓ کے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی ایک مثال حضرت حذیفہؓ کے والد یمان تھے جنہیں مسلمانوں نے ناواقفیت میں شہید کر دیا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی جنگ کے لیے تشریف لے گئے تو ثابت بن وقش اور حُسیل بن جابر جن کا نام یمان تھا اور یہ حذیفہ بن یمان کے باپ تھے، وہ دونوں عمر رسیدہ تھے اور اس قلعہ میں تھے جس میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے حفاظت کے لیے پناہ گزین تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ دونوں بوڑھے قلعہ میں بند بیٹھے تھے۔ باتیں کرنے لگے، کہنے لگے کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ہم؟ ہماری زیادہ عمر تو باقی نہیں رہی۔ بڈھے ہو چکے ہیں ہم۔ اگر ہم آج نہیں مرے تو کل ضرور مر جائیں گے۔ کیا ہم اپنی تلواریں نہ اٹھائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت نصیب فرما دے۔ پھر یہ دونوں تلوار پکڑ کر کفار پر جا پڑے اور لوگوں میں مل جل گئے۔ یعنی مسلمان تو جہاں یہ جانتے تھے کہ یہ دونوں بزرگ جنگ میں شامل ہی نہیں ہیں اور مدینہ میں موجود ہیں جبکہ یہ اب میدانِ جنگ میں پہنچ کر لڑائی میں شامل ہو چکے تھے اور مسلمان انہیں فوری طور پر پہچان نہیں سکے، پتہ ہی نہیں لگا کہ یہ کون ہیں۔ ثابت بن وقش کو تو کفار نے شہید کر دیا اور حذیفہ کے باپ کو مسلمانوں نے ناواقفیت میں شہید کر دیا۔ حذیفہ نے کہا اللہ کی قسم! یہ تو میرا باپ ہے جو شہید ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا تو کہا یہ تو میرا باپ ہے۔ مسلمانوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم نے ان کو نہیں پہچانا، غلطی سے شہید ہو گئے۔ اور واقعی انہوں نے سچ کہا تھا۔ حذیفہ نے کہا خدا تم کو معاف کرے وہ ارحم الراحمین ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں حذیفہ کو ان کے باپ کا خون بہا دینا چاہا۔ غلطی سے مسلمانوں سے شہید ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا خون بہا دیا جائے مگر حذیفہ نے نہیں لیا، انہوں نے انکار کر دیا اور مسلمانوں کو معاف کر دیا۔ اس سے حذیفہ کی قدر و منزلت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے نزدیک بہت زیادہ ہوئی۔

(سیرة النبویه لابن هشام صفحه537-538 دارالکتب العلمیة بیروت)

اس جنگ میں حضرت حمزہؓ کی شہادت بھی ہوئی تھی۔ ان کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ عمیر بن اسحاق سے اس طرح مروی ہے کہ احد کے روز حمزہ بن عبد المطلبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دو تلواروں سے جنگ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں اسد اللہ یعنی خدا کا شیر ہوں۔ یہ کہتے ہوئے کبھی آگے جاتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ یکایک پھسل کر گرے۔ انہیں وحشی اسود نے دیکھ لیا۔ ابو اسامہ نے کہا کہ اس نے انہیں

نیزہ کھینچ کر مارا اور قتل کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 8 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی جو لکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

"حضرت حمزہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہونے کے علاوہ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ نہایت بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے اور جدھر جاتے تھے ان کے سامنے قریش کی صفیں پھٹ پھٹ جاتی تھیں مگر دشمن بھی ان کی تاک میں تھا اور جبیر بن مطعم اپنے ایک حبشی غلام وحشی نامی کو خاص طور پر آزادی کا وعدہ دے کر اپنے ساتھ لایا تھا کہ جس طرح بھی ہو حمزہ کو جنہوں نے جبیر کے چچا طعیمہ بن عدی کو بدر کے موقعہ پر تلوار کی گھاٹ اتارا تھا قتل کر کے اس کے انتقام کو پورا کرے۔ چنانچہ وحشی ایک جگہ پر چھپ کر ان کی تاک میں بیٹھ گیا اور جب حمزہ کسی شخص پر حملہ کرتے ہوئے وہاں سے گزرے تو اس نے خوب تاک کر ان کی ناف کے نیچے اپنا چھوٹا سا نیزہ مارا جو لگتے ہی بدن کے پار ہو گیا۔ حمزہ لڑکھڑاتے ہوئے گرے مگر پھر ہمت کر کے اٹھے اور ایک جست کر کے وحشی کی طرف بڑھنا چاہا مگر پھر لڑکھڑا کر گرے اور جان دے دی اور اس طرح اسلامی لشکر کا ایک مضبوط بازو ٹوٹ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حمزہ کے قتل کی اطلاع ملی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور روایت آتی ہے کہ غزوۂ طائف کے بعد جب حمزہ کا قاتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپؐ نے اسے معاف تو فرما دیا۔ مگر حمزہ کی محبت کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ وحشی میرے سامنے نہ آیا کرے۔ اس وقت وحشی نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ جس ہاتھ سے میں نے رسول خدا کے چچا کو قتل کیا ہے۔ جب تک اسی ہاتھ سے کسی بڑے دشمنِ اسلام کو تہ تیغ نہ کر لوں گا چین نہ لوں گا۔" اب مسلمان ہو گیا تھا نظریات بدل گئے، خیالات بدل گئے۔ "چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں اس نے جنگ یمامہ میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اپنے عہد کو پورا کیا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 492-493)

حضرت حمزہؓ کی نعش کی بے حرمتی بھی کی گئی۔ روایت ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہند غزوۂ احد کے دن لشکروں کے ہمراہ آئی۔ اس نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے جو بدر میں حضرت حمزہؓ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تھا یہ نذر مان رکھی تھی کہ مجھے موقع ملا تو میں حمزہ کا کلیجہ چباؤں گی۔ جب یہ صورتحال ہو گئی اور حضرت حمزہؓ پر مصیبت آ گئی تو مشرکین نے مقتولین کا مثلہ کر دیا، ان کی شکلیں بگاڑ دیں۔ ناک کان وغیرہ عضو کاٹے۔ وہ حمزہ کے جگر کا ایک ٹکڑہ لائے۔ ہند اسے لے کر چباتی رہی کہ کھا جائے مگر جب وہ اس کو نگل نہ سکی تو پھینک دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ نے آگ پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا ہے کہ حمزہ کے گوشت میں سے کچھ بھی چکھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 8 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی نعش کے پاس آ کر جن جذبات کا اظہار کیا اور آپؓ کو بلند مقام کی جو خوشخبری دی اس کے بارے میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہؓ کی

نعش کو دیکھا تو ان کا کلیجہ نکال کر چبایا گیا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جب حضرت حمزہؓ کی نعش پر آکر کھڑے ہوئے تو فرمانے لگے کہ اے حمزہ! تیری اس مصیبت جیسی کوئی مصیبت مجھے کبھی نہیں پہنچے گی۔ میں نے اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر آج تک نہیں دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل نے آکر مجھے خبر دی ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب کو سات آسمانوں میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر لکھا گیا ہے۔

(سیرت ابن هشام صفحه 395 دار ابن حزم بیروت 2009ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ہندہ تھی جو اتنی سخت مخالف تھی کہ جنگِ احد کے موقعہ پر لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر بھڑکاتی تھی کہ جاؤ اور اسلامی لشکر پر حملہ کرو اور جب ایک خطرناک موقعہ مسلمانوں کے لیے آیا تو اس نے کہا کہ جو شخص حضرت حمزہؓ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے کلیجہ نکال کر میرے پاس لے آئے گا اور اسی طرح ان کا ناک اور ان کے کان کاٹ کر لے آئے گا میں اسے انعام دوں گی۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ جنگ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ کے چچا کی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے تو طبعی طور پر آپؐ کو تکلیف ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ جب دشمنوں نے اس قسم کے ظالمانہ سلوک کی ابتدا کر دی ہے تو میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر وحی نازل ہوئی کہ ان کے اس ظالمانہ سلوک کے باوجود آپ کو ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے اور عفو اور درگذر سے کام لینا چاہئے۔“

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 353-354 زیر آیت سورۃ النور آیت نمبر 47)

چنانچہ اسلام میں منع کر دیا گیا۔ یہاں حضرت حمزہؓ کی بہن کا بھی واقعہ لکھا ہے کہ کس طرح انہوں نے صبر و رضا اور اطاعت کا قابل رشک نمونہ دکھایا۔ حضرت زبیرؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ احد کے دن اختتام پر ایک عورت سامنے سے بڑی تیزی کے ساتھ آتی ہوئی دکھائی دی۔ قریب تھا کہ وہ شہداء کی لاشیں دیکھ لیتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اچھا نہیں سمجھا کہ کوئی خاتون وہاں آئے اور لاشوں کی جو بہت بری حالت تھی کیونکہ اکثر کا مثلہ ہوا ہوا تھا دیکھ سکے۔ اس لیے فرمایا کہ اس عورت کو روکو، اس عورت کو روکو۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غور سے دیکھا کہ یہ تو میری والدہ ہیں۔ حضرت صفیہؓ ہیں۔ چنانچہ میں ان کی طرف دوڑتا ہوا گیا اور شہداء کی لاشوں تک پہنچنے سے قبل ہی میں نے انہیں جالیا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر میرے سینے پر ہاتھ مار کر مجھے پیچھے دھکیل دیا۔ ایک مضبوط خاتون تھیں۔ وہ کہنے لگیں کہ پرے ہٹو! میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو روکنے کا کہا ہے کہ آپؓ ان لاشوں کو مت دیکھیں۔ یہ سنتے ہی وہ رک گئیں اور اپنے پاس موجود دو کپڑے نکال کر فرمایا۔ یہ دو کپڑے ہیں جو میں اپنے بھائی حمزہ کے لیے لائی ہوں کیونکہ مجھے ان کی شہادت کی خبر مل چکی ہے۔ تو بہر حال انہوں نے بیٹے کی بات تو نہیں مانی، اس کو دھکا مار کر پیچھے کر دیا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ سنا تو اطاعت میں فوری طور پر رک گئیں۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

نام سنا وہیں باوجود غم کی حالت کے ہوش و حواس قائم رکھے اور اطاعت کی۔

پھر کہنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو۔ رک تو میں گئی ہوں، نہیں جاتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ مجھے پتہ چل چکا ہے کہ میرا بھائی حمزہ شہید ہو چکا ہے اور کفار نے ان کی لاش کا مثلہ کر دیا ہوا ہے۔ میں صرف اس کو دیکھنا چاہتی ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ کوئی واویلا نہیں کروں گی، صبر کروں گی۔ چنانچہ جب حضرت زبیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں جانے دو۔ ٹھیک ہے دیکھ لیں جا کے۔ وہ اپنے بھائی کی نعش کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور شیر جیسے بہادر شہید کو یوں دیکھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو کی نہر جاری ہو گئی لیکن زبان سے کوئی حرف نہ نکالا۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تشریف لے آئے اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہونے لگے۔ بہادر اور صابر بہن نے کچھ دیر اشکوں سے خراجِ عقیدت پیش کیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے بیٹے سے کہنے لگیں کہ اپنے بھائی کے لیے دو چادریں لائی ہوں، جیسا کہ پہلے بتایا تھا۔ شہادت کی خبر مجھے مل چکی تھی اس لیے میں لے آئی تھی۔ تم انہیں ان کپڑوں میں دفن کر دینا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت حمزہؓ کو ان دو کپڑوں میں کفن دینے لگے تو دیکھا کہ ان کے پہلو میں ایک انصاری شہید ہوئے پڑے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا تھا جو حضرت حمزہؓ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ ہمیں اس بات پر شرم محسوس ہوئی کہ حضرت حمزہؓ کو دو کپڑوں میں کفن دیں اور اس انصاری کو ایک کپڑا بھی میسر نہ ہو اس لیے ہم نے یہ طے کیا کہ ایک کپڑے میں حضرت حمزہؓ کو اور دوسرے میں اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفن دیں۔ اندازہ کرنے پر معلوم ہوا کہ دونوں حضرات میں سے ایک زیادہ لمبے قد کا ہے۔ ہم نے قرعہ اندازی کی اور جس کے نام جو کپڑا نکلا اسے اسی کپڑے میں دفن کر دیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد1 صفحہ 452 حدیث 1418 عالم الکتب بیروت)

(ماخوذ از خطابات طاہرؒ، تقاریر جلسہ سالانہ قبل از خلافت صفحہ 364 تا 365 طاہر فاؤنڈیشن 2006ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں کہ: ”حضرت حمزہؓ لشکر کفار کو پریشان دیکھ کر قلبِ لشکر میں گھس گئے۔ گویا مسلمانوں کی فتح ہو چکی تھی کہ عبد اللہ بن جبیرؓ کے ساتھی آنحضرتؐ کے حکم کو فراموش کر کے باامید مال غنیمت مورچہ چھوڑ نیچے اتر آئے۔ دشمن مورچہ خالی دیکھ کر سواروں کو سمیٹ فوج اسلام کے عقب پر آ گرے۔ جنگ عظیم ہوئی۔ حضرت امیر حمزہؓ اور عبد اللہ بن جبیرؓ شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہم بھی مجروح ہوئے۔ ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان نے امیر حمزہؓ کا جگر چیر کر چبایا اور مسلمان مقتولوں کے گوش و بینی ”یعنی کان اور ناک“ کاٹ کر اور ان کے ہار بنا کر گلے میں پہنے۔ یہ بے ادبیاں شہیدوں کی لاشوں سے دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا یہاں تک کہ خود آنحضرتؐ پر ایسی رقت طاری ہوئی اور ایسا غیظ آیا کہ آپؐ نے بھی حکم دیا کہ اب جو تمہاری فتح ہو تو تم بھی کفار کی لاشوں سے ویسا ہی سلوک کرنا۔ چنانچہ اپنے عزیز جاں نثار چچا امیر حمزہؓ کو دیکھ کر فرمایا۔ لَأُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِيْنَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ۔ یعنی تیرے عوض میں ان کے ستر کو مثلہ

کروں گا مگر فطری رحم جبلی لینت نے بشری عارضی غضب پر غالب آکر آیت ذیل کے نزول کی تحریک کہ وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ (النحل:127) ایسے موقع اور ایسی حالت میں یہ صبر سبحان اللہ۔ سچ ہے وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء:108)" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین ہونے کی اس میں آپ نے تعریف بیان فرمائی ہے۔ خلیفہ اولؓ فرماتے ہیں "پس اس روز سے لاشوں کی پامالی کرنے اور ان کے مثلہ کرنے کی رسمِ قبیح جو اگلے زمانے کی سب قوموں میں جاری تھی مسلمانوں میں قطعاً حرام ہو گئی اور صرف اسلام ہی کو یہ فخر عطا ہوا اس لڑائی میں گو بڑا صدمہ مسلمانوں کو پہنچا اور عبداللہ بن جبیرؓ کی سپاہ کی خطا سے یہ بلا آئی مگر ایک فائدہ عظیم بھی حاصل ہوا کہ منافقوں کا نفاق اور یہودیوں کا بغض و عناد صاف صاف عیاں ہو گیا اور خالص مسلمان ممتاز ہو گئے۔" (فصل الخطاب حصہ اول صفحہ 126-127)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ہندہ تھی۔" بعض اردو کتب میں ہندہ لکھا ہے۔ اصل میں اس کا ہند نام ہے۔ "جو اتنی سخت مخالف تھی کہ جنگِ احد کے موقعہ پر لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر بھڑکاتی تھی کہ جاؤ اور اسلامی لشکر پر حملہ کرو اور جب ایک خطرناک موقعہ مسلمانوں کے لیے آیا تو اس نے کہا کہ جو شخص حضرت حمزہؓ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے کلیجہ نکال کر میرے پاس لے آئے گا اور اسی طرح ان کا ناک اور ان کے کان کاٹ کر لے آئے گا میں اسے انعام دوں گی چنانچہ حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ جنگ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ کے چچا کی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے تو طبعی طور پر آپؐ کو تکلیف ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ جب دشمنوں نے اس قسم کے ظالمانہ سلوک کی ابتدا کر دی ہے تو میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر وحی نازل ہوئی کہ ان کے اس ظالمانہ سلوک کے باوجود آپؐ کو ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے اور عفو اور درگذر سے کام لینا چاہئے۔"
(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 353-354)

جنگ کی باقی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ بیان کروں گا۔

جیسا کہ میں فلسطینیوں کے لیے دعا کے لیے بھی کہتا رہتا ہوں۔ دعا کریں۔ ظلم کے خلاف حقیقی عمل کی دنیا کو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ گو آوازوں میں تو کچھ بلندی پیدا ہونی شروع ہوئی ہے، باتیں بھی کرتے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے، ظلم ہو رہا ہے۔ لیکن لگتا ہے اسرائیلی حکومت سے سب خوفزدہ ہیں یا فطرتاً یہ مغربی دنیا مسلمانوں کے خلاف جو نفرت ہے اس کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر ظلم یا ختم نہ ہوں یا جو کوشش ہونی چاہیے اس طرح کوشش نہ ہو۔ یہ نہیں دیکھتے کہ معصوم بچے ہیں، مظلوم عورتیں ہیں، بوڑھے ہیں، ان پہ ظلم ہو رہے ہیں۔ تو بہرحال ان پہ تو ہم زیادہ اعتماد نہیں کر سکتے لیکن کوشش بہرحال کرتے رہنا چاہیے، ان کو سمجھاتے بھی رہنا چاہیے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ مسلمان ملکوں کو ہی اللہ تعالیٰ ہمت دے کہ اپنی آواز میں زور پیدا کریں اور حقیقت میں ایک بن کے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں اور اس کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

نماز کے بعد مَیں دو جنازہ غائب پڑھاؤں گا۔ پہلا جنازہ ہے **مکرم شیخ احمد حسین ابو سردانہ صاحب** جو غزہ میں رہتے تھے۔ محمد شریف عودہ صاحب نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ گذشتہ دنوں غزہ میں اسرائیلی بمباری میں ہمارے یہ بزرگ احمدی شیخ احمد حسین ابو سردانہ صاحب شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم موجودہ جنگ میں غزہ میں شہید ہونے والے پہلے احمدی ہیں۔ شیخ احمد ابو سردانہ صاحب کی عمر تقریباً چورانوے 94 سال تھی۔ آپ الازہر یونیورسٹی سے فارغ التحصیل علماء میں سے ہیں۔ 1970ء میں موصوف اپنے بعض دوستوں کے ساتھ حائفہ تشریف لائے۔ چونکہ وہ عید کا دن تھا خدائی تصرف کے تحت مرحوم نماز عید کے لیے اپنے دوستوں کے ساتھ کبابیر پہنچے۔ مولانا بشیر الدین عبید اللہ صاحب مرحوم مبلغ سلسلہ نے خطبہ عید کے دوران ظہور امام مہدی کا ذکر فرمایا جس سے مرحوم شیخ ابو سردانہ صاحب کی دلچسپی بڑھ گئی۔ انہوں نے ساتھ بیٹھے ہوئے احمدی علاؤالدین عودہ صاحب سے کہا کہ مولانا بشیر الدین عبید اللہ سے میری تفصیلی ملاقات کروادو۔ دوران گفتگو انہوں نے مولانا صاحب سے کہا کہ مجھے میرے والد مرحوم کی نصیحت ہے کہ اگر تمہیں اپنی زندگی میں امام مہدیؑ کی آمد کی خبر ملے تو ضرور بیعت کرنا چنانچہ اسی روز مکرم شیخ احمد ابو سردانہ صاحب نے بیعت کی۔ ان کی بیعت کو دیکھ کر ان کے بعض ساتھیوں نے بھی بیعت کی۔ مرحوم اپنے علاقے میں ایک معزز عالم کے طور پر ہر دلعزیز تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے البتہ ان کے عزیزوں میں سے بعض مخلص احمدی موجود ہیں۔ بیعت کے بعد مرحوم حسب توفیق کبابیر بھی جاتے رہے اور کبابیر کے احمدیوں سے رابطہ میں رہے۔ خلافت سے بہت محبت کرنے والے تھے اور کئی دفعہ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ سچے احمدی ہیں۔ قرآن مجید سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ ہر ہفتہ میں ایک بار مکمل قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے بلکہ انہوں نے مجھے جو پیغام بھیجا تھا اس ریکارڈنگ میں بھی ذکر ہے۔ سابق قاضی القضاۃ فلسطین شیخ محمد حسین ابو سردانہ، مرحوم احمد ابو سردانہ صاحب کے بھائی تھے۔ ان کی اہلیہ جو دوسری بیوی ہیں وہ بھی اس حادثہ میں زخمی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شفا دے۔

ڈاکٹر عزیز حفیظ صاحب یہاں سے ہیومینٹی فرسٹ کے تحت وہاں جاتے رہے، ان کو ابو سردانہ صاحب سے ملنے کا موقع ملا۔ انہوں نے کہا جب میں ان کو ملنے گیا تو وہ میری عزت کے لیے اٹھنے کی کوشش کرنے لگے تو میں نے ان کو کہا بیٹھے رہیں۔ بڑے جذبات میں آ گئے اور اپنی چھڑی سے ہلکا سا ٹچ (touch) کر کے ان کو کہنے لگے کہ تم خلیفۃ المسیح کے نمائندے میرے سامنے کھڑے ہو تو میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ خلافت کا بڑا عزت اور احترام تھا۔ اور پھر انہوں نے ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے کہ جس سرزمین سے تم تعلق رکھتے ہو وہاں مسیح موعودؑ آئے تھے۔ اور مسیح موعودؑ اور خلافت کے لیے ان کی محبت اس قدر تھی کہ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں میں بھی اشکبار ہو گیا۔ پھر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ موبائل پہ اپنا ایک پیغام بھی میرے نام بھیجا کہ میں پیغام ریکارڈ کروانا چاہتا ہوں۔ وہ پیغام وائرل بھی ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ میں سنا بھی دیتا ہوں۔ اس پیغام میں جو انہوں نے میرے نام بھیجا تھا، کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ السلام علیکم خلیفۃ المسیح الخامس۔ میں ہر ہفتے ایک بار قرآن کریم کا مکمل دور کرتا ہوں اور ہر فجر کے وقت میں آپ کے لیے دعا کرتا

ہوں اور اے میرے خلیفہ! میری مدد کریں مجھے بچائیں۔ میں مشکل روحانی مصیبت اور پریشانی میں ہوں۔ پھر کہتے ہیں کہ آپ کا ہر حکم پورا کرتا ہوں۔ اور آگے فرمایا کہ دنیا کو سچ کے سوا کیا چاہیے۔ اللہ کی راہ میں جہاد یہاں بہت مشکل ہے لیکن میں اس کے لیے پُرعزم ہوں۔ میں نے 1948ء کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ میں نے تین سرحدی جنگوں میں کمانڈر کے طور پر خدمات انجام دیں اور سینا میں بے گھر ہو گیا تھا۔ میرے والد ایک مشہور صوفی تھے اور میرے بھائی محمد یہاں غزہ کے چیف جج تھے۔ میرے خاندان میں ایسے افراد بھی ہیں جو مجھے پریشان کرتے ہیں، ان کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میرے لیے دعا کریں۔ پھر کہتے ہیں اس ضلع میں میرے پاس صرف چند ساتھی ہیں اور پھر انہوں نے بعضوں کے نام لیے کہ وہ مجھے بیٹے کی طرح عزیز ہیں جن میں ایک نوجوان طارق ابو دیّا صاحب ہیں۔ کہتے ہیں میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ پھر آگے دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک آپ میری بیعت قبول فرمائیں یعنی کہ میں اپنی بیعت کی تجدید کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ میں سچے دل سے احمدی ہوں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ احمدیہ عقیدہ کے سوا میرا کوئی اَور عقیدہ نہیں ہے۔ بعض مخالفین نے کہا تھا کہ یہ احمدی نہیں ہیں یونہی احمدی مشہور کر رہے ہیں لیکن ان کا یہ ریکارڈڈ بیان سامنے ہے۔ اس کے بعد شاید اب وہ مخالفین چپ کر گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اہلیہ کو بھی شفا دے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں فلسطینیوں کے لیے بھی قبول فرمائے اور وہاں امن بھی قائم فرمائے اور ان لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا جنازہ ہے **عثمان احمد گاکوریا صاحب، کینیا** کا۔ ان کی وفات بھی گذشتہ دنوں ہوئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کی جماعتی خدمات کا سلسلہ بہت لمبا ہے، کئی دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ 1932ء میں یہ پیدا ہوئے تھے۔ ساٹھ کی دہائی میں ان کا جماعت سے تعارف ہوا۔ ایک پرانے بزرگ عرب احمدی مرحوم سالم عفیف صاحب کے ذریعہ سے ان کو جماعت کا تعارف ہوا۔ اس کے بعد آپ نے مکرم مولانا روشن دین صاحب مبلغ جماعت کے ذریعہ 1964ء میں بیعت کی اور جماعت میں شمولیت اختیار کی اور آخر تک اس عہد بیعت کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ کینیا کی آزادی کے بعد کوالے (Kwale) پولی ٹیکنیک سکول کے پہلے مقامی پرنسپل مقرر ہوئے۔ اسی طرح ایک دوسرے پولی ٹیکنیک کالج کے پہلے مقامی پرنسپل ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہوا جس کا آپ اکثر ذکر کرتے تھے۔ محکمہ تعلیم میں ہی اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ متعدد جماعتی کتب کا سواحیلی زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت ملی۔ نیروبی جماعت کے پہلے مقامی صدر ہونے کا بھی اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔ اسی طرح کینیا جماعت کے اوّلین مقامی موصیان میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مرحوم بہت سے عمدہ اوصاف کے مالک، ایک بااصول انسان تھے۔ عمر کے آخری حصہ تک نماز تہجد میں باقاعدہ تھے۔ چندہ جات کی ادائیگی میں کبھی لاپروائی یا سستی نہیں کرتے تھے۔ مرکزی مبلغین کا آپ کے دل میں بہت احترام تھا۔ اگر کوئی احمدی کسی مرکزی مبلغ کے بارے میں کوئی غلط بات کرتا یا شکایت کے رنگ میں کوئی بات کرتا تو فوراً اسے روک دیتے بلکہ

ناراضگی اور شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور ہمیشہ یہ نصیحت کرتے تھے کہ دیکھو! آج تمہیں ایمان کی روشنی سے جو متعارف کرایا ہے ان لوگوں نے ہی کرایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی جو تمہیں توفیق ملی ہے وہ ان کی وجہ سے ملی ہے ورنہ تم تو جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے ان لوگوں کا تم پر یہ احسان ہے اور تمہاری نسلوں پر بھی احسان ہے، اس لیے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ تو بہر حال یہ تو ان کے اخلاق تھے۔

ہمارے مبلغین کو بھی، نئے جانے والوں کو بھی اب چاہیے کہ اپنے بھی وہ اعلیٰ معیار قائم کریں کہ مقامی لوگوں کے لیے ایک نمونہ بنیں۔

اسی طرح مرحوم کے اندر مہمان نوازی کی صفت بھی بہت زیادہ تھی۔ آپ کی تقریباً ساری اولاد جماعت سے جڑی ہوئی ہے اور کسی نہ کسی رنگ میں جماعتی خدمت کی توفیق بھی پا رہی ہے۔ آپ کے ایک بیٹے عبدالعزیز گاکوریا صاحب اس وقت صدر مجلس انصاراللہ کینیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے رحم اور مغفرت کا سلوک فرمائے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کے نمونے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 12 / جنوری 2024ء جلد 31 شمارہ 11 صفحہ 02 تا 07)

52

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 29/ دسمبر 2023ء بمطابق 29/ فتح 1402 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ (سرے)، یوکے

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج بھی جنگِ اُحد کی کچھ مزید تفصیلات بیان کروں گا۔ جیسا کہ ذکر ہوا تھا کہ درّہ خالی کرنے کی وجہ سے کفار نے پیچھے سے حملہ کیا اور جنگ کا پانسہ پلٹا۔ دشمن کا حملہ انتہائی خوفناک تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی اور جرأت اور بہادری کا نمونہ کیا تھا؟ اس بارے میں تفصیل سے لکھا ہے کہ جب لڑائی کا پانسہ پلٹنے کے بعد صحابہؓ بدحواسی میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور افراتفری کا شکار ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس افراتفری میں اور اپنے چاروں طرف دشمنوں کے جمگھٹے کے باوجود اپنی جگہ ثابت قدم اور جمے رہے۔ صحابہؓ کو گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھ کر ان کو پکارتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے۔ اے فلاں! میری طرف آؤ۔ اے فلاں! میری طرف آؤ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔ جبکہ ہر طرف سے آپؐ پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ بلند آواز میں فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب
اَنَا ابْنُ الْعَوَاتِكْ

میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں میں عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔ عام طور پر روایات اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ یہ کلمات آپؐ نے غزوہ حنین میں فرمائے تھے لیکن بہرحال بعید نہیں کہ یہی کلمات آپؐ نے اُحد میں بھی فرمائے ہوں اور حنین میں بھی فرمائے ہوں۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ 310 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

عَوَاتِكْ کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ عَوَاتِک: عاتکہ کی جمع ہیں اور عاتکہ نام کی ایک سے زائد خواتین تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدّات یعنی نانیاں دادیاں تھیں۔ ایک تو عَاتِکَہ بنتِ ہِلَال جو عبد مناف کی والدہ تھیں، دوسری عاتکہ بنت مُرَّہ جو ہاشم بن عَبدِ مَنَاف کی والدہ تھیں، تیسری عاتکہ بنت اَوْقَص جو وَہْب یعنی حضرت آمنہ کے والد کی ماں تھیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ نو عورتیں تھیں۔ تین بنو سُلَیم میں سے اور چھ اَور لوگوں میں سے

تھیں اور سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدّات تھیں۔

(لغات الحدیث جلد 3 صفحہ 97 نعمانی کتب خانہ لاہور)

اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے کہ: ”جب عبداللہ بن جُبیرؓ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب تو فتح ہو چکی ہے تو انہوں نے اپنے امیر عبداللہ سے کہا کہ اب تو فتح ہو چکی ہے اور مسلمان غنیمت کا مال جمع کر رہے ہیں آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم بھی لشکر کے ساتھ جا کر شامل ہو جائیں۔ عبداللہ نے انہیں روکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکیدی ہدایت یاد دلائی مگر وہ فتح کی خوشی میں غافل ہو رہے تھے“ یہ لوگ ”اس لئے وہ باز نہ آئے اور یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مطلب تھا کہ جب تک پورا اطمینان نہ ہو لے درّہ خالی نہ چھوڑا جاوے اور اب چونکہ فتح ہو چکی ہے اس لئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور سوائے عبداللہ بن جُبیرؓ اور ان کے پانچ سات ساتھیوں کے درّہ کی حفاظت کے لئے کوئی نہ رہا۔ خالد بن ولید کی تیز آنکھ نے دور سے درّہ کی طرف دیکھا تو میدان صاف پایا جس پر اس نے اپنے سواروں کو جلدی جلدی جمع کر کے فوراً درّہ کا رخ کیا اور اس کے پیچھے پیچھے عکرمہ بن ابوجہل بھی رہے سہے دستہ کو ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ وہاں پہنچا اور یہ دونوں دستے عبداللہ بن جُبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں کو ایک آن کی آن میں شہید کر کے اسلامی لشکر کے عقب میں اچانک حملہ آور ہو گئے۔

مسلمان جو فتح کے اطمینان میں غافل اور منتشر ہو رہے تھے اس بلائے ناگہانی سے گھبرا گئے مگر پھر بھی سنبھلے اور پلٹ کر کفار کے حملہ کو روکنا چاہا۔ اس وقت کسی چالاک معاند نے یہ آواز دی کہ اے مسلمانو! دوسری طرف سے بھی کفار کا دھاوا ہو گیا ہے۔“ یعنی اس طرف سے حملہ ہو گیا ہے۔ ”مسلمانوں نے سراسیمہ ہو کر پھر پلٹا کھایا اور گھبراہٹ میں بے دیکھے سمجھے اپنے آدمیوں پر ہی تلوار چلانی شروع کر دی۔ دوسری طرف مکہ کی ایک بہادر عورت عَمْرَۃ بنت عَلْقَمَہ نے جب یہ نظارہ دیکھا تو جھٹ آگے بڑھ کر قریش کا عَلَم جو ابھی تک خاک میں پڑا تھا اٹھا کر بلند کر دیا جسے دیکھتے ہی قریش کا منتشر لشکر پھر جمع ہو گیا۔ اور اس طرح مسلمان حقیقتاً چاروں طرف سے دشمن کے نرغہ میں گھر گئے اور اسلامی فوج میں ایک خطرناک کھلبلی کی صورت پیدا ہو گئی۔“ اتنا تو پہلے بھی بیان ہو چکا ہے گذشتہ خطبہ میں کہ کس طرح یہ اکٹھے ہوئے تھے۔ کس طرح حملہ ہوا تھا، جھنڈا کس نے اٹھایا۔ بہرحال آگے جو ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک بلند جگہ پر کھڑے ہوئے یہ سب نظارہ دیکھ رہے تھے مسلمانوں کو آواز پر آواز دی مگر اس شور شرابے میں آپؐ کی آواز دب دب کر رہ جاتی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اتنے قلیل عرصہ میں ہو گیا کہ اکثر مسلمان بالکل بدحواس ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس بدحواسی میں بعض مسلمان ایک دوسرے پر وار کرنے لگ گئے اور اپنے پرائے میں امتیاز نہ رہا۔

چنانچہ خود مسلمانوں کے ہاتھ سے بعض مسلمان زخمی ہو گئے“ اور جیسا کہ گذشتہ خطبہ میں ذکر ہوا تھا کہ ”اور حذیفہ کے والد یَمَان کو تو مسلمانوں نے غلطی سے شہید ہی کر دیا۔ حُذَیفہ اس وقت قریب ہی تھے وہ چلّاتے رہ گئے کہ اے مسلمانو! یہ میرے والد ہیں مگر اس وقت کون سنتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں

مسلمانوں کی طرف سے یَمَان کا خون بہا ادا کرنا چاہا مگر حُذَیفہ نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اپنے باپ کا خون مسلمانوں کو معاف کرتا ہوں۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 491-492)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "ایک تاریک گھڑی وہ تھی **جبکہ اُحد میں آپؐ زخمی ہوئے** اور اس قسم کے واقعات جمع ہو گئے کہ اسلامی لشکر کی فتح شکست کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ اس جنگ میں ایک درّہ ایسا تھا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض آدمی چن کر کھڑے کئے تھے اور انہیں حکم دیا تھا کہ جنگ کی خواہ کوئی حالت ہو تم نے اس درّہ کو نہیں چھوڑنا۔ جب کفار کا لشکر منتشر ہو گیا تو انہوں نے غلطی سے اجتہاد کیا کہ اب یہاں ٹھہرنے کا کیا فائدہ ہے ہم بھی چلیں اور لڑائی میں کچھ حصہ لیں۔ ان کے سردار نے انہیں کہا بھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ہم یہ درّہ چھوڑ کر نہ جائیں مگر انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب تو نہ تھا کہ فتح ہو جائے تب بھی یہیں کھڑے رہو۔ آپؐ کے ارشاد کا تو یہ مطلب تھا کہ جب تک جنگ ہوتی رہے اس درّہ کو نہ چھوڑنا۔ اب چونکہ فتح ہو چکی ہے دشمن بھاگ رہا ہے ہمیں بھی تو کچھ ثواب جہاد کا حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ درّہ خالی ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جو اس وقت تک ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نوجوان تھے اور ان کی نگاہ بہت تیز تھی۔ وہ جب اپنے لشکر سمیت بھاگے جا رہے تھے انہوں نے اتفاقاً پیچھے کی طرف نظر ڈالی تو درّہ کو خالی پایا۔ یہ دیکھتے ہی وہ واپس لوٹے اور مسلمانوں کی پشت پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ حملہ چونکہ بالکل غیر متوقع تھا اس لئے ان پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اور بوجہ بکھرے ہوئے ہونے کے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے۔"

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 76-77)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سورۂ نور کی آیت 64 کی تفسیر میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جو لوگ اس رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آفت نہ پہنچ جائے۔" یہ ترجمہ ہے اس آیت کا "یا وہ کسی دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔" آپؓ فرماتے ہیں "چنانچہ دیکھ لو جنگِ اُحد میں اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے اسلامی لشکر کو کتنا نقصان پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی درّہ کی حفاظت کے لئے پچاس سپاہی مقرر فرمائے تھے اور یہ درّہ اتنا اہم تھا کہ آپؐ نے ان کے افسر عبد اللہ بن جُبیر انصاری کو بلا کر فرمایا کہ خواہ ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم نے اس درّہ کو نہیں چھوڑنا مگر جب کفار کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تو اس درّہ پر جو سپاہی مقرر تھے۔ انہوں نے اپنے افسر سے کہا کہ اب تو فتح ہو چکی ہے۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا بے کار ہے۔ ہمیں اجازت دیں کہ ہم بھی جہاد میں شامل ہونے کا ثواب لے لیں۔ ان کے افسر نے انہیں سمجھایا کہ دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خواہ فتح ہو یا شکست تم نے اس درّہ کو نہیں چھوڑنا اس لئے میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ خواہ فتح ہو جائے پھر بھی تم نے نہیں ہلنا۔ آپؐ کا مقصد تو صرف تاکید کرنا تھا۔ اب جبکہ فتح ہو چکی ہے ہمارا یہاں کیا کام ہے؟ چنانچہ انہوں نے خدا کے رسول کے حکم پر اپنی رائے کو فوقیت دیتے ہوئے اس درّہ کو چھوڑ دیا۔ صرف ان کا افسر اور چند سپاہی باقی رہ گئے۔ جب کفار کا لشکر مکہ کی طرف بھاگتا چلا جا رہا تھا تو اچانک خالد بن ولید نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو درّہ کو خالی پایا۔ انہوں نے عَمرو بن العاص کو آواز دی۔ یہ دونوں ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور کہا دیکھو! کیسا اچھا موقعہ ہے آؤ ہم مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ چنانچہ دونوں جرنیلوں نے اپنے بھاگتے ہوئے دستوں کو سنبھالا اور اسلامی لشکر کا بازو کاٹتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ چند مسلمان جو وہاں موجود تھے اور جو دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اسلامی لشکر پر پشت پر سے حملہ کر دیا۔ کفار کا یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ مسلمان جو فتح کی خوشی میں ادھر ادھر پھیل چکے تھے ان کے قدم جم نہ سکے۔ صرف چند صحابہؓ دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس تھی۔ مگر یہ چند لوگ کب تک دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ آخر کفار کے ایک ریلے کی وجہ سے مسلمان سپاہی بھی پیچھے کی طرف دھکیلے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں تن تنہا رہ گئے۔ اسی حالت میں آپؐ کے خَود پر ایک پتھر لگا جس کی وجہ سے خَود کے کیل آپؐ کے سر میں چبھ گئے اور آپؐ بے ہوش ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے جو بعض شریروں نے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچانے کے لئے کھود کر ڈھانپ رکھے تھے۔ اس کے بعد کچھ اَور صحابہؓ شہید ہوئے اور ان کی لاشیں آپؐ کے جسم مبارک پر جا گریں اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ مگر وہ صحابہؓ جو کفار کے ریلے کی وجہ سے پیچھے دھکیل دیئے گئے تھے کفار کے پیچھے ہٹتے ہی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کو گڑھے میں سے باہر نکالا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آ گیا اور آپؐ نے چاروں طرف میدان میں آدمی دوڑا دیئے کہ مسلمان پھر اکٹھے ہو جائیں اور آپؐ انہیں ساتھ لے کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے۔ اسلامی لشکر کو کفار پر فتح حاصل کرنے کے بعد ایک عارضی شکست کا چکر کہ اس لئے لگا کہ ان میں سے چند آدمیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی اور آپؐ کی ہدایت پر عمل کرنے کی بجائے اپنے اجتہاد سے کام لینا شروع کر دیا۔

اگر وہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسی طرح چلتے جس طرح نبض حرکتِ قلب کے پیچھے چلتی ہے۔ اگر وہ سمجھتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کے نتیجہ میں اگر ساری دنیا کو بھی اپنی جانیں قربان کرنی پڑتی ہیں تو وہ ایک بے حقیقت شے ہیں۔ اگر وہ ذاتی اجتہاد سے کام لے کر اس پہاڑی درّہ کو نہ چھوڑتے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس ہدایت کے ساتھ کھڑا کیا تھا کہ خواہ ہم فتح حاصل کریں یا مارے جائیں تم نے اس مقام سے نہیں ہلنا تو نہ دشمن کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع ملتا اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو کوئی نقصان پہنچتا۔"

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 410-411)

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے حکم عدولی کی تو نقصان اٹھایا۔ یہ اس کا نتیجہ تھا۔ پھر ایک اَور جگہ بھی حضرت مصلح موعودؓ نے بڑی لطیف تفسیر فرمائی ہے۔ سورۂ کوثر کی بڑی تفصیلی تفسیر ہے جو آپؓ نے فرمائی۔ اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر فرمایا کہ:

"جنگ اُحد کے موقعہ پر مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے فتح دی اور کفار بھاگ گئے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جو اسلام کے عظیم الشان جرنیل گذرے ہیں ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور اس جنگ میں کفار کی طرف سے شامل تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ایک گروہ کو ایک درّہ میں کھڑا کیا اور انہیں تاکیدی حکم دیا کہ تم نے اس جگہ سے نہیں ہلنا خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست۔ ہم مارے جائیں یا زندہ رہیں تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ مسلمانوں میں جہاد کا بڑا جوش تھا اور اب بھی ہے۔ جب اسلام کو فتح حاصل ہوئی تو جو لوگ اس درّے پر کھڑے تھے انہوں نے اپنے افسر سے کہا کہ ہمیں بھی تھوڑا بہت جہاد میں حصہ لینے کی اجازت دیں۔ اسلام کو فتح حاصل ہو گئی ہے اور اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اس نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ خواہ فتح ہو یا شکست۔ ہم مارے جائیں یا زندہ رہیں اس جگہ سے نہ ہلیں۔ اس لئے ہمیں یہیں رہنا چاہئے۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ خواہ فتح ہو جائے تب بھی یہاں سے نہیں ہٹنا۔ آپؐ نے تو ہمیں احتیاطاً یہاں کھڑا کر دیا تھا۔ دشمن اب بھاگ گیا ہے اور اسلام کو فتح حاصل ہو گئی ہے۔ اب اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جہاد میں تھوڑا بہت حصہ لے لیں۔ افسر نے کہا" اور بڑی حکمت کی بات کی افسر نے۔ کہتے ہیں "افسر نے کہا کہ جب حاکم حکم دے دیتا ہے تو ماتحت کا یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی عقل کو دوڑائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تھا کہ یہاں سے نہیں ہلنا۔ خواہ فتح ہو یا شکست۔ ہم مارے جائیں یا زندہ رہیں اور تاکید فرمائی تھی کہ اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے۔ اس لئے آپؐ کی ہدایت کے مطابق ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔ مگر انہوں نے یہ بات نہ مانی اور اپنی غلطی پر انہوں نے اس قدر اصرار کیا کہ اپنے افسر سے کہا۔ آپ ٹھہرے رہیں ہم تو جاتے ہیں۔

چنانچہ اکثر ان میں سے چلے گئے۔ صرف افسر اور اس کے چند ساتھی باقی رہ گئے۔ جب کفار کا لشکر بھاگا۔ خالد بن ولید بڑے ذہین اور ہوشیار تھے۔ اسلام میں بھی آپ نے شاندار کام کئے ہیں اور کفار میں بھی آپ بڑے پایہ کے جرنیل تھے۔ آپ جب اپنے لشکر کے ساتھ بھاگے جا رہے تھے تو اچانک ان کی نگاہ اس درّہ پر پڑی اور وہ خالی نظر آیا۔ آپ کے ساتھ عمرو بن العاص بھی تھے۔ آپ نے عمرو سے کہا ہمیں اعلیٰ درجہ کا موقعہ مل گیا ہے۔ عمرو نے بھی اس طرف دیکھا اور دونوں اپنا اپنا دستہ لے کر واپس لوٹے۔ خالد بن ولید نے ایک طرف سے چکر لگا کر درّہ پر حملہ کیا اور عمرو بن عاص نے دوسری طرف سے۔ اور درّہ پر جو چند آدمی موجود تھے ان کو مار کر انہوں نے مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ مسلمان اس درّہ کی طرف سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے اور تتر بتر ہو چکے تھے۔ صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور بچے کھچے دشمن کا پیچھا کر رہے تھے جب خالد بن ولید اور عمرو بن عاص نے ان کی پیٹھ پر حملہ کیا تو اکیلا اکیلا مسلمان پورے دستہ کے سامنے آ گیا۔ کچھ مسلمان مارے گئے اور کچھ زخمی ہو گئے اور باقیوں کے پاؤں اکھڑ گئے خصوصاً جب حملہ کرتے کرتے دشمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپؐ کے پاس اس وقت صرف

بارہ آدمی تھے۔ ان دونوں جرنیلوں یعنی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص نے اپنے دوسرے افسروں کو بھی اطلاع کر دی تھی کہ تم بھی حملہ کر دو۔ چنانچہ تین ہزار کا لشکر ریلا کرتے ہوئے آ گیا۔ اس وقت دشمن کی طرف سے پتھراؤ ہو رہا تھا۔ تیر برس رہے تھے۔ تلواریں چل رہیں تھیں اور تمام اسلامی لشکر میں ایک بھاگڑ اور کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں صحابہؓ نے بے نظیر قربانیاں کیں مگر تین ہزار کے تازہ دم لشکر کے سامنے وہ تاب نہ لا سکے۔ اس حملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت بھی ٹوٹے اور آپؐ کی خَود میں بھی ایک پتھر لگا جس کی وجہ سے خَود کا ایک کیل آپؐ کے سر میں دھنس گیا جس سے آپؐ بے ہوش ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے۔ آپؐ کے پاس جو صحابہؓ کھڑے تھے ان کی لاشیں آپؐ کے اوپر آ پڑیں اور آپؐ کا جسمِ اطہر نیچے چھپ گیا اور مسلمانوں میں شور مچ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے قدم پہلے ہی اکھڑے ہوئے تھے اس خبر نے ان کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ جب کفار میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مارے جا چکے ہیں تو اس کے بعد انہوں نے مزید حملہ نہ کیا بلکہ یہی مناسب سمجھا کہ اب جلدی مکہ کو لوٹ چلیں اور لوگوں کو یہ خوشخبری سنائیں کہ نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مارے جا چکے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 340-341 زیر آیت الکوثر 2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری اور ثابت قدمی کے بارے میں روایات میں یوں ذکر ہے۔ مِقداد بن عَمرو نے اُحد کے دن کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مشرکین نے قتل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زخم پہنچائے۔ سُن لو! اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بالشت بھی پیچھے نہیں ہٹے اور وہ دشمن کے مدّمقابل رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک مرتبہ آپ کی طرف لوٹتی اور پھر حملہ کے زور سے جدا ہو جاتی۔ یعنی کفار کا جب حملہ ہوتا تو صحابہؓ تتر بتر ہو جاتے اور پھر لَوٹتے۔ پس کبھی آپ کھڑے ہو کر اپنی کمان سے تیر پھینکتے اور پتھر پھینکتے یہاں تک کہ مشرکین کو دور کر دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے بلکہ دشمن کے دُوبدُو مقابلہ کرتے رہے اور اپنی کمان سے اُن پر تیر برساتے رہے یہاں تک کہ اس کا تانت ٹوٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑہ آپؐ کے ہاتھ میں رہ گیا جو ایک بالشت کا ہو گا۔ جس میں تیر پھنسا کر کھینچتے ہیں وہ ٹوٹ گیا۔ تو عُکاشہ بن مِحْصِن نے آپؐ سے کمان لی تا کہ اس کی تانت لگا دیں تو اس نے کہا یا رسول اللہؐ! تانت پورا نہیں ہو رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھینچو پورا ہو جائے گا۔ عکاشہ کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اس کو کھینچا تو وہ پورا ہو گیا اور میں نے کمان کی لکڑی پر اس کے دو یا تین بل دیے۔ یا تو پورا نہیں ہو رہا تھا یا پھر ایک معجزہ سا ہو گیا کہ پورا بھی ہو گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمان تھام لی اور تیر برساتے رہے اور ابو طلحہ آپؐ پر ڈھال بن کر آپؐ کو ڈھانپے ہوئے تھے یہاں تک کہ کمان ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور اس کے تیر ختم ہو گئے تو کمان قَتَادہ بن نُعمان

نے لے لی اور وہ کمان ہمیشہ ان کے پاس رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پھینکنے لگے۔

نافع بن جُبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اُحد میں شریک ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر جانب سے تیر آ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان میں ہیں۔ سارے تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہو جاتے تھے اور میں نے عبد اللہ بن شِہَاب زُہْرِی کو دیکھا کہ وہ اس دن کہہ رہا تھا کہ تم میری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راہنمائی کرو اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پہلو میں تھے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ جب وہ آگے نکل گیا تو صَفْوَان بن امیہ نے اس کو ملامت کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے تو اُن کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس طرح حفاظت فرما رہا تھا۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ وہ ہم سے محفوظ کر دیے گئے۔ اللہ کی قسم! ہم چار لوگ مکہ سے نکلے تھے اور ان کے قتل پر آپس میں عہد و پیمان کیے لیکن ہم ان تک نہیں پہنچ سکے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ ابو نَمِر کنانی نے کہا میں مشرکین کے ساتھ اُحد میں شریک ہوا اور میں نے اس دن پانچ نشانے بنا رکھے تھے ان پر اپنے تیر برساتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا رہا کہ آپؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ کو گھیرے ہوئے تھے اور تیر آپؐ کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ کچھ تیر آپؐ کے سامنے گر جاتے تھے کچھ پیچھے گر جاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے۔

(ماخوذ از سبل الھدٰی والرشاد جلد4صفحہ196-197 دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ: ”**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ایک عجیب نمونہ ہے۔**“ آپؐ کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرما رہے ہیں ”اور ایک پہلو سے ساری زندگی ہی تکلیفات میں گزری۔ جنگ اُحد میں آپؐ اکیلے ہی تھے۔ لڑائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی نسبت رسول اللہ ظاہر کرنا آپؐ کی کس درجہ کی شوکت، جرأت اور استقامت کو بتاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 309)

ایسے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے تب بھی آپؐ نے یہ نہیں چھپایا کہ میں نہیں ہوں بلکہ اعلان کر دیا۔ لوگوں کو پتہ لگ گیا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ”انبیاء اور اولیاء اللہ کے لئے تکلیف اس قسم کی نہیں ہوتی جیسی کہ یہود کو لعنت اور ذلّت ہو رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ انبیاء شجاعت کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اسلام کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی مگر دیکھو! جنگ اُحد میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ اس میں یہی بھید تھا کہ آنحضرتؐ کی شجاعت ظاہر ہو جبکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے مقابل میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقع نہیں ملا۔“

(ملفوظات جلد2 صفحہ 172-173)

یہ اخبار کے لکھنے والے نے لکھا ہے۔ کیونکہ یہاں اُحد میں تو تین ہزار کی تعداد تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آپؑ نے دو جنگوں کا ذکر کیا ہو۔ جنگِ احزاب میں بھی دس ہزار لوگ کفار تھے اور دوسری جنگوں میں بھی دشمنوں کی کافی

تعداد تھی۔ بہر حال اصل چیز جو آپؐ ثابت فرما رہے ہیں وہ ہے آپؐ کی بہادری اور نمونہ جب کفار کے سامنے بھی اکیلے کھڑے ہو گئے۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقع نہیں ملا۔ پھر آپؐ فرماتے ہیں کہ:

"خدا تعالیٰ قادر ہے کہ جس شے میں چاہے طاقت بھر دیوے۔ پس اپنے دیدار والی طاقت اس نے اپنی گفتار میں بھر دی ہے۔ انبیاء نے اسی گفتار پر ہی تو اپنی جانیں دے دی ہیں۔ کیا کوئی مجازی عاشق اس طرح کر سکتا ہے؟ اس گفتار کی وجہ سے کوئی نبی اس میدان میں قدم رکھ کر پھر پیچھے نہیں ہٹا اور نہ کوئی نبی کبھی بے وفا ہوا ہے۔" یعنی کہ جب دعویٰ کیا ہے تو دعویٰ پر پھر قائم رہتے ہیں۔ "جنگِ اُحد کے واقعہ کی نسبت لوگوں نے تاویلیں کی ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ خدا کی اس وقت جلالی تجلّی تھی اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَور کسی کو برداشت کی طاقت نہ تھی اس لئے آپؐ وہاں ہی کھڑے رہے اور باقی اصحاب کا قدم اکھڑ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جیسے اس صدق وصفا کی نظیر نہیں ملتی جو آپؐ کو خدا سے تھا ایسا ہی ان الٰہی تائیدات کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی جو آپؐ کے شاملِ حال ہیں۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 268)

یہ ان شاء اللہ باقی آئندہ بیان کروں گا۔

اس وقت میں پہلے تو ایک ذکرِ خیر ہمارے **دیرینہ خادم سلسلہ، مربی سلسلہ، مبلغ سلسلہ ڈاکٹر محمد جلال شمس** کا کرنا چاہتا ہوں۔ ان کا جنازہ تو میں نے کل پڑھا دیا تھا لیکن ذکر میں چاہتا تھا کہ جمعہ پہ بھی کر دوں۔ ایک قابل، لائق اور سادہ اور وفادار واقفِ زندگی تھے۔ گذشتہ دنوں ان کی اناسی[79] سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

1969ء میں جامعہ سے شاہد کی ڈگری انہوں نے اچھے نمبروں سے حاصل کی اور کچھ عرصہ پاکستان میں مختلف جگہوں پہ کام کیا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر ترکی زبان سیکھنے کے لیے پاکستان میں اسلام آباد بھجوا دیے گئے۔ پھر ترکی زبان میں اعلیٰ تعلیم کے لیے 1974ء میں ان کو ترکی بھجوایا گیا جہاں سے انہوں نے ترکی زبان میں پی ایچ ڈی کی ڈگری اچھے نمبروں میں حاصل کی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر یوکے (UK) آئے۔ یہاں آپ کو برطانیہ اور پھر جرمنی میں بطور مبلغ سلسلہ خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ اس لیے آپ کو جاننے والے جو مختلف لوگ لکھ رہے ہیں وہ ترکی سے بھی ہیں اور جرمنی سے بھی، یوکے سے بھی ہیں۔ کافی وسیع ان کا حلقۂ احباب تھا اور واقفیت تھی۔ بہر حال بعد ازاں برطانیہ میں ان کو انچارج ترکی ڈیسک مقرر کیا گیا اور تادم وفات اس عہدہ پر نہایت اخلاص اور محنت سے خدمت بجالاتے رہے۔ کمال درجہ کی ذہانت اور فطانت اور زیرکی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا۔ ترکی میں آپ نے جب ترکش زبان کی ڈگری حاصل کی تو استنبول یونیورسٹی نے آپ کو پروفیسر کے طور پر جاب کی آفر کی اور اچھی جاب تھی، تنخواہ بھی غیر معمولی تھی۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس سلسلہ میں راہنمائی چاہی تو حضور نے یہ نہیں کہا کہ کر لو یا نہ کرو بلکہ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی دعاؤں کے ساتھ فیصلہ کرو اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تب آپ نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے وقف کو فوقیت دی اور اس جاب کا انکار کر دیا۔ 2002ء میں ترکی کے ایک دورے کے دوران ترکی

میں آپ کو دو ساتھیوں کے ساتھ اسلام احمدیت کی تبلیغ کے جرم میں قید کر لیا گیا اور ساڑھے چار ماہ آپ کو اسیری کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کے اہم کارناموں میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قرآن کریم کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ درجنوں کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ترجمہ کرنے اور دیگر بہت سے تربیتی، تبلیغی پمفلٹس، ٹریکٹ اور کتب ترکش زبان میں لکھنے اور شائع کرنے کی بھی توفیق ملی۔ آپ علمی شخصیت تھے، مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی کتب اور خطابات کا بہت باریک بینی سے مطالعہ کرتے۔ کتب پر ہی نوٹس لیتے رہتے تھے۔ جماعتی کتب کے علاوہ غیر جماعتی مختلف علوم و فنون کی کتب پڑھنے کا بھی شوق رکھتے تھے۔ بہت نکتہ رس شخصیت تھے اور دوستوں اور عزیزوں سے بھی جو علمی گفتگو کرتے تو اس میں بڑی باریکی سے نکتے بیان کرتے۔ جہاں مشکل پیش آتی یا جب ان کو سمجھ نہیں آتی تھی تو یہ نہیں تھا کہ کسی قسم کا تکبر ہو بلکہ جونیئر مربیان سے بھی راہنمائی لیتے تھے۔

زبانیں سیکھنے کی خداداد صلاحیت تھی اور ملکہ حاصل تھا۔ اردو پنجابی تو مادری زبانیں تھیں اس کے علاوہ ترکی زبان میں بھی آپ نے پی ایچ ڈی کی اور غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ پھر اسی طرح انگلش، عربی، جرمن اور فارسی بھی بول لیتے تھے بلکہ بعض جگہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی مجالس میں عربی جاننے والا جب کوئی نہیں تھا تو عربی میں ترجمہ بھی کیا۔ سرائیکی بھی بول لیتے تھے۔ خطبہ کا شروع میں خطبہ کے فوراً بعد ترجمہ کیا کرتے تھے اور ترکی کے جو اہلِ زبان تھے وہ بھی آپ کی ترک زبان اور vocabulary کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ تقریر و تحریر کا ملکہ بھی آپ کو بہت اچھا تھا۔ بہرحال مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی کمال حد تک بجالاتے تھے۔ رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں سب سے یکساں محبت کرنے والے۔ بہت سے لوگوں نے مجھے خط لکھے ہیں۔ ہمدرد اور بے تکلف وجود تھے۔ ملاقات کے بعد یادوں کے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے تھے۔ متوکل علی اللہ انسان تھے۔ غرباء، مساکین اور قابلِ امداد افراد کی خاموشی سے مدد کرتے تھے۔ خلافت سے بہت پیار اور والہانہ عشق رکھتے تھے۔ سچی خوابیں دیکھنے والے صاحبِ رؤیا تھے۔ ذکر الٰہی بہت زیادہ کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے بچوں کو، ان کی اہلیہ کو سب کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے اور ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے ذکر جو میں نے کرنے ہیں جن کے جنازے غائب بھی پڑھاؤں گا وہ تین جنازہ غائب ہیں جو مَیں بعد میں پڑھاؤں گا۔ ان میں پہلا ذکر **محمد ابراہیم بھامبڑی صاحب** کا ہے۔ یہ گذشتہ دنوں ایک سو چھ[106] سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ کاغذات میں بعض جگہ سے ان کی عمر 106 ثابت ہوتی ہے بعض جگہ 109-106 سال تو کم از کم ان کی عمر بہرحال تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے اور خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے والد چودھری عبدالکریم صاحب کے ذریعہ ہوا جنہوں نے 19-1918ء میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ابراہیم بھامبڑی صاحب اپنے والد کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خاندان میں احمدیت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے والد صاحب کے ذریعہ آئی۔ میرے والد صاحب پہلے اہلِ حدیث فرقہ سے منسلک تھے۔ 1918ء میں ان کی نظر کافی کمزور ہو گئی۔ موتیا کی بیماری ہو گئی۔ علاج کی خاطر قادیان میں نور ہسپتال میں آ گئے۔ چونکہ میرے والد مشہور تھے۔ جب لوگوں کو پتہ لگا کہ چودھری عبدالکریم صاحب ہسپتال میں داخل ہیں تو تیمار داری کرنے والے لوگ بھی آنے لگے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب مہر سنگھ اور اَور دوسرے بزرگ بھی آتے رہے اور چودھری صاحب کی، ان کی خاطر تواضع بھی کرتے رہے۔ اور ان بزرگوں نے ان لوگوں کو تبلیغ بھی شروع کر دی۔ تو بھامبڑی صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب کے ذہن میں اچھی طرح یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور دل میں بیٹھ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں بلکہ وفات یافتہ ہیں۔ جب ان کے دل نے یہ یقین کر لیا کہ مسیح موعودؑ بالکل برحق ہیں، سچ ہیں کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تو پھر مسیح موعودؑ زمانے کی ضرورت تھی اور مسیح موعودؑ کے آنے کا یہی زمانہ تھا۔ اگر اب نہیں آنا تو پھر کب آنا ہے؟ انہوں نے قادیان میں اپنی بیماری کے دوران ہی بیعت کر لی۔ جب واپس اپنے گاؤں بھامبڑی آئے اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے احمدیت قبول کر لی ہے تو لوگوں نے آ کے ان سے بڑا افسوس کیا۔ انہوں نے کہا کہ میاں عبدالکریم صاحب اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ نے قادیان جا کر مرزائی ہو جانا ہے تو خواہ آپ اندھے کیوں نہ ہو جاتے ہم آپ کو قادیان نہ جانے دیتے۔ تو ان کے والد صاحب اس کا جواب دیتے تھے کہ میری جسمانی بینائی کے ساتھ روحانی بینائی بھی تیز ہو گئی ہے اور کہتے تھے کہ روحانی بینائی جسمانی بینائی سے زیادہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے راہ راست پر چلایا ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں۔ بہرحال گاؤں کے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اتنا بغض تھا، مولویوں نے اتنا زہر دماغوں میں پیدا کیا ہوا تھا کہ کہا کرتے تھے کہ اگر آپ دعویٰ کریں مہدی ہونے کا تو ہم آپ کو مہدی مان لیں گے لیکن مرزا غلام احمد کو نہیں مانیں گے۔ اس پر ان کے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ یہی دیکھ لو یہی صداقت کی نشانی ہے کہ میں نے ان کو مان لیا اور برحق سمجھ کے مانا اس لیے تم لوگ بھی مان لو۔

بہرحال ان کے والد صاحب نے بھامبڑی صاحب کو اور بھامبڑی صاحب کے چھوٹے بھائی کو 1926ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل کروا دیا اور پانچ میل کا سفر روزانہ طے کر کے یہ سکول پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ ان کے والد صاحب 1931ء میں فوت ہو گئے تو ان کے بھائیوں نے کوشش کی اور والدہ کو کہا کہ ان دونوں بھائیوں کو (ابراہیم بھامبڑی صاحب کو اور ان کے چھوٹے بھائی کو) وہاں قادیان نہ بھیجا کریں بہت دُور جانا پڑتا ہے۔ قریب کا سکول ہے یہاں داخل کروا دیتے ہیں لیکن والدہ نے یہی کہا کہ میں یہ نہیں کر سکتی۔ ان کے والد صاحب نے جو مدرسہ احمدیہ میں داخل کروایا ہے تو اب یہ مدرسہ احمدیہ میں ہی پڑھیں گے۔ اور اس طرح کہتے ہیں ہم وہاں قادیان جاتے رہے۔ پھر قادیان مدرسہ سے ساتویں جماعت پاس کر کے جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس وقت ساتویں کے بعد جامعہ میں داخل ہوا جاتا تھا۔ پھر 1941ء میں پرائیویٹ طور پر میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1939ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قصیدہ پورا ان کو یاد تھا۔ بہت ساری نظمیں

کلام محمود کی، درثمین کی یاد تھیں۔ اقتباسات بہت سارے ان کو یاد تھے اور بڑے جلدی یہ حوالے دے دیا کرتے تھے۔

1939ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے زندگی وقف کر دی۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؓ نے فرمایا۔ دفتری کام سیکھیں۔ یکم جنوری 1944ء میں مدرسہ احمدیہ میں دینیات اور عربی ٹیچر کے طور پر تقرری ہوئی۔ 1941ء سے 1947ء تک جماعتی خدمات سرانجام دیں۔ 1941ء تا 44ء تین سال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پرسنل سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔ پھر نظارت بیت المال میں بھی آپ نے کام کیا کیونکہ حضرت مصلح موعودؓ نے دفتری کام سیکھنے کی تلقین فرمائی تھی۔ پھر 1947ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور استاد تقرری ہوئی اور پارٹیشن کے بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں خدمت کی توفیق پائی۔ 1974ء تک یہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1974ء میں یہ سکول سے ریٹائرڈ ہوئے اور پھر 1975ء تا 1994ء وقف جدید میں بطور انسپکٹر وقف جدید ناظم ارشاد کا کام کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ حضرت مرزا طاہر احمد کے ساتھ بھی کام کرتے تھے اور ان کے ارشاد پر مختلف جگہوں کے دورے کرتے تھے اور معاملات نپٹاتے تھے۔ معلمین کو پڑھانے کا بھی انہوں نے فریضہ انجام دیا۔ پچاس سال سے زائد عرصہ ان کو صدر محلہ دارالنصر کی خدمت کی بھی توفیق ملی۔ امام الصلوٰۃ تھے تو تراویح بھی پڑھایا کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی ان کو کافی حفظ تھا۔

ان کی ایک بیٹی کہتی ہیں کہ رشتہ داروں سے آپ کا سلوک مثالی تھا۔ جتنے رشتہ دار بھی ربوہ سے باہر مقیم تھے ان کے بچوں نے ہمارے گھر میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ آپ کی طویل اور بابرکت فعال زندگی کا راز صبح سویرے فجر پر اٹھنا، ذکر الٰہی کثرت سے کرنا، پیدل چلنا اور سائیکل پر سکول اور دفتر آنا تھا۔ انتہائی سادہ خوراک لیتے تھے اور ہمیشہ قانع اور صابر رہتے تھے۔ خلفائے کرام سے بے انتہا اور سچی محبت رکھتے تھے۔ کہتی ہیں ہم سب بچے باہر تھے۔ جب ان کو کہتے کہ آپ باہر آجائیں تو یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی گور پر میں نے روزانہ دعا کے لیے جانا ہوتا ہے تو میں اب باہر نہیں آسکتا۔ حضرت مصلح موعودؓ سے بھی ان کو ایک خاص محبت اور لگاؤ تھا۔ جب بھی کوئی آپ کے پاس دعا کے لیے آتا تو سب سے پہلے کہتے کہ خلیفۂ وقت کو خط لکھو پھر دعا کروں گا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر اس کے لیے دعا بھی کیا کرتے تھے اور سونے سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قصیدہ یا عین فیض اللہ والعرفان والا پورا قصیدہ، سب اشعار پورے سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

پھر یہ لکھتی ہیں کہ میرے ابا جان ایک خواب کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے جو اُن کے والد یعنی ان کے دادا نے، بیٹی کے دادا نے دیکھی تھی کہ ابراہیم کھجور کے درخت کے اوپر چڑھ رہا ہے اور وہ ڈر رہے ہیں کہ میں کہیں نیچے نہ گر جاؤں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے کھجور کے درخت کے آخری حصہ تک پہنچ جاتا ہوں تو آپ یعنی میرے والد صاحب اس خواب کی تعبیر اپنی طویل عمری اور علم کی لیتے تھے۔

شیخ مبارک احمد صاحب ناظر دیوان پاکستان لکھتے ہیں کہ میں ان کا شاگرد بھی رہا۔ پھر پانچ سال ان کے ساتھ ٹیچر کے طور پہ سکول میں پڑھایا بھی۔ بورڈنگ میں بھامبڑی صاحب ٹیوٹر کے طور پر کام کرتے تھے۔ بڑا لمبا

عرصہ انہوں نے کام کیا ہے۔ بورڈنگ کے لڑکوں کے ساتھ احمدی اور غیر احمدی سب بچوں کے ساتھ پیار اور محبت اور شفقت کا سلوک روا رکھتے تھے۔ ہر لڑکے کی طبیعت اور مزاج کے مطابق تربیت کا الگ الگ طریقہ اختیار کرتے۔ لڑکے بھی آپ سے بہت جلد مانوس ہو جاتے اور باپ ہی کی طرح عزت اور سلوک رکھتے تھے۔ اکثر وقت بورڈنگ میں گزارتے۔ نماز کی امامت کرواتے۔ سب لڑکوں کی نماز میں خاص نگرانی کرتے اور بڑے پیار اور محبت کرنے والے، شفقت کرنے والے تھے۔

میں بھی ان کا شاگرد رہا ہوں۔ اور سختی بھی انہوں نے کی مجھ پر بلکہ میں جب ناظر اعلیٰ تھا تو ان کو ان کی سختی یاد کرایا کرتا تھا تو ہنس دیا کرتے تھے لیکن ساتھ ہمدردی ہوتی تھی۔ اصلاح کی غرض ہوتی تھی۔

صدارت کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مجھے ان سب گھروں کا پتہ ہے جن میں کوئی مرد نہیں ہوتا جہاں عورتیں اکیلی رہتی ہیں۔ مرد باہر سفر پہ گئے ہوتے ہیں تو میں بازار جاتے ہوئے ان گھروں سے رابطہ کر کے آتا ہوں تا کہ شہر میں کوئی کام ہو تو بتا دیں۔ اور پھر ایک تھیلا ہوتا تھا، قلم ہوتی تھی، کاغذ ہوتا تھا اس پر لکھ لیتے تھے کہ کیا چیزیں لا کے دینی ہیں۔ پھر ہر گھر میں ان کا سودا پہنچا بھی دیا کرتے تھے۔ ڈاکخانہ میں خط پوسٹ کر دیتے اگر لکھنے والے ہوتے۔ اور اگر وہاں سے خط آئے ہوتے تو وہ ڈاکخانہ سے لے آتے اور ان کو گھروں میں پہنچا دیتے۔ پھر اگر کوئی کہتا خط پڑھ کے سنا دیں، کوئی اَن پڑھ ہوتا تو اس کو پڑھ کے سنا بھی دیا کرتے تھے۔ زبردست امین تھے کبھی کسی کی کوئی بات کسی دوسرے سے نہیں کرتے تھے۔ صدر محلہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس بعض معاملات بیویاں لے کے آتی تھیں، خاوندوں کی کمزوریاں بیان کرتی تھیں تو آپ خاوندوں کو بغیر احساس دلائے اچھا موقع دیکھ کے نصیحت کر دیا کرتے تھے اور معاملہ سلجھا دیا کرتے تھے۔ الغرض محلے کے افراد مرد اور عورتیں اور بچے ان کو باپ کی طرح مہربان پاتے تھے۔ **یہ ہے اصل طریقہ عہدیداروں کا کہ کس طرح ان کو لوگوں سے مل جل کے رہنا چاہیے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔** اور مربیان کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے کہ کچھ نظمیں بھی یاد کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعری کلام بھی پڑھو۔ اس میں بھی نصیحتیں ہوتی ہیں اور خود انہوں نے بتایا کہ میں روزانہ قصیدے پڑھتا ہوں اور پھر سوتا ہوں۔ پس یہ مربیان کے لیے بھی نصیحت ہے۔

ان کی زندگی میں ان کی ایک بیٹی کو گاؤں سے ربوہ آتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ بڑے صبر اور سکون سے انہوں نے اس صدمہ کو برداشت کیا۔ پھر ایک دوسری بیٹی لندن میں فوت ہو گئیں۔ اس وقت یہ بیمار بھی تھے جنازہ ربوہ لایا گیا۔ اس وقت بھی بڑے حوصلے سے اس صدمہ کو برداشت کیا بلکہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے تھے۔ بہرحال انہوں نے ہر انداز سے ایک کامیاب زندگی گزاری اور لمبی زندگی گزاری اور اکثر کہا کرتے تھے کہ دوسرا جہان اس جہان سے بہت خوبصورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔

میں نے اگلا جنازہ جس کا پڑھانا ہے وہ ہیں **یوسف جارے صاحب۔ گھانا** کے رہنے والے ہیں۔ ان کی گذشتہ دنوں وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ امیر مشنری انچارج گھانا لکھتے ہیں۔ مرحوم موصی تھے۔ مخلص احمدی

دوست تھے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے اور بھرپور جماعتی خدمات کی توفیق پائی۔ وفات کے وقت دو احمدیہ سینیئر ہائی سکولوں کے چیئرمین بورڈ کے طور پر بھی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ تعلیم کے شعبہ سے منسلک تھے۔ ریٹائرمنٹ سے قبل پورٹسن اور پھر کماسی کے احمدیہ سینیئر سکولوں کے ہیڈ ماسٹر کے طور پر خدمت انجام دیتے رہے۔ یوسف صاحب نے بطور صدر مجلس خدام الاحمدیہ گھانا بھی خدمت کی توفیق پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے 1988ء کے دورے کے دوران آپ بطور صدر مجلس خدام الاحمدیہ خدمت سرانجام دے رہے تھے اور سیکیورٹی کے سلسلہ میں بہت خدمت کی۔ مرحوم تعلیم کے شعبہ کے ساتھ منسلک تھے اور احمدی نوجوانوں کی تعلیم کے بارے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ان کے ایک پوتے اس وقت مربی سلسلہ ہیں اور خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

اگلا ذکر **الحاج عثمان بن آدم صاحب گھانا** کا ہے۔ یہ بھی اکیاسی سال کی عمر میں گذشتہ دنوں وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ان کے بارے میں امیر مشنری انچارج لکھتے ہیں۔ وصیت کے نظام سے منسلک تھے۔ نہایت مخلص احمدی تھے۔ نمازوں کے پابند چندوں کی ادائیگی میں باقاعدہ، جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے، خلافت کے سچے وفادار اور یہی جذبہ انہوں نے اپنی اولاد میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اپنے بچوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر خوب توجہ دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کے فانٹی زبان کے ترجمہ میں بھی ان کا بڑا کردار ہے۔ ان کی بیگم کا کہنا ہے کہ مرحوم انتہائی تحمل مزاج اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ 2012ء میں اللہ کے فضل سے حج کی سعادت پائی۔ جماعت کے بہت سے افراد کو انہوں نے قرآن پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔ ان کے بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 19 / جنوری 2024ء جلد 31 شمارہ 17 صفحہ 02 تا 07)

انڈیکس خطبات مسرور جلد 21

آیات قرآنیہ.....1 تا 3

احادیث نبویہؐ.....4

الہامات حضرت مسیح موعودؑ.....5

مضامین.....6 تا 16

اسماء.....17 تا 39

مقامات.....40 تا 53

کتابیات.....54 تا 57

آیات قرآنیہ

الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ(2) 79

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ(4) 79

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ(5) 202

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ...(6-7) 67،68،78،131،219

البقرۃ

الٓمّٓ ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ.....(2-3)

81،129،130،131،132،177

فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ.....(24) 136

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ.....(46) 226

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ.....(113) 242

وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ.....(116) 106

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ.....(155تا157) 34

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ.....(160) 27

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.....(165) 202

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ.....(186) 172

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ.....(201) 242

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہٗ.....(208) 242

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ.....(218) 20،301

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ.....(223) 429

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ.....(257) 197

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی.....(265) 246

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ.....(270) 155

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ.....(273) 03

آل عمران

جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ.....(56) 217

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ.....(65) 533

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ.....(85) 150

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ.....(93) 1،2،562

اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ.....(123) 638

وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ.....(124) 378،379،380

مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا.....(153) 660

فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ.....(160) 251

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.....(191-192) 176

النساء

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ.....(2) 589

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا.....(25) 123

تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا...(59) 257،419

لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا.....(65) 429

لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ.....(83) 86

المائدۃ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ.....(4) 82،132،185،187

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ.....(9) 619

فَاذْھَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ.....(25) 322

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ.....(36) 391

الانعام

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ.....(39) 65

الاعراف

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ.....(159) 128،175

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ...(180) 120

الانفال

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ.....(2) 24

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ.....(10) 340،352

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ.....(18) 351

وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ.....(27) 289

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ.....(30) 84،215

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ.....(37) 621، 641

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى.....(68) 365

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ.....(70) 365

التوبة

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ.....(102) 49

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ.....(120) 388

یونس

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ.....(37) 451

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.....(65) 83، 84

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ... (91) 350

ھود

وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ.....(4) 430، 437

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ.....(15) 190

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ.....(78) 92

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ.....(115) 450

الرعد

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ.....(12) 448

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ.....(23) 226

ابراھیم

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ.....(25) 201

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ.....(26) 201

الحجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ.....(10) 64، 156، 177

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ.....(12) 452

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ.....(22) 174

النحل

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.....(19) 393

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ.....(90) 65

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ...(91)

76، 236، 242، 248

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا.....(127) 668

بنی اسرائیل

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ.....(82) 611

الکھف

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا...(55) 548

مریم

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا.....(72) 376

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا.....(73) 376

طٰہٰ

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا.....(115) 450

الانبیاء

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ... (108) 128، 668

الحج

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ.....(40-41) 290، 379

المومنون

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ.....(2-3) 219

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ.....(4) 220

النور

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ.....(38) 220

وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ.....(56) 274

الفرقان

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا..... (2) 128

الروم

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ.....(2تا7)

489، 490، 492، 494، 495، 496

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.....(42) 79

الاحزاب

وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.....(41) 163

قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا.....(71) 589

غافر

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ.....(11) 338

الشوریٰ

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا.....(41) 86،74

الفتح

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ.....(30) 455

القمر

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ.....(46) 175

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ.....(47-46) 350،339

الواقعة

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ.....(78تا80) 177،176

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ(الواقعة:80) 130

الحدید

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ....(29) 260

المجادلة

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ.....(23) 157،120،84

الحشر

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ...(19) 589

الصف

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ.....(11) 447

الجمعة

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا.....(4-3)

177،160،159

الطلاق

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.....(4) 140

الدھر

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ.....(10-9) 242

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً....(10) 245

الطارق

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ...وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ(14-15) 152

الشمس

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا.....(10) 08

العلق

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ(2)..... 54

البیّنة

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ...(4-3) 136

الاخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ.....(2تا5) 134،76

احادیث

اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ 349
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ ۔۔۔۔ 340،339
اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ لِیْ مَا وَعَدْتَّنِیْ ۔۔۔۔ 339
اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ ۔۔۔۔ 380،341
اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا اَفْسَدَ فِی الْقَوْمِ ۔۔۔۔ 346
اَللّٰھُمَّ لَا تُعْجِزْنِیْ فِرْعَوْنَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ 348
اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ 436
اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ 648
اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ۔۔۔۔ 672
اِنِّیْ اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوْا 286
شَاوِرُوْا الْفُقَھَاءَ وَالْعَابِدِیْنَ 255
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل 164
لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقاً بِالثُّرَیَّا ۔۔۔۔ 160
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ 164
آسانی پیدا کرنا، مشکلیں پیدا نہ کرنا ۔۔۔۔ 427
ندامت اور پشیمانی علامتِ توبہ ہے 429
فرمایا: جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو 427
زبیر! تم اپنے درختوں کو پانی دو ۔۔۔۔ 62
جمعہ کا دن وہ بابرکت دن ہے ۔۔۔۔ 213
فرمایا: ایسا نہ کیا کرو مجھے اپنے جنازوں میں بلایا کرو 104
ایک صحابیؓ کا جُنبی ہونے کی حالت میں تیمم کرنا 32
فوت شدہ کی جو تعریف کرے تو پھر جنت واجب ہو گئی 294
حاطبؓ ہر گز جہنم میں داخل نہیں ہو گا ۔۔۔۔ 61
آپؐ کا بدر کے موقع پر مشرکین کے خلاف دعا کرنا 350
کوئی شخص ایسا نہیں ۔۔۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے 201
اے آدم کے بیٹے! تو اپنا خزانہ میرے پاس جمع ۔۔۔ 3
آپؐ کا اپنا داڑھی کا خلال کرنا 32
ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو 533
آپؐ کی حضرت عائشہؓ سے شادی کی بابت روایت 526
آپؐ کی علم کے اٹھ جانے کے بابت روایت 28
آپؐ کا جنگی حالت میں عورتوں، بچوں کو قتل نہ کرنے کا ارشاد 531
جو عہدیدار ضرورتمندوں کیلئے اپنا دروازہ بند کرتا ہے ۔۔۔ 427
عہدہ ایک امانت ہے 419
آپؐ کے فدیہ لینے کی بابت روایات 365-364
جو شخص قرآن کو خوش آواز سے نہیں پڑھتا ۔۔۔۔ 49
جس کو میں کوئی کام سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے 420
اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرانا تیرے لئے صدقہ ہے 381
جو مشورہ کرے گا وہ رشد و ہدایت سے محروم نہیں رہے گا 252
جنگِ بدر میں شامل ہونے والے ملائکہ کی فضیلت کے متعلق روایت 253
اکوع کے بیٹے! تم نے ان پر قابو پا لیا اس لئے نرمی کرو 60
ہر نگران اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا 424-423
آدمی کی لمبی نماز اور مختصر جمعہ اس کی عقلمندی کی نشانی ہے 32
آپؐ کی نماز پڑھنے کی بابت روایت 58،55
کسی کی نماز پوری نہیں ہوتی یہاں تک کہ ۔۔۔۔ 55

احادیث بالمعنیٰ

ایک صحابی کا جنگل سے لکڑیاں کاٹنا اور کمائی آنحضورؐ کو پیش کرنا 10
آپؐ کا جنگِ اُحد کی بابت خواب دیکھنا 629
آپؐ کا کعب بن اشرف کے قتل کی بابت روایت 595-594
آپؐ کا ایک انصاری کو کسی دوسرے انصاری کو کھجوریں دینے کے متعلق حکم فرمانا 52
آپؐ کا اصحابؓ سے مشورہ لینا 253
مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے 25
آپؐ کو کعبے میں نماز پڑھنے کے دوران قریش کا تنگ کرنا 358
آپؐ کی اُحد کے دن تلوار پکڑانے کی بابت روایت 656

الہامات حضرت مسیح موعودؑ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْماً۔۔۔۔۔ 163

اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُراٰنِ 66

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ 218

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں۔۔۔۔۔ 162

جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ 164

جنگِ بدر کا قصہ مت بھولو 380

لوگ کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ کو مٹا دیں۔۔۔166، 606

میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔۔۔۔۔ 88

میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بڑھاؤں گا 261

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا 261، 265

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی 164

یَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَۃُ عَلٰی شَفَتَیْکَ 167

مضامین

آخرت

فردی آزادی اِس لئے رکھی گئی ہے تا کہ افراد آخرت کا سرمایہ اپنے لئے جمع کرلیں اور ان کے اندر تسابق اور مقابلہ کی روح ترقی کرے 98

آخرت میں صبر کے ذریعہ نجات پاؤ گے 338

توبہ کے نتیجہ میں نہ آخرت میں رسوائی ہو گی نہ دنیا میں 436

حسن سلوک کے نتیجہ میں دنیا میں اجر جلدی ملنا اور آخرت میں مؤخر ہونا 641

صحابہ میں سے بعض دنیا کی طلب رکھنے والے اور بعض کی آخرت پر نظر تھی۔ اس آیت کی پر معارف تشریح 660، 661

آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ اپنے مہمان کا احترام کرے 381

خدا سے زندہ تعلق یہی چیز ہے جو ہماری دنیا و آخرت سنوارنے والی ہو گی 454

آخرت سے مراد انجام اور آخری نتیجہ بھی ہوتا ہے 661

آخری خطبہ

بدری صحابہ کے ذکر خیر پر آخری خطبہ 114

احسان

سیدنا بلال فنڈ میں چندہ دینا شہداء کے خاندانوں پر احسان نہیں 47

قرآن جیسی کتاب کے نزول سے ہم پر احسان 66، 185

قرآن کے نزول سے دنیا کی دوسری کتابوں پر احسان عظیم 68، 152

قرآن کا پہلی کتابوں اور پہلے نبیوں پر احسان 447

قرآن کا دنیا پر احسان کہ اس نے بے اعتدالیوں کو ختم کیا 197

عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کی تعلیم 76، 286 تا 294

حضرت اقدسؑ کو فضل اور احسان کا نشان ملنا 88

حضرت اقدسؑ پر قرآن کا احسان 195

یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے جماعت کو خلافت سے نوازا ہے 252

یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے اندر شوریٰ کا نظام ہے 252

ایک مربی صاحب کا افغانستان کی جماعت پر بہت بڑا احسان 321

بعض اہلِ قریش کا آنحضرتؐ کی مدد کرنا اور غزوہ بدر کے بعد آپؐ کا فرمانا کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے احسان کا بدلہ چکائیں 339

حاطب بن ابی بلتعہؓ کا مکہ والوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں مکہ کی طرف مسلمانوں کے لشکر کی اطلاع دینا 375

اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا 388

افریقہ کے ایک ملک میں قرآن کریم کی نمائش پر ایک کمپیوٹر انجینئر کا کہنا کہ جماعت کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے 408

خدا کا احسان ہے کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے 431

نماز پڑھتے ہوئے احسان پیش نظر رکھنا 450

جلسہ سالانہ کے حوالہ سے اللہ کا شکر اور احسان کہ وہ ہماری پردہ پوشی فرماتا ہے 472

آنحضرتؐ کا ایک قیدی کو بطور احسان آزاد کرنا اور اس کا مرتے دم تک آپ سے جدا نہ ہونا 506

مالی قربانی کا ادراک جماعت احمدیہ پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے 563

احسان کس قدر دلوں کو مسخر کرلیتا ہے ___ اس کی مثالیں 248

احمدی / احمدیت

جماعت احمدیہ میں جان کی قربانی جاری ہے جس کا آغاز سید عبد اللطیف شہید صاحبؓ سے ہوا 34

برکینا فاسو میں جان کی قربانی کرنے والے 9 احمدی شہداء کا تذکرہ 34 تا 47

برکینا فاسو کے شہداء احمدیت کے چمکتے ستارے ہیں 46

جماعت میں شہداء کے خاندانوں کے لئے سیدنا بلال فنڈ کے نام سے فنڈ جاری ہے 46

اس زمانہ میں جماعت کے ذریعہ ہی قرآنی معارف کا علم ہو رہا ہے 65

جماعت پر قرآن کی تحریف کا الزام اور اس کی تردید 74، 77

جماعت احمدیہ کا لامذہب لوگوں کو خدا کی ہستی کے ثبوت دینا 81

جماعت احمدیہ کا امریکہ اور یورپ میں اسلامی ثقافت کی اشاعت میں نمایاں کردار، غیروں کا اقرار 95

جماعت احمدیہ میں 23 مارچ کے دن کی اہمیت 159

جماعت کے لٹریچر میں حضرت اقدسؑ کی بیان فرمودہ تفسیریں ہی بیان

ہوتی ہیں 176، 177
ناموس رسالت، قرآن یا صحابہ کے نام پر مولویوں کا جماعت کے خلاف نعرے لگوانا 179
قرآنی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کا کام ہے جس کے لئے جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا 186
اللہ کا احسان کہ جماعت کو خلافت اور شوریٰ کے انعام سے نوازا 252
ایک شخص کا اقرار کہ افریقہ میں احمدیت ہی اسلام کی خدمت کرتی نظر آتی ہے 262
چاڈ میں مسجد کے افتتاح پر جماعت کی مخالفت کا تذکرہ 264
افریقن ممالک میں جماعت میں شامل ہونے والے نومبائعین کی بیعت کرنے اور جماعت کی مخالفت کے بعض واقعات کا تذکرہ 261 تا 284
خلافت کے نظام کے تحت جماعت کا ساری دنیا میں اسلام کو پھیلانا اور جماعت تا قیامت رہے گی 284
اس الزام کا رڈ کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت ﷺ کی توہین کرتے ہیں 68
پاکستان میں احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک 357
ہم احمدی خوش قسمت ہیں کے زمانے کے امام کو ماننے کی توفیق ملی 201
اللہ تعالیٰ کا مختلف لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کے بارہ میں خود رہنمائی کرنا.....واقعات 405 تا 414
پاکستان کے مخالف احمدیت حالات پر بعض لوگوں کا ردّ عمل دکھانے کا اظہار.....اور حضور انور کی رہنمائی 224 تا 235
پاکستان میں احمدیت کی مخالفت اور مساجد اور قرآن پر پابندی ___ اس کے مقابل اللہ تعالیٰ کا ہم سے سلوک 407
مخالفین احمدیت کو خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ کے نہیں چھوڑے گا 196
مخالفین احمدیت ___ ناکام ہوں گے اور خود ہی یہ سب مر جائیں گے 407

استغفار

والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے استغفار کی دعا کرنا 56
ممبران شوریٰ کو استغفار اور محاسبہ کی تلقین 257، 258
عہدیدار کو استغفار کی ضرورت 422
مہینوں رپورٹس نہ بھجوانے والے عہدیداران کے حوالہ سے حضور کا خود بھی استغفار کرنا اور انہیں بھی استغفار کرنے کی تلقین 424
جلسہ سالانہ جرمنی کے حوالہ سے افسران وانتظامیہ کو استغفار کی تلقین 457
آنحضرت ﷺ پر اعتراض استغفار کے حوالہ سے 433
ہمارے غالب آنے کے ہتھیار، استغفار، توبہ 235
استغفار کی حقیقت اور ضرورت 429 تا 439
استغفار کی افادیت اور اہمیت 430
استغفار کی حقیقت 434

اسلام

حضرت مسیح موعود کا مشن اشاعت اسلام 2
کوئی بھی نبوت کی نعمت نہیں پا سکتا، جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے اور اس نے مغز شریعت کو سمجھا ہی نہیں 69
اب آخری دین اسلام ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے 185
مسلمان حکومتوں کا قصور جن میں پھوٹ کی وجہ سے اسلام مخالف طاقتیں اس قسم کی غلط حرکتیں کرتی ہیں 357
اسلامی تاریخ کا پہلا تیر جو چلایا گیا 297
عہد رسالت میں مدینہ میں قیمتوں پر اسلامی حکومت کا تصرف 61

الزام / اعتراض

صحابہ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا 97
پردے پر اعتراض 173
اس الزام کا رڈ کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت ﷺ کی توہین کرتے ہیں 68
صحابہ پر یہ غلط الزام کہ انہوں نے بغاوت کی۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے 97
آنحضرت ﷺ پر اعتراض استغفار کے حوالہ سے 433
ہم پر الزام کہ نعوذ باللہ ہم قرآن کریم کی توہین کرنے والے ہیں 193

الفضل انٹرنیشنل روزنامہ ہونا اور اس کو پڑھنے اور خریدنے کی تحریک 171

امام

ہم احمدی خوش قسمت ہیں کے زمانے کے امام کو ماننے کی توفیق ملی 201، 520
احباب جماعت کا اپنے امام سے محبت کا تعلق 398

امن

دنیا میں امن وامان کے لئے دعا کی تحریک 357

انصاف

آنحضرت ﷺ کا جنگ میں بھی انصاف پر قائم رہنے کا اسوہ 619

ایمان

ایمان کی مضبوطی اور ہدایت کے لئے ہر احمدی کو دعا کرنی چاہیے 610

بٹ کوائن(Bitcoin)اور کرپٹو(Crypto)یہ ایک قسم کا جوا ہے 4

پردہ

پردہ کی ضرورت اور اہمیت، اس زمانہ میں یہ اعتراض کہ پردہ ضروری نہیں اس کا جواب 173

تبلیغ

قیصرہ ہند کو اسلام کی تبلیغ کا جرأت مندانہ اقدام 77

تجارت

سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے..... 447

تحریک جدید

تحریک جدید کی اہمیت 574

تحریک جدید کے آغاز کا پس منظر اور اس کے ثمرات 571

تحریک جدید کے حوالہ سے مالی قربانیوں کے ایمان افروز واقعات کا ذکر، چندہ دینے کی برکات 563تا572

تحریک جدید کے دفتر ششم کے آغاز کا تاریخی اعلان 573

توبہ استغفار

توبہ کی اہمیت اور اس کی شرائط، استغفار کی حقیقت اور ضرورت 429تا439

توکل

توکل کی وضاحت__ اسباب کا بھی استعمال ہو 341

توہین

ہم پر الزام کہ نعوذ باللہ ہم قرآن کریم کی توہین کرنے والے ہیں 193

توہین رسالت کی کسی قسم کی کوئی ایسی سزا شریعت اسلام میں موجود نہیں 510

تیر

اسلامی تاریخ کا پہلا تیر جو چلایا گیا 297

جلسہ سالانہ

جلسہ سالانہ پر اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ 386

جلسہ سالانہ جرمنی کی انتظامیہ کو توجہ کہ جہاں جہاں کمی رہی استغفار کریں اور سرخ کتاب میں لکھ کر اصلاح کی کوشش 457

جلسہ سالانہ جرمنی__ تاثرات اور ایمان افروز واقعات 459تا473

جلسہ سالانہ کے مقاصد اور ہماری ذمہ داریاں 443

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے مقاصد اور ہمارے فرائض 384

جلسہ سالانہ یوکے بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا، شکر گزاری اور کارکنان کا شکریہ 393

جلسہ سالانہ یوکے خلفاء کی مسلسل توجہ اور رہنمائی کی بدولت یوکے جماعت کی بھرپور ٹریننگ ماشاء اللہ تجربہ کار اور مستعد کارکنان تیار ہو چکے ہیں 383

جلسہ سالانہ یوکے__ ہدایات ونصائح 380

جلسہ سالانہ یوکے۔ شاملین جلسہ کے تاثرات 394

جلسہ سالانہ۔ کارکنان، مہمانان اور میزبانوں کو زرّیں نصائح اور ہدایات 384

کھانا اور حضرت مسیح موعودؑ کا نمونہ (جلسہ میں شامل ہونے والے مہمانوں کے لئے اسوہ) 385

جماعت احمدیہ

جماعت احمدیہ پر توہین قرآن کا ناجائز الزام 196

جماعت احمدیہ کے ساتھ الٰہی تائید ونصرت اور ترقیات کے واقعات اور مخالفین کو انتباہ 261تا270

جماعت احمدیہ کے شہداء__ کا اعلیٰ ترین مقام اور جماعت کی ترقیات کا باعث..... 34

جماعت احمدیہ میں بذریعہ خواب رہنمائی پانے کے واقعات 276تا279

جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کا دلوں میں ڈالنا 265

پاکستان میں سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ پر ظلم اور تحریف وتوہین قرآن کے لئے مقدمے بنانا 64

جماعتوں میں تین دن دعاؤں کے پروگراموں کی بابت ایک اصولی راہنمائی 223،211

جنگ / جہاد

آنحضرت ﷺ کا جنگ میں بھی انصاف پر قائم رہنے کا اسوہ 619

جنگ میں مشرک کی مدد لینے سے انکار 316

اب جو جنگ ہوگی اس کے نقصان کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا 532

جہاد بالسیف کی اجازت..... 290،289

حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے پر اظہار تنبیہ اور آیات قرآنیہ 300

جنگ احد 620

جنگ احد اور آنحضرت ﷺ کے خواب 629

جنگ احد اور آنحضرت ﷺ کی دعائیں 648

جنگ احد ایک درّہ پر پچاس تیر اندازوں کا تقرر 645
جنگ احد سے قبل آنحضرت ﷺ کا خطاب (یہ باتیں اگر مسلمان آج یاد رکھیں تو کسی دشمن کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو) 641،640
جنگ احد کے اسباب 621
جنگ احد کے لئے آنحضرت ﷺ کا مشورہ 630
جنگ احد کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا دعا کرنا اور اس دعا کو بدر کے موقعہ پر بھی کرنا 648
جنگ احد کے موقعہ پر درّہ چھوڑنے والے صحابہؓ ــــ کسی مال غنیمت کی لالچ کی وجہ سے نہ تھا 660تا662
جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کی ماہرانہ جنگی حکمت عملی 646
جنگ احد میں تیر اندازوں کے دستے پہاڑی پر مقرر کرنا 647
جنگ احد میں رسول کریم ﷺ کی بہادری 677
جنگ احد میں کفار کی عورتوں کی شرکت 625
جنگ احد میں کم عمر صحابہؓ کو واپس بھیجا جانا اور ان کے نام 636
جنگ احد میں مسلمانوں کے تین جھنڈے 635
جنگ احد میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی تباہی 653
جنگ بدر اور اموال غنیمت 363
جنگ بدر اور آنحضرت ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ ــــ اور صحابہ کی جوش و جذبہ سے بھرپور تقریریں 322
جنگ بدر اور رومی سلطنت کی فتح 489
جنگ بدر سے پہلے قریش کی خانہ کعبہ میں دعا 310
جنگ بدر سے قبل صحابہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کی ایک دعا اور اس کا پورا ہونا 314
جنگ بدر سے قبل کے سرایا اور غزوات کی تفصیل 297تا307
جنگ بدر سے مدینہ واپسی کی تفصیلات 486
جنگ بدر فریقین کی تیاری اور اس کی تفصیلات 308تا317
جنگ بدر کا پس منظر 285
جنگ بدر کی اہمیت اور اثرات 372
جنگ بدر کے بارہ میں بائبل میں پیشگوئی 374
جنگ بدر کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰؑ کی مماثلت 378
جنگ بدر کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کی سیرت کے پہلو اور تاریخی واقعات 285
جنگ بدر کے حوالہ سے عاتکہ کا ایک خواب 304
جنگ بدر کے سفر کے دوران ہرن کا شکار اور آنحضرت ﷺ کا نشانہ درست لگنے کی دعا 316
جنگ بدر کے صحابہؓ کی فضیلت 375
جنگ بدر کے قیدیوں سے حسنِ سلوک 371
جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ اور صحابہؓ کی آراء اور مؤرخین و مفسرین کی ایک غلطی کی اصلاح 364
جنگ بدر کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے لئے سائبان کی تیاری اور حضرت سعدؓ کا عاشقانہ اظہار 328
جنگ بدر کے موقعہ پر ابوجہل کی ایک دعا 346
جنگ بدر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا خطبہ 337
جنگ بدر میں ابوجہل کا قتل 348
جنگ بدر میں اسلامی لشکر کے جھنڈے 316
جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کا بنفس نفیس جنگ میں شرکت فرمانا 342
جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کے معجزات 361
جنگ بدر میں بعض مشرکین کو قتل نہ کرنے کا حکم 338
جنگ بدر میں شہید ہونے والے صحابہؓ 356
جنگ بدر میں صفوں کی درستی کے دوران ایک صحابی کے عشق و محبت کا نرالہ انداز 335،330
جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول 352
جنگ بدر میں لشکر قریش اور ان کی آپس میں تکرار 342
جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس گھوڑوں کی تعداد 314،313
جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد 313
جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر پر مکہ و مدینہ میں ردعمل 362،361
جنگ بدر میں مشرکین کے مال غنیمت میں سے تلوار اور اونٹ جو آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آیا 363
جنگ بدر میں مشرکین کے مقتول 356
جنگ بدر ــــ صفیں درست کرنا 329

ایک مخلص خاتون صحابیہ کا جنگ بدر میں شمولیت کی درخواست 313
آنحضرت ﷺ کا بدر کے میدان میں ساری رات جاگ کر دعائیں کرنا 328
آنحضرت ﷺ کی میدان بدر میں دعائیں 339
کم عمر مجاہدین کو جنگ میں شمولیت سے روکنا اور ان کی بے چینی اور جذبہ جہاد 315
مقام بدر پر آنحضرت ﷺ کا پڑاؤ 327

جنگ صفین 31،30

جھنڈا

اسلام میں سب سے پہلے جھنڈے کی ابتداء حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے کی 18
جنگ بدر میں اسلامی لشکر کے جھنڈے 316
جنگ احد میں مسلمانوں کے تین جھنڈے 635

چاند

چاند دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ 85

چندہ

مالی قربانی / چندہ
مالی قربانی کی اہمیت 1
مالی قربانی کی اعلیٰ ترین مثال حضرت حکیم مولانا نور الدین صاحب نے قائم فرمائی 2
مالی قربانی کے دائمی فوائد 3
احمدی عورتوں کی مالی قربانیاں 564،563
امیر اور خوشحال لوگوں کو مالی قربانی / چندہ جات کے حوالہ سے اپنا جائزہ لینا چاہئے 564
انسان کی سعادت اور تقویٰ کا معیار خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے 2
چندہ دینے میں کنجوسی کرنے والوں کے لئے ایک قابل غور بات 13
چندہ کی برکت سے لاک ڈاؤن کے باوجود برکت 7
چندہ وصول کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا اور ادھار لیکر چندہ دینا 5
حضرت ابو بکرؓ کا سارا مال (اثاث البیت) لیکر حاضر ہونا 2
حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کی حیرت انگیز قربانیاں 2
خواب میں جگر نکال کر کسی کو دینے سے مراد مال ہے 2،1
نیکی اور اعلیٰ معیار کے حصول کے لئے مالی قربانی کی ضرورت واہمیت 562
تحریک جدید کے حوالہ سے مالی قربانیوں کے ایمان افروز واقعات کا ذکر، چندہ دینے کی برکات 572تا563

چودھویں صدی

چودھویں صدی اور امام مہدی کا انتظار 380،379
بدر اور چودھویں صدی میں ایک لطیف مشابہت 378
حکمت: حکمت سے اپنے کاموں کو جاری رکھنا ہے 235

حقوق

حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کی ضرورت 387
حقوق کی ادائیگی اور عدل وانصاف کے حوالہ سے اپنی اور دنیا کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں 237

خطبہ

بدری صحابہ کے ذکر خیر پر آخری خطبہ 114
حضرت مصلح موعود کے خطبات وخطابات وغیرہ کا ایک جائزہ 89
خطبات میں **قرآن کریم کے محاسن کا ذکر**
خلیفۃ المسیح کے خطبات نہ صرف قرآن کریم کی تفسیر ہیں بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جاتے ہیں، تاثرات 283

خلافت / خلیفہ

خلافت تاقیامت چلے گی، ہمیشہ قائم رہے گی اور کوئی دشمن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا 284
خلافت کا انعام خدا تعالیٰ کا ایک احسان ہے 252
جماعت احمدیہ میں خلافت کا نظام اور خدا تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت کے واقعات 284تا274
جماعت احمدیہ میں خلافت کا نظام، غیروں کی نظر میں خراج تحسین 395
خدا تعالیٰ کا نظام خلافت سے اپنی تائیدات کے نظارے دکھاتا ہے 612
خلیفۂ وقت کی آواز لوگوں تک پہنچانے کی غیر معمولی اہمیت 284
نظام خلافت میں پرانے احمدی اور نومبائعین کی قربانیاں اور اس کی کچھ مثالیں 3
دنیا بھر میں احمدیت کی ترقی اور ہر جگہ آپ کا پیغام پہنچ جانا__ الٰہی تائیدات کے نظارے، تفصیل 607
ہمارے پاس ایک امام ہے جو ہمارا خیال رکھتا ہے..... 281
ایک دوست کا کہنا کہ جماعتِ احمدیہ میں شمولیت کی سب سے بڑی وجہ خلیفۂ وقت کا وجود اور نظامِ خلافت ہے 281

صحابہ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا 97

خواب

سرداران قریش کی ہلاکت کے بارہ میں ایک اور شخص کا خواب 311
خوابوں میں اشارے اور استعارات 633
جماعت احمدیہ میں بذریعہ خواب رہنمائی پانے کے واقعات 276 تا 279
جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کا دلوں میں ڈالنا 265
جنگ بدر کے حوالہ سے عاتکہ کا ایک خواب 304
حضرت حمزہ کو فرشتوں نے غسل دیا، آنحضرت ﷺ کا خواب 637

درود شریف

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجتا ہے 106،641
جلسہ کے دنوں میں درود شریف پڑھنے کی تلقین اور برکات 391
محرم کے دنوں میں بھی درود شریف پڑھنے کی تلقین 391
درود شریف کی برکات 391

دم درود وغیرہ

افریقہ اور غیر احمدیوں میں دم درود کا رواج 276
سیفیاں اور دم درود وظائف جو صراط مستقیم سے بھٹکانے کا آلہ 149

دعا

دنیا میں امن و امان کے لئے دعا کی تحریک 357
ایمان کی مضبوطی اور ہدایت کے لئے ہر احمدی کو دعا کرنی چاہیے 610
حماس اسرائیل جنگ۔ دعا کی تحریک، رہنمائی اور بڑی طاقتوں اور رہنماؤں کو تنبیہ ..... 531،547،560،614،615
الجزائر اور پاکستان کے احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک 115
پاکستان میں احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک 357
امت مسلمہ کے لئے دعا کی تحریک 171
ایک دعا جو والدین کو شادی کرنے والے جوڑے کے لئے کرنی چاہیئے 545
پاکستان اور بنگلہ دیش کے احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک 171
پاکستان کے حالات کے لئے دعا کی تحریک 250
پاکستان، الجزائر، برکینا فاسو میں مخالفت اور دعا کی تحریک 130
پاکستان، برکینا فاسو، بنگلہ دیش کے احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک 158
جلسہ سالانہ بنگلہ دیش میں مخالفین کا پُر تشدد حملہ دعا کی تحریک 130
دنیا کے لئے عموماً اور فلسطین کے مسلمانوں کے لئے دعا کی تحریک 199
فلسطین کے مظلوموں کے لئے دعا کی عالمی تحریک ..... 356،357،588،604
آنحضرت ﷺ کا ایک خاتون کی قبر پر جا کر دعا کرنا 315
جماعتوں میں تین دن دعاؤں کے پروگراموں کی بابت ایک اصولی راہنمائی 211،223
جنگ بدر سے قبل صحابہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کی ایک دعا اور اس کا پورا ہونا 314
آنحضرت ﷺ کا بدر کے میدان میں ساری رات جاگ کر دعائیں کرنا 328
آنحضرت ﷺ کی میدان بدر میں دعائیں 339

زندگی

اپنی زندگیوں میں نمایاں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت 438

رشتہ ناطہ

رشتہ ناطہ کا شعبہ__ بہت وسیع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے 425

رمضان

رمضان میں قرآن پڑھنے اور دعاؤں کی تلقین 146،158
رمضان کا آخری جمعہ__ اور کچھ اصولی نصائح اور راہنمائی 213
رمضان کے مہینے کی اہمیت و فضیلت 172
رمضان کے آخری عشرہ کی اہمیت اور تقاضے 211
رمضان کے بعد بھی نیکیوں کا تسلسل جاری رہنا چاہیے 214
رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان 161،165

زہد و قناعت

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا زہد و قناعت 545

سادگی

حضرت فاطمہؓ کی شادی اور دعوت ولیمہ__ سادگی کی ایک مثال 543

سرخ کتاب

جلسہ سالانہ جرمنی شکر کے جذبات اور جلسہ کی انتظامیہ کو توجہ کہ جہاں جہاں کمی رہی استغفار کریں اور سرخ کتاب میں لکھ کر اصلاح کی کوشش 457

سریہ

سریہ حضرت حمزہ / سریہ سیف البحر 297

سریہ حضرت سعد بن ابی وقاص 298
سریہ زید بن حارثہؓ 585
سریہ عبداللہ بن جحش کا تفصیلی تعارف 18
سریہ عبداللہ بن جحش 300
سریہ عبیدہ بن حارث 297

سلام

سلام کو رواج دینے کی تلقین 390

سوشل میڈیا

سوشل میڈیا وغیرہ شیطان کا دجال کے ذریعے ایک خوفناک ماحول 216
سیرت النبی ﷺ کی اہمیت یہ ہماری زندگی کا محور ہے..... 285

سیفی

سیفیاں اور دم درود وظائف جو صراط مستقیم سے بھٹکانے کا آلہ 149

شدت پسندی

مسلمانوں میں شدت پسندی کی وجہ اور اس کا نقصان 519

شہادت / شہید

حفاظ صحابہ کی شہادت اور صحابہ کی قربانیوں کا جذبہ 107
برکینا فاسو میں 9 افراد کی شہادت 33
برکینا فاسو میں ہونے والی شہادتوں کا ایمان افروز تذکرہ 34 تا 47
ہم گواہ ہیں کہ آج افریقہ کے رہنے والوں نے اجتماعی طور پر اس کا نمونہ دکھا دیا اور قائمقامی کا حق ادا کر دیا 37
جماعت احمدیہ کے شہداء ___ کا اعلیٰ ترین مقام اور جماعت کی ترقیات کا باعث 34

صبر واستقامت

دنیا میں جماعت احمدیہ کا منفرد مقام 225
صبر کی اہمیت اور تلقین اور ضرورت 224

صحابہ

بدری صحابہ کے ذکر خیر پر آخری خطبہ 114
حفاظ صحابہ کی شہادت اور صحابہ کی قربانیوں کا جذبہ 107
صحابہ پر یہ غلط الزام کہ انہوں نے بغاوت کی۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے 97
جنگ بدر کے صحابہؓ کی فضیلت 375
صحابہ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا 97
حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ ہر ایک فتنہ سے یا عیب سے پاک تھے 97
صحابہ جنگوں میں اس طرح جاتے تھے کہ ان کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ میں شہید ہونا ان کے لئے عین راحت اور خوشی کا موجب ہے اور اگر ان کو لڑائی میں کوئی دکھ پہنچتا تھا تو وہ اس کو دکھ نہیں سمجھتے تھے بلکہ سکھ خیال کرتے تھے 107
صحابہ کا مقام اور ان کا ہمارے لئے اسوہ ہونا 208
احد کے موقعہ پر درہ چھوڑنے کی وجہ، صحابہؓ کا مطلوب و مقصود مال غنیمت حاصل کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا 660
مسیح موعودؑ کے **صحابہ جنہوں نے اپنی اپنی استعدادوں** کے مطابق قربانیاں دیں کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ مجھے ان کی قربانیاں دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ 2

صدی

چودھویں صدی اور امام مہدی کا انتظار 379، 380
بدر اور چودھویں صدی میں ایک لطیف مشابہت 378
صدی کا ٹارگٹ ___ یہ جائزہ لیں کہ کیا ہمارا خدا سے پختہ تعلق ہو گیا، نمازوں کے اعلیٰ معیار، قرآن کی تلاوت، بچوں کے دین کی فکر، آپس میں اعلیٰ اخلاق، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معیار کس حد تک حاصل کر لئے 455، 456

صف: جنگ بدر میں صفوں کی درستی کے دوران ایک صحابی کے عشق و محبت کا نرالہ انداز 330، 335
جنگ بدر ___ صفیں درست کرنا 329

عاجزی

عہدیداروں کے لئے عاجزی کی تلقین 421، 419
جہاں افسر عاجزی اور محنت سے کام کرنے والا ہو وہ تمام شعبہ بہتر ہوتا ہے 459
عاجزی کا نتیجہ 220

عدل وانصاف

عدل وانصاف دنیا کے امن کی ضمانت 197
عدل، احسان، ایتاء ذی القربیٰ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں پُر معارف تفسیر 236
عصماء بنت مروان کا قتل ایک من گھڑت کہانی 508

عہدیداران کی ذمہ داریاں، انتخاب کے متعلق ہدایات اور نصائح 419تا428

عید

مسلمانوں کی مدینہ میں پہلی عید الفطر 506
مدینہ میں پہلی عید الاضحیٰ 541

غزوہ

غزوۂ بدر الاولیٰ 299
غزوۂ بدر الکبریٰ 302
غزوہ بدر الموعد 541
غزوہ بنو سلیم یا قرقرۃ الکدر 504
غزوہ بنو قینقاع 551
غزوۂ بواط 298
غزوۂ ذی امر / غزوۂ بنو غطفان 579
غزوہ سویق 538
غزوہ سویق دوہیں 540
غزوۂ عشیرۃ 299
غزوہ نجران 584
غزوۂ ودّان / غزوۂ ابواء 298

فرشتے

جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول 351، 352،55
متقی کی فرشتے مدد کرتے ہیں 448
حضرت حمزہ کو فرشتوں نے غسل دیا، آنحضرت ﷺ کا خواب 637
فرشتوں کا میت کے پاس حاضر ہونا 57
درود پڑھنے والوں کے لئے فرشتوں کا سلامتی کا دعا کرنا 106
جو ایک بار درود بھیجے گا فرشتے دس بار بھیجیں گے 641

قبر

آنحضرت ﷺ کا ایک خاتون کی قبر پر جا کر دعا کرنا 315
نبی ﷺ کا حضرت سعدؓ کی والدہ کی قبر پر دعا کرنا 315
نبی ﷺ کا اپنی بیٹی کی قبر میں خود اترنا 538
قبرستان جنت البقیع کا قیام 578
مشرکین کا نبی ﷺ کی والدہ کی قبر اکھاڑنے کا مشورہ 627

قبلہ

تحویل قبلہ کی تفصیل 59

قتل

آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی ایک ناکام سازش 499
کعب بن اشرف یہودی سوار کا قتل اور اس کے اسباب 594
ابو عفک یہودی کے قتل کا فرضی واقعہ 513
امیہ بن خلف کو قتل کرنے کی دھمکی اور اس کی تفصیل 309

قرآن کریم

قرآن پر عمل کرنے کے عہد سے جنت نظیر معاشرہ اور گھریلو برکات کا باعث 187
قرآن شریف اور قانون قدرت کی ہم آہنگی 71
قرآن شریف کی امتیازی خصوصیات 83
قرآن شریف کے انوار و برکات 64
قرآن کا پہلی کتابوں اور انبیاء پر احسان 152
قرآن کریم اقوام دنیا کو متحد کرنے آیا ہے 152
قرآن کریم ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ کوئی نہیں جو اس کے مقابل آسکے 191
قرآن کریم حدیث پر قاضی ہے 133
قرآن کریم کا مقام و مرتبہ اور محاسن 131، 145
قرآن کریم کا مقام و مرتبہ 185تا199
قرآن کریم کی انجیل اور دوسری مذہبی کتب پر برتری 72
قرآن کریم کی اہمیت اور مقام حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں 119
قرآن کریم کی چار اعجازی خوبیاں 122
قرآن کریم کی چار وجوہات۔ علل اربعہ 128
قرآن کریم کی عظمت و اہمیت اور مقام و مرتبہ ارشادات حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی روشنی میں 65
قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت 136
قرآن کریم کے فضائل اور اہمیت 77
قرآن کے اثر سے صحابہؓ آسمان کے ستارے بن گئے 121
قرآن کی پیروی سے انسان خدا کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے 121
قرآن کی ضرورت 74
قرآن میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت 78
اگر قرآن پر عمل نہیں تو مسلمانوں کی تباہی ہے 446

آج جماعت احمدیہ ہی ہے جو قرآن کے مقام کو بلند کرنے میں کوشاں ہے 409
تعلق باللہ کا اصل ذریعہ قرآن کریم ہے 82
جماعت کے تراجم قرآن کی مقبولیت و پسندیدگی 407، 408
حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا ایک مقصد قرآن کریم کی اشاعت اور حفاظت 64
خدا کے کلام کی شرط یہ ہے کہ وہ شرک سے پاک اور اس پر عمل کرنے سے خدا کا چہرہ نظر آئے 120
دل کی سختی کو نرم کرنے کا طریق، قرآن بار بار پڑھے 146
رمضان اور قرآن کریم کی تلاوت اور درس و تدریس کا اہتمام 172، 173
علوم طبعی کی ترقی سے قرآن کی عظمت دنیا میں قائم ہوگی 155
ہدایت کا اوّل ذریعہ قرآن کریم ہے پھر سنت اور حدیث 66، 67
پاکستان میں احمدیت کی مخالفت اور مساجد اور قرآن پر پابندی __ اس کے مقابل اللہ تعالیٰ کا ہم سے سلوک 407
جماعت احمدیہ پر توہین قرآن کا ناجائز الزام 193، 196
پاکستان میں سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ پر ظلم اور تحریف و توہین قرآن کے لئے مقدمے بنانا 64

قربانی

تحریک جدید کے حوالہ سے مالی قربانیوں کے ایمان افروز واقعات کا ذکر، چندہ دینے کی برکات 563 تا 572
کرپٹو (Crypto)
بٹ کوائن (Bitcoin) اور کرپٹو (Crypto) یہ ایک قسم کا جوا ہے 4
کفار کے تجارتی قافلہ کو روکنے پر اعتراض اور جواب 302
کلمہ لا الہ الّا اللہ کہنے سے گناہ دور ہونے پر اعتراض اور جواب 203
کلمہ لا الہ الّا اللہ __ کی بصیرت افروز تفسیر 200 تا 212
کووڈ دوبارہ پھیل رہا ہے احتیاط کی ضرورت ہے 414
کووڈ کی بیماری اور جلسہ سالانہ 393
لیلۃ القدر ملنے کی حقیقت 211

مال غنیمت

پہلا مال غنیمت جو مسلمانوں نے حاصل کیا 17
مالی قربانی: دیکھیے زیر لفظ چندہ

محاسبہ نفس

صبح سے شام تک کیا کیا اس کا ہمیں حساب کرنا چاہیئے 206

مخالفین

جتنا چاہے زور لگالیں ناکامی اور نامرادی مخالفین کا مقدر ہے 571
جماعت احمدیہ کے ساتھ الٰہی تائید و نصرت اور ترقیات کے واقعات اور مخالفین کو انتباہ 261 تا 270

مردم شماری

مدینہ میں مردم شماری کا اعلان 627

مسجد / مساجد

پاکستان میں احمدیہ مساجد کے منارے گرانے اور اس کے بالمقابل دنیا میں کثرت سے جماعت کو مساجد ملنا 264
مساجد میں درس کا اہتمام 173
حضور کا مساجد کا افتتاح اور غیروں کے مثبت تاثرات 472
اب دنیا کے 220 ممالک میں مساجد کی کُل تعداد نو ہزار تین سو سے اوپر ہے 574

مسلمان

مسلمان اگر ایک ہو جائیں تو مشکلات سے نکل سکتے 356، 357
مسلمان حکومتوں کو امام وقت کی رہنمائی اور نصیحت و دعا 533
مسلمان ممالک کو دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے 547
مسلمانوں پر جنگوں میں مال لوٹنے کے الزام کا جواب 301
مسلمانوں کی برتری کے حصول کا واحد طریق، مسیح موعودؑ پر ایمان 170
آنحضرت ﷺ پر مکہ میں مظالم اور ظالم مشرکوں کا عبرتناک انجام 358

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مسیح موعودؑ کا زمانہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق تا قیامت رہنے والا زمانہ ہے 214
مسیح موعودؑ کی بعثت ضرورت کے عین مطابق تھی 605
مسیح موعودؑ کی صداقت اور دعویٰ کی سچائی کے دلائل 606
مسیح موعودؑ کی کتب پڑھنے کی ضرورت و اہمیت 451
بیعت کرنے والوں کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کا دیا ہوا لائحہ عمل 444

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقصد صداقتِ قرآن کو ثابت کرنا 146
یوم مسیح موعودؑ حضرت مسیح موعودؑ کی بابت پیشگوئیاں اور نشانات کسوف و خسوف وغیرہ 159 تا 170

مشاورت

آنحضرت ﷺ کا مشورہ لینے میں تین طرح کی سنت 253
آنحضرت ﷺ کا مشورہ لینے میں حکمت 252
شوریٰ کا نظام خدا تعالیٰ کا ایک احسان اور اس کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے 252
مجلس شوریٰ کی اہمیت اور نمائندگان کی ذمہ داریاں 251 تا 260
مشورہ کی اہمیت اور حکمت 252
نظام خلافت اور نظام جماعت کا مددگار ادارہ 254
نمائندہ شوریٰ صرف تین دن کے لئے نہیں بلکہ سارا سال 256
وفا اور اطاعت کا عہد__ عہدیداران اور ممبران شوریٰ کو سب سے اعلیٰ نمونہ دکھانا چاہیئے 254

حضرت مصلح موعودؓ

پیشگوئی مصلح موعودؓ 88
حضرت مصلح موعودؓ کا دیا ہوا لٹریچر ایک جماعتی خزانہ ہے انہیں ہمیں پڑھنا چاہیئے..... 102
حضرت مصلح موعودؓ کی بعض تقاریر کا بیان 96 تا 102
حضرت مصلح موعودؓ کے ترجمہ و تفسیر کے کوائف اور غیروں کے اس بارے میں آراء اور تبصرے 90 تا 96
یوم مصلح موعودؓ کی نسبت سے حضرت مصلح موعودؓ کے علمی اور متفرق کارناموں کا ذکر 89 تا 102

معجزہ

خدائی حفاظت کا معجزہ__ طوفان میں ایک نومبائع کا گھر محفوظ رہنا 414
قرآن ایک معجزہ 73
معجزہ کی اصل حقیقت 79
چاند دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ 85
جنگ بدر میں معجزات 361

منافق

نماز پڑھنے والے کو منافق کہنے پر آنحضرت ﷺ کا ناراضگی کا اظہار..... آج کل کے مسلمانوں کے لئے سبق 25
منافقین کا جنگ احد سے واپس چلے جانا 638
مدینہ کے منافقین__ 503

مہدی

آنیوالے مہدی کی ایک نشانی کہ اس کے پاس ایک کتاب ہو گی جس میں اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق اصحاب کے نام ہوں گے 376

موت

کسی کی موت پر رونا پیٹنا نہیں ہونا چاہیئے 57

نجات

نجات کا ذریعہ بننے والی نیکی کیا ہے؟ 1

نکاح

اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے کفر کی وجہ سے علیحدہ ہوتی ہے تو پھر خاوند کے ایمان لانے پر دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں 537

نماز

نماز کی حسن ادائیگی 58
نماز اور صدق و صفا میں ترقی کرو 248
نماز اور قرآن کی ضرورت..... اہمیت 448
نماز کی برکات اور اہمیت 220
نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے 235
نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ اور اس کا علاج 449
سواری پر نماز ادا کی جاسکتی ہے آنحضرت ﷺ نے بھی سواری پر نماز ادا فرمائی 23
سفر میں جدھر بھی سواری کا منہ ہو اسی طرف نماز پڑھنا جائز ہے..... 105

سنت نبویؐ

صدی کا ٹارگٹ__ یہ جائزہ لیں کہ کیا ہمارا خدا سے پختہ تعلق ہو گیا، نمازوں کے اعلیٰ معیار، 455، 456
پس ہر احمدی کو یہ جائزہ لینا چاہیے کہ اس کی نماز کی کیا حالت ہے 448
عالمی تباہی کے پیش نظر کم از کم ہر نماز میں ایک سجدہ یا کم از کم کسی ایک نماز میں ایک سجدہ تو ضرور اس کے لیے ادا کرنا چاہیے۔ اس میں دعا کرنی چاہیے 560
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آج کل کے مسلمانوں کے لیے بھی سبق 25

نماز تہجد

آنحضرت ﷺ کا اپنی بیٹی اور داماد کو نماز تہجد کی طرف توجہ دلانا 548،549

مربیان، واقفین زندگی اور عہدیداران کو نماز تہجد کی بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے 551

نمونہ

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے لئے وہ نمونہ دکھایا جس کی مثال اور کسی نبی میں نہیں ملتی 337

کھانا اور حضرت مسیح موعودؑ کا نمونہ (جلسہ میں شامل ہونے والے مہمانوں کے لئے اسوہ) 385

وصیت

نظام وصیت کی اہمیت، نظام خلافت کے ساتھ اس کا گہرا تعلق 574

وقف جدید

وقف جدید کے 65ویں سال کا ایک جائزہ 13

وقف جدید کی تحریک کا پس منظر اور مصارف 3

وقف جدید میں مالی قربانی کرنے والوں کے ایمان افروز واقعات 4

وہابی 248

ہتھیار

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار، استغفار، توبہ 235

ہمدردی خلق

اللہ تعالیٰ کی سچی محبت حاصل کرنے کے لئے مخلوق سے ہمدردی 242

یہود

یہود کی معاہدہ کی خلاف ورزی 552

ابو عنک یہودی کے قتل کا فرضی واقعہ 513

کعب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب 594

اسماء

آ۔ا

آباکاجی(Abagagi)صاحب کی مالی قربانی 06
حضرت آدمؑ 606
آرزو کریم صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تاثرات 465
آسیہ اہلیہ فرعون 528
آگ علی مگوئیل صاحب کی شہادت کا واقعہ 45
آگ عمر آگ عبدالرحمٰن،نائب امام مسجد مہدی آباد 35،37
آگ عمر آگ عبدالرحمٰن صاحب کی شہادت کا واقعہ 45
حضرت آصفہ بیگم صاحبہ 293
حضرت آمنہ 672
آنسہ بیگم صاحبہ کی وفات کا ذکر 439
ابراہیم 280
حضرت ابراہیمؑ 542،574
ابراہیم بھامبڑی صاحب 680
ڈاکٹر ابراہیم منیب 475،482
ابن ابی مُلیکہ 49
ابنِ اسحاق 28،55،486،555،559،620،630
ابنِ اسحاق کی بدر کے دن معجزات کی بابت روایت 361
ابن اسحاق کی ابوالعاص کی رہائی کی بابت روایت 529
ابن دُحشن 24
ابن حبّان 28
علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ 50،58،602
ابن سعد 298،511،514،516،517،519،
،555،559،630،640،678،
حضرت ابن عباسؓ 22،23،24،339،338،112،353 ،
354،371،372،583،602،603،623،624،625،626،
حضرت ابن عباسؓ کی بدر کے قیدیوں کی بابت روایت 364
علامہ ابنِ عبدالبر 49،517،623
ابن عتبہ 630،656
ابن عقبہ 514،517
ابن ہشام 514،559،620،666
ابواسامہ 664
حضرت ابواُسید الساعدیؓ 56
حضرت ابواُسید مالک بن ربیعہ 55
ابواُسید مالک بن ربیعہ کی بدر کے دن فرشتوں کے نزول کی بابت روایت 353
ابوالحسن صاحب 618
ابوالبختری 338،339،360،362
ابوالبختری عاص بن ہشام کا بدر کے دن قتل ہونا 356
ابوالرَّبیع 517
حضرت ابوالضیّاح بن ثابت بن نعمانؓ 50
ابوالعاص 529،530،537،538
ابوالعاص بن قیس کا بدر کے دن قتل ہونا 356
ابوالعاص بن ربیع کا اسلام قبول کرنا 489،536
ابوالعاص بن ربیع کا قید ہونا 529
ابوالعاص کی حضرت ابوبکرؓ کے دور میں وفات 538
ابوالکلام آزاد 628
چودھری ابوالہاشم خان صاحب 91
حضرت ابوالھیثم بن التیّھانؓ 112
ابوامامہؓ 104
ابوامامہ بن ثعلبہ 314
ابوبختری 52
ابوبراءعامری 108،109،110
حضرت ابوبُردہؓ 635
حضرت ابوبکرؓ 287،322،323،324،328،329،339،
340، 341، 350، 489، 490، 493، 494، 495، 525،
526،527،593،601،602،633،634،638،657،665،

حضرت ابو بکرؓ کے دور حضرت عکاشہؓ کی شہادت 26
حضرت ابو بکرؓ کا عکرمہ بن ابو جہل کو حضرت زیاد بن لبیدؓ کی مدد کیلئے بھیجنا 28
حضرت ابو بکرؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
آپؓ کا بدر کے موقع پر رسول اللہؐ کے ساتھ سائبان میں رات گزارنا 328،339،340
حضرت ابو بکرؓ سے آپؐ کا بدر کے قیدیوں کی بابت پوچھنا 364،365
آپؓ کا عکرمہ کو حضرت مہاجر بن امیہ کی مدد کیلئے بھیجنا 28
آپؓ کے دور میں ابو العاص کی وفات 538
آپؓ کا رسول اللہؐ سے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیلئے درخواست کرنا 542،544
ابو بکر جابر الجزائری 326،327
ابو بکر ساباقی صاحب 266
ابو بکر صدیق، بنگلہ دیشی 139
ابو بکر کمارا صاحب کی مالی قربانی 04
ابو جہل، مکہ کا رئیسِ اعظم 51،297،305،306،307،308،309،311، 327،342،343،344،345،349،350،352،361، 362،363،364،372،373،378،490،495
ابو جہل کی بدر کے موقع پر ایک دعا 346
ابو جہل کے قتل کی بابت روایت 348
ابو جہل اس امت کا فرعون از رسول اللہؐ 349
ابو جہل کا بدر کے دن قتل ہونا 356
ابو جہل بن ہشام کی قتل گاہ کی بابت روایت 359
ابو حَتْمَہ 640
ابو حذیفہ بن عتبہؓ 338،343
ابو حذیفہؓ کا اپنے والد کے متعلق تأثرات 359
ابو خالد 117
حضرت ابو خَیْثَمَہؓ 640
حضرت ابو دجانہؓ 652،655،656،657،658،
حضرت ابو دجانہؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
ابو داؤد مازنی کی بدر کے دن فرشتوں کے نزول کی بابت روایت 353
ابو رافع 516،596
اَبُوزَمْعَہ 586
ابو زید بن عمرو 654
ابو سعید خُدری 636،637،654
ابو سعید بن ابو طلحہ 653
ابو سفیان 203، 297، 302، 303، 304، 311، 312، 316، 372، 530، 538، 539، 541، 585، 587، 594، 620، 621، 622، 624، 625، 626، 627، 628،632،641،650،658،665،667
ابو سفیان کا بدر کے بعد انتقام لینے کی قسم کھانا 540
ابو سلمہ بن عبد الاسد 56،57
ابو سلمہ جُشمی 57
ابو سنابل بن بعکک 111
حضرت ابو سِنانؓ 22
ابو صالح 24
حضرت ابو طالب 312،346
ابو طلحہ 677
حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کی مقتولینِ قریش کو ایک گڑھے میں پھینکنے کی بابت روایت 359،360
ابو عامر 650،651،654
ابو عُبید بن مسعود ثقفیؓ 52
حضرت ابو عبیدہؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
ابو عزیز بن عمیر، بدر کا قیدی 371
ابو عزیز کا اسلام قبول کرنا 489
ابو عُزّہ جُمَحِی 622
ابو عَفَک 511،513،514،515،516،517،519
ابو عمر 581
ابو غادیہ مُزنی 31
ابو قِلابہ 57
حضرت ابو لبابہ بن عبد المُنذرؓ 49،315،316،539،554
ابو لہب 308،309،310
ابو مرثد بن کنّاز بن الحصین الغنوی 50،51،297

ابو محصن 26
ابو موسیٰؓ کو آپؐ کا یمن کا والی مقرر فرمانا 427
ابو نائلہ 595،598
ابو نعیم 21
ابو نَمِر کنانی 678
ابو وائل 32
ابو یُسر مالک بن دُخشم عَوفی 24
ابو یسر 52
حضرت ابوہُریرہؓ 58،253،376،545،582
ابی بن خلف 309
حضرت ابی بن کعبؓ 289،585،623،624
حضرت میر احمد صاحب، صحابی حضرت مسیح موعودؑ 533
احمد بٹاٹو صاحب 281
احمد جمال صاحب کی وفات کا ذکر 485
خواجہ احمد دین 319
شیخ احمد حسین ابو سردانہ صاحب کی وفات کا ذکر 669
مولانا احمد خان صاحب نسیم 520
دوست احمد طورے صاحب کی قبولیتِ احمدیت 410
اختر اورینوی 92
اخنس بن شَریق 312
ارشاد احمد امینی 142
آزطَاۃ بن شرحبیل 654
حضرت اسامہ بن زیدؓ
22،23،29،315،362،363،636،637،
حضرت اسامہ بن زیدؓ کی بدر کی خوشخبری ملنے کی بابت روایت 360
حضرت اسعد بن زُرارہؓ 51
حضرت اسماعیلؑ 542
اسماعیل بن محمد بن سعد 111
اسود بن مُطّلِب 586، 620،664
حضرت اُسَیدؓ 552
حضرت اُسید بن الحُضیر 59، 112، 315، 628، 633،
635،636

حضرت اُسید بن حضیرؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
اشرف 596
اشفاق صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 565
حضرت اکوعؓ 60
الحسن آگ مالی آئل صاحب کی شہادت کا واقعہ 43
اقبال احمد منیر 183
الحاج ابراہیم بدیگا، امام مسجد مہدی آباد
35،36،38،43،44،319،413،
الفاصاحب 282
میاں اللہ دتہ صاحب 616
رانا اللہ دین صاحب 321
الیاس اولیویرا 320
حضرت چودہری امام دین صاحب 270
ام الفتیٰ اہلیہ مطعم بن عدی 526
حضرت امّ ایمنؓ 22،543،582
حضرت امّ ایمنؓ کا حضرت زینبؓ کو غسل دینا 537
ام حکیم بنت حارث بن ہشام 625
اُمِ رافع بنت عثمان بن خَلدہ 58
ام رومانؓ 525،526
ام سلمہ 56،58، 59، 304
حضرت امّ سلمہؓ کا حضرت زینبؓ کو غسل دینا 537
آپؐ کا حضرت فاطمہؓ کو رخصتی کیلئے تیار کرنا 543
ام سُلیم 106
امّ عبد اللہ لیلیٰ بنت ابو خیثمہ 103
حضرت امّ عطیہؓ کا حضرت زینبؓ کو غسل دینا 537
ام کلثومؓ 582،583
اُمِ مالک بنتِ اُبی بن مالک 58
حضرت ام طاہرؓ 294،320
حضرت امّ ناصر 293
ام ورقہ بنت نوفل 313
امامہ بنت زینبؓ 538
مکرمہ امانی بسّام مجلاوی صاحبہ 116

امیر خان صاحب بھٹی 521، 522
امینہ صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 463
امیّہ بن خلف
298، 307، 308، 309، 310، 311، 327، 359، 361، 362، 373، 489
امیہ بن خلف کا بدر کے دن قتل ہونا 356
امیہ بن خلف کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
امیہ بن خلف کی قتل گاہ کی بابت روایت 359
امۃ الباری بیگم صاحبہ 588
امۃ الباری ناصر اہلیہ ناصر احمد قریشی مرحوم 441، 442
سیدہ امۃ الباسط صاحبہ 294، 295
امۃ البصیر صاحبہ اہلیہ محمد ارشد احمدی صاحب 484
امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ 589
حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ 588
امۃ الرشید صاحبہ، مدیر رسالہ مصباح 47
امۃ الرؤوف صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر ابراہیم منیب 475، 478
امۃ العلیم صاحبہ، صدر لجنہ پاکستان 475، 477
امۃ القدوس صاحبہ کی وفات کا ذکر 474
امۃ الکبیر طلعت 415
امۃ الکریم صاحبہ اہلیہ کیپٹن ماجد خان صاحب 475
امۃ اللطیف صاحبہ 367
امۃ اللطیف زیروی صاحبہ اہلیہ کریم اللہ زیروی صاحب 47
امۃ المجید صاحبہ بنت مولوی محمد احمد صاحب جلیل 520
امۃ النصیر صاحبہ کا پیر معین الدین صاحب سے نکاح 475
امۃ الودود کا اپنے والد کے متعلق ذکر 521
امۃ الوراع صاحبہ 618
امۃ الہادی اہلیہ پیر ضیاء الدین کی وفات کا ذکر 414
اندرا حیدر (Indira Haidar) 462
اُنڈرسکا (Ondriska) 460
حضرت انسؓ 106، 107، 347، 427، 583، 656
حضرت انسؓ کی حضرت فاطمہؓ کے نکاح کی بابت روایت 542
انس 50
انس بن فَضَالَہ 627
انس بن مالک 108، 603
انس بن نضرؓ 652
حضرت انسہؓ 50
انعام غوری صاحب ناظر اعلیٰ 479
حضرت اُنیس بن قتادہؓ 49
اُنیس بن ابی مرثد الغنوی 50، 51
اَوبار 27
اُورش (Uros) صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 471
اَوس بن ثابت 636
حضرت اوس بن خولی انصاریؓ 23
اَوس بن قَیْظِی 552
اَوْنی جشاری (Avni Jashari) 464
ایاس 28
اِیَاس بن اَوْس بن عَتِیکؓ 630، 631،
ایبریما جی سنکارے (Ebrima G. Sankarreh) 398
ایڈورڈ گبن (Gibbon) 492، 493
ایرمیرا (Ermira) 461
ایس آئی جامے صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 397
ایس وائی ڈی جوس کاسٹن (S.Y.D.Jose Castan) 100
ایلکس ٹامو (Alex tamu) صاحب کی مالی قربانی 10
ایلوئے پیریز (Eloy Perez) 400
ایمن 50
ڈاکٹر ایمن عودہ صاحب 497
اے جے آربری (A.J.Arberry)، ایک مشہور سکالر 94

ب

بائیگا میتوفسصاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 567
بابائیو اسلام بیک (Boboev Islombek) 607
بابر شہزاد صاحب مربی سلسلہ 440
حضرت بابو محمد افضل اوجلوی صاحب صحابی حضرت مسیح موعودؑ 441
باسم منیر صاحب کا قبول اسلام 613

بانتی دووا راس (Banti Dowaras Bogagohaian) 409
بدر ادریمی (Badr Aderemi) 413
علامہ بدر الدین عینیؒ 490
حضرت چودھری مولا بخش صاحب 415
حضرت براء بن عازب 312، 315، 603، 636
بَرَّہ بنت مسعود 625
چودھری برکت علی صاحب 591
سید برکات احمد 555
راجہ برہان 182
ڈاکٹر بریٹ شارفس (Brett Scharffs) 395
علامہ بلاذریؒ 23
علامہ بغویؒ 23، 114
چوہدری بشارت احمد صاحب 115
بشریٰ اکرم صاحبہ کی وفات کا ذکر 440
بشریٰ کریم اہلیہ عبد الکریم قدسی 616
بشریٰ مبارکہ کا امۃ القدوس صاحبہ کی وفات پر اظہارِ خیال 483
سید بشیر احمد 295
جسٹس شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم 535
ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب کی وفات کا ذکر 533
ڈاکٹر بشیر احمد ناصر 483
مولانا بشیر الدین عبید اللہ صاحب مرحوم 669
سید بشیر شاہ صاحب 320
بُکیر بن عبدِ یالیل 28
حضرت بِلالؓ 59، 580، 636، 640
حضرت بلال بن حارث مُزنیؓ 62
بلال 282
بلال صاحب، مبلغ سلسلہ مالی 408
ڈاکٹر بلال طاہر صاحب 497
بلال قودن صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تاثرات 403
حضرت بوزینب بیگم صاحبہ 588
امام بیہقی 530
بھکرا (Bhakra) صاحب 568

حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ

18، 29، 61، 88، 112، 285، 288، 289، 290، 299،
302، 304، 310، 324، 327، 328، 335، 336، 339،
340، 341، 343، 344، 347، 351، 360، 364، 371،
372، 374، 494، 502، 503، 504، 505، 506، 507،
508، 519، 529، 530، 536، 538، 540، 541، 542،
559، 560، 579، 593، 594، 599، 600، 620، 624،
627، 628، 629، 631، 635، 636، 637، 639، 645،
647، 650، 654، 656، 657، 665، 673، 674، 682
آپؓ کا وقف جدید کے چندے کا اجراء کرنا 03
آپؓ کا حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کے متعلق ذکر 17
آپؓ کا حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ہونے والی شورش کا ذکر 29
آپؓ کا تفسیر صغیر کے متعلق ذکر 90-91
آپؓ کا مولوی شیر علی صاحب کی خدمات کا اعتراف کرنا 91
آپؓ کا صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کا تذکرہ کرنا 107-108
آپؓ کا بدر کے موقع پر نبی کریمؐ کی دعا کی متعلق ذکر 351
آپؓ کا بدر کے دن فرشتوں کے نزول کے متعلق ذکر 354
آپؓ کا بدر کے قیدیوں کی متعلق ذکر 367
آپؓ کا بدر کے نتائج کے متعلق ذکر 373، 503
آپؓ کا بدر کے دن قتل ہونے والوں کے متعلق ذکر 488
آپؓ کا عصماء اور ابو عفک کے قتل کا ذکر کرنا 515
آپؓ کا حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے متعلق ذکر 527
آپؓ کا حضرت فاطمہؓ کے خادم مانگنے کی بابت ذکر 546
آپؓ کا ام کلثوم کی شادی کی بابت ذکر 583
آپؓ کا غزوہ بحران کی بابت ذکر 584
آپؓ کا حفصہؓ کی شادی کے وقت عمر کی بابت ذکر 602
آپؓ کا حضرت حسنؓ کی ولادت کی بابت ذکر 603
آپؓ کا غزوہ احد کی تیاری کی بابت ذکر 634
آپؓ کا حضرت حمزہؓ کی شہادت کی بابت ذکر 665

پ، ت، ٹ، ث

پروین اختر صاحبہ 270،116
پول ہرمن (Paul Herman) 402
پیئر عمانوایل (Pierre Emmanuel) 403
مرزا تقی الدین 590
امام تمّانے کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 406
تمیم ابودقہ صاحب 497
سید تنویر شاہ صاحب 320
حضرت تُویلہؓ 59
ثابت بن وقش 664
ثاقب کامران صاحب کی وفات کا ذکر 415
ثُبیتہ 52
ثمر احمد کا اپنے والد کے متعلق ذکر 522

ج، چ، ح، خ

حضرت جابرؓ 649،638،541،114،61
جابر بن عبد اللہ 636
حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی کعب کے قتل کی بابت روایت 594
جابر صاحب 610
جالا صاحب 283
جالو (Jallow) صاحب 566،182،11
جالیموس (Jalimaus) 408
جان مرت (Jan Mert) صاحب 471
چوہدری جان محمد صاحب 117
جاوید احمد بسمل صاحب 143
جبار بن سلمٰی 110
جبار بن صخرؓ 580،552،114،113
حضرت جبرئیلؑ
490،375،354،353،351،341،66،53،21
جبریل صاحب 262،06
جبیر بن مطعم 665،626،620
جرونی ماس (Jeronimas) 468
امام جعفرؑ 147
جعفر کوچی (Xhaferr Kuci) 462
جُلاس 653،625،
مولوی جمونی 169
جمیلہ بنت ابی بن سلول 24
جمیلہ رحمانی صاحبہ 318
حاجی جنود اللہ 320
جُودر مارٹن (Judr Martin) 461
پروفیسر جیالوژاں (Djilalo Jean) 394
جُھیم بن صلت 311
ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن (Charles .S.Braden) 95
حضرت میاں چراغ دین صاحب، صحابی حضرت مسیح موعودؑ 272
پروفیسر حارث صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 462
حارث بن ابی ہالہ کا آپؐ کے سامنے قتل ہونا 488
حضرت حارث بن اوسؓ 596،595
حارث بن حضرمی کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حضرت حارث بن سُوید بن صامتؓ 53
حضرت حارث بن صمہؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حارث بن طلحہ 654،653
حارث بن عامر کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حارث بن ہشام 625،620
حضرت حارثہ بن سراقہ کا بدر کے موقع پر شہید ہونا 347
حارثہ بن سراقہ کا بدر کے دن شہید ہونا 356
حَارِثہ بن نُعمان انصاریؓ 545
سید حاشر کا امۃ القدوس صاحبہ کے متعلق تأثرات 482
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ 376،375،63،62،61،60
حامد امبئ 180
حباب بن مُنذر 636،635،629،628،327،316
حبیب الرحمٰن، صدر جماعت رجائنا 320
ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب 522

حبیب بن یَساف 316
حجاج کا بدر کے دن مارا جانا 362
حضرت حذیفہؓ 664،673
حضرت حرام بن مِلحانؓ 106،107،108،109
حرب بن علیؒ 602
حرب بن امیہ 17
ابن حزم 620
حسّان بن بلال 32
حسان زمولی صاحب 142
حضرت امام حسنؓ 602،603،604
حافظہ حسن آرا 368
حاجی حسن خان 615
حُسیل بن جابر 664
حضرت امام حسینؓ 604
حسین آگ مالی آئل صاحب کی شہادت کا واقعہ 43-44
حسین صاحب کی قبولِ احمدیت 607
ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب 475
حُصین بن یربوع 50
حُضَیْر بن سِمَاكْ اَشْهَلِی، اوس کا سردار 552
حضرت حفصہؓ کی بدر میں شامل ہونے والوں کی بابت روایت 376
حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ 601،602
حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ کی دوسری شادی 600
حَکَم بن کیسان کا بئرِ معونہ میں شہید ہونا 21
حکیم بن حزام 307،327،329،342،343،344
حکیم سیف الدین صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تاثرات 397
حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ 272
حضرت حمزہؓ 51،113،297،345،554،626،630،652،653،654،655،664،665،666،667،668،
حضرت حمزہؓ کو آنحضور ﷺ کا سب سے پہلا لواء باندھنا 51
حضرت حمزہؓ کی بدر کے موقع پر جوانمردی 347
حضرت حمزہؓ کا شراب کے نشے میں حضرت علیؓ کے دو اونٹ مارنا 560
حضرت حمزہؓ کو فرشتوں کو غسل دینا 637
حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ 664
حمزہ اِندُووِیمَانَا، معلم سلسلہ 407
حمید الرحمٰن خان صاحب 588
چودھری حمید اللہ صاحب 383
حمید و آگ مالی آئل صاحب کی شہادت کا واقعہ 44
حمیر اصاحبہ 618
حضرت حنظلہؓ 651،654
حنظلہ بن ابوسفیان کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حنظلیّہ، ابوجہل کی والدہ 342
حوَیّ السّکْسَکِیّ 31
حُوَیْطِبْ بن عَبْدُالْعُزّٰی 587، 620
حنیفہ شاہ صاحبہ 294
حیسمان بن ایاس بن عبد اللہ 361
حُیَیّ بِن اخطب 539،540
حضرت خارجہ بن زیدؓ 25،27
خالد 28
خالد الہ دین 484
حافظ خالد افتخار 369
خالد رحمانی 318
حضرت خالد بن بکیرؓ 28، 29
حضرت خالد بن ولیدؓ 51،624،629،649،
650،663،673،674،675،676،677،
خالد بن ہشام 335
خالد بن ہشام کا اسلام قبول کرنا 489
خالد محمود 271
خالد محمود صاحب مربی سلسلہ 41
خاویئر فگروا (Javier Figueroa) 399
حضرت خباب بن منذرؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حضرت میاں خدا بخش صاحب 617
صوفی خدا بخش زیروی صاحب 47،332
حضرت خدیجہؓ 525،529،536،544،
خدیجہ صاحبہ کی مالی قربانی 08

خرموف تُرغُن صاحب کی قبولِ احمدیت 411
خسرو، ایران کا تاجدار 491،490
حضرت خلّاد بن رافع الزرقیؓ 58،57
خُنَاس بنت مالک 625
حضرت خنساء بنت خِدام 49
خُنَیس بن حُذَافَہ سَہمیؓ 602،600
حضرت خوّات بن جُبیرؓ کا جنگِ بدر کے موقع پر زخمی ہونا 316
خورشید احمد انور 184
خولہ بن حکیم 526،525
خُولید 56
ابن خیّاط 620
حضرت میاں خیر الدین سیکھوانی صاحبؓ 291

د، ڈ، ذ، ر، ز

داؤد احمد صاحب 474
خواجہ داؤد احمد کا ذکرِ خیر 319
میر داؤد احمد صاحب، جامعہ پرنسپل 332
داؤد حنیف صاحب، پرنسپل کینیڈا 181،180
دبیر احمد 414
دُخشم بن مَرضَخہ 24
ابن دُرَید 516،511
دریتے شکرتی (Drite Shkurti) 461
دُعثُور بن حارث 581،580
دوست محمد شاہد مرحوم، مؤرخ احمدیت 184
دیار بیگ سنت کا قبول اسلام 609
مسٹر ڈاہن (Dahn) 407
ڈاکٹر ڈوئی 168
پروفیسر ڈینیئل صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تاثرات 467
رئیس محمد مقیم خان ڈاہری صاحب مرحوم 522
ذکر اللہ داؤد صاحب مرحوم 417،416
ذکوان بن عبد قیسؓ 637
ذُوالکلاع 31
رابعہ 590
امام رازی 366،351،112
حافظ راشد جاوید صاحب ناظم دارالقضاء ربوہ 441
راشد زبیر کا اپنے والد کے متعلق ذکر 524
رافع احمد صاحب 115
رافع بن خدیج 636
رافع بن مالک 54
رافع بن معلّی کا بدر کے دن شہید ہونا 356
رافع بن خدیج 637،636،315
مسٹر راجپال مچندہ 99
ربیع 530
رُبیّع بنتِ نضر 347
ربیعہ بن کعب بن مالک 103
پروفیسر ڈاکٹر رجیپ شکورتی (Rexhep Shkurti) 461
رحمان صاحب کی مالی قربانی 07
شیخ رحمت اللہ 317
رحمت اللہ بندیشہ مربی سلسلہ 296،295
رسلان کِکِینیُو صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 565
رشید احمد 271
چودھری رشید احمد صاحب کی وفات کا ذکر 591
سید رضا شاہ، مربی سلسلہ 320
حضرت رِفاعہ بن رافع 55،54،53
رِفَاعَہ بن رافع کا عمیر بن وھب کو گرفتار کرنا 499
رفاعہ بن عبد المنذر 28
میاں رفیق احمد گوندل صاحب کی وفات کا ذکر 617
رفیق طاہر صاحب 591
رقیب داؤدا ابن ڈاکٹر محمد اسحاق داؤدا 418
حضرت رقیّہ بنتِ رسول اللہؐ 583،582،362،312
رمضان صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 571
رمضان صاحب کی مالی قربانی 608
روحان احمد مربی سلسلہ 416
روحی شاہ صاحبہ 591

روزوویلنشیا(Rozo Valencia) 399
مولانا روشن دین صاحب 670
روگن فائی، صدر جماعت فائک 182
رومیسہ کاشفہ 416،415
ریحانہ داؤد اصاحبہ اہلیہ ڈاکٹر محمد اسحاق داؤد 417
رَیْطَہ بنت مُنَبِّہ 625
زاہد حسن صاحب 139
زبیدہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب 534
حضرت زبیرؓ 62،63،253،313،326،375،
651،653،656،658،666،667،
حضرت زبیر بن عوامؓ 648
حضرت زبیر بن عوامؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حضرت زبیر بن عوامؓ کو آپؐ کا بدر کے موقع پر میمنہ پر مقرر کرنا 342
حضرت زبیرؓ کی بدر کے موقع پر جوانمردی 347
زُرَارہ بن عمیر عبدری کا اسلام قبول کرنا 489
حضرت زُغیبہ بنتِ زُرارہؓ 51
زکیہ 535
زمعہ بن اسود 307،362
حضرت زیاد بن لبیدؓ 27،28
زید بن ارقم 315،636
زید بن ثابت 315
زید بن جَارِیہ 636
حضرت زید بن حارثہؓ 299،360،363،372،
529،530،536،582،585،587،593،622،
حضرت زید بن حارثہؓ کو آپؐ کا بدر کی خوشخبری دینے کیلئے نشیبی مدینہ کی طرف بھیجنا 362،486
حضرت زیدؓ کا آپؐ کی اونٹنی پر مکہ میں داخل ہونا 360
زینب الحصنی 334
حضرت زینب بنت جحشؓ
21،22،529،530،531،536،537،538
حضرت زینبؓ کا مکہ سے مدینہ آنا 529
حضرت زینب بنت خزیمہؓ 22
امام زُہریؒ 50

س

حضرت سائب بن ابو لُبابہ 49
سائب بن ابو حُبیش کا اسلام قبول کرنا 489
سائب بن عبید کا اسلام قبول کرنا 489
سائب بن عمیر القاری 111
سائمن گیڈن کی قبولِ احمدیت 411
ساجد اقبال صاحب 07
ساجدہ تنویر صاحبہ اہلیہ خالد الہ دین صاحب 484
حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ 441
سالم بن عبد اللہ بن ثابت انصاری 514،517
حضرت سالم بن عمر 514
سالم بن عمرو 517
حضرت سالم بن عمیرؓ 513،514،517
سالم عفیف صاحب 670
سَامَسَہ عمر(Samasa Omer) 611
حضرت سباع بن عُرفُطہ غفاری کو آپؐ کا مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمانا 504
ستانیس لاؤ(Stanislav) 469
ستنام سنگھ باجوہ 481
حضرت سُخیلہ بنت صِمَّہؓ 52
سراجی 277
سراقہ بن مالک بن جعشم 310،343
سراقہ بن مالک کا انعام کے لالچ میں آپؐ کے تعاقب کرنا 288
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ 17،18،19،110،
111،297،298،300،301،316،326،376،648،
649،653،654،
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حضرت سعدؓ کا کفار کے خلاف شدید جذبہ 352
سعد بن بَحِیز 636
حضرت سعد بن خولہؓ 110،111

حضرت سعد بن خیثمہؓ 56،50
سعد بن خیثمہؓ کا بدر کے دن شہید ہونا 356
سعد بن ربیع 652،623
حضرت سعد بن عبادہؓ 298،315،324،628،
630،634،635،636،
سعد بن عُقَیب 636
حضرت سعد بن معاذؓ 24، 27، 59، 298، 308، 309،
310، 316، 323، 324، 328، 598، 628، 633، 635،
636،638،
حضرت سعد بن معاذؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
آپؓ کا بدر کے موقع پر آپؐ کے سائبان کے ارد گرد پہرہ دینا
328،339،340
سعدیہ کا اپنے والد کے متعلق ذکر 521
سعید بن جَبَیرَہ 636
حضرت سعید بن زیدؓ 303
سعید بن عبد الرحمٰن 32
سعید بن مُسَیّب 61
سعیدوبا (Saeedouba) صاحب کی مالی قربانی 05
سعید وجیکا صاحب کی قبولِ احمدیت 413
سعیدی صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 570
حضرت منشی سلطان عالم صاحبؓ 115
سُلَافَہ بنت سعد 625،653
سَلَّام بن مِشْکَم 539، 540
سلطان عطا خانوو 280
ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب 294
سلمان رشدی 484
سلمان سلمی 183
سلمہ، خُولید کا بیٹا 56
حضرت سلمہ بن اسلم 59
حضرت سلمہ بن اکوعؓ 26،60
حضرت سلیط بن قیس بن عمروؓ 51،52
سَلِیط بن نُعمان بن اسلم 587
سلیمان صاحب 279
سلیمہ خورشید صاحبہ 273
حضرت سماک بن خرشہ 656
سَمُرَہ بن جُنْدُب 636،637
سنت سلطانووچ صاحب کا قبول اسلام 609
حضرت سواد بن غزیہؓ 330،335
حضرت سواد بن عمرو 335
سوامی شوگن چندر 166
حضرت سودہ بنت زمعہؓ 525،528
حضرت سودہ بنت زمعہؓ کا اسلام قبول کرنا 489
حضرت سودہؓ کا حضرت زینبؓ کو غسل دینا 537
سُوید بن صامت 52
سیر انداؤ صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 399
سِیرِیل صاحب کا قبول اسلام 611
حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب 47
سینادر اسیموو (Senad Rasimov) 460
سہل بن حُنیفؓ 104،112،113
حضرت سہل بن حُنیفؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
سہیل بن عمرو 24،59،364
سہیل بن عمرو کی بدر کے دن فرشتوں کے نزول کی بابت روایت 353
علامہ سُہَیلی 510،516
سہیل بن عمرو عامری کا اسلام قبول کرنا 489

ش

شازیہ سہیل صاحبہ 273
شَاسْ بن قَیس 551
امام شافعیؒ 28،61،636
سید شاہد احمد 295
شاہد محمود کاہلوں صاحب 116
پروفیسر شبانہ یاسمین صاحبہ 409
مس شبریز صاحبہ کی مالی قربانی 08
علامہ شبلی نعمانی 366،494،539،

علامہ شبلی نعمانی کی زبانی بدر کے نتائج 372
شبیر احمد، نائب امیر اسلام آباد 414
شرجیل صاحب، بلگ سلسلہ مائیکرونیشیا 411
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ 588، 589
شریف احمد، مربی سلسلہ 140
شریف احمد بندیشہ 295
شریف احمد صاحب بھٹی کی وفات کا ذکر 521
شریف عودہ صاحب 42
شریدہ (Sherida) 280
شریح بن قَارِظ 654
امام شعبیؒ 18، 21، 26
شفاء بنت عبداللہؓ 602
حافظ شفیق، انچارج حافظ کلاس 332
ڈاکٹر شفیق سہگل صاحب 534، 535
شمس الدین مالاباری مربی سلسلہ کبابیر 117
ڈاکٹر شمیم ملک صاحبہ 142
قاضی شوکت صاحب مرحوم 439
شیبہ بن ربیعہ
307، 311، 327، 345، 352، 361، 362، 373،
شیبہ بن ربیعہ کا بدر کے دن قتل ہونا 356
شیبہ بن ربیعہ کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
شیبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ کی بابت روایت 359
شیخو صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 567
مولوی شیر علی صاحب 91، 100

ص۔ض

صادق صاحب، مربی و صدر جماعت ترکی 116
صادقہ بیگم 415
صدیق جَرَیٰ صاحب کی قبولِ احمدیت 611
حضرت صالح شُقرانؓ 22، 23، 24
حضرت صالحہ بیگم صاحبہ بنت پیر منظور محمد صاحب 439
صفوان بن امیہ 361، 499، 500، 502، 503،
586، 587، 594، 620، 622، 625، 626، 629، 649، 678
صفوان بن بیضاء کا بدر کے دن شہید ہونا 356
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری 323، 327
حضرت صفیہؓ 666
حضرت خلیفہ صلاح الدین صاحب 484
صلاح عبد المعین قطیش 116
صُلِع (Souley) آگ ابراہیم کی شہادت کا واقعہ 44
صواب 655
ضحّاک بن نعمان 27
ضَمْضَم بن عَمرو غِفَاری 304، 306، 310
پیر ضیاء الدین 414

ط

طارق ابو دیّا صاحب 670
طارق بن عُبید انصاری 24
طالب 312
طالوت 312
طاہر آگ محمد 318، 319
طاہر احمد صاحب 143
طاہر احمد بھٹی 521، 522
طاہر احمد خان کا اپنے والد کے متعلق ذکر 521
طاہرہ فاروق صاحبہ 591
طبرانی 27
طُعَیْمَہ بن عدی 626، 665
طلحہ 654، 655
حضرت طلحہؓ 253، 653
طلحہ بن ابی طلحہ 625، 648، 650، 652، 653
طَلْحَہ بن بَرَاء 557
حضرت طلحہ بن عُبید اللہؓ 26، 303، 652، 653
حضرت طلحہ بن عُبید اللہؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
طُلیحہ بن خُویلد 56

حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ خلیفۃ المسیح الرابع

112، 332،
آپؒ کا وقف جدید کے چندے کا افریقہ کے ممالک پر خرچ کرنے کا ارشاد 03

ظ

ظفر اللہ صاحب 524
رانا ظفر اللہ صاحب 321
سر ظفر اللہ خاں صاحب 101
مولوی ظفر علی خاں 93
ظفر محمود 521
ظہور الاسلام 140

ع

عائذ المرزبان 56
عائشہ 318، 535
عائشہ ماریہ 278
حضرت عائشہؓ 33، 59، 289، 316، 525، 526،
528، 529، 530، 545، 546، 582، 602،
حضرت عائشہؓ کی مقتولینِ قریش کے دفن کئے جانے کی بابت روایت 359
حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر 527
آپؓ کا حضرت فاطمہؓ کو رخصتی کیلئے تیار کرنا 543
عابد خان کا امۃ القدوس صاحبہ کی وفات پر اظہارِ خیال 483
عاتکہ بنت اَوقص 672
عاتکہ بن عبد المطلب 304، 305، 306، 310، 312، 672،
عاتکہ بنت مُرَّۃ 672
عَاتِکَہ بنتِ بِلَال 672
عارف صاحب، ٹوگو کے مبلغ سلسلہ 06
عارف محمود صاحب، مبلغ سلسلہ بینن 270
عاص بن سعید بن عاص کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حضرت عاصم بن ثابتؓ 112، 653
حضرت عاصم بن ثابتؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
عاص بن سعید 114
عاص بن مُنبّہ 363
عاص بن ہشام 362
عاص بن ہشام کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حضرت عاصم بن عدیؓ 25، 316
حضرت عاصم بن ثابت انصاریؓ کا عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنا 487
عاقل 28
عاقل بن بُکیر کا بدر کے دن شہید ہونا 356
عالم بابایو صاحب 267
ڈاکٹر عامر احمد 273
ڈاکٹر عامر ملک 295
عامر 28
عامر حضرمی 344
عامر بن حضرمی کا بدر کے دن قتل ہونا 356
حضرت عامرؓ کو حضرت عثمانؓ کا مدینہ میں اپنا قائمقام بنانا 105
حضرت عامر بن ربیعہؓ 103، 104، 105، 106،
عامر بن سعد 110
عامر بن طُفیل 106، 109
عامر بن فُھیرہ، حضرت ابو بکرؓ کا آزاد کردہ غلام 107، 108، 110
حضرت عبّاد بن بِشرؓ 58، 59، 60
حضرت عبادہ بن صامتؓ 553، 555، 559
میاں عباس احمد خان صاحب 588
عباس بن عبد المطلب 304، 305، 306، 338، 339، 624
عباس بن عبد المطلب کا اسلام قبول کرنا 489
عبد الاول، نیشنل امیر بنگلہ دیش 139
عبد الجبار بن وَرد 49
سید عبد الرزاق شاہ صاحب 294
عبد الرحمٰن 183
عبد الرحمٰن اسماعیل کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تاثرات 466
عبد الرحمٰن بیلا 278

عبد الرحمٰن بن صالح شقران 23
عبد الرحمٰن بن عوف 60
حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حضرت عبد الرحمٰن کی ابو جہل کی بدر کے موقع پر قتل کی بابت روایت 348
عبد الرحمٰن بن شقران 23
عبد الرحمٰن جٹ صاحب 480
عبد الرحمٰن بن عوف 286
عبد الرحمٰن نیر 180
ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب مہر سنگھ 681
عبد الرحیم صاحب کی مالی قربانی 09
بھائی عبد الرحیم صاحب 479
حضرت قاضی عبد الرحیم صاحبؓ 380
حضرت میاں عبد الرشید صاحبؓ 272
ڈاکٹر عبد الرؤف خان 368
الحاج عبد الرؤف الحصنی 333، 334
عبد الحکیم صاحب 141
عبد الحکیم اکمل صاحب مرحوم مربی سلسلہ 643
رانا عبد الحمید خان کی وفات کا ذکر 367
عبد الحمید قادری صاحب 579
ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحب 294، 320
عبد السلام 412
چودھری عبد السلام خان 367
ماسٹر عبد السلام باری 180
عبد السلام عارف صاحب کی وفات کا ذکر 615
کیپٹن ریٹائرڈ عبد الشکور ملک صاحب 273
حضرت میاں عبد الصمد صاحبؓ 643
عبد العزیز گاکوریا 671
میاں عبد العظیم مرحوم 184
پروفیسر عبد القادر ڈاہری صاحب کی وفات کا ذکر 522
سید عبد القادر صاحب ایم اے 97، 100
شیخ عبد القادر جیلانیؒ 138
عبد الکبیر قمر صاحب مربی سلسلہ، استاد جامعہ 616
عبد الکریم قدسی صاحب کی وفات کا ذکر 616
میاں عبد الکریم 179
چودھری عبد الکریم صاحب 680
عبد الکریم ولد عبد الرحمٰن 167
چودھری عبد اللطیف خان 367
عبد المطلب 672
عبد اللہ 183، 276
عبد اللہ بن ابی بن سلول، رئیس المنافقین 24، 288، 372، 503، 554، 555، 559، 630، 635، 637، 638، 639، 641
عبد اللہ بن صفوان 625
عبد اللہ بن عثمانؓ 584
حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہؓ 106
حضرت عبد اللہؓ کا بدر کے دن قریش کے سرداروں کو میدان میں گرے دیکھنا 358
عبد اللہ بن ابو سائب کا اسلام قبول کرنا 489
عبدُاللہ بن ابی رَبِیعَہ 587، 620، 649، 650
عبد اللہ بن اُبَیّ بنِ خَلَف جُمَحِیّ کا اسلام قبول کرنا 489
عبد اللہ بن ابی یزید 49
عبد اللہ بن ابی کا عباس کو اپنی قمیص دینا 372
عبد اللہ بن ام مکتوم 315، 584، 635، 636
حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو غزوہ بنو سُلیم کے وقت آپؐ کا مدینہ کی نیابت سونپنا 504
عبد اللہ بن رواحہؓ 372
حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کو آپؐ کا بدر کی خوشخبری دینے کیلئے بالائی مدینہ کی طرف بھیجنا 362، 486
عبد اللہ بن زِبَعْرٰی 622
عبد اللہ بن زَمْعَہ کا اسلام قبول کرنا 489
حضرت عبد اللہ بن جحشؓ 17، 18، 19، 21، 22، 26، 104، 300، 306، 649،
عبد اللہ بن سبا 30

عبد اللہ بن جُبیرؓ 645، 647، 659، 661، 662، 663، 667، 668، 673، 674،
عبد اللہ بن جُدعان 349
عبد اللہ بن سلیط 52
عبد اللہ بن شِہاب زُہرِی 678
عبد اللہ بن عامر 103، 104
حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ 49، 339
حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ کی بدر کے دن فرشتوں کے نزول کی بابت روایت 353
حضرت عبد اللہ بن عبد الاسدؓ 56
عبد اللہ عزت عقیلی کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تاثرات 466
عبد اللہ بن عمرؓ 29، 636، 637
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حضرت حفصہؓ کی شادی کی بابت روایت 600
حضرت عبد اللہ بن عمروؓ 638، 649
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ 308، 309، 358
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بدر کے دن ابو جہل کو ڈھونڈنا 348، 349
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا ابو جہل کا سر کاٹنا 349، 350
عبدُاللّٰہ بن مُکَیفِ بِن حَارِثَہ انصاری 582
عبد اللہ خان صاحب 588، 589
عبد اللہ محمد موسیٰ کا قبول اسلام 613
عبد مناف 672
مولانا عبد الماجد دریا آبادی، ایڈیٹر اخبار صدق جدید 93
ماسٹر عبد المجید صاحب کی وفات کا ذکر 643
پروفیسر عبد المنان بیدل 92
حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیفؓ شہید 34
خواجہ عبد اللطیف 319
مولوی عبد الماجد صاحب 441
مولانا عبد المالک خان صاحب 333
چودھری عبد المنان خان 367
حافظ عبد المنعم، مربی سلسلہ 615
عبد النور باطن، مربی سلسلہ 320
عبد الوکیل صاحب 117، 184
حضرت مولانا عبید الرحمٰن 302
حضرت عبید بن عبید 112
عبید اللہ بن ابی رافعؓ 375، 578
حضرت عبیدہ بن حارثؓ 297، 345، 346
عبیدہ بن حارثؓ کا بدر کے دن شہید ہونا 356
عبیدہ بن سعید بن عاص کا بدر کے دن قتل ہونا 356
عبیرہ 117
عتبہ بن ربیعہ 301، 305، 307، 311، 327، 329، 342، 343، 344، 345، 352، 359، 361، 362، 372، 373،
عتبہ بن ربیعہ کا بدر کے دن قتل ہونا 356
عتبہ بن ربیعہ کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
عتبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ کی بابت روایت 359
عتبہ بن غزوان کا اونٹ کھونا 18، 300
حضرت عتیک بن التیّہانؓ 112
عثمان 654، 655
عثمان صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 566
عثمان آگ سُودے صاحب کی شہادت کا واقعہ 44
حضرت عثمانؓ 30، 312، 314، 362، 525، 582، 583، 584، 601، 653، 654،
حضرت عثمانؓ کا حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا جنازہ پڑھانا 60
حضرت عثمانؓ کا حج پر جانا 105
آپؓ کا حضرت علیؓ کے نکاح وقت ان کی زرہ کو خریدنا 542
عثمان احمد گاکوریا صاحب کی وفات کا ذکر 670
الحاج عثمان بن آدم صاحب کی وفات کا ذکر 684
عثمان بن اَرقم 56
عثمان بن عبید اللہ 55
حضرت عثمان بن مظعونؓ 578، 579، 580
عَرَابہ بن اوس 636
عروہ بن زبیرؒ 337، 528
ابی عزیز بن عُمیر 625

ڈاکٹر عزیز حفیظ صاحب 669
ابن عساکر 538
عَصْمَاء بنت مروان
508، 509، 510، 513، 514، 515، 516، 517، 518
عطاء الواحد صاحب، مبلغ سلسلہ رشیا 411
رانا عطاء اللہ خان صاحب 321
عطر دین صاحب 479
عظیم اوف صاحب 267
عفراء 348، 349
عقبہ بن ابو معیط 307، 308، 373، 488
عقبہ بن ابو معیط کا بدر کے دن قتل ہونا 356، 486، 487
عقبہ بن ابو معیط کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
عقیل 365
عقیل بن ابو طالب کا اسلام قبول کرنا 489
عقیلہ عفت صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد ناصر 483
حضرت عکاشہ بن محصنؓ 22، 26، 27، 300، 677
عکاشہ بن محصن کی تلوار کا بدر کے دن ٹوٹنا 361
عکرمہ بن ابو جہل 620، 625، 629، 649، 650، 663، 673
عکرمہ بن ابو جہل کا حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر حضرت زیاد بن لبیدؓ اور حضرت مہاجر بن امیہؓ کی مدد کیلئے جانا 28
عکرمہ کا حضرت معاذؓ پر وار کرنا 348
علی بن زینبؓ 538
حضرت علیؓ 23، 32، 112، 113، 114، 313، 314، 316، 326، 329، 340، 342، 345، 365، 375، 538، 543، 544، 545، 548، 549، 550، 559، 560، 599، 602، 603، 635، 636، 648، 650، 652، 653، 654، 655، 656، 667،
حضرت علیؓ کا غزوۂ احد میں آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا 112
حضرت علیؓ کی عتبہ اور ابو جہل کے درمیان جنگ کی بابت روایت 345
حضرت علیؓ کی بدر کے موقع پر جوانمردی 347
حضرت علیؓ کو آپؐ کا بدر کے موقع پر مٹھی بھر کنکریاں لانے کا حکم ارشاد فرمانا 351
حضرت علیؓ کی بدر کے دن فرشتوں کے نزول کی بابت روایت 354
حضرت علیؓ کا عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنا 486، 487
حضرت علیؓ کا غزوہ بنو سُلیم میں بطور علمبردار شرکت کرنا 504
حضرت علیؓ کا حضرت امامہؓ سے نکاح 538
آپؓ کا اپنے نکاح کے وقت زرہ کو بیچنا 542
علی بکر صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 471
علی بیگ صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 468
مولانا علی بن برہان الدین حلبی 309، 312، 314، 326، 327
شیخ علی حمزہ بن علی 377
حضرت عمرؓ 23، 32، 61، 103، 132، 253، 313، 322، 323، 338، 339، 347، 360، 500، 502، 509، 584، 600، 602، 633، 652، 656، 667،
حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت صالح شقرانؓ کی وفات 23
حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ جِسر کا واقعہ پیش آنا 52
حضرت عمرؓ کا خیبر کے علاقے سے یہود کو نکالنا 105
حضرت عمرؓ کی مقتولینِ قریش کے قتل گاہوں کی بابت روایت 358
حضرت عمرؓ سے آپؐ کا بدر کے قیدیوں کی بابت پوچھنا 364، 365
حضرت عمرؓ کی بدر کے قیدیوں کی بابت رائے 366، 367
حضرت عمرؓ کے زمانے میں بدر کے صحابہؓ کا وظیفہ مقرر ہونا 376
آپؓ کا حفصہؓ کا رشتہ لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس جانا 601
آپؓ کا حفصہؓ کا رشتہ لیکر حضرت ابو بکرؓ کے پاس جانا 601
آپؓ کا رسول اللہؐ سے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیلئے درخواست کرنا 542، 544
عمر ڈیکو (Dicko)، معلم سلسلہ ڈوری 413
عمر زبیر صاحب 282
ملک عمر علی صاحب کھوکھر 617
عمر معاذ صاحب 283
عمر منور صاحب، معلم سلسلہ 405
حضرت عمّار بن یاسرؓ 29، 30، 31، 32، 33
حضرت عمارؓ کی شہادت پر حضرت علیؓ کا اظہارِ خیال 32
عمار کا حمیری کو قتل کرنا 32
عمارہ بن ولید کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
عمران بن متّاح 50

عمران 528
عمرو بن ابو سلمہ 57
عمرو بن امیہ ضمری 110،109
عمرو بن اَوبار 27
عمرو بن ربیع 529
عمرو بن حضرمی 343،342،306،301،300،19
عمرو بن سالم 626
عمرو بن سراقہ 104
عمرو بن عدی 511
عمرو بن عاص، والیٔ مصر
677،676،649،625،622،60،30
عمرو بن عبدودّ 114
حضرت عمرو بن عَنَمہ انصاریؓ 364
عمرو بن غالب 33
عَمْرو بنِ نُعْمَان بَیَاضِی 552
عمرو بن ہشام، قریش کا سردار 346
عمرو بن ہشام کا بدر کے دن قتل ہونا 356
عمرو بن ہشام کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ 315،114
عمیر بن ابی وقاصؓ کا بدر کے دن شہید ہونا 356
عمیر بن اسحاق 664
عمیر بن عبد عمرو کا بدر کے دن شہید ہونا 356
حضرت عُمَیر بن عَدِی خِطْمِی ایک نابینا صحابی
516،515،510،509،508
عمیر بن حُمام 347
عمیر بن حُمام کا بدر کے دن شہید ہونا 356
عمیر بن سعید 113
عمیر بن وھب 503،502،500
عمیر بن وھب کا بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد دیکھنے آنا
343،342
عمیر بن وھب کا رسول اللہؐ سے بدلہ لینے کیلئے مکہ سے مدینہ آنا 499
عمیر بن وھب کا اسلام قبول کرنا 502
عمیرہ بنت سعد 24
عَمْرَہ بنت عَلْقَمَہ 625، 663، 673
عوف بن حارثؓ 348
عُویم بن ساعدہؓ 53
عیسیٰ صاحب 262،42
عیسیٰ داؤد مرحوم 416
عیسیٰ بن مریم 66
عُیینہ بن حصن 26، 60

غ

غالب کامران 415
غِشْمِیْر 516،511
غلام احمد صاحب 272،270
چودھری غلام حیدر 183
شیخ غلام جیلانی صاحب، صحابی حضرت مسیح موعودؑ 317
مولوی غلام دستگیر قصوری 169
شیخ غلام رحمانی صاحب کا ذکرِ خیر 318،317
ملک غلام فرید صاحب 91
غلام قادر صاحب مرحوم سیالکوٹ 270
خواجہ غلام محمد 319
غلام نبی شیخ صاحب 273
غورث 582

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

472،330،281
آپؑ کا مالی قربانی کرنے والوں کے متعلق ذکر 01، 12
آپؑ کا حضرت ابو بکرؓ کی مالی قربانی کے متعلق ذکر 02
آپؑ کا خلیفۃ المسیح الاولؓ کی مالی قربانی کے متعلق ذکر 02
آپؑ کا حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہیدؓ کی شہادت کا ذکر کرنا 37
آپؑ کا قرآن کریم کے فیوض بیان کرنا 64 تا 87
آپؑ کا پیشگوئی مصلح موعود کے متعلق ذکر 88 تا 102
آپؑ کا قرآنِ کریم کی معرفت کے متعلق ذکر 119 تا 130
آپؑ کا جنگِ بدر کے موقع پر آپؐ کی دعا کے متعلق ذکر 341

آپؐ کا فرعون (ابو جہل) کی بابت ذکر 350
آپؐ کا نبی کریم ﷺ کی مٹھی بھر کنکریاں پھینکنے کے متعلق ذکر 352
آپؐ کا بدر کے دن فرشتوں کے نزول کے متعلق ذکر 354

ف

رانا فاروق صاحب، مربی سلسلہ 319
فتح جنگ سنگھ کا امۃ القدوس صاحبہ کی وفات پر اظہارِ خیال 483
حضرت میاں فتح دین صاحبؓ 643
حضرت فاطمہؓ 538، 542، 543، 544، 545، 546، 548، 549، 559، 583، 602، 603،
حضرت فاطمہؓ کا نبی کریمؐ کے کندھوں سے بچہ دانی اٹھانا 358
حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح 542
حضرت فاطمہؓ کا خادم مانگنا 545
فاطمہ بنت ولید 625
فُرَات بن حَیَّان عِجْلِی 586، 587، 588، 594
فُرَات بن حَیَّان کا قبولِ اسلام 593
فراس علی عبد الواحد کی وفات کا ذکر 496
فرانسسکو خیسوس صاحب کی قبولِ احمدیت 411
فرخ ضانم 320
فرہاد احمد صاحب 142
فرید مبارک صاحب 118
اُمّ فضل 602
حضرت فضل بن عباسؓ 23
فَضَالَہ 627
پادی فنڈر 134
فواز الحصنی 334
خواجہ فہد احمد، مربی سلسلہ 319
فیروز ماجک کی قبولِ احمدیت 607
فیصل صاحب کی مالی قربانی 12

ق

قاسم صاحب کی مالی قربانی 10
سید قاسم محمود 507
قاسم بن محمد 61
حضرت قتادہ بن نعمانؓ 677
حضرت قتادہؓ کی اس امت کے فرعون کی بابت روایت 349
حضرت قتادہؓ کی بدر کے دن معجزات کی بابت روایت 361
قُتَیلہ بنت حارث 487
قُثَم 602
حضرت قثم بن عباسؓ 23
قُزْمَان 653، 654
قُصَیّ بن کلاب 650
حضرت قطبہؓ 114
مولانا قمر الدین 291، 292
قیس بن ابی صعصعہؓ کو آپؐ کا بدر کے موقع پر پیادہ فوج مقرر کرنا 342
قیس بن سائب کا اسلام قبول کرنا 489
قیصر 494، 495

ک

کاچیو (Kachiev) 468
کارلوس صاحب کی قبولِ احمدیت 412
کامران احمد، مربی سلسلہ 566
مسٹر کرائسٹ کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 402
کُرز بن جابر، مکہ کا رئیس 18، 299، 299
مولوی کرم الٰہی ظفر 100
ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب 47
مکرمہ کریمہ صاحبہ 141
کعب بن اشرف 372، 516، 594، 596، 597، 598، 599، 600
کعب بن زید 109، 110
کِلَاب 625، 653، 654
حضرت کلثوم بن ہِدمؓ 50
مرزا کلیم احمد ابن ڈاکٹر ابراہیم منیب 475
کمال بداح صاحب 141
کنّاز 50

کِنَانہ بن ابی حُقَیق 587
کِنَانہ بن ربیع 530،529
کیتھرین اوبرائن (Catherine O Brien) 294
کیون (Kevin) صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 470

گ

پروفیسر گنتارے سرے کائتے (Gintare Serekaite) 468
گونتا موا (Gunter Moar) 469

ل

سید لئیق احمد صاحب شہید 618
لئیق طاہر صاحب، مربی سلسلہ 318
لالہ بھیم سین 120
لطیف احمد صاحب 522
لورین (Loreen) صاحبہ کی مالی قربانی 07
لوئس کارلوس داسلوا (Luiz Carlos da Silva) 398
لیا صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 463
لیزا (Liza) 280
لیکھرام، ایک برہمن آریہ 522،120
لیوبِنکا آیتووسکا (Ljubinka Ajtovska) 460

م

کیپٹن ماجد خان صاحب 475
مادام وانی تیبو 282
مارٹینا صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 460
مارسیل کی قبولِ احمدیت 411
مارکو رسپنٹی (Marco Respinti) 398
ماریلہ (Mariela) صاحبہ کا قبول اسلام 608
ملک مجیب الرحمٰن صاحب 48
مجیب اللہ چودھری صاحب 524
مروان کولی بالی صاحب کی قبولِ احمدیت 412
ماغی (Marie) صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 471
مالاکا امۃ القدوس صاحبہ کی وفات پر اظہارِ خیال 483
حضرت مالک بن دخشمؓ 25،24
حضرت مالکؓ کا سہیل بن عمرو کے قید ہونے کے وقت اشعار کہنا 24
مالک بن دخیشن 24
مالک بن ربیعہ 56
مالک بن سنان خُدری 631
مالک بن عمرو نجاریؓ 634
مائیکل وِلسن کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 396
مائیگا تیجان صاحب، لوکل مبلغ مہدی آباد 41
راجہ مبارک 615
شیخ مبارک احمد صاحب ناظر دیوان پاکستان 682
حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ 292
صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب 294،293،292
مبشر احمد 370،369
حضرت مبشّر بن عبد المُنذر 649،56
مبشّر بن عبد المُنذر کا بدر کے دن شہید ہونا 356
مجدی بن عمرو الجُھنّی 51
حضرت مُجدَّر بن زِیادؓ 53،52
مُجمِّع بن جارِیہ 49
مجیدہ ملک 295
محصن بن حُرثان 26
محمد 670،112
محمد ابراہیم بھامبڑی صاحب کی وفات کا ذکر 680
محمد ابو حماد صاحب کی مالی قربانی 08
محمد احمد صاحب جلیل 520
محمد احمد باشمیل 664،647،646
محمد احمد خورشید 183
چودھری محمد اختر صاحب 441
محمد ارشد احمدی صاحب کے وفات کا ذکر 484

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ 439، 482، 618
ڈاکٹر محمد اسحاق داؤد اصاحب کی وفات کا ذکر 416
حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ 414، 474، 475، 480
محمد اظہر فرید 622، 647، 648
سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی 92
محمد انجائے صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 569
محمد ثانی صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 565
ڈاکٹر محمد جلال شمس کی وفات کا ذکر 679
محمد جیالو کا قبول اسلام 612
محمد حسین ہیکل 625
محمد خالد خان 616
محمد خان درویش 179
محمد رشید صاحب شہید 115
محمد رفعت حسین 139
محمد شمس الدین بھاگلپوری 441
محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ذکرِ خیر 321
محمد مبائع 183
محمد معاذ الحصنی 334
محمد بن مسلمہؓ 555، 595، 598، 636، 637
محمد بن مسلمہؓ کا کعب کو مارنے کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا 594
پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب 523، 524
قاری محمد عاشق صاحب کا ذکرِ خیر 330 تا 333
محمد شریف عودہ صاحب 669
محمد بن مسلمؒ 29
محمد بن عمارہ 56
محمد بن عمر 50
محمد بن عمر اسْلَمِی 640
محمد بن عمر واقدی 510
محمد بن عمرو 31
محمد عبدی 279
شخص محمد فونگونگا (Fungagunga) 607
محمد علی صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تاثرات 466
محمد مقصود احمد 331، 332، 333
حضرت قاضی محمد یوسفؓ صاحب 533
محمد قاسم خان صاحب کی وفات کا ذکر 616
قاضی محمد نذیر لائلپوری صاحب 616
محمد و تفسیر مارا 181
محمود صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 564
الحاج محمود ڈیکو صاحب معلم 42
سید محمود احمد اسلام آباد 294، 295
میر محمود احمد صاحب ناصر کا اپنی ہمشیرہ کی وفات پر اظہارِ خیال 439
محمودہ بیگم صاحبہ 292
محی الدین صاحب 535
مخرمہ بن نوفل 312
مَخْشِی بن عَمْرو ضَمْرِی 298
حضرت مرثد بن ابو مرثدؓ 29، 50، 51، 113، 314
مَرثَد بن زید بن حِصْن انصاریؓ 508
مُسَافِع بن عَبدِ مَنَاف 622، 625، 653، 654
مسرت جہاں صاحبہ کی وفات کا ذکر 441
مسروق بن وائل 27
مسٹر مارگولیس 19، 518، 519، 559، 560
محمد خواص خان صاحب 533
رفعت سلطانہ ڈاکٹر مشہود احمد 618
مریم صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 566
مریم بنت عمران 528
مزمل 282
حافظ مسرور احمد 331، 332، 333
مسرور داؤد ابن ڈاکٹر محمد اسحاق داؤد ا 418
مسلم 28
ڈاکٹر مُسَلَّم الدروبی صاحب 534
مسعودہ بیگم اکمل صاحبہ کی وفات کا ذکر 643
مُسْلِموْ منصور صاحب کا قبول اسلام 612
مسیلمہ کذّاب 665
حضرت شیخ مشتاق حسینؓ صاحب 535

ڈاکٹر مشہود احمد 618
مشہود احمد خان 524
مصعب بن عمیرؓ 23، 113، 316، 329، 486، 625، 636، 648، 650
مطعم بن عدی 526
مطلب بن حنطب ابووَدَاعَہ سَہْمِی کا اسلام قبول کرنا 489
مظہر مجید 644
مولوی مظہر علی صاحب، احراری لیڈر 93
حضرت معاذؓ 253
حضرت معاذؓ کی ابوالحکم کے قتل کی بابت روایت 348
حضرت معاذ بن جبلؓ 27، 253
معاذ بن جبلؓ کو آپؐ کا یمن کا والی مقرر فرمانا 427
مُعاذ بن رفاعہ 53
معاذ بن عفراءؓ 53، 54
معاذ کا ابوجہل کو قتل کرنا 348
معاویہ 30
حضرت معاویہؓ کے دور میں حضرت زیادؓ کا فوت ہونا 27
ابن مُعاویہ بَجَلِی 636
حضرت معبد بن عمروؓ 539
حضرت معد بن عدیؓ 25
معوذ کا ابوجہل کو قتل کرنا 348
پیر معین الدین صاحب کا امۃ النصیر صاحبہ سے نکاح 475
ابن معین 510
حضرت مِقداد بن اسودؓ 60، 113، 313، 314، 323، 375
حضرت مِقداد بن عمروؓ 322، 677
حضرت مِقداد بن عمروؓ کو آپؐ کا بدر کے موقع پر میمنہ پر مقرر کرنا 342
مقسطہ داؤدا بنت ڈاکٹر محمد اسحاق داؤدا 418
مقصود احمد ملک شہید لاہور 142
مقصود احمد منیب صاحب 117
مقوقس 60
ممتاز وسیم صاحبہ 272
مُنبّہ، حجاج کا بیٹا 362، 363
منذر بن عمر غنویؓ 648
مُنذِر بن عمرو انصاری 108
مُنذِر بن محمد 109
منصور احمد خان صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید 475
منصورہ باسمہ کی وفات کا ذکر 588
پیر منظور محمد صاحب 439
بریگیڈیئر منور احمد رانا صاحب 272
منور احمد خورشید صاحب مربی سلسلہ 179، 180، 181، 182
ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب 292، 293
منیر احمد 183، 184
ڈاکٹر منیر مبشر صاحب 294
منیر الدین الحصنی 333
خواجہ منیر الدین قمر صاحب 291، 292
موسیٰ آگ ادراہی صاحب کی شہادت کا واقعہ 45
موسیٰ بن عُقبہ 52
حضرت موسیٰ 322، 350، 378، 557
موسی صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 403
مونس بن فَضَالَہ 627
حضرت مہجعؓ کا بدر کے موقع پر شہید ہونا 347، 356
حضرت مہاجر بن امیہؓ 28
مسٹر مہمت کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 465
میا (Mia) صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 469

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

آپؐ کی حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو امیر مقرر کرتے وقت نصیحت 17
آپؐ کا حضرت ابوسِنانؓ کی بیعت لینا 22
آپؐ کا حضرت زینب بنت جحشؓ سے شادی کرنا 22
آپؐ کو صحابہ کرامؓ کا غسل دینا 23
آپؐ کا خیبر کے سفر میں اشارے سے نماز ادا کرنا 23
آپؐ کا صحابہ کرامؓ کو مسجدِ ضرار کو منہدم کرنے کیلئے بھیجنا 25

آپؐ کا حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو ایک مہم پر روانہ فرمانا 26
آپؐ کا غزوۂ احد کے موقع پر مسلسل تیر اندازی فرمانا 26
آپؐ کی اونٹنیوں پر عُیینہ بن حصن کا حملہ کرنا 26
آپؐ کا حضرت خنساءؓ کا نکاح فسخ کرنا 49
آپؐ کا سب سے پہلا لواء حضرت حمزہؓ کو باندھنا 51
آپؐ کا بارہ ربیع الاول کو مدینہ تشریف لانا 56
آپؐ کا صحابہ کرامؓ کے درمیان مؤاخات قائم فرمانا 56
آپؐ کا حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد کی عیادت کیلئے جانا 57
آپؐ کا سخت سردی میں خود خندق کی نگرانی فرمانا 58
آپؐ کا صحابہ کرامؓ کو جاسوسی کیلئے بھیجنا 104
آپؐ کا چند قبائل کے خلاف دعا کرنا 107
آپؐ کا بدر کے اختتام پر ابو جہل کے نہ ملنے پر دعا کرنا 348
آپؐ کا ابو جہل کی لاش تلاش کرنے کا حکم فرمانا 349
آپؐ کا ابو جہل کو عبد اللہ بن جُدعان کی دعوت کے موقع پر دھکا مار کر زخمی کرنا 349
آپؐ کا ابو جہل کی لاش پر کھڑے ہو کر دعا فرمانا 349
آپؐ کا ابو جہل کو اس امت کا فرعون قرار دینا 349
آپؐ کی طرف سے مشرکین پر پتھر پھینکے جانے کی بابت روایت 350
آپؐ کا بدر کے موقع پر حضرت علیؓ کو مٹھی بھر کنکریاں لانے کا حکم ارشاد فرمانا 351
آپؐ کے کندھوں پر کسی بدبخت کا جانور کی بچہ دانی رکھنا 358
آپؐ کا قریش کے سرداروں پر گرفت کے متعلق دعا فرمانا 358
آپؐ کا قریش کے سرداروں کی قتل ہونے کی جگہ کے متعلق قبل از وقت بتانا 358
آپؐ کا مقتولینِ قریش کو ایک گڑھے میں پھینکنے کی بابت حکم فرمانا 359
آپؐ کا ابو حذیفہؓ کو دعائے خیر دینا 359
آپؐ کے ہاتھ سے بدر کے دن معجزات کا رونما ہونا 360
آپؐ کا بدر کی خوشخبری دینے کیلئے صحابہؓ کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا 360
آپؐ کو بدر کے مالِ غنیمت سے ابو جہل کے اونٹ کا ملنا 364، 365
آپؐ کا بدر کے قیدیوں کی بابت صحابہؓ سے استفسار 364، 365
آپؐ کا بدر کے قیدیوں سے حسنِ سلوک 371
آپؐ کا ابو موسیٰؓ اور معاذ بن جبلؓ کا یمن کو والی مقرر فرمانا 427
آپؐ کا غزوہ بنو سُلیم کے وقت حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ کی نیابت سونپنا 504
آپؐ کا حضرت سباع بن عُرفُطہ غفاری کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمانا 504
آپؐ کا حضرت زینبؓ کو سپرد خاک کرنا 538
آپؐ کا اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علیؓ سے نکاح کرنا 542
آپؐ کا نکاح کے وقت حضرت علیؓ کو نصیحت کرنا 542
آپؐ کا حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے وقت دعا کرنا 544
آپؐ کا رخصتی کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر جانا 545
آپؐ کا بنو قینقاع کا محاصرہ کرنا 554
آپؐ کا حفصہؓ سے نکاح کیلئے پیغام بھجوانا 601
آپؐ کا احد کی بابت خواب دیکھنا 629

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

01، 17، 34، 49، 64، 77، 88، 103، 119، 131، 145، 159، 172، 185، 200، 213، 224، 236، 251، 261، 274، 285، 297، 308، 322، 335، 345، 358، 371، 383، 393، 405، 419، 429، 443، 457، 474، 486، 499، 513، 525، 536، 548، 562، 578، 593، 605، 619، 632، 645، 659، 672
حضور انور کا بٹ کوائن اور کرپٹو کرنسی میں پیسے انویسٹ کرنے کے متعلق وضاحت 03
حضور انور کا پاکستان اور برکینا فاسو کے احمدیوں کیلئے دعا کا کہنا 115، 152، 158، 171، 200، 250،
حضور انور کی بنگلہ دیش کے جلسہ سالانہ کیلئے دعا کی تحریک 130، 200
حضور انور کا رمضان کے متعلق ذکر 172 تا 179
حضور انور کا فلسطین کے متعلق ذکر 356-357
حضور انور کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 380

ن

نائلہ محمود 521
ناصر احمد قریشی صاحب کی وفات کا ذکر 441
پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد خان صاحب کی وفات کا ذکر 519

ناصر سدھو صاحب 40
حضرت میر ناصر نواب صاحب 439
نافع بن جُبیر 678
نُبیہ، حجاج کا بیٹا 362
نتالیہ صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 460
نذر احمد خان صاحب 616
نزہت صاحبہ 618
نسطاس کا اسلام قبول کرنا 489
ڈاکٹر نسیم رحمت اللہ 318
نسیمہ لئیق صاحبہ کی وفات کا ذکر 618
نصرت جہاں صاحبہ 183، 184
نصرت جہاں اہلیہ مبشر احمد 370
نصیر ناصر 272
نضر بن حارث 307، 373، 487
نضر بن حارث کا بدر کے دن قتل ہونا 356، 486، 488
نعمان بن مالکؓ 630
سید نعمت اللہ 321
نُعَیْم بن مسعود اَشْجَعِی 587
نعیمہ جمیل صاحبہ 535
ڈاکٹر نوری صاحب 294
نور الدین الحصنی کا ذکرِ خیر 333
نوفل بن حارث کا اسلام قبول کرنا 489
نوفل بن معاویہ دِیْلِی 625
علامہ نیاز فتح پوری صاحب، مدیر ماہنامہ نگار 91
ڈاکٹر نیستر سوتو (Nestor Soto) 400

و

واگن صاحب کی تحریک جدید میں مالی قربانی 569
حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی 300
واقدی 512، 514، 515، 517، 555، 559
وحشی 625، 626، 664، 665
سیدہ ام وسیم صاحبہ 535
چودہری وسیم احمد ناصر 272
صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم 474، 476، 477، 478، 480، 481
وسیمہ بیگم صاحبہ کی وفات کا ذکر 534
وقاص خورشید مربی سلسلہ 441
ولید بن عتبہ 305، 345
ولید بن عتبہ بن ربیعہ کا بدر کے دن قتل ہونا 356
ولید بن عتبہ کی گرفت کی بابت آپؐ کا دعا فرمانا 358
ولید بن ولید 51
سر ولیم میور 505، 585، 655، 656
سر ولیم میور کا بدر کے قیدیوں کے متعلق ذکر 372
سر ولیم میور کا بدری صحابیوں کے وظیفے کے متعلق ذکر 376
ڈاکٹر ویرونیکا ستوئی لووا (Veronika Stoilova) 459
مسٹر ویسل (Veisel) 464
وھب 672
وَھب بن عمیر جُمحِی کا اسلام قبول کرنا 489

ہ

حضرت ہاجرہؓ 542
ہارون الرشید 23
ہاشم بن عَبدِ مَنَاف 672
ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص 31
ہرقل، روم کا فرمانروا 490، 491، 492، 493، 494
ہَرْمَن لَاجَر (Hermon Lajar) 613
ہلال 583
ہند بنت عتبہ 529، 625، 627، 628، 651، 658، 665، 667، 668
ہند بنت مالک 112

ھ

ھَبَّار بن اَسْوَد فِھْرِی 530، 531

هُبَیْرَہ بن ابی وَهْب 622

ی

یاسمین صاحبہ کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 469
یحییٰ، حضرت خلادؓ کا بیٹا 58
یزید بن ابی عُبید 60
یزید بن زید 517
یزید بن حارث کا بدر کے دن شہید ہونا 356
یزید بن عبد اللہ بن قُسیط 28
یزن رَبابَعَہ صاحب 497
یسار 506،505
یُسیر بن عمرو 113
یعقوب بن عُتبہ 61
یمان 674،673،664
یوایل ٹیورین (Joel Turenne) کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 396
یوسف احمدی صاحب 484
یوسف جارے صاحب کی وفات کا ذکر 683
یولیان (Julian) صاحب کے جلسہ سالانہ جرمنی کے متعلق تأثرات 470
یونس صاحب کا جلسہ سالانہ یوکے کے متعلق تأثرات 403

A

Aly Bear 401

E

Egija Uzane 401

K

Kyle Seeback 401

مقامات

آ۔ا

آذربائیجان 491
آرمینیا 491
آٹوا ایسٹ (Ottawa East) 14، 576
آسٹریلیا 403، 441، 566
آسٹریلیا وقف جدید میں اس سال نمبر چھ پر 13
آسٹریلیا وقف جدید میں اس سال فی کس کی ادائیگی کے لحاظ سے نمبر چار پر 13
آسٹریلیا کی اس سال وقفِ جدید میں دس بڑی جماعتیں 15
آسٹریلیا چندہ تحریک جدید میں ساتویں نمبر پر 575
آسٹن جماعت امریکہ 15
آلٹن، ہمپشئر 383
آلڈرشاٹ ساؤتھ (Aldershot South) 13، 14، 576
آئرلینڈ، چندہ تحریک جدید 575
آئس لینڈ 402
آئیوری کوسٹ 39، 116، 263، 569، 575
اَبْواء 298، 626، 627
اَبْطَحْ 305
اَبُوقُبَیْس پہاڑ 305
اُپسالہ یونیورسٹی (Uppsala University) سویڈن 520
اردن 497، 534
اٹلی 398
اچینی پایان پشاور 321
احد 539، 602، 620، 621، 625، 626، 629، 632، 637، 639، 640، 641، 642، 645، 646، 647، 649، 655، 674، 677، 678
احمدیہ ہال کراچی 331
اڈیشہ 184، 576
ارجنٹائن 399، 608
اَرحَضِیّة 539
اڑیشہ اس سال وقفِ جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر چھ پر 15
ازبکستان 267، 268، 612
استنبول یونیورسٹی، ترکی 679
اسرائیل 531، 560، 599، 614
اسکندرون، ترکی 116
اسلام آباد (یوکے) 01، 17، 34، 45، 64، 77، 88، 103، 119، 131، 145، 159، 172، 200، 213، 224، 236، 251، 261، 274، 294، 297، 308، 319، 322، 335، 345، 358، 405، 419، 429، 484، 486، 499، 525، 536، 548، 562، 578، 593، 605، 619، 632، 645، 659، 672
اسلام آباد ریجن، برطانیہ 14، 576
اسلام آباد برطانیہ کی جماعتوں میں نمبر چار پر 13
اسلام آباد وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دو پر 14
اسلام آباد اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر ایک پر 15
اسلام آباد شہر اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر ایک پر 15
اسلام آباد وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر ایک پر 15
اسلام آباد (پاکستان) 533، 679
اسلامیہ ہائی سکول، بھیرہ 644
افریقہ 13، 292، 404، 441، 534، 567، 608
سینٹرل افریقہ 06، 268، 611
افغانستان 34، 126
جبل الاصفر 541
الاندلس لائبریری (قرطبہ) 398

البانیہ 461، 462
الجیریا 38
جبل الرُّماۃ 646، 647
السنخ 527
الیزان (Elez Han) 465
امرتسر 317
امریکہ 295، 370، 395، 441، 475، 523، 524، 547، 561، 591، 608، 613، 618، 642
امریکہ وقف جدید میں اس سال چوتھے نمبر پر 13
امریکہ وقف جدید میں فی کس کی ادائیگی کے لحاظ نمبر ایک پر 13
امریکہ چندہ تحریک جدید میں چوتھے نمبر پر 575
اناطولیہ 491
انڈونیشیا 09، 276، 277، 397
انڈونیشیا وقف جدید میں اس سال آٹھویں نمبر پر 13
انڈونیشیا چندہ تحریک جدید میں آٹھویں نمبر پر 575
اِنس فِل وقف جدید میں اس سال کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر آٹھ پر 14
اِنس فِل جماعت وقف جدید میں اس سال کینیڈا کے دفتر اطفال میں چار پر 14
انگلستان 476
اور لینڈو جماعت وقف جدید میں اس سال امریکہ کے دفتر اطفال میں نمبر پانچ پر 15
اوسن (Osun) سٹیٹ (نائیجیریا) 413
وسنابروک (Osnabrück) 575
اوش کوش (Oshkosh) 15، 576
اوکاڑہ وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر دس پر 15
اومے 264
ایبٹس فورڈ (Abbotsford) 14، 576
ایڈیلیڈ ساؤتھ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر آٹھ پر 15
ایڈیلیڈ ساؤتھ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر آٹھ پر 16
ایڈیلیڈ ساؤتھ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر سات پر 16
ایڈیلیڈ ویسٹ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر دس پر 15
ایڈیلیڈ ویسٹ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر نو پر 16
ایڈیلائڈ ویسٹ (Adelaide West) 577
ایران 376، 490
ایرڈری جماعت وقف جدید میں اس سال کینیڈا کے دفتر اطفال میں نمبر تین پر 14
ایش (Ash) 576
ایشیائے کوچک 491

ب

بارو (Barru) انڈونیشیا میں ایک جگہ 277
باسفورس 491
باندوندو (Bandundu) کانگو کنشاسا 284
بٹالہ 294
بُحران 18
بخارا، رشیا 608
بدر 311، 325، 327، 328، 329، 346، 353، 355، 372، 373، 376، 378، 379، 380، 486، 487، 489، 490، 496، 499، 502، 503، 506، 525، 536، 553، 582، 585، 596، 597، 600، 601، 619، 620، 621، 622، 625، 632، 641، 650، 655
بحران 584
بحیرۂ احمر 297، 586
برزبن لوگن ایسٹ (Brisbane Logan East) 577
برونڈی 407
برک الغماد 322
برکینا فاسو 34، 38، 40، 41، 42، 66، 115، 130، 152،

171، 318، 394، 413، 575
برکینا فاسو کے نو شہداء کا ذکر 33، 35
برکینا فاسو اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر چار پر 13
برطانیہ 13، 575، 679
بریڈ فورڈ برطانیہ کی جماعتوں میں نمبر آٹھ پر 14
بریڈ فورڈ ایسٹ (Bradford East) 14، 576
بریڈ فورڈ ٹارتھ 576
بریمٹن ویسٹ وقف جدید میں وصولی کے لحاظ سے کینیڈا کی امارتوں میں نمبر چھ پر 14
بریمپٹن ایسٹ امارت وقف جدید میں اس سال کینیڈا کے دفتر اطفال میں نمبر پانچ پر 14
بشیر آباد سندھ، چندہ تحریک جدید 576
بصرہ 23، 29، 497
بطن سَبَخَہ 626
بقیع الغرقد / بقیع الخبخبہ 578، 579
بُکَاوُو (Bukavu) کونگو کنشاسا کے بٹاٹو صاحب کا بیعت کا واقعہ 281، 282
بلغاریہ 459
بنگال، بھارت، چندہ تحریک جدید 576
بنگلور وقف جدید میں اس سال انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر چھ پر 15
بنگلور، انڈیا، چندہ تحریک جدید 577
بنگلہ دیش 139، 171، 414
بنگلہ دیش اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر سات پر 13
بواط 298
بورڈن وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر آٹھ پر 14
بوسٹن جماعت وقف جدید میں اس سال امریکہ کی وصولی کے لحاظ نمبر چھ پر 15
بوسنیا 462، 463
بھارت / انڈیا 7، 476، 477، 478
بھارت وقف جدید میں اس سال پانچویں نمبر پر 13
بھارت چندہ تحریک جدید میں چھٹے نمبر پر 575
بھاگل، پور ہندوستان 441، 618
بھامبڑی 681
بھڈال ضلع سیالکوٹ 440
بھیرہ، اسلامیہ ہائی سکول 644
بہاولپور، چندہ تحریک جدید 576
بیت الاحسان ریجن، برطانیہ 14، 576
مسجد بیت السبوح (فرینکفرٹ جرمنی) 457
مسجد بیت الفتوح 185، 285، 371، 393
بیت الفتوح ریجن، برطانیہ 14، 576
بیت الفتوح وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دس پر 14
بیت الفضل ریجن برطانیہ کی جماعتوں میں وقف جدید کی مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر تین پر 14
بیت الفضل فیصل آباد وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر پانچ پر 15
بیت الفضل فیصل آباد، چندہ تحریک جدید 576
بیت الرشید حلقہ وقف جدید میں وصولی کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر چار پر 14
بیلارے (Belare) 45
بیلجیم 81
بیلجیم کی جماعت وقف جدید میں اس سال دسویں نمبر پر 13
بیلجیئم میں مراکش کے ایک دوست کا بیعت کا واقعہ 283
بیلیز (Belize) 265، 394
بینن 42، 416، 417، 575
بینن اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر دس پر 13
بھاٹی (Bahati)، کینیا کا علاقہ 279

پ، ت، ٹ، ث

پاراکو یونیورسٹی (بینن) 417
پاکستان 115، 116، 117، 152، 171، 183، 200، 292، 295، 357، 367، 407، 413، 414، 475، 481،

679،524
پاکستان کی وقفِ جدید میں اس سال پوزیشنیں 15
پاکستان کے حالات تکلیف دہ 391
پاکستان، چندہ تحریک جدید 575
پاٹھا پریام وقف جدید میں اس سال انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر پانچ پر 15
پٹنی 292
پرتھ وقف جدید میں آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر سات پر 15
پرتھ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر سات پر 16
پرتھ وقف جدید میں آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر چار پر 16
پرتھ (Perth) 577
پشاور 321، 533
پشاور شہر وقف جدید میں غیر معمولی مساعی کے لحاظ سے نمبر آٹھ پر 15
پشاور چندہ تحریک جدید 576
پنجاب اس سال وقفِ جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر سات پر 15
پنجاب (انڈیا)، چندہ تحریک جدید 576
پنجاب یونیورسٹی 523، 682
پنڈی بھاگو 576
پنے برگ (Pinneberg) 575
پورٹ لینڈ وقف جدید میں اس سال امریکہ کے دفتر اطفال میں نمبر نو پر 15
پیٹروپولس برازیل 398
پیراگوئے قبول احمدیت کا واقعہ 280، 281
پیراماٹا (Parramatta) 577
پیس ولیج (Peace Village) 14، 576
پینرتھ وقف جدید میں آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر سات پر 15
پینرتھ وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر سات پر 16
پینرتھ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر تین پر 16
پین رتھ (Penrith) 577
تاجکستان 411، 465،
تاشقند 267
تامباکُنڈا (Tambacounda) سینیگال 9، 570، 612
تامل ناڈو اس سال وقفِ جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر دو پر 15
تاؤنسن ریجن وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر چار پر 14
ترکستان 320
ترکی 116، 401، 679
تعلیم الاسلام کالج (قادیان) 523
تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ 644، 682
تلنگانہ وقف جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ نمبر پانچ پر 15
تلنگانہ، بھارت، چندہ تحریک جدید 576
تلونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور 415
تنزانیہ 05، 09، 11، 266، 276،
282، 292، 408، 523، 565، 571، 575
تنزانیہ اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر پانچ پر 13
تیونس 39
تے باڑیہ، بنگلہ دیش کی جماعت 140
ٹاؤن شپ لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر تین پر 15
ٹاؤن شپ لاہور، چندہ تحریک جدید 576
ٹاکا (Taka) جماعت، برکینا فاسو 610
اویرا (Uvira) کونگو کنشاسا کی مادام وانی تیبو (Mwani Teebo) صاحبہ کا بیعت اکا واقعہ 282
اویرہ (Uvira) شہر 405
ٹرینی ڈاڈا 280
ٹلفورڈ (سرے) 01، 17، 34، 45، 64، 77، 88،
103، 119، 131، 145، 159، 172، 200، 213، 224،

236، 251، 261، 274، 297، 308، 322، 335، 345،
358، 405، 419، 429، 486، 499، 525، 536، 548،
562، 578، 593، 605، 619، 632، 645، 659، 672
ٹورانٹو (Toronto) 14، 576
ٹوکیو (جاپان) 520
ٹوگو 6
ٹیچیمان (Techiman) گھانا 533
غارِ ثور 288
ثنیّہ 53
ثنیۃ المرہ 297، 298
ثنیۃُ الوَداع 26

ج، چ، ح، خ

جابیہ 105
جارجیا 8، 463، 464، 575
جاپان 10، 520
جامعۃ الازھر 464، 669
جامعہ احمدیہ 330
جُحْفَہ 298، 311
جُرُف (احد کی پہاڑی) 626
جرمنی 142، 443، 455، 457، 471، 472، 476،
522، 568، 679
جرمنی وقف جدید میں اس سال دوسرے نمبر پر 13
جرمنی چندہ تحریک جدید میں اول پوزیشن 575
جمارا 266
جموں کشمیر وقف جدید میں اس سال انڈیا کے صوبہ جات کے
لحاظ نمبر چار پر 15
جموں اور کشمیر 576
جمیکا، چندہ تحریک جدید 575
جلنگھم (Gillingham)، برطانیہ 13، 576، 609
جنت البقیع 22، 578، 579
جورھاٹ 408
جہلم وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دس پر 15
جہلم، چندہ تحریک جدید 576
چاڈ 264، 613
چلی (Chile) 400
چنیوٹ 293
چونڈہ، چندہ تحریک جدید 576
چیک ریپبلک 409، 467، 468
چیم برطانیہ جماعتوں کی جماعتوں میں نمبر نو پر 13
چین 126، 560
حبشہ 50، 103، 286، 586
حجاز 298، 584، 593
حدیبیہ 376، 494،
حدیقہ احمد وقف جدید میں کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر دو پر 14
حدیقہ احمد جماعت وقف جدید میں اس سال کینیڈا کے دفتر
اطفال میں نمبر تین پر 14
حدیقۃ المہدی 383
حرم 620
حرّہ 62، 552
حَرَّۃُ الوَبْرَہ 552
حرہ بنو حارثہ 640
حطیم 361، 499، 501
حیات آباد، چندہ تحریک جدید 576
حیدرآباد وقف جدید میں انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر دو پر 15
حیدرآباد، انڈیا، چندہ تحریک جدید 576
حیدرآباد دکن 483
حیدرآباد کالج 522
حیدرآباد، پاکستان، چندہ تحریک جدید 576
خانہ کعبہ 287، 308، 585، 597
خَزّار وادی 298
خلافت لائبریری 521
خیرپور 576

د، ڈ، ذ، ر، ز

دارالذکر لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر چار پر 15
دارالذکر لاہور، چندہ تحریک جدید 576
دارالسلام تنزانیہ 408
دارالفضل کنزی 576
دارالندوہ 286
دارالنصر، ربوہ 682
دجلہ 491
دمشق 101
ذُنَابَةُ العِيْص 297
دوالا(Dovala) 467
ڈوتابالو (Dutabulu)، نارتھ بینک کی ایک جماعت 11
دہلی 484
دہلی وقف جدید میں اس سال انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ نمبر دس پر 15
دہلی (بھارت)، چندہ تحریک جدید 576
دھیماجی 409
ذُوالْقَصَّه 580
ذِی آمَر 580
ذِی طُوٰی 530
ذَفِران 317
ذُوالْحُلَيْفَه 27
ذی قَرد 60
ڈارمشٹڈ(Darmstadt) 575
ڈٹسن باخ(Dietzenbach) 575
ڈرہم ویسٹ 14
ڈنمارک 368
ڈنمارک میں قرآن کریم کی توہین 409
ڈوری، برکینافاسو کا شہر 35، 45، 318، 610
ڈوڈو(Dodo)، میامبا(Moyamba) ریجن کا ایک گاؤں 10
ڈھاکہ 140
ڈیرہ غازی خان اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر دس پر 15
ڈیٹرائٹ (Detroit) 15، 576
ڈیفنس لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر دو پر 15
ڈیلس(Dallas)، امریکہ 273، 576
رابغ 297، 298
راولپنڈی شہر اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر سات پر 15
راولپنڈی کینٹ وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر چار پر 15
رَبَذَه 580
ربوہ 93، 292، 293، 294، 332، 439، 441، 474، 479، 520، 521، 522، 617، 644، 682، 683
ربوہ اس سال وقفِ جدید میں عمومی وصولی کے لحاظ سے پاکستان میں نمبر دو پر 15
ربوہ پاکستان کے چندہ بالغان میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دو پر 15
ربوہ، چندہ تحریک جدید، پاکستان کی جماعتوں میں دوم 576
رتن باغ (لاہور) 479
رجائنا(Regina) 14، 320، 576
رچناٹاؤن ضلع لاہور 616
رزلزہائم(Russelheim) 575
روچسٹر اس سال وقفِ جدید میں امریکہ کی جماعتوں میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر نو پر 15
روس / رشیا 279، 411، 547، 560، 563، 608، 609
رَضْوٰی پہاڑ 298
رَوْدِیکا(Rodika) 607
روڈ گاؤ / روڈ گاؤ(Rodgau) 14، 575
روضہ خاخ 375

روم 489، 490، 492، 493، 494
روہیمپٹن ویل وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر پانچ پر 14
رویڈرمارک / روئڈرمارک (Rodermark) 14، 575
ریڈسٹڈ / ریڈشٹڈ (Riedstadt) 14، 575
زائن جماعت وقف جدید میں اس سال امریکہ کے دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دس پر 15
زیمبیا 272، 575

س

ساؤتومے، افریقہ کا علاقہ 266
ساؤتھ آل (Southall) 317، 318
ساؤتھ چیم (South Cheam)، برطانیہ 13، 14، 576
ساؤتھ ورجینیا (South Virginia) 15، 576
سَبَخَہ (احد میں ایک مقام) 649
سپین 183، 398، 412
سپن ویلی (Spen Valley) 14، 576
سراۃ 50
سربیا 469، 471
سرگودھا اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر چھ پر 15
سرگودھا وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر نو پر 15
سرگودھا وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر چار پر 15
سسکاٹون بیت الرحمت وقف جدید میں کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر پانچ پر 14
سعودی عرب 39، 333، 334، 413، 432، 600
سَفَوَان 299
سِکاسوریجن (مالی) 412
سلواکیہ 460، 461،
سمن آباد لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر نو پر 15
سندھ 523
سنگاپور، چندہ تحریک جدید 575
سوانزی (Swansea) 14، 576
سویڈن 77، 520
سویڈن میں قرآن کریم کی بے حرمتی 357، 409
سنباچائی (Simbachai)، شیانگاریجن کا ایک گاؤں 11
سوئٹزرلینڈ وقف جدید میں فی کس کی ادائیگی کے لحاظ نمبر دو پر 13
سیالکوٹ 247، 440،
سیالکوٹ اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر دو پر 15
سیالکوٹ وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دو پر 15
سیالکوٹ شہر وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر سات پر 15
سیریا 415، 466، 534،
سیلیکون ویلی (Silicon Valley) 15، 576
سیرالیون 09، 10، 184، 280، 522، 575
سیرالیون اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر نو پر 13
سیکھواں، قادیان 643
سیمیو، تنزانیہ ریجن 266
سینٹ کیتھرینز جماعت وقف جدید میں اس سال کینیڈا کے دفتر اطفال میں دو پر 14
سینیگال 09، 179، 180، 182، 399، 417، 569، 570
سیئٹل (Seattle) 15، 576

ش

شام 28، 29، 92، 126، 302، 308، 491، 494، 504، 559، 586، 587، 621، 622، 641
شکاگو (Chicago) 576
شاہ صاحب سندھ 295

شَنوظ (احد اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) 637
شیانگا، تنزانیہ کا ایک ریجن 11، 566، 571، 607
شیخین (مدینہ کے دو پہاڑ) 636، 637
شیفلیڈ (Sheffield) 497

ص

صدر کراچی وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر تین پر 15
صفراء 317، 486

ط

طائف 18، 61، 286، 300

ظ

ع

عراق 19، 326، 376، 491، 586، 587، 594، 622،
عرب 305، 311، 326، 344، 350، 366، 367، 374، 453، 492، 518، 551، 627
عُرَیض 539، 627، 629
عزیز آباد کراچی اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر آٹھ پر 15
عزیز آباد کراچی، چندہ تحریک جدید 576
عُشَیرہ 299، 302
وادیٔ عقیق 27، 627
علامہ اقبال ٹاؤن لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر چھ پر 15
علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، چندہ تحریک جدید 576
عمر کوٹ 143، 576
عمر کوٹ اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر سات پر 15
عمر کوٹ وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر پانچ پر 15
عیص 51، 297، 536
عینین (احد کی پہاڑی) 626، 646

غ

غزہ 533، 669

ف

فاٹک 182
فارس 126، 490
فارنہم (Farnham)، برطانیہ 13، 14، 576
فجی 565
دریائے فرات 52، 491
فرانس 357، 418، 466
فرینکفرٹ 13، 142، 457، 575
فینکس جماعت وقف جدید میں اس سال امریکہ کی وصولی کے لحاظ نمبر دس پر 15
مسجد حرام 530
مسجد فضل 292، 533، 576
مسجد نبویؐ 500، 507، 578
فضل عمر ہسپتال ربوہ 292، 414، 618
فلپائن 412
فلسطین 491، 532، 599
فلسطین کیلئے دعا کی تحریک 356
فلورس ہائم (Florsheim) 14، 575
فومبا (Fomba) 04، 05
فیصل آباد 520، 576
فیصل آباد اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر تین پر 15
فیصل آباد وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر تین پر 15
فیصل آباد زرعی یونیورسٹی 591
فریڈبرگ جماعت وقف جدید کی وصولی کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر نو پر 14

ق

قادیان 115، 166، 184، 270، 317، 377، 439، 442، 475، 476، 477، 478، 480، 482، 483، 484، 520، 522، 523، 574، 576، 617، 643، 681
قادیان وقف جدید میں انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر تین پر 15
قازقستان 567
قبا 56، 316، 624
قرغیزستان 280، 411، 468، 565، 575، 607
قَرقَرۃُ الکُدر 504، 506، 539
وادیٔ قریٰ 105
قزاخستان 468
قزاقستان 575
قسطنطنیہ 491، 492، 495
وادی قَنَاۃ 539، 625، 628، 637، 646، 647

ک

کاٹھ گڑھ کے عبد الحمید خان کا ذکر خیر 367
کارا، ٹوگو کاریجن 06
کاسل ہل وقف جدید میں آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر ایک پر 15
کاسل ہل وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر ایک پر 15
کاسل ہل وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر پانچ پر 16
کاسل ہل (Castle Hill) 577
کاشغر 411
کاشغر قِشلاق 607
کالمنتان، انڈونیشیا کا صوبہ 276
کالی کٹ وقف جدید میں انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر نو پر 15
کالی کٹ، انڈیا، چندہ تحریک جدید 576
کانگو 34، 607
کانگو برازاویل 402، 575، 611
کانگو برازاویل اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر چار پر 13
کانگو کنشاسا 262، 405، 575، 613
کانگو کنشاسا اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر چھ پر 13
کونگو کنشاسا کی جماعت بُکَاوُو (Bukavu) کے بٹاٹو صاحب کا بیعت کا واقعہ 281، 282
کبابیر 117
کُٹایا (Kotoya) 262
وادی کدر 505، 506
کدعہ 377
کراچی 306، 317، 331، 441، 442
کراچی اس سال وقفِ جدید میں عمومی وصولی کے لحاظ سے پاکستان میں نمبر تین پر 15
کرناٹک، بھارت، چندہ تحریک جدید 576
کرناٹکا اس سال وقفِ جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر تین پر 15
کراچی پاکستان کے چندہ بالغان میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر تین پر 15
کراچی، چندہ تحریک جدید، پاکستان کی جماعتوں میں سوئم 576
کریم نگر فیصل آباد وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر چھ پر 15
کرے زوکئے (Kre Zoukoue) 264
کشمیر 126
کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور 292
کلر کہار 90
کلکتہ وقف جدید میں اس سال انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر آٹھ پر 15
کلکتہ، انڈیا، چندہ تحریک جدید 577
کلیبا اندیزی (Kiliba Ondezi) 405
کماسی، گھانا 684
کوٹ شریف آباد، چندہ تحریک جدید 576
کوٹ مومن 617
کنعان 274

کوبلنز وقف جدید میں وصولی کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر دس پر 14
کوالڈاریجن (سینیگال) 399
کوالے (Kwale) پولی ٹیکنیک سکول 670
کوتونو (بینن) 416
کوٹلی آزاد کشمیر 576
کوسوو 464، 465
کوفہ 28، 29، 52، 376
کوئٹہ 117، 576
کوئٹہ وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر گیارہ پر 15
کولمبیا 399
کولون (Köln) 575
کومباٹور وقف جدید میں انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر ایک پر 15
کومبٹور (تامل ناڈو)، بھارت، چندہ تحریک جدید 576
کھاریاں، چندہ تحریک جدید 576
کھوکھر غربی، چندہ تحریک جدید 576
کیپ ورڈ آئی لینڈ 410
کیتھلی اس سال تحریک جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے برطانیہ کی چھوٹی جماعتوں میں نمبر دو پر 14
کیرالہ اس سال وقفِ جدید میں انڈیا میں صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر ایک پر 15
کیرالہ، چندہ تحریک جدید 576
کیرنگ وقف جدید میں اس سال انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر دس پر 15
کیرنگ، انڈیا، چندہ تحریک جدید 577
کیرولائی وقف جدید میں اس سال انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر چار پر 15
کیرولائی، انڈیا، چندہ تحریک جدید 577
کیل 575
کیلگری (Calgary) 14، 576
کیمرون 5، 278، 279، 467
کیمرون اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر تین پر 13
کیمرون کے شہر مَرُوَہ (Maroua) کے عمر زبیر صاحب کی بیعت کا واقعہ 282
کینیما (Kenema)، سیرالیون میں جماعت اور حضور کے خطبات کی پذیرائی کا واقعہ 283
کینیڈا 142، 143، 319، 401، 441، 482، 519، 616، 643
کینیڈا چندہ تحریک جدید میں سوم پوزیشن 575
کینیا 08، 117، 279، 575، 670، 671

گ

گانٹا (Ganta)، لائبیریا کی ایک جماعت 05
گجرات 115، 576
گجرات اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر چار پر 15
گروس گیراؤ (Gross-Gerau) 14، 575
گلسن جامی کراچی وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر دو پر 15
گنی بساؤ 406، 410، 564، 566
گنی بساؤ اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر دو پر 13
گنی کناکری 04، 05، 262، 567، 575
گوٹریالہ 115
گوجرانوالہ 576
گوجرانوالہ اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر پانچ پر 15
گوجرانوالہ شہر وقف جدید میں اس سال غیر معمولی مساعی کے لحاظ نمبر ایک پر 15
گورداسپور 415
گیانا 269
گیمبیا 11، 179، 180، 182، 263، 265، 266، 397، 398، 566، 567، 575
گیمبیا اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر سات پر 13

گھانا 39، 41، 181، 396، 683
گھانا کی جماعت اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ سے نمبر ایک پر 13
گھانا چندہ تحریک جدید میں دسویں نمبر پر 575
گیناگلے (Ganaglay) ٹاؤن 406

ل

لاس اینجلیس (Los Angeles) 15، 576
لالیاں 522
لاہور 93، 94، 97، 98، 99، 100، 142، 167، 228، 248، 272، 292، 331، 475، 479، 520، 535، 563، 616، 617، 618
لاہور اس سال وقفِ جدید میں عمومی وصولی کے لحاظ سے پاکستان میں نمبر ایک پر 15
لاہور پاکستان کے چندہ بالغان میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر ایک پر 15
لاہور، چندہ تحریک جدید میں پاکستان کی جماعتوں میں اول 576
لائبیریا 406، 575
لائبیریا اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر چھ پر 13
لائبیریا کے ایک خادم کی مالی قربانی 04
لائڈمنسٹر (Lloydminster) 576
لتھوینیا یونیورسٹی 468
لٹویا (Latvia) 402
لدھیانہ 88
لندن 285، 371، 393، 397، 476،
لِنڈن، گیانا کی جماعت 269
لودھراں، چندہ تحریک جدید 576
لوگن ایسٹ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر چار پر 15
لوگن ایسٹ وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر پانچ پر 16
لوگن ایسٹ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر دو پر 16
لیبیا 39
لیٹن امریکن (Latin American) 400

م

ماڈل ٹاؤن لاہور 618
ماڈل ٹاؤن لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر پانچ پر 15
مارسڈن پارک وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر تین پر 15
مارسڈن پارک وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر تین پر 16
مارسڈن پارک (Marsden Park) 577
مارشل آئی لینڈز، امریکہ 613، 614
ماریشس 8
ماریشس اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر دو پر 13
ماریشس، چندہ تحریک جدید 575
ماسکو 565
مالاپورم کیرالہ، انڈیا کی ایک جماعت 7
مالی 38، 39، 41، 277، 408، 410، 412
مالی کے جِنجنی ریجن کے جالا صاحب کی ٹانگیں حضور کی دعا سے ٹھیک ہونا 283، 284
مانگا 271
مائیکرونیشیا 411
مائن دونبے (Mai-Ndombe) کانگو کنشاسا 405
مائنز وقف جدید میں وصولی کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر تین پر 14
ماؤنٹ ڈروئٹ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال نمبر نو پر 16
مایوٹ آئی لینڈ 403
مانگوچی (Mangochi) ڈسٹرکٹ 565
مَجَنَّہ 541
مچم پارک وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر سات پر 14

مدرسۃ الحفظ 330
مدرسہ احمدیہ قادیان 681
مدینہ 18، 23، 51، 56، 60، 61، 105، 113، 288، 289، 290، 298، 299، 301، 303، 309، 312، 314، 315، 316، 324، 325، 328، 329، 341، 350، 362، 363، 373، 374، 499، 502، 503، 504، 506، 508، 512، 515، 527، 529، 531، 537، 538، 539، 540، 551، 552، 555، 556، 557، 559، 579، 580، 581، 585، 586، 594، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 620، 621، 622، 623، 624، 627، 629، 630، 631، 633، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 642، 651، 654،
مڈل ایسٹ، چندہ وقف جدید 13
مڈل ایسٹ، چندہ تحریک جدید 575
مڈلینڈز ریجن، برطانیہ 14، 576
مراکش 266، 267
مَرُّ الظَّہۡرَان 541
مروہ، کیمرون کا شہر 279، 280
مری 90
مسجد مبارک (قادیان) 617
مسجد مبارک (ربوہ) 333
مسجد مبارک (یوکے) 01، 17، 34، 45، 64، 77، 88، 103، 119، 131، 145، 159، 172، 200، 213، 224، 236، 251، 261، 274، 297، 308، 322، 345، 358، 405، 419، 429، 486، 499، 525، 536، 548، 562، 578، 593، 605، 619، 632، 645، 659، 672
مسس ساگا (Mississauga) 576
مشارکاریجن میں ایم ٹی اے پر خطبہ حضور انور کی پذیرائی 283
مصر 29، 30، 60، 92، 126، 274، 378، 466، 491
معدن 539
مغل پورہ لاہور اس سال وقفِ جدید میں مجموعی وصولی کے لحاظ سے نمبر دس پر 15
مغل پورہ لاہور، چندہ تحریک جدید 576
مقدونیا 460
مکہ 17، 18، 53، 111، 286، 287، 299، 300، 304، 305، 310، 311، 312، 322، 327، 362، 363، 366، 374، 378، 489، 494، 499، 501، 502، 503، 504، 529، 530، 531، 537، 538، 539، 540، 586، 621، 624، 654، 655، 656، 663،
ملاوی 565
ملائیشیا 568
ملائیشیا، چندہ تحریک جدید 575
ملبرن کلائیڈ وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر نو پر 15
ملبرن کلائڈ وقف جدید میں آسٹریلیا کے دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر چھ پر 16
میلبرن کلائڈ (Melbourne Clyde) 577
ملبرن لانگ وارن وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر دو پر 15
ملبرن ویسٹ وقف جدید میں آسٹریلیا کے دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر دس پر 16
ملتان 534، 576
ملتان اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر آٹھ پر 15
ملٹن ایسٹ وقف جدید میں اس سال کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر تین پر 14
ملٹن ویسٹ وقف جدید میں اس سال کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر ایک پر 14
ملبرن بیروک وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کے دفتر اطفال میں نمبر آٹھ پر 16
منجیری، انڈیا، چندہ تحریک جدید 576
منسایا (Mansaya)، گنی کناکری ایک جماعت 04
من ہائم (Mannheim) 575

منیٰ 305
منیما(Maniema)، کانگو 607
موابے ما(Mwabuma) 266
موتی جھیل 140
مورڈن 185، 285، 371، 393
مورفلڈن(Mörfelden) 575
مونٹریال ویسٹ(Montreal West) 576
مونزے(Mwanza) تنزانیہ کا ریجن 276
مونگالانگا(Mwangalanga) 607
مہاراشٹر ا اس سال وقفِ جدید میں انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ سے نمبر نو پر 15
مہاراشٹر ا(انڈیا)، چندہ تحریک جدید 576
مہدی آباد 14، 35، 43، 45، 318، 575
میر پور خاص، چندہ تحریک جدید 576
میر پور خاص اس سال وقفِ جدید میں پاکستان کے اضلاع کے لحاظ سے نمبر نو پر 15
میر پور خاص وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر چھ پر 15
میری لینڈ(Maryland) امریکہ 14، 15، 576
میلا پالم تامل ناڈو، انڈیا ایک جماعت 7
میلا پالم، انڈیا، چندہ تحریک جدید 577
تامل ناڈو، چندہ تحریک جدید 576
میلبورن بیرک وقف جدید میں اس سال آسٹریلیا کی جماعتوں میں نمبر پانچ پر 15
میلبورن بیروک وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر چار پر 16
میلبورن کلائیڈ وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر دس پر 16
میلبورن لانگ وارن وقف جدید میں آسٹریلیا کے بالغان میں نمبر دو پر 15
میلبورن لانگ وارن وقف جدید میں آسٹریلیا کے دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر ایک پر 16
میلبرن لانگ وارِن(Melbourne Lang warrin) 577
میلبرن بیروک(Melbourne Berwick) 577
مَیلے پلایام وقف جدید میں انڈیا کی جماعتوں کے لحاظ نمبر سات پر 15
میامبا(Moyamba)، سیرالیون کا ایک ریجن 10
میسیڈونیا 12

ن

نارتھ جرسی(North Jersey) 576
نارتھ ورجینیا(North Virginia) 14، 15، 576
نارتھ ویلز(North Wales) 14، 576
نارتھ ہیمپٹن(North-Hampton) 14، 576
نارووال وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر آٹھ پر 15
ناروے 115، 116
ناگالا، سینٹرل افریقہ کا ایک گاؤں 268
ناصر صاحب کی مالی قربانی 06
ناظم آباد 442
ننکانہ صاحب وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے نمبر نو پر 15
نائیجر 38، 39
نائیجیریا 06، 413، 575
نائیجیریا اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر تین پر 13
نائیجیریا اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر پانچ پر 13
نجد 108، 504، 505، 506، 539، 581، 587، 594
نُجیر 28
نخلہ 17، 18، 300، 366
نمبا (Nimba) کاؤنٹی 406
نکورو(Nakuru) کینیا کا ریجن 279
ضلع نوابشاہ 522
نوئس(Neuss) 13، 575
نواز آباد فارم 576
نور ہسپتال، قادیان 681
نیامینا(Niamina)، گیمبیا 566
نیانزیلک(Nyanza Lac) 407
نیپال، چندہ تحریک جدید 575

نیدا/ نیڈا(Nidda) 575،14
نیروبی کینیا 670،484،294
نیل دریا 378
نیوپورٹ(Newport) 576
نیوزی لینڈ، چندہ تحریک جدید 575

و

واٹرلُو۔ سیرالیون کے الفاصاحب کی بیعت کا واقعہ 282
واشنگٹن 370
واگاڈوگو 319
وان(Vaughan) 576،14
وڈّان 298
ونی پیگ وقف جدید میں کینیڈا کی جماعتوں میں نمبر چار پر 14
ووسٹر پارک برطانیہ کی جماعتوں میں نمبر دو پر 13
وال ڈارف 575
والسال(Walsall)، برطانیہ 618،576،14،13
ووسٹر پارک(Worcester Park) 576
وینکوور(Vancouver) 576،14
ویزبادن(Wiesbaden) 575،14،13
ویسٹ بنگال وقف جدید میں اس سال انڈیا کے صوبہ جات کے لحاظ نمبر آٹھ پر 15
وینی پیگ(Winnipeg) 576

ہ

ہالینڈ 643،463،403
ہالینڈ، چندہ تحریک جدید 575
ہند 126
ہندوستان 574،481،477،476،292
ہنڈورس(Honduras) 401
ہوشیار پور 88
ہیٹی(Haiti) 396
ہیسن ساؤتھ ویسٹ ریجن وقف جدید میں دفتر اطفال کے لحاظ سے جرمنی میں نمبر دو پر 14
ہیسن مٹے ریجن، وقف جدید 14
ہیمبرگ(Hamburg) 575،14
ہیملٹن ماؤنٹن(Hamilton Mountain) 576
ہیملٹن ویسٹ(Hamilton West) 576
ہیوسٹن(Houston) 576

ی

یَتِیب پہاڑ 539
یثرب 580،311
یروشلم 491
یمن 322،253،110،50،28
یورپ
87، 90، 94، 95، 97، 100، 101، 162، 168، 275، 276، 409، 453، 454، 455، 476، 491، 563
یوکے 01، 17، 34، 45، 64، 77، 88، 103، 119، 131، 145، 159، 172، 185، 200، 213، 224، 236، 251، 261، 274، 285، 291، 293، 334، 358، 369، 371، 380، 383، 390، 393، 405، 419، 429، 484، 486، 497، 499، 525، 533، 534، 548، 562، 578، 593، 605، 609، 619، 632، 645، 659، 672، 679
یوکرین 563،279
یوگنڈا 575،368،367
یوگنڈا اس سال افریقہ میں وقف جدید کی نمایاں وصولی کے لحاظ نمبر آٹھ پر 13
یوگنڈا اس سال وقف جدید میں شاملین کے اضافہ کے لحاظ سے نمبر ایک پر 13
یول(Ewell)، برطانیہ 576،13
یونان 491
یَنبُع 299
یلوکے(Yaloke)، سینٹرل افریقہ 611
Central Jersey 576
Mess, Stattgart 443

کتابیات

ا

الاتقان فی علوم القرآن 172
اتمام الحجۃ، روحانی خزائن 157
اٹلس سیرت النبی ﷺ 297، 298، 299، 327، 620
اٹلس فتوحات اسلامیہ از احمد عادل کمال حصہ دوم 52
کتاب اخبار المدینۃ النبویۃ از ابوزید عمر بن شبۃ 105
اخبار النصر 95
اخبار فتنی العرب 101
اردو دائرہ معارف اسلام 27، 363، 620
اردو لغت 536
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 49، 60، 111، 112، 114، 511
اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ 17، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 28، 50، 51، 52، 59، 103، 110، 306، 335، 346، 361، 362، 538، 603
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ 22، 23، 28، 50، 53، 105، 111، 112، 306، 593، 603، 657
الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء 52
الفضل انٹرنیشنل 16، 33، 48، 63، 76، 94، 102، 118، 130، 144، 158، 171، 184، 199، 212، 223، 235، 250، 260، 273، 284، 296، 307، 321، 334، 344، 357، 370، 382، 392، 405، 418، 428، 442، 456، 473، 486، 495، 512، 524، 535، 547، 561، 577، 592، 604، 618، 631، 644، 658، 671، 684
الفضل انٹرنیشنل روزنامہ ہو جانا اور اس کو پڑھنے اور خریدنے کی تحریک 171
الفضل ربوہ 93، 101
الفضل لاہور (روزنامہ) 475
امتاع الاسماع 22، 23، 25، 51، 52، 53، 114
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا 494
انوار العلوم 29، 30، 91، 97، 98، 99، 108، 313، 325، 329، 337، 374، 495، 546، 548، 550، 574، 633، 635، 640، 647، 656

ب، پ، ت

صحیح بخاری 24، 32، 58، 60، 63، 105، 107، 108، 172، 200، 201، 203، 213، 294، 309، 312، 339، 347، 348، 351، 353، 358، 360، 375، 381، 389، 420، 423، 424، 425، 427، 474، 486، 489، 526، 533، 548، 582، 583، 595، 601، 645، 645
البدایۃ والنہایۃ 50، 52، 114، 315، 514
تاریخ ابن خلدون 302، 514
تاریخ احمدیت 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 100، 101
تاریخ الخمیس 514، 543
تاریخ دمشق الکبیر 105، 114
تاریخ الطبری 29، 30، 312، 337، 346، 348، 349، 512، 514، 541
تحفۃ الاحوذی 490
تذکرہ 214، 261، 380
جامع ترمذی 32، 33، 381، 386
تفسیر ابن کثیر 503
تفسیر صغیر 96، 354
تفسیر طبری 27
تفسیر حضرت مسیح موعودؑ 562
تفسیر الکبیر 351
تفسیر کبیر 91، 92، 96، 329، 354، 375، 658، 666، 668، 674، 675، 677
تفسیر کبیر علامہ امام رازی 366
تفسیر قرطبی 290

تہذیب التہذیب 28، 50

ج، چ، ح، خ

حقائق الفرقان 302
حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء 18، 21، 22، 26، 104، 106
حوّا کی بیٹیاں 477
حیات محمد ﷺ از محمد حسین ہیکل 625
ماہنامہ خالد سیدنا مصلح موعود نمبر 102
خط T.9653 بتاریخ یکم مئی 2004ء 43
خط مکرم ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب۔ لندن 42
خطاباتِ شوریٰ 253
خطابات طاہر 476، 573، 667
خطبات محمود 62، 229، 315، 350، 475، 564، 572، 573، 574
خطبات مسرور 475
خطبات ناصر 573، 590

د، ذ، ر، ز

دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ 322، 342، 353، 354، 363، 488، 506، 512، 526، 541، 580، 587، 593، 620، 621، 622، 623، 625، 626، 627، 650، 662
درس القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ 112
درس القرآن 662
دروس حضرت مصلح موعودؓ 366
دلائل النبوۃ للبیہقی 314، 315، 489
الرحیق المختوم 302، 303، 310، 322، 327، 356، 362، 588
رسول اکرم ﷺ 555
روحانی خزائن 1، 2، 37، 47، 66، 67، 68، 69، 71، 72، 75، 76، 77، 78، 81، 82، 83، 84، 85، 87، 89، 119، 121، 122، 123، 124، 126، 127، 128، 134، 145، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 157، 162، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 187، 188، 191، 192، 193، 194، 195، 197، 198، 202، 203، 204، 214، 216، 218، 225، 237، 238، 242، 243، 247، 249، 260، 261، 275، 341، 347، 350، 352، 355، 377، 378، 379، 384، 387، 391، 396، 399، 406، 428، 432، 436، 438، 439، 443، 458، 495، 527، 561، 562، 605، 606، 607، 633
روشن ستارے 50
الروض الانف 512

س، ش

سبل الہدیٰ والرشاد 54، 59، 62، 111، 299، 302، 307، 308، 310، 313، 317، 328، 330، 337، 338، 341، 346، 349، 359، 361، 364، 489، 503، 505، 510، 513، 514، 538، 541، 551، 554، 582، 621، 623، 624، 627، 628، 630، 631، 634، 635، 636، 637، 641، 646، 648، 649، 650، 651، 652، 654، 656، 678
سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ 510
سنن ابن ماجہ 28، 49، 55، 56، 288، 345، 376، 531، 543، 582
سنن الترمذی 55، 61، 253، 427، 490
السنن الکبریٰ للبیہقی 28، 61، 172
السنن الکبریٰ للنسائی 289
سیر أعلام النبلاء 27، 105
سیر اعلام النبلاء سیر الخلفاء الراشدون 52
سیر اعلام النبلاء سیرت النبی 104
سیر اعلام النبلاء لامام الذھبی 59
سیرت حلبیہ 26، 57، 299، 302، 303، 306، 307، 313، 314، 315، 316، 316، 328، 330، 337، 339، 348، 352، 359، 363، 372، 486، 487، 501، 504، 510، 513، 526، 529، 553، 554، 555، 580، 582، 620، 621، 623، 625، 626، 628، 630، 634، 636، 637، 638، 640، 650، 651، 654، 662، 672
سیر الصحابہ 537، 538

جوامع السیرۃ لابن حزم 511
سیرت ابن ہشام 24، 29، 57، 299، 301، 327، 329، 338، 341، 343، 346، 347، 348، 349، 353، 354، 356، 359، 360، 361، 362، 513، 552، 553، 554، 584، 651، 666
سیرت حبیب دوعالم 327
سیرت خاتم النبیینؐ 21، 51، 59، 104، 110، 112، 254، 288، 289، 290، 291، 300، 302، 303، 310، 316، 327، 328، 336، 339، 341، 344، 346، 347، 351، 352، 360، 364، 367، 372، 373، 374، 376، 488، 494، 504، 506، 508، 519، 527، 529، 531، 537، 538، 540، 542، 545، 560، 579، 584، 585، 594، 600، 602، 603، 620، 624، 627، 628، 631، 635، 636، 637، 639، 645، 647، 650، 656، 658، 673، 674
سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام 386
سیرت المہدی 133
سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی 366، 372، 489، 494، 538
سیرت النبی ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا از سید قاسم محمود 507
سیرت انسائیکلوپیڈیا 538، 582، 621، 646
السیرۃ النبویۃ ﷺ 530
السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق 504
السیرۃ النبویۃ لابن کثیر 17، 310، 314
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام 55، 60، 103، 203، 306، 311، 312، 317، 322، 324، 327، 345، 362، 486، 487، 514، 530، 626، 635، 640، 664
شرح الزرقانی 324، 349، 364، 487، 505، 511، 513، 514، 536، 543، 554، 582، 584، 636، 648، 657
الجامع لشعب الایمان 212، 252

ص، ط

صدق جدید لکھنو 93
الطبقات الکبریٰ لابن سعد 17، 24، 26، 27، 29، 32، 50، 51، 52، 53، 55، 56، 57، 58، 60، 61، 105، 106، 111، 112، 113، 114، 312، 347، 363، 371، 504، 505، 511، 513، 514، 538، 543، 582، 583، 635، 665

ع۔غ۔ف

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری 348، 490، 596
غزواۃ النبی ﷺ 309، 312، 314، 322، 327، 364، 628
غزوات النبیؐ از مولانا ابوالکلام آزاد 363
غزوات وسرایا 622
غزوات وسرایا از علامہ محمد اظہر فرید 647، 648
غزوہ احد از محمد احمد باشمیل 625، 628، 646، 647، 664
غیر مطبوعہ نوٹس حضرت مصلح موعودؓ 662
فائیو والیم کمنٹری (Five Volume Commentary) 96
فتح الباری 324
فرہنگ سیرت 57، 299، 306، 504، 530، 538، 541، 552، 584، 587، 626، 627، 638
فصل الخطاب 642، 668
فضائل الصحابۃ لامام احمد بن حنبل 103

ق۔ک،گ

الجامع لاحکام القرآن لقرطبی 63
الکامل فی التاریخ 514
ہفت روزہ قندیل 94
کنز العمال 3، 104، 255، 429، 583

ل،م

لغات الحدیث 543، 537، 673
اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا 345، 487
مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح 58
المستدرک علی الصحیحین 54، 289، 649
صحیح مسلم 32، 111، 340، 365، 419، 537، 546، 648، 656
مسند احمد بن حنبل 17، 22، 23، 104، 105، 113، 349، 526، 667
المشکوٰۃ المصابیح 121
مطالع الانوار علی صحاح الآثار 24
معجم الاوسط للطبرانی 113

معجم البلدان 52، 105، 306، 317، 555
معجم الصحابہ للبغوی 114
المعجم الکبیر للطبرانی 25، 27، 254
معرفۃ الصحابۃ لأبی نُعَیم 49، 56، 104، 112، 649
کتاب المغازی للواقدی 25، 52، 59، 306، 356، 504، 505، 512، 513، 514، 587، 622، 630
مکتوباتِ احمدؑ 120
ملفوظات 1، 2، 64، 69، 70، 71، 74، 79، 86، 129، 130، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 146، 147، 148، 149، 150، 153، 154، 155، 156، 157، 173، 174، 175، 176، 178، 187، 189، 193، 194، 196، 198، 203، 205، 206، 211، 217، 219، 220، 221، 222، 229، 232، 234، 235، 244، 245، 246، 248، 249، 250، 261، 350، 380، 387، 389، 390، 422، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 453، 454، 495، 563، 604، 678، 679
المنتظم فی تاریخ الملوک والامم از علامہ جوزی 25
المنہاج شرح صحیح مسلم از نووی 648
موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم 113
مؤطا امام مالک 200
میری داستان 331، 332، 333